بیان فرمودہ

حضرت مرزا غلام احمد قادیانی
مسیح موعود و مہدی معہود علیہ السلام

جلد اوّل

سورۃ الفاتحۃ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

و علیٰ عبدہ المسیح الموعود

عرض حال

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں۔

''میں قرآن شریف کے حقائق معارف بیان کرنے کا نشان دیا گیا ہوں کوئی نہیں کہ جو اس کا مقابلہ کر سکے۔'' (ضرورت الامام۔ روحانی خزائن جلد ۱۳ صفحہ ۴۹۶)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ۲۰ رجولائی ۱۹۰۰ء کو اپنے مخالفین کو قرآن کریم کی سورۃ فاتحہ کی تفسیر لکھنے کا چیلنج دیا مگر کوئی مدِّ مقابل نہ آیا۔ حضور علیہ السلام نے شرائط کے مطابق تفسیر لکھ کر شائع فرمائی اور فرمایا۔

''میں نے اس تفسیر کو اپنی طاقت سے نہیں لکھا۔ میں تو ایک کمزور بندہ ہوں اور اسی طرح میرا کلام بھی۔ لیکن یہ سب کچھ اللہ اور اس کے الطافِ کریمانہ ہیں کہ اس تفسیر کے خزانوں کی چابیاں مجھے دی گئی ہیں اور پھر اسی جناب سے مجھے اس کے دفینوں کے اَسرار عطا کئے گئے ہیں۔ میں نے اس میں طرح طرح کے معارف جمع کئے اور انہیں ترتیب دیا ہے۔'' (اعجاز المسیح۔ روحانی خزائن جلد ۱۸ صفحہ ۵۵، ۵۶۔ اردو ترجمہ)

قرآن کریم کے حقائق و معارف جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بیان فرمائے آپؑ کی کتب و ملفوظات میں مذکور ہیں، ان کو یکجا کر کے تفسیر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نام سے طبع اوّل کتابی صورت میں ۸ جلدوں میں اشاعت پذیر ہوا تھا۔

طبع دوم کی اشاعت کے وقت ۸ جلدوں کو ۴ جلدوں میں شائع کیا گیا۔ یہ جلدیں کتابت سے پرنٹ ہوئی تھیں۔

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے تفسیر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کمپیوٹرائزڈ ورژن کی اشاعت کی ہدایت و اجازت فرمائی ہے۔ نیز حضور کا منشائے مبارک

کہ چونکہ ۴ جلدوں کی صورت میں ہر کتاب بھاری ہوگئی ہے اور اس کو بسہولت ہاتھ میں سنبھال کر پڑھنا مشکل ہو جاتا ہے اور یہ کتاب مسلسل مطالعہ میں رہنے والی ہے، اس لئے اس کو ۸ جلدوں میں منقسم کرلیا جائے۔

۱۔ تمام اقتباسات کو حضرت مسیح موعودؑ کی کتب کے اوّل ایڈیشنز سے ازسرِ نو تقابل کر کے متن کی صحت کو قائم رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔

۲۔ حوالہ میں قبل ازیں کتاب کا نام اور صفحہ درج تھا۔ اب اس کے ساتھ روحانی خزائن اور ملفوظات کا بھی اضافہ کر دیا گیا ہے۔

۳۔ اس عمل کے دوران بعض اور اقتباسات سامنے آئے ہیں، ان کو بھی شامل کرلیا گیا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔

''حقیقی اور کامل نجات کی راہیں قرآن نے کھولیں اور باقی سب اس کے ظلّ تھے۔ سو تم قرآن کو تدبر سے پڑھو اور اس سے بہت ہی پیار کرو۔ ایسا پیار کہ تم نے کسی سے نہ کیا ہو کیونکہ جیسا کہ خدا نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ اَلْخَیْرُ کُلُّہٗ فِی الْقُرْاٰنِ کہ تمام قسم کی بھلائیاں قرآن میں ہیں۔'' (کشتی نوح۔ روحانی خزائن جلد ۱۹ صفحہ ۲۷)

اللہ تعالیٰ ہم سب کو حضور علیہ السلام کی اس نصیحت کو حرزِ جان بنا کر اس پر عمل کرنے اور مداومت اختیار کرنے اور معارفِ قرآنی اور اَنوارِ روحانی سے اپنے دلوں کو منور کرنے کی توفیق عطا فرمائے نیز اس اشاعت کی تیاری میں جن مربیان کرام نے جو حصہ پایا انہیں اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین

والسلام

خالد مسعود

ناظر اشاعت ربوہ

2015ء

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

پیش لفظ

(طبع اوّل)

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ ! حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیان فرمودہ تفسیر قرآن کریم کی آٹھویں جلد جو اس سلسلہ کی آخری جلد ہے طبع ہوگئی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جب ۲۰ ؍جولائی ۱۹۰۰ء کو اپنے مخالفین کو تفسیر نویسی کا چیلنج دیا تو آپ نے تحریر فرمایا تھا کہ

''قرآن شریف سے یہ ثابت ہے کہ جو لوگ درحقیقت خدا تعالیٰ کے راستباز بندے ہیں ان کے ساتھ تین طور سے خدا کی تائید ہوتی ہے۔

(ان میں سے ایک یہ ہے) کہ ان کو علمِ معارفِ قرآن دیا جاتا ہے اور غیر کو نہیں دیا جاتا جیسا کہ آیت لَا یَمَسُّہٗۤ اِلَّا الۡمُطَہَّرُوۡنَ اس کی شاہد ہے۔''

معارفِ قرآن کا یہ علم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اُردو، عربی اور فارسی کی اَسّی[۸۰] سے زائد تصانیف اور ملفوظات میں جا بجا مذکور ہے۔ ۱۹۶۷ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثالث، مرزا ناصر احمد، رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان تمام روح پروَر قرآنی معارف اور تفسیری نکات کو یکجا جمع کرنے کا ارشاد فرمایا چنانچہ مولوی سلطان احمد صاحب فاضل (پیرکوٹی) نے بہت تھوڑے وقت میں انتہائی محنت اور عرقریزی کے ساتھ یہ کام مکمل کر کے جنوری ۱۹۶۸ء میں مسودہ حضور کی خدمت میں پیش کر دیا۔

حضور نے اس کی تدوین و ترتیب، عربی و فارسی عبارات کے اُردو ترجمہ اور

طباعت واشاعت کا کام استاذی المکرم مولوی ابوالمنیر نورالحق صاحب فاضل مینیجنگ ڈائریکٹر ادارۃ المصنفین کے سپرد فرمایا۔ آپ نے پہلی جلد سے آخری جلد تک انتہائی ذوق وشوق، لگن اور محنت وجانکاہی کے ساتھ یہ صبرآزما کام سرانجام دیا۔ آپ کے ساتھ جناب مولوی محمد صدیق صاحب انچارج خلافت لائبریری، ملک مبارک احمد مرحوم پروفیسر عربی اَدب جامعہ احمدیہ ربوہ، چوہدری رشید الدین صاحب فاضل اور مولوی سلطان احمد صاحب شاہد نے معاونت فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین

جون ۱۹۶۹ء میں اس سلسلہ کی پہلی جلد شائع ہوئی تھی اور صد سالہ جشنِ تشکر کے موقع پر اس کی آخری جلد پیش ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے ۷/مارچ ۱۹۸۰ء کو تحریک فرمائی تھی کہ ہر احمدی گھرانہ میں اس تفسیر کا سیٹ ضرور موجود ہونا چاہئے۔

طالب دعا

سید عبدالحی

ناظر اشاعت

بسم اللہ الرحمن الرحیم　　　　نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

مختصر فہرست مضامین جلد اوّل

صفحہ	مضمون	نمبر شمار

صفحہ	مضمون	نمبر شمار

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ　بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تفسیر سُورۃ الفاتحۃ

بیان فرمودہ

سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصّلٰوۃ والسّلام

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سورۃ فاتحہ کا پہلا نام فاتحۃ الکتاب اور اس کی وجہ

اِعْلَمْ أَنَّ هٰذِهِ السُّوْرَةَ لَهَا أَسْمَآءٌ كَثِيْرَةٌ۔ فَأَوَّلُهَا فَاتِحَةُ الْكِتَابِ۔ وَ سُمِّيَتْ بِذَالِكَ لِأَنَّهَا يُفْتَتَحُ بِهَا فِي الْمُصْحَفِ وَ فِي الصَّلَاةِ وَ فِيْ مَوَاضِعِ الدُّعَآءِ مِنْ رَّبِّ الْأَرْبَابِ۔ وَعِنْدِيْ أَنَّهَا سُمِّيَتْ بِهَا لِمَا جَعَلَهَا اللّٰهُ حَكَمًا لِّلْقُرْاٰنِ۔ وَ مُلِئَ فِيْهَا مَا كَانَ فِيْهِ مِنْ أَخْبَارٍ وَّمَعَارِفَ مِنَ اللّٰهِ الْمَنَّانِ۔ وَ أَنَّهَا جَامِعَةٌ لِّكُلِّ مَا يَحْتَاجُ الْإِنْسَانُ إِلَيْهِ فِيْ مَعْرِفَةِ الْمَبْدَءِ وَ الْمَعَادِ كَمِثْلِ الْاِسْتِدْلَالِ عَلٰى وُجُوْدِ

جاننا چاہیئے کہ سورۃ فاتحہ کے بہت سے نام ہیں جن میں سے پہلا نام فاتحۃ الکتاب ہے اور اس کا یہ نام اس لئے رکھا گیا ہے کہ قرآن مجید اسی سورۃ سے شروع ہوتا ہے۔ نماز میں بھی پہلے یہی سورۃ پڑھی جاتی ہے اور خدا تعالیٰ سے جو ربّ الارباب ہے دُعا کرتے وقت اسی (سورۃ) سے ابتداء کی جاتی ہے۔ اور میرے نزدیک اس سورۃ کو فاتحہ اس لئے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اِس سورۃ کو قرآن کریم کے مضامین کے لئے حَکَم قرار دیا ہے۔ اور جو اخبارِ غیبیہ اور حقائق و معارف قرآن مجید میں احسان کرنے والے خدا کی طرف سے بیان کئے گئے ہیں وہ سب اس میں بھر دیئے گئے ہیں اور جن امور کا انسان کو مبدء و معاد (دنیا اور آخرت) کے سلسلہ میں جاننا ضروری ہے، وہ سب اس میں موجود ہیں۔ مثلاً وجود باری،

الصَّانِعِ وَ ضُرُوْرَةِ النُّبُوَّةِ وَ الْخِلَافَةِ فِي الْعِبَادِ۔ وَ مِنْ أَعْظَمِ الْأَخْبَارِ وَ أَكْبَرِهَا أَنَّهَا تُبَشِّرُ بِزَمَانِ الْمَسِيْحِ الْمَوْعُوْدِ وَ أَيَّامِ الْمَهْدِيِّ الْمَعْهُوْدِ۔ وَسَنَذْكُرُهُ فِيْ مَقَامِهِ بِتَوْفِيْقِ اللّٰهِ الْوَدُوْدِ۔ وَمِنْ أَخْبَارِهَا أَنَّهَا تُبَشِّرُ بِعُمُرِ الدُّنْيَا الدَّنِيَّةِ۔ وَسَنَكْتُبُهُ بِقُوَّةٍ مِّنَ الْحَضْرَةِ الْأَحَدِيَّةِ۔ وَهٰذِهٖ هِيَ الْفَاتِحَةُ الَّتِيْ أَخْبَرَ بِهَا نَبِيٌّ مِّنَ الْأَنْبِيَآءِ۔ وَقَالَ رَأَيْتُ مَلَكًا قَوِيًّا نَّازِلًا مِّنَ السَّمَآءِ۔ وَ فِيْ يَدِهِ الْفَاتِحَةُ عَلٰى صُوْرَةِ الْكِتَابِ الصَّغِيْرِ۔ فَوَقَعَ رِجْلُهُ الْيُمْنٰى عَلَى الْبَحْرِ وَالْيُسْرٰى عَلَى الْبَرِّ بِحُكْمِ الرَّبِّ الْقَدِيْرِ۔ وَ صَرَخَ بِصَوْتٍ عَظِيْمٍ كَمَا يَزْأَرُ الضِّرْغَامُ۔ وَ ظَهَرَتِ الرُّعُوْدُ السَّبْعَةُ بِصَوْتِهٖ وَكُلٌّ مِّنْهَا وُجِدَ فِيْهِ الْكَلَامُ۔ وَقِيْلَ اخْتِمْ عَلٰى مَا تَكَلَّمَتْ بِهِ الرُّعُوْدُ۔ وَلَا تَكْتُبْ كَذَالِكَ قَالَ الرَّبُّ الْوَدُوْدُ۔ وَالْمَلَكُ النَّازِلُ أَقْسَمَ بِالْحَيِّ الَّذِيْ أَضَآءَ نُوْرُهٗ وَجْهَ الْبِحَارِ وَ الْبُلْدَانِ۔ أَنْ لَّا يَكُوْنَ زَمَانٌ بَعْدَ ذَالِكَ الزَّمَانِ بِهٰذَا الشَّأْنِ۔ وَقَدِ اتَّفَقَ الْمُفَسِّرُوْنَ أَنَّ هٰذَا الْخَبَرَ يَتَعَلَّقُ بِزَمَانِ الْمَسِيْحِ الْمَوْعُوْدِ الرَّبَّانِيِّ فَقَدْ جَآءَ الزَّمَانُ وَ ظَهَرَتِ

ضرورت نبوت اور مومن بندوں میں سلسلہ خلافت کے قیام پر استدلال۔ اور اس سورۃ کی سب سے بڑی اور اہم خبر یہ ہے کہ یہ سورۃ مسیح موعود اور مہدی معہود کے زمانہ کی بشارت دیتی ہے اور اسے ہم خدائے ودود کی دی ہوئی توفیق سے اس کے محل پر بیان کریں گے۔ اسی طرح اس سورۃ میں بیان شدہ خبروں میں سے ایک خبر یہ بھی ہے کہ یہ سورۃ اس دنیا کی عمر بتاتی ہے اور ہم عنقریب اسے بھی اللہ کی دی ہوئی قوت سے لکھیں گے۔ یہ وہی سورۃ فاتحہ ہے جس کی خبر خدا تعالیٰ کے انبیاء میں سے ایک نبی نے دی۔ اس نبی نے کہا کہ میں نے ایک قوی فرشتہ دیکھا جو آسمان سے اترا، اس کے ہاتھ میں سورۃ فاتحہ ایک چھوٹی سی کتاب کی شکل میں تھی اور خدائے قادر کے حکم سے اس کا دایاں پاؤں سمندر پر اور بایاں پاؤں خشکی پر پڑا اور وہ شیر کے غرّانے کی مانند بلند آواز میں پکارا، اس کی آواز سے سات گرجیں پیدا ہوئیں جن میں سے ہر ایک میں ایک مخصوص کلام (جملہ) سنائی دیا اور کہا گیا کہ ان گرجوں میں سے پیدا ہونے والے کلمات کو سربمہر کردے اور انہیں مت لکھ۔ خدائے مہربان نے ایسا ہی فرمایا ہے اور نازل ہونے والے فرشتہ نے اس زندہ خدا کی قسم کھا کر جس کے نور نے سمندروں اور آبادیوں کو روشن کیا ہے کہا کہ اس (مسیح موعود) کے زمانہ کے بعد اس شان و مرتبہ کا زمانہ نہ آئے گا۔ اور مفسّرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ پیش گوئی مسیح موعود کے زمانہ سے متعلق ہے۔ سو اب وہ زمانہ آ گیا ہے اور سورۃ فاتحہ کی سات آیات سے وہ سات

الْأَصْوَاتُ السَّبْعَةُ مِنَ السَّبْعِ الْمَثَانِيْ وَهٰذَا الزَّمَانُ لِلْخَيْرِ وَالرُّشْدِ كَاٰخِرِ الْأَزْمِنَةِ وَلَا يَأْتِيْ زَمَانٌ بَعْدَهٗ كَمِثْلِهٖ فِي الْفَضْلِ وَالْمَرْتَبَةِ۔ وَ إِنَّا إِذَا وَدَّعْنَا الدُّنْيَا فَلَا مَسِيْحَ بَعْدَنَا إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔ وَلَا يَنْزِلُ أَحَدٌ مِّنَ السَّمَآءِ وَلَا يَخْرُجُ رَأْسٌ مِّنَ الْمَغَارَةِ۔ إِلَّا مَا سَبَقَ مِنْ رَّبِّيْ قَوْلٌ فِي الذُّرِّيَّةِ۔ ★ وَإِنَّ هٰذَا هُوَ الْحَقُّ وَ قَدْ نَزَلَ مَنْ كَانَ نَازِلًا مِّنَ الْحَضْرَةِ۔ وَتَشْهَدُ عَلَيْهِ السَّمَآءُ وَالْأَرْضُ وَلٰكِنَّكُمْ لَا تَطَّلِعُوْنَ عَلٰى هٰذِهِ الشَّهَادَةِ۔ وَ سَتَذْكُرُوْنَنِيْ بَعْدَ الْوَقْتِ وَ السَّعِيْدُ مَنْ أَدْرَكَ الْوَقْتَ وَمَا أَضَاعَهٗ بِالْغَفْلَةِ۔

(اعجاز المسیح۔ روحانی خزائن جلد ۱۸ صفحہ ۷۰ تا ۷۳)

آوازیں ظاہر ہوگئی ہیں اور یہ زمانہ نیکی اور ہدایت کے لحاظ سے آخری زمانہ ہے اور اس کے بعد کوئی زمانہ اس زمانہ کی شان و مرتبہ کا نہیں آئے گا اور جب ہم اس دنیا سے رخصت ہو جائیں گے تو پھر ہمارے بعد قیامت تک کوئی اور مسیح نہیں آئے گا اور نہ ہی کوئی آسمان سے اترے گا اور نہ ہی کوئی غار سے نکلے گا۔ سوائے اس موعود لڑکے کے جس کے بارہ میں پہلے سے میرے ربّ کے کلام میں ذکر آ چکا ہے۔ یہی بات سچ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو (مسیح موعود) آنے والا تھا وہ آ گیا ہے اور زمین و آسمان اس پر گواہی دے رہے ہیں، لیکن تم اس گواہی کی طرف بالکل توجہ نہیں کرتے، تم عنقریب وقت نکل جانے کے بعد مجھے ضرور یاد کرو گے۔ سعادت مند وہی شخص ہے جس نے اس وقت کو پایا اور اس کو غفلت میں ضائع نہ کیا۔ (ترجمہ از مرتب)

سورۃ فاتحہ کا دوسرا نام سورۃ الحمد

إِنَّ لِلْفَاتِحَةِ أَسْمَآءً أُخْرٰى۔ مِنْهَا سُوْرَةُ الْحَمْدِ بِمَا افْتُتِحَ بِحَمْدِ رَبِّنَا الْأَعْلٰى۔

سورۃ فاتحہ کے اور نام بھی ہیں جن میں سے ایک سورۃ **الحمد** بھی ہے کیونکہ یہ سورۃ ہمارے ربِّ اعلیٰ کی حمد سے شروع ہوتی ہے۔

سورۃ فاتحہ کا تیسرا نام اُمُّ القرآن

وَ مِنْهَا أُمُّ الْقُرْاٰنِ بِمَا جَمَعَتْ مَطَالِبَهٗ كُلَّهَا بِأَحْسَنِ الْبَيَانِ۔ وَ تَأَبَّطَتْ

اور سورۃ فاتحہ کا ایک نام اُمُّ القرآن بھی ہے کیونکہ وہ تمام قرآنی مطالب پر احسن پیرایہ میں حاوی ہے اور اس

★ اِلَيْهِ اِشَارَةٌ فِيْ قَوْلِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَتَزَوَّجُ وَيُوْلَدُ لَهٗ۔ (منہ)
(ترجمہ) اسی کی طرف اشارہ ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں کہ مسیح موعود نکاح کرے گا اور اس کو اولاد دی جائے گی۔ (منہ)

كَصَدَفٍ دُرَرَ الْفُرْقَانِ۔ وَ صَارَتْ كَعُشٍّ لِّطَيْرِ الْعِرْفَانِ۔ فَإِنَّ الْقُرْاٰنَ جَمَعَ عُلُوْمًا أَرْبَعَةً فِي الْهِدَايَاتِ۔ عِلْمَ[۱] الْمَبْدَءِ وَعِلْمَ[۲] الْمَعَادِ وَعِلْمَ[۳] النُّبُوَّةِ وَعِلْمَ[۴] تَوحِيْدِ الذَّاتِ وَ الصِّفَاتِ۔ وَلَا شَكَّ أَنَّ هٰذِهِ الْأَرْبَعَةَ مَوْجُوْدَةٌ فِي الْفَاتِحَةِ۔ وَ مَوْءُوْدَةٌ فِي صُدُوْرِ أَكْثَرِ عُلَمَآءِ الْأُمَّةِ۔ يَقْرَأُوْنَهَا وَهِيَ لَا تُجَاوِزُ مِنَ الْحَنَاجِرِ۔ لَا يُفَجِّرُوْنَ أَنْهَارَهَا السَّبْعَةَ بَلْ يَعِيْشُوْنَ كَالْفَاجِرِ۔

(اعجاز المسیح، روحانی خزائن جلد ۱۸ صفحہ ۷۴، ۷۵)

نے سیپ کی طرح قرآن کریم کے جواہرات اور موتیوں کو اپنے اندر رلیا ہوا ہے۔ اور یہ سورۃ علم و عرفان کے پرندوں کے لئے گھونسلوں کی مانند بن گئی ہے۔ یاد رہے کہ قرآن کریم میں انسانوں کی رہنمائی کے لئے چار مضامین بیان کئے گئے ہیں۔ ا۔علم مبدء۔ ۲۔علم معاد۔ ۳۔علم نبوت۔ ۴۔علم توحید ذات و صفات اور لاریب یہ چاروں علوم سورۃ فاتحہ میں موجود ہیں۔ اور یہ علوم اکثر علمائے اُمّت کے سینوں میں زندہ درگور کی حیثیت رکھتے ہیں، کیونکہ وہ لوگ سورۃ فاتحہ کو پڑھتے تو ہیں لیکن وہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اترتی اور وہ اس کی ان سات نہروں کو پوری طرح جاری نہیں کرتے (تاوہ خود بھی اور دوسرے لوگ بھی ان سے فائدہ اٹھائیں) بلکہ وہ فاجر لوگوں کی سی زندگی بسر کرتے ہیں۔

(ترجمہ از مرتب)

سورۃ فاتحہ کا چوتھا نام اُمّ الکتاب

اس کا نام اُمّ الکتاب بھی ہے کیونکہ قرآن شریف کی تمام تعلیم کا اِس میں خلاصہ اور عطر موجود ہے۔

(ایام الصلح، روحانی خزائن جلد ۱۴ صفحہ ۲۴۶، ۲۴۷)

وَمِنَ الْمُمْكِنِ أَنْ يَّكُوْنَ تَسْمِيَةُ هٰذِهِ السُّوْرَةِ بِأُمِّ الْكِتَابِ۔ نَظَرًا إِلٰى غَايَةِ التَّعْلِيْمِ فِيْ هٰذَا الْبَابِ فَإِنَّ سُلُوْكَ السَّالِكِيْنَ لَا يَتِمُّ إِلَّا بَعْدَ أَنْ يَّسْتَوْلِيَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ عِزَّةُ الرُّبُوْبِيَّةِ وَ ذِلَّةُ الْعُبُوْدِيَّةِ۔ وَلَنْ تَجِدَ مُرْشِدًا فِيْ هٰذَا الْأَمْرِ كَهٰذِهِ السُّوْرَةِ مِنَ الْحَضْرَةِ الْأَحَدِيَّةِ۔ أَ لَا تَرٰى كَيْفَ أَظْهَرَ عِزَّةَ اللهِ وَ عَظْمَتَهٗ بِقَوْلِهٖ

سورۃ کا نام امّ الکتاب رکھنے کی یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ امور روحانیہ کے بارے میں اس میں کامل تعلیم موجود ہے، کیونکہ سالکوں کا سلوک اُس وقت تک پورا نہیں ہوتا جب تک کہ اُن کے دلوں پر ربوبیت کی عزّت اور عبودیت کی ذلّت غالب نہ آ جائے۔ اس امر میں خدائے واحد و یگانہ کی طرف سے نازل شدہ سورۃ فاتحہ جیسا رہنما اور کہیں نہیں پاؤ گے۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ اُس نے کس طرح اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ سے لے کر مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ تک کے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ إِلٰى مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ثُمَّ أَظْهَرَ ذِلَّةَ الْعَبْدِ وَهَوَانَهٗ وَ ضُعْفَهٗ بِقَوْلِهٖ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ۔ وَ مِنَ الْمُمْكِنِ أَنْ يَّكُوْنَ تَسْمِيَةُ هٰذِهِ السُّوْرَةِ بِهٖ نَظَرًا إِلٰى ضُرُوْرَاتِ الْفِطْرَةِ الْإِنْسَانِيَّةِ۔ وَ إِشَارَةً إِلٰى مَا تَقْتَضِي الطَّبَائِعُ بِالْكَسْبِ أَوِ الْجَوَاذِبِ الْإِلٰهِيَّةِ فَإِنَّ الْإِنْسَانَ يُحِبُّ لِتَكْمِيْلِ نَفْسِهٖ أَنْ يَّحْصُلَ لَهٗ عِلْمُ ذَاتِ اللّٰهِ وَ صِفَاتِهٖ وَ أَفْعَالِهٖ۔ وَ يُحِبُّ أَنْ يَّحْصُلَ لَهٗ عِلْمُ مَرْضَاتِهٖ بِوَسِيْلَةِ أَحْكَامِهِ الَّتِيْ تَنْكَشِفُ حَقِيْقَتُهَا بِأَقْوَالِهٖ۔ وَ كَذَالِكَ تَقْتَضِيْ رُوْحَانِيَّتُهٗ أَنْ تَأْخُذَ بِيَدِهِ الْعِنَايَةُ الرَّبَّانِيَّةُ۔ وَ يَحْصُلَ بِإِعَانَتِهٖ صَفَاءُ الْبَاطِنِ وَالْأَنْوَارُ وَالْمُكَاشَفَاتُ الْإِلٰهِيَّةِ۔ وَ هٰذِهِ السُّوْرَةُ الْكَرِيْمَةُ مُشْتَمِلَةٌ عَلٰى هٰذِهِ الْمَطَالِبِ۔ بَلْ وَقَعَتْ بِحُسْنِ بَيَانِهَا وَ قُوَّةِ تِبْيَانِهَا كَالْجَالِبِ۔

(اعجاز المسیح ۔ روحانی خزائن جلد ۱۸ صفحہ ۷۵ تا ۷۷)

الفاظ سے اللہ تعالیٰ کی عزّت اور عظمت کو ظاہر فرمایا ہے۔ پھر اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کہہ کر بندہ کے عجز اور کمزوری کو ظاہر کیا ہے۔ پھر یہ بھی ممکن ہے کہ اس سورۃ کو اُمُّ الکتاب اس امر کے پیش نظر کہا گیا ہو کہ اس میں انسانی فطرت کی سب ضرورتیں مدّنظر ہیں اور انسانی طبائع کے سب تقاضوں کی طرف اشارہ ہے خواہ وہ کسب سے متعلق ہوں یا افضالِ الٰہیہ سے۔ کیونکہ انسان اپنے نفس کی تکمیل کے لئے اللہ تعالیٰ کی ذات، صفات اور افعال کا علم حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اور یہ بھی چاہتا ہے کہ اسے اس کے ان احکام کے وسیلہ سے اس کی خوشنودی کا علم ہو جائے، جن کی حقیقت اس کے اقوال سے ہی کھلتی ہے اور ایسا ہی اس کی روحانیت چاہتی ہے کہ عنایت ربّانی اس کی دستگیری کرے اور اس کی مدد سے اسے صفاء باطن اور انوار و مکاشفات الٰہیہ حاصل ہوں اور یہ سورہ کریمہ ان سب مطالب پر مشتمل ہے بلکہ یہ سورۃ اپنے حسنِ بیان اور قوتِ تبیان سے دلوں کو موہ لینے والی ہے۔ (ترجمہ از مرتب)

سورۃ فاتحہ کا پانچواں نام السبع المثانی

وَمِنْ أَسْمَآءِ هٰذِهِ السُّوْرَةِ السَّبْعُ الْمَثَانِيْ۔ وَسَبَبُ التَّسْمِيَةِ أَنَّهَا مُثَنّٰى نِصْفُهَا ثَنَآءُ الْعَبْدِ لِلرَّبِّ وَ نِصْفُهَا عَطَآءُ الرَّبِّ لِلْعَبْدِ الْفَانِيْ۔ وَ قِيْلَ إِنَّهَا سُمِّيَتِ

اس سورۃ کے ناموں میں سے ایک نام سبع مثانی ہے اور اس نام کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس سورۃ کے دو حصّے ہیں، اس کا ایک حصّہ بندہ کی طرف سے خدا کی ثناء اور دوسرا نصف فانی انسان کے لئے خدا تعالیٰ کی عطا اور

الْمَثَانِيْ بِمَا أَنَّهَا مُسْتَثْنَاةٌ مِّنْ سَآئِرِ الْكُتُبِ الْإِلٰهِيَّةِ۔ وَلَا يُوْجَدُ مِثْلُهَا فِي التَّوْرَاةِ وَلَا فِي الْإِنْجِيْلِ وَلَا فِي الصُّحُفِ النَّبَوِيَّةِ۔ وَ قِيْلَ أَنَّهَا سُمِّيَتْ مَثَانِيْ لِأَنَّهَا سَبْعُ آيَاتٍ مِّنَ اللّٰهِ الْكَرِيْمِ۔ وَتَعْدِلُ قِرَاءَ تُ كُلِّ اٰيَةٍ مِّنْهَا قِرَاءَ ةَ سُبْعٍ مِّنَ الْقُرْاٰنِ الْعَظِيْمِ۔ وَ قِيْلَ سُمِّيَتْ سَبْعًا إِشَارَةً إِلَى الْأَبْوَابِ السَّبْعَةِ مِنَ النِّيْرَانِ۔ وَلِكُلٍّ مِّنْهَا جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ يَّدْفَعُ شُوَاظَهَا بِإِذْنِ اللّٰهِ الرَّحْمَانِ۔ فَمَنْ أَرَادَ أَنْ يَّمُرَّ سَالِمًا مِّنْ سَبْعِ أَبْوَابِ السَّعِيْرِ۔ فَعَلَيْهِ أَنْ يَّدْخُلَ هٰذِهِ السَّبْعَ وَيَسْتَأْنِسَ بِهَا وَ يَطْلُبَ الصَّبْرَ عَلَيْهَا مِنَ اللّٰهِ الْقَدِيْرِ۔ وَكُلُّ مَا يُدْخِلُ فِيْ جَهَنَّمَ مِنَ الْأَخْلَاقِ وَالْأَعْمَالِ وَالْعَقَآئِدِ۔ فَهِيَ سَبْعٌ مُوْبِقَاتٌ مِّنْ حَيْثُ الْأُصُوْلِ۔ وَهٰذِهٖ سَبْعٌ لِّدَفْعِ هٰذِهِ الشَّدَائِدِ۔ وَلَهَا أَسْمَآءٌ أُخْرٰى فِي الْأَخْبَارِ۔ وَ كَفَاكَ هٰذَا فَإِنَّهٗ خَزِيْنَةُ الْأَسْرَارِ۔ وَمَعَ ذَالِكَ حَصْرُ هٰذَا التَّعْدَادِ۔ إِشَارَةٌ إِلٰى سَنَوَاتِ الْمَبْدَءِ وَ الْمَعَادِ۔ أَعْنِيْ أَنَّ اٰيَاتِهَا السَّبْعَ إِيْمَآءٌ إِلٰى عُمُرِ الدُّنْيَا فَإِنَّهَا سَبْعَةُ اٰلَافٍ۔

بخشش پر مشتمل ہے۔ بعض علماء کے نزدیک اس کا نام السبع المثانی اس لئے ہے کہ یہ سورۃ تمام کُتبِ الٰہیہ میں امتیازی شان رکھتی ہے اور اس کی مانند کوئی سورۃ تورات یا انجیل یا دوسرے صحفِ انبیاء میں نہیں پائی جاتی اور بعض کا خیال ہے کہ اس کا نام مثانی اس لئے ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کی ایسی سات آیات پر مشتمل ہے کہ ان میں سے ہر آیت کی قرأت قرآنِ عظیم کے ساتویں حِصّہ کی قرأت کے برابر ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا نام السبع المثانی اس بناء پر رکھا گیا ہے کہ اس میں جہنّم کے سات دروازوں کی طرف اشارہ ہے اور ان میں سے ہر ایک دروازہ کے لئے اس سورۃ کا ایک حِصّہ مقرر ہے جو خدائے رحمان کے اِذن سے جہنّم کے شعلوں کو دُور کرتا ہے۔ پس جو شخص جہنم کے ان سات دروازوں سے محفوظ گزرنا چاہتا ہے اسے لازم ہے کہ وہ اس سورۃ کی ساتوں آیات کے حصار میں داخل ہو اور ان سے دلی لگاؤ رکھے اور ان پر عمل کرنے کے لئے خدائے قدیر سے استقلال طلب کرے اور تمام اخلاق، اعمال اور عقائد جو انسان کو جہنم میں داخل کرتے ہیں وہ اصولی طور پر سات مہلک امور ہیں اور سورت فاتحہ کی یہ سات آیات ایسی ہیں جو ان مہلکات کی شدائد کو دفع کرتی ہیں۔ احادیث میں اس سورۃ کے اور بھی کئی نام مذکور ہیں لیکن تیرے لئے اسی قدر بیان کافی ہے کہ یہ الٰہی اسرار کا خزانہ ہے۔ علاوہ ازیں اس سورت کی آیات کا سات کی تعداد میں منحصر ہونا مبدء و معاد کے زمانہ کی طرف اشارہ ہے میری مراد یہ ہے کہ اس کی

وَلِكُلٍّ مِّنْهَا دَلَالَةٌ عَلٰى كَيْفِيَّةِ إِيْلَافٍ۔ وَالْأَ لْفُ الْأَخِيْرُ فِي الضَّلَالِ كَبِيْرٌ وَكَانَ هٰذَا الْمُقَامُ يَقْتَضِيْ هٰذَا الْإِعْلَامَ كَمَا كَفَّلَتِ الذِّكْرَ إِلٰى مَعَادٍ مِّنِ ائْتِنَافٍ۔
(اعجاز المسیح، روحانی خزائن جلد ۱۸ صفحہ ۷۷ تا ۷۹)

سات آیات دنیا کی عمر کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ وہ سات ہزار سال ہے اور ہر آیت ہزار سال کی کیفیت پر دلالت کرتی ہے اور یہ کہ آخری ہزار سال گمراہی میں بڑھ کر ہوگا اور یہ مقام اسی طرح اظہار کا مقتضی تھا جس طرح یہ سورۃ شروع دنیا سے لے کر آخرت تک کے ذکر کی کفیل ہے۔
(ترجمہ از مرتب)

سورۃ فاتحہ کے خواص

واضح ہو کہ اگر کوئی کلام ان تمام چیزوں میں سے کہ جو خدائے تعالیٰ کی طرف سے صادر اور اس کے دستِ قدرت کی صنعت ہیں کسی چیز سے مشابہت کلّی رکھتا ہو یعنی اس میں عجائبات ظاہری و باطنی ایسے طور پر جمع ہوں کہ جو مصنوعاتِ الٰہیہ میں سے کسی شے میں جمع ہیں تو اس صورت میں کہا جائے گا کہ وہ کلام ایسے مرتبہ پر واقع ہے کہ جس کی مثل بنانے سے انسانی طاقتیں عاجز ہیں کیونکہ جس چیز کی نسبت بےنظیر اور صادر من اللہ ہونا عندالخواص والعوام ایک مسلّم اور مقبول امر ہے جس میں کسی کو اختلاف و نزاع نہیں اس کی وجوہ بےنظیری میں کسی شے کی شراکتِ تامّہ ثابت ہونا بلاشبہ اس امر کو ثابت کرتا ہے کہ وہ شے بھی بےنظیر ہی ہے مثلاً اگر کوئی چیز اس چیز سے بکلّی مطابق آ جائے جو اپنے مقدار میں دس گز ہے تو اس کی نسبت بھی یہ علم صحیح قطعی مفید یقین جازم حاصل ہوگا کہ وہ بھی دس گز ہے۔

سورۃ فاتحہ میں گلاب ایسی وجوہ بےنظیری

اب ہم ان مصنوعاتِ الٰہیہ میں سے ایک لطیف مصنوع کو مثلاً گلاب کے پھول کو بطور مثال قرار دے کر اس کے وہ عجائبات ظاہری و باطنی لکھتے ہیں جن کی رو سے وہ ایسی اعلیٰ حالت پر تسلیم کیا گیا ہے کہ اس کی نظیر بنانے سے انسانی طاقتیں عاجز ہیں اور پھر اس بات کو ثابت کر کے دکھلائیں گے کہ ان سب عجائبات سے سورۃ فاتحہ کے عجائبات اور کمالات ہم وزن ہیں۔ بلکہ ان عجائبات کا پلّہ بھاری ہے اور اس مثال کے اختیار کرنے کا موجب یہ ہوا کہ ایک مرتبہ اس عاجز نے اپنی نظر کشفی میں سورۃ فاتحہ کو دیکھا کہ ایک ورق پر لکھی ہوئی اس عاجز کے ہاتھ میں ہے اور ایک ایسی خوبصورت اور دلکش شکل میں ہے کہ گویا وہ کاغذ جس پر سورۃ فاتحہ لکھی ہوئی ہے

سرخ سرخ اور ملائم گلاب کے پھولوں سے اس قدر لدا ہوا ہے کہ جس کا کچھ انتہا نہیں اور جب یہ عاجز اس سورۃ کی کوئی آیت پڑھتا ہے تو اس میں سے بہت سے گلاب کے پھول ایک خوش آواز کے ساتھ پرواز کر کے اوپر کی طرف اُڑتے ہیں اور وہ پھول نہایت لطیف اور بڑے بڑے اور سندر اور تروتازہ اور خوشبودار ہیں جن کے اوپر چڑھنے کے وقت دل و دماغ نہایت معطّر ہو جاتا ہے اور ایک ایسا عالم مستی کا پیدا کرتے ہیں کہ جو اپنی بے مثل لذتوں کی کشش سے دنیا و مافیہا سے نہایت درجہ کی نفرت دلاتے ہیں۔ اس مکاشفہ سے معلوم ہوا کہ گلاب کے پھول کو سورۃ فاتحہ کے ساتھ ایک روحانی مناسبت ہے۔ سو ایسی مناسبت کے لحاظ سے اس مثال کو اختیار کیا گیا اور مناسب معلوم ہوا کہ اوّل بطور مثال گلاب کے پھول کے عجائبات کو کہ جو اس کے ظاہر و باطن میں پائے جاتے ہیں لکھا جائے اور پھر بمقابلہ اس کے عجائبات کے سورۃ فاتحہ کے عجائبات ظاہری و باطنی قلمبند ہوں تا ناظرین با انصاف کو معلوم ہو کہ جو خوبیاں گلاب کے پھول میں ظاہراً و باطناً پائی جاتی ہیں جن کے رو سے اس کی نظیر بنانا عادتاً محال سمجھا گیا ہے۔ اسی طور پر اور اس سے بہتر خوبیاں سورۃ فاتحہ میں موجود ہیں اور تا اس مثال کے لکھنے سے اشارہ کشفی پر بھی عمل ہو جائے۔

پس جاننا چاہئے کہ یہ امر ہر یک عاقل کے نزدیک بغیر کسی تردّد اور توقّف کے مسلّم الثبوت ہے کہ گلاب کا پھول بھی مثل اور مصنوعاتِ الٰہیہ کے ایسی عمدہ خوبیاں اپنی ذات میں جمع رکھتا ہے جن کی مثل بنانے پر انسان قادر نہیں اور وہ دو طور کی خوبیاں ہیں۔ ایک وہ کہ جو اس کی ظاہری صورت میں پائی جاتی ہیں اور وہ یہ ہیں کہ اس کا رنگ نہایت خوشنما اور خوب ہے اور اس کی خوشبو نہایت دل آرام اور دلکش ہے اور اس کے ظاہر بدن میں نہایت درجہ کی ملائمت اور تروتازگی اور نرمی اور نزاکت اور صفائی ہے اور دوسری وہ خوبیاں ہیں کہ جو باطنی طور پر حکیم مطلق نے اس میں ڈال رکھی ہیں یعنی وہ خواص کہ جو اس کے جوہر میں پوشیدہ ہیں اور وہ یہ ہیں کہ وہ مفرّح اور مقوّی قلب اور مُسکن صفرا ہے اور تمام قویٰ اور ارواح کو تقویت بخشتا ہے اور صفرا اور بلغم رقیق کا مسہل بھی ہے اور اسی طرح معدہ اور جگر اور گردہ اور امعا اور رِحم اور پھیپھڑہ کو بھی قوّت بخشتا ہے اور خفقان حارّ اور غشی اور ضعفِ قلب کے لئے نہایت مفید ہے اور اسی طرح اور کئی امراض بدنی کو فائدہ مند ہے۔ پس انہیں دونوں طور کی خوبیوں کی وجہ سے اس کی نسبت اعتقاد کیا گیا ہے کہ وہ ایسے مرتبہ کمال پر واقعہ ہے کہ ہرگز کسی انسان کے لئے ممکن نہیں کہ اپنی طرف سے کوئی ایسا پھول بناوے کہ جو اس پھول کی طرح رنگ میں خوشنما اور خوشبو میں دلکش اور بدن میں نہایت تروتازہ اور نرم اور نازک اور مصفّا ہو اور باوجود اس کے باطنی

طور پر تمام وہ خواص بھی رکھتا ہو جو گلاب کے پھول میں پائے جاتے ہیں۔ اور اگر یہ سوال کیا جائے کہ کیوں گلاب کے پھول کی نسبت ایسا اعتقاد کیا گیا کہ انسانی قوتیں اس کی نظیر بنانے سے عاجز ہیں اور کیوں جائز نہیں کہ کوئی انسان اس کی نظیر بنا سکے اور جو خوبیاں اس کی ظاہر و باطن میں پائی جاتی ہیں وہ مصنوعی پھول میں پیدا کر سکے۔ تو اس سوال کا جواب یہی ہے کہ ایسا پھول بنانا عادتاً ممتنع ہے اور آج تک کوئی حکیم اور فیلسوف کسی ایسی ترکیب سے کسی قسم کی ادویہ کو بہم نہیں پہنچا سکا کہ جن کے باہم مخلوط اور ممزوج کرنے سے ظاہر و باطن میں گلاب کے پھول کی سی صورت اور سیرت پیدا ہو جائے۔ اب سمجھنا چاہیئے کہ یہی وجوہ بے نظیری کی سورۃ فاتحہ میں بلکہ قرآن شریف کے ہر یک حِصّہ اقلّ قلیل میں کہ جو چار آیت سے بھی کم ہو پائی جاتی ہیں۔ پہلے ظاہری صورت پر نظر ڈال کر دیکھو کہ کیسی رنگینی عبارت اور خوش بیانی اور جَودتِ الفاظ اور کلام میں کمال سلاست اور نرمی اور روانگی اور آب و تاب اور لطافت وغیرہ لوازم حسن کلام اپنا کامل جلوہ دکھا رہے ہیں۔ ایسا جلوہ کہ جس پر زیادت متصور نہیں اور وحشت کلمات اور تعقید ترکیبات سے بکلّی سالم اور بری ہے۔ ہریک فقرہ اس کا نہایت فصیح اور بلیغ ہے اور ہریک ترکیب اس کی اپنے اپنے موقعہ پر واقعہ ہے اور ہریک قسم کا التزام جس سے حسن کلام بڑھتا ہے اور لطافت عبارت کھلتی ہے سب اس میں پایا جاتا ہے اور جس قدر حسن تقریر کے لئے بلاغت اور خوش بیانی کا اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ ذہن میں آ سکتا ہے وہ کامل طور پر اس میں موجود اور مشہود ہے اور جس قدر مطلب کے دل نشین کرنے کے لئے حُسنِ بیان درکار ہے وہ سب اس میں مہیّا اور موجود ہے اور باوجود اس بلاغت معانی اور التزام کمالیت حُسنِ بیان کے صدق اور راستی کی خوشبو سے بھرا ہوا ہے۔ کوئی مبالغہ ایسا نہیں جس میں جھوٹ کی ذرا آمیزش ہو۔ کوئی رنگینی عبارت اس قسم کی نہیں جس میں شاعروں کی طرح جھوٹ اور ہزل اور فضول گوئی کی نجاست اور بدبُو سے مدد لی گئی ہو۔ پس جیسے شاعروں کا کلام جھوٹ اور ہزل اور فضول گوئی کی بدبُو سے بھرا ہوا ہوتا ہے یہ کلام صداقت اور راستی کی لطیف خوشبو سے بھرا ہوا ہے اور پھر اس خوشبو کے ساتھ خوش بیانی اور جَودت الفاظ اور رنگینی اور صفائی عبارت کو ایسا جمع کیا گیا ہے کہ جیسے گلاب کے پھول میں خوشبو کے ساتھ اس کی خوش رنگی اور صفائی بھی جمع ہوتی ہے۔ یہ خوبیاں تو باعتبار ظاہر کے ہیں اور باعتبار باطن کے اس میں یعنی سورۃ فاتحہ میں یہ خواص ہیں کہ وہ بڑی بڑی امراض روحانی کے علاج پر مشتمل ہے اور تکمیل قوت علمی اور عملی کے لئے بہت سا سامان اس میں موجود ہے اور بڑے بڑے بگاڑوں کی اصلاح کرتی ہے اور بڑے بڑے معارف اور دقائق اور لطائف کہ جو حکیموں اور فلسفیوں

کی نظر سے چھپے رہے اس میں مذکور ہیں۔ سالک کے دل کو اس کے پڑھنے سے یقینی قوت بڑھتی ہے اور شک اور شبہ اور ضلالت کی بیماری سے شفا حاصل ہوتی ہے اور بہت سی اعلیٰ درجہ کی صداقتیں اور نہایت باریک حقیقتیں کہ جو تکمیل نفسِ ناطقہ کے لئے ضروری ہیں۔ اس کے مبارک مضمون میں بھری ہوئی ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ یہ کمالات بھی ایسے ہیں کہ گلاب کے پھول کے کمالات کی طرح ان میں بھی عادتاً ممتنع معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی انسان کے کلام میں مجتمع ہوسکیں اور یہ امتناع نہ نظری بلکہ بدیہی ہے۔ کیونکہ جن دقائق و معارفِ عالیہ کو خدائے تعالیٰ نے عین ضرورتِ حقّہ کے وقت اپنے بلیغ اور فصیح کلام میں بیان فرما کر ظاہری اور باطنی خوبی کا کمال دکھلایا ہے اور بڑی نازک شرطوں کے ساتھ دونوں پہلوؤں ظاہر و باطن کو کمالیت کے اعلیٰ مرتبہ تک پہنچایا ہے۔ یعنی اوّل تو ایسے معارفِ عالیہ ضرور یہ لکھے ہیں کہ جن کے آثار پہلی تعلیموں سے مُندرس اور محو ہوگئے تھے اور کسی حکیم یا فیلسوف نے بھی اُن معارفِ عالیہ پر قدم نہیں مارا تھا اور پھر ان معارف کو غیر ضروری اور فضول طور پر نہیں لکھا بلکہ ٹھیک ٹھیک اس وقت اور اس زمانہ میں ان کو بیان فرمایا جس وقت حالت موجودہ زمانہ کی اصلاح کے لئے ان کا بیان کرنا ازبس ضروری تھا اور بغیر ان کے بیان کرنے کے زمانہ کی ہلاکت اور تباہی متصور تھی اور پھر وہ معارف عالیہ ناقص اور ناتمام طور پر نہیں لکھے گئے بلکہ کمّاً و کیفاً کامل درجہ پر واقعہ ہیں اور کسی عاقل کی عقل کوئی ایسی دینی صداقت پیش نہیں کرسکتی جو ان سے باہر رہ گئی ہو اور کسی باطل پرست کا کوئی ایسا وسوسہ نہیں جس کا ازالہ اس کلام میں موجود نہ ہو۔ ان تمام حقائق و دقائق کے التزام سے کہ جو دوسری طرف ضروراتِ حقّہ کے التزام کے ساتھ وابستہ ہیں فصاحت بلاغت کے ان اعلیٰ کمالات کو ادا کرنا جن پر زیادت متصور نہ ہو۔ یہ تو نہایت بڑا کام ہے کہ جو بشری طاقتوں سے بہ بداہت نظر بلند تر ہے۔ مگر انسان تو ایسا بے ہنر ہے کہ اگر ادنیٰ اور ناکارہ معاملات کو کہ جو حقائق عالیہ سے کچھ تعلق نہیں رکھتے کسی رنگین اور فصیح عبارت میں بہ التزام راست بیانی اور حق گوئی کے لکھنا چاہے تو یہ بھی اس کے لئے ممکن نہیں جیسا کہ یہ بات ہر عاقل کے نزدیک نہایت بدیہی ہے کہ اگر مثلاً ایک دوکاندار جو کامل درجہ کا شاعر اور انشا پرداز ہو، یہ چاہے کہ جو اپنی اس گفتگو کو جو ہر روز اسے رنگارنگ کے خریداروں اور معاملہ داروں کے ساتھ کرنی پڑتی ہے، کمال بلاغت اور رنگینی عبارت کے ساتھ کیا کرے اور پھر یہ بھی التزام رکھے کہ ہر محل اور ہر موقعہ میں جس قسم کی گفتگو کرنا ضروری ہے وہی کرے مثلاً جہاں کم بولنا مناسب ہے وہاں کم بولے اور جہاں بہت مغززنی مصلحت ہے وہاں بہت گفتگو کرے اور جب اس میں اور اس کے خریدار میں کوئی بحث آ پڑے تو وہ طرز

تقریر اختیار کرے جس سے اس بحث کو اپنے مفید مطلب طے کر سکے۔ یا مثلاً ایک حاکم جس کا یہ کام ہے کہ فریقین اور گواہوں کے بیان کو ٹھیک ٹھیک قلمبند کرے اور ہر یک بیان پر جو جو واقعی اور ضروری طور پر جرح قدح کرنا چاہئے وہی کرے اور جیسا کہ تنقیح مقدمہ کے لئے شرط ہے اور تفتیش امر متنازعہ فیہ کے لئے قرینِ مصلحت ہے سوال کے موقعہ پر سوال اور جواب کے موقعہ پر جواب لکھے اور جہاں قانونی وجوہ کا بیان کرنا لازم ہو۔ ان کو درست طور پر حسب منشاء قانون بیان کرے اور جہاں واقعات کا بہ ترتیب تمام کھولنا واجب ہو۔ ان کو بہ پابندی ترتیب وصحت کھول دے اور پھر جو کچھ فی الواقعہ اپنی رائے اور بتائید اُس رائے کے وجوہات ہیں ان کو بہ صحت تمام بیان کرے اور باوصف ان تمام التزامات کے فصاحت بلاغت کے اس اعلیٰ درجہ پر اس کا کلام ہو کہ اس سے بہتر کسی بشر کے لئے ممکن نہ ہو تو اس قسم کی بلاغت کو بانجام پہنچانا بہ بداہت ان کے لئے محال ہے۔ سو انسانی فصاحتوں کا یہی حال ہے کہ بجز فضول اور غیر ضروری اور واہیات باتوں کے قدم ہی نہیں اٹھ سکتا۔ اور بغیر جھوٹ اور ہزل کے اختیار کرنے کے کچھ بول ہی نہیں سکتے۔ اور اگر کچھ بولے بھی تو ادھورا۔ ناک ہے تو کان نہیں۔ کان ہیں تو آنکھ ندارد۔ سچ بولے تو فصاحت گئی۔ فصاحت کے پیچھے پڑے تو جھوٹ اور فضول گوئی کے انبار کے انبار جمع کر لئے۔ پیاز کی طرح سب پوست ہی پوست اور بیچ میں کچھ بھی نہیں۔ پس جس صورت میں عقلِ سلیم صریح حکم دیتی ہے کہ ناکارہ اور خفیف معاملات اور سیدھے سادھے واقعات کو بھی ضرورتِ حقّہ اور راستی کے التزام سے رنگین اور بلیغ عبارت میں ادا کرنا ممکن نہیں تو پھر اس بات کا سمجھنا کس قدر آسان ہے کہ معارفِ عالیہ کو ضرورتِ حقّہ کے التزام کے ساتھ نہایت رنگین اور فصیح عبارت میں جس سے اعلیٰ اور اصفٰی متصوّر نہ ہو بیان کرنا بالکل خارقِ عادت اور بشری طاقتوں سے بعید ہے اور جیسا کہ گلاب کے پھول کی طرح کوئی پھول کہ جو ظاہر و باطن میں اس سے مشابہ ہو بنانا عادتاً محال ہے۔ ایسا ہی یہ بھی محال ہے کیونکہ جب ادنیٰ ادنیٰ امور میں تجربہ صحیحہ شہادت دیتا ہے اور فطرتِ سلیمہ قبول کرتی ہے کہ انسان اپنی کسی ضروری اور راست راست بات کو خواہ وہ بات کسی معاملہ خرید وفروخت سے متعلق ہو یا تحقیقات عدالت وغیرہ سے تعلق رکھتی ہو۔ جب اس کو اَصلح اور اَنسب طور پر بجالانا چاہے تو یہ بات غیر ممکن ہو جاتی ہے کہ اس کی عبارت خواہ نخواہ ہر محل میں موزوں اور مُقفّٰی اور فصیح اور بلیغ بلکہ اعلیٰ درجہ کی فصاحت اور بلاغت پر ہو تو پھر ایسی تقریر کہ جو علاوہ التزام راستی اور صدق کے معارف اور حقائقِ عالیہ سے بھی بھری ہوئی اور ضرورتِ حقّہ کے رو سے صادر ہو اور تمام حقّانی صداقتوں پر محیط ہو اور اپنے منصب اصلاح حالت موجودہ

اور اتمامِ حجّت اور الزام منکرین میں ایک ذرا فروگذاشت نہ کرتی ہو اور مناظرہ اور مباحثہ کے تمام پہلوؤں کی کماحقّہ رعایت رکھتی ہو اور تمام ضروری دلائل اور ضروری براہین اور ضروری تعلیم اور ضروری سوال اور ضروری جواب پر مشتمل ہو کیونکہ باوجود ان مشکلات پیچ در پیچ کے کہ جو پہلی صورت سے صدہا درجہ زیادہ ہیں ایسی فصاحت اور بلاغت کے ساتھ کسی بشر کی تحریر میں جمع ہوسکتی ہے کہ وہ بلاغت بھی بے مثل و مانند ہو اور اُس مضمون کو اُس سے زیادہ فصیح عبارت میں بیان کرنا ممکن نہ ہو۔

سورۃ فاتحہ کی ایک بزرگ خاصیت

یہ تو وہ وجوہ ہیں کہ جو سورۃ فاتحہ اور قرآن شریف میں ایسے طور سے پائی جاتی ہیں جن کو گلاب کے پھول کی وجوہ بے نظیری سے بکلّی مطابقت ہے۔ لیکن سورۃ فاتحہ اور قرآن شریف میں ایک اور خاصہ بزرگ پایا جاتا ہے کہ جو اسی کلام پاک سے خاص ہے اور وہ یہ ہے کہ اس کو توجہ اور اخلاص سے پڑھنا دل کو صاف کرتا ہے اور ظلماتی پردوں کو اٹھاتا ہے اور سینے کو منشرح کرتا ہے اور طالبِ حق کو حضرتِ احدیّت کی طرف کھینچ کر ایسے انوار اور آثار کا مورد کرتا ہے کہ جو مقرّبان حضرتِ احدیت میں ہونی چاہئے اور جن کو انسان کسی دوسرے حیلہ یا تدبیر سے ہرگز حاصل نہیں کرسکتا۔ اور اس روحانی تاثیر کا ثبوت بھی ہم اس کتاب میں دے چکے ہیں اور اگر کوئی طالبِ حق ہو تو بالمواجہ ہم اس کی تسلّی کرسکتے ہیں اور ہر وقت تازہ بتازہ ثبوت دینے کو طیار ہیں۔

سورۃ فاتحہ کی خوبیوں کا کوئی انسان مقابلہ نہیں کرسکا

اور نیز اس بات کو بخوبی یاد رکھنا چاہئے کہ قرآن شریف کا اپنی کلام میں بے مثل و مانند ہونا صرف عقلی دلائل میں محصور نہیں بلکہ زمانہ دراز کا تجربہ صحیحہ بھی اس کا مؤیّد اور مصدّق ہے۔ کیونکہ باوجود اس کے کہ قرآن شریف برابر تیرہ سو برس سے اپنی تمام خوبیاں پیش کرکے هَلْ مِنْ مُّعَارِضٍ کا نقّارہ بجا رہا ہے اور تمام دنیا کو بآواز بلند کہہ رہا ہے کہ وہ اپنی ظاہری صورت اور باطنی خواص میں بے مثل و مانند ہے اور کسی جنّ یا اِنس کو اس کے مقابلہ یا معارضہ کی طاقت نہیں۔ مگر پھر بھی کسی متنفّس نے اس کے مقابلہ پر دم نہیں مارا بلکہ اس کی کم سے کم کسی سورۃ مثلاً سورۃ فاتحہ کی ظاہری و باطنی خوبیوں کا بھی مقابلہ نہیں کرسکا تو دیکھو اس سے زیادہ بدیہی اور کھلا کھلا معجزہ اور کیا ہوگا کہ عقلی طور پر بھی اس پاک کلام کا بشری طاقتوں سے بلند تر ہونا ثابت ہوتا

ہے اور زمانہ دراز کا تجربہ بھی اس کے مرتبہ اعجاز پر گواہی دیتا ہے اور اگر کسی کو یہ دونوں طور کی گواہی کہ جو عقل اور تجربہ زمانہ دراز کے رو سے بہ پایہ ثبوت پہنچ چکی ہے نامنظور ہو اور اپنے علم اور ہنر پر نازاں ہو یا دنیا میں کسی ایسے بشر کی انشا پردازی کا قائل ہو کہ جو قرآن شریف کی طرح کوئی کلام بنا سکتا ہے تو ہم ... کچھ بطور نمونہ حقائق دقائق سورۃ فاتحہ کے لکھتے ہیں اس کو چاہئے کہ بمقابلہ ان ظاہری و باطنی سورۃ فاتحہ کی خوبیوں کے کوئی اپنا کلام پیش کرے۔ (براہین احمدیہ چہار حصص، روحانی خزائن جلد ۱ صفحہ ۳۹۴ تا ۴۰۳ حاشیہ نمبر ۱۱)

سورۃ فاتحہ کے بےنظیر ہونے پر بعض مزید دلائل

سورۃ فاتحہ میں تمام قرآن شریف کی طرح دو قسم کی خوبیاں کہ جو بےمثل و مانند ہیں پائی جاتی ہیں یعنی ایک ظاہری صورت میں خوبی اور ایک باطنی خوبی۔ ظاہری خوبی یہ کہ... اُس کی عبارت میں ایسی رنگینی اور آب و تاب اور نزاکت و لطافت و ملائمت اور بلاغت اور شیرینی اور روانگی اور حسنِ بیان اور حسنِ ترتیب پایا جاتا ہے کہ ان معانی کو اس سے بہتر یا اس سے مساوی کسی دوسری فصیح عبارت میں ادا کرنا ممکن نہیں اور اگر تمام دنیا کے انشا پرداز اور شاعر متفق ہو کر یہ چاہیں کہ اسی مضمون کو لے کر اپنے طور سے کسی دوسری فصیح عبارت میں لکھیں کہ جو سورۃ فاتحہ کی عبارت سے مساوی یا اس سے بہتر ہو تو یہ بات بالکل محال اور ممتنع ہے کہ ایسی عبارت لکھ سکیں۔ کیونکہ تیرہ سو برس سے قرآن شریف تمام دنیا کے سامنے اپنی بےنظیری کا دعویٰ پیش کر رہا ہے اگر ممکن ہوتا تو البتہ کوئی مخالف اس کا معارضہ کر کے دکھلاتا۔ حالانکہ ایسے دعویٰ کے معارضہ نہ کرنے میں تمام مخالفین کی رُسوائی اور ذلّت اور قرآن شریف کی شوکت اور عزّت ثابت ہوتی ہے۔ پس چونکہ تیرہ سو برس سے اب تک کسی مخالف نے عبارت قرآنی کی مثل پیش نہیں کی تو اس قدر زمانہ دراز تک تمام مخالفین کا مثل پیش کرنے سے عاجز رہنا اور اپنی نسبت ان تمام رُسوائیوں اور ندامتوں اور لعنتوں کو روا رکھنا کہ جو جھوٹوں اور لاجواب رہنے والوں کی طرف عائد ہوتے ہیں صریح اس بات پر دلیل ہے کہ فی الحقیقت ان کی علمی طاقت مقابلہ سے عاجز رہی ہے اور اگر کوئی اس امر کو تسلیم نہ کرے تو یہ بارِ ثبوت اسی کی گردن پر ہے کہ وہ آپ یا کسی اپنے مددگار سے عبارت قرآن کی مثل بنوا کر پیش کرے۔ مثلاً سورۃ فاتحہ کے مضمون کو لے کر کوئی دوسری فصیح عبارت بنا کر دکھلاوے جو کمال بلاغت اور فصاحت میں اس کے برابر ہو سکے اور جب تک ایسا نہ کرے تب تک وہ ثبوت کہ جو مخالفین کے تیرہ سو برس خاموش اور لاجواب رہنے سے اہلِ حق کے ہاتھ میں ہے کسی طور سے ضعیف الاعتبار نہیں ہو سکتا۔ بلکہ مخالفین کے سینکڑوں برسوں کی خاموشی اور لاجواب رہنے نے

اس کو وہ کامل مرتبہ ثبوت کا بخشا ہے کہ جو گلاب کے پھول وغیرہ کو وہ ثبوت بے نظیری کا حاصل نہیں ۔ کیونکہ دنیا کے حکیموں اور صنعت کاروں کو کسی دوسری چیز میں اس طور پر معارضہ کے لئے کبھی ترغیب نہیں دی گئی اور نہ اس کی مثل بنانے سے عاجز رہنے کی حالت میں کبھی ان کو یہ خوف دلایا گیا کہ وہ طرح طرح کی تباہی اور ہلاکت میں ڈالے جائیں گے ۔ پس ظاہر ہے کہ جس بداہت اور چمک اور دمک سے قرآن شریف کی بلاغت اور فصاحت کا انسانی طاقتوں سے بلند تر ہونا ثابت ہے اس طرح پر گلاب کی لطافت اور رنگینی وغیرہ کا بے مثل ہونا ہرگز ثابت نہیں ۔ پس یہ تو سورۃ فاتحہ اور تمام قرآن شریف کی ظاہری خوبی کا بیان ہے جس میں اس کا بے مثل و مانند ہونا اور بشری طاقتوں سے برتر ہونا مخالفین کے عاجز رہنے سے بہ پایۂ ثبوت پہنچ گیا ہے۔

اب ہم باطنی خوبیوں کو بھی دوہرا کر ذکر کرتے ہیں تا اچھی طرح غور کرنے والوں کے ذہن میں آجائیں ۔ سو جاننا چاہئے کہ جیسا خداوند حکیم مطلق نے گلاب کے پھول میں بدن انسان کے لئے طرح طرح کے منافع رکھے ہیں کہ وہ دل کو قوت دیتا ہے اور قویٰ اور ارواح کو تقویت بخشتا ہے اور کئی اور مرضوں کو مفید ہے ۔ ایسا ہی خداوند کریم نے سورۃ فاتحہ میں تمام قرآن شریف کی طرح روحانی مرضوں کے شفا رکھی ہے اور باطنی بیماریوں کا اس میں وہ علاج موجود ہے کہ جو اس کے غیر میں ہرگز نہیں پایا گیا۔ کیونکہ اس میں وہ کامل صداقتیں بھری ہوئی ہیں کہ جو روئے زمین سے نابود ہوگئی تھیں اور دنیا میں ان کا نام ونشان باقی نہیں رہا تھا۔ پس وہ پاک کلام فضول اور بے فائدہ طور پر دنیا میں نہیں آیا بلکہ وہ آسمانی نور اس وقت تجلّی فرما ہوا جبکہ دنیا کو اس کی نہایت ضرورت تھی اور ان تعلیموں کو لایا جن کا دنیا میں پھیلانا دنیا کی اصلاح کے لئے نہایت ضروری تھا۔ غرض جن پاک تعلیموں کی بغایت درجہ ضرورت تھی اور جن معارف حقائق کے شائع کرنے کی شدت سے حاجت تھی ۔ انہیں ضروری اور لابدی اور حقانی صداقتوں کو عین ضرورت کے وقتوں میں اور ٹھیک حاجت کے موقعہ میں ایک بے مثل بلاغت اور فصاحت کے پیرایہ میں بیان فرمایا اور باوصف اس التزام کے جو کچھ گمراہوں کی ہدایت کے لئے اور حالت موجودہ کی اصلاح کے لئے بیان کرنا واجب تھا۔ اس سے ایک ذرا ترک نہ کیا۔ اور جو کچھ غیر واجب اور فضول اور بیہودہ تھا اس کا کسی فقرہ میں کچھ دخل ہونا نہ پایا۔ غرض وہ انوار اور پاک صداقتیں باوصف اس شان عالی کے کہ جو ان کو بوجہ اعلیٰ درجہ کے معارف ہونے کے حاصل ہے ۔ ایک نہایت درجہ کی عظمت اور برکت یہ رکھتے ہیں کہ وہ عبث اور فضول طور پر ظاہر نہیں کی گئیں بلکہ جن جن اقسام انواع کی ظلمت دنیا میں پھیلی ہوئی تھی اور جس جس قسم کا جہل اور فساد علمی اور عملی اور اعتقادی امور میں حالت

زمانہ پر غالب آ گیا تھا اُس ہر یک قسم کے فساد کے مقابلہ پر پورے پورے زور سے ان سب ظلمتوں کو اٹھانے کے لئے اور روشنی کو پھیلانے کے لئے عین ضروری وقت پر بارانِ رحمت کی طرح ان صداقتوں کو دنیا میں ظاہر کیا گیا اور حقیقت میں وہ بارانِ رحمت ہی تھا کہ سخت پیاسوں کی جان رکھنے کے لئے آسمان سے اترا اور دنیا کی روحانی حیات اسی بات پر موقوف تھی کہ وہ آبِ حیات نازل ہو اور کوئی قطرہ اس کا ایسا نہ تھا کہ کسی موجود الوقت بیماری کی دوا نہ ہو اور حالت موجودہ زمانہ نے صدہا سال تک اپنی معمولی گمراہی پر رہ کر یہ ثابت کر دیا تھا کہ وہ ان بیماریوں کے علاج کو خود بخود بغیر اترنے اس نور کے حاصل نہیں کر سکتا اور نہ اپنی ظلمت کو آپ اٹھا سکتا ہے۔ بلکہ ایک آسمانی نور کا محتاج ہے کہ جو اپنی سچائی کی شعاعوں سے دنیا کو روشن کرے اور ان کو دکھاوے جنہوں نے کبھی نہیں دیکھا اور ان کو سمجھاوے جنہوں نے کبھی نہیں سمجھا۔ اس آسمانی نور نے دنیا میں آ کر صرف یہی کام نہیں کیا کہ ایسے معارفِ حقّہ ضروریہ پیش کئے جن کا صفحہ زمین پر نشان باقی نہیں رہا تھا بلکہ اپنے روحانی خاصہ کے زور سے ان جواہر حق اور حکمت کو بہت سے سینوں میں بھر دیا۔ اور بہت سے دلوں کو اپنے دلربا چہرہ کی طرف کھینچ لایا اور اپنی قوی تاثیر سے بہتوں کو علم اور عمل کے اعلیٰ مقام تک پہنچایا۔ اب یہ دونوں قسم کی خوبیاں کہ جو سورۃ فاتحہ اور تمام قرآن شریف میں پائی جاتی ہیں۔ کلامِ الٰہی کی بےنظیری ثابت کرنے کے لئے ایسے روشن دلائل ہیں کہ جیسی وہ خوبیاں جو گلاب کے پھول میں سب کے نزدیک انسانی طاقتوں سے اعلیٰ تسلیم کی گئی ہیں بلکہ سچ تو یہ ہے کہ جس قدر یہ خوبیاں بدیہی طور پر عادت سے خارج اور طاقت انسانی سے باہر ہیں۔ اس شان کی خوبیاں گلاب کے پھول میں ہرگز نہیں پائی جاتیں۔ ان خوبیوں کی عظمت اور شوکت اور بےنظیری اس وقت کھلتی ہے جب انسان سب کو من حیث الاجتماع اپنے خیال میں لاوے اور اس اجتماعی ہیئت پر غور اور تدبّر سے نظر ڈالے۔ مثلاً اوّل اس بات کے تصوّر کرنے سے کہ ایک کلام کی عبارت ایسے اعلیٰ درجہ کی فصیح اور بلیغ اور ملائم اور شیریں اور سلیس اور خوش طرز اور رنگین ہو کہ اگر کوئی انسان کوئی ایسی عبارت اپنی طرف سے بنانا چاہے کہ جو بتمام وکمال انہیں معانی پر مشتمل ہو کہ جو اس بلیغ کلام میں پائی جاتی ہیں تو ہرگز ممکن نہ ہو کہ وہ انسانی عبارت اس پایۂ بلاغت و رنگینی کو پہنچ سکے۔ پھر ساتھ ہی یہ دوسرا تصوّر کرنے سے کہ اس عبارت کا مضمون ایسے حقائق دقائق پر مشتمل ہو کہ جو فی الحقیقت اعلیٰ درجہ کی صداقتیں ہوں اور کوئی فقرہ اور کوئی لفظ اور کوئی حرف ایسا نہ ہو کہ جو حکیمانہ بیان پر مبنی نہ ہو۔ پھر ساتھ ہی یہ تیسرا تصوّر کرنے سے کہ وہ صداقتیں ایسی ہوں کہ حالت موجودہ زمانہ کو ان کی نہایت ضرورت ہو۔ پھر ساتھ

ہی یہ چوتھا تصور کرنے سے کہ وہ صداقتیں ایسی بے مثل و مانند ہوں کہ کسی حکیم یا فیلسوف کا پتہ نہ مل سکتا ہو کہ ان صداقتوں کو اپنی نظر اور فکر سے دریافت کرنے والا ہو چکا ہو۔ پھر ساتھ ہی یہ پانچواں تصور کرنے سے کہ جس زمانہ میں وہ صداقتیں ظاہر ہوئی ہوں ایک تازہ نعمت کی طرح ظاہر ہوئی ہوں اور اس زمانہ کے لوگ ان کے ظہور سے پہلے اس راہ راست سے بکلّی بے خبر ہوں۔ پھر ساتھ ہی یہ چھٹا تصوّر کرنے سے کہ اُس کلام میں ایک آسمانی برکت بھی ثابت ہو کہ جو اس کی متابعت سے طالبِ حق کو خداوند کریم کے ساتھ ایک سچا پیوند اور ایک حقیقی اُنس پیدا ہو جائے اور وہ انوار اس میں چمکنے لگیں کہ جو مردانِ خدا میں چمکنے چاہئیں۔ یہ کل مجموعی ایک ایسی حالت میں معلوم ہوتا ہے کہ عقل سلیم بلا توقف و تردّد حکم دیتی ہے کہ بشری کلام کا ان تمام مراتب کاملہ پر مشتمل ہونا ممتنع اور محال اور خارقِ عادت ہے اور بلاشبہ ان تمام فضائل ظاہری و باطنی کو بہ نظر یکجائی دیکھنے سے ایک رُعب ناک حالت ان میں پائی جاتی ہے کہ جو عقلمند کو اس بات کا یقین دلاتی ہے کہ اس کل مجموعی کا انسانی طاقتوں سے انجام پذیر ہونا عقل اور قیاس سے باہر ہے اور ایسی رعب ناک حالت گلاب کے پھول میں ہرگز پائی نہیں جاتی کیونکہ قرآن شریف میں یہ خصوصیت زیادہ ہے کہ اس کی صفات مذکورہ کہ جو بے نظیری کا مدار ہیں نہایت بدیہی الثبوت ہیں اور اسی وجہ سے جب معارض کو معلوم ہوتا ہے کہ اس کا ایک حرف بھی ایسے موقعہ پر نہیں رکھا گیا کہ جو حکمت اور مصلحت سے دور ہو اور اُس کا ایک فقرہ بھی ایسا نہیں کہ جو زمانہ کی اصلاح کے لئے اشد ضروری نہ ہو۔ اور پھر بلاغت کا یہ کمال کہ ہرگز ممکن ہی نہیں کہ اس کی ایک سطر کی عبارت تبدیل کر کے بجائے اس کے کوئی دوسری عبارت لکھ سکیں۔ تو ان بدیہی کمالات کے مشاہدہ کرنے سے معارض کے دل پر ایک بزرگ رعب پڑ جاتا ہے۔

(براہین احمدیہ چہار حصص، روحانی خزائن جلد ۱ صفحہ ۴۰۳ تا ۴۰۹ حاشیہ نمبر ۱۱)

سورۃ فاتحہ کی عظیم صفات کا ثبوت

کوئی نادان ..... شاید بباعث نادانی سوال کرے کہ اس بات کا ثبوت کیا ہے کہ یہ ساری خوبیاں سورۃ فاتحہ اور تمام قرآن شریف میں متحقق اور ثابت ہیں۔ سو واضح ہو کہ اس بات کا یہی ثبوت ہے کہ جنہوں نے قرآن شریف کے بے مثل کمالات پر غور کی اور اس کی عبارت کو ایسے اعلیٰ درجہ کی فصاحت اور بلاغت پر پایا کہ اس کی نظیر بنانے سے عاجز رہ گئے اور پھر اس کے دقائق وحقائق کو ایسے مرتبۂ عالیہ پر دیکھا کہ تمام زمانہ میں اس کی نظیر نظر نہ آئی اور اس میں وہ تاثیرات عجیبہ مشاہدہ کیں کہ جو انسانی کلمات میں ہرگز نہیں ہوا کرتیں

اور پھراس میں یہ صفت پاک دیکھی کہ وہ بطور ہزل اور فضول گوئی کے نازل نہیں ہوا بلکہ عین ضرورتِ حقّہ کے وقت نازل ہوا تو انہوں نے ان تمام کمالات کے مشاہدہ کرنے سے بے اختیار اس کی بے مثل عظمت کو تسلیم کرلیا اور ان میں سے جو لوگ بباعث شقاوت ازلی نعمت ایمان سے محروم رہے ان کے دلوں پر بھی اس قدر ہیبت اور رعب اس بے مثل کلام کا پڑا کہ انہوں نے بھی مبہوت اور سراسیمہ ہو کر یہ کہا کہ یہ تو سحر مبین ہے۔ اور پھر منصف کو اس بات سے بھی قرآن شریف کے بے مثل و مانند ہونے پر ایک قوی دلیل ملتی ہے اور روشن ثبوت ہاتھ میں آتا ہے کہ باوجود اس کے کہ مخالفین کو تیرہ سو برس سے خود قرآن شریف مقابلہ کرنے کی سخت غیرت دلاتا ہے اور لاجواب رہ کر مخالفت اور انکار کرنے والوں کا نام شریر اور پلید اور لعنتی اور جہنمی رکھتا ہے۔ مگر پھر بھی مخالفین نے نامردوں اور مخنثوں کی طرح کمال بے شرمی اور بے حیائی سے اس تمام ذلّت اور بے آبروئی اور بے عزتی کو اپنے لئے منظور کیا اور یہ روا رکھا کہ ان کا نام جھوٹا اور ذلیل اور بے حیا اور خبیث اور پلید اور شریر اور بے ایمان اور جہنمی رکھا جاوے مگر ایک قلیل المقدار سورۃ کا مقابلہ نہ کر سکے اور نہ ان خوبیوں اور صفتوں اور عظمتوں اور صداقتوں میں کچھ نقص نکال سکے کہ جن کو کلام الٰہی نے پیش کیا ہے۔ حالانکہ ہمارے مخالفین پر درحالت انکار لازم تھا اور اب بھی لازم ہے کہ اگر وہ اپنے کفر اور بے ایمانی کو چھوڑنا نہیں چاہتے تو وہ قرآن شریف کی کسی سورۃ کی نظیر پیش کریں اور کوئی ایسا کلام بطور معارضہ ہمارے سامنے لاویں کہ جس میں یہ تمام ظاہری و باطنی خوبیاں پائی جاتی ہوں کہ جو قرآن شریف کی ہر یک اقلّ قلیل سورۃ میں پائی جاتی ہیں یعنی عبارت اس کی ایسی اعلیٰ درجہ کی بلاغت پر باوصف التزام راستی اور صداقت اور باوصف التزام ضرورتِ حقّہ کے واقعہ ہو کہ ہرگز کسی بشر کے لئے ممکن نہ ہو کہ وہ معانی کسی دوسری ایسی ہی فصیح عبارت میں لا سکے اور مضمون اُس کا نہایت اعلیٰ درجہ کی صداقتوں پر مشتمل ہو اور پھر وہ صداقتیں بھی ایسی ہوں کہ فضول طور پر نہ لکھی گئی ہوں بلکہ کمال درجہ کی ضرورت نے ان کا لکھنا واجب کیا ہو اور نیز وہ صداقتیں ایسی ہوں کہ قبل ان کے ظہور کے تمام دنیا ان سے بے خبر ہو اور ان کا ظہور ایک نئی نعمت کی طرح ہو اور پھر ان تمام خوبیوں کے ساتھ ایک یہ روحانی خاصہ بھی ان میں موجود ہو کہ قرآن شریف کی طرح ان میں وہ صریح تاثیریں بھی پائی جائیں جن کا ثبوت ہم نے اس کتاب میں دے دیا ہے اور ہر وقت طالبِ حق کے لئے تازہ سے تازہ ثبوت دینے کو طیار ہیں اور جب تک کوئی معارض ایسی نظیر پیش نہ کرے تب تک اسی کا عاجز رہنا قرآن شریف کی بے نظیری کو ثابت کرتا ہے۔ اور یہ وجوہ بے نظیری قرآن شریف کی جو اس جگہ لکھی گئی یہ تو ہم نے بطور تنزّل

اور کفایت شعاری کے لکھی ہیں اور اگر ہم قرآن شریف کی ان تمام دوسری خوبیوں کو بھی کہ جو اس میں پائی جاتی ہیں نظیر طلب کرنے کے لئے لازمی شرط ٹھہراویں مثلاً اپنے مخالفوں کو یہ کہیں کہ جیسا قرآن شریف تمام حقائق اور معارف دینی پر محیط اور مشتمل ہے اور کوئی دینی صداقت اس سے باہر نہیں اور جیسا وہ صدہا امور غیبیہ اور پیشگوئیوں پر احاطہ رکھتا ہے اور پیشگوئیاں بھی ایسی قادرانہ کہ جن میں اپنی عزت اور دشمن کی ذلّت اور اپنا اقبال اور دشمن کا ادبار اور اپنی فتح اور دشمن کی شکست پائی جاتی ہے۔ یہ تمام خوبیاں بھی ہمراہ متذکرہ بالا خوبیوں کے اپنے معارضانہ کلام میں پیش کر کے دکھلاویں تو اس شرط سے ان کو تباہی پر تباہی اور موت پر موت آوے گی۔ مگر چونکہ جس قدر پہلے اس سے قرآن شریف کی خوبیاں لکھی گئی ہیں وہی دشمن کور باطن کے ملزم اور لاجواب اور عاجز کرنے کے لئے کافی ہیں اور انہیں سے ہمارے مخالفوں پر وہ حالت وارد ہوگی جس سے مُردوں سے پرلے پار ہو جائیں گے۔ اس لئے قرآن شریف کی تمام خوبیوں کو نظیر طلب کرنے کے لئے پیش کرنا غیر ضروری ہے اور نیز تمام خوبیوں کے لکھنے سے کتاب میں بھی بہت سا طول ہو جائے گا۔ سو اسی قدر قتل موذی کے لئے کافی ہتھیار سمجھ کر پیش کیا گیا۔ اب باوصف اس کے کہ بتمام تر رعایت و تخفیف قرآن شریف کی کسی اَقلّ قلیل سورۃ کی نظیر مخالفوں سے طلب کی جاتی ہے مگر پھر بھی ہر یک باخبر آدمی پر ظاہر ہے کہ مخالفین باوجود سخت حرص اور شدت عناد اور پرلے درجہ کی مخالفت اور عداوت کے مقابلہ اور معارضہ سے قدیم سے عاجز رہے ہیں اور اب بھی عاجز ہیں اور کسی کو دم مارنے کی جگہ نہیں اور باوجود اس بات کے کہ اس مقابلہ سے ان کا عاجز رہنا ان کو ذلیل بناتا ہے، جہنمی ٹھہراتا ہے، کافر اور بے ایمان کا ان کو لقب دیتا ہے، بے حیا اور بے شرم ان کا نام رکھتا ہے۔ مگر مُردہ کی طرح ان کے مونہہ سے کوئی آواز نہیں نکلتی۔ پس لاجواب رہنے کی ساری ذلّتوں کو قبول کرنا اور تمام ذلیل ناموں کو اپنے لئے روا رکھنا اور تمام قسم کی بے حیائی اور بے شرمی کی خس و خاشاک کو اپنے سر پر اٹھا لینا اس بات پر نہایت روشن دلیل ہے کہ ان ذلیل چمگادڑوں کی اس آفتاب حقیقت کے آگے کچھ پیش نہیں جاتی۔ پس جبکہ اُس آفتاب صداقت کی اس قدر تیز شعاعیں چاروں طرف سے چھوٹ رہی ہیں کہ ان کے سامنے ہمارے دشمن خفاش سیرت اندھے ہو رہے ہیں تو اس صورت میں یہ بالکل مکابرہ اور سخت جہالت ہے کہ گلاب کے پھول کی خوبیوں کو کہ جو بہ نسبت قرآنی خوبیوں کے ضعیف اور کمزور اور قلیل الثبوت ہیں اس مرتبہ بے نظیری پر سمجھا جائے کہ انسانی قوتیں ان کی مثل بنانے سے عاجز ہیں مگر ان اعلیٰ درجہ کی خوبیوں کو کہ جو کئی درجہ گلاب کے پھول کی ظاہری و باطنی خوبیوں سے افضل و بہتر اور قوی الثبوت

ہیں ایسا خیال کیا جائے کہ گویا انسان ان کی نظیر بنانے پر قادر ہے۔ حالانکہ جس حالت میں انسان میں یہ قدرت نہیں پائی جاتی کہ ایک گلاب کے پھول کی جو صرف ایک ساعت تروتازہ اور خوشنما نظر آتا ہے اور دوسری ساعت میں نہایت افسردہ اور پژمُردہ اور بدنما ہو جاتا ہے اور اس کا وہ لطیف رنگ اُڑ جاتا ہے اور اس کے پات ایک دوسرے سے الگ ہو کر گر پڑتے ہیں نظیر بنا سکے تو پھر ایسے حقیقی پھول کا مقابلہ کیونکر ہو سکے جس کے لئے مالک ازلی نے بہار جاوداں رکھی ہے اور جس کو ہمیشہ بادِ خزاں کے صدمات سے محفوظ رکھا ہے اور جس کی طراوت اور ملائمت اور حسن اور نزاکت میں کبھی فرق نہیں آتا اور کبھی افسردگی اور پژمردگی اس کی ذاتِ بابرکات میں راہ نہیں پاتی بلکہ جس قدر پرانا ہوتا جاتا ہے اسی قدر اس کی تازگی اور طراوت زیادہ سے زیادہ کھلتی جاتی ہے اور اس کے عجائبات زیادہ سے زیادہ منکشف ہوتے جاتے ہیں اور اس کے حقائق دقائق لوگوں پر بکثرت ظاہر ہوتے جاتے ہیں تو پھر ایسے حقیقی پھول کے اعلیٰ درجہ کے فضائل اور مراتب سے انکار کرنا پرلے درجہ کی کور باطنی ہے یا نہیں۔ بہرحال اگر کوئی ایسا ہی نابینا ہو کہ جو اپنی اس کور باطنی سے ان خوبیوں کی شان عظیم کو نہ سمجھتا ہو تو یہ بارِ ثبوت اسی نادان کی گردن پر ہے کہ جو کچھ ہم نے بے نظیری کلام الٰہی کا ثبوت دیا ہے اور جس قدر ہم نے وجوہِ متفرقہ سے اس پاک کلام کا انسانی طاقتوں سے بلند تر ہونا بہ پایۂ ثبوت پہنچایا ہے ان سب فضائل قرآنی کی نظیر پیش کرے اور کسی انسان کے کلام میں ایسے ہی کمالات ظاہری و باطنی دکھلاوے جن کا کلام الٰہی میں پایا جانا ہم نے ثابت کر دیا ہے۔

(براہین احمدیہ چہار حصص، روحانی خزائن جلد ۱ صفحہ ۴۰۹ تا ۴۱۴ حاشیہ نمبر ۱۱)

سورۃ فاتحہ کا ایک عظیم اثر

فاتحہ فتح کرنے کو بھی کہتے ہیں۔ مومن کو مومن اور کافر کو کافر بنا دیتی ہے یعنی دونوں میں ایک امتیاز پیدا کر دیتی ہے اور دل کو کھولتی، سینہ میں ایک انشراح پیدا کرتی ہے۔ اس لئے سورہ فاتحہ کو بہت پڑھنا چاہئے اور اس دُعا پر خوب غور کرنا ضروری ہے۔ (الحکم جلد ۴ نمبر ۴۶ مورخہ ۲۴ دسمبر ۱۹۰۰ء صفحہ ۱، ۲)

سورۃ فاتحہ ایک معجزہ ہے

سورۃ فاتحہ تو ایک معجزہ ہے اس میں امر بھی ہے، نہی بھی ہے، پیشگوئیاں بھی ہیں۔ قرآن شریف تو ایک بہت بڑا سمندر ہے۔ کوئی بات اگر نکالنی ہو تو چاہئے کہ سورۃ فاتحہ میں بہت غور کرے کیونکہ یہ امّ الکتاب ہے۔ اس کے بطن سے قرآن کریم کے مضامین نکلتے ہیں۔

سورۃ فاتحہ تواتر کے نیچے ہے

قرآن شریف کا تو ایک نکتہ نکتہ تواتر کے نیچے ہے مگر سورۃ فاتحہ بہت ہی بڑے تواتر سے ثابت ہے۔ ہر روز ہر نماز کی ہر رکعت میں پڑھی جاتی ہے۔

سورۃ فاتحہ میں منطقی رنگ

منطقی لوگ تعریف کرتے وقت فصل جنس وغیرہ تقسیم کیا کرتے ہیں جیسے کہتے ہیں اَلْاِنْسَانُ حَیَوَانٌ نَاطِقٌ۔ سورۃ فاتحہ میں یہ رنگ بھی موجود ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہا۔ پھر اس کے آگے رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ اس کی فصل واقع ہوئی اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ اس کی حد ہوگئی۔ اس سے بڑھ کر اور کوئی تعریف نہیں ہے۔ (الحکم جلد ۵ نمبر ۵ مؤرخہ ۱۰؍فروری ۱۹۰۱ء صفحہ ۱۲)

سورہ فاتحہ کی فضیلت

سورہ فاتحہ میں جو پنج وقت ہر نماز کی ہر رکعت میں پڑھی جاتی ہے اشارہ کے طور پر کل عقائد کا ذکر ہے جیسے فرمایا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ یعنی ساری خوبیاں اس خدا کے لئے سزاوار ہیں جو سارے جہانوں کو پیدا کرنے والا ہے۔ اَلرَّحْمٰنُ وہ بغیر اعمال کے پیدا کرنے والا ہے اور بغیر کسی عمل کے عنایت کرنے والا ہے۔ اَلرَّحِیْم اعمال کا پھل دینے والا مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ جزا سزا کے دن کا مالک۔ ان چار صفتوں میں کل دنیا کے فرقوں کا بیان کیا گیا ہے۔

آریوں کا ردّ

بعض لوگ اس بات سے منکر ہیں کہ خدا ہی تمام جہانوں کا پیدا کرنے والا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جیو یعنی ارواح اور پرمانو یعنی ذرات خود بخود ہیں اور جیسے پرمیشر آپ ہی آپ چلا آتا ہے ویسے ہی وہ بھی آپ ہی آپ چلے آتے ہیں اور ارواح اور اُن کی کل طاقتیں، گن اور خواص جن پر دفتروں کے دفتر لکھے گئے خود بخود ہیں اور باوجود اس کے کہ ان میں قوتِ اتّصال اور قوتِ انفصال خود بخود پائی جاتی ہے وہ آپس میں میل ملاپ کرنے کے لئے ایک پرمیشر کے محتاج ہیں۔ غرض یہ وہ فرقہ ہے جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ کہہ کر اشارہ کیا ہے۔

سناتن دھرم کے عقائد کی تردید

دوسرا فرقہ وہ ہے جس کی طرف اَلرَّحْمٰن کے لفظ میں اشارہ ہے اور یہ فرقہ سناتن دھرم والوں کا ہے گو وہ

مانتے ہیں کہ پرمیشر سے ہی سب کچھ نکلا ہے مگر وہ کہتے ہیں کہ خدا کا فضل کوئی چیز نہیں وہ کرموں کا ہی پھل دیتا ہے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی مرد بنا ہے تو وہ بھی اپنے اعمال سے اور اگر کوئی عورت بنی ہے تو وہ بھی اپنے اعمال سے اور اگر ضروری اشیاء حیوانات نباتات وغیرہ بنے ہیں تو وہ بھی اپنے اپنے کرموں کی وجہ سے۔ الغرض یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی صفتِ رَحمٰن سے منکر ہیں۔ وہ خدا جس نے زمین، سورج، چاند ستارے وغیرہ پیدا کئے اور ہوا پیدا کی تا کہ ہم سانس لے سکیں اور ایک دوسرے کی آواز سن سکیں اور روشنی کے لیے سورج چاند وغیرہ اشیاء پیدا کیں اور اس وقت پیدا کیں جب کہ ابھی سانس لینے والوں کا وجود اور نام ونشان بھی نہ تھا۔ تو کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ سب کچھ ہمارے ہی اعمال کی وجہ سے پیدا کیا گیا ہے؟ کیا کوئی اپنے اعمال کا دم مار سکتا ہے؟ کیا کوئی دعویٰ کر سکتا ہے کہ یہ سورج چاند ستارے ہوا وغیرہ میرے اپنے عملوں کا پھل ہے؟ غرض خدا کی صفت رحمانیت اس فرقہ کی تردید کرتی ہے جو خدا کو بلا مبادلہ یعنی بغیر ہماری کسی محنت اور کوشش کے بعض اشیاء کے عنایت کرنے والا نہیں مانتے۔

اعمال اور مجاہدات کی ضرورت

اس کے بعد خدا تعالیٰ کی صفت اَلرَّحِیْم کا بیان ہے یعنی محنتوں کوششوں اور اعمال پر ثمراتِ حسنہ مرتب کرنے والا۔

یہ صفت اس فرقہ کو ردّ کرتی ہے جو اعمال کا بالکل لغو خیال کرتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ میاں نماز کیا تو روزے کیا؟ اگر غَفُوْرٌ الرَّحِیْم نے اپنا فضل کیا تو بہشت میں جائیں گے نہیں تو جہنم میں اور کبھی کبھی یہ لوگ اس قسم کی باتیں بھی کہہ دیا کرتے ہیں کہ میاں عبادتاں کر کے ولی تو ہم نے کچھ تھوڑا ہی بننا ہے۔ کچھ کیتا کیتا نہ کیتا نہ سہی۔ الغرض اَلرَّحِیْمِ کہہ کر خدا ایسے ہی لوگوں کا ردّ کرتا ہے اور بتایا ہے کہ جو محنت کرتا ہے اور خدا کے عشق اور محبت میں محو ہو جاتا ہے وہ دوسروں سے ممتاز اور خدا کا منظورِ نظر ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ ایسے شخص کی خود دستگیری کرتا ہے جیسے فرمایا۔ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (العنکبوت: ۷۰) یعنی جو لوگ ہماری خاطر مجاہدات کرتے ہیں آخر ہم ان کو اپنا راستہ دکھا دیتے ہیں۔ جتنے اولیاء اور انبیاء اور بزرگ لوگ گزرے ہیں انہوں نے خدا کی راہ میں جب بڑے بڑے مجاہدات کئے تو آخر خدا نے اپنے دروازے ان پر کھول دیئے۔ لیکن وہ لوگ جو خدا تعالیٰ کی اس صفت کو نہیں مانتے۔ عموماً ان کا یہی مقولہ ہوتا ہے کہ میاں ہماری کوششوں میں کیا پڑا ہے جو کچھ تقدیر میں پہلے روز سے لکھا ہے وہ تو ہو کر

رہے گا۔ ہماری محنتوں کی کوئی ضرورت نہیں جو ہونا ہے وہ آپ ہی ہو جائے گا۔ اور شاید چوروں اور ڈاکوؤں اور دیگر بدمعاشوں کا اندر ہی اندر یہی مذہب ہوتا ہوگا۔

(الحکم جلد ۱۲ نمبر ۱ مورخہ ۲ ؍جنوری ۱۹۰۸ء صفحہ ۴ تا ۶)

دوزخ سے حفاظت کا ذریعہ

سورہ فاتحہ کی سات آیتیں اسی واسطے رکھی ہیں کہ دوزخ کے سات دروازے ہیں۔ پس ہر ایک آیت گویا ایک دروازہ سے بچاتی ہے۔ (الحکم جلد ۵ نمبر ۶ مورخہ ۱۷ ؍فروری ۱۹۰۱ء صفحہ ۷)

سورۃ فاتحہ ہر علم اور ہر معرفت پر محیط ہے

فَالْحَقُّ أَنَّ الْفَاتِحَةَ أَحَاطَتْ كُلَّ عِلْمٍ وَّمَعْرِفَةٍ وَّاشْتَمَلَتْ عَلٰى كُلِّ دَقِيْقَةِ حَقٍّ وَّحِكْمَةٍ وَّهِيَ تُجِيْبُ كُلَّ سَآئِلٍ وَّتُنْزِيْبُ كُلَّ عَدُوٍّ صَآئِلٍ وَّ يُطْعِمُ كُلَّ نَزِيْلٍ إِلَى التَّضَيُّفِ مَآئِلٍ وَّ يَسْقِي الْوَارِدِيْنَ وَ الصَّادِرِيْنَ. وَلَا شَكَّ أَنَّهَا تُزِيْلُ كُلَّ شَكٍّ خَيَّبَ وَ تُجِيْحُ كُلَّ هَمٍّ شَيَّبَ وَتُعِيْدُ كُلَّ هَدُوٍّ تَغَيَّبَ وَتُخْجِلُ كُلَّ خَصِيْمٍ نَّيَّبَ وَ يُبَشِّرُ الطَّالِبِيْنَ. وَلَا مُعَالِجَ كَمِثْلِهٖ لِسَمِّ الذُّنُوْبِ وَزَيْغِ الْقُلُوْبِ وَهُوَ الْمُوْصِلُ إِلَى الْحَقِّ وَالْيَقِيْنِ.

(کرامات الصادقین، روحانی خزائن جلد ۷ صفحہ ۱۴۵)

پس حق بات یہی ہے کہ سورت فاتحہ ہر علم اور معرفت پر محیط ہے وہ سچائی اور حکمت کے تمام نکات پر مشتمل ہے اور یہ ہر سائل کے سوال کا جواب دیتی اور ہر حملہ آور دشمن کو تباہ کرتی ہے۔ نیز ہر مسافر کو جو مہمان نوازی چاہتا ہے کھلاتی اور آنے اور جانے والوں کو پلاتی ہے۔ بے شک وہ ہر شبہ کو جو ناکامی کی حد تک پہنچانے والا ہو زائل کر دیتی ہے اور ہر غم کو جس نے بوڑھا کر دیا ہو جڑ سے اکھیڑ دیتی ہے اور ہر گم شدہ راہنما کو (راہ راست پر) واپس لاتی ہے اور ہر خطرناک دشمن کو شرمندہ کرتی ہے۔ طالبانِ ہدایت کو بشارت دیتی ہے۔ گناہوں کے زہر اور دلوں کی کجی کے لیے اس جیسا کوئی اور معالج نہیں اور وہ حق اور یقین تک پہنچانے والی ہے۔ (ترجمہ از مرتب)

معرفت کا پھل دینے والا درخت

إِنَّهَا شَجَرَةٌ طَيِّبَةٌ تُؤْتِيْ كُلَّ حِيْنٍ أُكُلًا مِّنَ الْمَعْرِفَةِ وَيُرْوِيْ مِنْ كَأْسِ الْحَقِّ وَ الْحِكْمَةِ

فاتحہ ایک ایسا پاکیزہ درخت ہے جو ہر وقت معرفت کے پھل دیتا ہے اور حق وحکمت کے جام سے سیراب کرتا ہے۔

فَمَنۡ فَتَحَ بَابَ قَلۡبِهٖ لِقَبُوۡلِ نُوۡرِهَا فَيَدۡخُلُ فِيۡهِ نُوۡرُهَا وَ يَطَّلِعُ عَلٰى مَسۡتُوۡرِهَا وَ مَنۡ غَلَّقَ الۡبَابَ فَدَعَا ظُلۡمَتَهٗ اِلَيۡهِ بِفِعۡلِهٖ وَ رَاَى التَّبَابَ وَ لَحِقَ بِالۡهَالِكِيۡنَ۔

(کرامات الصادقین، روحانی خزائن جلد ۷ صفحہ ۱۴۵، ۱۴۶)

جب کوئی شخص اپنے دل کے دروازہ کو اس کا نور قبول کرنے کے لئے کھول دیتا ہے تو اس کا نور اس میں داخل ہو جاتا ہے اور وہ اس سورۃ کے پوشیدہ اسرار سے آگاہ ہو جاتا ہے اور جو شخص اس دروازہ کو بند کرتا ہے وہ خود ہی اپنے فعل سے اپنی گمراہی کو دعوت دیتا ہے اور اپنی تباہی کا مشاہدہ کرتا ہے اور ہلاک ہونے والوں کے ساتھ جاملتا ہے۔ (ترجمہ از مرتب)

سورۃ فاتحہ کا تنویر باطن میں دخل

ایک خاصہ روحانی سورہ فاتحہ میں یہ ہے کہ دلی حضور سے اپنی نماز میں اس کو ورد کر لینا اور اس کی تعلیم کو فی الحقیقت سچ سمجھ کر اپنے دل میں قائم کر لینا تنویر باطن میں نہایت دخل رکھتا ہے۔ یعنی اس سے انشراح خاطر ہوتا ہے اور بشریت کی ظلمت دور ہوتی ہے اور حضرت مبدء فیوض کے فیوض انسان پر وارد ہونے شروع ہو جاتے ہیں اور قبولیتِ الٰہی کے انوار اس پر احاطہ کر لیتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ ترقی کرتا کرتا مخاطباتِ الٰہیہ سے سرفراز ہو جاتا ہے اور کشوفِ صادقہ اور الہاماتِ واضحہ سے تمتع تام حاصل کرتا ہے اور حضرت الوہیت کے مقربین میں دخل پالیتا ہے اور وہ وہ عجائبات القائے غیبی اور کلام لاریبی اور استجابت ادعیہ اور کشفِ مغیبات اور تائید حضرت قاضی الحاجات اُس سے ظہور میں آتی ہیں کہ جس کی نظیر اس کے غیر میں نہیں پائی جاتی۔ (براہین احمدیہ چہار حصص۔ روحانی خزائن جلد ۱ صفحہ ۶۲۶ تا ۶۲۹ حاشیہ نمبر ۱۱)

سورۃ فاتحہ مظہرِ انوارِ الٰہی ہے

یہ عاجز اپنے ذاتی تجربہ سے بیان کرتا ہے کہ فی الحقیقت سورہ فاتحہ مظہرِ انوارِ الٰہی ہے۔ اس قدر عجائبات اس سورۃ کے پڑھنے کے وقت دیکھے گئے ہیں کہ جن سے خدا کے پاک کلام کا قدرومنزلت معلوم ہوتا ہے۔ اس سورہ مبارکہ کی برکت سے اور اس کے تلاوت کے التزام سے کشفِ مغیبات اس درجہ تک پہنچ گیا کہ صدہا اخبارِ غیبیہ قبل از وقوع منکشف ہوئیں اور ہر یک مشکل کے وقت اس کے پڑھنے کی حالت میں عجیب طور پر رفع حجاب کیا گیا اور قریب تین ہزار کے کشف صحیح اور رؤیا صادقہ یاد ہے کہ جواب تک اس عاجز سے ظہور میں آچکے اور صبح صادق کے کھلنے کی طرح پوری بھی ہو چکی ہیں۔ اور دوسو جگہ سے زیادہ قبولیتِ دُعا کے آثار نمایاں ایسے نازک موقعوں پر دیکھے گئے جن میں بظاہر کوئی صورت مشکل کشائی کی نظر نہیں آتی تھی اور اسی

طرح کشفِ قبور اور دوسرے انواع اقسام کے عجائبات اسی سورہ کے التزامِ ورد سے ایسے ظہور پکڑتے گئے کہ اگر ایک ادنیٰ پرتوہ اُن کا کسی پادری یا پنڈت کے دل پر پڑ جائے تو یک دفعہ حُبِّ دنیا سے قطع تعلق کر کے اسلام کے قبول کرنے کے لئے مرنے پر آمادہ ہو جائے۔ اسی طرح بذریعہ الہاماتِ صادقہ کے جو پیشگوئیاں اس عاجز پر ظاہر ہوتی رہی ہیں جن میں سے بعض پیشگوئیاں مخالفوں کے سامنے پوری ہوگئی ہیں اور پوری ہوتی جاتی ہیں اس قدر ہیں کہ اس عاجز کے خیال میں دو انجیلوں کی ضخامت سے کم نہیں اور یہ عاجز بطفیل متابعت حضرت رسولِ کریم مخاطبات حضرت احدیّت میں اس قدر عنایات پاتا ہے کہ جس کا کچھ تھوڑا سا نمونہ حاشیہ در حاشیہ نمبر ۳ کے عربی الہامات وغیرہ میں لکھا گیا ہے۔ خداوند کریم نے اسی رسول مقبول کی متابعت اور محبت کی برکت سے اور اپنے پاک کلام کی پیروی کی تاثیر سے اس خاکسار کو اپنے مخاطبات سے خاص کیا ہے اور علوم لدُنیہ سے سرفراز فرمایا ہے اور بہت سے اسرارِ مخفیہ سے اطلاع بخشی ہے اور بہت سے حقائق اور معارف سے اس ناچیز کے سینہ کو پُر کر دیا ہے اور بارہا بتلا دیا ہے کہ یہ سب عطیّات اور عنایات اور یہ سب تفضّلات اور احسانات اور یہ سب تلطّفات اور توجہات اور یہ سب انعامات اور تائیدات اور یہ سب مکالمات اور مخاطبات بیمن متابعت و محبت حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

(براہین احمدیہ چہار حصص۔ روحانی خزائن جلد ۱ صفحہ ۶۴۲ تا ۶۴۶ حاشیہ نمبر ۱۱)

سورۃ فاتحہ کی بلند شان

جس قدر میں نے اب تک لطائف و معارف و خواص سورۃ فاتحہ لکھے ہیں وہ بدیہی طور پر بے مثل و مانند ہیں مثلاً جو شخص ذرا منصف بن کر اوّل اُن صداقتوں کے اعلیٰ مرتبہ پر غور کرے جو کہ سورۃ فاتحہ میں جمع ہیں اور پھر ان لطائف اور نکات پر نظر ڈالے جن پر سورہ ممدوحہ مشتمل ہے اور پھر حسنِ بیان اور ایجازِ کلام کو مشاہدہ کرے کہ کیسے معانی کثیرہ کو الفاظ قلیلہ میں بھرا ہوا ہے اور پھر عبارت کو دیکھے کہ کیسی آب و تاب رکھتی ہے اور کس قدر روانگی اور صفائی اور ملائمت اس میں پائی جاتی ہے کہ گویا ایک نہایت مصفّٰی اور شفّاف پانی ہے کہ بہتا ہوا چلا جاتا ہے اور پھر اُس کی روحانی تاثیروں کو دل میں سوچے کہ جو بطور خارقِ عادت دلوں کو ظلمات بشریت سے صاف کر کے موردِ انوارِ حضرت الوہیت بناتی ہیں جن کو ہم اس کتاب کے ہر موقعہ پر ثابت کرتے چلے جاتے ہیں تو اُس پر قرآنِ شریف کی شانِ بلند جس سے انسانی طاقتیں مقابلہ نہیں کر سکتیں ایسی وضاحت سے کھل سکتی ہے جس پر زیادت متصوّر نہیں۔

(براہین احمدیہ چہار حصص۔ روحانی خزائن جلد ۱ صفحہ ۶۵۰، ۶۵۱ حاشیہ نمبر ۱۱)

سورۃ فاتحہ ایک حصن حصین ہے

اِنَّ الْفَاتِحَةَ حِصْنٌ حَصِيْنٌ وَّنُوْرٌ مُّبِيْنٌ وَّمُعَلِّمٌ وَّمُعِيْنٌ وَّ إِنَّهَا يُحْصِنُ ★ أَحْكَامَ الْقُرْاٰنِ مِنَ الزِّيَادَةِ وَالنُّقْصَانِ. كَتَحْصِيْنِ الثُّغُوْرِ بِإِمْرَارِ الْأُمُوْرِ. وَمَثَلُهَا كَمَثَلِ نَاقَةٍ تَحْمِلُ كُلَّ مَا تَحْتَاجُ إِلَيْهِ. وَتُوْصِلُ إِلٰى دِيَارِ الْحِبِّ مَنْ رَّكِبَ عَلَيْهِ. وَقَدْ حُمِلَ عَلَيْهَا مِنْ كُلِّ نَوْعِ الْأَزْوَادِ وَ النَّفَقَاتِ وَ الثِّيَابِ وَ الْكِسَوَاتِ. أَوْ مَثَلُهَا كَمَثَلِ بِرْكَةٍ صَغِيْرٍ. فِيْهَا مَآءٌ غَزِيْرٌ. كَأَنَّهَا مَجْمَعُ بِحَارٍ. أَوْ مَجْرٰى قَلَهْذَمٍ زَخَّارٍ. وَّإِنِّيْ أَرٰى أَنَّ فَوَآئِدَ هٰذِهِ السُّوْرَةِ الْكَرِيْمَةِ وَنَفَآئِسَهَا لَا تُعَدُّ وَ لَا تُحْصٰى. وَلَيْسَ فِيْ وُسْعِ الْإِنْسَانِ أَنْ يُّحْصِيَهَا وَإِنْ أَنْفَدَ عُمُرًا فِيْ هٰذَا الْهَوٰى. وَإِنَّ أَهْلَ الْغَيِّ وَالشَّقَاوَةِ مَا قَدَرُوْهَا حَقَّ قَدْرِهَا مِنَ الْجَهْلِ وَالْغَبَاوَةِ. وَقَرَأُوْهَا فَمَا رَأَوْا طَلَاوَتَهَا مَعَ تَكْرَارِ التِّلَاوَةِ. وَإِنَّهَا سُوْرَةٌ قَوِيُّ الصَّوْلِ عَلَى الْكَفَرَةِ. سَرِيْعُ الْأَثَرِ عَلَى الْأَفْئِدَةِ السَّلِيْمَةِ. وَمَنْ تَأَمَّلَهَا تَأَمُّلَ الْمُنْتَقِدِ. وَدَانَاهَا بِفِكْرٍ مُّنِيْرٍ كَالْمِصْبَاحِ الْمُتَّقِدِ. أَلْفَاهَا نُوْرَ الْأَبْصَارِ وَمِفْتَاحَ الْأَسْرَارِ. وَإِنَّهُ الْحَقُّ بِلَا رَيْبٍ وَّلَا رَجْمٌ

سورۃ فاتحہ ایک محفوظ قلعہ، نور مبین اور استاد و مددگار ہے اور یہ احکام قرآنیہ کو بڑے اہتمام سے کمی بیشی سے محفوظ رکھتی ہے جس طرح سرحدوں کی حفاظت کی جاتی ہے اور اس کی مثال اس اونٹنی کی ہے جس کی پیٹھ پر تیری ضرورت کی ہر چیز لدی ہوئی ہو اور وہ اپنے سوار کو دیارِ محبوب تک پہنچادے۔ نیز اس پر ہر قسم کا زادِراہ، نفقہ اورلباس و پوشاک لدی ہوئی ہو۔ یا پھر اس کی مثال اس چھوٹے سے حوض کی ہے جس میں بہت سا پانی ہو گویا کہ وہ متعدد دریاؤں کا منبع ہے، یا وہ ایک عظیم دریا کی گذرگاہ ہے اور مَیں دیکھتا ہوں کہ اس سورہ کریمہ کے فوائد اور خوبیاں اَن گنت ہیں اور ان کا شمار انسانی طاقت میں نہیں خواہ کوئی اس خواہش کی تکمیل میں اپنی عمر گزار دے۔ گمراہ اور بدبخت لوگوں نے اپنی جہالت اور کند ذہنی کی بناء پر اس کی صحیح قدر نہیں کی۔ انھوں نے اسے پڑھا تو سہی لیکن باوجود بار بار پڑھنے کے وہ اس کی خوبی اور خوبصورتی کو نہ پا سکے۔ یہ سورت منکروں پر شدّت سے حملہ کرنے والی اور صحت مند دلوں پر سرعت سے اثر کرنے والی ہے۔ ہر وہ شخص جس نے اس پر ایک پرکھنے والے کی طرح نظر ڈالی اور چمکتے ہوئے چراغ کی مانند روشن فکر کے ساتھ اس کے قریب ہوا اس نے اس کو آنکھوں کا نور اور اسرار کی کلید پایا۔ بلاشک وشبہ یہی بات حق ہے اور نہ یہ کوئی ظنی بات ہے۔ اگر تمھیں کوئی

☆ (سہو کتابت معلوم ہوتا ہے۔ درست "تحصن" ہے (ناشر)

بِالْغَيْبِ۔ وَإِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ فَقُمْ وَجَرِّبْ وَاتْرُكِ اللُّغُوْبَ وَالْأَيْنَ۔ وَلَا تَسْأَلْ عَنْ كَيْفَ وَأَيْنَ۔ وَمِنْ عَجَآئِبِ هٰذِهِ السُّوْرَةِ أَنَّهَا عَرَّفَ ☆ اللّٰهَ بِتَعْرِيْفٍ لَّيْسَ فِيْ وُسْعِ بَشَرٍ أَنْ يَّزِيْدَ عَلَيْهِ۔ فَنَدْعُو اللّٰهَ أَنْ يَّفْتَحَ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْفَاتِحَةِ۔ وَإِنَّا تَوَكَّلْنَا عَلَيْهِ۔ اٰمِيْن يَا رَبَّ الْعَالَمِيْنَ۔

شک ہوتو اُٹھو اور خود اس کا تجربہ کرلو اور ماندگی و سستی کو چھوڑ دو اور یہ سوال نہ کرو کہ یہ کیسے اور کہاں ہوسکتا ہے۔ اس سورت کے عجائبات میں سے یہ بات بھی ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی تعریف ایسے الفاظ میں بیان کی ہے کہ اس سے زیادہ بیان کرنا انسان کی طاقت میں نہیں۔ ہم دُعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان اس سورۃ فاتحہ کے ذریعہ فیصلہ کردے۔ ہمارا اسی پر توکل ہے۔ آمین یا ربّ العالمین۔ (ترجمہ از مرتب)

(اعجاز المسیح۔ روحانی خزائن جلد ۱۸ صفحہ ۷۹ تا ۸۱)

سورۃ فاتحہ کا نماز میں پڑھنا لازمی ہے اور یہ دُعا ہی ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اصل دُعا نماز ہی میں ہوتی ہے۔ چنانچہ اس دُعا کو اللہ تعالیٰ نے یوں سکھایا ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اِلٰى اٰخِرِهٖ یعنی دُعا سے پہلے یہ ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی جاوے۔ جس سے اللہ تعالیٰ کے لئے روح میں ایک جوش اور محبت پیدا ہو۔ اس لئے فرمایا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں۔ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ سب کو پیدا کرنے والا اور پالنے والا۔ اَلرَّحْمٰنِ جو بلا عمل اور بن مانگے دینے والا ہے۔ اَلرَّحِيْمِ پھر عمل پر بھی بدلہ دیتا ہے۔ اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی دیتا ہے۔ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ہر بدلہ اسی کے ہاتھ میں ہے۔ نیکی بدی سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ پورا اور کامل مؤحد تب ہی ہوتا ہے جب اللہ تعالیٰ کو مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ تسلیم کرتا ہے۔ دیکھو حکّام کے سامنے جاکر ان کو سب کچھ تسلیم کرلینا یہ گناہ ہے اور اس سے شرک لازم آتا ہے۔ اس لحاظ سے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو حاکم بنایا ہے۔ ان کی اطاعت ضروری ہے مگر ان کو خدا ہرگز نہ بناؤ۔ انسان کا حق انسان کو اور خدا تعالیٰ کا حق خدا تعالیٰ کو دو۔ پھر یہ کہو۔ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور ہم تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ۔ الخ ہم کو سیدھی راہ دکھا۔ یعنی ان لوگوں کی راہ جن پر تُو نے انعام کئے اور وہ نبیوں، صدّیقوں، شہیدوں اور صالحین کا گروہ ہے۔ اس دُعا میں ان تمام گروہوں کے فضل اور انعام کو مانگا گیا ہے۔ ان لوگوں کی راہ سے بچا جن پر تیرا غضب ہوا اور جو گمراہ ہوئے۔ (الحکم نمبر ۲۳ جلد ۶ مؤرخہ ۲۴ جون ۱۹۰۲ء صفحہ ۲)

☆ السورۃ کی مناسبت سے عَرَّفَتْ آنا چاہیئے۔ غالباً سہو کتابت ہے۔ (ناشر)

دُعائے سورۃ فاتحہ میں تمام بنی نوع انسان کو شامل کرنا چاہیے

اس سورہ میں تین لحاظ رکھنے چاہئیں (۱) ایک یہ کہ تمام بنی نوع کو اس میں شریک رکھے (۲) تمام مسلمانوں کو (۳) تیسرے ان حاضرین کو جو جماعت نماز میں داخل ہیں۔ پس اس طرح کی نیّت سے کل نوع انسان اس میں داخل ہوں گے اور یہی منشا خدا تعالیٰ کا ہے۔

(مکتوب حضرت مسیح موعودؑ بنام شیخ غلام نبیؓ صاحب مندرجہ الحکم نمبر ۲۰، ۲۱ جلد ۴۰ مؤرخہ ۲۸ ؍جولائی۔ ۷ ؍اگست ۱۹۳۷ء صفحہ ۳)

دعا میں سورت فاتحہ کے تکرار کا اثر

نماز میں سورۃ فاتحہ کی دُعا کا تکرار نہایت مؤثر چیز ہے کیسی ہی بے ذوقی و بے مزگی ہو۔ اس عمل کو برابر جاری رکھنا چاہئے یعنی کبھی تکرار آیت اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کا اور کبھی تکرار آیت اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کا اور سجدہ میں يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِيْثُ۔ (الحکم نمبر ا جلد ۲ مؤرخہ ۲۰ ؍فروری ۱۸۹۸ء صفحہ ۹)

سورۃ فاتحہ کا ورد نماز میں بہتر ہے۔ بہتر ہے کہ نماز تہجد میں اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ۔ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کا بدلی توجہ وخضوع وخشوع تکرار کریں اور اپنے دل کو نزول انوار الٰہیہ کے لئے پیش کریں اور کبھی تکرار آیت اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کا کیا کریں۔ ان دونوں آیتوں کا تکرار انشاء اللہ القدیر تنویر قلب وتزکیہ نفس کا موجب ہوگا۔ (الحکم نمبر ۲۳ جلد ۷ مؤرخہ ۲۴ ؍جون ۱۹۰۳ء صفحہ ۳)

ثُمَّ اعْلَمْ اَنَّ اٰيَاتِ هٰذِهِ السُّوْرَةِ (الْفَاتِحَةِ) سَبْعٌ وَّالنُّجُوْمُ سَبْعٌ فَقَدْ حَاذَا كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهَا نَجْمًا لِّيَكُوْنَ كُلُّهَا لِلشَّيْطٰنِ رَجْمًا۔

(رجسٹر محاورات العرب۔ تحریر حضرت مسیح موعود علیہ السلام)

واضح رہے کہ اِس سورت (فاتحہ) کی آیات سات ہیں اور مشہور ستارے بھی سات ہیں۔ ان آیات میں سے ہر آیت ایک ستارے کے مقابل پر ہے تا وہ سب کی سب شیطان کے لئے رجم کا موجب ہوں۔ (ترجمہ از مرتب)

قرآن شریف میں چار سورتیں ہیں جو بہت پڑھی جاتی ہیں۔ اُن میں مسیح موعودؑ اور اس کی جماعت کا ذکر ہے۔ (۱) سورۃ فاتحہ جو ہر رکعت میں پڑھی جاتی ہے اس میں ہمارے دعوے کا ثبوت ہے۔ جیسا کہ اس تفسیر میں ثابت کیا جائے گا۔ (۲) سورہ جمعہ جس میں اٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ مسیح موعودؑ کی جماعت کے متعلق ہے یہ ہر جمعہ میں پڑھی جاتی ہے۔ (۳) سورہ کہف جس کے پڑھنے کے واسطے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید فرمائی ہے۔ اس کی پہلی اور پچھلی دس ۱۰ آیتوں میں دجال کا ذکر ہے۔ (۴) آخری سورت قرآن کی جس میں دجال کا نام خنّاس رکھا گیا ہے۔ یہ وُہی لفظ ہے جو عبرانی توریت میں دجال کے واسطے آیا ہے۔ یعنی نحاش נחש۔ ایسا ہی قرآن شریف کے اور مقامات میں بھی بہت ذکر ہے۔

(الحکم جلد ۵ نمبر ۳ مورخہ ۲۴ ؍جنوری ۱۹۰۱ء صفحہ ۱۱)

أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

استعاذہ کا حکم اور اس کی حکمت

اِعْلَمْ يَا طَالِبَ الْعِرْفَانِ. أَنَّهٗ مَنْ أَحَلَّ نَفْسَهٗ مَحَلَّ تِلَاوَةِ الْفَاتِحَةِ وَالْفُرْقَانِ. فَعَلَيْهِ أَنْ يَّسْتَعِيْذَ مِنَ الشَّيْطَانِ. كَمَا جَآءَ فِي الْقُرْاٰنِ. فَإِنَّ الشَّيْطَانَ قَدْ يَدْخُلُ حِمَى الْحَضْرَةِ كَالسَّارِقِيْنَ وَ يَدْخُلُ الْحَرَمَ الْعَاصِمَ لِلْمَعْصُوْمِيْنَ. فَأَرَادَ اللّٰهُ أَنْ يُّنَجِّيَ عِبَادَهٗ مِنْ صَوْلِ الْخَنَّاسِ. عِنْدَ قِرَآئَةِ الْفَاتِحَةِ وَ كَلَامِ رَبِّ النَّاسِ. وَ يَدْفَعُهٗ بِحَرْبَةٍ مِّنْهُ وَيَضَعُ الْفَأْسَ فِي الرَّأْسِ. وَ يُخَلِّصُ الْغَافِلِيْنَ مِنَ النُّعَاسِ. فَعَلَّمَ كَلِمَةً مِّنْهُ لِطَرْدِ الشَّيْطَانِ الْمَدْحُوْرِ إِلٰى يَوْمِ النُّشُوْرِ. وَ كَانَ سِرُّ هٰذَا الْأَمْرِ الْمَسْتُوْرِ. أَنَّ الشَّيْطَانَ قَدْ عَادَى الْإِنْسَانَ مِنَ الدُّهُوْرِ. وَ كَانَ يُرِيْدُ إِهْلَاكَهٗ مِنْ طَرِيْقِ الْإِخْفَآءِ وَالدُّمُوْرِ. وَ كَانَ أَحَبَّ الْأَشْيَآءِ إِلَيْهِ تَدْمِيْرُ الْإِنْسَانِ. وَ لِذَالِكَ أَلْزَمَ نَفْسَهٗ أَنْ تُصْغِيَ إِلٰى كُلِّ أَمْرٍ يَّنْزِلُ مِنَ الرَّحْمٰنِ. لِدَعْوَةِ النَّاسِ إِلَى الْجِنَانِ. وَيَبْذُلُ جَهْدَهٗ لِلْإِضْلَالِ

اے طالب معرفت جان لو کہ جب کوئی شخص سورۃ فاتحہ اور قرآن کریم کی تلاوت کرنے لگے تو اس پر لازم ہے کہ وہ أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ پڑھے جیسا کہ قرآن کریم میں حکم ہے۔ کیونکہ کبھی شیطان خدا تعالیٰ کی رکھ میں چوروں کی طرح داخل ہو جاتا ہے اور اس حرم کے اندر آ جاتا ہے جو معصومین کا محافظ ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ وہ سورۃ فاتحہ اور قرآن مجید کی تلاوت کے وقت اپنے بندوں کو شیطان کے حملہ سے بچائے، اُسے اپنے حربہ سے پسپا کرے، اس کے سر پر تبر رکھے اور غافلوں کو غفلت سے نجات دے۔ پس اس نے شیطان کو دھتکارنے کے لئے جو قیامت تک راندۂ درگاہ ہے اپنے ہاں سے بندوں کو ایک بات سکھائی اور اس مخفی امر یعنی تعوّذ میں یہ راز ہے کہ شیطان قدیم سے انسان کا دشمن ہے اور وہ اسے پوشیدہ اور اچانک طور پر ہلاک اور برباد کرنا چاہتا ہے۔ اس کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ چیز انسان کو تباہ کرنا ہی ہے اس لئے اس نے اپنے نفس پر یہ لازم کر لیا ہے کہ وہ ہر اُس امر کی طرف کان لگائے رکھے جو خدائے رحمان کی طرف سے لوگوں کو جنّت کی طرف بلانے کے لئے نازل ہوتا ہے اور وہ اپنی تمام تر کوشش گمراہی اور فتنہ کے پھیلانے میں خرچ کرے۔ پس اللہ تعالیٰ

وَالْاِفْتِنَانِ۔ فَقَدَّرَ اللّٰهُ لَهُ الْخَيْبَةَ وَالْقَوَارِعَ بِبَعْثِ الْأَنْبِيَآءِ وَمَا قَتَلَهٗ بَلْ أَنْظَرَهٗ إِلٰى يَوْمٍ تُبْعَثُ فِيْهِ الْمَوْتٰى بِإِذْنِ اللّٰهِ ذِى الْعِزَّةِ وَالْعَلَآءِ۔ وَبَشَّرَ بِقَتْلِهٖ فِيْ قَوْلِهٖ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ۔ فَتِلْكَ هِيَ الْكَلِمَةُ الَّتِيْ تُقْرَأُ قَبْلَ قَوْلِهٖ:۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔

نے انبیاء کی بعثت کے ذریعہ اس کے لئے ناکامی اور تلخیاں مقدّر کر رکھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اُسے (شروع میں) قتل تو نہیں کیا بلکہ اُسے اس وقت تک مہلت دے دی جب مُردے خدا تعالیٰ بزرگ و برتر کی اجازت سے دوبارہ زندہ کئے جائیں گے اور اس نے تعوّذ میں الشیطان الرجیم کے الفاظ رکھ کر اس کے قتل کی خبر دی ہے۔ پس یہی وہ کلمہ ہے جو بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ سے قبل پڑھا جاتا ہے۔

لفظ اَلرَّجِیْم میں دجّال کے قتل کا ذکر

وَهٰذَا الرَّجِيْمُ هُوَ الَّذِيْ وَرَدَ فِيْهِ الْوَعِيْدُ أَعْنِى الدَّجَّالَ الَّذِيْ يَقْتُلُهُ الْمَسِيْحُ الْمُبِيْدُ۔ وَ الرَّجْمُ اَلْقَتْلُ كَمَا صُرِّحَ بِهٖ فِيْ كُتُبِ اللِّسَانِ الْعَرَبِيَّةِ۔ فَالرَّجِيْمُ هُوَ الدَّاجِلُ الَّذِيْ يُغَالُ فِيْ زَمَانٍ مِّنَ الْأَزْمِنَةِ الْاٰتِيَةِ۔ وَعْدٌ مِّنَ اللّٰهِ الَّذِيْ يَحُوْلُ عَلٰى أَهْلِهٖ وَلَا تَبْدِيْلَ لِلْكَلِمِ الْإِلٰهِيَّةِ۔ فَهٰذِهٖ بَشَارَةٌ لِّلْمُسْلِمِيْنَ مِنَ اللّٰهِ الرَّحِيْمِ۔ وَ اِيْمَآءٌ اِلٰى اَنَّهٗ يُقْتَلُ الدَّجَّالُ فِيْ وَقْتٍ كَمَا هُوَ الْمَفْهُوْمُ مِنْ لَفْظِ الرَّجِيْمِ۔

اور یہ رجیم وہی ہے جس کے حق میں ایک خاص وعید آئی ہے۔ اس سے میری مراد وہ دجّال ہے جسے مسیح موعود (قاتل دجّال) ہلاک کرے گا اور رجیم کے معنے قتل کے ہیں۔ جیسا کہ عربی زبان کی کتبِ لغت میں اس کی تصریح کی گئی ہے۔ پس رجیم وہی دجل کرنے والا ہے جو آئندہ زمانہ میں ہلاک کیا جائے گا۔ یہ اس خدا تعالیٰ کا وعدہ ہے جو اپنے بندوں کا لحاظ رکھتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے الفاظ اٹل ہوتے ہیں۔ پس خدائے رحیم کی طرف سے مسلمانوں کے لئے یہ بشارت ہے اور اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ایک وقت دجّال کو ہلاک کیا جائے گا جیسا کہ لفظ رجیم سے واضح ہے۔

اشعار

وَ مَعْنَى الرَّجْمِ فِي هٰذَا الْمُقَامِ
كَمَا عُلِّمْتُ مِنْ رَّبِّ الْأَنَامِ
هُوَ الْإِعْضَالُ إِعْضَالُ اللِّئَامِ
وَإِسْكَاتُ الْعِدَا كَهْفِ الظَّلَامِ

رجم کے معنی

(۱) اس مقام میں رجم کے معنے جیسا کہ مجھے مخلوق کے ربّ کی طرف سے علم دیا گیا ہے۔

(۲) وہ کمینوں کو عاجز کرنا اور ایسے دشمنوں کو لاجواب کرنا ہے جو اندھیرے کی پناہ گاہ ہیں۔

وَضَرْبٌ يَّخْتَلِيْ أَصْلَ الْخِصَامِ
وَ لَا نَعْنِيْ بِهٖ ضَرْبَ الْحُسَامِ

(۳) اور ایسی ضرب لگانا ہے جو خصومت کو جڑ سے اکھیڑ دے ہماری مراد اس سے تلوار کی ضرب نہیں۔

دجّال کے قتل کا زمانہ

وَقَدْ أَتٰى زَمَانٌ تَهْلِكُ فِيْهِ الْأَبَاطِيْلُ وَلَاتَبْقَى الزُّوْرُ وَالظَّلَامُ۔ وَتَفْنَى الْمِلَلُ كُلُّهَا إِلَّا الْإِسْلَامَ۔ وَ تَمْلَأُ الْأَرْضُ قِسْطًا وَّعَدْلًا وَّ نُوْرًا۔ كَمَا كَانَتْ مُلِئَتْ ظُلْمًا وَّ كُفْرًا وَّجَوْرًا وَّزُوْرًا۔ فَهُنَاكَ تُقْتَلُ مَنْ سَبَقَ الْوَعِيْدُ لِتَدْمِيْرِهٖ۔ وَلَا نَعْنِيْ مِنَ الْقَتْلِ إِلَّا كَسْرَ قُوَّتِهٖ وَتَنْجِيَةَ أَسِيْرِهٖ۔

اب وہ زمانہ آ گیا ہے جس میں باطل ہلاک ہو جائے گا اور جھوٹ اور اندھیرا باقی نہیں رہے گا۔ تمام مذاہب سوائے اسلام کے مٹ جائیں گے اور زمین انصاف، عدل اور نور سے بھر جائے گی جیسا کہ وہ پہلے ظلم، کفر، تعدّی اور جھوٹ سے پُر تھی۔ پس اس وقت اس گروہ دجّال کو جس کی ہلاکت کا وعدہ پہلے سے دیا گیا ہے قتل کیا جائے گا۔ اس جگہ قتل سے ہماری مراد صرف اس کی طاقت توڑ دینے اور اس کے قیدیوں کو آزاد کر دینے سے ہے۔

فَحَاصِلُ الْكَلَامِ أَنَّ الَّذِيْ يُقَالُ لَهُ الشَّيْطَانُ الرَّجِيْمُ۔ هُوَ الدَّجَّالُ اللَّئِيْمُ۔ وَالْخَنَّاسُ الْقَدِيْمُ۔ وَكَانَ قَتْلُهٗ أَمْرًا مَّوْعُوْدًا۔ وَ خَطْبًا مَعْهُوْدًا۔

پس خلاصہ کلام یہ ہے کہ جسے شیطان رجیم کہتے ہیں اس سے وہی دجّال لئیم، خنّاس قدیم مراد ہے جس کا قتل کیا جانا ایک موعود امر تھا اور ایسا اہم امر تھا جو پہلے ہی مقدر ہو چکا تھا۔

وَلِذَالِكَ أَلْزَمَ اللّٰهُ كَافَّةَ أَهْلِ الْمِلَّةِ۔ أَنْ يَّقْرَأُوْا لَفْظَ ''الرَّجِيْمِ'' قَبْلَ قِرَاءَةِ الْفَاتِحَةِ وَقَبْلَ الْبَسْمَلَةِ لِيَتَذَكَّرَ الْقَارِئُ أَنَّ وَقْتَ الدَّجَّالِ لَا يُجَاوِزُ وَقْتَ قَوْمٍ ذُكِرُوْا فِيْ آخِرِ آيَةٍ مِّنْ هٰذِهِ الْآيَاتِ السَّبْعَةِ۔ وَكَانَ قَدَرُ اللّٰهِ كُتِبَ مِنْ بَدْءِ الْأَوَانِ۔ أَنَّهٗ يُقْتَلُ الرَّجِيْمُ الْمَذْكُوْرُ فِيْ آخِرِ الزَّمَانِ۔ وَيَسْتَرِيْحُ

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے تمام مسلمانوں پر واجب قرار دیا کہ وہ سورۃ فاتحہ اور بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پڑھنے سے قبل اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ پڑھیں تا کہ پڑھنے والے کے ذہن نشین رہے کہ دجّال کا زمانہ اس قوم کے زمانہ سے تجاوز نہیں کرے گا جس کا ذکر ان سات آیتوں میں سے آخری آیت میں کیا گیا ہے اور اللہ کی یہ تقدیر ابتدائے زمانہ سے مقرر تھی کہ مذکور شیطان رجیم آخری زمانہ میں قتل ہوگا اور لوگ اس زہریلے اژدہا کے

الْعِبَادُ مِنْ لَّدْغِ هٰذَا الثُّعْبَانِ۔ فَالْيَوْمَ وَصَلَ الزَّمَانُ إِلٰى اٰخِرِ الدَّآئِرَةِ۔ وَانْتَهٰى عُمُرُ الدُّنْيَا كَالسَّبْعِ الْمَثَانِيْ إِلَى السَّابِعَةِ مِنَ الْأُلُوْفِ الشَّمْسِيَّةِ وَالْقَمَرِيَّةِ۔ اَلْيَوْمَ تَجَلَّى الرَّجِيْمُ فِيْ مَظْهَرٍ هُوَ لَهٗ كَالْحُلَلِ الْبُرُوْزِيَّةِ۔ وَاخْتُتِمَ أَمْرُ الْغَيِّ عَلٰى قَوْمٍ اخْتُتِمَ عَلَيْهِ اٰخِرُ كَلِمِ الْفَاتِحَةِ۔ وَلَا يَفْهَمُ هٰذَا الرَّمْزَ إِلَّا ذُو الْقَرِيْحَةِ الْوَقَّادَةِ۔

ڈسنے سے امان پا جائیں گے۔ پس اب زمانہ اپنے انتہائی دور میں پہنچ گیا ہے اور دنیا کی عمر سبع مثانی کی سات آیات کی طرح شمسی اور قمری حساب سے ساتویں ہزار سال میں پہنچ گئی ہے۔ آج یہ شیطان رجیم ایسے گروہ کی صورت میں ظاہر ہوا ہے جو اس کے لئے بروزی لباس کی حیثیت رکھتا ہے اور گمراہی اس قوم پر ختم ہوگئی ہے جس کا ذکر سورۃ فاتحہ کے آخری الفاظ میں آیا ہے اور اس بات کو وہی سمجھ سکتا ہے جو روشن طبع ہو۔

دجّال صرف خدا کے فضل سے قتل ہوگا

وَلَا يُقْتَلُ الدَّجَّالُ إِلَّا بِالْحَرْبَةِ السَّمَاوِيَّةِ۔ أَيْ بِفَضْلٍ مِّنَ اللّٰهِ لَا بِالطَّاقَةِ الْبَشَرِيَّةِ۔ فَلَا حَرْبَ وَ لَا ضَرْبَ وَ لٰكِنْ أَمْرٌ نَّازِلٌ مِّنَ الْحَضْرَةِ الْأَحَدِيَّةِ۔ وَكَانَ هٰذَا الدَّجَّالُ يَبْعَثُ بَعْضَ ذَرَارِيْهِ فِيْ كُلِّ مِائَةٍ مِّنْ مِّئِيْنَ۔ لِيُضِلَّ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُوَحِّدِيْنَ وَالصَّالِحِيْنَ وَالْقَآئِمِيْنَ عَلَى الْحَقِّ وَالطَّالِبِيْنَ۔ وَيَهُدَّ مَبَانِيَ الدِّيْنِ۔ وَيَجْعَلَ صُحُفَ اللّٰهِ عِضِيْنَ۔ وَكَانَ وَعْدٌ مِّنَ اللّٰهِ أَنَّهٗ يُقْتَلُ فِيْ اٰخِرِ الزَّمَانِ۔ وَيَغْلِبُ الصَّلَاحُ عَلَى الطَّلَاحِ وَ الطُّغْيَانِ۔ وَتُبَدَّلُ الْأَرْضُ وَ يَتُوْبُ أَكْثَرُ النَّاسِ إِلَى الرَّحْمٰنِ۔ وَ تُشْرِقُ الْأَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا۔ وَ تَخْرُجُ الْقُلُوْبُ مِنْ ظُلُمَاتِ الشَّيْطَانِ۔ فَهٰذَا هُوَ

اور یہ دجال صرف آسمانی حربہ سے ہی ہلاک کیا جائے گا یعنی بشری طاقت سے نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کے فضل سے ہی قتل ہوگا۔ پس نہ کوئی لڑائی ہوگی نہ مار پیٹ۔ بلکہ یہ ایک ایسا امر ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے وقوع پذیر ہوگا اور یہ دجّال (شیطان) ہر صدی میں اپنی ذرّیت میں سے بعض کو مقرر کرتا رہا تا مومنوں، مؤحدوں، نیکوکاروں، حق پر قائم لوگوں اور اس کے طالبوں کو گمراہ کرے اور دین کی عمارتوں کو گرا دے اور اللہ تعالیٰ کی کتب کو پارہ پارہ کردے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ تھا کہ وہ دجّال آخری زمانہ میں قتل کیا جائے گا اور نیکی ہر قسم کی خرابی اور سرکشی پر غالب آجائے گی اور زمین بدل دی جائے گی اور اکثر لوگ خدائے رحمان کی طرف رجوع کرلیں گے۔ زمین اپنے ربّ کے نور سے روشن ہوجائے گی اور قلوب شیطانی تاریکیوں سے باہر آجائیں

مَوْتُ الْبَاطِلِ وَمَوْتُ الدَّجَّالِ وَقَتْلُ هٰذَا الثُّعْبَانِ۔

گے۔یہی باطل کی موت، دجّال کی موت اور اس بڑے اژدہا کا قتل ہے۔

دجّال سے مراد شخص واحد نہیں

أَمْ يَقُوْلُوْنَ إِنَّهٗ رَجُلٌ يُّقْتَلُ فِيْ وَقْتٍ مِّنَ الْأَوْقَاتِ۔ كَلَّا۔ بَلْ هُوَ شَيْطَانٌ رَّجِيْمٌ أَبُو السَّيِّئَاتِ۔ يُرْجَمُ فِيْ اٰخِرِ الزَّمَانِ بِإِزَالَةِ الْجَهَلَاتِ وَ اسْتِيْصَالِ الْخُزَعْبِيْلَاتِ۔ وَعْدٌ حَقٌّ مِّنَ اللهِ الرَّحِيْمِ۔ كَمَا أُشِيْرَ فِيْ قَوْلِهٖ: ''الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ★۔'' فَقَدْ تَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّنَا صِدْقًا وَعَدْلًا فِيْ هٰذِهِ الْأَيَّامِ۔ وَنَظَرَ اللهُ إِلَى الْإِسْلَامِ۔ بَعْدَ مَا عَنَتْ بِهِ الْبَلَايَا وَالْاٰلَامُ۔ فَأَنْزَلَ مَسِيْحَهٗ لِقَتْلِ الْخَنَّاسِ وَقَطْعِ هٰذَا الْخِصَامِ۔

کیا لوگ کہتے ہیں کہ دجّال ایک شخص ہے جو کسی زمانہ میں قتل کیا جائے گا ایسا ہرگز نہیں بلکہ دجّال تو وہ مردود شیطان ہے جو بدیوں کا سرچشمہ ہے اسے آخری زمانہ میں جہالتوں کے دُور کرنے اور بدیوں کو مٹانے کے ذریعہ قتل کیا جائے گا۔ یہ خدائے رحیم کا سچا وعدہ ہے جیسا کہ خدا کے الفاظ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ★ میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ پس ہمارے پروردگار کی پیشگوئی راستی وعدل سے اس زمانہ میں پوری ہوگئی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسلام کی طرف نظر کرم فرمائی بعد اس کے کہ اس پر مصائب وتکالیف وارد ہوئیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنے مسیح کو اس خنّاس شیطان کے قتل اور اس جھگڑے کے چکانے کیلئے نازل کیا۔

شیطان کا نام رجیم رکھنے میں حکمت

وَمَا سُمِّيَ الشَّيْطَانُ رَجِيْمًا إِلَّا عَلٰى طَرِيْقِ أَنْبَآءِ الْغَيْبِ۔ فَإِنَّ الرَّجْمَ هُوَ الْقَتْلُ مِنْ غَيْرِ الرَّيْبِ۔ وَلَمَّا كَانَ الْقَدَرُ قَدْ جَرٰى فِيْ قَتْلِ هٰذَا الدَّجَّالِ۔ عِنْدَ نُزُوْلِ مَسِيْحِ اللهِ ذِي الْجَلَالِ۔ أَخْبَرَ اللهُ مِنْ قَبْلِ هٰذِهِ الْوَاقِعَةِ تَسْلِيَةً وَّ تَبْشِيْرًا لِّقَوْمٍ يَّخَافُوْنَ أَيَّامَ الضَّلَالِ۔ (اعجاز المسیح، روحانی خزائن جلد ۱۸ صفحہ ۸۱ تا ۸۹)

اور شیطان کا نام رجیم بطور پیشگوئی رکھا گیا ہے کیونکہ رجم کے معنے بلا شک وشبہ قتل کرنے کے ہیں اور جب مقدر یوں تھا کہ یہ دجّال خدائے ذوالجلال کے مسیح کے نازل ہونے کے زمانہ میں قتل کیا جائے گا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ سے قبل ہی ان لوگوں کی تسلّی اور بشارت کے لئے جو گمراہی کے زمانہ سے ڈرتے ہیں خبر دے دی۔ (ترجمہ از مرتب)

★(آل عمران:۳۷ اور النّحل:۹۹)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝۱

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ۝۲ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝۳ مٰلِکِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ ۝۴ اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ ۝۵ اِہۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ ۝۶ صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ ۬ۙ غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡہِمۡ وَ لَا الضَّآلِّیۡنَ ۝۷

ترجمہ: خدا جس کا نام اللہ ہے تمام اقسام تعریفوں کا مستحق ہے۔ اور ہر ایک تعریف اُسی کی شان کے لائق ہے کیونکہ وہ ربّ العالمین ہے۔ وہ رحمان ہے، وہ رحیم ہے، وہ مالک یوم الدّین ہے۔ ہم (اے صفات کاملہ والے) تیری ہی پرستش کرتے ہیں اور مدد بھی تجھ سے ہی چاہتے ہیں۔ ہمیں وہ سیدھی راہ دکھلا جو اُن لوگوں کی راہ ہے جن پر تیرا انعام ہے۔ اور اُن راہوں سے بچا جو اُن لوگوں کی راہیں ہیں جن پر تیرا غضب طاعون وغیرہ عذابوں سے دُنیا ہی میں وارد ہوا اور نیز اُن لوگوں کی راہوں سے بچا کہ جن پر اگرچہ دنیا میں کوئی عذاب وارد نہیں ہوا۔ مگر اُخروی نجات کی راہ سے وہ دور جا پڑے ہیں اور آخر عذاب میں گرفتار ہوں گے۔ (ایام الصّلح۔ روحانی خزائن جلد ۱۴ صفحہ ۲۴۶)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

یہ آیت سورۃ ممدوحہ★ کی آیتوں میں سے پہلی آیت ہے اور قرآن شریف کی دوسری سورتوں پر بھی لکھی گئی ہے اور ایک اور جگہ بھی قرآن شریف میں یہ آیت آئی ہے اور جس قدر تکرار اس آیت کا قرآن شریف میں بکثرت پایا جاتا ہے اور کسی آیت میں اس قدر تکرار نہیں پایا جاتا۔ اور چونکہ اسلام میں یہ سنّت ٹھہر گئی ہے کہ ہر یک کام کے ابتدا میں جس میں خیر اور برکت مطلوب ہو بطریق تبرک اور استمداد اس آیت کو پڑھ لیتے ہیں اس لئے یہ آیت دشمنوں اور دوستوں اور چھوٹوں اور بڑوں میں شہرت پا گئی ہے یہاں تک کہ اگر کوئی شخص تمام قرآنی آیات سے بےخبر مطلق ہو۔ تب بھی امید قوی ہے کہ اس آیت سے ہرگز اس کو بےخبری نہیں ہوگی۔

اب یہ آیت جن کامل صداقتوں پر مشتمل ہے ان کو بھی سن لینا چاہئے سو منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ اصل مطلب اس آیت کے نزول سے یہ ہے کہ تا عاجز اور بےخبر بندوں کو اس نکتۂ معرفت کی تعلیم کی جائے کہ ذات واجب الوجود کا اسم اعظم جو اللہ ہے کہ جو اصطلاح قرآنی ربّانی کے رو سے ذات مستجمع جمیع صفاتِ کاملہ اور منزہ عن جمیع رذائل اور معبود برحق اور واحد لاشریک اور مبدء جمیع فیوض پر بولا جاتا ہے۔ اس اسم اعظم کی

★ سورۃ فاتحہ

بہت سی صفات میں سے جو دو صفتیں بسم اللہ میں بیان کی گئی ہیں یعنی صفتِ رحمانیت ورحیمیت انہیں دو صفتوں کے تقاضا سے کلام الٰہی کا نزول اوراس کے انوار وبرکات کا صدور ہے۔اس کی تفصیل یہ ہے کہ خدا کے پاک کلام کا دنیا میں اترنا اور بندوں کواس سے مطلع کیا جانا یہ صفتِ رحمانیت کا تقاضا ہے کیونکہ صفتِ رحمانیت کی کیفیت (جیسا کہ آگے بھی تفصیل سے لکھا جائے گا) یہ ہے کہ وہ صفت بغیر سبقت عمل کسی عامل کے محض جُود اور بخشش الٰہی کے جوش سے ظہور میں آتی ہے جیسا خدا نے سورج اور چانداور پانی اور ہوا وغیرہ کو بندوں کی بھلائی کے لئے پیدا کیا ہے۔ یہ تمام جوداور بخشش صفتِ رحمانیت کے رو سے ہے۔اَور کوئی شخص دعویٰ نہیں کرسکتا کہ یہ چیزیں میرے کس عمل کی پاداش میں بنائی گئی ہیں۔اسی طرح خدا کا کلام بھی کہ جو بندوں کی اصلاح اور رہنمائی کے لئے اترا وہ بھی اس صفت کے رو سے اترا ہے۔اور کوئی ایسا متنفّس نہیں کہ یہ دعویٰ کر سکے کہ میرے کسی عمل یا مجاہدہ یا کسی پاک باطنی کے اجر میں خدا کا پاک کلام کہ جواس کی شریعت پر مشتمل ہے نازل ہوا ہے۔یہی وجہ ہے کہ اگرچہ طہارت اور پاک باطنی کا دم مارنے والے اورزہداورعبادت میں زندگی بسر کرنے والے اب تک ہزاروں لوگ گزرے ہیں لیکن خدا کا پاک اور کامل کلام کہ جواُس کے فرائض اوراحکام کو دنیا میں لایا اوراس کے ارادوں سے خلق اللہ کو مطلع کیا اُنہیں خاص وقتوں میں نازل ہوا ہے کہ جب اس کے نازل ہونے کی ضرورت تھی۔ہاں یہ ضرور ہے کہ خدا کا پاک کلام انہیں لوگوں پر نازل ہو کہ جو تقدّس اور پاک باطنی میں اعلیٰ درجہ رکھتے ہوں۔کیونکہ پاک کو پلید سے کچھ میل اور مناسبت نہیں لیکن یہ ہرگز ضرور نہیں کہ ہرجگہ تقدس اور پاک باطنی کلام الٰہی کے نازل ہونے کو مستلزم ہو بلکہ خدائے تعالیٰ کی حقّانی شریعت اور تعلیم کا نازل ہونا ضروراتِ حقّہ سے وابستہ ہے۔پس جس جگہ ضروراتِ حقّہ پیدا ہوگئیں اور زمانہ کی اصلاح کے لئے واجب معلوم ہوا کہ کلام الٰہی نازل ہو اسی زمانہ میں خدائے تعالیٰ نے جو حکیم مطلق ہے اپنے کلام کو نازل کیا اور کسی دوسرے زمانہ میں گو لاکھوں آدمی تقوٰی اور طہارت کی صفت سے مُتَّصِف ہوں اور گو کیسی ہی تقدس اور پاک باطنی رکھتے ہوں ان پر خدا کا وہ کامل کلام ہرگز نازل نہیں ہوتا کہ جو شریعتِ حقّانی پر مشتمل ہو۔ہاں مکالمات ومخاطبات حضرت احدیّت کے بعض پاک باطنوں سے ہوجاتے ہیں اور وہ بھی اس وقت کہ جب حکمت الٰہیہ کے نزدیک ان مکالمات اور مخاطبات کے لئے کوئی ضرورتِ حقّہ پیدا ہو۔ اوران دونوں طور کی ضرورتوں میں فرق یہ ہے کہ شریعتِ حقّانی کا نازل ہونا اس ضرورت کے وقت پیش آتا ہے کہ جب دنیا کے لوگ بباعث ضلالت اور گمراہی کے جادۂ استقامت سے منحرف ہوگئے ہوں اوراُن کے

راہِ راست پر لانے کے لئے ایک نئی شریعت کی حاجت ہو کہ جو ان کی آفات موجودہ کا بخوبی تدارک کر سکے اور ان کی تاریکی اور ظلمت کو اپنے کامل اور شافی بیان کے نُور سے بکلّی اٹھا سکے اور جس طور کا علاج حالت فاسدہ زمانہ کے لئے درکار ہے وہ علاج اپنے پُرزور بیان سے کر سکے۔ لیکن جو مکالمات و مخاطبات اولیاء اللہ کے ساتھ ہوتے ہیں ان کے لئے غالباً اس ضرورت عظمیٰ کا پیش آنا ضروری نہیں بلکہ بسا اوقات صرف اسی قدر ان مکالمات سے مطلب ہوتا ہے کہ تا ولی کے نفس کو کسی مصیبت اور محنت کے وقت صبر اور استقامت کے لباس سے متحلّی کیا جائے یا کسی غم اور حزن کے غلبہ میں کوئی بشارت اس کو دی جائے مگر وہ کامل اور پاک کلام خدائے تعالیٰ کا کہ جو نبیوں اور رسولوں پر نازل ہوتا ہے وہ جیسا کہ ہم نے ابھی بیان کیا ہے اس ضرورتِ حقّہ کے پیش آنے پر نزول فرماتا ہے کہ جب خلق اللہ کو اس کے نزول کی بشدّت حاجت ہو۔ غرض کلامِ الٰہی کے نازل ہونے کا اصل موجب ضرورتِ حقّہ ہے۔ جیسا کہ تم دیکھتے ہو کہ جب تمام رات کا اندھیر ہو جاتا ہے اور کچھ نُور باقی نہیں رہتا تو اسی وقت تم سمجھ جاتے ہو کہ اب ماہِ نو کی آمد نزدیک ہے۔ اسی طرح جب گمراہی کی ظلمت سخت طور پر دنیا پر غالب آ جاتی ہے تو عقلِ سلیم اس روحانی چاند کے نکلنے کو بہت نزدیک سمجھتی ہے۔ ایسا ہی جب اِمساکِ بَاراں سے لوگوں کا حال تباہ ہو جاتا ہے تو اس وقت عقلمند لوگ بارانِ رحمت کا نازل ہونا بہت قریب خیال کرتے ہیں اور جیسا کہ خدا نے اپنے جسمانی قانون میں بھی بعض مہینے برسات کے لئے مقرر کر رکھے ہیں یعنی وہ مہینے جن میں فی الحقیقت مخلوق اللہ کو بارش کی ضرورت ہوتی ہے اور ان مہینوں میں جو مینہ برستا ہے اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جاتا کہ خاص ان مہینوں میں لوگ زیادہ نیکی کرتے ہیں اور دوسرے مہینوں میں فسق و فجور میں مبتلا رہتے ہیں۔ بلکہ یہ سمجھنا چاہئے کہ یہ وہ مہینے ہیں جن میں زمینداروں کو بارش کی ضرورت ہے اور جن میں بارش کا ہو جانا تمام سال کی سرسبزی کا موجب ہے ایسا ہی کلام الٰہی کا نزول فرمانا کسی شخص کی طہارت اور تقویٰ کے جہت سے نہیں ہے یعنی علّتِ موجبہ اُس کلام کے نزول کی یہ نہیں ہو سکتی کہ کوئی شخص غایت درجہ کا مقدس اور پاک باطن تھا یا راستی کا بھوکا اور پیاسا تھا بلکہ جیسا کہ ہم کئی دفعہ لکھ چکے ہیں کتبِ آسمانی کے نزول کا اصلی موجب ضرورتِ حقّہ ہے یعنی وہ ظلمت اور تاریکی کہ جو دنیا پر طاری ہو کر ایک آسمانی نور کو چاہتی ہے کہ تا وہ نور نازل ہو کر اس تاریکی کو دور کرے اور اسی کی طرف ایک لطیف اشارہ ہے کہ جو خدائے تعالیٰ نے اپنے پاک کلام میں فرمایا ہے۔ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ (القدر:۲) یہ لیلۃ القدر اگرچہ اپنے مشہور معنوں کے رو سے ایک بزرگ رات ہے لیکن قرآنی اشارات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ

دنیا کی ظلمانی حالت بھی اپنی پوشیدہ خوبیوں میں لیلۃ القدر کا ہی حکم رکھتی ہے اور اس ظلمانی حالت کے دنوں میں صدق اور صبر اور زہد اور عبادت خدا کے نزدیک بڑا قدر رکھتا ہے اور وہی ظلمانی حالت تھی کہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت تک اپنے کمال کو پہنچ کر ایک عظیم الشان نُور کے نزول کو چاہتی تھی اور اُسی ظُلمانی حالت کو دیکھ کر اور ظلمت زدہ بندوں پر رحم کر کے صفتِ رحمانیت نے جوش مارا اور آسمانی برکتیں زمین کی طرف متوجہ ہوئیں۔ سو وہ ظلمانی حالت دنیا کے لئے مبارک ہوگئی اور دنیا نے اس سے ایک عظیم الشان رحمت کا حصّہ پایا کہ ایک کامل انسان اور سیّد الرّسل کہ جس سا کوئی پیدا نہ ہوا اور نہ ہوگا دنیا کی ہدایت کے لئے آیا اور دنیا کے لئے اس روشن کتاب کو لایا جس کی نظیر کسی آنکھ نے نہیں دیکھی۔ پس یہ خدا کی کمال رحمانیت کی ایک بزرگ تجلّی تھی کہ جو اس نے ظلمت اور تاریکی کے وقت ایسا عظیم الشان نُور نازل کیا جس کا نام فرقان ہے جو حق اور باطل میں فرق کرتا ہے جس نے حق کو موجود اور باطل کو نابود کر کے دکھلا دیا۔ وہ اس وقت زمین پر نازل ہوا جب زمین ایک موت روحانی کے ساتھ مر چکی تھی اور بَرّ اور بحر میں ایک بھاری فساد واقع ہو چکا تھا پس اس نے نزول فرما کر وہ کام کر دکھایا جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے آپ اشارہ فرما کر کہا ہے اِعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰہَ یُحۡیِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِہَا (الحدید:۱۸) یعنی زمین مرگئی تھی اب خدا اس کو نئے سرے زندہ کرتا ہے۔ اب اس بات کو بخوبی یاد رکھنا چاہئے کہ یہ نزول قرآنِ شریف کا کہ جو زمین کے زندہ کرنے کے لئے ہوا یہ صفتِ رحمانیت کے جوش سے ہوا۔ وہی صفت ہے کہ جو کبھی جسمانی طور پر جوش مار کر قحط زدوں کی خبر لیتی ہے اور بارانِ رحمت خشک زمین پر برساتی ہے اور وہی صفت کبھی روحانی طور پر جوش مار کر ان بھوکوں اور پیاسوں کی حالت پر رحم کرتی ہے کہ جو ضلالت اور گمراہی کی موت تک پہنچ جاتے ہیں اور حق اور صداقت کی غذا کہ جو روحانی زندگی کا موجب ہے ان کے پاس نہیں رہتی۔ پس رحمان مطلق جیسا جسم کی غذا کو اس کی حاجت کے وقت عطا فرماتا ہے ایسا ہی وہ اپنی رحمتِ کاملہ کے تقاضا سے روحانی غذا کو بھی ضرورتِ حقّہ کے وقت مہیا کر دیتا ہے۔ ہاں یہ بات درست ہے کہ خدا کا کلام انہیں برگزیدہ لوگوں پر نازل ہوتا ہے جن سے خدا راضی ہے اور انہیں سے وہ مکالمات اور مخاطبات کرتا ہے جن سے وہ خوش ہے مگر یہ بات ہرگز درست نہیں کہ جس سے خدا راضی اور خوش ہو اس پر خواہ نخواہ بغیر کسی ضرورتِ حقّہ کے کتاب آسمانی نازل ہو جایا کرے یا خدائے تعالیٰ یونہی بلاضرورتِ حقّہ کسی کی طہارت لازمی کی وجہ سے لازمی اور دائمی طور پر اس سے ہر وقت باتیں کرتا رہے بلکہ خدا کی کتاب اسی وقت نازل ہوتی ہے جب فی الحقیقت اس کے نزول کی

ضرورت پیش آ جائے۔اب خلاصہ کلام یہ ہے کہ وحی اللہ کے نزول کا اصل موجب خدائے تعالیٰ کی رحمانیت ہے کسی عامل کا عمل نہیں اور یہ ایک بزرگ صداقت ہے جس سے ہمارے مخالف برہمو وغیرہ بے خبر ہیں۔

پھر بعد اس کے سمجھنا چاہئے کہ کسی فرد انسانی کا کلام الٰہی کے فیض سے فی الحقیقت مستفیض ہو جانا اور اس کی برکات اور انوار سے متمتع ہو کر منزل مقصود تک پہنچنا اور اپنی سعی اور کوشش کے ثمرہ کو حاصل کرنا یہ صفتِ رحیمیت کی تائید سے وقوع میں آتا ہے۔اور اسی جہت سے خدائے تعالیٰ نے بعد ذکر صفتِ رحمانیت کے صفتِ رحیمیت کو بیان فرمایا تا معلوم ہو کہ کلامِ الٰہی کی تاثیریں جو نفوسِ انسانیہ میں ہوتی ہیں یہ صفتِ رحیمیت کا اثر ہے۔جس قدر کوئی اعراض صوری ومعنوی سے پاک ہو جاتا ہے۔جس قدر کسی کے دل میں خلوص اور صدق پیدا ہوتا ہے جس قدر کوئی جدوجہد سے متابعت اختیار کرتا ہے۔اسی قدر کلام الٰہی کی تاثیر اس کے دل پر ہوتی ہے اور اسی قدر وہ اس کے انوار سے متمتع ہوتا ہے اور علاماتِ خاصہ مقبولانِ الٰہی کی اس میں پیدا ہو جاتی ہیں۔

دوسری صداقت کہ جو بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ میں مودّع ہے یہ ہے کہ یہ آیت قرآن شریف کے شروع کرنے کے لئے نازل ہوئی ہے اور اس کے پڑھنے سے مدّعا یہ ہے کہ تا اس ذات مستجمع جمیع صفاتِ کاملہ سے مدد طلب کی جائے جس کی صفتوں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ رحمان ہے اور طالبِ حق کے لئے محض تفضّل اور احسان سے اسباب خیر اور برکت اور رُشد کے پیدا کر دیتا ہے اور دوسری صفت یہ ہے کہ وہ رحیم ہے یعنی سعی اور کوشش کرنے والوں کی کوششوں کو ضائع نہیں کرتا بلکہ ان کے جدوجہد پر ثمراتِ حسنہ مترتب کرتا ہے اور ان کی محنت کا پھل ان کو عطا فرماتا ہے اور یہ دونوں صفتیں یعنی رحمانیت اور رحیمیت ایسی ہیں کہ بغیر ان کے کوئی کام دنیا کا ہو یا دین کا انجام کو پہنچ نہیں سکتا اور اگر غور کر کے دیکھو تو ظاہر ہوگا کہ دنیا کی تمام مہمات کے انجام دینے کے لئے یہ دونوں صفتیں ہر وقت اور ہر لحظہ کام میں لگی ہوئی ہیں۔خدا کی رحمانیت اس وقت سے ظاہر ہو رہی ہے کہ جب انسان ابھی پیدا بھی نہیں ہوا تھا۔سو وہ رحمانیت انسان کے لئے ایسے ایسے اسباب بہم پہنچاتی ہے کہ جو اس کی طاقت سے باہر ہیں اور جن کو وہ کسی حیلہ یا تدبیر سے ہرگز حاصل نہیں کر سکتا اور وہ اسباب کسی عمل کی پاداش میں نہیں دیئے جاتے بلکہ تفضّل اور احسان کی راہ سے عطا ہوتے ہیں جیسے نبیوں کا آنا، کتابوں کا نازل ہونا، بارشوں کا ہونا، سورج اور چاند اور ہوا اور بادل وغیرہ کا اپنے اپنے کاموں میں لگے رہنا اور خود انسان کا طرح طرح کی قوتوں اور طاقتوں کے ساتھ مشرف ہو کر اس دنیا میں آنا اور

تندرستی اور امن اور فرصت اور ایک کافی مدت تک عمر پانا یہ وہ سب امور ہیں کہ جو صفتِ رحمانیت کے تقاضا سے ظہور میں آتے ہیں۔ اسی طرح خدا کی رحیمیت تب ظہور کرتی ہے کہ جب انسان سب توفیقوں کو پاکر خداداد قوتوں کو کسی فعل کے انجام کے لئے حرکت دیتا ہے۔ اور جہاں تک اپنا زور اور طاقت اور قوت ہے خرچ کرتا ہے تو اس وقت عادتِ الٰہیہ اس طرح پر جاری ہے کہ وہ اس کی کوششوں کو ضائع ہونے نہیں دیتا بلکہ ان کوششوں پر ثمراتِ حسنہ مترتب کرتا ہے۔ پس یہ اس کی سراسر رحیمیت ہے کہ جو انسان کی مُردہ محنتوں میں جان ڈالتی ہے۔

اب جاننا چاہئے کہ آیتِ ممدوحہ کی تعلیم سے مطلب یہ ہے کہ قرآن شریف کے شروع کرنے کے وقت اللہ تعالیٰ کی ذات جامع صفاتِ کاملہ کی رحمانیت اور رحیمیت سے استمداد اور برکت طلب کی جائے۔ صفتِ رحمانیت سے برکت طلب کرنا اس غرض سے ہے کہ تا وہ ذاتِ کامل اپنی رحمانیت کی وجہ سے اس سب اسباب کو محض لُطف اور احسان سے میسر کر دے کہ جو کلام الٰہی کی متابعت میں جدوجہد کرنے سے پہلے درکار ہیں جیسے عمر کا وفا کرنا، فرصت اور فراغت کا حاصل ہونا، وقتِ صفا میسر آجانا، طاقتوں اور قوتوں کا قائم ہونا، کوئی ایسا امر پیش نہ آجانا کہ جو آسائش اور امن میں خلل ڈالے، کوئی ایسا مانع نہ آپڑنا کہ جو دل کو متوجہ ہونے سے روک دے۔ غرض ہر طرح سے توفیق عطا کئے جانا یہ سب امور صفتِ رحمانیت سے حاصل ہوتے ہیں۔ اور صفتِ رحیمیت سے برکت طلب کرنا اس غرض سے ہے کہ تا وہ ذات کامل اپنی رحیمیت کی وجہ سے انسان کی کوششوں پر ثمراتِ حسنہ مترتب کرے اور انسان کی محنتوں کو ضائع ہونے سے بچاوے اور اس کی سعی اور جدوجہد کے بعد اس کے کام میں برکت ڈالے۔ پس اس طور پر خدائے تعالیٰ کی دونوں صفتوں رحمانیت اور رحیمیت سے کلام الٰہی کے شروع کرنے کے وقت بلکہ ہر یک ذیشان کام کے ابتدا میں تبرک اور استمداد چاہنا یہ نہایت اعلیٰ درجہ کی صداقت ہے جس سے انسان کو حقیقت توحید کی حاصل ہوتی ہے اور اپنے جہل اور بے خبری اور نادانی اور گمراہی اور عاجزی اور خواری پر یقین کامل ہو کر مبدءِ فیض کی عظمت اور جلال پر نظر جا ٹھہرتی ہے اور اپنے تئیں بکلّی مفلس اور مسکین اور ہیچ اور ناچیز سمجھ کر خداوند قادر مطلق سے اس کی رحمانیت اور رحیمیت کی برکتیں طلب کرتا ہے۔ اور اگرچہ خدائے تعالیٰ کی یہ صفتیں خود بخود اپنے کام میں لگی ہوئی ہیں مگر اس حکیم مطلق نے قدیم سے انسان کے لئے یہ قانونِ قدرت مقرر کر دیا ہے کہ اس کی دُعا اور استمداد کو کامیابی میں بہت سا دخل ہے جو لوگ اپنی مہمات میں دلی صدق سے دُعا مانگتے ہیں اور ان کی دُعا پورے پورے اخلاص تک پہنچ

جاتی ہے تو ضرور فیضانِ الٰہی ان کی مشکل کشائی کی طرف توجہ کرتا ہے۔ ہر یک انسان جو اپنی کمزوریوں پر نگاہ کرتا ہے اور اپنے قصوروں کو دیکھتا ہے وہ کسی کام پر آزادی اور خود بینی سے ہاتھ نہیں ڈالتا بلکہ سچی عبودیت اس کو یہ سمجھاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کہ جو متصرّف مطلق ہے اس سے مدد طلب کرنی چاہئے یہ سچی عبودیت کا جوش ہر یک ایسے دل میں پایا جاتا ہے کہ جو اپنی فطرتی سادگی پر قائم ہے اور اپنی کمزوری پر اطلاع رکھتا ہے۔ پس صادق آدمی جس کی روح میں کسی قسم کے غرور اور عُجب نے جگہ نہیں پکڑی اور جو اپنے کمزور اور ہیچ اور بے حقیقت وجود پر خوب واقف ہے اور اپنے تئیں کسی کام کے انجام دینے کے لائق نہیں پاتا اور اپنے نفس میں کچھ قوت اور طاقت نہیں دیکھتا جب کسی کام کو شروع کرتا ہے تو بلا تصنّع اس کی کمزور روح آسمانی قوت کی خواستگار ہوتی ہے اور ہر وقت اس کو خدا کی مقتدر ہستی اپنے سارے کمال وجلال کے ساتھ نظر آتی ہے اور اس کی رحمانیت اور رحیمیت ہر یک کام کے انجام کے لئے مدار دکھلائی دیتی ہے۔ پس وہ بلا ساختہ اپنا ناقص اور ناکارہ زور ظاہر کرنے سے پہلے بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ کی دُعا سے امدادِ الٰہی چاہتا ہے پس اس انکسار اور فروتنی کی وجہ سے اس لائق ہوجاتا ہے کہ خدا کی قوت سے قوت اور خدا کی طاقت سے طاقت اور خدا کے علم سے علم پاوے اور اپنی مرادات میں کامیابی حاصل کرے۔ اس بات کے ثبوت کے واسطے کسی منطق یا فلسفہ کے دلائل پُر از تکلّف درکار نہیں ہیں بلکہ ہر یک انسان کی روح میں اس کے سمجھنے کی استعداد موجود ہے اور عارف صادق کے اپنے ذاتی تجارب اس کی صحت پر بہ تواتر شہادت دیتے ہیں۔ بندہ کا خدا سے امداد چاہنا کوئی ایسا امر نہیں ہے جو صرف بیہودہ اور بناوٹ ہو یا جو صرف بے اصل خیالات پر مبنی ہو اور کوئی معقول نتیجہ اس پر مترتب نہ ہو بلکہ خداوند کریم کہ جو فی الحقیقت قیوم عالم ہے اور جس کے سہارے پر سچ مچ اس عالم کی کشتی چل رہی ہے۔ اس کی عادتِ قدیمہ کے رو سے یہ صداقت قدیم سے چلی آتی ہے کہ جو لوگ اپنے تئیں حقیر اور ذلیل سمجھ کر اپنے کاموں میں اس کا سہارا طلب کرتے ہیں اور اس کے نام سے اپنے کاموں کو شروع کرتے ہیں تو وہ ان کو اپنا سہارا دیتا ہے۔ جب وہ ٹھیک ٹھیک اپنی عاجزی اور عبودیت سے رو بخدا ہوجاتے ہیں تو اس کی تائیدیں ان کے شاملِ حال ہوجاتی ہیں۔ غرض ہر یک شاندار کام کے شروع میں اس مبدء فیوض کے نام سے مدد چاہنا کہ جو رحمان ورحیم ہے ایک نہایت ادب اور عبودیت اور نیستی اور فقر کا طریقہ ہے۔ اور ایسا ضروری طریقہ ہے کہ جس سے توحید فی الاعمال کا پہلا زینہ شروع ہوتا ہے جس کے التزام سے انسان بچوں کی سی عاجزی اختیار کرکے ان نخوتوں سے پاک ہوجاتا ہے کہ جو دنیا کے مغرور دانشمندوں کے دلوں میں بھری

ہوتی ہیں اور پھر اپنی کمزوری اور امدادِ الٰہی پر یقین کامل کر کے اس معرفت سے حِصّہ پالیتا ہے کہ جو خاص اہل اللہ کو دی جاتی ہے اور بلا شبہ جس قدر انسان اس طریقہ کو لازم پکڑتا ہے، جس قدر اس پر عمل کرنا اپنا فرض ٹھہرالیتا ہے، جس قدر اس کے چھوڑنے میں اپنی ہلاکت دیکھتا ہے اسی قدر اس کی توحید صاف ہوتی ہے اور اسی قدر عُجب اور خود بینی کی آلائشوں سے پاک ہوتا جاتا ہے اور اسی قدر تکلّف اور بناوٹ کی سیاہی اس کے چہرہ پر سے اُٹھ جاتی ہے اور سادگی اور بَھولا پَن کا نور اس کے مونہہ پر چمکنے لگتا ہے۔ پس یہ وہ صداقت ہے کہ جو رفتہ رفتہ انسان کو فنافی اللہ کے مرتبہ تک پہنچاتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ دیکھتا ہے کہ میرا کچھ بھی اپنا نہیں بلکہ سب کچھ میں خدا سے پاتا ہوں۔ جہاں کہیں یہ طریق کسی نے اختیار کیا وہیں توحید کی خوشبو پہلی دفعہ میں ہی اس کو پہنچنے لگتی ہے اور دل اور دماغ کا معطّر ہونا شروع ہوتا جاتا ہے بشرطیکہ قوتِ شامہ میں کچھ فساد نہ ہو۔ غرض اس صداقت کے التزام میں طالب صادق کو اپنے ہیچ اور بے حقیقت ہونے کا اقرار کرنا پڑتا ہے اور اللہ جلّ شانہٗ کے متصرّف مطلق اور مبدءِ فیوض ہونے پر شہادت دینی پڑتی ہے۔ اور یہ دونوں ایسے امر ہیں کہ جو حق کے طالبوں کا مقصود ہے اور مرتبہءِ فنا کے حاصل کرنے کے لئے ایک ضروری شرط ہے۔ اس ضروری شرط کے سمجھنے کے لئے یہی مثال کافی ہے کہ بارش اگرچہ عالمگیر ہو مگر تاہم اس پر پڑتی ہے کہ جو بارش کے موقعہ پر آ کھڑا ہوتا ہے۔ اسی طرح جو لوگ طلب کرتے ہیں وہی پاتے ہیں اور جو ڈھونڈتے ہیں انہیں کو ملتا ہے۔ جو لوگ کسی کام کے شروع کرنے کے وقت اپنے ہنر یا عقل یا طاقت پر بھروسا رکھتے ہیں اور خدائے تعالیٰ پر بھروسہ نہیں رکھتے وہ اس ذات قادر مطلق کا کہ جو اپنی قیومی کے ساتھ تمام عالم پر محیط ہے کچھ قدر شناخت نہیں کرتے اور ان کا ایمان اس خشک ٹہنی کی طرح ہوتا ہے کہ جس کو اپنے شاداب اور سرسبز درخت سے کچھ علاقہ نہیں رہا اور جو ایسی خشک ہو گئی ہے کہ اپنے درخت کی تازگی اور پھول اور پھل سے کچھ بھی حِصّہ حاصل نہیں کر سکتی صرف ظاہری جوڑ ہے جو ذرا سی جنبش ہوا سے یا کسی اور شخص کے ہلانے سے ٹوٹ سکتا ہے۔ پس ایسا ہی خشک فلسفیوں کا ایمان ہے کہ جو قیومِ عالم کے سہارے پر نظر نہیں رکھتے اور اس مبدءِ فیوض کو جس کا نام اللہ ہے ہر یک طرفۃ العین کے لئے اور ہر حال میں اپنا محتاج الیہ قرار نہیں دیتے۔ پس یہ لوگ حقیقی توحید سے ایسے دور پڑے ہوئے ہیں جیسے نُور سے ظلمت دور ہے۔ انہیں یہ سمجھ ہی نہیں کہ اپنے تئیں ہیچ اور لاشئے سمجھ کر قادر مطلق کی طاقت عظمٰی کے نیچے آ پڑنا عبودیت کے مراتب کی آخری حد ہے اور توحید کا انتہائی مقام ہے جس سے فنا اَتم کا چشمہ جوش مارتا ہے اور انسان اپنے نفس اور اس کے ارادوں سے بالکل کھویا جاتا ہے اور سچے

دل سے خدا کے تصرّف پر ایمان لاتا ہے۔ اس جگہ ان خشک فلسفیوں کے اس مقولہ کو بھی کچھ چیز نہیں سمجھنا چاہئے کہ جو کہتے ہیں کہ کسی کام کے شروع کرنے میں استمدادِ الٰہی کی کیا حاجت ہے۔ خدا نے ہماری فطرت میں پہلے سے طاقتیں ڈال رکھی ہیں۔ پس ان طاقتوں کے ہوتے ہوئے پھر دوبارہ خدا سے طاقت مانگنا تحصیل حاصل ہے۔ کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ بے شک یہ بات سچ ہے کہ خدائے تعالیٰ نے بعض افعال کے بجالانے کے لئے کچھ کچھ ہم کو طاقتیں بھی دی ہیں مگر پھر بھی اس قیوم عالم کی حکومت ہمارے سر پر سے دور نہیں ہوئی اور وہ ہم سے الگ نہیں ہوا اور اپنے سہارے سے ہم کو جدا کرنا نہیں چاہا اور اپنے فیوض غیر متناہی سے ہم کو محروم کرنا روا نہیں رکھا۔ جو کچھ ہم کو اس نے دیا ہے وہ ایک امر محدود ہے۔ اور جو کچھ اس سے مانگا جاتا ہے اس کی نہایت نہیں۔ علاوہ اس کے جو کام ہماری طاقت سے باہر ہیں ان کے حاصل کرنے کے لئے کچھ بھی ہم کو طاقت نہیں دی گئی۔ اب اگر غور کر کے دیکھو اور ذرا پوری فلسفیت کو کام میں لاؤ تو ظاہر ہوگا کہ کامل طور پر کوئی بھی طاقت ہم کو حاصل نہیں مثلاً ہماری بدنی طاقتیں ہماری تندرستی پر موقوف ہیں اور ہماری تندرستی بہت سے ایسے اسباب پر موقوف ہے کہ کچھ ان میں سے سماوی اور کچھ ارضی ہیں اور وہ سب کی سب ہماری طاقت سے بالکل باہر ہیں اور یہ تو ہم نے ایک موٹی سی بات عام لوگوں کی سمجھ کے موافق کہی ہے لیکن جس قدر درحقیقت وہ قیوم عالم اپنی عِلّتُ الْعِلَل ہونے کی وجہ سے ہمارے ظاہر اور ہمارے باطن اور ہمارے اوّل اور ہمارے آخر اور ہمارے فَوق اور ہمارے تحت اور ہمارے یمین اور ہمارے یسار اور ہمارے دل اور ہماری جان اور ہماری روح کی تمام طاقتوں پر احاطہ کر رہا ہے وہ ایک ایسا مسئلہ دقیق ہے جس کے کُنہ تک عقول بشریہ پہنچ ہی نہیں سکتیں اور اس کے سمجھانے کی اس جگہ ضرورت بھی نہیں۔ کیونکہ جس قدر ہم نے اوپر لکھا ہے وہی مخالف کے الزام اور افہام کے لئے کافی ہے۔ غرض قیومِ عالم کے فیوض حاصل کرنے کا یہی طریق ہے کہ اپنی ساری قوت اور زور اور طاقت سے اپنا بچاؤ طلب کیا جائے اور یہ طریق کچھ نیا طریق نہیں ہے بلکہ یہ وہی طریق ہے جو قدیم سے بنی آدم کی فطرت کے ساتھ لگا چلا آتا ہے۔ جو شخص عبودیت کے طریقہ پر چلنا چاہتا ہے وہ اسی طریق کو اختیار کرتا ہے اور جو شخص خدا کے فیوض کا طالب ہے وہ اسی راستے پر قدم مارتا ہے۔ اور جو شخص موردِ رحمت ہونا چاہتا ہے وہ انہیں قوانین قدیمہ کی تعمیل کرتا ہے۔ یہ قوانین کچھ نئے نہیں ہیں۔ یہ عیسائیوں کے خدا کی طرح کچھ مستحدث بات نہیں۔ بلکہ خدا کا یہ ایک قانون محکم ہے کہ جو قدیم سے بندھا ہوا چلا آتا ہے اور سنّت اللہ ہے کہ جو ہمیشہ سے جاری ہے جس کی سچائی کثرت تجارب سے ہر یک

طالبِ صادق پر روشن ہے اور کیونکر روشن نہ ہو۔ ہر عاقل سمجھ سکتا ہے کہ ہم لوگ کس حالتِ ضعف اور ناتوانی میں پڑے ہوئے ہیں اور بغیر خدا کی مددوں کے کیسے نکمّے اور ناکارہ ہیں۔ اگر ایک ذات متصرّف مطلق ہر لحظہ اور ہر دم ہماری خبر گیراں نہ ہو۔ اور پھر اس کی رحمانیت اور رحیمیت ہماری کارسازی نہ کرے تو ہمارے سارے کام تباہ ہو جائیں۔ بلکہ ہم آپ ہی فنا کا راستہ لیں۔ پس اپنے کاموں کو خصوصاً آسمانی کتاب کو کہ جو سب امور عظیمہ سے اَدق اور اَلطف ہے۔ خداوند قادر مطلق کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے بہ نیت تبرک و استمداد شروع کرنا ایک ایسی بدیہی صداقت ہے کہ بلا اختیار ہم اس کی طرف کھینچے جاتے ہیں کیوں کہ فی الحقیقت ہر یک برکت اسی راہ سے آتی ہے کہ وہ ذات جو متصرّف مطلق اور علّت العلل اور تمام فیوض کا مبدء ہے جس کا نام قرآن شریف کی اصطلاح میں اللہ ہے خود متوجہ ہو کر اوّل اپنی صفتِ رحمانیت کو ظاہر کرے اور جو کچھ قبل از سعی درکار ہے اس کو محض اپنے تفضّل اور احسان سے بغیر توسط عمل کے ظہور میں لاوے۔ پھر جب وہ صفت رحمانیت کی اپنے کام کو بہ تمام و کمال کر چکے اور انسان توفیق پا کر اپنی قوتوں کے ذریعہ سے محنت اور کوشش کا حق بجا لاوے تو پھر دوسرا کام اللہ تعالیٰ کا یہ ہے کہ اپنی صفتِ رحیمیت کو ظاہر کرے اور جو کچھ بندہ نے محنت اور کوشش کی ہے اس پر نیک ثمرہ مترتب کرے اور اس کی محنتوں کو ضائع ہونے سے بچا کر گوہر مراد عطا فرماوے۔ اسی صفتِ ثانی کی رو سے کہا گیا ہے کہ جو ڈھونڈتا ہے پاتا ہے، جو مانگتا ہے اس کو دیا جاتا ہے، جو کھٹکھٹاتا ہے اس کے واسطے کھولا جاتا ہے یعنی خدائے تعالیٰ اپنی صفتِ رحیمیت سے کسی کی محنت اور کوشش کو ضائع ہونے نہیں دیتا اور آخر جوئندہ یابندہ ہو جاتا ہے۔ غرض یہ صداقتیں ایسی بیّن الظہور ہیں کہ ہر یک شخص خود تجربہ کر کے ان کی سچائی کو شناخت کر سکتا ہے اور کوئی انسان ایسا نہیں کہ بشرط کسی قدر عقلمندی کے یہ بدیہی صداقتیں اس پر چھپی رہیں۔ ہاں یہ بات ان عام لوگوں پر نہیں کھلتی کہ جو دلوں کی سختی اور غفلت کی وجہ سے صرف اسبابِ معتادہ پر ان کی نظر ٹھہری رہتی ہے اور جو ذات متصرّف فی الاسباب ہے اس کے تصرّفات لطیفہ پر ان کو علم حاصل نہیں ہوتا اور نہ ان کی عقل اس قدر وسیع ہوتی ہے کہ جو اس بات کو سوچ لیں کہ ہزارہا بلکہ بے شمار ایسے اسباب سماوی و ارضی انسان کے ہر یک جسم کی آرائش کے لئے درکار ہیں جن کا بہم پہنچنا ہرگز انسان کے اختیار اور قدرت میں نہیں بلکہ ایک ہی ذات مستجمع صفات کاملہ ہے کہ جو تمام اسباب کو آسمانوں کے اوپر سے زمینوں کے نیچے تک پیدا کرتا ہے اور ان پر بہر طور تصرّف اور قدرت رکھتا ہے، مگر جو لوگ عقلمند ہیں وہ اس بات کو بلا تردّد بلکہ بدیہی طور پر سمجھتے ہیں اور جو ان سے بھی اعلیٰ اور

صاحبِ تجربہ ہیں وہ اس مسئلہ میں حق الیقین کے مرتبہ تک پہنچے ہوئے ہیں لیکن یہ شبہ کرنا کہ یہ استعانت بعض اوقات کیوں بے فائدہ اور غیر مفید ہوتی ہے اور کیوں خدا کی رحمانیت و رحیمیت ہر یک وقت استعانت میں تجلّی نہیں فرماتی۔ پس یہ شبہ صرف ایک صداقت کی غلط فہمی ہے کیونکہ خدائے تعالیٰ ان دُعاؤں کو کہ جو خلوص کے ساتھ کی جائیں ضرور سنتا ہے اور جس طرح مناسب ہو مدد چاہنے والوں کے لئے مدد بھی کرتا ہے مگر کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان کی اِستمداد اور دُعا میں خلوص نہیں ہوتا نہ انسان دلی عاجزی کے ساتھ امدادِ الٰہی چاہتا ہے اور نہ اس کی روحانی حالت درست ہوتی ہے بلکہ اس کے ہونٹوں میں دُعا اور اس کے دل میں غفلت یا ریا ہوتی ہے۔ یا کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ خدا اس کی دُعا کو سن تو لیتا ہے اور اس کے لئے جو کچھ اپنی حکمت کاملہ کے رو سے مناسب اور اصلح دیکھتا ہے عطا بھی فرماتا ہے لیکن نادان انسان خدا کی ان الطافِ خفیہ کو شناخت نہیں کرتا اور بباعث اپنے جہل اور بے خبری کے شکوہ اور شکایت شروع کر دیتا ہے۔ اور اس آیت کے مضمون کو نہیں سمجھتا عَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَ عَسٰۤى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔا وَّ هُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (البقرۃ:۲۱۷) یعنی یہ ممکن ہے کہ تم ایک چیز کو بُری سمجھو اور وہ اصل میں تمہارے لئے اچھی ہو اور ممکن ہے کہ تم ایک چیز کو دوست رکھو اور وہ اصل میں تمہارے لئے بُری ہو اور خدا چیزوں کی اصل حقیقت کو جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ اب ہماری اس تمام تقریر سے واضح ہے کہ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کس قدر عالی شان صداقت ہے جس میں حقیقی توحید اور عبودیت اور خلوص میں ترقی کرنے کا نہایت عمدہ سامان موجود ہے جس کی نظیر کسی اور کتاب میں نہیں پائی جاتی۔ اور اگر کسی کے زُعم میں پائی جاتی ہے تو وہ اس صداقت کو معہ تمام دوسری صداقتوں کے جو ہم نیچے لکھتے ہیں نکال کر پیش کرے۔

بسم اللہ پر ایک اعتراض اور اس کا جواب

اس جگہ بعض کوتاہ اندیش اور نادان دشمنوں نے ایک اعتراض بھی بسم اللہ کی بلاغت پر کیا ہے۔ ان معترضین میں سے ایک صاحب تو پادری عماد الدین نام ہیں۔ جس نے اپنی کتاب ہدایت المسلمین میں اعتراض مندرجہ ذیل لکھا ہے۔ دوسرے صاحب باوا نرائن سنگھ نام وکیل امرتسری ہیں جنہوں نے پادری کے اعتراض کو سچ سمجھ کر اپنے دِلی عناد کے تقاضا کی وجہ سے وہی پوچ اعتراض اپنے رسالہ ودیا پرکاشک میں درج کر دیا ہے سو ہم اس اعتراض کو معہ جواب اس کے لکھنا مناسب سمجھتے ہیں تا منصفین کو معلوم ہو کہ فرطِ تعصب نے ہمارے مخالفین کو کس درجہ کی کور باطنی اور نابینائی تک پہنچا دیا ہے کہ جو نہایت درجہ کی روشنی ہے وہ ان کو

تاریکی دکھائی دیتی ہے اور جو اعلیٰ درجہ کی خوشبو ہے وہ اس کو بدبُو تصور کرتے ہیں۔ سواب جاننا چاہیئے کہ جو اعتراض بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ کی بلاغت پر مذکورہ بالا لوگوں نے کیا ہے وہ یہ ہے کہ اَلرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ جو بِسۡمِ اللّٰہِ میں واقع ہے یہ فصیح طرز پر نہیں۔ اگر رحیم الرحمٰن ہوتا تو یہ فصیح اور صحیح طرز تھی کیونکہ خدا کا نام رحمان باعتبار اس رحمت کے ہے کہ جو اکثر اور عام ہے اور رحیم کا لفظ بہ نسبت رحمان کے اس رحمت کے لئے آتا ہے کہ جو قلیل اور خاص ہے۔ اور بلاغت کا کام یہ ہے کہ قلّت سے کثرت کی طرف انتقال ہو نہ یہ کہ کثرت سے قلّت کی طرف۔ یہ اعتراض ہے کہ ان دونوں صاحبوں نے اپنی آنکھیں بند کر کے اس کلام پر کیا ہے جس کلام کی بلاغت کو عرب کے تمام اہلِ زبان جن میں بڑے بڑے شاعر بھی تھے باوجود سخت مخالفت کے تسلیم کر چکے ہیں بلکہ بڑے بڑے معاند اس کلام کی شان عظیم سے نہایت درجہ تعجب میں پڑ گئے اور اکثر ان میں سے کہ جو فصیح اور بلیغ کلام کے اسلوب کو بخوبی جاننے پہچاننے والے اور مذاق سخن سے عارف اور باانصاف تھے وہ طرزِ قرآنی کو طاقت انسانی سے باہر دیکھ کر ایک معجزہ عظیم یقین کر کے ایمان لے آئے جن کی شہادتیں جابجا قرآن شریف میں درج ہیں اور جو لوگ سخت کور باطن تھے اگرچہ وہ ایمان نہ لائے مگر سراسیمگی اور حیرانی کی حالت میں ان کو بھی کہنا پڑا کہ یہ سحر عظیم ہے جس کا مقابلہ نہیں ہوسکتا چنانچہ ان کا یہ بیان بھی فرقان مجید کے کئی مقام میں موجود ہے۔ اب اسی کلام معجز نظام پر ایسے لوگ اعتراض کرنے لگے جن میں سے ایک تو وہ شخص ہے جس کو دو سطریں عربی کی بھی صحیح اور بلیغ طور پر لکھنے کا ملکہ نہیں اور اگر کسی اہلِ زبان سے بات چیت کرنے کا اتفاق ہوا تو بجز ٹوٹے پھوٹے اور بے ربط اور غلط فقروں کے کچھ بول نہ سکے اور اگر کسی کو شک ہو تو امتحان کر کے دیکھ لے اور دوسرا وہ شخص ہے جو علم عربی سے بکلّی بے بہرہ بلکہ فارسی بھی اچھی طرح نہیں جانتا۔ اور افسوس کہ عیسائی مقدم الذکر کو یہ بھی خبر نہیں کہ یورپ کے اہلِ علم کہ جو اس کے بزرگ اور پیشرو ہیں جن کا بورٹ صاحب☆ وغیرہ انگریزوں نے ذکر کیا ہے وہ خود قرآن شریف کے اعلیٰ درجہ کی بلاغت کے قائل ہیں اور پھر دانا کو زیادہ تر اس بات پر غور کرنی چاہیئے کہ جب ایک کتاب جو خود ایک اہلِ زبان پر ہی نازل ہوئی ہے اور اس کی کمال بلاغت پر تمام اہلِ زبان بلکہ سبعہ معلّقہ کے شعراء جیسے اتفاق کر چکے ہیں تو کیا ایسا مسلّم الثبوت کلام کسی نادان اجنبی وژولیدہ زبان والے کے انکار سے جو کہ لیاقت فن سخن سے محض بے نصیب اور توغل علوم عربیہ سے بالکل بے بہرہ بلکہ کسی ادنیٰ عربی آدمی کے مقابلہ پر بولنے سے عاجز ہے قابل اعتراض ٹھہر سکتا ہے بلکہ ایسے لوگ جو اپنی حیثیت سے بڑھ کر بات کرتے ہیں خود اپنی نادانی دکھلاتے ہیں اور یہ نہیں

☆ (سہو کتابت ہے صحیح پورٹ (جان ڈیون پورٹ JOHNDAVENPORT) ہے۔ ناشر)

سمجھتے کہ اہلِ زبان کی شہادت کے برخلاف اور بڑے بڑے نامی شاعروں کی گواہی کے مخالف کوئی نکتہ چینی کرنا حقیقت میں اپنی جہالت اور خرفطرتی دکھلانا ہے۔ بھلا عماد الدین پادری کسی عربی آدمی کے مقابلہ پر کسی دینی یا دنیوی معاملہ میں ذرا ایک آدھ گھنٹہ تک ہم کو بول کر تو دکھاوے تا اوّل یہی لوگوں پر کھلے کہ اس کو سیدھی سادھی اور بامحاورہ اہلِ عرب کے مذاق پر بات چیت کرنی آتی ہے یا نہیں۔ کیونکہ ہم کو یقین ہے کہ اس کو ہرگز نہیں آتی اور ہم بہ یقین تمام جانتے ہیں کہ اگر ہم کسی عربی آدمی کو اس کے سامنے بولنے کے لئے پیش کریں تو وہ عربوں کی طرح اور ان کے مذاق پر ایک چھوٹا سا قصہ بھی بیان نہ کر سکے اور جہالت کے کیچڑ میں پھنسا رہ جائے اور اگر شک ہے تو اس کو قسم ہے کہ آزما کر دیکھ لے۔ اور ہم خود اس بات کے ذمہ دار ہیں کہ اگر پادری عماد الدین صاحب ہم سے درخواست کریں تو ہم کوئی عربی آدمی بہم پہنچا کر کسی مقررہ تاریخ پر ایک جلسہ کریں گے جس میں چند لائق ہندو ہوں گے اور چند مولوی مسلمان بھی ہوں گے اور عماد الدین صاحب پر لازم ہوگا کہ وہ بھی چند عیسائی بھائی اپنے ساتھ لے آویں اور پھر سب حاضرین کے روبرو اوّل عماد الدین صاحب کوئی قصہ جو اسی وقت ان کو بتلایا جائے گا عربی زبان میں بیان کریں۔ اور پھر وہی قصہ وہ عربی صاحب کہ جو مقابل پر حاضر ہوں گے اپنی زبان میں بیان فرماویں۔ پھر اگر منصفوں نے یہ رائے دے دی کہ عماد الدین صاحب نے ٹھیک ٹھیک عربوں کے مذاق پر عمدہ اور لطیف تقریر کی ہے تو ہم تسلیم کرلیں گے کہ ان کا اہلِ زبان پر نکتہ چینی کرنا کچھ جائے تعجب نہیں بلکہ اسی وقت پچاس۵۰ روپیہ نقد بطور انعام ان کو دیئے جائیں گے لیکن اگر اس وقت عماد الدین صاحب بجائے فصیح اور بلیغ تقریر کے اپنے ژولیدہ اور غلط بیان کی بدبُو پھیلانے لگے یا اپنی رُسوائی اور نالیاقتی سے ڈر کر کسی اخبار کے ذریعہ سے یہ اطلاع بھی نہ دی کہ میں ایسے مقابلہ کے لئے حاضر ہوں تو پھر ہم بجز اس کے کہ لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ کہیں اور کیا کہہ سکتے ہیں۔ اور یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ اگر عماد الدین صاحب تولد ثانی بھی پاویں تب بھی وہ کسی اہلِ زبان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ پھر جس حالت میں وہ عربوں کے سامنے بھی بول نہیں سکتے اور فی الفور گونگا بننے کے لئے طیار ہیں تو پھر ان عیسائیوں اور آریوں کی ایسی سمجھ پر ہزار حیف اور دو ہزار لعنت ہے کہ جو ایسے نادان کی تالیف پر اعتماد کر کے اس بے مثل کتاب کی بلاغت پر اعتراض کرتے ہیں کہ جس نے سیّد العرب پر نازل ہو کر عرب کے تمام فصیحوں اور بلیغوں سے اپنی عظمت شان کا اقرار کرایا۔ اور جس کے نازل ہونے سے سبعہ معلّقہ مکّہ کے دروازہ پر سے اتارا گیا اور معلّقہ مذکورہ کے شاعروں میں سے جو شاعر اس وقت بقیدِ حیات تھا وہ

بلاتوقف اس کتاب پر ایمان لایا۔ پھر دوسرا افسوس یہ کہ اس نادان عیسائی کو اب تک یہ بھی خبر نہیں کہ بلاغتِ حقیقی اس امر میں محدود نہیں کہ قلیل کو کثیر پر ہر جگہ اور ہر محل میں خواہ نخواہ مقدّم رکھا جائے بلکہ اصل قاعدہ بلاغت کا یہ ہے کہ اپنے کلام کو واقعی صورت اور مناسب وقت کا آئینہ بنایا جاوے سو اس جگہ بھی رحمان کو رحیم پر مقدم کرنے میں کلام کو واقعی صورت اور ترتیب کا آئینہ بنایا گیا ہے چنانچہ اس ترتیب طبعی کا مفصل ذکر ابھی سورۃ فاتحہ کی آئندہ آیتوں میں آوے گا۔ (براہین احمدیہ چہار حصص۔ روحانی خزائن جلد ا صفحہ ۴۱۴ تا ۴۳۵ حاشیہ نمبر ۱۱)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اِعۡلَمۡ وَهَبَ لَكَ اللّٰهُ عِلۡمَ أَسۡمَآئِهٖ۔ وَ هَدَاكَ إِلٰى طُرُقِ مَرۡضَاتِهٖ وَ سُبُلِ رِضَآئِهٖ۔ أَنَّ الۡاِسۡمَ مُشۡتَقٌّ مِّنَ الۡوَسۡمِ الَّذِيۡ هُوَ أَثَرُ الۡكَيِّ فِي اللِّسَانِ الۡعَرَبِيَّةِ۔ يُقَالُ ''اتَّسَمَ الرَّجُلُ'' إِذَا جَعَلَ لِنَفۡسِهٖ سِمَةً يُّعۡرَفُ بِهَا وَ يُمَيَّزُ بِهَا عِنۡدَ الۡعَامَّةِ۔ وَ مِنۡهُ سِمَتُ الۡبَعِيۡرِ وَ وِسَامُهٗ عِنۡدَ أَهۡلِ اللِّسَانِ۔ وَ هُوَ مَا وُسِمَ بِهِ الۡبَعِيۡرُ مِنۡ ضُرُوۡبِ الصُّوَرِ لِيُعِيۡنَ لِلۡعِرۡفَانِ۔ وَ مِنۡهُ مَا يُقَالُ إِنِّيۡ تَوَسَّمۡتُ فِيۡهِ الۡخَيۡرَ۔ وَ مَا رَأَيۡتُ الضَّيۡرَ۔ أَيۡ تَفَرَّسۡتُ فَمَا رَأَيۡتُ سِمَةَ شَرٍّ فِيۡ مُحَيَّاهُ۔ وَ لَا أَثَرَ خُبۡثٍ فِيۡ مُحَيَّاهُ۔ وَ مِنۡهُ الۡوَسۡمِيُّ الَّذِيۡ هُوَ أَوَّلُ مَطَرٍ مِّنۡ أَمۡطَارِ الرَّبِيۡعِ۔ لِأَنَّهٗ يَسِمُ الۡأَرۡضَ إِذَا نَزَلَ كَالۡيَنَابِيۡعِ۔ وَ يُقَالُ أَرۡضٌ مَّوۡسُوۡمَةٌ

اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے اسماء کا علم عطا فرمائے اور اپنی رضاء اور خوشنودی کی راہوں اور طریقوں پر چلائے۔ جان لیں کہ اسم کا لفظ (جو بِسۡمِ اللّٰهِ میں آیا ہے) وَسۡمٌ سے مشتق ہے اور وَسۡمٌ عربی زبان میں داغ دینے کے نشان کو کہتے ہیں۔ چنانچہ لغتِ عرب میں اِتَّسَمَ الرَّجُلُ اُس وقت کہتے ہیں جب کوئی شخص اپنے لئے کوئی ایسی علامت مقرر کرلے جس سے وہ پہچانا جا سکے اور عوام النّاس اُسے دوسرے اشخاص سے الگ سمجھ سکیں اور اہلِ زبان کے نزدیک وَسۡمٌ کے لفظ سے ہی سِمَةُ الۡبَعِيۡرِ اور وِسَامُ الۡبَعِيۡرِ مشتق ہے۔ جس کے معنے اونٹ پر داغ دے کر کوئی شکل بنانے کے ہیں تا وہ شکل اُس کی شناخت میں مد ہو۔ اور اسی لفظ وَسۡمٌ سے اہلِ عرب کا یہ محاورہ ہے إِنِّيۡ تَوَسَّمۡتُ فِيۡهِ الۡخَيۡرَ وَمَا رَأَيۡتُ الضَّيۡرَ یعنی میں نے اس کے چہرے پر غور کیا اور اس پر کوئی شر کی علامت نہ دیکھی اور نہ ہی میں نے اس کی زندگی میں بدی کا کوئی نشان پایا۔ پھر اسی لفظ وَسۡمٌ سے وَسۡمِيٌّ کا لفظ نکلا ہے جس کے معنی موسم بہار کی پہلی بارش کے ہیں کیونکہ جب وہ برستی ہے تو زمین پر پانی بہنے کے نشان بناتی ہے جیسے چشمے اپنے بہنے سے نشان بناتے ہیں۔ اسی

إِذَا أَصَابَهَا الْوَسْمِيُّ فِيْ إِبَّانِهٖ. وَسَكَّنَ قُلُوْبَ الْكُفَّارِ بِجَرْيَانِهٖ. وَ مِنْهُ مَوْسِمُ الْحَجِّ وَالسُّوْقِ وَجَمِيْعُ مَوَاسِمِ الْاِجْتِمَاعِ. لِأَنَّهَا مَعَالِمُ يُجْتَمَعُ إِلَيْهَا لِنَوْعِ غَرَضٍ مِّنَ الْأَنْوَاعِ. وَمِنْهُ الْمِيْسَمُ الَّذِيْ يُطْلَقُ عَلَى الْحُسْنِ وَالْجَمَالِ. وَ يُسْتَعْمَلُ فِيْ نِسَآءٍ ذَاتِ مَلَاحَةٍ فِيْ أَكْثَرِ الْأَحْوَالِ. وَقَدْ ثَبَتَ مِنْ تَتَبُّعِ كَلَامِ الْعَرَبِ وَدَوَاوِيْنِهِمْ. أَنَّهُمْ كَانُوْا لَا يَسْتَعْمِلُوْنَ هٰذَا اللَّفْظَ كَثِيْرًا إِلَّا فِيْ مَوَارِدِ الْخَيْرِ مِنْ دُنْيَاهُمْ وَدِيْنِهِمْ. وَأَنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ اسْمَ الشَّيْءِ عِنْدَ الْعَآمَّةِ مَا يُعْرَفُ بِهٖ ذَالِكَ الشَّيْءُ. وَأَمَّا عِنْدَ الْخَوَآصِّ وَأَهْلِ الْمَعْرِفَةِ. فَالْاِسْمُ لِأَصْلِ الْحَقِيْقَةِ الْفَيْءُ. بَلْ لَاشَكَّ أَنَّ الْأَسْمَآءَ الْمَنْسُوْبَةَ إِلَى الْمُسَمَّيَاتِ مِنَ الْحَضْرَةِ الْأَحَدِيَّةِ. قَدْ نَزَلَتْ مِنْهَا مَنْزِلَةَ الصُّوَرِ النَّوْعِيَّةِ. وَصَارَتْ كَوُكُنَاتٍ لِّطُيُوْرِ الْمَعَانِيْ وَ الْعُلُوْمِ الْحِكْمِيَّةِ. وَ كَذَالِكَ اسْمُ اللّٰهِ وَ الرَّحْمٰنِ وَ الرَّحِيْمِ فِيْ هٰذِهِ الْاٰيَةِ الْمُبَارَكَةِ. فَإِنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهَا يَدُلُّ عَلٰى خَصَآئِصِهٖ وَ هُوِيَّتِهِ الْمَكْتُوْمَةِ.

وَاللّٰهُ اسْمٌ لِّلذَّاتِ الْإِلٰهِيَّةِ الْجَامِعَةِ

طرح اَرْضٌ مَّوْسُوْمَةٌ زمین کو اُس وقت کہتے ہیں جب اس پر موسم بہار کی پہلی بارش بروقت برسے اور بہہ کر کسانوں کے دلوں کو تسکین دے۔ پھر اسی لفظ وَسْمٌ سے مَوْسِمٌ نکلا ہے جیسے مَوْسِمُ الْحَجِّ ہے اور مَوْسِمُ السُّوْقِ اور دوسرے مَوَاسِم ہیں۔ کیونکہ یہ ایسے مواقع ہیں جن میں کسی نہ کسی مقصد کے لئے لوگوں کا اجتماع ہوتا ہے اور مِيْسَمٌ کا لفظ بھی وَسْمٌ سے ہی مشتق ہے جس کا اطلاق حسن و جمال پر ہوتا ہے اور اکثر حالتوں میں خوبصورت عورتوں کے بارے میں استعمال ہوتا ہے۔ عربی زبان اور عرب شعراء کے دیوانوں کی چھان بین کرنے سے یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ وہ اس لفظ کو زیادہ تر خیر کے مواقع پر ہی استعمال کرتے تھے، خواہ وہ دنیا کی خیر ہو یا دین کی اور آپ جانتے ہیں کہ عوام النّاس کے نزدیک کسی چیز کا اسم وہ ہوتا ہے جس سے وہ چیز پہچانی جاتی ہے لیکن خواص اور اہلِ علم کے نزدیک اسم شے کی اصل حقیقت کے لئے بطور ظلّ کے ہے بلکہ یہ امر یقینی ہے کہ اشیاء کے جو نام اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں یہ تمام نام ان چیزوں کے لئے ان کی نوعی صورتوں کی حیثیت رکھتے ہیں اور یہ نام معانی اور علومِ حکمیہ کے پرندوں کے لئے بمنزلہ گھونسلوں کے ہیں۔ اور اس بابرکت آیت میں اللہ، رحمان اور رحیم ناموں کا یہی حال ہے۔ کیونکہ ان میں سے ہر ایک اپنے خصائص اور اپنی مخفی ماہیت پر دلالت کرتا ہے۔

اور اللہ اُس ذاتِ الٰہی کا نام ہے جو تمام کمالات کی جامع

لِجَمِيْعِ أَنْوَاعِ الْكَمَالِ. وَالرَّحْمٰنُ وَ الرَّحِيْمُ يَدُلَّانِ عَلٰى تَحَقُّقِ هَاتَيْنِ الصِّفَتَيْنِ لِهٰذَا الْإِسْمِ الْمُسْتَجْمِعِ لِكُلِّ نَوْعِ الْجَمَالِ وَ الْجَلَالِ. ثُمَّ لِلرَّحْمٰنِ مَعْنًى خَاصٌّ يَخْتَصُّ بِهٖ وَلَا يُوْجَدُ فِي الرَّحِيْمِ. وَ هُوَ أَنَّهٗ مُفِيْضٌ لِّوُجُوْدِ الْإِنْسَانِ وَغَيْرِهٖ مِنَ الْحَيَوَانَاتِ بِإِذْنِ اللّٰهِ الْكَرِيْمِ. بِحَسَبِ مَا اقْتَضَى الْحِكَمُ الْإِلٰهِيَّةُ مِنَ الْقَدِيْمِ. وَبِحَسَبِ تَحَمُّلِ الْقَوَابِلِ لَا بِحَسَبِ تَسْوِيَةِ التَّقْسِيْمِ. وَلَيْسَ فِيْ هٰذِهِ الصِّفَةِ الرَّحْمَانِيَّةِ دَخْلُ كَسْبٍ وَّعَمَلٍ وَّسَعْيٍ مِّنَ الْقُوَى الْإِنْسَانِيَّةِ اَوِالْحَيَوَانِيَّةِ. بَلْ هِيَ مِنَّةٌ مِّنَ اللّٰهِ خَاصَّةً مَّا سَبَقَهَا عَمَلُ عَامِلٍ. وَّرَحْمَتُهٗ مِنْ لَّدُنْهُ عَامَّةً. مَّامَسَّهَا أَثَرُ سَعْيٍ مِّنْ نَاقِصٍ أَوْ كَامِلٍ.

فَالْحَاصِلُ أَنَّ فَيْضَانَ الصِّفَةِ الرَّحْمَانِيَّةِ لَيْسَ هُوَ نَتِيْجَةَ عَمَلٍ وَلَا ثَمَرَةَ اسْتِحْقَاقٍ. بَلْ هُوَ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ مِّنْ غَيْرِ إِطَاعَةٍ أَوْ شِقَاقٍ. وَ يَنْزِلُ هٰذَا الْفَيْضُ دَآئِمًا بِمَشِيَّةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ إِرَادَةٍ. مِّنْ غَيْرِ شَرْطِ إِطَاعَةٍ وَّعِبَادَةٍ وَّ تُقَاةٍ وَّزَهَادَةٍ. وَكَانَ بِنَآءُ هٰذَا الْفَيْضِ قَبْلَ وُجُوْدِ الْخَلِيْقَةِ وَقَبْلَ أَعْمَالِهِمْ. وَقَبْلَ جَهْدِهِمْ وَقَبْلَ سُؤَالِهِمْ. فَلِأَجْلِ ذَالِكَ تُوْجَدُ اٰثَارُ هٰذَا الْفَيْضِ قَبْلَ

ہے اور اس جگہ اَلرَّحْمٰن اور اَلرَّحِیْم دونوں اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ یہ دونوں صفتیں اللہ کے لئے ثابت ہیں جو ہر قسم کے جمال اور جلال کا جامع ہے۔ پھر لفظ اَلرَّحْمٰن کے ایک اپنے بھی خاص معنی ہیں جو اَلرَّحِیْم کے لفظ میں نہیں پائے جاتے اور وہ یہ ہیں کہ اِذنِ الٰہی سے صفت اَلرَّحْمٰن کا فیضان انسان اور دوسرے حیوانات کو قدیم زمانہ سے حکمتِ الٰہیہ کے اقتضاء اور جو ہر قابل کی قابلیت کے مطابق پہنچتا رہا ہے۔ نہ کہ مساوی تقسیم کے طور پر اور اس صفتِ رحمانیت میں انسانوں یا حیوانوں کے قویٰ کے کسب اور عمل اور کوشش کا کوئی دخل نہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا خالص احسان ہے جس سے پہلے کسی کا کچھ عمل بھی موجود نہیں ہوتا اور یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک عام رحمت ہے جس میں ناقص یا کامل شخص کی کوششوں کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ صفتِ رحمانیت کا فیضان کسی عمل کا نتیجہ نہیں ہے اور نہ کسی استحقاق کا ثمرہ ہے بلکہ یہ ایک خاص فضلِ ایزدی ہے جس میں فرمانبرداری یا نافرمانی کا دخل نہیں اور یہ فیضان ہمیشہ خدا تعالیٰ کی مشیت اور ارادہ کے ماتحت نازل ہوتا ہے۔ اس میں کسی اطاعت، عبادت، تقویٰ اور زہد کی شرط نہیں۔ اس فیض کی بنا مخلوق کی پیدائش، اس کے اعمال، اس کی کوشش اور اس کے سوال کرنے سے پہلے ہی رکھی گئی ہے۔ اس لئے اس فیض کے آثار انسان اور حیوان کے

اٰثَارِ وُجُوْدِ الْاِنْسَانِ وَالْحَيَوَانِ۔ وَ اِنْ كَانَ سَارِيًا فِيْ جَمِيْعِ مَرَاتِبِ الْوُجُوْدِ وَالزَّمَانِ وَالْمَكَانِ۔ وَالطَّاعَةِ وَالْعِصْيَانِ۔ أَلَا تَرٰى أَنَّ رَحْمَانِيَّةَ اللّٰهِ تَعَالٰى وَسِعَتِ الصَّالِحِيْنَ وَالظَّالِمِيْنَ۔ وَتَرٰى قَمَرَهٗ وَشَمْسَهٗ يَطْلُعَانِ عَلَى الطَّآئِعِيْنَ وَالْعَاصِيْنَ۔ وَاِنَّهٗ أَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ وَ كَفَّلَ أَمْرَ كُلِّهِمْ أَجْمَعِيْنَ۔ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَلَوْ كَانَ فِي السَّمٰوَاتِ أَوْ فِي الْأَرْضِيْنَ۔ وَ اِنَّهٗ خَلَقَ لَهُمُ الْأَشْجَارَ وَأَخْرَجَ مِنْهَا الثِّمَارَ وَالزَّهْرَ وَ الرَّيَاحِيْنَ۔ وَ إِنَّهَا رَحْمَةٌ هَيَّأَهَا اللّٰهُ لِلنُّفُوْسِ قَبْلَ أَنْ يَّبْرَأَهَا وَإِنَّ فِيْهَا تَذْكِرَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ۔ وَ قَدْ أُعْطِيَ هٰذِهِ النِّعَمُ مِنْ غَيْرِ الْعَمَلِ وَ مِنْ غَيْرِ الْاِسْتِحْقَاقِ۔ مِنَ اللّٰهِ الرَّاحِمِ الْخَلَّاقِ۔ وَمِنْهَا نَعْمَآءُ أُخْرٰى مِنْ حَضْرَةِ الْكِبْرِيَآءِ۔ وَ هِيَ خَارِجَةٌ مِّنَ الْإِحْصَآءِ۔ كَمِثْلِ خَلْقِ أَسْبَابِ الصِّحَةِ وَ أَنْوَاعِ الْحِيَلِ وَ الدَّوَآءِ لِكُلِّ نَوْعٍ مِّنَ الدَّآءِ۔ وَإِرْسَالِ الرُّسُلِ وَإِنْزَالِ الْكُتُبِ عَلَى الْأَنْبِيَآءِ۔ وَ هٰذِهٖ كُلُّهَا رَحْمَانِيَّةٌ مِّنْ رَّبِّنَا أَرْحَمِ الرُّحَمَآءِ۔ وَفَضْلٌ بَحْتٌ لَّيْسَ مِنْ عَمَلِ عَامِلٍ وَّلَا مِنَ التَّضَرُّعِ وَالدُّعَآءِ۔ وَأَمَّا الرَّحِيْمِيَّةُ

وجود میں آنے سے پہلے ہی پائے جاتے ہیں اگرچہ یہ فیض تمام مراتب وجود اور زمان ومکان اور حالتِ طاعت وعصیان میں جاری و ساری رہتا ہے۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ خدا تعالیٰ کی رحمانیت نیکوکاروں اور ظالموں سب پر وسیع ہے اور آپ دیکھ رہے ہیں کہ اس کا چاند اور اس کا سورج اطاعت گزاروں اور نافرمانوں سبھی پر چڑھتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ نے ہر چیز کو اس کے مناسبِ حال قویٰ کے ساتھ پیدا کیا ہے اور اس نے ان سب کے معاملات کا ذمہ لیا ہے اور کوئی بھی جاندار نہیں مگر اس کا رزق اللہ کے ذمہ ہے خواہ وہ آسمانوں میں ہو یا زمین میں۔ اُسی نے ان کے لئے درخت پیدا کئے اور ان درختوں سے پھل پھول اور خوشبوئیں پیدا کیں اور یہ ایسی رحمت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی پیدائش سے پہلے ہی ان کے لئے مہیّا فرمایا۔ اس میں متقیوں کے لئے نصیحت اور یاد دہانی ہے۔ یہ نعمتیں بغیر کسی عمل اور بغیر کسی حق کے اس بے حد مہربان اور عظیم خالقِ عالم کی طرف سے عطا ہوئی ہیں۔ اور اس عالی بارگاہ سے ایسی ہی اور بھی بہت سی نعمتیں بخشی گئی ہیں جو شمار سے باہر ہیں۔ مثلاً صحت قائم رکھنے کے ذرائع پیدا کرنا اور ہر بیماری کے لئے علاج اور دواؤں کا پیدا کرنا۔ رسولوں کا مبعوث کرنا اور انبیاء پر کتابوں کا نازل کرنا یہ سب ہمارے ربّ ارحم الراحمین کی رحمانیت ہے۔ یہ خالص فضل ہے جو کسی کام کرنے والے کے کام یا گریہ وزاری یا دُعا کے نتیجہ میں نہیں ہے۔ لیکن رحیمیت وہ فیضِ الٰہی ہے جو

فَهِيَ فَيْضٌ اَخَصُّ مِنْ فُيُوْضِ الصِّفَةِ الرَّحْمَانِيَّةِ وَ مَخْصُوْصَةٌ بِتَكْمِيْلِ النَّوْعِ الْبَشَرِيِّ وَ اِكْمَالِ الْخِلْقَةِ الْاِنْسَانِيَّةِ وَلٰكِنْ بِشَرْطِ السَّعْيِ وَ الْعَمَلِ الصَّالِحِ وَتَرْكِ الْجَذَبَاتِ النَّفْسَانِيَّةِ بَلْ لَا تَنْزِلُ هٰذِهِ الرَّحْمَةُ حَقَّ نُزُوْلِهَا اِلَّا بَعْدَ الْجُهْدِ الْبَلِيْغِ فِي الْاَعْمَالِ وَبَعْدَ تَزْكِيَةِ النَّفْسِ وَتَكْمِيْلِ الْاِخْلَاصِ بِاِخْرَاجِ بَقَايَا الرِّيَآءِ وَتَطْهِيْرِ الْبَالِ وَبَعْدَ اِيْثَارِ الْمَوْتِ لِابْتِغَاءِ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ذِي الْجَلَالِ۔ فَطُوْبٰى لِمَنْ أَصَابَهٗ حَظٌّ مِّنْ هٰذِهِ النِّعَمِ۔ بَلْ هُوَ الْإِنْسَانُ وَ غَيْرُهٗ كَالنَّعَمِ۔

وَهٰهُنَا سُؤَالٌ عُضَالٌ نَكْتُبُهٗ فِي الْكِتَابِ مَعَ الْجَوَابِ لِيُفَكِّرَ فِيْهِ مَنْ كَانَ مِنْ أُوْلِي الْأَلْبَابِ۔ وَهُوَ أَنَّ اللّٰهَ اخْتَارَ مِنْ جَمِيْعِ صِفَاتِهٖ صِفَتَيِ الرَّحْمَانِ وَ الرَّحِيْمِ فِي الْبَسْمَلَةِ۔ وَمَا ذَكَرَ صِفَةً أُخْرٰى فِيْ هٰذِهِ الْاٰيَةِ مَعَ أَنَّ اسْمَهُ الْأَعْظَمَ يَسْتَحِقُّ جَمِيْعَ مَا هُوَ مِنَ الصِّفَاتِ الْكَامِلَةِ۔ كَمَا هِيَ مَذْكُوْرَةٌ فِي الصُّحُفِ الْمُطَهَّرَةِ۔ ثُمَّ إِنَّ كَثْرَةَ الصِّفَاتِ تَسْتَلْزِمُ كَثْرَةَ الْبَرَكَاتِ عِنْدَ التِّلَاوَةِ۔ فَالْبَسْمَلَةُ أَحَقُّ وَ أَوْلٰى بِهٰذَا الْمَقَامِ وَالْمَرْتَبَةِ۔ وَقَدْ نُدِبَ لَهَا

صفتِ رحمانیت کے فیوض سے خاص تر ہے۔ یہ فیضان نوع انسانی کی تکمیل اور انسانی فطرت کو کمال تک پہنچانے کے لئے مخصوص ہے لیکن اس کے حاصل کرنے کے لئے کوشش کرنا، عمل صالح بجالانا اور جذباتِ نفسانیہ کو ترک کرنا شرط ہے۔ یہ رحمت پورے طور پر نازل نہیں ہوتی جب تک اعمال بجالانے میں پوری کوشش نہ کی جائے اور جب تک تزکیۂ نفس نہ ہو اور ریا کو کُلّی طور پر ترک کر کے خلوص کامل اور طہارت قلب حاصل نہ ہو اور جب تک خدائے ذوالجلال کی خوشنودی حاصل کرنے کی خاطر موت کو قبول نہ کر لیا جائے۔ پس مبارک ہیں وہ لوگ جنہیں ان نعمتوں سے حِصّہ ملا۔ بلکہ وہی اصل انسان ہیں اور باقی لوگ تو چار پایوں کی مانند ہیں۔

یہاں ایک مشکل سوال ہے جسے ہم اس جگہ مع جواب لکھتے ہیں تا کہ عقلمند اس میں غور و فکر کر سکیں اور وہ سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ میں اپنی تمام صفات میں سے صرف دو صفات اَلرَّحْمٰن اور اَلرَّحِيْم کو ہی اختیار کیا ہے اور کسی اور صفت کا اس آیت میں ذکر نہیں کیا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم (یعنی اللہ) تمام ان صفات کاملہ کا مستحق ہے جو مقدس صحیفوں میں مذکور ہیں۔ پھر کثرت صفات تلاوت کے وقت کثرتِ برکات کو مستلزم ہے۔ پس بسم اللہ کی آیت کریمہ اللہ کی کثرت صفات کے بیان کے مقام اور مرتبہ کی زیادہ حقدار اور سزاوار ہے اور حدیث نبوی میں ہر اہم کام

عِنْدَ كُلِّ أَمْرٍ ذِي بَالٍ كَمَا جَآءَ فِي الْأَحَادِيْثِ النَّبَوِيَّةِ. وَ إِنَّهَا أَكْثَرُ وِرْدًا عَلَى أَلْسُنِ أَهْلِ الْمِلَّةِ وَأَكْثَرُ تَكْرَارًا فِيْ كِتَابِ اللهِ ذِي الْعِزَّةِ. فَبِأَيِّ حِكْمَةٍ وَّ مَصْلِحَةٍ لَّمْ يُكْتَبْ صِفَاتٌ أُخْرٰى مَعَ هٰذِهِ الْاٰيَةِ الْمُتَبَرِّكَةِ.

شروع کرتے وقت بسم اللہ پڑھنا مستحسن قرار دیا گیا ہے نیز یہ آیت مسلمانوں کی زبانوں پر اکثر جاری رہتی ہے۔ اور خدائے عزیز کی کتاب قرآن کریم میں بڑی کثرت سے دہرائی گئی ہے۔تو پھر کس حکمت اور مصلحت کے ماتحت اس مبارک آیت میں خدا تعالیٰ کی دوسری صفات درج نہیں کی گئیں۔

فَالْجَوَابُ أَنَّ اللهَ أَرَادَ فِيْ هٰذَا الْمُقَامِ. أَنْ يَّذْكُرَ مَعَ اسْمِهِ الْأَعْظَمِ صِفَتَيْنِ هُمَا خُلَاصَةُ جَمِيْعِ صِفَاتِهِ الْعَظِيْمَةِ عَلَى الْوَجْهِ التَّآمِّ. وَ هُمَا الرَّحْمٰنُ وَ الرَّحِيْمُ. كَمَا يَهْدِيْ إِلَيْهِ الْعَقْلُ السَّلِيْمُ. فَإِنَّ اللهَ تَجَلّٰى عَلٰى هٰذَاالْعَالَمِ تَارَةً بِالْمَحْبُوْبِيَّةِ وَ مَرَّةً بِالْمُحِبِّيَّةِ. وَ جَعَلَ هَاتَيْنِ الصِّفَتَيْنِ ضِيَآءً يَّنْزِلُ مِنْ شَمْسِ الرُّبُوْبِيَّةِ عَلٰى أَرْضِ الْعَبُوْدِيَّةِ. فَقَدْ يَكُوْنُ الرَّبُّ مَحْبُوْبًا وَّالْعَبْدُ مُحِبًّا لِّذَالِكَ الْمَحْبُوْبِ. وَقَدْ يَكُوْنُ الْعَبْدُ مَحْبُوْبًا وَّالرَّبُّ مُحِبًّا لَّهٗ وَجَاعِلُهٗ كَالْمَطْلُوْبِ. وَلَا شَكَّ أَنَّ الْفِطْرَةَ الْإِنْسَانِيَّةَ الَّتِيْ فُطِرَتْ عَلَى الْمَحَبَّةِ وَالْخُلَّةِ وَلَوْعَةِ الْبَالِ. تَقْتَضِيْ أَنْ يَّكُوْنَ لَهَا مَحْبُوْبًا يَّجْذِبُهَا إِلٰى وَجْهِهٖ بِتَجَلِّيَاتِ الْجَمَالِ وَالنِّعَمِ وَالنَّوَالِ.

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس جگہ ارادہ فرمایا کہ اپنے اسم اعظم کے ساتھ انہی دو صفات کا ذکر کرے جو اس کی تمام صفاتِ عظیمہ کا پورا پورا خلاصہ ہیں۔ اور وہ دونوں صفات اَلرَّحْمٰن اور اَلرَّحِیْم ہیں۔ چنانچہ عقل سلیم بھی اسی کی طرف راہنمائی کرتی ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے اس دنیا پر کبھی بطور محبوب اور کبھی بطور محبّ تجلّی فرمائی ہے اور اس نے ان دونوں صفات کو ایسی روشنی بنایا ہے جو آفتاب ربوبیت سے عبودیت کی زمین پر نازل ہوتی ہے۔ پس کبھی تو خدا تعالیٰ محبوب بن جاتا ہے اور بندہ اس محبوب کا محبّ اور کبھی بندہ محبوب بن جاتا ہے اور خدا تعالیٰ اس کا محبّ ہوتا ہے اور بندہ کو مطلوب کی طرح بنا لیتا ہے۔ اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ انسانی فطرت جس میں محبت، دوستی اور سوزِ دل ودیعت کیا گیا ہے چاہتی ہے کہ اس کا کوئی محبوب ہو جو اسے اپنی تجلیاتِ جمالیہ اور نعمتوں اور عطایا سے اپنی طرف کھینچے اور یہ کہ اس کا کوئی ایسا غم خوار دوست ہو جو خوف اور پریشان حالی کے وقت اس کا ساتھ دے وہ اس کے اعمال کو ضائع ہونے سے

وَأَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ مُحِبًّا مُوَاسِيًا يَّتَدَارَكُ عِنْدَ الْأَهْوَالِ وَتَشَتُّتِ الْأَحْوَالِ۔ وَ يَحْفَظُهَا مِنْ ضَيْعَةِ الْأَعْمَالِ۔ وَ يُوْصِلُهَا إِلَى الْاٰمَالِ۔ فَأَرَادَ اللّٰهُ أَنْ يُّعْطِيَهَا مَا اقْتَضَتْهَا وَيُتِمَّ عَلَيْهَا نِعَمَهٗ بِجُوْدِهِ الْعَمِيْمِ۔ فَتَجَلّٰى عَلَيْهَا بِصِفَتَيْهِ الرَّحْمٰنِ وَ الرَّحِيْمِ۔

وَلَا رَيْبَ أَنَّ هَاتَيْنِ الصِّفَتَيْنِ هُمَا الْوُصْلَةُ بَيْنَ الرُّبُوْبِيَّةِ وَ الْعُبُوْدِيَّةِ۔ وَ بِهِمَا يَتِمُّ دَآئِرَةُ السُّلُوْكِ وَالْمَعَارِفِ الْإِنْسَانِيَّةِ۔ فَكُلُّ صِفَةٍ بَعْدَهُمَا دَاخِلَةٌ فِيْ أَنْوَارِهِمَا۔ وَقَطْرَةٌ مِّنْ بِحَارِهِمَا۔ ثُمَّ إِنَّ ذَاتَ اللّٰهِ تَعَالٰى كَمَا اقْتَضَتْ لِنَفْسِهَا أَنْ تَكُوْنَ لِنَوْعِ الْإِنْسَانِ مَحْبُوْبَةً وَّ مُحِبَّةً۔ كَذَالِكَ اقْتَضَتْ لِعِبَادِهِ الْكُمَّلِ أَنْ يَّكُوْنُوْا لِبَنِيْ نَوْعِهِمْ كَمِثْلِ ذَاتِهٖ خُلُقًا وَّ سِيْرَةً۔ وَّ يَجْعَلُوْا هَاتَيْنِ الصِّفَتَيْنِ لِأَنْفُسِهِمْ لِبَاسًا وَّ كِسْوَةً۔ لِّيَتَخَلَّقَ الْعُبُوْدِيَّةُ بِأَخْلَاقِ الرُّبُوْبِيَّةِ۔ وَلَا يَبْقٰى نَقْصٌ فِي النَّشْأَةِ الْإِنْسَانِيَّةِ۔ فَخَلَقَ النَّبِيِّيْنَ وَ الْمُرْسَلِيْنَ۔ فَجَعَلَ بَعْضَهُمْ مَظْهَرَ صِفَتِهِ الرَّحْمَانِ وَ بَعْضَهُمْ مَظْهَرَ صِفَتِهِ الرَّحِيْمِ۔ لِيَكُوْنُوْا مَحْبُوْبِيْنَ وَ مُحِبِّيْنَ وَ يُعَاشِرُوْا بِالتَّحَابُبِ بِفَضْلِهِ الْعَظِيْمِ۔ فَأَعْطٰى بَعْضَهُمْ حَظًّا وَّافِرًا مِّنْ صِفَةِ

بچائے اور اس کی امیدوں کو پورا کرے پس خدا تعالیٰ نے ارادہ کیا کہ جو کچھ انسان کی فطرت تقاضا کرتی ہے وہ اسے عطا کرے اور اپنی وسیع بخشش کے طفیل اس پر اپنی نعمتوں کو پورا کرے۔ سو اُس نے اپنی انہی دو صفات اَلرَّحْمٰن اور اَلرَّحِیْم کے ساتھ اس پر تجلّی فرمائی۔

اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ دونوں صفات ربوبیت اور عبودیت کے درمیان ایک واسطہ ہیں اور انہی دونوں کے ذریعہ انسانی معرفت اور سلوک کا دائرہ مکمل ہوتا ہے۔ ان دونوں کے علاوہ خدا تعالیٰ کی باقی تمام صفات انہی دو صفتوں کے انوار میں شامل ہیں اور ان سمندروں کا ایک قطرہ ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ کی ذات نے جس طرح اپنے لئے چاہا ہے کہ وہ نوعِ انسان کے لئے محبوب اور محبّ بنے اسی طرح اُس نے اپنے کامل بندوں کے لئے چاہا کہ وہ بھی دوسرے بنی نوع انسان کے لئے اپنے اخلاق اور سیرت کے لحاظ سے اس کی ذات والا صفات کا پَرتَو ہوں اور ان دونوں صفات کو اپنا لباس اور پوشش بنا لیں تا عبودیت ربوبیت کے اخلاق کا جامہ پہن لے۔ اور انسان کے (روحانی) نشوونما میں کوئی نقص باقی نہ رہ جائے۔ پس اُس نے انبیاء اور مرسلین کو پیدا کیا اور ان میں سے بعض کو اپنی صفتِ رحمانیت کا اور بعض کو اپنی صفتِ رحیمیت کا مظہر بنایا تا کہ وہ محبوب بھی ہوں اور محبّ بھی

الْمَحْبُوْبِيَّةِ وَ بَعْضًا اٰخَرَ حَظًّا كَثِيْرًا مِّنْ صِفَةِ الْمُحِبِّيَّةِ. وَ كَذَالِكَ أَرَادَ بِفَضْلِهِ الْعَمِيْمِ وَجُوْدِهِ الْقَدِيْمِ وَلَمَّا جَآءَ زَمَنُ خَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ وَسَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ. أَرَادَ هُوَ سُبْحَانَهٗ أَنْ يَّجْمَعَ هَاتَيْنِ الصِّفَتَيْنِ فِيْ نَفْسٍ وَّاحِدَةٍ. فَجَمَعَهُمَا فِيْ نَفْسِهٖ عَلَيْهِ أَلْفُ أَلْفِ صَلٰوةٍ وَّ تَحِيَّةٍ. فَلِذَالِكَ ذَكَرَ تَخْصِيْصًا صِفَةَ الْمَحْبُوْبِيَّةِ وَ الْمُحِبِّيَّةِ عَلٰى رَأْسِ هٰذِهِ السُّوْرَةِ. لِيَكُوْنَ إِشَارَةً إِلٰى هٰذِهِ الْإِرَادَةِ. وَسَمّٰى نَبِيَّنَا مُحَمَّدًا وَّ أَحْمَدَ كَمَا سَمّٰى نَفْسَهُ الرَّحْمَانَ وَ الرَّحِيْمَ فِيْ هٰذِهِ الْاٰيَةِ. فَهٰذِهٖ إِشَارَةٌ إِلٰى أَنَّهٗ لَا جَامِعَ لَهُمَا عَلَى الطَّرِيْقَةِ الظِّلِّيَّةِ إِلَّا وُجُوْدُ سَيِّدِنَا خَيْرِ الْبَرِيَّةِ. وَقَدْ عَرَفْتَ أَنَّ هَاتَيْنِ الصِّفَتَيْنِ أَكْبَرُ الصِّفَاتِ مِنْ صِفَاتِ الْحَضْرَةِ الْأَحَدِيَّةِ. بَلْ هُمَا لُبُّ اللُّبَابِ وَ حَقِيْقَةُ الْحَقَآئِقِ لِجَمِيْعِ أَسْمَآئِهِ الصِّفَاتِيَّةِ. وَهُمَا مِعْيَارُ كَمَالِ كُلِّ مَنِ اسْتَكْمَلَ وَ تَخَلَّقَ بِالْأَخْلَاقِ الْإِلٰهِيَّةِ.

وَمَا أُعْطِيَ نَصِيْبًا كَامِلاً مِّنْهُمَا إِلَّا نَبِيُّنَا خَاتَمُ سِلْسِلَةِ النُّبُوَّةِ. فَإِنَّهٗ

اور اس کے فضلِ عظیم کے ساتھ آپس میں محبت سے زندگی بسر کریں اُس نے ان میں سے بعض کو محبوبیت کی صفت سے حِصّہ وافر عطا فرمایا اور بعض دوسروں کو صفت محبّیت کا بہت سا حِصّہ دیا۔ اور اسی کا خدا تعالیٰ نے اپنے وسیع فضل اور دائمی کرم سے ارادہ فرمایا۔ اور جب ہمارے آقا سید المرسلین و خاتم النبیین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ آیا تو اللہ تعالیٰ کی پاک ذات نے ارادہ فرمایا کہ ان دونوں صفات کو ایک ہی شخصیت میں جمع کر دے۔ چنانچہ اُس نے آنحضرت کی ذات میں (آپ پر ہزاروں ہزار درود اور سلام ہو) یہ دونوں صفات جمع کر دیں یہی وجہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے سورۃ فاتحہ کے شروع میں صفت محبوبیت اور صفت محبّیت کا خاص طور پر ذکر کیا ہے تا اس سے خدا تعالیٰ کے اس ارادہ کی طرف اشارہ ہو اور اُس نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نام محمد اور احمد رکھا۔ جیسا کہ اُس نے اس آیت میں اپنا نام اَلرَّحْمٰن اور اَلرَّحِیْم رکھا۔ پس یہ بات اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ ان دونوں صفات کا ہمارے آقا فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ اور کوئی جامع وجود نہیں۔ اور آپ کو معلوم ہے کہ یہ دونوں صفات خدا تعالیٰ کی صفات میں سے سب سے بڑی صفات ہیں بلکہ یہ اس کے تمام صفاتی ناموں کے خلاصوں کا خلاصہ اور حقیقتوں کی نچوڑ ہیں۔ یہ ہر اُس شخص کے کمال کا معیار ہیں جو کمال کا طالب ہے اور اخلاقِ الٰہیہ کا رنگ اختیار کرتا ہے۔

پھر ان دونوں صفات میں سے کامل حِصّہ صرف ہمارے نبی سلسلہ نبوت کے خاتم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی دیا گیا ہے

أُعْطِيَ اسْمَيْنِ كَمِثْلِ هَاتَيْنِ الصِّفَتَيْنِ۔ اَوَّلُهُمَا مُحَمَّدٌ وَّ الثَّانِي اَحْمَدُ مِنْ فَضْلِ رَبِّ الْكَوْنَيْنِ۔ اَمَّا مُحَمَّدٌ فَقَدِ ارْتَدٰى رِدَآءَ صِفَةِ الرَّحْمٰنِ۔ وَتَجَلّٰى فِيْ حُلَلِ الْجَلَالِ وَ الْمَحْبُوْبِيَّةِ وَ حُمِّدَ لِبِرٍّ مِّنْهُ وَ الْإِحْسَانِ۔ وَ أَمَّا أَحْمَدُ فَتَجَلّٰى فِيْ حُلَّةِ الرَّحِيْمِيَّةِ وَ الْمُحِبِّيَّةِ وَالْجَمَالِيَّةِ فَضْلًا مِّنَ اللهِ الَّذِيْ يَتَوَلَّى الْمُؤْمِنِيْنَ بِالْعَوْنِ وَ النُّصْرَةِ۔ فَصَارَ اسْمَا نَبِيِّنَا بِحِذَآءِ صِفَتَيْ رَبِّنَا الْمَنَّانِ كَصُوَرٍ مُّنْعَكِسَةٍ تُظْهِرُهَا مِرْاٰتَانِ مُتَقَابِلَتَانِ۔ وَتَفْصِيْلُ ذَالِكَ أَنَّ حَقِيْقَةَ صِفَةِ الرَّحْمَانِيَّةِ عِنْدَ أَهْلِ الْعِرْفَانِ۔ هِيَ إِفَاضَةُ الْخَيْرِ لِكُلِّ ذِيْ رُوْحٍ مِّنَ الْإِنْسَانِ وَغَيْرِ الْإِنْسَانِ مِنْ غَيْرِ عَمَلٍ سَابِقٍ بَلْ خَالِصًا عَلٰى سَبِيْلِ الْإِمْتِنَانِ۔ وَلَا شَكَّ وَلَا خِلَافَ أَنَّ مِثْلَ هٰذِهِ الْمِنَّةِ الْخَالِصَةِ الَّتِيْ لَيْسَتْ جَزَآءُ عَمَلِ عَامِلٍ مِّنَ الْبَرِيَّةِ۔هِيَ تَجْذِبُ قُلُوْبَ الْمُؤْمِنِيْنَ إِلَى الثَّنَاءِ وَ الْمَدْحِ وَ الْمَحْمَدَةِ۔ فَيَحْمَدُوْنَ الْمُحْسِنَ وَ يُثْنُوْنَ عَلَيْهِ بِخُلُوْصِ الْقُلُوْبِ وَصِحَّةِ النِّيَّةِ۔ فَيَكُوْنُ الرَّحْمَانُ مُحَمَّدًا يَقِيْنًا مِّنْ غَيْرِ وَهْمٍ يَّجُرُّ إِلَى الرِّيْبَةِ۔ فَإِنَّ الْمُنْعِمَ الَّذِيْ يُحْسِنُ إِلَى النَّاسِ مِنْ غَيْرِ

کیونکہ آپ کو پروردگار دو عالم کے فضل سے ان دونوں صفات کی طرح دو نام دیئے گئے ہیں جن میں سے پہلا محمد ہے اور دوسرا احمد۔ پس اسم محمد نے صفت اَلرَّحْمٰن کی چادر پہنی اور جلال اور محبوبیّت کے لباس میں جلوہ گر ہوا اور اپنی نیکی اور احسان کی بناء پر بار بار تعریف بھی کیا گیا۔ اور اسم احمد نے خدا تعالیٰ کے فضل سے جو مومنوں کی مدد اور نصرت کا متولّی ہے رحیمیت، محبّیت اور جمال کے لباس میں تجلّی فرمائی۔ پس ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں نام (محمد اور احمد) ہمارے ربّ محسن کی دونوں صفتوں (الرحمان، الرحیم) کے مقابلہ میں منعکسہ صورتوں کی طرح ہیں جن کو دو مقابل کے آئینے ظاہر کرتے ہیں اس کی تفصیل یوں ہے کہ اہل عرفان کے نزدیک اس صفتِ رحمانیت کی حقیقت یہ ہے کہ ہر ذی روح کو انسان ہو یا غیر انسان بغیر کسی سابقہ عمل کے محض احسان کے طور پر فیض پہنچایا جائے اور اس میں کوئی شک نہیں اور نہ کسی اختلاف کی گنجائش ہے کہ اس قسم کا خالص احسان جو مخلوق میں سے کسی کام کرنے والے کے کسی کام کا صلہ نہ ہو، مومنوں کے دلوں کو ثناء، مدح اور حمد کی طرف کھینچتا ہے۔ لہٰذا وہ خلوصِ قلب اور صحتِ نیت سے اپنے محسن کی حمد و ثناء کرتے ہیں۔ اس طرح بغیر کسی وہم کے جو شک و شبہ میں ڈالے خدائے رحمان یقیناً قابلِ تعریف بن جاتا ہے کیونکہ ایسے انعام کرنے والی ہستی جو لوگوں پر بغیر ان کے کسی حق کے طرح طرح کے احسان کرے اُس ہستی کی ہر وہ شخص حمد کرے گا جس پر

حَقٍّ بِأَنْوَاعِ النِّعْمَةِ۔ يَحْمَدُهٗ كُلُّ مَنْ أُنْعِمَ عَلَيْهِ۔ وَهٰذَا مِنْ خَوَاصِّ النَّشْأَةِ الْإِنْسَانِيَّةِ۔ ثُمَّ إِذَا كَمُلَ الْحَمْدُ بِكَمَالِ الْإِنْعَامِ۔ جَذَبَ ذَالِكَ إِلَى الْحُبِّ التَّآمِّ۔ فَيَكُوْنُ الْمُحْسِنُ مُحَمَّدًا وَّمَحْبُوْبًا فِي أَعْيُنِ الْمُحِبِّيْنَ۔ فَهٰذَا مَاٰلُ صِفَةِ الرَّحْمَانِ فَفَكِّرْ كَالْعَاقِلِيْنَ۔ وَقَدْ ظَهَرَ مِنْ هٰذَا الْمَقَامِ لِكُلِّ مَنْ لَهٗ عِرْفَانٌ۔ أَنَّ الرَّحْمٰنَ مُحَمَّدٌ وَّ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّحْمَانٌ۔ وَلَا شَكَّ أَنَّ مَاٰلُهُمَا وَاحِدٌ۔ وَقَدْ جَهَلَ الْحَقَّ مَنْ هُوَ جَاحِدٌ۔ وَأَمَّا حَقِيْقَةُ صِفَةِ الرَّحِيْمِيَّةِ۔ وَمَا أُخْفِيَ فِيْهَا مِنَ الْكَيْفِيَّةِ الرُّوْحَانِيَّةِ۔ فَهِيَ إِفَاضَةُ إِنْعَامٍ وَّ خَيْرٍ عَلٰى عَمَلٍ مِّنْ أَهْلِ مَسْجِدٍ لَّا مِنْ أَهْلِ دَيْرٍ وَّ تَكْمِيْلُ عَمَلِ الْعَامِلِيْنَ الْمُخْلِصِيْنَ۔ وَ جَبْرُ نُقْصَانِهِمْ كَالْمُتَلَافِيْنَ وَ الْمُعِيْنِيْنَ وَ النَّاصِرِيْنَ۔ وَلَا شَكَّ أَنَّ هٰذِهِ الْإِفَاضَةَ فِيْ حُكْمِ الْحَمْدِ مِنَ اللّٰهِ الرَّحِيْمِ۔ فَإِنَّهٗ لَا يُنْزِلُ هٰذِهِ الرَّحْمَةَ عَلٰى عَامِلٍ إِلَّا بَعْدَ مَا حَمِدَهٗ عَلٰى نَهْجِهِ الْقَوِيْمِ۔ وَرَضِيَ بِهٖ عَمَلاً وَّ رَاٰهُ مُسْتَحِقًّا لِّلْفَضْلِ الْعَمِيْمِ۔ أَ لَا تَرٰى أَنَّهٗ لَا يَقْبَلُ عَمَلَ الْكَافِرِيْنَ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُرَآئِيْنَ وَالْمُتَكَبِّرِيْنَ۔ بَلْ يُحْبِطُ

انعام واکرام کیا جاتا ہے اور یہ بات انسانی فطرت کا خاصہ ہے پھر جب اتمام نعمت کے باعث حمد اپنے کمال کو پہنچ جائے تو وہ کامل محبت کی جاذب بن جاتی ہے اور ایسا محسن اپنے محبّوں کی نظر میں بہت قابل تعریف اور محبوب بن جاتا ہے اور یہ صفتِ رحمانیت کا نتیجہ ہے۔ پس آپ عقلمندوں کی طرح ان باتوں پر غور کیجئے۔ اب اس بیان سے ہر صاحبِ عرفان پر واضح ہو گیا ہے کہ اَلرَّحْمٰن بہت حمد کیا گیا ہے اور (کامل) حمد کیا گیا اَلرَّحْمٰن ہے بلاشبہ ان دونوں کا نتیجہ ایک ہی ہے اور اس سچائی سے ناواقف ہی اس کا انکار کرنے والا ہے۔ لیکن صفتِ رحیمیت کی حقیقت اور اس کی مخفی روحانی کیفیت یہ ہے کہ اہل مسجد کے اعمال پر انعام وبرکت کا افاضہ ہو نہ کہ گرجا والوں پر۔ اور مخلص کام کرنے والوں کے اعمال کی تکمیل کی جائے اور تلافی کرنے والوں اور معاونوں اور مددگاروں کی طرح ان کی کوتاہیوں کا تدارک کیا جائے۔ بلاشبہ یہ افاضہ (بندوں پر) خدائے رحیم کی طرف سے ان کی تعریف کے حکم میں ہے کیونکہ وہ اس طرح کی رحمت کسی عمل کرنے والے پر اُسی وقت نازل کرتا ہے جب کہ بندہ صحیح طریق پر اس کی تعریف کرتا ہے اور خدا تعالیٰ اس کے عمل پر راضی ہوتا ہے اور اسے اپنے وسیع فضل کا مستحق پاتا ہے۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ خدا تعالیٰ کافروں، مشرکوں، ریاکاروں اور متکبّروں کے اعمال قبول نہیں کرتا بلکہ ان کے عملوں کو ضائع کر دیتا ہے اور نہ تو اپنی طرف ان کی راہنمائی کرتا ہے اور نہ مدد فرماتا ہے

أَعْمَالَهُمْ وَلَا يَهْدِيهِمْ إِلَيْهِ وَلَا يَنْصُرُهُمْ بَلْ يَتْرُكُهُمْ كَالْمَخْذُوْلِيْنَ۔ فَلَا شَكَّ أَنَّهُ لَا يَتُوْبُ إِلَى أَحَدٍ بِالرَّحِيْمِيَّةِ وَلَا يُكَمِّلُ عَمَلَهُ بِنُصْرَةٍ مِّنْهُ وَ الْإِعَانَةِ إِلَّا بَعْدَ مَا رَضِيَ بِهِ فِعْلاً وَّ حَمِدَهُ حَمْدًا يَّسْتَلْزِمُ نُزُوْلَ الرَّحْمَةِ۔ ثُمَّ إِذَا كَمُلَ الْحَمْدُ مِنَ اللّٰهِ بِكَمَالِ أَعْمَالِ الْمُخْلِصِيْنَ۔ فَيَكُوْنُ اللّٰهُ أَحْمَدَ وَ الْعَبْدُ مُحَمَّدًا فَسُبْحَانَ اللّٰهِ أَوَّلِ الْمُحَمَّدِيْنَ وَ الْأَحْمَدِيْنَ وَ عِنْدَ ذَالِكَ يَكُوْنُ الْعَبْدُ الْمُخْلِصُ فِي الْعَمَلِ مَحْبُوْبًا فِي الْحَضْرَةِ۔ فَإِنَّ اللّٰهَ يَحْمَدُهُ مِنْ عَرْشِهٖ۔ وَهُوَ لَا يَحْمَدُ أَحَدًا إِلَّا بَعْدَ الْمَحَبَّةِ۔

بلکہ انہیں بے یار و مددگار چھوڑ دیتا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ کسی کی طرف اپنی صفتِ رحیمیت کے ساتھ متوجہ نہیں ہوتا اور نہ کسی کے عمل کو اپنی نصرت اور اعانت سے پایہ تکمیل تک پہنچا تا ہے بجز اس کے کہ بندہ عملاً خدا سے راضی ہو اور اس کی ایسی حمد کرے جو نزولِ رحمت کو مستلزم ہو۔ پھر جب مخلصین کے اعمال کے کامل ہونے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی حمد کمال کو پہنچ جائے تو اللہ تعالیٰ احمد بن جاتا ہے اور بندہ محمد بن جاتا ہے۔ پس پاک ہے اللہ جو سب سے پہلا محمد اور سب سے پہلا احمد ہے۔ اور اُس وقت وہ بندہ جو اپنے عمل میں مخلص ہو خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں محبوب بن جاتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے عرش سے اس کی تعریف کرتا ہے اور وہ کسی کی تعریف صرف اُسی وقت فرماتا ہے جب اُسے اُس سے محبت ہو جائے۔

فَحَاصِلُ الْكَلَامِ اَنَّ كَمَالَ الرَّحْمَانِيَّةِ يَجْعَلُ اللّٰهَ مُحَمَّدًا وَّمَحْبُوْبًا وَّيَجْعَلُ الْعَبْدَ أَحْمَدَ وَمُحِبًّا يَسْتَقْرِئُ مَطْلُوْبًا۔ وَّ كَمَالُ الرَّحِيْمِيَّةِ يَجْعَلُ اللّٰهَ أَحْمَدَ وَ مُحِبًّا وَّيَجْعَلُ الْعَبْدَ مُحَمَّدًا وَّ حِبًّا۔ وَّسَتَعْرِفُ مِنْ هٰذَا الْمَقَامِ شَأْنَ نَبِيِّنَا الْإِمَامِ الْهُمَامِ۔ فَإِنَّ اللّٰهَ سَمَّاهُ مُحَمَّدًا وَّأَحْمَدَ وَ مَا سَمّٰى بِهِمَا عِيْسٰى وَلَا كَلِيْمًا وَّ أَشْرَكَهُ فِيْ صِفَتَيْهِ الرَّحْمَانِ وَ الرَّحِيْمِ بِمَا كَانَ فَضْلُهُ عَلَيْهِ عَظِيْمًا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ صفتِ رحمانیت کا کمال اللہ تعالیٰ کو محمد اور محبوب بنا دیتا ہے اور بندہ کو احمد بنا دیتا ہے۔ اور ایسا محبّ جو ہر دم اپنے محبوب کی تلاش میں لگا رہتا ہے۔ صفتِ رحیمیت کا کمال اللہ تعالیٰ کو احمد (بندے کی تعریف کرنے والا) اور محبّ بناتا ہے اور بندہ کو محمد (قابلِ تعریف) اور محبوب بناتا ہے۔ اے مخاطب اس بیان سے تو ہمارے امام ہمام پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کو معلوم کر سکتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کا نام محمد اور احمد رکھا ہے اور یہ دونوں نام حضرت عیسیٰ اور حضرت موسیٰ کلیم اللہ کو نہیں دیئے اور خدا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی ان دو صفات رحمٰن اور رحیم

وَّمَا ذَكَرَ هَاتَيْنِ الصِّفَتَيْنِ فِي الْبَسْمَلَةِ إِلَّا لِيَعْرِفَ النَّاسُ أَنَّهُمَا لِلّٰهِ كَالْاِسْمِ الْأَعْظَمِ وَلِلنَّبِيِّ مِنْ حَضْرَتِهٖ كَالْخِلْعَةِ. فَسَمَّاهُ اللّٰهُ مُحَمَّدًا إِشَارَةً إِلٰى مَا فِيْهِ مِنْ صِفَةِ الْمَحْبُوْبِيَّةِ. وَسَمَّاهُ أَحْمَدَ إِيْمَاءً إِلٰى مَا فِيْهِ مِنْ صِفَةِ الْمُحِبِّيَّةِ. أَمَّا مُحَمَّدٌ فَلِأَجْلِ أَنَّ رَجُلًا لَا يَحْمَدُهُ الْحَامِدُوْنَ حَمْدًا كَثِيْرًا إِلَّا بَعْدَ أَنْ يَّكُوْنَ ذَالِكَ الرَّجُلُ مَحْبُوْبًا. وَ أَمَّا أَحْمَدُ فَلِأَجْلِ أَنَّ حَامِدًا لَا يَحْمَدُ أَحَدًا بِحَمْدٍ كَاثِرٍ إِلَّا الَّذِيْ يُحِبُّهٗ وَ يَجْعَلُهٗ مَطْلُوْبًا. فَلَا شَكَّ أَنَّ اسْمَ مُحَمَّدٍ يُوْجَدُ فِيْهِ مَعْنَى الْمَحْبُوْبِيَّةِ بِدَلَالَةِ الْاِلْتِزَامِ. وَ كَذَالِكَ يُوْجَدُ فِي اسْمِ أَحْمَدَ مَعْنَى الْمُحِبِّيَّةِ مِنَ اللّٰهِ ذِي الْأَفْضَالِ وَ الْإِنْعَامِ. وَ لَا رَيْبَ أَنَّ نَبِيَّنَا سُمِّيَ مُحَمَّدًا لَمَّا أَرَادَ اللّٰهُ أَنْ يَّجْعَلَهٗ مَحْبُوْبًا فِيْ أَعْيُنِهٖ وَ أَعْيُنِ الصَّالِحِيْنَ. وَ كَذَالِكَ سَمَّاهُ أَحْمَدَ لَمَّا أَرَادَ سُبْحَانَهٗ أَنْ يَّجْعَلَهٗ مُحِبَّ ذَاتِهٖ وَ مُحِبَّ الْمُؤْمِنِيْنَ الْمُسْلِمِيْنَ. فَهُوَ مُحَمَّدٌ بِشَأْنٍ وَ أَحْمَدُ بِشَأْنٍ وَّاخْتُصَّ أَحَدُ هٰذَيْنِ الْاِسْمَيْنِ بِزَمَانٍ وَّ الْاٰخَرُ بِزَمَانٍ -

میں (ظلّی طور پر) شریک کیا ہے کیونکہ آپ پر اس کا بڑا فضل تھا اور اُس نے ان دونوں صفات کو بسم اللہ میں صرف اِس لئے بیان کیا ہے تا لوگ سمجھ لیں کہ یہ دونوں صفتیں اللہ تعالیٰ کے لئے اسم اعظم کے طور پر ہیں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بارگاہِ ایزدی سے خلعت کے طور پر ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے آپ کا نام محمد رکھا تا کہ اُس سے آپ کی صفت محبوبیت کی طرف اشارہ کرے اور آپ کا نام احمد اس لئے رکھا کہ آپ کی صفتِ محبّیت کی طرف اشارہ ہو۔ محمد نام اِس لئے ہے کہ لوگ کسی شخص کی زیادہ تعریف تبھی کرتے ہیں جب وہ ان کے نزدیک محبوب ہو اور احمد نام اس لئے ہے کہ کوئی شخص کسی کی زیادہ تعریف نہیں کرتا بجز اُس شخص کے جس سے وہ محبت کرتا اور اُسے مطلوب بنا لیتا ہو۔ اور یہ بات ظاہر و باہر ہے کہ اسمِ محمد میں بدلالت التزامی محبوبیت کے معنے پائے جاتے ہیں اسی طرح اسمِ احمد میں خدا تعالیٰ صاحبِ فضل و انعام کی طرف سے معنے محبّیت پائے جاتے ہیں۔ پس بلاشبہ ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام اس لئے محمد رکھا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا تھا کہ آپ کو اپنی نگاہ میں بھی اور صالح لوگوں کی نظر میں بھی محبوب بنائے۔ اور ایسا ہی آپ کا نام احمد اس لئے رکھا کہ اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا تھا کہ آپ اللہ تعالیٰ کی ذات اور مومن مسلمانوں سے محبت کرنے والے ہوں۔ پس آپ ایک پہلو سے محمد ہیں اور ایک پہلو سے احمد ہیں۔ اور ان دونوں ناموں میں سے (ظہور کامل کے لحاظ سے) ایک نام کو ایک زمانہ سے مخصوص کیا گیا اور دوسرے نام کو دوسرے زمانہ سے۔

وَقَدْ أَشَارَ اِلَيْهِ سُبْحَانَهٗ فِيْ قَوْلِهٖ ''دَنَا فَتَدَلّٰى'' وَفِيْ ''قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى★''. ثُمَّ لَمَّا كَانَ يُظَنُّ أَنَّ اخْتِصَاصَ هٰذَا النَّبِيِّ الْمُطَاعِ السَّجَّادِ. بِهٰذِهِ الْمَحَامِدِ مِنْ رَّبِّ الْعِبَادِ. يَجُرُّ إِلَى الشِّرْكِ كَمَا عُبِدَ عِيْسٰى لِهٰذَا الْاِعْتِقَادِ. أَرَادَ اللّٰهُ أَنْ يُّوْرِثَهُمَا الْأُمَّةَ الْمَرْحُوْمَةَ عَلَى الطَّرِيْقَةِ الظِّلِّيَّةِ. لِيَكُوْنَا لِلْأُمَّةِ كَالْبَرَكَاتِ الْمُتَعَدِّيَّةِ. وَ لِيَزُوْلَ وَ هْمُ اشْتِرَاكِ عَبْدٍ خَاصٍّ فِي الصِّفَاتِ الْإِلٰهِيَّةِ. فَجَعَلَ الصَّحَابَةَ وَ مَنْ تَبِعَهُمْ مَظْهَرَ اسْمِ مُحَمَّدٍ بِالشُّؤُوْنِ الرَّحْمَانِيَّةِ الْجَلَالِيَّةِ. وَ جَعَلَ لَهُمْ غَلَبَةً وَّ نَصَرَهُمْ بِالْعِنَايَاتِ الْمُتَوَالِيَةِ. وَ جَعَلَ الْمَسِيْحَ الْمَوْعُوْدَ مَظْهَرَ اسْمِ أَحْمَدَ وَبَعَثَهٗ بِالشُّؤُوْنِ الرَّحِيْمِيَّةِ الْجَمَالِيَّةِ. وَ كَتَبَ فِيْ قَلْبِهِ الرَّحْمَةَ وَ التَّحَنُّنَ وَ هَذَّبَهٗ بِالْأَخْلَاقِ الْفَاضِلَةِ الْعَالِيَةِ. فَذَالِكَ هُوَ الْمَهْدِيُّ الْمَعْهُوْدُ الَّذِيْ فِيْهِ يَخْتَصِمُوْنَ. وَ قَدْ رَأَوُا الْاٰيَاتِ ثُمَّ لَا يَهْتَدُوْنَ وَ يُصِرُّوْنَ عَلَى الْبَاطِلِ وَ إِلَى الْحَقِّ لَا يَرْجِعُوْنَ. وَذَالِكَ هُوَ الْمَسِيْحُ الْمَوْعُوْدُ وَ لٰكِنَّهُمْ لَا يَعْرِفُوْنَ. وَ يَنْظُرُوْنَ إِلَيْهِ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ. فَإِنَّ

اور اللہ تعالیٰ نے آیت دَنَا فَتَدَلّٰى اور آیت قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى میں اسی (محبوبیت اور محبّیت کے مضمون) کی طرف اشارہ کیا ہے۔ پھر چونکہ یہ گمان پیدا ہو سکتا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو لوگوں کے مطاع اور اللہ تعالیٰ کے بہت عبادت گزار ہیں پروردگار عالم کا ان دو صفات سے متّصف کرنا لوگوں کو شرک کی طرف مائل کر سکتا ہے۔ جیسا کہ ایسے ہی اعتقاد کی بنا پر حضرت عیسیٰؑ کو معبود بنا لیا گیا۔ سو اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا کہ وہ اُمّت مرحومہ کو بھی (علیٰ حسبِ مراتب) ظلّی طور پر ان دونوں صفات کا وارث بنادے۔ تا یہ دونوں نام اُمّت کیلئے برکات جاریہ کا موجب بنیں اور تا صفاتِ الٰہیّہ میں کسی خاص بندہ کے شریک ہونے کا وہم بھی دور ہو جائے۔ پس اللہ تعالیٰ نے آپ کے صحابہ اور بعد آنے والے مسلمانوں کو رحمانی اور جلالی شان کی بنا پر اسم محمد کا مظہر بنایا اور انہیں غلبہ عطا فرمایا۔ اور متواتر عنایات سے ان کی مدد کی اور مسیح موعود کو اسم احمد کا مظہر بنایا اور اُسے رحیمی اور جمالی صفات کے ساتھ مبعوث فرمایا اور اس کے دل میں رحمت اور شفقت رکھ دی اور اُسے بلند اخلاقِ فاضلہ کے ساتھ آراستہ کیا۔ اور وہی مہدی معہود ہے جس کے بارے میں لوگ جھگڑتے ہیں اور جس کی صداقت کے نشانات دیکھ کر بھی سچائی کو قبول نہیں کرتے اور باطل پر اصرار کرتے ہیں اور حق کی طرف رجوع نہیں کرتے یہ وہی مسیح موعود ہے لیکن لوگ اسے نہیں پہچانتے اور ظاہری آنکھوں سے تو اسے دیکھتے ہیں لیکن بصیرت کی آنکھ

★ النجم: ۹،۱۰

اسْمَ عِيْسٰى وَ اسْمَ أَحْمَدَ مُتَّحِدَانِ فِي الْهُوِيَّةِ۔ وَ مُتَوَافِقَانِ فِي الطَّبِيْعَةِ۔ وَ يَدُلَّانِ عَلَى الْجَمَالِ وَتَرْكَ الْقِتَالَ مِنْ حَيْثُ الْكَيْفِيَّةِ۔ وَأَمَّا اسْمُ مُحَمَّدٍ فَهُوَ اسْمُ الْقَهْرِ وَالْجَلَالِ۔ وَكِلَاهُمَا لِلرَّحْمَانِ وَالرَّحِيْمِ كَالْأَظْلَالِ۔ أَلَا تَرٰى أَنَّ اسْمَ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْ هُوَ مَنْبَعٌ لِّلْحَقِيْقَةِ الْمُحَمَّدِيَّةِ يَقْتَضِي الْجَلَالَ كَمَا يَقْتَضِيْ شَأْنَ الْمَحْبُوْبِيَّةِ۔ وَ مِنْ رَحْمَانِيَّتِهٖ تَعَالٰى أَنَّهٗ سَخَّرَ كُلَّ حَيَوَانٍ لِلْإِنْسَانِ۔ مِنَ الْبَقَرِ وَ الْمَعْزِ وَالْجِمَالِ وَ الْبِغَالِ وَالضَّأْنِ۔ وَ إِنَّهٗ أَهْرَقَ دِمَآءً كَثِيْرَةً لِحِفْظِ نَفْسِ الْإِنْسَانِ۔ وَمَا هُوَ إِلَّا أَمْرٌ جَلَالِيٌّ وَّنَتِيْجَةُ رَحْمَانِيَّةِ الرَّحْمَانِ۔

فَثَبَتَ أَنَّ الرَّحْمَانِيَّةَ يَقْتَضِي الْقَهْرَ وَالْجَلَالَ۔ مَعَ ذَالِكَ هُوَ مِنَ الْمَحْبُوْبِ لُطْفٌ لِّمَنْ أَرَادَ لَهُ النَّوَالَ۔ وَ كَمْ مِّنْ دُوْدِ الْمِيَاهِ وَ الْأَهْوِيَةِ تُقْتَلُ لِلْإِنْسَانِ۔ وَ كَمْ مِّنَ الْأَنْعَامِ تُذْبَحُ لِلنَّاسِ إِنْعَامًا مِنَ الرَّحْمَانِ۔ فَخُلَاصَةُ الْكَلَامِ أَنَّ الصَّحَابَةَ كَانُوْا مَظَاهِرَ لِلْحَقِيْقَةِ الْمُحَمَّدِيَّةِ الْجَلَالِيَّةِ۔ وَ لِذَالِكَ قَتَلُوْا قَوْمًا كَانُوْا كَالسِّبَاعِ وَ نَعَمِ الْبَادِيَةِ۔ لِيُخَلِّصُوْا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ مِنْ سِجْنِ الضَّلَالَةِ وَ الْغَوَايَةِ۔ وَ يَجُرُّوْهُمْ

سے نہیں دیکھتے کیونکہ اسمِ عیسیٰ اور اسم احمد اپنی ماہیت میں ایک ہی ہیں اور طبیعت کے لحاظ سے ایک دوسرے سے مطابقت رکھتے ہیں اور اپنی کیفیت کے لحاظ سے یہ نام جمال اور ترکِ قتال پر دلالت کرتے ہیں لیکن اسمِ محمد قہر اور جلال کا نام ہے اور یہ ہر دو نام محمد اور احمد رحمٰن و رحیم کے لئے بطور ظِلّ کے ہیں۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ رحمٰن نام جو حقیقتِ محمدیہ کا منبع ہے۔ جلال کا ویسے ہی تقاضا کرتا ہے جیسے کہ وہ شانِ محبوبیّت کو چاہتا ہے اور یہ امر اللہ تعالیٰ کی رحمانیت ہے کہ اس نے انسان کے لئے گائیوں، بکریوں، اونٹوں، خچروں، بھیڑوں اور دوسرے تمام جانوروں کو مسخّر کر دیا۔ اور انسانی جان کی حفاظت کے لئے بہت سے خون گرانے روا رکھے۔ یہ امر صرف ایک جلالی معاملہ اور خدائے رحمٰن کی رحمانیت کا ہی نتیجہ ہے۔

پس ثابت ہوا کہ رحمانیت قہر اور جلال کا تقاضا کرتی ہے اور اس کے ساتھ ہی یہ محبوب کی طرف سے اُس شخص کے لئے جس پر وہ نوازش کرنا چاہے مہربانی بن جاتی ہے۔ (دیکھو) پانی اور ہوا کے بہت سے کیڑے انسان کی خاطر مار دیئے جاتے ہیں بہت سے چوپائے انسان کے لئے خدائے رحمٰن کی طرف سے بطور انعام ذبح کئے جاتے ہیں۔ پس خلاصہ کلام یہ ہے کہ صحابہ کرام حقیقتِ محمدیہ جلالیہ کے مظاہر تھے اِسی لئے انہیں ان لوگوں کو قتل کرنا پڑا جو درندوں اور جنگلی چوپایوں کی طرح تھے تا کہ دوسرے لوگوں کو گمراہی اور کجروی کے قید خانہ سے نجات

إِلَى الصِّلَاحِ وَالْهِدَايَةِ. وَقَدْ عَرَفْتَ أَنَّ الْحَقِيْقَةَ الْمُحَمَّدِيَّةَ هُوَ مَظْهَرُ الْحَقِيْقَةِ الرَّحْمَانِيّةِ. وَلَا مُنَافَاةَ بَيْنَ الْجَلَالِ وَهٰذِهِ الصِّفَةِ الْإِحْسَانِيَّةِ. بَلِ الرَّحْمَانِيَّةُ مَظْهَرٌ تَآمٌّ لِّلْجَلَالِ وَ السَّطْوَةِ الرَّبَّانِيَّةِ. وَ هَلْ حَقِيْقَةُ الرَّحْمَانِيَّةِ إِلَّا قَتْلُ الَّذِيْ هُوَ أَدْنٰى لِلَّذِيْ هُوَ أَعْلٰى. وَ كَذَالِكَ جَرَتْ عَادَةُ الرَّحْمٰنِ مُذْ خَلَقَ الْإِنْسَانَ وَ مَا وَرَآئَهٗ مِنَ الْوَرٰى. أَ لَا تَرٰى كَيْفَ تُقْتَلُ دُوْدُ جُرْحِ الْإِبِلِ لِحِفْظِ نُفُوْسِ الْجِمَالِ. وَتُقْتَلُ الْجِمَالُ لِيَنْتَفِعَ النَّاسُ مِنْ لُحُوْمِهَا وَجُلُوْدِهَا. وَ يَتَّخِذُوْا مِنْ أَوْبَارِهَا ثِيَابَ الزِّيْنَةِ وَالْجَمَالِ. وَهٰذِهٖ كُلُّهَا مِنَ الرَّحْمَانِيَّةِ لِحِفْظِ سِلْسِلَةِ الْإِنْسَانِيَّةِ وَ الْحَيَوَانِيَّةِ. فَكَمَا أَنَّ الرَّحْمَانَ مَحْبُوْبٌ كَذَالِكَ هُوَ مَظْهَرُ الْجَلَالِ. وَ كَمِثْلِهِ اسْمُ مُحَمَّدٍ فِيْ هٰذَا الْكَمَالِ. ثُمَّ لَمَّا وَرِثَ الْأَصْحَابُ اسْمَ مُحَمَّدٍ مِّنَ اللهِ الْوَهَّابِ. وَ أَظْهَرُوْا جَلَالَ اللهِ وَقَتَلُوا الظَّالِمِيْنَ كَالْأَنْعَامِ وَ الدَّوَآبِّ. كَذَالِكَ وَرِثَ الْمَسِيْحُ الْمَوْعُوْدُ اسْمَ أَحْمَدَ الَّذِيْ هُوَ مَظْهَرُ الرَّحِيْمِيَّةِ وَالْجَمَالِ. وَاخْتَارَ لَهُ اللهُ هٰذَا

دے کر صلاح و ہدایت کی طرف لے آئیں۔ آپ جان چکے ہیں کہ حقیقتِ محمدیہ حقیقتِ رحمانیہ کی مظہر ہے۔ اور جلال اور اس صفت احسان کے درمیان کوئی مغایرت نہیں بلکہ صفتِ رحمانیت جلال اور ربّانی دبدبہ کی مظہر کامل ہے۔ صفتِ رحمانیت کی حقیقت اس کے سوا کچھ بھی نہیں کہ ادنیٰ کو اعلیٰ کے لئے قربان کیا جائے۔ انسان اور اس کے علاوہ دوسری مخلوق کی پیدائش کے وقت سے خدائے رحمٰن کی یہی سنّت جاری ہے۔ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ اُونٹوں کی جانوں کی حفاظت کے لئے ان کے زخموں کے کیڑے کس طرح ہلاک کئے جاتے ہیں اور اونٹوں کو اس لئے ذبح کیا جاتا ہے تا لوگ ان کے گوشت اور چمڑوں سے فائدہ اُٹھائیں اور زیب و زینت کے لئے ان کے بالوں سے لباس بنائیں۔ یہ سب کچھ نوع انسان اور جنسِ حیوان کی حفاظت کے لئے صفتِ رحمانیت کے ذریعہ ہی کیا جا رہا ہے۔ پس جس طرح رحمٰن محبوب ہے ویسے ہی وہ مظہر جلال بھی ہے اور اس وصف میں اسم محمد بھی اسی صفتِ رحمانیت کی مانند ہے پھر جب صحابہ کرام خدائے بخشندہ کی طرف سے اسم محمد کے وارث ہوئے اور انہوں نے جلال الٰہی کو ظاہر کیا اور ظالموں کو چوپایوں اور مویشیوں کی طرح قتل کیا اسی طرح مسیح موعود اسم احمد کا وارث ہوا جو مظہر رحیمیت و جمال ہے اور اللہ تعالیٰ نے یہ نام اس کے لئے اور اس کے متبعین کے لئے جو اس کی آل کی طرح بن گئے اختیار کیا۔ پس مسیح موعود اپنی جماعت

الْاِسْمَ وَلِمَنْ تَبِعَهٗ وَصَارَ لَهٗ كَالْاٰلِ۔ فَالْمَسِيْحُ الْمَوْعُوْدُ مَعَ جَمَاعَتِهٖ مَظْهَرٌ مِّنَ اللّٰهِ لِصِفَةِ الرَّحِيْمِيَّةِ وَالْأَحْمَدِيَّةِ۔ لِيَتِمَّ قَوْلُهٗ ''وَ اٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ★''۔ وَلَا رَادَّ لِلْإِرَادَاتِ الرَّبَّانِيَّةِ۔ وَ لِيَتِمَّ حَقِيْقَةُ الْمَظَاهِرِ النَّبَوِيَّةِ۔ وَهٰذَا هُوَ وَجْهُ تَخْصِيْصِ صِفَةِ الرَّحْمَانِيَّةِ وَالرَّحِيْمِيَّةِ بِالْبَسْمَلَةِ۔ لِيَدُلَّ عَلَى اسْمَيْ مُحَمَّدٍ وَأَحْمَدَ وَ مَظَاهِرِهِمَا الْاٰتِيَةِ۔ أَعْنِي الصَّحَابَةَ وَمَسِيْحَ اللّٰهِ الَّذِيْ كَانَ اٰتِيًا فِيْ حُلَلِ الرَّحِيْمِيَّةِ وَ الْأَحْمَدِيَّةِ۔ ثُمَّ نُكَرِّرُ خُلَاصَةَ الْكَلَامِ فِيْ تَفْسِيْرِ ''بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ''۔

فَاعْلَمْ أَنَّ اسْمَ اللّٰهِ اسْمٌ جَامِدٌ لَّا يَعْلَمُ مَعْنَاهُ إِلَّا الْخَبِيْرُ الْعَلِيْمُ۔ وَ قَدْ أَخْبَرَ عَزَّ اسْمُهٗ بِحَقِيْقَةِ هٰذَا الْاِسْمِ فِيْ هٰذِهِ الْاٰيَةِ۔ وَأَشَارَ إِلٰى أَنَّهٗ ذَاتٌ مُّتَّصِفَةٌ بِالرَّحْمَانِيَّةِ وَالرَّحِيْمِيَّةِ۔ أَيْ مُتَّصِفَةٌ بِرَحْمَةِ الْاِمْتِنَانِ۔ وَ رَحْمَةٍ مُّقَيَّدَةٍ بِالْحَالَةِ الْإِيْمَانِيَّةِ۔ وَ هَاتَانِ رَحْمَتَانِ كَمَآءٍ أَصْفٰى وَغِذَآءٍ أَحْلٰى مِنْ مَّنْبَعِ الرُّبُوْبِيَّةِ وَ كُلُّ مَا هُوَ دُوْنَهُمَا مِنْ صِفَاتٍ فَهُوَ كَشُعَبٍ لِهٰذِهِ الصِّفَاتِ۔ وَ الْأَصْلُ رَحْمَانِيَّةٌ وَّ رَحِيْمِيَّةٌ وَّ

سمیت اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی صفتِ رحیمیت اور احمدیت کا مظہر ہے۔ تا خدا کا قول ''وَ اٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ'' (الجمعۃ: ۴) پورا ہو (یعنی صحابہ جیسی ایک اور قوم بھی ہے جو ابھی ان سے نہیں ملی) اور الٰہی ارادوں کو پورا ہونے سے کوئی نہیں روک سکتا۔ نیز رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے مظاہر پیدا ہونے کی حقیقت پوری طرح واضح ہو جائے۔ صفتِ رحمانیت و رحیمیت کو بسم اللہ کے ساتھ وابستہ کرنے کی یہی وجہ ہے تا وہ محمد و احمد دونوں ناموں پر اور ان دونوں کے آئندہ آنے والے مظاہر پر دلالت کرے یعنی صحابہ اور مسیح موعود پر جو رحیمیت اور احمدیت کے لباس میں آنے والے تھے۔ اب ہم بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کی تفسیر کا خلاصہ دوبارہ بیان کرتے ہیں۔

پس واضح ہو کہ اللہ کا لفظ اسم جامد ہے اور اس کے معنے سوائے خدائے خبیر و علیم کے اور کوئی نہیں جانتا۔ اور اللہ تعالیٰ عزّ اسمہٗ نے اس آیت میں اس اسم کی حقیقت بتائی ہے اور اشارہ کیا ہے کہ اللہ اس ذات کا نام ہے جو رحمانیت اور رحیمیت کی صفات سے متّصف ہے یعنی (بلا استحقاق) احسان والی رحمت اور ایمانی حالت سے وابستہ رحمت ہر دو رحمتوں سے (وہ ذات) متّصف ہے۔ یہ دونوں رحمتیں صاف پانی اور شیریں غذا کی مانند ہیں جو ربوبیت کے چشمہ سے نکلتی ہیں اور ان دونوں کے علاوہ باقی تمام صفات ان دو صفات کے لئے بمنزلہ شاخوں کے

★الجمعۃ: ۴

هُمَا مَظْهَرُ سِرِّ الذَّاتِ۔ ثُمَّ أُعْطِیَ مِنْهُمَا نَصِیْبٌ کَامِلٌ لِّنَبِیِّنَا إِمَامِ النَّهْجِ الْقَوِیْمِ۔ فَجُعِلَ اسْمُهٗ مُحَمَّدًا ظِلَّ الرَّحْمٰنِ وَ اسْمُهٗ أَحْمَدَ ظِلَّ الرَّحِیْمِ۔ وَالسِّرُّ فِیْهِ أَنَّ الْإِنْسَانَ الْكَامِلَ لَا یَكُوْنُ كَامِلاً إِلَّا بَعْدَ التَّخَلُّقِ بِالْأَخْلَاقِ الْإِلٰهِیَّةِ وَ صِفَاتِ الرُّبُوْبِیَّةِ۔ وَقَدْ عَلِمْتَ أَنَّ أَمْرَ الصِّفَاتِ كُلِّهَا تَؤُوْلُ إِلَى الرَّحْمَتَیْنِ اللَّتَیْنِ سَمَّیْنَاهُمَا بِالرَّحْمَانِیَّةِ وَ الرَّحِیْمِیَّةِ۔ وَ عَلِمْتَ أَنَّ الرَّحْمَانِیَّةَ رَحْمَةٌ مُّطْلَقَةٌ عَلٰی سَبِیْلِ الْاِمْتِنَانِ۔ وَیَرِدُ فَیْضَانُهَا عَلٰی كُلِّ مُؤْمِنٍ وَّكَافِرٍ بَلْ كُلِّ نَوْعِ الْحَیَوَانِ۔ وَ أَمَّا الرَّحِیْمِیَّةُ فَهِیَ رَحْمَةٌ وُّجُوْبِیَّةٌ مِّنَ اللهِ أَحْسَنِ الْخَالِقِیْنَ۔ وَجَبَتْ لِلْمُؤْمِنِیْنَ خَاصَّةً مِّنْ دُوْنِ حَیَوَانَاتٍ أُخْرٰی وَ الْكَافِرِیْنَ۔ فَلَزِمَ أَنْ یَّكُوْنَ الْإِنْسَانُ الْكَامِلُ أَعْنِیْ مُحَمَّدًا مَظْهَرَ هَاتَیْنِ الصِّفَتَیْنِ۔ فَلِذٰلِكَ سُمِّیَ مُحَمَّدًا وَّ أَحْمَدَ مِنْ رَّبِّ الْكَوْنَیْنِ۔ وَ قَالَ اللهُ فِیْ شَأْنِهٖ۔ ''لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْكُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ''★۔

ہیں اور اصل رحمانیت اور رحیمیت ہی ہے اور یہ دونوں صفات ذاتِ الٰہی کے بھید کی مظہر ہیں۔ پھر ان دونوں صفات سے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو صراط مستقیم کے امام ہیں کامل حصّہ عطا کیا گیا۔ پس آپ کا نام محمد بطور رحمان کے ظِلّ کے اور احمد نام بطور رحیم کے ظِلّ کے رکھا گیا۔ اور اس میں یہ راز ہے کہ کامل انسان الٰہی اخلاق اور ربّانی صفات کے رنگ میں رنگین ہونے کے بعد ہی کامل ہوتا ہے اور آپ جان چکے ہیں کہ تمام صفات کا مآل یہی دو رحمتیں ہیں۔ جن کا نام ہم نے رحمانیت اور رحیمیت رکھا ہے۔ پھر آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ رحمانیت ایک عام رحمت ہے جو بطور احسان ہوتی ہے اور اس کا فیضان ہر مومن، کافر بلکہ ہر نوع حیوان کو پہنچتا ہے لیکن رحیمیت خدائے أَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ کی طرف سے ایک رحمت ہے جو جانوروں اور کافروں کے علاوہ بالضرور صرف مومنوں سے مختص ہے۔ پس لازم ہوا کہ انسان کامل یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں صفات کے مظہر ہوتے۔ اسی لئے پروردگار عالم کی طرف سے آپ کا نام محمد اور احمد رکھا گیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی شان میں فرماتا ہے:۔ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْكُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ★۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے عَزِیْزٌ اور حَرِیْصٌ کے الفاظ میں اس طرف اشارہ کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ کے فضل عظیم

★ التوبۃ:۱۲۸۔ ترجمہ (اے مومنو!) تمہارے پاس تمہاری ہی قوم کا ایک فرد رسول ہو کر آیا ہے۔ تمہارا تکلیف میں پڑنا اس پر شاقّ گزرتا ہے اور وہ تمہارے لیے خیر کا بھوکا ہے اور مومنوں کے ساتھ بہت محبت کرنے والا اور کرم کرنے والا ہے۔

فَأَشَارَ اللّٰهُ فِيْ قَوْلِهٖ ''عَزِيزٌ ''وَ فِيْ قَوْلِهٖ ''حَرِيصٌ'' إِلٰى أَنَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَظْهَرُ صِفَتِهِ الرَّحْمَانِ بِفَضْلِهِ الْعَظِيْمِ۔ لِأَنَّهٗ رَحْمَةٌ لِّلْعَالَمِيْنَ كُلِّهِمْ وَ لِنَوْعِ الْإِنْسَانِ وَ الْحَيَوَانِ وَأَهْلِ الْكُفْرِ وَ الْإِيْمَانِ۔ ثُمَّ قَالَ ''بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ''۔ فَجَعَلَهٗ رَحْمَانًا وَّ رَحِيْمًا كَمَا لَا يَخْفٰى عَلَى الْفَهِيْمِ۔ وَحَمِدَهٗ وَعَزَا إِلَيْهِ خُلُقًا عَظِيْمًا مِّنَ التَّفْخِيْمِ وَالتَّكْرِيْمِ۔ كَمَا جَآءَ فِي الْقُرْاٰنِ الْكَرِيْمِ۔ وَإِنْ سَأَلْتَ مَا خُلُقُهُ الْعَظِيْمُ فَنَقُوْلُ إِنَّهٗ رَحْمَانٌ وَّ رَحِيْمٌ۔ وَّمُنِحَ هُوَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ هٰذَيْنِ النُّوْرَيْنِ وَاٰدَمُ بَيْنَ الْمَآءِ وَ الطِّيْنِ۔ وَكَانَ هُوَ نَبِيًّا وَّ مَا كَانَ لِاٰدَمَ أَثَرٌ مِّنَ الْوُجُوْدِ وَلَا مِنَ الْأَدِيْمِ۔ وَكَانَ اللّٰهُ نُوْرًا فَقَضٰى أَنْ يَّخْلُقَ نُوْرًا فَخَلَقَ مُحَمَّدًا الَّذِيْ هُوَ كَدُرٍّ يَّتِيْمٍ۔ وَّ أَشْرَكَ اسْمَيْهِ فِيْ صِفَتَيْهِ فَفَاقَ كُلَّ مَنْ أَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ وَّ إِنَّهُمَا يَتَلَأْلَاٰنِ فِيْ تَعْلِيْمِ الْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ۔ وَإِنَّ نَبِيَّنَا مُرَكَّبٌ مِّنْ نُّوْرِ مُوْسٰى وَنُوْرِ عِيْسٰى كَمَاهُوَ مُرَكَّبٌ مِّنْ صِفَتَيْ رَبِّنَا الْأَعْلٰى فَاقْتَضَى التَّرْكِيْبُ أَنْ يُّعْطٰى لَهٗ هٰذَا الْمَقَامُ

سے اس کی صفتِ رحمان کے مظہر ہیں کیونکہ آپ کا وجود مبارک سب جہانوں کے لئے رحمت ہے۔ بنی نوع انسان، حیوانات، کافروں، مومنوں سبھی کے لئے۔ پھر فرمایا ''بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ'' اوراس میں آپ کو رحمان اور رحیم کے نام دیئے جیسا کہ کسی سمجھدار شخص سے پوشیدہ نہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی تعریف کی اور عظمت اورعزت کی وجہ سے آپ کو خُلُقٍ عَظِيْمٍ★ پرقرار دیا جیسا کہ قرآن کریم میں آیا ہے۔ اگر آپ سوال کریں کہ آپ کا خلق عظیم کیا تھا تو ہم کہتے ہیں وہ رحمان اور رحیم ہیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ دونوں نور اس وقت عطا کئے گئے تھے جبکہ آدمؑ ابھی پانی اور مٹی کے درمیان تھا۔ اور آپ اس وقت بھی نبی تھے جبکہ حضرت آدم علیہ السلام کے گوشت پوست کا نام ونشان بھی نہ تھا۔ چونکہ اللہ تعالیٰ خود نور ہے اس نے اور نور بھی پیدا کرنے کا فیصلہ کیا۔ تب اُس نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا کیا جو درِّ یتیم (یکتا موتی) کی طرح ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے دونوں ناموں محمد اور احمد کو اپنی دونوں صفات رحمٰن ورحیم میں (ظلّی طور پر) شریک کیا۔ پس آپ ہر اس شخص پر سبقت لے گئے جو قلبِ سلیم لے کر درگاہِ الٰہی میں حاضر ہوا۔ اور آپ کے یہ دونوں نام قرآن حکیم کی تعلیم میں درخشندہ ہیں اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت موسیٰ کے نور اور حضرت عیسیٰ کے نور کے مرکب ہیں جیسا کہ آپ اللہ جلّ شانہٗ کی دونوں صفات سے ترکیب یافتہ ہیں۔ پس اسی ترکیب

★القلم:۵

الْغَرِيْبُ. فَلِأَجْلِ ذَالِكَ سَمَّاهُ اللهُ مُحَمَّدًا وَّأَحْمَدَ. فَإِنَّهٗ وَرِثَ نُوْرَ الْجَلَالِ وَ الْجَمَالِ وَ بِهٖ تَفَرَّدَ. وَ إِنَّهٗ أُعْطِيَ شَأْنَ الْمَحْبُوْبِيْنَ وَ جَنَانَ الْمُحِبِّيْنَ. كَمَا هُوَ مِنْ صِفَتَيْ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ. فَهُوَ خَيْرُ الْمَحْمُوْدِيْنَ وَ خَيْرُ الْحَامِدِيْنَ. وَ أَشْرَكَهُ اللهُ فِيْ صِفَتَيْهِ وَ أَعْطَاهُ حَظًّا كَثِيْرًا مِّنْ رَّحْمَتَيْهِ. وَسَقَاهُ مِنْ عَيْنَيْهِ. وَ خَلَقَهٗ بِيَدَيْهِ. فَصَارَ كَقَارُوْرَةٍ فِيْهَا رَاحٌ. أَوْ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ. وَّكَمِثْلِ صِفَتَيْهِ أَنْزَلَ عَلَيْهِ الْفُرْقَانَ. وَ جَمَعَ فِيْهِ الْجَلَالَ وَ الْجَمَالَ وَ رَكَّبَ الْبَيَانَ. وَ جَعَلَهٗ سُلَالَةَ التَّوْرَاةِ وَ الْإِنْجِيْلِ. وَ مِرْاٰةً لِّرُؤْيَةِ وَجْهِهِ الْجَلِيْلِ وَالْجَمِيْلِ. ثُمَّ أَعْطَى الْأُمَّةَ نَصِيْبًا مِّنْ كَأْسِ هٰذَاالْكَرِيْمِ. وَ عَلَّمَهُمْ مِنْ أَنْفَاسِ هٰذَا الْمُتَعَلِّمِ مِنَ الْعَلِيْمِ. فَشَرِبَ بَعْضُهُمْ مِّنْ عَيْنِ اسْمِ مُحَمَّدٍ الَّتِيْ انْفَجَرَتْ مِنْ صِفَةِ الرَّحْمَانِيَّةِ. وَ بَعْضُهُمُ اغْتَرَفُوْا مِنْ يَّنْبُوْعِ اسْمِ أَحْمَدَ الَّذِيْ اشْتَمَلَ عَلَى الْحَقِيْقَةِ

کا تقاضا تھا کہ آپ کو یہ یگانہ مقام عطا ہو۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے آپ کا نام محمد بھی رکھا اور احمد بھی تو آپ خدا تعالیٰ کے جمالی نُور اور جلالی نُور کے وارث بنے اور اس شان میں آپ منفرد ہیں اور آپ کو محبوبیت کی شان اور محبّوں والا دل بھی عطا کیا گیا۔ جیسا کہ محبوبیت اور محبّیت ربّ العالمین کی صفات میں سے ہیں۔ پس آپ بہترین محمود اور بہترین حامد ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی ان دونوں صفات میں (ظلّی طور پر) شریک کیا ہے اور اپنی ان دونوں رحمتوں سے آپ کو حِصّہ وافر عطا فرمایا ہے اور اپنے ان دونوں چشموں سے آپ کو سیراب کیا ہے اور اپنے دونوں ہاتھوں سے آپ کو پیدا کیا ہے (یعنی دستِ جمال و جلال سے) پس آپ اس شیشہ کی طرح ہو گئے جس میں (محبتِ الٰہی کی) شراب ہے یا اس طاق کی مانند جس میں ایک عظیم الشان چراغ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنی ان دونوں صفتوں کی طرح آپ پر قرآن کریم نازل فرمایا اور اس میں جلال و جمال ہر دو کو جمع کیا اور اس کے بیان کو ان ہر دو صفات سے مرکب کیا اور اس میں توریت اور انجیل ہر دو (کی تعلیم) کا خلاصہ رکھ دیا۔ اور اللہ تعالیٰ صاحبِ جلال و جمال کا چہرہ دیکھنے کے لئے قرآن کو آئینہ بنایا اور پھر اُمّت کو بھی اس قرآن کریم کے پیالہ سے حِصّہ عطا فرمایا۔ اور خدائے علیم کے اس عظیم شاگرد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انفاسِ قدسیہ سے انہیں تعلیم دی۔ پس ان میں سے بعض نے اسمِ محمد کے چشمہ سے پانی پیا جو چشمہ کہ صفتِ رحمانیت سے پھوٹا ہے اور بعض نے اسمِ احمد

الرَّحِيْمِيَّةِ۔ وَكَانَ قَدَرًا مُقَدَّرًا مِّنَ الْاِبْتِدَاءِ وَ وَعْدًا مَّوْقُوْتًا جَارِيًا عَلٰى أَلْسُنِ الْاَنْبِيَآءِ ۔اِنَّ اسْمَ أَحْمَدَ لَا تَتَجَلّٰى بِتَجَلٍّ تَآمٍّ فِيْ أَحَدٍ مِّنَ الْوَارِثِيْنَ۔ إِلَّا فِي الْمَسِيْحِ الْمَوْعُوْدِ الَّذِيْ يَأْتِي اللّٰهُ بِهٖ عِنْدَ طُلُوْعِ يَوْمِ الدِّيْنِ۔ وَحَشْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ وَيَرَى اللّٰهُ الْمُسْلِمِيْنَ كَالضُّعَفَآءِ۔ وَالْإِسْلَامَ كَصَبِيٍّ نُّبِذَ بِالْعَرَآءِ۔ فَيَفْعَلُ لَهُمْ أَفْعَالًا مِّنْ لَّدُنْهُ وَيَنْزِلُ لَهُمْ مِّنَ السَّمَآءِ۔ فَهُنَاكَ تَكُوْنُ لَهُ السَّلْطَنَةُ فِي الْأَرْضِ كَمَا هِيَ فِي الْأَفْلَاكِ۔ وَتَهْلِكُ الْأَبَاطِيْلُ مِنْ غَيْرِ ضَرْبِ الْأَعْنَاقِ وَ تَنْقَطِعُ الْأَسْبَابُ كُلُّهَاوَ تُرْجَعُ الْأُمُوْرُ إِلٰى مَالِكِ الْأَمْلَاكِ۔ وَعْدٌ مِّنَ اللّٰهِ حَقٌّ كَمِثْلِ وَعْدٍ تَمَّ فِيْ اٰخِرِ زَمَنِ بَنِيْ إِسْرَآئِيْلَ۔ إِذْ بُعِثَ فِيْهِمْ عِيْسَى بْنُ مَرْيَمَ فَأَشَاعَ الدِّيْنَ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَّقْتُلَ مَنْ عَصَى الرَّبَّ الْجَلِيْلَ۔ وَكَانَ فِيْ قَدَرِ اللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَلِيْمِ۔ أَنْ يَّجْعَلَ اٰخِرَ هٰذِهِ السِّلْسِلَةِ كَاٰخِرِ خُلَفَآءِ الْكَلِيْمِ۔ فَلِأَجْلِ ذَالِكَ جَعَلَ خَاتِمَةَ أَمْرِهَا

کے چشمہ سے پیا جو حقیقت رحیمیت پر مشتمل ہے۔ اور ابتدا سے یہی الٰہی تقدیر اور مقرر وعدہ تھا۔ جو انبیاء کی زبانوں پر جاری تھا کہ صفت احمد کی کامل تجلی اس کے وارثوں میں سے مسیح موعود کے سوا کسی پر نہ ہوگی جسے اللہ تعالیٰ (اس دنیا میں) جزا سزا کا دن طلوع ہونے اور مومنوں کے جمع کئے جانے کے وقت مبعوث فرمائے گا★۔ اس دن اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو کمزور اور اسلام کو اس بچے کی طرح پائے گا جسے جنگل میں پھینک دیا گیا ہو۔ تب ان کے لئے اپنے ہاں سے بہت سے کام بروئے کار لائے گا اور ان کی خاطر خود آسمان سے اُتر آئے گا۔ اس وقت زمین پر بھی ویسے ہی اس کی (روحانی) بادشاہت قائم ہو جائے گی جیسا کہ آسمانوں پر ہے (لوگوں کی) گردنیں اڑائے بغیر تمام باطل مٹ جائیں گے اور (کفر کے) سب ذرائع کٹ جائیں گے۔ اور تمام امور بادشاہوں کے بادشاہ (خدا تعالیٰ) کی طرف لوٹائے جائیں گے۔ یہ اللہ کا سچا وعدہ اسی وعدہ کی مانند ہے جو بنی اسرائیل کے آخری زمانہ میں پورا ہوا جب ان میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے اور آپ نے خدا تعالیٰ کے نافرمانوں کو قتل کئے بغیر دین کی اشاعت کی۔ عالم الغیب اور عالی مرتبہ خداوند کی تقدیر میں یہی تھا کہ وہ اس اُمّت محمدیہ کے سلسلہ کے آخری حصّہ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلفاء کے آخری حصّہ کی طرح بنائے اس لئے اس (اُمّت) کے انجام کو انسانی مددگاروں

★ یہاں زمانہ مسیح موعود کو یوم حشر قرار دیا گیا ہے۔ (مترجم)

مُسْتَغْنِيَةً مِّنْ نَصْرِ النَّاصِرِيْنَ۔ وَمَظْهَرًا لِحَقِيْقَةِ مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ۔ كَمَا يَأْتِيْ تَفْسِيْرُهٗ بَعْدَ حِيْنٍ۔

وَمِنْ تَتِمَّةِ هٰذَا الْكَلَامِ۔ أَنَّ نَبِيَّنَا خَيْرَ الْاَنَامِ لَمَّا كَانَ خَاتَمَ الْاَنْبِيَآءِ وَ اَصْفَى الْأَصْفِيَآءِ۔ وَ أَحَبَّ النَّاسِ إِلٰى حَضْرَةِ الْكِبْرِيَآءِ۔ أَرَادَ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ أَنْ يَّجْمَعَ فِيْهِ صِفَتَيْهِ الْعَظِيْمَتَيْنِ عَلَى الطَّرِيْقَةِ الظِّلِّيَّةِ۔ فَوَهَبَ لَهُ اسْمَ مُحَمَّدٍ وَّ اَحْمَدَ لِيَكُوْنَا كَالظِّلَّيْنِ لِلرَّحْمَانِيَّةِ وَ الرَّحِيْمِيَّةِ۔ وَ لِذَالِكَ أَشَارَ فِيْ قَوْلِهٖ۔ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ إِلٰى أَنَّ الْعَابِدَ الْكَامِلَ يُعْطٰى لَهٗ صِفَاتُ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔ بَعْدَ أَنْ يَّكُوْنَ مِنَ الْعَابِدِيْنَ الْفَانِيْنَ۔ وَ قَدْ عَلِمْتَ أَنَّ كُلَّ كَمَالٍ مِّنْ كَمَالَاتِ الْأَخْلَاقِ الْإِلٰهِيَّةِ۔ مُنْحَصِرٌ فِيْ كَوْنِهٖ رَحْمَانًا وَّ رَحِيْمًا وَّ لِذَالِكَ خَصَّهُمَا اللّٰهُ بِالْبَسْمَلَةِ۔ وَعَلِمْتَ أَنَّ اسْمَ مُحَمَّدٍ وَّ أَحْمَدَ قَدْ أُقِيْمَا مَقَامَ الرَّحْمٰنِ وَالرَّحِيْمِ۔ وَ أُوْدِعَهُمَا كُلُّ كَمَالٍ كَانَ مَخْفِيًّا فِيْ هَاتَيْنِ الصِّفَتَيْنِ مِنَ اللّٰهِ الْعَلِيْمِ الْحَكِيْمِ۔ فَلَا شَكَّ أَنَّ اللّٰهَ جَعَلَ هٰذَيْنِ الْاِسْمَيْنِ ظِلَّيْنِ لِصِفَتَيْهِ۔ وَمَظْهَرَيْنِ لِسِيْرَتَيْهِ لِيُرِيَ حَقِيْقَةَ الرَّحْمَانِيَّةِ وَ الرَّحِيْمِيَّةِ فِيْ مِرْاٰةٍ

کی مدد سے مستغنی رکھا اور اُسے ''مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ'' کی حقیقت کے اظہار کا ذریعہ بنا دیا۔جیسا کہ آئندہ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کی تفسیر آ رہی ہے۔

اس کلام کا تتمہ یہ ہے کہ چونکہ ہمارے نبی خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء برگزیدوں کے برگزیدہ اور اللہ تعالیٰ کی جناب میں سب لوگوں سے زیادہ محبوب ہیں۔اس لئے اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا کہ ظلّی طور پر آپ میں اپنی یہ دونوں بڑی صفات جمع کردے۔پس آپ کو محمد اور احمد کے نام عطا کئے تا یہ دونوں نام صفتِ رحمانیت اور صفتِ رحیمیت کے لئے بمنزلہ ظلّ کے ہوں۔اسی لئے اس نے اپنے قول اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ میں اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ کامل عبادت گزار کو ربّ العالمین کی صفات عطا کی جاتی ہیں جبکہ وہ فنا فی اللہ عابدوں کے مقام تک پہنچ جائے۔اور آپ کو معلوم ہے کہ اخلاقِ الٰہیہ کا ہر کمال اللہ تعالیٰ کے رحمان و رحیم ہونے پر منحصر ہے۔اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان دونوں صفات کو بسم اللہ کے ساتھ مخصوص کر دیا۔اور آپ کو یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ محمد اور احمد نام "الرحمان، الرحیم" کے مظہر ہیں اور ہر کمال جو ان دونوں صفاتِ الٰہیہ میں مخفی تھا وہ علیم وحکیم خدا کی طرف سے (محمد اور احمد کے) دونوں ناموں میں ودیعت کر دیا گیا ہے پس بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں ناموں (محمد اور احمد) کو اپنی دونوں صفات کے ظِلّ اور اپنی دونوں سیرتوں کے مظہر ٹھہرایا ہے تا کہ رحمانیت اور رحیمیت کی حقیقت کو محمدیّت اور

الْمُحَمَّدِيَّةِ وَ الْأَحْمَدِيَّةِ. ثُمَّ لَمَّا كَانَ كُمَّلُ أُمَّتِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ مِنْ أَجْزَآئِهِ الرُّوْحَانِيَّةِ. وَ كَالْجَوَارِحِ لِلْحَقِيْقَةِ النَّبَوِيَّةِ. أَرَادَ اللّٰهُ لِإِبْقَآءِ اٰثَارِ هٰذَا النَّبِيِّ الْمَعْصُوْمِ. أَنْ يُّوَرِّثَهُمْ هٰذَيْنِ الْاِسْمَيْنِ كَمَا جَعَلَهُمْ وُرَثَآءَ الْعُلُوْمِ. فَأَدْخَلَ الصَّحَابَةَ تَحْتَ ظِلِّ اسْمِ مُحَمَّدٍ الَّذِيْ هُوَ مَظْهَرُ الْجَلَالِ. وَأَدْخَلَ الْمَسِيْحَ الْمَوْعُوْدَ تَحْتَ اسْمِ أَحْمَدَ الَّذِيْ هُوَ مَظْهَرُ الْجَمَالِ. وَمَا وَجَدَ هٰٓؤُلَآءِ هٰذِهِ الدَّوْلَةَ إِلَّا بِالظِّلِّيَّةِ. فَإِذَنْ مَّا ثَمَّ شَرِيْكٌ عَلَى الْحَقِيْقَةِ. وَكَانَ غَرَضُ اللّٰهِ مِنْ تَقْسِيْمِ هٰذَيْنِ الْاِسْمَيْنِ. أَنْ يُّفَرِّقَ بَيْنَ الْأُمَّةِ وَيَجْعَلَهُمْ فَرِيْقَيْنِ. فَجَعَلَ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ كَمِثْلِ مُوْسٰى مَظْهَرِ الْجَلَالِ. وَهُمْ صَحَابَةُ النَّبِيِّ الَّذِيْنَ تَصَدَّوْا أَنْفُسَهُمْ لِلْقِتَالِ. وَ جَعَلَ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ كَمِثْلِ عِيْسٰى مَظْهَرِ الْجَمَالِ. وَ جَعَلَ قُلُوْبَهُمْ لَيِّنَةً وَّأَوْدَعَ السِّلْمَ صُدُوْرَهُمْ وَ أَقَامَهُمْ عَلٰى أَحْسَنِ الْخِصَالِ. وَ هُوَالْمَسِيْحُ الْمَوْعُوْدُ وَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ مِنَ النِّسَآءِ وَ الرِّجَالِ. فَتَمَّ مَا قَالَ مُوْسٰى وَمَا فَاهَ بِكَلَامٍ عِيْسٰى وَتَمَّ وَعْدُ الرَّبِّ الْفَعَّالِ.

احمدیت کے آئینہ میں دکھائے۔ پھر جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمّت کے کامل افراد جو آنحضرت کی روحانیت کے اجزاء اور حقیقتِ نبویہ کے اعضاء کی طرح ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ اس نبی معصوم صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار کو باقی رکھنے کے لئے انہیں (اُمّت کے کامل افراد کو) بھی اسی طرح ان دونوں ناموں کا وارث بنائے جیسے اس نے انہیں علوم نبویہ کا وارث بنایا ہے۔ پس اُس نے صحابہ کو اسم محمد کے ظِلّ کی ذیل میں داخل کر دیا جو اسم کے جلال کا مظہر ہے اور مسیح موعود کو اسم احمد کے ذیل میں داخل کر دیا جو جمال کا مظہر ہے۔ اور ان سب نے اس دولت کو محض ظلّیت کے طور پر پایا ہے۔ پس حقیقت کی رُو سے اس مقام پر خدا تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں اور ان دو ناموں کی تقسیم سے اللہ تعالیٰ کی غرض یہی تھی کہ وہ اُمّت کو تقسیم کرے اور اس کے دو گروہ کر دے۔ پس اس نے ان میں سے ایک گروہ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام مظہر جلال کی مانند بنایا اور وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ہیں جنہوں نے جہاد کے لئے اپنے آپ کو پیش کر دیا تھا اور ایک گروہ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام مظہر جمال کی مانند بنایا اور ان کو دل کا حلیم بنایا۔ ان کے سینوں میں صلح جوئی ودیعت کی اور ان کو اعلیٰ اخلاق پر قائم کیا اور اُمّت کا یہ گروہ مسیح موعود اور اس کے متّبعین ہیں خواہ مرد ہوں یا عورتیں۔ پس جو کچھ حضرت موسیٰ نے فرمایا تھا وہ بھی اور جو حضرت عیسیٰ (علیہما السلام) نے فرمایا تھا وہ بھی پورا ہوا اور اس طرح خدائے قادر کا وعدہ

فَـإِنَّ مُوْسٰى أَخْبَرَ عَنْ صَحْبٍ كَانُوْا مَظْهَرَ اسْمِ مُحَمَّدٍ نَّبِيِّنَا الْمُخْتَارِ. وَصُوَرَ جَلَالِ اللّٰهِ الْقَهَّارِ. بِقَوْلِهٖ ’’اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ★‘‘. وَإِنَّ عِيْسٰى أَخْبَرَ عَنْ ’’اٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ‘‘★★ وَعَنْ إِمَامِ تِلْكَ الْأَ بْرَارِ. أَعْنِي الْمَسِيْحَ الَّذِيْ هُوَ مَظْهَرُ أَحْمَدَ الرَّاحِمِ السَّتَّارِ. وَمَنْبَعُ جَمَالِ اللّٰهِ الرَّحِيْمِ الْغَفَّارِ. بِقَوْلِهٖ ’’كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ‘‘ الَّذِيْ هُوَ مُعْجِبُ الْكُفَّارِ. وَكُلٌّ مِّنْهُمَا أَخْبَرَ بِصِفَاتٍ تُنَاسِبُ صِفَاتَهُ الذَّاتِيَّةَ. وَاخْتَارَ جَمَاعَةً تُشَابِهُ أَخْلَاقُهُمْ أَخْلَاقَهُ الْمَرْضِيَّةَ. فَأَشَارَ مُوْسٰى بِقَوْلِهٖ ’’اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ‘‘ إِلٰى صَحَابَةٍ أَدْرَكُوْا صُحْبَةَ نَبِيِّنَا الْمُخْتَارِ. وَأَرَوْا شِدَّةً وَّغِلْظَةً فِي الْمِضْمَارِ. وَ أَظْهَرُوْا جَلَالَ اللّٰهِ بِالسَّيْفِ الْبَتَّارِ. وَصَارُوْا ظِلَّ اسْمِ مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰهِ الْقَهَّارِ. عَلَيْهِ صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَأَهْلَ السَّمَآءِ وَأَهْلَ الْأَرْضِ مِنَ الْأَبْرَارِ وَالْأَخْيَارِ. وَأَشَارَ عِيْسٰى بِقَوْلِهٖ ’’كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ‘‘ إِلٰى قَوْمٍ ’’اٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ‘‘ وَ إِمَامِهِمِ

بھی پورا ہوگیا کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ کہہ کر ان صحابہ کے متعلق پیشگوئی فرمائی تھی جو ہمارے نبی محمد مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم محمد کے مظہر اور خدائے قہار کے جلال کا انعکاس تھے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے صحابہ کے ایک دوسرے گروہ اور ان ابرار کے امام کے متعلق اپنے قول كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ میں اس روئیدگی کی پیشگوئی فرمائی تھی جو کسانوں کو خوش کرتی ہے۔ یعنی اس مسیح کے متعلق جو رحم کرنے والے اور پردہ پوش (اسم) احمد کا مظہر اور رحیم وغفار خدا کے جمال کا منبع ہے۔ پس موسیٰ وعیسیٰ ہر دو نے پیشگوئی میں ایسی صفات کی خبر دی تھی جو ان کی اپنی صفات ذاتیہ سے مناسبت رکھتی ہیں۔ اور ہر ایک نے اس جماعت کو (پیشگوئی کے لئے) چُنا جن کے اخلاق اس کے اپنے پسندیدہ اخلاق کے مشابہ تھے۔ پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے الفاظ ’’اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ‘‘ میں ان صحابہ کی طرف اشارہ فرمایا جنہوں نے ہمارے نبی اکرم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت پائی اور انہوں نے جنگ کے میدانوں میں سختی ومضبوطی کا مظاہرہ کیا۔ اللہ تعالیٰ کے جلال کو سیف قاطع کے ذریعہ ظاہر کیا اور خدائے قہار کے رسول کے اسم محمد کے ظِلّ بن گئے۔ آپ پر اللہ تعالیٰ، اہل آسمان اور اہل زمین میں سے راستبازوں اور نیکوکاروں کا صلوٰۃ اور سلام ہو۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے قول كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ سے اٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ کی قوم اور ان کے امام مسیح کی طرف

★ الفتح: ۳۰　★★ الجمعہ: ۴

الْمَسِيْحِ. بَلْ ذَكَرَ اسْمَهٗ أَحْمَدَ بِالتَّصْرِيْحِ. وَأَشَارَ بِهٰذَا الْمَثَلِ الَّذِيْ جَآءَ فِي الْقُرْآنِ الْمَجِيْدِ. إِلٰى أَنَّ الْمَسِيْحَ الْمَوْعُوْدَ لَا يُظْهِرُ إِلَّا كَنَبَاتٍ لَّيِّنٍ لَّا كَالشَّيْءِ الْغَلِيْظِ الشَّدِيْدِ. ثُمَّ مِنْ عَجَائِبِ الْقُرْاٰنِ الْكَرِيْمِ أَنَّهٗ ذَكَرَ اسْمَ أَحْمَدَ حِكَايَتًا عَنْ عِيْسٰى وَذَكَرَ اسْمَ مُحَمَّدٍ حِكَايَتًا عَنْ مُّوْسٰى. لِيَعْلَمَ الْقَارِئُ أَنَّ النَّبِيَّ الْجَلَالِيَّ أَعْنِيْ مُوْسٰى اخْتَارَ اسْمًا يُّشَابِهُ شَأْنَهٗ. أَعْنِيْ مُحَمَّدَ الَّذِيْ هُوَ اسْمُ الْجَلَالِ. وَكَذَالِكَ اخْتَارَ عِيْسٰى اسْمَ أَحْمَدَ الَّذِيْ هُوَ اسْمُ الْجَمَالِ بِمَا كَانَ نَبِيًّا جَمَالِيًّا وَّ مَا أُعْطِيَ لَهٗ شَيْءٌ مِّنَ الْقَهْرِ وَالْقِتَالِ.

فَحَاصِلُ الْكَلَامِ أَنَّ كُلًّا مِّنْهُمَا أَشَارَ إِلٰى مَثِيْلِهِ التَّآمِّ. فَاحْفَظْ هٰذِهِ النُّكْتَةَ فَإِنَّهَا تُنْجِيْكَ مِنَ الْأَوْهَامِ. وَ تَكْشِفُ عَنْ سَاقِ الْجَلَالِ وَالْجَمَالِ. وَتُرِي الْحَقِيْقَةَ بَعْدَ رَفْعِ الْفَدَامِ. وَ إِذَا قَبِلْتَ هٰذَا فَدَخَلْتَ فِيْ حِفْظِ اللّٰهِ وَكَلَأَهٖ مِنْ كُلِّ دَجَّالٍ. وَّنَجَوْتَ مِنْ كُلِّ ضَلَالٍ.

(اعجاز المسیح۔روحانی خزائن جلد ۱۸ صفحہ ۸۹ تا ۱۲۸)

اشارہ کیا بلکہ اس کے احمد نام کا صراحت سے ذکر کر دیا۔اوراس مثال سے جوقرآن کریم میں آئی ہے آپ نے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ مسیح موعود کسی بہت سخت چیز کی طرح نہیں بلکہ صرف نرم و نازک سبزہ کی طرح ظاہر ہوگا۔پھر یہ بھی قرآن کریم کے عجائبات میں سے ہے کہ اس نے احمد نام کا ذکر حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے نقل کیا اور محمد نام کا ذکر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے نقل کیا تا کہ پڑھنے والے کو معلوم ہو جائے کہ جلالی نبی یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وہ نام چُنا جوان کی اپنی شان کے مطابق ہے یعنی اسم محمد جو جلالی نام ہے اور اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے احمد نام چُنا جو جمالی نام ہے کیونکہ وہ خود جمالی نبی تھے اور انہیں شدت اور جنگ سے کوئی حِصّہ نہیں دیا گیا تھا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک نبی نے اپنے اپنے کامل مثیل کی طرف اشارہ کیا پس (اے مخاطب) اس نکتہ کو یاد رکھ کیونکہ یہ تجھے شکوک وشبہات سے نجات دے گا اور جلال اور جمال کے دونوں پہلوؤں کو آشکار کرے گا اور پردہ اٹھا کر حقیقت کو واضح کر دے گا اور جب تو اس بیان کو قبول کر لے تو ہر دجّال (کے شر) سے خدا تعالیٰ کی حفظ وامان میں آجائے گا اور ہر گمراہی سے نجات پا جائے گا۔(ترجمہ از مرتب)

سارے قرآن شریف کا خلاصہ بسم اللہ الرحمن الرحیم ہے۔اللہ تعالیٰ کی اصل صفات بھی جمالی ہیں اور اصل نام خدا بھی جمالی ہے۔یہ تو کفار لوگ اپنی ہی کرتوتوں سے ایسے سامان بہم پہنچاتے ہیں کہ بعض وقت

جلالی رنگ دکھانا پڑتا ہے۔اس وقت چونکہ اس کی ضرورت نہیں اس واسطے ہم جمالی رنگ میں آئے ہیں۔
(الحکم جلد ۵ نمبر ۶ مؤرخہ ۱۷ رفروری ۱۹۰۱ء صفحہ ۱۴)

کتاب دساتیر مجوس میں یہ فقرات ہیں ''بنام ایزد بخشائندہ بخشائش گر مہربان دادگر'' جو بظاہر بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ کے مشابہ ہیں لیکن جو لفظ رحمان اور رحیم میں پُر حکمت فرق ہے وہ فرق ان لفظوں میں موجود نہیں اور جو اللہ کا اسم وسیع معنی رکھتا ہے وہ ایزد کے لفظ میں ہرگز پائے نہیں جاتے۔لہٰذا یہ ترکیب پارسیوں کی بسم اللہ سے کچھ مناسبت نہیں رکھتی غالباً یہ الفاظ پیچھے سے بطور سرقہ لکھے گئے ہیں۔بہرحال یہ نقص دلالت کرتا ہے کہ یہ انسان کا قول ہے۔ (منن الرحمٰن۔روحانی خزائن جلد ۹ صفحہ ۱۴۹، ۱۵۰ حاشیہ در حاشیہ)

اللہ جو خدائے تعالیٰ کا ایک ذاتی اسم ہے اور جو تمام جمیع صفات کاملہ کا مستجمع ہے.... کہتے ہیں کہ اسم اعظم یہی ہے اور اس میں بڑی بڑی برکات ہیں۔لیکن جس کو وہ اللہ یاد ہی نہ ہو وہ اس سے کیا فائدہ اُٹھائے گا۔
(رپورٹ جلسہ سالانہ ۱۸۹۷ء صفحہ ۹۸)

قرآن کی اصطلاح کی رُو سے اللہ اُس ذات کا نام ہے جس کی تمام خوبیاں حُسن واحسان کے کمال کے نقطہ پر پہنچی ہوئی ہوں اور کوئی مَنقصت اُس کی ذات میں نہ ہو۔قرآن شریف میں تمام صفات کا موصوف صرف اللہ کے اسم کو ہی ٹھہرایا ہے تا اِس بات کی طرف اشارہ ہو کہ اللہ کا اسم تب متحقّق ہوتا ہے کہ جب تمام صفاتِ کاملہ اس میں پائی جائیں۔ (ایام الصّلح۔روحانی خزائن جلد ۱۴ صفحہ ۲۴۷)

اللہ جس کا ترجمہ ہے وہ معبود یعنی وہ ذات جو غیر مدرک اور فوق العقول اور وراء الوراء اور دقیق در دقیق ہے جس کی طرف ہر ایک چیز عابدانہ رنگ میں یعنی عشقی فنا کی حالت میں جو نظری فنا ہے یا حقیقی فنا کی حالت میں جو موت ہے رجوع کر رہی ہے۔ (تحفہ گولڑویہ۔روحانی خزائن جلد ۱۷ صفحہ ۲۶۸)

اللہ کا نام خدا تعالیٰ کے لئے اسم اعظم ہے۔ (تحفہ گولڑویہ۔روحانی خزائن جلد ۱۷ صفحہ ۲۶۸)

اللہ جامع جمیع شیون کا ہے اور اسم اعظم ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی جماعت کے ساتھ اسم اعظم کی معیت مع تمام صفات کے پائی جاتی ہے۔ (الحکم نمبر ۲ جلد ۷ مؤرخہ ۱۷ رجنوری ۱۹۰۳ء صفحہ ۷)

قرآن شریف جس خدا کو منوانا چاہتا ہے وہ تمام نقائص سے منزّہ اور تمام صفات کاملہ سے موصوف ہے۔ کیونکہ اللہ کا لفظ اسی ہستی پر بولا جاتا ہے جس میں کوئی نقص ہو ہی نہیں اور کمال دو قسم کے ہوتے ہیں یا بلحاظ حسن کے یا بلحاظ احسان کے۔پس وہ دونوں قسم کے کمال اس لفظ میں پائے جاتے ہیں۔دوسری قوموں نے جو لفظ خدا تعالیٰ کے لئے تجویز کئے ہیں وہ ایسے جامع نہیں ہیں اور یہی لفظ اللہ کا دوسرے باطل مذاہب کے معبودوں کی ہستی اور اُن کی صفات کے مسئلہ کی پوری تردید کرتا ہے۔ (الحکم نمبر ۱۷ جلد ۷ مؤرخہ ۱۰ رمئی ۱۹۰۳ء صفحہ ۲)

بت پرست بھی وجودیوں کی طرح اپنے بتوں کی مظاہر ہی مانتے ہیں۔قرآن شریف اس مذہب کی تردید کرتا ہے۔وہ شروع ہی میں یہ کہتا ہے اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ اگر مخلوق اور خالق میں کوئی امتیاز نہیں بلکہ دونوں برابر اور ایک ہیں تو ربّ العالمین نہ کہتا اب عالم تو خدا تعالیٰ میں داخل نہیں ہے کیونکہ عالم کے معنے ہیں مَا یُعۡلَمُ بِہٖ اور خدا تعالیٰ کے لئے لَا تُدۡرِکُہُ الۡاَبۡصَارُ (الانعام: ۱۰۴)۔

(الحکم جلد ۶ نمبر ۲۸ مؤرخہ ۱۰/اگست ۱۹۰۲ء صفحہ ۸۔ملفوظات جلد ۲ صفحہ ۲۳۰)

قَدۡ عَرَفۡتَ اَنَّ اللّٰہَ بِصِفَۃِ الرَّحۡمٰنِ یُنَزِّلُ عَلٰی کُلِّ عَبۡدٍ مِّنَ الۡاِنۡسَانِ وَ الۡحَیَوَانِ وَالۡکَافِرِ وَ اَھۡلِ الۡاِیۡمَانِ اَنۡوَاعَ الۡاِحۡسَانِ وَ الۡاِمۡتِنَانِ بِغَیۡرِ عَمَلٍ یَجۡعَلُھُمۡ مُّسۡتَحِقِّیۡنَ فِیۡ حَضۡرَۃِ الدَّیَّانِ۔ اِذۡ لَاشَکَّ اَنَّ الۡاِحۡسَانَ عَلٰی ھٰذَا الۡمِنۡوَالِ۔ یَجۡعَلُ الۡمُحۡسِنَ مَحۡبُوۡبًا فِی الۡحَالِ فَثَبُتَ اَنَّ الۡاِفَاضَۃَ عَلَی الطَّرِیۡقَۃِ الرَّحۡمَانِیَّۃِ۔ یُظۡھِرُ فِیۡ اَعۡیُنِ الۡمُسۡتَفِیۡضِیۡنَ شَاۡنَ الۡمَحۡبُوۡبِیَّۃِ۔ وَ اَمَّا صِفَۃُ الرَّحِیۡمِیَّۃِ۔ فَقَدۡ اَلۡزَمَتۡ نَفۡسَھَا شَاۡنَ الۡمُحِبِّیَّۃِ۔ فَاِنَّ اللّٰہَ لَا تَتَجَلّٰی★ عَلٰی اَحَدٍ بِھٰذَا الۡفَیۡضَانِ اِلَّا بَعۡدَ اَنۡ یُّحِبَّہٗ وَیَرۡضٰی بِہٖ قَوۡلًا وَّفِعۡلًا مِنۡ اَھۡلِ الۡاِیۡمَانَ۔

(اعجاز المسیح۔روحانی خزائن جلد ۱۸ صفحہ ۹۹، ۱۰۰ حاشیہ)

آپ کو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی صفتِ رحمانیت کے نتیجہ میں ہر مخلوق پر وہ انسان ہو یا حیوان، کافر ہو یا مومن ہر قسم کے احسانات اور افضال ایسے عمل کے بغیر نازل فرماتا ہے جو ان کو جزا دینے والے خدا کی بارگاہ میں انعامات کا مستحق بنا دے اور بلاشبہ اس طرز کا احسان احسان کرنے والے کو فوراً محبوب بنا دیتا ہے۔پس ثابت ہوا کہ رحمانیت کے ماتحت فیض پہنچانا فیض حاصل کرنے والوں کی نظروں میں شان محبوبیت کو نمایاں کر دیتا ہے لیکن صفتِ رحیمیت نے اپنے آپ کو شانِ محبّیت کے ساتھ لازم کر دیا ہے اور اللہ تعالیٰ اس فیضان کے ساتھ کسی مومن پر اسی وقت تجلّی فرماتا ہے۔جب وہ اس سے محبت کرنے لگے اور اس پر اپنے قول اور فعل سے اپنی خوشنودی کا اظہار کرے۔(ترجمہ از مرتب)

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی ’’وَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا رَحۡمَۃً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ★★‘‘ وَلَا یَسۡتَقِیۡمُ ھٰذَا الۡمَعۡنٰی اِلَّا فِی الرَّحۡمَانِیَّۃِ فَاِنَّ الرَّحِیۡمِیَّۃَ یَخۡتَصُّ بِعَالَمٍ وَّاحِدٍ مِّنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ۔

(اعجاز المسیح۔روحانی خزائن جلد ۱۸ صفحہ ۱۱۸ حاشیہ)

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے۔اے نبی! ہم نے تمہیں تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔آپ کا رحمۃ للعالمین ہونا صفتِ رحمانیت کے لحاظ سے ہی درست ہوسکتا ہے۔کیونکہ رحیمیت تو صرف مومنوں کی دنیا کے ساتھ ہی مخصوص ہے۔(ترجمہ از مرتب)

★سہو کتابت ہے درست یتجلّٰی ہے (ناشر) ★★(الانبیاء: ۱۰۸)

رحمان

پھر اللہ تعالیٰ کی صفت الرحمٰن بیان کی ہے اور اس صفت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ انسان کی فطری خواہشوں کو اس کی دُعا یا التجا کے بغیر اور بدوں کسی عمل عامل کے عطا (پورا) کرتا ہے۔ مثلاً جب انسان پیدا ہوتا ہے تو اس کے قیام و بقاء کے لئے جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے وہ پہلے سے موجود ہوتی ہیں۔ پیدا پیچھے ہوتا ہے لیکن ماں کی چھاتیوں میں دودھ پہلے آ جاتا ہے۔ آسمان، زمین، سورج، چاند، ستارے، پانی، ہوا وغیرہ یہ تمام اشیاء جو اس نے انسان کے لئے بنائی ہیں یہ اس کی صفتِ رحمانیت ہی کے تقاضے ہیں۔ لیکن دوسرے مذہب والے یہ نہیں مانتے کہ وہ بلا مبادلہ بھی فضل کر سکتا ہے۔ (الحکم نمبر ۱۷ جلد ۷ مؤرخہ ۱۰؍ مئی ۱۹۰۳ء صفحہ ۳)

الرَّحمٰن

بغیر کسی عمل کے خود بخود عطاء کرنے والا۔ سناتن دھرم والے ان میں سے ہیں جو ایک رنگ میں مانتے ہیں کہ پرمیشر سے سب کچھ نکلا مگر ساتھ ہی کہتے ہیں کرموں کا نتیجہ ہوتا ہے۔ مرد بنا ہے تو کرموں کی وجہ سے عورت بنی ہے تو کرموں کے سبب۔ غرض گدھا، بندر، بلاّ جو کچھ ہوا کرموں سے۔ پس یہ لوگ صفتِ رحمانیت کے منکر ہیں۔ وہ خدا جس نے آدمیوں سے پہلے سورج وغیرہ پیدا کیا، سانس کے لئے ہوا پیدا کی، نیز اس لئے کہ ایک دوسرے تک آواز پہنچے۔ جب یہ سب کچھ قبل از وجود پیدا کیا ہے تو پھر کیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس نے کرموں کی وجہ سے کیا ہے۔ یہ لوگ بھولے ہوئے اور کفر میں گرفتار ہیں۔ سچی بات یہی ہے کہ اللہ کا فضل ہے۔ کئی نعمتیں ایسی ہیں جن میں اعمال کا دخل نہیں اور کئی ایسی جن میں اعمال کا دخل ہے جیسے عابد، زاہد بندگی کرتے ہیں اور اس کا اجر ملتا ہے۔ (البدر نمبر ۱ جلد ۷ مؤرخہ ۹؍ جنوری ۱۹۰۸ء صفحہ ۵)

رحمٰن کے معنے خدا کے کلام سے یہ ثابت ہوتے ہیں کہ جب وہ بغیر کسی عوض کے اور سوا کسی عمل کے رحمت کرتا اور اسباب مہیا کر دیتا ہے۔ مثلاً دیکھو خدا نے جب یہ نظام بنا رکھا ہے۔ سورج ہے، چاند ہے، اناج ہے، پانی ہے، ہوا ہے، ہمارے امراض کے دفعیہ کے لئے قسم قسم کی بوٹیاں ہیں۔ اب کوئی بتلا سکتا ہے کہ یہ اس کے کس عمل کا اجر ہیں۔ ہر ایک شخص جو عمیق فکر کرے۔ اس پر خدا کا رحمان ہونا ثابت ہوتا ہے۔ انسان کی زندگی و آسودگی کے لئے جو کچھ چاہئے تھا وہ اس کے پیدا ہونے سے پہلے مہیّا کیا۔ جو کچھ آسمان میں ہے اور زمین میں اور پھر جو کچھ ہمارے وجود میں پایا جاتا ہے یہ سب اس کی رحمانیت کا نتیجہ ہیں۔ کیونکہ جب ہم ماں کے پیٹ میں تھے۔ اس وقت جو کچھ اس کے انعام تھے وہ کسی عمل کا نتیجہ نہیں ہو سکتے۔ تناسخ کا مسئلہ

یہیں سے ردّ ہو جاتا ہے۔ مگر میں اسے چھیڑنا نہیں چاہتا۔ غرض خدا کی بے شمار نعمتیں ہیں جن کو کسی ترازو میں تول نہیں سکتے ضروری طور سے ماننا پڑتا ہے کہ خدا رحمان ہے۔ ہمارے اس ملک میں بہت قسم کے فرقے ہیں کہ جو کچھ انسان کو عطا کیا گیا وہ کسی گزشتہ کرم کا نتیجہ سمجھتے ہیں۔ سچ بات یہ ہے کہ جو کچھ ہے۔ یہ خدا کے فضل اور اس کی رحمانیت نے مہیا (کیا) ہے کوئی دعویٰ نہیں کرسکتا کہ میرے اعمال کا عوض ہے۔

(البدر نمبر ۲۵ جلد ۷ مؤرخہ ۲۵؍جون ۱۹۰۸ء صفحہ ۳)

فرمایا هُوَ الرَّحْمٰنُ یعنی وہ جانداروں کی ہستی اور ان کے اعمال سے پہلے محض اپنے لطف سے نہ کسی غرض سے اور نہ کسی عمل کی پاداش میں ان کے لئے سامان راحت میسر کرتا ہے۔ جیسا کہ آفتاب اور زمین اور دوسری تمام چیزوں کو ہمارے وجود اور ہمارے اعمال کے وجود سے پہلے ہمارے لئے بنا دیا۔ اس عطیہ کا نام خدا کی کتاب میں رحمانیت ہے۔ اور اس کام کے لحاظ سے خدائے تعالیٰ رحمٰن کہلاتا ہے۔ اور پھر فرمایا کہ اَلرَّحِيْمِ یعنی وہ خدا نیک عملوں کی نیک تر جزا دیتا ہے اور کسی کی محنت کو ضائع نہیں کرتا اور اس کام کے لحاظ سے رَحِيْم کہلاتا ہے۔ اور یہ صفت رحیمیت کے نام سے موسوم ہے۔

(اسلامی اصول کی فلاسفی، روحانی خزائن جلد ۱۰ صفحہ ۳۷۳)

اللہ تعالیٰ کے دو نام ہیں ایک رحمٰن دوسرا رحیم۔ رحمٰن تو یہی ہے کہ فطرت عمدہ اور مناسب حال اہل اللہ کے عطا کرتا ہے اور رحیم یہ کہ جب یہ خدا تعالیٰ کے عطا کردہ قوٰی سے کام لے تو اس پر نیک نتائج مترتب کر دیتا ہے۔ رحیمیت کے نیچے آ کر کوشش کرنا اس کا فرض ہو جاتا ہے۔ اس لئے فرمایا وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔ (العنکبوت: ۷۰) (الحکم نمبر اوّل جلد ۷ مؤرخہ ۱۰؍جنوری ۱۹۰۳ء صفحہ ۲)

الرحمٰن وہی ہے جس کی رحمتیں بے بدلہ ہیں مثلاً انسان کا کیا عذر تھا اگر اللہ تعالیٰ اسے کتا بنا دیتا تو کیا یہ کہہ سکتا تھا کہ اے اللہ میرا فلاں عمل نیک تھا اس کا بدلہ تو نے نہیں دیا۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۲۴ مؤرخہ ۳؍جولائی ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۸۶)

اَلرَّحِيْم

اس کے یہ معنے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نیک عمل کے بدلہ نیک نتیجہ دیتا ہے جیسا کہ نماز پڑھنے والا روزہ رکھنے والا صدقہ دینے والا دنیا میں بھی رحم پاوے گا اور آخرت میں بھی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ (التوبۃ: ۱۲۰) اور دوسری جگہ فرماتا ہے فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ (الزّلزال: ۸، ۹) یعنی اللہ تعالیٰ کسی کے اجر کو ضائع نہیں کرتا جو کوئی ذرہ سی بھی بھلائی کرتا ہے وہ اس کا بدلہ پالیتا ہے۔ (البدر نمبر ۲۴ جلد ۲ مؤرخہ ۳؍جولائی ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۸۶)

رحیم

یعنی عملوں کی پاداش میں بدلا دینے والا۔بعض لوگ ایسے ہیں (خودانہی مسلمانوں میں بھی) جواعمال کو باطل قرار دیتے ہیں۔وہ کہتے ہیں نماز کیا روزہ کیا قسمت ہوئی تو بچ جائیں گے۔یعنی جو کچھ ہونا ہے ہو جائے گا۔ہم کیوں خواہ مخواہ تکلیف اُٹھائیں۔یہ فرقہ بڑا بڑھا ہوا ہے۔جاہل سے جاہل کا اعتقاد یہی ہے۔قسمت پر چھوڑا ہوا ہے۔کہتے ہیں کہ ہم نے کوئی ولی بننا ہے جو یہ ریاضتیں کریں۔مگر خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرا نام رحیم ہے جو صالح الاعمال،عشق ومحبت میں محو ہو جاتا ہے اس کے مدارج بلند کروں گا۔جتنے اولیاء اور بڑے بڑے راست باز ہوئے ہیں ان سب نے پہلے ضرور مجاہدات کئے ہیں۔جب جا کر ان پر یہ دروازہ کھلا۔قرآن مجید میں ہے وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا(العنکبوت:۷۰)۔جو یندہ یابندہ۔جس نے مجاہدات کئے اُسی نے پایا۔پس یہ رحیم ان لوگوں کے ردّ میں ہے جو کہتے ہیں کہ جو ہونا ہے وہ ہو جائے گا۔ہمیں عبادات کی کیا ضرورت ہے۔غالباً چوروں ڈاکوؤں کا بھی یہی مذہب ہوتا ہے اور یہی خیالات وہ اندر ہی اندر رکھتے ہیں۔ (بدر نمبر ا جلد ۷ مؤرخہ ۹ رجنوری ۱۹۰۸ء صفحہ ۵)

خدا نے اسی سورہ فاتحہ میں فرمایا کہ وہ رحیم ہے۔یعنی کوششوں پر نیک نتیجہ مرتب کرتا ہے۔مثلاً ایک کسان کاشتکاری کرتا ہے،آبپاشی کرتا ہے اب عادت اللہ جاری ہے وہ کسی کی کوشش کو ضائع نہیں کرتا بلکہ ایک دانے کے عوض کئی دانے دیتا ہے۔کسی پوشیدہ حکمت یا کاشت کار کی بدعملی کی وجہ سے فصل برباد ہو جائے تو یہ علیحدہ بات ہے۔یہ شاذ ونادر کالمعدوم کا حکم رکھتی ہے۔ (بدر نمبر ۲۵ جلد ۷ مؤرخہ ۲۵ رجون ۱۹۰۸ء صفحہ ۳)

رحمانیت کا مظہر تام محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے کیونکہ محمد کے معنے ہیں بہت تعریف کیا گیا اور رحمان کے معنے ہیں بلا مُزد،بِن مانگے بلا تفریق مومن وکافر (کو) دینے والا۔اور یہ صاف بات ہے کہ جو بِن مانگے دے گا اس کی تعریف ضرور کی جاوے گی۔پس محمد میں رحمانیت کی تجلّی تھی اور اسم احمد میں رحیمیت کا ظہور تھا۔کیونکہ رحیم کے معنے ہیں محنتوں اور کوششوں کو ضائع نہ کرنے والا اور احمد کے معنے ہیں تعریف کرنے والا۔اور یہ بھی عام بات ہے کہ وہ شخص جو کسی کا عمدہ کام کرتا ہے وہ اس سے خوش ہو جاتا ہے اور اس کی محنت پر ایک بدلا دیتا ہے اور اُس کی تعریف کرتا ہے۔اس لحاظ سے احمد میں رحیمیت کا ظہور ہے۔پس اللہ محمد (رحمان) احمد (رحیم) ہے۔گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی ان دو عظیم الشان صفات رحمانیت اور رحیمیت کے مظہر تھے۔ (الحکم نمبر ۶ جلد ۵ مؤرخہ ۱۷ رفروری ۱۹۰۱ء صفحہ ۷)

رحم دو قسم کا ہوتا ہے ایک رحمانیت دوسرا رحیمیت کے نام سے موسوم ہے۔ رحمانیت تو ایسا فیضان ہے کہ جو ہمارے وجود اور ہستی سے بھی پہلے ہی شروع ہوا۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے پہلے پہل اپنے علم قدیم سے دیکھ کر اس قسم کا زمین آسمان اور ارضی اور سماوی اشیاء ایسی پیدا کی ہیں جو سب ہمارے کام آنے والی ہیں اور کام آتی ہیں۔ اور ان سب اشیاء سے انسان ہی عام طور پر فائدہ اُٹھاتا ہے۔ بھیڑ، بکری اور دیگر حیوانات جبکہ بجائے خود انسان کے لئے مفید شے ہیں تو وہ کیا فائدہ اُٹھاتے ہیں؟ دیکھو جسمانی امور میں انسان کیسی کیسی لطیف اور اعلیٰ درجہ کی غذائیں کھاتا ہے۔ اعلیٰ درجہ کا گوشت انسان کے لئے ہے۔ ٹکڑے اور ہڈیاں کتّوں کے واسطے۔ جسمانی طور پر جو حظوظ اور لذّات انسان کو حاصل ہیں گو حیوان بھی اس میں شریک ہیں مگر انسان کو وہ بدرجہ اعلیٰ حاصل ہیں اور روحانی لذّات میں جانور شریک بھی نہیں ہیں۔ پس یہ دو قسم کی رحمتیں ہیں۔ ایک وہ جو ہمارے وجود سے پہلے پیش از وقت کے طور پر تقدمہ کی صورت میں عناصر وغیرہ اشیاء پیدا کیں جو ہمارے کام میں لگی ہوئی ہیں۔ اور یہ ہمارے وجود، خواہش اور دُعا سے پہلے ہیں جو رحمانیت کے تقاضے سے پیدا ہوئے۔

اور دوسری رحمت رحیمیت کی ہے۔ یعنی جب ہم دُعا کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ دیتا ہے۔ غور کیا جاوے تو معلوم ہوگا کہ قانونِ قدرت کا تعلق ہمیشہ سے دُعا کا تعلق ہے۔ بعض لوگ آج کل اس کو بدعت سمجھتے ہیں ہماری دُعا کا جو تعلق خدائے تعالیٰ سے ہے مَیں چاہتا ہوں کہ اُسے بھی بیان کروں۔

ایک بچہ جب بھوک سے بیتاب ہو کر دودھ کے لئے چلّاتا ہے اور چیختا ہے تو ماں کے پستان میں دودھ جوش مار کر آجاتا ہے بچہ دُعا کا نام بھی نہیں جانتا۔ لیکن اُس کی چیخیں دودھ کو کیونکر کھینچ لاتی ہیں؟ اس کا ہر ایک کو تجربہ ہے۔ بعض اوقات دیکھا گیا ہے کہ مائیں دودھ کو محسوس بھی نہیں کرتیں۔ مگر بچہ کی چلّاہٹ ہے کہ دودھ کو کھینچے لاتی ہے۔ تو کیا ہماری چیخیں جب اللہ تعالیٰ کی حضور ہوں تو وہ کچھ بھی نہیں کھینچ کر لا سکتیں؟ آتا ہے اور سب کچھ آتا ہے۔ مگر آنکھوں کے اندھے جو فاضل اور فلاسفر بنے بیٹھے ہیں وہ دیکھ نہیں سکتے۔ بچہ کو جو مناسبت ماں سے ہے اس تعلق اور رشتہ کو انسان اپنے ذہن میں رکھ کر اگر دُعا کی فلاسفی پر غور کرے تو وہ بہت آسان اور سہل معلوم ہوتی ہے۔ دوسری قسم کا رحم یہ تعلیم دیتا ہے کہ ایک رحم مانگنے کے بعد پیدا ہوتا ہے۔ مانگتے جاؤ گے ملتا جاوے گا۔ اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ (المومن:۶۱) کوئی لفّاظی نہیں بلکہ یہ انسانی سرشت کا ایک لازمہ ہے۔ مانگنا انسان کا خاصہ ہے اور استجابت اللہ تعالیٰ کا۔ جو نہیں سمجھتا اور نہیں مانتا وہ جھوٹا ہے۔ بچہ

کی مثال جو مَیں نے بیان کی ہے وہ دُعا کی فلاسفی خوب حل کر کے دکھاتی ہے۔ رحمانیت اور رحیمیت دو نہیں ہیں۔ پس جو ایک کو چھوڑ کر دوسری کو چاہتا ہے اُسے مل نہیں سکتا۔ رحمانیت کا تقاضا یہی ہے کہ وہ ہم میں رحیمیت سے فیض اُٹھانے کی سکت پیدا کرے جو ایسا نہیں کرتا وہ کافر نعمت ہے اِیَّاكَ نَعْبُدُ کے یہی معنے ہیں کہ ہم تیری عبادت کرتے ہیں۔ اُن ظاہری سامانوں اور اسباب کی رعایت سے جو تُو نے عطا کئے ہیں۔ دیکھو! یہ زبان جو عروق اور اعصاب سے خلق کی ہے۔ اگر ایسی نہ ہوتی تو ہم بول نہ سکتے۔ ایسی زبان دُعا کے واسطے عطا کی جو قلب کے خیالات تک کو ظاہر کر سکے۔ اگر ہم دُعا کا کام زبان سے کبھی نہ لیں تو یہ ہماری شوربختی ہے۔ بہت سی بیماریاں ایسی ہیں کہ اگر وہ زبان کو لگ جاویں تو یک دفعہ ہی زبان اپنا کام چھوڑ بیٹھتی ہے۔ یہاں تک کہ انسان گونگا ہو جاتا ہے۔ پس یہ کیسی رحیمیت ہے کہ ہم کو زبان دے رکھی ہے۔ ایسا ہی کانوں کی بناوٹ میں فرق آ جاوے تو خاک بھی سنائی نہ دے۔ ایسا ہی قلب کا حال ہے۔ وہ جو خشوع وخضوع کی حالت رکھی ہے اور سوچنے اور تفکر کی قوتیں رکھی ہے۔ اگر بیماری آ جاوے تو وہ سب قریباً بیکار ہو جاتی ہیں۔ مجنونوں کو دیکھو کہ اُن کے قویٰ کیسے بیکار ہو جاتے ہیں۔ تو پس کیا یہ ہم کو لازم نہیں کہ ان خداداد نعمتوں کی قدر کریں؟ اگر ان قویٰ کو جو اللہ تعالیٰ نے اپنے کمال فضل سے ہم کو عطا کئے ہیں بیکار چھوڑ دیں تو لاریب ہم کافر نعمت ہیں۔ پس یاد رکھو کہ اگر اپنی قوتوں اور طاقتوں کو معطّل چھوڑ کر دُعا کرتے ہیں تو یہ دُعا کچھ بھی فائدہ نہیں پہنچا سکتی کیونکہ جب ہم نے پہلے عطیّہ ہی سے کچھ کام نہیں لیا تو دوسرے کو کب اپنے لئے مفید اور کارآمد بنا سکیں گے؟ (رپورٹ جلسہ سالانہ ۱۸۹۷ء صفحہ ۱۴۹، ۱۵۰)

رحمتِ الٰہی نے دو قسم سے اپنی ابتدائی تقسیم کے لحاظ سے بنی آدم پر ظہور و بروز فرمایا ہے۔ اوّل وہ رحمت جو بغیر وجود عمل کسی عامل کے بندوں کے ساتھ شامل ہوئی جیسا کہ زمین اور آسمان اور شمس اور قمر اور ستارے اور پانی اور ہوا اور آگ اور وہ تمام نعمتیں جن پر انسان کی بقا اور حیات موقوف ہے کیونکہ بلاشبہ یہ تمام چیزیں انسان کے لئے رحمت ہیں جو بغیر کسی استحقاق کے محض فضل اور احسان کے طور سے اس کو عطا ہوئے ہیں۔ اور یہ ایسا فیض خاص ہے جو انسان کے سوال کو بھی اس میں دخل نہیں بلکہ اس کے وجود سے بھی پہلے ہے اور یہ چیزیں ایسی بزرگ رحمت ہے جو انسان کی زندگی انہیں پر موقوف ہے۔ اور پھر باوصف اس کے یہ بات بھی ظاہر ہے کہ یہ تمام چیزیں انسان کے کسی نیک عمل سے پیدا نہیں ہوئیں بلکہ انسانی گناہ کا علم بھی جو خدا تعالیٰ کو پہلے سے تھا ان رحمتوں کے ظہور سے مانع نہیں ہوا اور کوئی اواگون کا قائل یا تناسخ کا ماننے والا گو کیسا ہی اپنے

تعصّب اور جہالت میں غرق ہو مگر یہ بات تو وہ منہ پر نہیں لاسکتا کہ یہ انسان ہی کے نیک کاموں کا پھل اور نتیجہ ہے کہ اس کے آرام کے لئے زمین پیدا کی گئی یا اس کی تاریکی دور کرنے کے لئے آفتاب اور ماہتاب بنایا گیا یا اس کے کسی نیک عمل کی جزا میں پانی اور اناج پیدا کیا گیا یا اس کے کسی زہد اور تقویٰ کے پاداش میں سانس لینے کے لئے ہوا بنائی گئی کیونکہ انسان کے وجود اور زندگی سے بھی پہلے یہ چیزیں موجود ہو چکی ہیں اور جب تک ان چیزوں کا وجود پہلے فرض نہ کر لیں تب تک انسان کے وجود کا خیال بھی ایک خیال محال ہے پھر کیونکر ممکن ہے کہ یہ چیزیں جن کی طرف انسان اپنے وجود اور حیات اور بقا کے لئے محتاج تھا وہ انسان کے بعد ظہور میں آئے ہوں پھر خود انسانی وجود جس احسن طور کے ساتھ ابتدا سے تیار کیا گیا ہے یہ تمام وہ باتیں ہیں جو انسان کی تکمیل سے پہلے ہیں اور یہی ایک خاص رحمت ہے جس میں انسان کے عمل اور عبادت اور مجاہدہ کو کچھ بھی دخل نہیں۔

دوسری قسم رحمت کی وہ ہے جو انسان کے اعمالِ حسنہ پر مترتّب ہوتی ہے کہ جب وہ تضرّع سے دُعا کرتا ہے تو قبول کی جاتی ہے اور جب وہ محنت سے تخم ریزی کرتا ہے تو رحمتِ الٰہی اس تخم کو بڑھاتی ہے یہاں تک کہ ایک بڑا ذخیرہ اناج کا اس سے پیدا ہوتا ہے اسی طرح اگر غور سے دیکھو تو ہمارے ہر یک عمل صالح کے ساتھ خواہ وہ دین سے متعلق ہے یا دنیا سے رحمتِ الٰہی لگی ہوئی ہے اور جب ہم ان قوانین کے لحاظ سے جو الٰہی سنّتوں میں داخل ہیں کوئی محنت دنیا یا دین کے متعلق کرتے ہیں تو فی الفور رحمتِ الٰہی ہمارے شامل حال ہو جاتی ہے اور ہماری محنتوں کو سرسبز کر دیتی ہے یہ دونوں رحمتیں اس قسم کی ہیں کہ ہم ان کے بغیر جی ہی نہیں سکتے۔ کیا ان کے وجود میں کسی کو کلام ہوسکتا ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ یہ تو اجلیٰ بدیہیات میں سے ہیں جن کے ساتھ ہماری زندگی کا تمام نظام چل رہا ہے۔ پس جبکہ ثابت ہو گیا کہ ہماری تربیت اور تکمیل کے لئے دو رحمتوں کے دو چشمے قادر کریم نے جاری کر رکھے ہیں اور وہ اس کی دو صفتیں ہیں جو ہمارے درخت وجود کی آبپاشی کے لئے دو رنگوں میں ظاہر ہوئے ہیں تو اب دیکھنا چاہیئے کہ وہ دو چشمے زبان عربی میں منعکس ہو کر کس کس نام سے پکارے گئے ہیں۔ پس واضح ہو کہ پہلے قسم کی رحمت کے لحاظ سے زبان عربی میں خدا تعالیٰ کو رحمٰن کہتے ہیں اور دوسرے قسم کی رحمت کے لحاظ سے زبان موصوف میں اس کا نام رحیم ہے اسی خوبی کے دکھلانے کے لئے ہم عربی خطبہ کے پہلی ہی سطر میں رحمان کا لفظ لائے ہیں۔ اب اس نمونہ سے دیکھ لو کہ چونکہ یہ رحم کی صفت اپنی ابتدائے تقسیم کے لحاظ سے الٰہی قانونِ قدرت کے دو قسم پر مشتمل تھی۔ لہٰذا اس کے لئے زبان عربی میں

دو مفرد لفظ موجود ہیں اور یہ قاعدہ طالبِ حق کے لئے نہایت مفید ہوگا کہ ہمیشہ عربی کے باریک فرقوں کے پہچاننے کے لئے صفات اور افعالِ الٰہیّہ کو جو صحیفہ قدرت میں نمایاں ہیں معیار قرار دیا جائے اور ان کے اقسام کو جو قانونِ قدرت سے ظاہر ہوں عربی کے مفردات میں ڈھونڈا جائے اور جہاں کہیں عربی کے ایسے مترادف لفظوں کا باہمی فرق ظاہر کرنا مقصود ہو جو صفات یا افعالِ الٰہی کے متعلق ہیں تو صفات یا افعالِ الٰہی کی اس تقسیم کی طرف متوجہ ہوں جو نظام قانونِ قدرت دکھلا رہا ہے کیونکہ عربی کی اصل غرض الٰہیات کی خدمت ہے جیسا کہ انسان کے وجود کی اصل غرض معرفت باری تعالیٰ ہے اور ہر یک چیز جس غرض کے لئے پیدا کی گئی ہے اسی غرض کو سامنے رکھ کر اس کے عقدے کھل سکتے ہیں اور اس کے جوہر معلوم ہو سکتے ہیں۔

(منن الرحمان۔ روحانی خزائن جلد ۹ صفحہ ۱۴۷ تا ۱۴۹ حاشیہ)

رحم دو قسم کا ہوتا ہے اوّل رحمانیت دوسرا رحیمیت کے نام سے موسوم ہے۔ رحمانیت تو ایسا فیضان ہے کہ جو ہمارے وجود اور ہستی سے بھی پہلے شروع ہوا مثلاً اللہ تعالیٰ نے ہمارے وجود سے پیشتر ہی زمین و آسمان چاند و سورج اور دیگر اشیاء ارضی و سماوی پیدا کی ہیں جو سب کی سب ہمارے کام آنے والی ہیں اور کام آتی ہیں۔ دوسرے حیوانات بھی ان سے فائدہ اٹھاتے ہیں مگر وہ جب کہ بجائے خود انسان ہی کے لئے مفید ہیں اور انسان ہی کے کام آتے ہیں تو گویا مجموعی طور پر انسان ہی ان سب سے فائدہ اُٹھانے والا ٹھہرا۔ دیکھو جسمانی امور میں کیسی اعلیٰ درجہ کی غذائیں کھاتا ہے اعلیٰ درجہ کا گوشت انسان کے لئے ہے ٹکڑے اور ہڈیاں کتوں کے واسطے۔ جسمانی طور پر تو کسی حد تک حیوان بھی شریک ہیں مگر روحانی لذّت میں جانور شریک نہیں ہیں۔ پس یہ دو قسم کی رحمتیں ہیں ایک وہ جو ہمارے وجود سے پہلے ہی عطا ہوئی ہیں اور دوسری وہ جو رحیمیت کی شان کے نمونے ہیں اور وہ دُعا کے بعد پیدا ہوتے ہیں اور ان میں ایک فعل کی ضرورت ہوتی ہے۔

(الحکم نمبر ۳۲ جلد ۵ مؤرخہ ۳۱ / اگست ۱۹۰۱ء صفحہ ۲، ۳)

پھر اللہ تعالیٰ کی صفت رحیم بیان کی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی وہ صفت ہے جس کا تقاضا ہے کہ محنت اور کوشش کو ضائع نہیں کرتا بلکہ اُن پر ثمرات اور نتائج مترتّب کرتا ہے اگر انسان کو یہ یقین ہی نہ ہو کہ اس کی محنت اور کوشش کوئی پھل لاوے گی تو پھر وہ سست اور نکمّا ہو جاوے گا۔ یہ صفت انسان کی امیدوں کو وسیع کرتی اور نیکیوں کے کرنے کی طرف جوش سے لے جاتی ہے اور یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ رحیم قرآن شریف کی اصطلاح میں اللہ تعالیٰ اس وقت کہلاتا ہے جبکہ لوگوں کی دُعا، تضرّع اور اعمال صالح کو قبول فرما کر آفات اور بلاؤں

اور تضیع اعمال سے اُن کو محفوظ رکھتا ہے۔ رحمانیت تو بالکل عام تھی لیکن رحیمیت خاص انسانوں سے تعلق رکھتی ہے اور دوسری مخلوق میں دُعا، تضرّع اور اعمالِ صالحہ کا ملکہ اور قوت نہیں یہ انسان ہی کو ملا ہے۔

رحمانیّت اور رحیمیّت میں یہی فرق ہے کہ رحمانیت دُعا کو نہیں چاہتی مگر رحیمیت دُعا کو چاہتی ہے اور یہ انسان کے لئے ایک خلعت خاصہ ہے اور اگر انسان انسان ہو کر اِس صفت سے فائدہ نہ اُٹھاوے تو گویا ایسا انسان حیوانات بلکہ جمادات کے برابر ہے۔

یہ صفت بھی تمام مذاہبِ باطلہ کے ردّ کے لئے کافی ہے کیونکہ بعض مذہب اباحت کی طرف مائل ہیں اور وہ مانتے ہیں کہ دنیا میں ترقیات نہیں ہوتی ہیں۔ آریہ جبکہ اس صفت کے فیضان سے منکر ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی صفاتِ کاملہ کا کب قائل ہوسکتا ہے؟ سیّد احمد خاں مرحوم نے بھی دُعا کا انکار کیا ہے اور اِس طرح پر وہ فیض جو دُعا کے ذریعہ انسان کو ملتا ہے اِس سے محروم رکھا ہے۔ (الحکم نمبر ۱۹ جلد ۷ مؤرخہ ۲۴ رمئی ۱۹۰۳ء صفحہ ۱)

جب ہم خدا تعالیٰ کے قانونِ قدرت کی طرف نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں صاف معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے جو کچھ اپنے بندوں کے لئے مہیّا کیا ہے یا کرتا ہے وہ دو قسم کی بخشش ہے۔ ایک تو اس کے وہ انعام اکرام ہیں جو انسانوں کے وجود سے بھی پہلے ہیں۔ اور ایک ذرّہ انسانوں کے عمل کا اُن میں دخل نہیں جیسا کہ اُس نے انسانوں کے آرام کے لئے سورج، چاند، ستارے، زمین، پانی، ہوا، آگ وغیرہ چیزیں پیدا کی ہیں اور کچھ شک نہیں کہ ان چیزوں کو انسانوں کے وجود اور ان کے عملوں پر تقدم ہے اور انسان کا وجود ان کے وجود کے بعد ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کی وہ رحمت کی قسم ہے جس کو قرآنی اصطلاح کی رُو سے رحمانیت کہتے ہیں یعنی ایسی جود و عطا جو بندہ کے اعمال کی پاداش میں نہیں بلکہ محض فضل کی راہ سے ہے۔

دوسری قسم رحمت کی وہ ہے جس کو قرآنی اصطلاح میں رحیمیت کہتے ہیں۔ یعنی وہ انعام اکرام جو بنام نہاد پاداش اعمالِ حسنہ انسان کو عطا ہوتا ہے۔ (چشمۂ معرفت۔ روحانی خزائن جلد ۲۳ صفحہ ۲۷، ۲۸)

رحمانیت اور رحیمیت میں فرق یہ ہے کہ رحمانیت میں فعل اور عمل کو کوئی دخل نہیں ہوتا۔ مگر رحیمیت میں فعل و عمل کو دخل ہے لیکن کمزوری بھی ساتھ ہی ہے۔ خدا کا رحم چاہتا ہے کہ پردہ پوشی کرے۔

(الحکم جلد ۵ نمبر ۳۲ مؤرخہ ۳۱ راگست ۱۹۰۱ء صفحہ ۲)

اللہ تعالیٰ کی اس رحمت کا نام جو بغیر کسی عوض یا انسانی عمل محنت اور کوشش کے انسان کے شاملِ حال ہوتی ہے رحمانیت ہے مثلاً اللہ تعالیٰ نے نظام دنیا بنا دیا، سورج پیدا کیا، چاند بنایا، ستارے پیدا کئے، ہوا، پانی،

اناج بنائے۔ ہماری طرح طرح کی امراض کے واسطے شفا بخش دوائیں پیدا کیں غرض اسی طرح کے ہزاروں ہزار انعامات ایسے ہیں کہ بغیر ہمارے کسی عمل یا محنت وکوشش کے اُس نے محض اپنے فضل سے پیدا کر دیئے ہیں۔ اگر انسان ایک عمیق نظر سے دیکھے تو لاکھوں انعامات ایسے پائے گا۔ اور اس کو کوئی وجہ انکار کی نہ ملے گی اور ماننا ہی پڑے گا کہ وہ انعامات اور سامانِ راحت جو ہمارے وجود سے بھی پہلے کے ہیں۔ بھلا وہ ہمارے کس عمل کا نتیجہ ہیں دیکھو یہ زمین اور یہ آسمان اور ان میں تمام چیزیں اور خود ہماری بناوٹ اور وہ حالت کہ جب ہم ماؤں کے پیٹ میں تھے اور اس وقت کے قویٰ یہ سب ہمارے کس عمل کا نتیجہ ہیں۔ میں ان لوگوں کا یہاں بیان نہیں کرنا چاہتا جو تناسخ کے قائل ہیں مگر ہاں اتنا بیان کئے بغیر رہ بھی نہیں سکتا کہ اللہ تعالیٰ کے ہم پر اتنے لاتعداد اور انعام اور فضل ہیں کہ ان کو کسی ترازو میں وزن نہیں کر سکتے۔ بھلا کوئی بتا تو دے کہ یہ انعامات کہ چاند بنایا، سورج بنایا، زمین بنائی اور ہماری تمام ضروریات ہماری پیدائش سے بھی پہلے مہیّا کر دیں یہ کل انعامات کس عمل کے ساتھ وزن کریں گے؟

پس ضروری طور سے یہ ماننا پڑے گا کہ خدا رحمٰن ہے اور اس کے لاکھوں فضل ایسے بھی ہیں کہ جو محض اس کی رحمانیت کی وجہ سے ہمارے شاملِ حال ہیں اور اس کے وہ عطایا ہمارے کسی گذشتہ عمل کا نتیجہ نہیں ہیں اور کہ جو لوگ ان امور کو اپنے کسی گذشتہ عمل کا نتیجہ خیال کرتے ہیں وہ محض کوتہ اندیشی اور جہالت کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں خدا کا فضل اور رحمانیت ہماری روحانی جسمانی تکمیل کی غرض سے ہے اور کوئی دعویٰ نہیں کر سکتا کہ یہ میرے اعمال کا نتیجہ ہیں۔

اَلرَّحِیْم۔ انسان کی سچی محنت اور کوشش کا بدلہ دیتا ہے ایک کسان سچی محنت اور کوشش کرتا ہے۔ اس کے مقابل میں یہ عادت اللہ ہے کہ وہ اس کی محنت اور کوشش کو ضائع نہیں کرتا اور بابرگ و بار کرتا ہے شاذ و نادر حکم عدم کا رکھتا ہے۔ (الحکم جلد ۱۲ نمبر ۴۱ مؤرخہ ۱۴؍جولائی ۱۹۰۸ء صفحہ ۲)

خدا کی صفتِ رحمانیت اس فرقہ کی تردید کرتی ہے جو خدا کو بِلا مبادلہ یعنی بغیر ہماری کسی محنت اور کوشش کے بعض اشیاء کے عنایت کرنے والا نہیں مانتے۔ اس کے بعد خدا تعالیٰ کی صفت الرّحیم کا بیان ہے یعنی محنتوں کوششوں اور اعمال پر ثمراتِ حسنہ مترتّب کرنے والا۔ یہ صفت اس فرقہ کو ردّ کرتی ہے جو اعمال کو بالکل لغو خیال کرتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ میاں نماز کیا تو روزے کیا اگر غفور الرحیم نے اپنا فضل کیا تو بہشت میں جائیں گے نہیں تو جہنم میں۔ اور کبھی کبھی یہ لوگ اس قسم کی باتیں بھی کہہ دیا کرتے ہیں کہ میاں عبادتاں کر

کے ولی تو ہم نے کچھ تھوڑا ہی بننا۔ کچھ کیتا کیتا نہ کیتا نہ سہی۔ غرض اَلرَّحِیْم کہہ کر خدا ایسے ہی لوگوں کا ردّ کرتا ہے اور بتا تا ہے کہ جو محنت کرتا ہے اور خدا کے عشق اور محبت میں محو ہو جاتا ہے۔ وہ دوسروں سے ممتاز اور خدا کا منظورِ نظر ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ ایسے شخص کی خود دستگیری کرتا ہے جیسے فرمایا وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (العنکبوت:۷۰) یعنی جو لوگ ہماری خاطر مجاہدات کرتے ہیں آخر ہم ان کو اپنا راستہ دکھا دیتے ہیں۔ جتنے اولیا، انبیاء اور بزرگ لوگ گذرے ہیں۔ انہوں نے خدا کی راہ (میں) جب بڑے بڑے مجاہدات کئے تو آخر خدا نے اپنے دروازے ان پر کھول دیئے۔ لیکن وہ لوگ جو خدا تعالیٰ کی اس صفت کو نہیں مانتے عموماً ان کا یہی مقولہ ہوتا ہے کہ میاں ہماری کوششوں میں کیا پڑا ہے۔ جو کچھ تقدیر میں پہلے روز سے لکھا ہے وہ تو ہو کر رہے گا۔ ہماری محنتوں کی کوئی ضرورت نہیں جو ہونا ہے وہ آپ ہی ہو جائے گا اور شاید چوروں اور ڈاکوؤں اور دیگر بدمعاشوں کا اندر ہی اندر یہی مذہب ہوتا ہوگا۔ غرض یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ خدا تعالیٰ کے فعل دو قسم کے ہوتے ہیں ایک تو وہ ہیں جن میں اعمال کا کوئی دخل نہیں جیسے سورج چاند ہوا وغیرہ جو خدا تعالیٰ نے بغیر ہمارے کسی عمل کے ہمارے وجود میں آنے سے ہی پیشتر اپنی قدرتِ کاملہ سے تیار کر رکھے ہیں اور دوسرے وہ ہیں جن میں اعمال کا دخل ہے۔ اور عابد زاہد اور پرہیز گار لوگ عبادت کرتے اور پھر اپنا اجر پاتے ہیں۔ (الحکم نمبر ا جلد ۱۲ مؤرخہ ۲؍جنوری ۱۹۰۸ء صفحہ ۶)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۔ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۔ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ۔ تمام محامد اس ذات معبود برحق مستجمع جمیع صفات کاملہ کو ثابت ہیں جس کا نام اللہ ہے۔.....
قرآن شریف کی اصطلاح میں اللہ اس ذات کامل کا نام ہے کہ جو معبود برحق اور مستجمع جمیع صفات کاملہ اور تمام رذائل سے منزّہ اور واحد لاشریک اور مبدء جمیع فیوض ہے۔ کیونکہ خدائے تعالیٰ نے اپنے کلام پاک قرآنِ شریف میں اپنے نام اللہ کو تمام دوسرے اسماء وصفات کا موصوف ٹھہرایا ہے اور کسی جگہ کسی دوسرے اسم کو یہ رُتبہ نہیں دیا۔ پس اللہ کے اسم کو بوجہ موصوفیتِ تامہ ان تمام صفتوں پر دلالت ہے جن کا وہ موصوف ہے اور چونکہ وہ جمیع اسماء اور صفات کا موصوف ہے اس لئے اس کا مفہوم یہ ہوا کہ وہ جمیع صفات کاملہ پر مشتمل ہے۔ پس خلاصہ مطلب الحمد للہ کا یہ نکلا کہ تمام اقسام حمد کے کیا باعتبار ظاہر کے اور کیا باعتبار باطن کے اور کیا باعتبار ذاتی کمالات کے اور کیا باعتبار قدرتی عجائبات کے اللہ سے مخصوص ہیں اور اس میں کوئی دوسرا شریک نہیں۔ اور نیز جس قدر محامد صحیحہ اور کمالاتِ تامہ کو عقل کسی عاقل کی سوچ سکتی ہے یا فکر کسی متفکر کا ذہن میں لاسکتا ہے۔

وہ سب خوبیاں اللہ تعالیٰ میں موجود ہیں۔ اور کوئی ایسی خوبی نہیں کہ عقل اس خوبی کے امکان پر شہادت دے۔ مگر اللہ تعالیٰ بدقسمت انسان کی طرح اس خوبی سے محروم ہو۔ بلکہ کسی عاقل کی عقل ایسی خوبی پیش ہی نہیں کر سکتی کہ جو خدا میں نہ پائی جائے۔ جہاں تک انسان زیادہ سے زیادہ خوبیاں سوچ سکتا ہے وہ سب اس میں موجود ہیں اور اس کو اپنی ذات اور صفات اور محامد میں من کل الوجوہ کمال حاصل ہے اور رذائل سے بکلّی منزّہ ہے۔ (براہین احمدیہ چہار حصص، روحانی خزائن جلد ۱ صفحہ ۴۳۵،۴۳۶ حاشیہ نمبر ۱۱)

اِعْلَمْ أَنَّ الْحَمْدَ ثَنَآءٌ عَلَى الْفِعْلِ الْجَمِيْلِ لِمَنْ يَّسْتَحِقُّ الثَّنَآءَ۔ وَمَدْحٌ لِّمُنْعِمٍ أَنْعَمَ مِنَ الْإِرَادَةِ وَ أَحْسَنَ كَيْفَ شَآءَ ۔ وَلَا يَتَحَقَّقُ حَقِيْقَةُ الْحَمْدِ كَمَا هُوَ حَقُّهَا إِلَّا لِلَّذِيْ هُوَ مَبْدَءٌ لِّجَمِيْعِ الْفُيُوْضِ وَالْأَ نْوَارِ۔ وَمُحْسِنٌ عَلٰى وَجْهِ الْبَصِيْرَةِ لَا مِنْ غَيْرِ الشُّعُوْرِ وَلَا مِنَ الْاِضْطِرَارِ۔ فَلَا يُوْجَدُ هٰذَاالْمَعْنٰى إِلَّا فِي اللّٰهِ الْخَبِيْرِ الْبَصِيْرِ۔ وَ إِنَّهٗ هُوَ الْمُحْسِنُ وَمِنْهُ الْمِنَنُ كُلُّهَا فِي الْأَوَّلِ وَالْأَخِيْرِ۔ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي هٰذِهِ الدَّارِ وَتِلْكَ الدَّارِ۔ وَإِلَيْهِ يَرْجِعُ كُلُّ حَمْدٍ يُّنْسَبُ إِلَى الْأَغْيَارِ۔ ثُمَّ إِنَّ لَفْظَ الْحَمْدِ مَصْدَرٌ مَّبْنِيٌّ عَلَى الْمَعْلُوْمِ وَالْمَجْهُوْلِ۔ وَلِلْفَاعِلِ وَ الْمَفْعُوْلِ۔ مِنَ اللّٰهِ ذِي الْجَلَالِ۔ وَ مَعْنَاهُ أَنَّ اللّٰهَ هُوَ مُحَمَّدٌ وَّ هُوَ أَحْمَدُ عَلٰى وَجْهِ الْكَمَالِ۔ وَ الْقَرِيْنَةُ الدَّآلَّةُ عَلٰى هٰذَا الْبَيَانِ۔ أَنَّهٗ تَعَالٰى ذَكَرَ

واضح ہو کہ حمد اس تعریف کو کہتے ہیں جو کسی مستحقِ تعریف کے اچھے فعل پر کی جائے نیز ایسے انعام کنندہ کی مدح کا نام ہے جس نے اپنے ارادہ سے انعام کیا ہو۔ اور اپنی مشیّت کے مطابق احسان کیا ہو۔ اور حقیقت حمد کما حقّہٗ صرف اسی ذات کے لئے متحقّق ہوتی ہے جو تمام فیوض وانوار کا مبدء ہو اور علیٰ وجہ البصیرت کسی پر احسان کرے نہ کہ غیر شعوری طور پر یا کسی مجبوری سے۔ اور حمد کے یہ معنی صرف خدائے خبیر و بصیر کی ذات میں ہی پائے جاتے ہیں۔ اور وہی محسن ہے اور اوّل و آخر میں سب احسان اسی کی طرف سے ہیں۔ اور سب تعریف اسی کے لئے ہے اس دنیا میں بھی اور اُس دنیا میں بھی اور ہر حمد جو اس کے غیروں کے متعلق کی جائے اس کا مرجع بھی وہی ہے۔ پھر یہ بھی یاد رہے کہ لفظ حمد جو اس آیت میں اللہ ذوالجلال کی طرف سے استعمال ہوا ہے مصدر ہے جو بطور مبنی للمعلوم اور مبنی للمجہول ہے۔ یعنی فاعل اور مفعول دونوں کے لئے ہے۔ اور اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کامل طور پر تعریف کیا گیا اور تعریف کرنے والا ہے۔ اور اس بیان پر دلالت کرنے والا قرینہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حمد کے بعد ایسی صفات کا ذکر فرمایا ہے جو اہل عرفان کے

بَعْدَ الْحَمْدِ صِفَاتًا تَسْتَلْزِمُ هٰذَا الْمَعْنٰی عِنْدَ أَهْلِ الْعِرْفَانِ. وَ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ أَوْمَأَ فِیْ لَفْظِ الْحَمْدِ إِلٰی صِفَاتٍ تُوْجَدُ فِیْ نُوْرِهِ الْقَدِیْمِ.

نزدیک ان معنی کو مستلزم ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے لفظ حمد میں ان صفات کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ جو اس کے ازلی نُور میں پائی جاتی ہیں۔

ثُمَّ فَسَّرَ الْحَمْدَ وَجَعَلَهٗ مُخَدَّرَةً سَفَرَتْ عَنْ وَجْهِهَا عِنْدَ ذِكْرِ الرَّحْمَانِ وَالرَّحِیْمِ. فَإِنَّ الرَّحْمَانَ یَدُلُّ عَلٰی أَنَّ الْحَمْدَ مَبْنِیٌّ عَلَی الْمَعْلُوْمِ. وَالرَّحِیْمَ یَدُلُّ عَلَی الْمَجْهُوْلِ كَمَا لَا یَخْفٰی عَلٰی أَهْلِ الْعُلُوْمِ.

(اعجاز المسیح، روحانی خزائن جلد ۱۸ صفحہ ۱۲۹ تا ۱۳۱)

پھر اس نے اس لفظ حمد کی تفسیر فرمائی ہے اور اسے ایک ایسی پردہ نشین قرار دیا ہے جو رحمان اور رحیم کے ذکر پر اپنے چہرہ سے نقاب اٹھاتی ہے کیونکہ رحمٰن کا لفظ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ لفظ حمد مصدر معروف ہے اور اسی طرح رحیم کا لفظ حمد کے مصدر مجہول ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ جیسا کہ اہلِ علم پر مخفی نہیں۔ (ترجمہ از مرتب)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ. هُوَ الثَّنَاءُ بِاللِّسَانِ عَلَی الْجَمِیْلِ لِلْمُقْتَدِرِ النَّبِیْلِ عَلٰی قَصْدِ التَّبْجِیْلِ. وَ الْكَامِلُ التَّآمُّ مِنْ أَفْرَادِهٖ مُخْتَصٌّ بِالرَّبِّ الْجَلِیْلِ وَ كُلُّ حَمْدٍ مِنَ الْكَثِیْرِ وَالْقَلِیْلِ یَرْجِعُ إِلٰی رَبِّنَا الَّذِیْ هُوَ هَادِی الضَّآلِّ وَ مُعِزُّ الذَّلِیْلِ وَهُوَ مَحْمُوْدُ الْمَحْمُوْدِیْنَ وَ الشُّكْرِ یُفَارِقُ الْحَمْدَ بِخُصُوْصِیَّتِهٖ بِالصِّفَاتِ الْمُتَعَدِّیَةِ عِنْدَ أَكْثَرِ الْعُلَمَآءِ و الْمَدْحُ یُفَارِقُهٗ فِیْ جَمِیْلٍ غَیْرِ اخْتِیَارِیٍّ كَمَا لَا یَخْفٰی عَلَی الْبُلَغَآءِ وَ الْأُدَبَآءِ الْمَاهِرِیْنَ.

حمد اس تعریف کو کہتے ہیں جو کسی صاحب اقتدار شریف ہستی کے اچھے کاموں پر اس کی تعظیم وتکریم کے ارادہ سے زبان سے کی جائے اور کامل ترین حمد ربّ جلیل سے مخصوص ہے اور ہر قسم کی حمد کا مرجع خواہ وہ تھوڑی ہو یا زیادہ ہمارا وہ ربّ ہے جو گمراہوں کو ہدایت دینے والا اور ذلیل لوگوں کو عزت بخشنے والا ہے۔ اور وہ محمودوں کا محمود ہے (یعنی وہ ہستیاں جو خود قابلِ حمد ہیں وہ سب اس کی حمد میں لگی ہوئی ہیں)۔ اکثر علماء کے نزدیک لفظ شکر حمد سے اس پہلو میں فرق رکھتا ہے کہ وہ ایسی صفات سے مختص ہے کہ جو دوسروں کو فائدہ پہنچانے والی ہوں اور لفظ مدح لفظ حمد سے اس بات میں مختلف ہے کہ مدح کا اطلاق غیر اختیاری خوبیوں پر بھی ہوتا ہے۔ اور یہ امر فصیح وبلیغ علماء اور ماہر ادباء سے مخفی نہیں۔

وَإِنَّ اللهَ تَعَالٰى افْتَتَحَ كِتَابَهُ بِالْحَمْدِ لَا بِالشُّكْرِ وَلَا بِالثَّنَآءِ لِأَنَّ الْحَمْدَ يُحِيْطُ عَلَيْهِمَا بِالْاِسْتِيْفَآءِ وَقَدْ نَابَ مَنَابَهُمَا مَعَ الزِّيَادَةِ فِي الرِّفَآءِ وَ فِي التَّزْئِيْنِ وَالتَّحْسِيْنِ. وَلِاَنَّ الْكُفَّارَ كَانُوْا يَحْمَدُوْنَ طَوَاغِيْتَهُمْ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّيُؤْثِرُوْنَ لَفْظَ الْحَمْدِ لِمَدَاحِهِمْ وَ يَعْتَقِدُوْنَ أَنَّهُمْ مَنْبَعُ الْمَوَاهِبِ وَالْجَوَآئِزِ وَمِنَ الْجَوَّادِيْنَ. وَ كَذَالِكَ كَانَ مَوْتَاهُمْ يُحْمَدُوْنَ عِنْدَ تَعْدِيْدِ النَّوَادِبِ بَلْ فِي الْمَيَادِيْنِ وَ الْمَآدِبِ كَحَمْدِ اللهِ الرَّازِقِ الْمُتَوَلِّي الضَّمِيْنِ. فَهٰذَا رَدٌّ عَلَيْهِمْ وَعَلٰى كُلِّ مَنْ أَشْرَكَ بِاللهِ وَذِكْرٌ لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ. وَفِيْ ذٰلِكَ يَلُوْمُ اللهُ تَعَالٰى عَبَدَةَ الْأَوْثَانِ وَالْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى وَكُلَّ مَنْ كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ. فَكَأَنَّهُ يَقُوْلُ أَيُّهَا الْمُشْرِكُوْنَ لِمَ تَحْمَدُوْنَ شُرَكَآءَكُمْ وَتُطْرُوْنَ كُبَرَآءَكُمْ. أَهُمْ أَرْبَابُكُمُ الَّذِيْنَ رَبَّوْكُمْ وَ أَبْنَآءَكُمْ. أَمْ هُمُ الرَّاحِمُوْنَ الَّذِيْنَ يَرْحَمُوْنَكُمْ وَيَرُدُّوْنَ بَلَآءَكُمْ وَيَدْفَعُوْنَ مَا سَآءَكُمْ وَضَرَّآءَكُمْ وَيَحْفَظُوْنَ خَيْرًا جَآءَكُمْ

اور اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کو حمد سے شروع کیا ہے نہ کہ شکر اور مدح سے کیونکہ لفظ حمد ان دونوں الفاظ کے مفہوم پر پوری طرح حاوی ہے۔ اور وہ ان کا قائمقام ہوتا ہے مگر اس میں اصلاح، آرائش اور زیبائش کا مفہوم ان سے زائد ہے۔ چونکہ کفّار بلاوجہ اپنے بُتوں کی حمد کیا کرتے تھے اور وہ ان کی مدح کے لئے حمد کے لفظ کو اختیار کرتے تھے اور یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ وہ معبود تمام عطایا اور انعامات کے سرچشمہ ہیں اور سخیوں میں سے ہیں۔ اسی طرح ان کے مُردوں کی ماتم کرنے والیوں کی طرف سے مفاخر شماری کے وقت بلکہ میدانوں میں بھی اور ضیافتوں کے مواقع پر بھی اسی طرح حمد کی جاتی تھی جس طرح اس رازق، متولّی اور ضامن اللہ تعالیٰ کی حمد کی جانی چاہئے۔ اس لئے یہ (الحمدللہ) ایسے لوگوں اور دوسرے تمام مشرکوں کی تردید ہے اور فراست سے کام لینے والوں کے لئے (اس میں) نصیحت ہے۔ اور ان الفاظ میں اللہ تعالیٰ بُت پرستوں، یہودیوں، عیسائیوں اور دوسرے تمام مشرکوں کو سرزنش کرتا ہے۔ گویا وہ یہ کہتا ہے کہ اے مشرکو! تم اپنے شرکاء کی کیوں حمد کرتے ہو اور اپنے بزرگوں کی تعریف بڑھا چڑھا کر کیوں کرتے ہو؟ کیا وہ تمہارے ربّ ہیں جنہوں نے تمہاری اور تمہاری اولاد کی پرورش کی ہے یا وہ ایسے رحم کرنے والے ہیں جو تم پر ترس کھاتے ہیں اور تمہاری مصیبتوں کو دور کرتے ہیں اور تمہارے دکھوں اور تکلیفوں کی روک تھام کرتے ہیں۔ یا جو بھلائی تمہیں مل چکی ہے اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ یا

وَيَرْحَضُوْنَ عَنْكُمْ قَشْفَ الشَّدَآئِدِ وَيُدَاوُوْنَ دَائَكُمْ أَمْ هُمْ مَالِكُ يَوْمِ الدِّيْنِ۔ بَلِ اللّٰهُ يُرَبِّيْ وَيَرْحَمُ بِتَكْمِيْلِ الرِّفَآءِ وَعَطَآءِ أَسْبَابِ الْاِهْتِدَآءِ وَ اسْتِجَابَةِ الدُّعَاءِ وَالتَّنْجِيَةِ مِنَ الْأَعْدَآءِ وَسَيُعْطِيْ أَجْرَ الْعَامِلِيْنَ الصَّالِحِيْنَ۔

مصائب کی میل کچیل تمہارے وجود سے دھوتے ہیں اور تمہاری بیماری کا علاج کرتے ہیں۔ کیا وہ جزا سزا کے دن کے مالک ہیں؟ نہیں بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ ہی ہے جو خوشیوں کی تکمیل کرنے، ہدایت کے اسباب مہیا کرنے، دُعائیں قبول کرنے اور دشمنوں سے نجات دینے کے ذریعہ تم پر رحم فرماتا اور تمہاری پرورش کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نیکوکاروں کو ضرور اجر عطا کرے گا۔

وَفِيْ لَفْظِ الْحَمْدِ إِشَارَةٌ أُخْرٰى وَ هِيَ أَنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى يَقُوْلُ أَيُّهَا الْعِبَادُ اعْرِفُوْنِيْ بِصِفَاتِيْ وَتَعَرَّفُوْنِيْ بِكَمَالَاتِيْ فَإِنِّيْ لَسْتُ كَالنَّاقِصِيْنَ بَلْ يَزِيْدُ حَمْدِيْ عَلٰى إِطْرَآءِ الْحَامِدِيْنَ۔ وَلَنْ تَجِدَ مَحَامِدَ لَا فِي السَّمٰوَاتِ وَلَا فِي الْأَرَضِيْنَ اِلَّا وَتَجِدُهَا فِيْ وَجْهِيْ وَإِنْ اَرَدْتَّ اِحْصَآءَ مَحَامِدِيْ فَلَنْ تُحْصِيَهَا وَ اِنْ فَكَّرْتَ بِشِقِّ نَفْسِكَ وَ كَلَّفْتَ فِيْهَا كَالْمُسْتَغْرِقِيْنَ۔ فَانْظُرْ هَلْ تَرٰى مِنْ حَمْدٍ لَّا يُوْجَدُ فِيْ ذَاتِيْ۔ وَ هَلْ تَجِدُ مِنْ كَمَالٍ بُعِّدَ مِنِّيْ وَمِنْ حَضْرَتِيْ۔ فَإِنْ زَعَمْتَ كَذَالِكَ فَمَا عَرَفْتَنِيْ وَأَنْتَ مِنْ قَوْمٍ عَمِيْنَ۔ بَلْ إِنَّنِيْ أُعْرَفُ بِمَحَامِدِيْ وَ كَمَالَاتِيْ وَيُرٰى وَابِلِيْ بِسُحُبِ بَرَكَاتِيْ فَالَّذِيْنَ حَسِبُوْنِيْ مُسْتَجْمِعَ جَمِيْعِ

اور لفظ حمد میں ایک اور اشارہ بھی ہے اور وہ یہ کہ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے (میرے) بندو! میری صفات سے مجھے شناخت کرو اور میرے کمالات سے مجھے پہچانو۔ میں ناقص ہستیوں کی مانند نہیں بلکہ میری حمد کا مقام انتہائی مبالغہ سے حمد کرنے والوں سے بڑھ کر ہے اور تم آسمانوں اور زمینوں میں کوئی قابلِ تعریف صفات نہیں پاؤ گے جو تمہیں میری ذات میں نہ مل سکیں۔ اور اگر تم میری قابل حمد صفات کو شمار کرنا چاہو تو تم ہرگز انہیں نہیں گن سکو گے۔ اگرچہ تم کتنا ہی جان توڑ کر سوچو اور اپنے کام میں مستغرق ہونے والوں کی طرح ان صفات کے بارہ میں کتنی ہی تکلیف اٹھاؤ۔ خوب سوچو! کیا تمہیں کوئی ایسی حمد نظر آتی ہے جو میری ذات میں نہ پائی جاتی ہو؟ کیا تمہیں ایسے کمال کا سراغ ملتا ہے جو مجھ سے اور میری بارگاہ سے بعید ہو؟ اور اگر تم ایسا گمان کرتے ہو تو تم نے مجھے پہچانا ہی نہیں اور تم اندھوں میں سے ہو۔ بلکہ یقیناً میں (اللہ تعالیٰ) اپنی ستودہ صفات اور اپنے کمالات سے پہچانا جاتا ہوں اور میری موسلا دھار

صِفَاتٍ كَامِلَةٍ وَّ كَمَالَاتٍ شَامِلَةٍ وَّمَا وَجَدُوْا مِنْ كَمَالٍ وَّمَا رَأَوْا مِنْ جَلَالٍ إِلٰى جَوَلَانِ خَيَالٍ إِلَّا وَنَسَبُوْهَا إِلَيَّ وَعَزَوْا إِلَيَّ كُلَّ عَظْمَةٍ ظَهَرَتْ فِيْ عُقُوْلِهِمْ وَ أَنْظَارِهِمْ وَكُلَّ قُدْرَةٍ تَرَاءَتْ أَمَامَ أَفْكَارِهِمْ فَهُمْ قَوْمٌ يَّمْشُوْنَ عَلٰى طُرُقِ مَعْرِفَتِيْ وَ الْحَقُّ مَعَهُمْ وَ أُولٰئِكَ مِنَ الْفَائِزِيْنَ۔ فَقُوْمُوْا عَافَاكُمُ اللّٰهُ وَاسْتَقْرُوْا مَحَامِدَهٗ عَزَّ اسْمُهٗ وَ انْظُرُوْا وَأَمْعِنُوْا فِيْهَا كَالْأَكْيَاسِ وَ الْمُتَفَكِّرِيْنَ۔ وَاسْتَنْفِضُوْا وَاسْتَشِفُّوْا أَنْظَارَكُمْ إِلٰى كُلِّ جِهَةِ كَمَالٍ وَّتَحَسَّسُوْا مِنْهُ فِيْ قَيْضِ الْعَالَمِ وَ مُحِّهٖ كَمَا يَتَحَسَّسُ الْحَرِيْصُ أَمَانِيَّهٗ بِشُحِّهٖ فَإِذَا وَجَدْتُّمْ كَمَالَهُ التَّآمَّ وَ رَيَّاهُ فَإِذَا هُوَ إِيَّاهُ وَ هٰذَا سِرٌّ لَّايَبْدُوْ إِلَّا عَلَى الْمُسْتَرْشِدِيْنَ۔ فَذَالِكُمْ رَبُّكُمْ وَ مَوْلَاكُمُ الْكَامِلُ الْمُسْتَجْمِعُ لِجَمِيْعِ الصِّفَاتِ الْكَامِلَةِ وَالْمَحَامِدِ التَّآمَّةِ الشَّامِلَةِ وَلَا يَعْرِفُهٗ إِلَّا مَنْ تَدَبَّرَ فِي الْفَاتِحَةِ وَاسْتَعَانَ بِقَلْبٍ حَزِيْنٍ۔ وَّإِنَّ الَّذِيْنَ يُخْلِصُوْنَ مَعَ اللّٰهِ نِيَّةَ الْعَقْدِ

بارش کا پتہ میری برکات کے بادلوں سے ہوتا ہے۔ پس جن لوگوں نے مجھے تمام صفاتِ کاملہ اور تمام کمالات کا جامع یقین کیا اور انہوں نے جہاں جو کمال بھی دیکھا اور اپنے خیال کی انتہائی پرواز تک انہیں جو جلال بھی نظر آیا انہوں نے اُسے میری طرف ہی نسبت دی۔ اور ہر عظمت جو ان کی عقلوں اور نظروں میں نمایاں ہوئی اور ہر قدرت جو ان کے افکار کے آئینہ میں انہیں دکھائی دی انہوں نے اسے میری طرف ہی منسوب کیا۔ پس یہ ایسے لوگ ہیں جو میری معرفت کی راہوں پر گامزن ہیں۔ حق ان کے ساتھ ہے اور وہ کامیاب ہونے والے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ تمہیں عافیت سے رکھے۔ اُٹھو! خدائے ذوالجلال کی صفات کی تلاش میں لگ جاؤ اور دانشمندوں اور غور وفکر کرنے والوں کی طرح ان میں سوچ وبچار اور امعانِ نظر سے کام لو۔ اچھی طرح دیکھ بھال کرو اور کمال کے ہر پہلو پر گہری نظر ڈالو۔ اور اس عالم کے ظاہر میں اور اس کے باطن میں اسے اس طرح تلاش کرو جیسے ایک حریص انسان بڑی رغبت سے اپنی خواہشات کی تلاش میں لگا رہتا ہے۔ پس جب تم اس کے کمال تام کو پہنچ جاؤ اور اس کی خوشبو پالو تو گویا تم نے اسی کو پالیا اور یہ ایسا راز ہے جو صرف ہدایت کے طالبوں پر ہی کھلتا ہے۔ پس یہ تمہارا ربّ اور تمہارا آقا ہے جو خود کامل ہے اور تمام صفاتِ کاملہ اور محامد کا جامع ہے۔ اس کو وہی شخص پہچان سکتا ہے جو سورۃ فاتحہ میں تدبّر کرے اور دردمند دل کے ساتھ خدا تعالیٰ سے مدد مانگے۔ وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ سے عہد باندھتے وقت اپنی نیّت کو خالص کر لیتے

وَيُعْطُوْنَهٗ صَفْقَةَ الْعَهْدِ وَيُطَهِّرُوْنَ أَنْفُسَهُمْ مِنَ الضِّغْنِ وَالْحِقْدِ تُفَتَّحُ عَلَيْهِمْ أَبْوَابُهَا فَإِذَا هُمْ مِنَ الْمُبْصِرِيْنَ۔

وَ مَعَ ذٰلِكَ فِيْهِ إِشَارَةٌ إِلٰى أَنَّهٗ مَنْ هَلَكَ بِخُطَاهُ فِيْ أَمْرِ مَعْرِفَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى أَوِ اتَّخَذَ إِلٰهًا غَيْرَهٗ فَقَدْ هَلَكَ مِنْ رَّفْضِ رِعَايَةِ كَمَالَاتِهٖ وَ تَرْكِ التَّأَنُّقِ فِيْ عَجَائِبَاتِهٖ وَالْغَفْلَةِ عَمَّا يَلِيْقُ بِذَاتِهٖ كَمَا هُوَ عَادَةُ الْمُبْطِلِيْنَ۔ اَلَا تَنْظُرُ إِلَى النَّصَارٰى اَنَّهُمْ دُعُوْا اِلَى التَّوْحِيْدِ فَمَا اَهْلَكَهُمْ اِلَّا هٰذِهِ الْعِلَّةُ وَ سَوَّلَتْ لَهُمُ النَّفْسُ الْمُضِلَّةُ وَ الشَّهْوَةُ الْمُزِلَّةُ اَنِ اتَّخَذُوْا عَبْدًا اِلٰهًا وَّارْتَضَعُوْا عُقَارَ الضَّلَالَةِ وَ الْجَهَالَةِ وَنَسُوْا كَمَالَ اللّٰهِ تَعَالٰى وَ مَا يَجِبُ لِذَاتِهٖ وَنَحَتُوْا لِلّٰهِ الْبَنَاتِ وَ الْبَنِيْنَ۔ وَلَوْ أَنَّهُمْ أَمْعَنُوْا أَنْظَارَهُمْ فِيْ صِفَاتِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَمَا يَلِيْقُ لَهٗ مِنَ الْكَمَالَاتِ لَمَا أَخْطَأَ تَوَسُّمُهُمْ وَمَا كَانُوْا مِنَ الْهَالِكِيْنَ۔ فَأَشَارَ اللّٰهُ تَعَالٰى هٰهُنَا أَنَّ الْقَانُوْنَ الْعَاصِمَ مِنَ الْخَطَأِ فِيْ مَعْرِفَةِ الْبَارِيْ عَزَّ اسْمُهٗ إِمْعَانُ النَّظَرِ فِيْ كَمَالَاتِهٖ وَتَتَبُّعُ

ہیں اور اس سے عہدِ بیعت باندھتے ہیں اور اپنے نفوس کو ہر قسم کے بُغض اور کینہ سے پاک کرتے ہیں ان پر اس سورۃ کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور وہ فوراً صاحبِ بصیرت بن جاتے ہیں۔

اور اس کے ساتھ ہی الحمدللہ میں ایک یہ اشارہ بھی ہے کہ جو معرفت باری تعالیٰ کے معاملہ میں اپنے بداعمال سے ہلاک ہوا یا اس کے سوا کسی اور کو معبود بنالیا تو سمجھو کہ وہ شخص خدا تعالیٰ کے کمالات کی طرف سے اپنی توجہ پھیر لینے، اس کے عجائبات کا نظارہ نہ کرنے اور جو امور اس کی شایانِ شان ہیں ان سے باطل پرستوں کی طرح غفلت برتنے کے نتیجہ میں ہلاک ہوگیا۔ کیا تُو نصاریٰ کو نہیں دیکھتا کہ انہیں توحید کی دعوت دی گئی تو انہیں اسی بیماری نے ہلاک کیا اور ان کے گمراہ کرنے والے نفس اور پھسلا دینے والی خواہشات نے ان کے لئے (یہ گمراہ کن) خیال خوبصورت کر کے دکھا دیا اور انہوں نے ایک (عاجز) بندے کو خدا بنالیا اور گمراہی اور جہالت کی شراب پی لی۔ اللہ تعالیٰ کے کمال اور اس کی صفاتِ ذاتیہ کو بھول گئے اور اس کے لئے بیٹے اور بیٹیاں تراش لیں اگر وہ اللہ تعالیٰ کی صفات اور اس کے شایانِ شان کمالات پر گہری نظر ڈالتے تو ان کی عقل خطا نہ کرتی اور وہ ہلاک ہونے والوں میں سے نہ ہوجاتے۔ پس یہاں اللہ تعالیٰ نے اس طرف اشارہ فرمایا ہے کہ اللہ جَلَّ شَانُہٗ کی معرفت کے بارہ میں غلطی سے بچانے والا قانون یہ ہے کہ اس کے کمالات میں پورا غور کیا جائے اور اس کی ذات کے

صِفَاتٍ تَلِيْقُ بِذَاتِهٖ وَ تَذَكُّرُ مَا هُوَ أَوْلٰى مِنْ جَدْوٰى وَأَحْرٰى مِنْ عَدْوٰى وَ تَصَوُّرُ مَا أَثْبَتَ بِأَفْعَالِهٖ مِنْ قُوَّتِهٖ وَ حَوْلِهٖ وَ قَهْرِهٖ وَطَوْلِهٖ فَاحْفَظْهُ وَلَا تَكُنْ مِنَ اللَّافِتِيْنَ۔

لائق صفات کی جستجو کی جائے اور ان صفات کا ورد کیا جائے جو ہر مادی عطیہ سے بہتر اور ہر مدد سے مناسب تر ہیں اور اس نے اپنے کاموں سے جو صفات ثابت کی ہیں یعنی اس کی قوت اس کی طاقت اس کا غلبہ اور اس کی سخاوت کا تصور کیا جائے۔ پس اس بات کو یاد رکھو اور لا پرواہ مت بنو۔

وَ اعْلَمْ أَنَّ الرُّبُوْبِيَّةَ كُلَّهَا لِلّٰهِ وَالرَّحْمَانِيَّةَ كُلَّهَا لِلّٰهِ وَالرَّحِيْمِيَّةَ كُلَّهَا لِلّٰهِ وَالْحُكْمَ فِيْ يَوْمِ الْمَجَازَاةِ كُلَّهٗ لِلّٰهِ فَإِيَّاكَ وَتَأَبِّيكَ مِنْ مُّطَاوَعَةِ مُرَبِّيْكَ وَكُنْ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ الْمُوَحِّدِيْنَ۔ وَأَشَارَ فِي الْاٰيَةِ إِلٰى أَنَّهٗ تَعَالٰى مُنَزَّهٌ مِّنْ تَجَدُّدِ صِفَةٍ وَّحُؤُوْلِ حَالَةٍ وَّلُحُوْقِ وَصْمَةٍ وَّ حَوْرٍ بَعْدَ كَوْرٍ بَلْ قَدْ ثَبَتَ الْحَمْدُ لَهٗ أَوَّلًا وَ اٰخِرًا وَّ ظَاهِرًا وَّبَاطِنًا إِلٰى أَبَدِ الْاٰبِدِيْنَ۔ وَ مَنْ قَالَ خِلَافَ ذٰلِكَ فَقَدِ احْرَوْرَفَ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِيْنَ۔

اور جان لو کہ ربوبیت ساری کی ساری اللہ کے لئے ہے۔ اور رحمانیت ساری کی ساری اللہ کے لئے ہے۔ اور رحیمیت ساری کی ساری اللہ کے لئے ہے اور جزا سزا کے دن کامل حکومت اللہ کے لئے ہے پس اے مخاطب اپنے پرورش کنندہ کی اطاعت سے انکار نہ کر اور موحد مسلمانوں میں سے بن جا۔ پھر اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس طرف اشارہ فرمایا ہے کہ وہ (پہلی صفت کے زوال کے بعد) کسی نئی صفت کو اختیار کرنے اور اپنی شان کے تبدیل ہونے اور کسی عیب کے لاحق ہونے اور نقص کے بعد خوبی کے پانے سے پاک ہے۔ بلکہ اس کے لئے اوّل و آخر اور ظاہر و باطن میں ابدالآباد تک حمد ثابت ہے۔ اور جو اس کے خلاف کہے وہ حق سے برگشتہ ہو کر کافروں میں سے ہو گیا۔

وَقَدْ عَلِمْتَ أَنَّ هٰذِهِ الْاٰيَةَ رَدٌّ عَلَى النَّصَارٰى وَعَبَدَةِ الْأَوْثَانِ فَإِنَّهُمْ لَا يُوْفُوْنَ اللّٰهَ حَقَّهٗ وَلَا يَرْجُوْنَ لَهٗ بَرْقَهٗ بَلْ يُغْدِفُوْنَ عَلَيْهِ سِتَارَةَ الظَّلَامِ وَيُلْقُوْنَهٗ فِيْ سُبُلِ الْاٰلَامِ يُبْعِدُوْنَهٗ مِنَ الْكَمَالِ التَّامِّ وَيُشْرِكُوْنَ بِهٖ

آپ کو معلوم ہو گیا ہے کہ یہ آیت نصاریٰ اور بُت پرستوں کی تردید کرتی ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کا حق پوری طرح ادا نہیں کرتے اور اس کی روشنی کے پھیلنے کی امید نہیں رکھتے بلکہ اس پر اندھیرے کا پردہ پھیلا دیتے ہیں۔ اور اس کو دُکھوں کی راہوں میں ڈال دیتے ہیں۔ اور اس کو پورے کمال سے دور رکھتے ہیں۔ اور مخلوق میں سے ایک کثیر حِصّہ کو اس کا شریک

كَثِيْرًا مِّنَ الْمَخْلُوْقِيْنَ. فَهٰذَا هُوَ الظَّنُّ الَّذِيْ أَرْدَاهُمْ وَ التَّقْلِيْدُ الَّذِيْ أَبَادَهُمْ وَأَهْلَكَهُمْ بِمَا عَوَّلُوْا عَلٰى أَقْوَالِ الْمُفْتَرِيْنَ وَ زَعَمُوْا أَنَّهُمْ مِنَ الصَّادِقِيْنَ. وَ قَالُوْا إِنَّ هٰذِهٖ فِي الْاٰثَارِ الْمُنْتَقَاةِ الْمُدَوَّنَةِ عَنِ الثِّقَاتِ وَمَا تَوَجَّهُوْا إِلٰى عَثْرِ اٰبَاۤئِهِمْ وَجَهْلِ عُلَمَاۤئِهِمْ وَ تَشْرِيْقِهِمْ وَتَغْرِيْبِهِمْ مِنْ مَّرَاكِزِ تَعَالِيْمِ النَّبِيِّيْنَ وَتَيْهِهِمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ هَاۤئِمِيْنَ. وَالْعَجَبُ مِنْ فَهْمِهِمْ وَ عَقْلِهِمْ أَنَّهُمْ يَعْلَمُوْنَ أَنَّ اللّٰهَ كَامِلٌ تَامٌّ لَّا يَجُوْزُ فِيْهِ نَقْصٌ وَّشُنْعَةٌ وَّشُحُوْبٌ وَّذُهُوْلٌ وَّ تَغَيُّرٌ وَّحُؤُوْلٌ ثُمَّ يُجَوِّزُوْنَ فِيْهِ كَثِيْرًا مِّنْهَا وَيَنْسِبُوْنَ إِلَيْهِ كُلَّ شَقْوَةٍ وَّخُسْرَانٍ وَّعَيْبٍ وَّنُقْصَانٍ وَّ يُكَذِّبُوْنَ مَا كَانُوْا صَدَّقُوْهُ أَوَّلًا وَّيَهْذُوْنَ كَالْمَجَانِيْنَ.

وَفِيْ لَفْظِ ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ'' تَعْلِيْمٌ لِّلْمُسْلِمِيْنَ أَنَّهُمْ إِذَا سُئِلُوْا وَقِيْلَ لَهُمْ مَنْ إِلٰهُكُمْ فَوَجَبَ عَلَى الْمُسْلِمِ أَنْ يُّجِيْبَهٗ أَنَّ إِلٰهِيَ الَّذِيْ لَهُ الْحَمْدُ كُلُّهٗ وَمَا مِنْ نَوْعِ كَمَالٍ وَّ قُدْرَةٍ إِلَّا وَ لَهٗ ثَابِتٌ فَلَا تَكُنْ مِّنَ النَّاسِيْنَ. وَلَوْ لَاحَظَ

قرار دیتے ہیں۔ پس یہ ایسا غلط خیال ہے جس نے ان کو ہلاک کر دیا ہے۔ اور وہ اندھی تقلید ہے جس نے ان کو برباد کر دیا ہے۔ مفتریوں کے اقوال پر بھروسہ کرنے نے ان کو ہلاک کر دیا اور انہوں نے یہی سمجھ رکھا ہے کہ وہ سچے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ یہ باتیں احادیث کی منتخب مدوّن کتابوں میں ثقہ راویوں سے درج ہیں۔ انہوں نے اپنے آباء کے ٹھوکریں کھانے اور اپنے علماء کے ناواقف ہونے اور ان کے انبیاء کی تعلیموں کے مراکز سے مشرق و مغرب کی طرح دور اور ہر وادی میں حیران و پریشان بھٹکنے کی طرف توجہ نہیں کی۔ اُن کے عقل وفہم پر تعجب ہے کہ وہ جانتے نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پوری طرح کامل ہے اس میں کسی کمی یا قباحت یا میلا پن یا فروگذاشت یا تغیر وتبدل کا کوئی جواز نہیں۔ پھر وہ اس میں بہت سی ایسی باتوں کو روا رکھتے ہیں اور اس کی طرف ہر بدبختی، گھاٹے، عیب اور نقصان کو منسوب کرتے ہیں اور اس بات کی خود ہی تکذیب کر رہے ہیں جس کی انہوں نے پہلے تصدیق کی تھی اور پاگلوں کی طرح بکواس کرتے رہتے ہیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کے الفاظ میں مسلمانوں کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ جب اُن سے سوال کیا جائے اور اُن سے پوچھا جائے کہ اُن کا معبود کون ہے تو ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ یہ جواب دے کہ میرا معبود وہ ہے جس کے لئے سب حمد ہے اور کسی قسم کا کوئی کمال اور قدرت ایسی نہیں مگر وہ اس کے لئے ثابت ہے۔ پس تو بھولنے والوں میں سے نہ بن۔

الْمُشْرِكِيْنَ حَظُّ الْإِيْمَانِ وَ أَصَابَهُمْ طَلٌّ مِّنَ الْعِرْفَانِ لَمَا طَاحَ بِهِمْ ظَنُّ السَّوْءِ بِالَّذِيْ هُوَ قَيُّوْمُ الْعَالَمِيْنَ۔ وَلٰكِنَّهُمْ حَسِبُوْهُ كَرَجُلٍ شَاخَ بَعْدَ الشَّبَابِ وَاحْتَاجَ بَعْدَ صَمَدِيَّتِهٖ إِلَى الْأَسْبَابِ وَ وَقَعَتْ عَلَيْهِ شَدَآئِدُ نُحُوْلٌ وَّقُحُوْلٌ وَّ قَشَفٌ مُّحُوْلٌ وَّوَقَعَ فِي الْاَتْرَابِ بَلْ قَرُبَ مِنَ التَّبَابِ وَكَانَ مِنَ الْمُتْرَبِيْنَ۔
(کرامات الصادقین، روحانی خزائن جلد ۷ صفحہ ۱۰۶ تا ۱۱۰)

اگر مشرکوں پر ایمان کی کچھ بھی جھلک پڑ جاتی اور ان پر عرفان کی ہلکی سی بارش بھی ہو جاتی تو انہیں قیومِ عالمین پر بدظنی کرنا تباہ نہ کرتا۔ لیکن انہوں نے خدا تعالیٰ کو ایسے شخص کی مانند سمجھ لیا جو جوانی کے بعد بوڑھا ہو گیا ہو اور اپنی بے نیازی کے بعد محتاج ہو گیا ہو اس پر بڑھاپا اور لاغری کی مصیبتیں اور قحط کی سختیاں وارد ہوئی ہوں اور وہ مٹی میں مل گیا بلکہ تباہی کے کنارے جا لگا ہو اور بالکل محتاج ہو گیا ہو۔ (ترجمہ از مرتب)

اس سورۃ کو اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ سے شروع کیا گیا ہے جس کے یہ معنے ہیں کہ ہر ایک حمد اور تعریف اس ذات کے لئے مسلّم ہے جس کا نام اللہ ہے۔ اور اس فقرہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ سے اس لئے شروع کیا گیا کہ اصل مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی عبادت رُوح کے جوش اور طبیعت کی کشش سے ہو اور ایسی کشش جو عشق اور محبت سے بھری ہوئی ہو ہرگز کسی کی نسبت پیدا نہیں ہو سکتی جب تک یہ ثابت نہ ہو کہ وہ شخص ایسی کامل خوبیوں کا جامع ہے جن کے ملاحظہ سے بے اختیار دل تعریف کرنے لگتا ہے اور یہ تو ظاہر ہے کہ کامل تعریف دو قسم کی خوبیوں کے لئے ہوتی ہے۔ ایک کمال حُسن اور ایک کمال احسان اور اگر کسی میں دونوں خوبیاں جمع ہوں تو پھر اُس کے لئے دل فدا اور شیدا ہو جاتا ہے۔ اور قرآن شریف کا بڑا مطلب یہی ہے کہ خدا تعالیٰ کی دونوں قسم کی خوبیاں حق کے طالبوں پر ظاہر کرے تا اُس بے مثل و مانند ذات کی طرف لوگ کھینچے جائیں اور رُوح کے جوش اور کشش سے اُس کی بندگی کریں۔ اس لئے پہلی سورۃ میں ہی یہ نہایت لطیف نقشہ دکھلانا چاہا ہے کہ وہ خدا جس کی طرف قرآن بُلاتا ہے وہ کیسی خوبیاں اپنے اندر رکھتا ہے۔ سو اسی غرض سے اس سورۃ کو اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ سے شروع کیا گیا جس کے یہ معنے ہیں کہ سب تعریفیں اس کی ذات کے لئے لائق ہیں جس کا نام اللہ ہے۔ اور قرآن کی اصطلاح کی رُو سے اللہ اُس ذات کا نام ہے جس کی تمام خوبیاں حُسن و احسان کے کمال کے نقطہ پر پہنچی ہوئی ہوں اور کوئی مَنقصت اُس کی ذات میں نہ ہو۔ قرآن شریف میں تمام صفات کا موصوف صرف اللہ کے اسم کو ہی ٹھہرایا ہے تا اِس بات کی طرف اشارہ ہو کہ اللہ کا اسم تب متحقق ہوتا ہے کہ جب تمام صفات کاملہ اس میں

پائی جائیں۔ پس جبکہ ہر ایک قسم کی خوبی اُس میں پائی گئی تو حسن اس کا ظاہر ہے۔ اِسی حُسن کے لحاظ سے قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ کا نام نور ہے۔ جیسا کہ فرمایا ہے اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ (النور:۳۶) یعنی اللہ تعالیٰ زمین و آسمان کا نُور ہے۔ ہر ایک نور اُسی کے نور کا پَرتَوہ ہے۔ اور احسان کی خوبیاں اللہ تعالیٰ میں بہت ہیں جن میں سے چار بطور اصل الاصول ہیں اور ان کی ترتیب طبعی کے لحاظ سے پہلی خوبی وہ ہے جس کو سُورہ فاتحہ میں رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ کے فقرہ میں بیان کیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی ربوبیّت یعنی پیدا کرنا اور کمالِ مطلوب تک پہنچانا تمام عالموں میں جاری وساری ہے یعنی عالمِ سماوی اور عالمِ ارضی اور عالمِ اجسام اور عالمِ ارواح اور عالمِ جواہر اور عالمِ اعراض اور عالمِ حیوانات اور عالمِ نباتات اور عالم جمادات اور دوسرے تمام قسم کے عالم اس کی ربوبیت سے پرورش پا رہے ہیں یہاں تک کہ خود انسان پر ابتدا نطفہ ہونے کی حالت سے یا اس سے پہلے بھی جو جو عالم موت تک یا دوسری زندگی کے زمانہ تک آتے ہیں وہ سب چشمۂ ربوبیت سے فیض یافتہ ہیں۔ پس ربوبیت الٰہی بوجہ اس کے کہ وہ تمام ارواح و اجسام و حیوانات و نباتات و جمادات وغیرہ پر مشتمل ہے فیضانِ اَعَمّ سے موسوم ہے کیونکہ ہر ایک موجود اس سے فیض پاتا ہے اور اسی کے ذریعہ سے ہر ایک چیز وجود پذیر ہے ہاں البتہ ربوبیتِ الٰہی اگر چہ ہر ایک موجود کی موجد اور ہر ایک ظہور پذیر چیز کی مربی ہے لیکن بحیثیت احسان کے سب سے زیادہ فائدہ اس کا انسان کو پہنچتا ہے کیونکہ خدا تعالیٰ کی تمام مخلوقات سے انسان فائدہ اُٹھاتا ہے۔ اِس لئے انسان کو یاد دلایا گیا ہے کہ تمہارا خدا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ہے تا انسان کی اُمید زیادہ ہو اور یقین کرے کہ ہمارے فائدہ کے لئے خدا تعالیٰ کی قدرتیں وسیع ہیں اور طرح طرح کے عالمِ اسباب ظہور میں لاسکتا ہے۔ دوسری خوبی خدا تعالیٰ کی جو دوسرے درجہ کا احسان ہے جس کو فیضانِ عام سے موسوم کر سکتے ہیں رحمانیت ہے جس کو سورۃ فاتحہ میں الرَّحْمٰنِ کے فقرہ میں بیان کیا گیا ہے اور قرآن شریف کی اصطلاح کی رُو سے خدا تعالیٰ کا نام رحمٰن اس وجہ سے ہے کہ اُس نے ہر ایک جاندار کو جن میں انسان بھی داخل ہے اُس کے مناسبِ حال صورت اور سیرت بخشی یعنی جس طرز کی زندگی اس کے لئے ارادہ کی گئی اس زندگی کے مناسبِ حال جن قوتوں اور طاقتوں کی ضرورت تھی یا جس قسم کی بناوٹ جسم اور اعضاء کی حاجت تھی وہ سب اس کو عطا کئے اور پھر اس کی بقا کے لئے جن جن چیزوں کی ضرورت تھی وہ اس کے لئے مہیّا کیں۔ پرندوں کے لئے پرندوں کے مناسبِ حال اور چرندوں کے لئے چرندوں کے مناسبِ حال اور انسان کے لئے انسان کے مناسبِ حال طاقتیں عنایت کیں اور صرف یہی نہیں بلکہ ان

چیزوں کے وجود سے ہزار ہا برس پہلے بوجہ اپنی صفتِ رحمانیت کے اجرام سماوی و ارضی کو پیدا کیا تا وہ ان چیزوں کے وجود کی محافظ ہوں۔ پس اِس تحقیق سے ثابت ہوا کہ خدا تعالیٰ کی رحمانیت میں کسی کے عمل کا دخل نہیں بلکہ وہ رحمتِ محض ہے جس کی بنیاد ان چیزوں کے وجود سے پہلے ڈالی گئی۔ ہاں انسان کو خدا تعالیٰ کی رحمانیت سے سب سے زیادہ حِصّہ ہے کیونکہ ہر ایک چیز اس کی کامیابی کے لئے قربان ہو رہی ہے اس لئے انسان کو یاد دلایا گیا کہ تمہارا خدا رحمٰن ہے۔

تیسری خوبی خدا تعالیٰ کی جو تیسرے درجہ کا احسان ہے رحیمیّت ہے جس کو سورہ فاتحہ میں الرَّحِيْمِ کے فقرہ میں بیان کیا گیا ہے اور قرآن شریف کی اصطلاح کے رُو سے خدا تعالیٰ رحیم اس حالت میں کہلاتا ہے جبکہ لوگوں کی دُعا اور تضرّع اور اعمالِ صالحہ کو قبول فرما کر آفات اور بلاؤں اور تضییع اعمال سے ان کو محفوظ رکھتا ہے۔ یہ احسان دوسرے لفظوں میں فیض خاص سے موسوم ہے اور صرف انسان کی نوع سے مخصوص ہے۔ دوسری چیزوں کو خدا نے دُعا اور تضرّع اور اعمالِ صالحہ کا ملکہ نہیں دیا مگر انسان کو دیا ہے۔ انسان حیوانِ ناطق ہے اور اپنی نُطق کے ساتھ بھی خدا تعالیٰ کا فیض پا سکتا ہے۔ دوسری چیزوں کو نُطق عطا نہیں ہوا۔ پس اس جگہ سے ظاہر ہے کہ انسان کا دُعا کرنا اس کی انسانیت کا ایک خاصّہ ہے جو اس کی فطرت میں رکھا گیا ہے اور جس طرح خدا تعالیٰ کی صفات ربوبیت اور رحمانیّت سے فیض حاصل ہوتا ہے اسی طرح صفتِ رحیمیت سے بھی ایک فیض حاصل ہوتا ہے۔ صرف فرق یہ ہے کہ ربوبیت اور رحمانیت کی صفتیں دُعا کو نہیں چاہتیں کیونکہ وہ دونوں صفات انسان سے خصوصیت نہیں رکھتیں اور تمام پرند چرند کو اپنے فیض سے مستفیض کر رہی ہیں بلکہ صفتِ ربوبیت تو تمام حیوانات اور نباتات اور جمادات اور اجرامِ ارضی اور سماوی کو فیض رسان ہے اور کوئی چیز اُس کے فیض سے باہر نہیں۔ برخلاف صفتِ رحیمیت کے کہ وہ انسان کے لئے ایک خلعتِ خاصہ ہے۔ اور اگر انسان ہو کر اس صفت سے فائدہ نہ اٹھاوے تو گویا ایسا انسان حیوانات بلکہ جمادات کے برابر ہے جبکہ خدا تعالیٰ نے فیض رسانی کی چار صفت اپنی ذات میں رکھی ہیں اور رحیمیّت کو جو انسان کی دُعا کو چاہتی ہے خاص انسان کے لئے مقرر فرمایا ہے۔ پس اس سے ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ میں ایک قسم کا وہ فیض ہے جو دُعا کرنے سے وابستہ ہے اور بغیر دُعا کے کسی طرح مل نہیں سکتا۔ یہ سنّت اللہ اور قانونِ الٰہی ہے جس میں تخلّف جائز نہیں یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السّلام اپنی اپنی اُمّتوں کے لئے ہمیشہ دُعا مانگتے رہے۔ توریت میں دیکھو کہ کتنی دفعہ

بنی اسرائیل خدا تعالیٰ کو ناراض کر کے عذاب کے قریب پہنچ گئے اور پھر کیونکر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دُعا اور تضرّع اور سجدہ سے وہ عذاب ٹل گیا حالانکہ بار بار وعدہ بھی ہوتا رہا کہ مَیں ان کو ہلاک کروں گا۔

اب اِن تمام واقعات سے ظاہر ہے کہ دُعا محض لغو امر نہیں ہے اور نہ صرف ایسی عبادت جس پر کسی قسم کا فیض نازل نہیں ہوتا۔ یہ ان لوگوں کے خیال ہیں کہ جو خدا تعالیٰ کا وہ قدر نہیں کرتے جو حق قدر کرنے کا ہے اور نہ خدا کی کلام کو نظرِ عمیق سے سوچتے ہیں اور نہ قانونِ قدرت پر نظر ڈالتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ دُعا پر ضرور فیض نازل ہوتا ہے جو ہمیں نجات بخشتا ہے۔ اِسی کا نام فیض رحیمیّت ہے جس سے انسان ترقی کرتا جاتا ہے۔ اِسی فیض سے انسان ولایت کے مقامات تک پہنچتا ہے اور خدا تعالیٰ پر ایسا یقین لاتا ہے کہ گویا آنکھوں سے دیکھ لیتا ہے۔ مسئلہ شفاعت بھی صفتِ رحیمیت کی بناء پر ہے۔ خدا تعالیٰ کی رحیمیّت نے ہی تقاضا کیا کہ اچھے آدمی بُرے آدمیوں کی شفاعت کریں۔

چوتھا احسان خدا تعالیٰ کا جو قسم چہارم کی خوبی ہے جس کو فیضانِ اَخَصّ سے موسوم کر سکتے ہیں مالکیّت یوم الدّین ہے جس کو سورۃ فاتحہ میں فقرہ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ میں بیان فرمایا گیا ہے اور اس میں اور صفتِ رحیمیت میں یہ فرق ہے کہ رحیمیّت میں دُعا اور عبادت کے ذریعہ سے کامیابی کا استحقاق قائم ہوتا ہے اور صفت مالکیّت یوم الدّین کے ذریعہ سے وہ ثمرہ عطا کیا جاتا ہے۔ اِس کی ایسی ہی مثال ہے کہ جیسے ایک انسان گورنمنٹ کا ایک قانون یاد کرنے میں محنت اور جدوجہد کر کے امتحان دے اور پھر اس میں پاس ہو جائے۔ پس رحیمیّت کے اثر سے کسی کامیابی کے لئے استحقاق پیدا ہو جانا پاس ہو جانے سے مشابہ ہے اور پھر وہ چیز یا وہ مرتبہ میسّر آ جانا جس کے لئے پاس ہوا تھا اس حالت سے مشابہ انسان کے فیض پانے کی وہ حالت ہے جو پرتَوہ صفت مالکیّت یوم الدین سے حاصل ہوتی ہے۔ ان دونوں صفتوں رحیمیّت اور مالکیّت یوم الدّین میں یہ اشارہ ہے کہ فیض رحیمیّت خدا تعالیٰ کے رحم سے حاصل ہوتا ہے۔ اور فیض مالکیّت یوم الدّین خدا تعالیٰ کے فضل سے حاصل ہوتا ہے اور مالکیّت یوم الدین اگرچہ وسیع اور کامل طور پر عالَم مَعَاد میں متجلّی ہوگی مگر اس عالم میں بھی اس عالم کے دائرہ کے موافق یہ چاروں صفتیں تجلّی کر رہی ہیں۔ ربوبیت عام طور پر ایک فیض کی بنا ڈالتی ہے اور رحمانیّت اس فیض کو جانداروں میں کُھلے طور پر دکھلاتی ہے اور رحیمیّت ظاہر کرتی ہے کہ خط ممتد فیض کا انسان پر جا کر ختم ہو جاتا ہے اور انسان وہ جانور ہے جو فیض کو نہ صرف حال سے بلکہ منہ سے مانگتا ہے اور مالکیّت یوم الدّین فیض کا آخری ثمرہ بخشتی ہے۔ یہ چاروں صفتیں دنیا میں ہی کام کر رہی ہیں مگر چونکہ دُنیا کا

دائرہ نہایت تنگ ہے اور نیز جہل اور بے خبری اور کم نظری انسان کے شاملِ حال ہے اس لئے یہ نہایت وسیع دائرے صفاتِ اربعہ کے اس عالم میں ایسے چھوٹے نظر آتے جیسے بڑے بڑے گولے ستاروں کے دُور سے صرف نقطے دکھائی دیتے ہیں۔ لیکن عالم معاد میں پورا نظارہ ان صفاتِ اربعہ کا ہوگا۔ اس لئے حقیقی اور کامل طور پر یوم الدّین وہی ہوگا جو عالمِ معاد ہے۔ اُس عالم میں ہر ایک صفت ان صفاتِ اربعہ میں سے دوہری طور پر اپنی شکل دکھائے گی یعنی ظاہری طور پر اور باطنی طور پر اِس لئے اس وقت یہ چار صفتیں آٹھ صفتیں معلوم ہوں گی۔ اِسی کی طرف اشارہ ہے جو فرمایا گیا ہے کہ اِس دنیا میں چار فرشتے خدا تعالیٰ کا عرش اُٹھا رہے ہیں اور اُس دن آٹھ فرشتے خدا تعالیٰ کا عرش اٹھائیں گے۔ یہ استعارہ کے طور پر کلام ہے۔ چونکہ خدا تعالیٰ کی ہر صفت کے مناسبِ حال ایک فرشتہ بھی پیدا کیا گیا ہے اس لئے چار صفات کے متعلق چار فرشتے بیان کئے گئے۔ اور جب آٹھ صفات کی تجلّی ہوگی تو اُن صفات کے ساتھ آٹھ فرشتے ہوں گے۔ اور چونکہ یہ صفات الوہیت کی ماہیّت کو ایسا اپنے پر لئے ہوئے ہیں کہ گویا اُس کو اُٹھا رہے ہیں اس لئے استعارہ کے طور پر اُٹھانے کا لفظ بولا گیا ہے۔ ایسے اِستعارات لطیفہ خدا تعالیٰ کی کلام میں بہت ہیں جن میں رُوحانیت کو جسمانی رنگ میں دکھایا گیا ہے۔ غرض خدا تعالیٰ میں یہ چار[۴] صفاتِ عظیمہ ہیں جن پر ہر ایک مسلمان کو ایمان لانا چاہیے اور جو شخص دُعا کے ثمرات اور فیوض سے انکار کرتا ہے گویا وہ بجائے چار صفتوں کے صرف تین صفتوں کو مانتا ہے۔　(ایام الصلح۔ روحانی خزائن جلد ۱۴ صفحہ ۲۴۷ تا ۲۵۲)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ یعنی تمام محامد اور تمام کمالات اور تمام تعریفیں اور تمام بزرگیاں اور خوبیاں جو مرتبہ جلیلہ خدائی کے لئے ضروری ہیں وہ سب اللہ جلّ شانہٗ کو حاصل اور اس کی ذات میں جمع ہیں جس کی ایجاد کے بغیر کوئی چیز موجود نہیں ہوئی اور وہ تمام عالمین کا ربّ اور پیدا کنندہ ہے۔

(سرمہ چشم آریہ۔ روحانی خزائن جلد ۲ صفحہ ۲۱۸، ۲۱۹)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ سے قرآن شریف اسی لئے شروع کیا گیا ہے تا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کی طرف ایما ہو۔　(الحکم نمبر ۶ جلد ۵ مؤرخہ ۱۷ رفروری ۱۹۰۱ء صفحہ ۷)

حمد ہی سے محمد اور احمد نکلا ہے صلی اللہ علیہ وسلم اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو نام تھے گویا حمد کے دو مظہر ہوئے۔　(الحکم نمبر ۳ جلد ۵ مؤرخہ ۲۴ رجنوری ۱۹۰۱ء صفحہ ۳، ۴)

تمام محامد جو عالم میں موجود ہیں اور مصنوعات میں پائی جاتی ہیں۔ وہ حقیقت میں خدا کی ہی تعریفیں ہیں

اور اسی کی طرف راجع ہیں کیونکہ جو خوبی مصنوع میں ہوتی ہے وہ حقیقت میں صانع کی ہی خوبی ہے یعنی آفتاب دنیا کو روشن نہیں کرتا حقیقت میں خدا ہی روشن کرتا ہے اور چاند رات کی تاریکی نہیں اٹھاتا حقیقت میں خدا ہی اٹھاتا ہے اور بادل پانی نہیں برساتا حقیقت میں خدا ہی برساتا ہے اسی طرح جو ہماری آنکھیں دیکھتی ہیں وہ حقیقت میں خدا کی طرف سے ہی بینائی ہے اور جو کان سنتے ہیں وہ حقیقت میں خدا کی طرف سے ہی شنوائی ہے اور جو عقل دریافت کرتی ہے وہ حقیقت میں خدا کی طرف سے ہی دریافت ہے اور جو کچھ آسمان کے اور زمین کے عناصر اوصافِ جمیلہ دکھا رہے ہیں اور ایک خوبصورتی اور تروتازگی جو مشہود ہو رہی ہے حقیقت میں وہ اسی صانع کی صفت ہے جس نے کمال اپنی صفت کاملہ سے ان چیزوں کو پایا ہے اور پھر بنانے پر ہی انحصار نہیں کیا بلکہ ہمیشہ کے لئے اس کے ساتھ ایک رحمت شامل رکھی ہے جس رحمت سے اس کا بقا اور وجود ہے اور پھر صرف اسی پر اختصار نہیں کیا بلکہ ایک چیز کو اپنے کمال اعلیٰ تک پہنچاتا ہے۔ جس سے قدر و قیمت اس شے کی کھل جاتی ہے پس حقیقت میں محسن اور منعم بھی وہی ہے اور جامع تمام خوبیوں کا بھی وہی ہے اسی کی طرف اشارہ فرمایا ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ۔

(الحکم جلد ۸ نمبر ۲۱ مؤرخہ ۲۴ ؍جون ۱۹۰۴ء صفحہ ۱۵)

سورۃ الفاتحہ پر جو قرآن شریف کا باریک نقشہ ہے اور اُمّ الکتاب بھی جس کا نام ہے خوب غور کرو کہ اس میں اجمال کے ساتھ قرآن کریم کے تمام معارف درج ہیں چُنانچہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ سے اس کو شروع کیا گیا ہے جس کے معنے یہ ہیں کہ تمام محامد اللہ ہی کے لئے ہیں اس میں یہ تعلیم ہے کہ تمام منافع اور تمدنی زندگی کی ساری بہبودگیاں اللہ ہی کی طرف سے آتی ہیں کیونکہ ہر قسم کی ستائش کا سزاوار جب کہ وہی ہے تو معطی حقیقی بھی وہی ہوسکتا ہے۔ ورنہ لازم آئے گا کہ کسی قسم کی تعریف و ستائش کا مستحق وہ نہیں بھی ہے جو کفر کی بات ہے پس اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ میں کیسی توحید کی جامع تعلیم پائی جاتی ہے جو انسان کو دنیا کی تمام چیزوں کی عبودیت اور بالذّات نفع رساں نہ ہونے کی طرف لے جاتی ہے اور واضح اور بیّن طور پر یہ ذہن نشین کرتی ہے کہ ہر نفع اور سُود حقیقی اور ذاتی طور پر خدا تعالیٰ کی ہی طرف سے آتا ہے کیونکہ تمام محامد اُسی کے لئے سزاوار ہیں۔ پس ہر نفع اور سُود میں خدا تعالیٰ ہی کو مقدم کرو۔ اُس کے سوا کوئی کام آنے والا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کے اگر خلاف ہو تو اولاد بھی دشمن ہوسکتی ہے اور ہو جاتی ہے۔ (الحکم نمبر ۲۳ جلد ۵ مؤرخہ ۳۱ ؍اگست ۱۹۰۱ء صفحہ ۱)

بجز اسلام دنیا میں کوئی بھی ایسا مذہب نہیں ہے کہ جو خدائے تعالیٰ کو جمیع رذائل سے منزّہ اور تمام محامد کاملہ

سے متّصف سمجھتا ہو۔ عام ہندو اپنے دیوتاؤں کو کارخانہ ربوبیت میں شریک سمجھتے ہیں اور خدا کے کاموں میں ان کو مستقل طور پر دخیل قرار دیتے ہیں۔ بلکہ یہ سمجھ رہے ہیں کہ وہ خدا کے ارادوں کو بدلنے والے اور اس کی تقدیروں کو زیر زبر کرنے والے ہیں۔ اور نیز ہندو لوگ کئی انسانوں اور دوسرے جانوروں کی نسبت بلکہ بعض ناپاک اور نجاست خوار حیوانات یعنی خنزیر وغیرہ کی نسبت یہ خیال کرتے ہیں کہ کسی زمانہ میں ان کا پرمیشر ایسی ایسی جونوں میں تولّد پا کر ان تمام آلائشوں اور آلودگیوں سے ملوث ہوتا رہا ہے کہ جو ان چیزوں کے عائد حال ہیں اور نیز انہیں چیزوں کی طرح بھوک اور پیاس اور درد اور دکھ اور خوف اور غم اور بیماری اور موت اور ذلّت اور رُسوائی اور عاجزی اور ناتوانی کی آفات میں گرفتار ہوتا رہا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ تمام اعتقادات خدائے تعالیٰ کی خوبیوں میں بٹہ لگاتے ہیں اور اس کے ازلی و ابدی جاہ و جلال کو گھٹاتے ہیں اور آریہ سماج والے جو ان کے مہذب بھائی نکلے ہیں جن کا یہ گمان ہے کہ وہ ٹھیک ٹھیک وید کی لکیر پر چلتے ہیں۔ وہ خدائے تعالیٰ کو خالقیت سے ہی جواب دیتے ہیں اور تمام روحوں کو اس کی ذات کامل کی طرح غیر مخلوق اور واجب الوجود اور موجود بوجود حقیقی قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ عقل سلیم خدائے تعالیٰ کی نسبت صریح یہ نقص سمجھتی ہے کہ وہ دنیا کا مالک کہلا کر پھر کسی چیز کا ربّ اور خالق نہ ہو اور دنیا کی زندگی اس کے سہارے سے نہیں بلکہ اپنے ذاتی وجوب کے رو سے ہو۔ اور جب عقل سلیم کے آگے یہ دونوں سوال پیش کئے جائیں کہ آیا خداوند قادر مطلق کے محامد تامہ کے لئے یہ بات اَصْلح اور اَنْسب ہے کہ وہ آپ ہی اپنی قدرتِ کاملہ سے تمام موجودات کو منصّہ ءِ ظہور میں لاکر ان سب کا ربّ اور خالق ہو اور تمام کائنات کا سلسلہ اسی کی ربوبیت تک ختم ہوتا ہو اور خالقیت کی صفت اور قدرت اس کی ذات کامل میں موجود ہو اور پیدائش اور موت کے نقصان سے پاک ہو یا یہ باتیں اس کی شان کے لائق ہیں کہ جس قدر مخلوقات اس کے قبضہ ءِ تصرّف میں ہیں یہ چیزیں اس کی مخلوق نہیں ہیں اور نہ اس کے سہارے سے اپنا وجود رکھتی ہیں اور نہ اپنے وجود اور بقا میں اس کی محتاج ہیں اور نہ وہ ان کا خالق اور ربّ ہے اور نہ خالقیت کی صفت اور قدرت اس میں پائی جاتی ہے اور نہ پیدائش اور موت کے نقصان سے پاک ہے۔ تو ہرگز عقل یہ فتویٰ نہیں دیتی کہ وہ جو دنیا کا مالک ہے وہ دنیا کا پیدا کنندہ نہیں اور ہزاروں پُرحکمت صفتیں کہ جو روحوں اور جسموں میں پائی جاتی ہیں وہ خود بخود ہیں اور ان کا بنانے والا کوئی نہیں اور خدا جو ان سب چیزوں کا مالک کہلاتا ہے وہ فرضی طور پر مالک ہے اور نہ یہ فتویٰ دیتی ہے کہ اس کو پیدا کرنے سے عاجز سمجھا جاوے یا ناطاقت اور ناقص ٹھہرایا جاوے یا پلیدی اور نجاست خواری کی

نالائق اور قبیح عادت کو اس کی طرف منسوب کیا جائے یا موت اور درد اور دکھ اور بے علمی اور جہالت کو اس پر روا رکھا جائے۔ بلکہ صاف یہ شہادت دیتی ہے کہ خدائے تعالیٰ ان تمام رذیلتوں اور نقصانوں سے پاک ہونا چاہئے اور اس میں کمال تام چاہئے اور کمال تام قدرت تام سے مشروط ہے اور جب خدائے تعالیٰ میں قدرتِ تام نہ رہی اور نہ وہ کسی دوسری چیز کو پیدا کر سکا اور نہ اپنی ذات کو ہر یک قسم کے نقصان اور عیب سے بچا سکا تو اس میں کمال تام بھی نہ رہا۔ اور جب کمال تام نہ رہا تو محامد کاملہ سے وہ بے نصیب رہا۔

یہ ہندوؤں اور آریوں کا حال ہے اور جو کچھ عیسائی لوگ خدائے تعالیٰ کا جلال ظاہر کر رہے ہیں۔ وہ ایک ایسا امر ہے کہ صرف ایک ہی سوال سے دانا انسان سمجھ سکتا ہے یعنی اگر کسی دانا سے پوچھا جائے کہ کیا اس ذاتِ کامل اور قدیم اور غنی اور بے نیاز کی نسبت جائز ہے کہ باوجود اس کے کہ وہ اپنے تمام عظیم الشان کاموں میں جو قدیم سے وہ کرتا رہا ہے آپ ہی کافی ہو آپ ہی بغیر حاجت کسی باپ یا بیٹے کے تمام دنیا کو پیدا کیا ہو اور آپ ہی تمام روحوں اور جسموں کو وہ قوتیں بخشی ہوں جن کی انہیں حاجت ہے اور آپ ہی تمام کائنات کا حافظ اور قیّوم اور مدبّر ہو۔ بلکہ ان کے وجود سے پہلے جو کچھ ان کو زندگی کے لئے درکار تھا وہ سب اپنی صفتِ رحمانیت سے ظہور میں لایا اور بغیر انتظار عمل کسی عامل کے سورج اور چاند اور بے شمار ستارے اور زمین اور ہزارہا نعمتیں جو زمین پر پائی جاتی ہیں محض اپنے فضل و کرم سے انسانوں کے لئے پیدا کی ہوں اور ان سب کاموں میں کسی بیٹے کا محتاج نہ ہوا ہو لیکن پھر وہی کامل خدا آخری زمانہ میں اپنا تمام جلال اور اقتدار کالعدم کر کے مغفرت اور نجات دینے کے لئے بیٹے کا محتاج ہو جائے اور پھر بیٹا بھی ایسا ناقص بیٹا جس کو باپ سے کچھ بھی مناسبت نہیں جس نے باپ کی طرح نہ کوئی گوشہ آسمان کا اور نہ کوئی قطعہ زمین کا پیدا کیا جس سے اس کی الوہیت ثابت ہو بلکہ مرقس کے ۸ باب ۱۲ آیت میں اس کی عاجزانہ حالت کو اس طرح بیان کیا ہے کہ اس نے اپنے دل سے آہ کھینچ کر کہا کہ اس زمانہ کے لوگ کیوں نشان چاہتے ہیں۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اس زمانہ کے لوگوں کو کوئی نشان دیا نہ جائے گا اور اس کے مصلوب ہونے کے وقت بھی یہودیوں نے کہا کہ اگر وہ اب ہمارے روبرو زندہ ہو جائے تو ہم ایمان لائیں گے۔ لیکن اس نے ان کو زندہ ہو کر نہ دکھلایا اور اپنی خدائی اور قدرت کاملہ کا ایک ذرہ ثبوت نہ دیا۔ اور اگر بعض معجزات بھی دکھلائے تو وہ دکھلائے کہ اس سے پہلے اور نبی بکثرت دکھلا چکے تھے بلکہ اسی زمانہ میں ایک حوض کے پانی سے بھی ایسے ہی عجائبات ظہور میں آتے تھے (دیکھو باب پنجم انجیل یوحنا) غرض وہ اپنے خدا ہونے کا کوئی نشان دکھلا نہ سکا جیسا کہ آیت مذکورہ بالا

میں خود اس کا اقرار موجود ہے بلکہ ایک ضعیفہ عاجزہ کے پیٹ سے تولّد پا کر (بقول عیسائیوں) وہ ذلّت اور رُسوائی اور ناتوانی اور خواری عمر بھر دیکھی کہ جو انسانوں میں سے وہ انسان دیکھتے ہیں کہ جو بدقسمت اور بےنصیب کہلاتے ہیں۔ اور پھر مدت تک ظلمت خانہ رحم میں قید رہ کر اور اس ناپاک راہ سے کہ جو پیشاب کی بدررو ہے پیدا ہو کر ہر یک قسم کی آلودہ حالت کو اپنے اوپر وارد کر لیا اور بشری آلودگیوں اور نقصانوں میں سے کوئی ایسی آلودگی باقی نہ رہی جس سے وہ بیٹا باپ کا بدنام کنندہ ملوث نہ ہوا اور پھر اس نے اپنی جہالت اور بےعلمی اور بےقدرتی اور نیز اپنے نیک نہ ہونے کا اپنی کتاب میں آپ ہی اقرار کر لیا اور پھر درصورتیکہ وہ عاجز بندہ کہ خواہ نخواہ خدا کا بیٹا قرار دیا گیا بعض بزرگ نبیوں سے فضائل علمی اور عملی میں کم بھی تھا۔ اور اس کی تعلیم بھی ایک ناقص تعلیم تھی کہ جو موسیٰ کی شریعت کی ایک فرع تھی تو پھر کیونکر جائز ہے کہ خداوند قادر مطلق اور ازلی اور ابدی پر یہ بہتان باندھا جاوے کہ وہ ہمیشہ اپنی ذات میں کامل اور غنی اور قادر مطلق رہ کر آخرکار ایسے ناقص بیٹے کا محتاج ہو گیا اور اپنے سارے جلال اور بزرگی کو بہ یکبارگی کھو دیا۔ میں ہرگز باور نہیں کرتا کہ کوئی دانا اس ذات کامل کی نسبت کہ جو مستجمع جمیع صفاتِ کاملہ ہے ایسی ایسی ذلّتیں جائز رکھے اور ظاہر ہے کہ اگر ابن مریم کے واقعات کو فضول اور بیہودہ تعریفوں سے الگ کر لیا جائے تو انجیلوں سے اس کے واقعی حالات کا یہی خلاصہ نکلتا ہے کہ وہ ایک عاجز اور ضعیف اور ناقص بندہ یعنی جیسے کہ بندے ہوا کرتے ہیں اور حضرت موسیٰ کے ماتحت نبیوں میں سے ایک نبی تھا۔ اور اس بزرگ اور عظیم الشان رسول کا ایک تابع اور پس رو تھا اور خود اس بزرگی کو ہرگز نہیں پہنچا تھا یعنی اس کی تعلیم ایک اعلیٰ تعلیم کی فرع تھی مستقل تعلیم نہ تھی اور وہ خود انجیلوں میں اقرار کرتا ہے کہ میں نہ نیک ہوں اور نہ عالم الغیب ہوں۔ نہ قادر ہوں۔ بلکہ ایک بندہ عاجز ہوں۔ اور انجیل کے بیان سے ظاہر ہے کہ اس نے گرفتار ہونے سے پہلے کئی دفعہ رات کے وقت اپنے بچاؤ کے لئے دُعا کی اور چاہتا تھا کہ دُعا اس کی قبول ہو جائے مگر اس کی وہ دُعا قبول نہ ہوئی اور نیز جیسے عاجز بندے آزمائے جاتے ہیں وہ شیطان سے آزمایا گیا پس اس سے ظاہر ہے کہ وہ ہر طرح عاجز ہی عاجز تھا۔ مخرج معلوم کی راہ سے جو پلیدی اور ناپاکی کا مبرز ہے تولّد پا کر مدت تک بھوک اور پیاس اور درد اور بیماری کا دکھ اٹھاتا رہا۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ وہ بھوک کے دکھ سے ایک انجیر کے نیچے گیا مگر چونکہ انجیر پھلوں سے خالی پڑی ہوئی تھی اس لئے محروم رہا اور یہ بھی نہ ہو سکا کہ دو چار انجیریں اپنے کھانے کے لئے پیدا کر لیتا۔ غرض ایک مدت تک ایسی ایسی آلودگیوں میں رہ کر اور ایسے ایسے دکھ اٹھا کر باقرار عیسائیوں کے مر گیا اور اس جہان

سے اٹھایا گیا۔ اب ہم پوچھتے ہیں کہ کیا خداوند قادر مطلق کی ذات میں ایسی ہی صفاتِ ناقصہ ہونی چاہئے۔ کیا وہ اسی سے قدوس اور ذوالجلال کہلاتا ہے کہ وہ ایسے عیبوں اور نقصانوں سے بھرا ہوا ہے اور کیا ممکن ہے کہ ایک ہی ماں یعنی مریم کے پیٹ میں سے پانچ بچے پیدا ہو کر ایک بچہ خدا کا بیٹا بلکہ خدا بن گیا اور چار باقی جو رہے ان بیچاروں کو خدائی سے کچھ بھی حِصّہ نہ ملا بلکہ قیاس یہ چاہتا تھا کہ جبکہ کسی مخلوق کے پیٹ سے خدا بھی پیدا ہوسکتا ہے یہ نہیں کہ ہمیشہ آدمی سے آدمی اور گدھی سے گدھا پیدا ہو۔ تو جہاں کہیں کسی عورت کے پیٹ سے خدا پیدا ہو تو پھر اس پیٹ سے کوئی مخلوق پیدا نہ ہو بلکہ جس قدر بچے پیدا ہوتے جائیں وہ سب خدا ہی ہوں تا وہ پاک رحم مخلوق کی شرکت سے منزہ رہے اور فقط خداؤں ہی کے پیدا ہونے کی ایک کان ہو۔ پس قیاس متذکرہ بالا کے رو سے لازم تھا کہ حضرت مسیح کے دوسرے بھائی اور بہن بھی کچھ نہ کچھ خدائی میں سے بخرہ پاتے اور ان پانچوں حضرات کی والدہ تو ربّ الارباب ہی کہلاتی۔ کیونکہ یہ پانچوں حضرات روحانی اور جسمانی قوتوں میں اسی سے فیض یاب ہیں۔ عیسائیوں نے ابن مریم کی بے جا تعریفوں میں بہت سا افترا بھی کیا۔ مگر پھر بھی اس کے نقصانوں کو چھپا نہ سکے اور اس کی آلودگیوں کا آپ اقرار کر کے پھر خواہ نخواہ اس کو خدائے تعالیٰ کا بیٹا قرار دیا۔ یوں تو عیسائی اور یہودی اپنی عجیب کتابوں کے رو سے سب خدا کے بیٹے ہی ہیں بلکہ ایک آیت کے رو سے آپ ہی خدا ہیں۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ بدھ مت والے اپنے افترا اور اختراع میں ان سے اچھے رہے کیونکہ انہوں نے بدھ کو خدا ٹھہرا کر پھر ہرگز اس کے لئے یہ تجویز نہیں کیا کہ اس نے پلیدی اور ناپاکی کی راہ سے تولّد پایا تھا یا کسی قسم کی نجاست کھائی تھی۔ بلکہ ان کا بدھ کی نسبت یہ اعتقاد ہے کہ وہ مونہہ کے راستہ سے پیدا ہوا تھا پر افسوس عیسائیوں نے بہت سی جعلسازیاں تو کیں مگر یہ جعلسازی نہ سوجھی کہ مسیح کو بھی مونہہ کے راستہ سے ہی پیدا کرتے اور اپنے خدا کو پیشاب اور پلیدی سے بچاتے۔ اور نہ یہ سوجھی کہ موت جو حقیقت الوہیت سے بکلّی منافی ہے اس پر وارد نہ کرتے۔ اور نہ یہ خیال آیا کہ جہاں مریم کے بیٹے نے انجیلوں میں اقرار کیا ہے کہ میں نہ نیک ہوں اور نہ دانا مطلق ہوں نہ خود بخود آیا ہوں نہ عالم الغیب ہوں نہ قادر ہوں نہ دُعا کی قبولیت میرے ہاتھ میں ہے۔ میں صرف ایک عاجز بندہ اور مسکین آدم زاد ہوں کہ جو ایک مالک ربّ العالمین کا بھیجا ہوا آیا ہوں۔ ان سب مقاموں کو انجیل سے نکال ڈالنا چاہئے۔ اب خلاصہ کلام یہ ہے کہ جو عظیم الشان صداقت الحمد للّٰہ کے مضمون میں ہے وہ بجز پاک اور مقدس مذہب اسلام کے کسی دوسرے مذہب میں ہرگز پائی نہیں جاتی لیکن اگر برہمو لوگ کہیں کہ صداقت مذکورہ بالا کے ہم قائل

ہیں تو جاننا چاہئے کہ وہ بھی اپنے اس بیان میں جھوٹے ہیں۔ کیونکہ ہم اسی مضمون میں لکھ چکے ہیں کہ برہمو لوگ خدائے تعالیٰ کے لئے گونگا اور غیر متکلم ہونا اور نطق پر ہرگز قادر نہ ہونا اور اپنے علوم کے القا اور الہام سے عاجز ہونا تجویز کرتے ہیں اور جو حقیقی اور کامل ہادی میں صفاتِ کاملہ ہونی چاہئے۔ ان صفات سے اس کو خالی سمجھتے ہیں بلکہ اس قدر ایمان بھی انہیں نصیب نہیں کہ وہ خدائے تعالیٰ کی نسبت یہ اعتقاد رکھیں کہ اپنی ہستی اور الوہیت کو اس نے اپنے ارادے اور اختیار سے دنیا میں ظاہر کیا ہے۔ برخلاف اس کے وہ تو یہ کہتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ ایک مُردہ یا ایک پتھر کی طرح کسی گوشۂ گمنامی میں پڑا ہوا تھا۔ عقلمندوں نے آپ محنتیں کر کے اس کے وجود کا پتہ لگایا اور اس کی خدائی کو دنیا میں مشہور کیا۔ پس ظاہر ہے کہ وہ بھی مثل اپنے اور بھائیوں کے محامدِ کاملہ حضرتِ احدیت سے منکر ہیں۔ بلکہ جن تعریفوں سے اس کو یاد کرنا چاہئے وہ تمام تعریفیں اپنے نفس کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ (براہین احمدیہ چہار حصص۔ روحانی خزائن جلد ۱ صفحہ ۴۳۶ تا ۴۴۴ حاشیہ نمبر ۱۱)

یہ فخر قرآن شریف ہی کو ہے کہ جہاں وہ دوسرے مذاہب باطلہ کا ردّ کرتا ہے۔ اور ان کی غلط تعلیموں کو کھولتا ہے وہاں اصلی اور حقیقی تعلیم بھی پیش کرتا ہے۔ جس کا نمونہ اس سورہ فاتحہ میں دکھایا ہے کہ ایک ایک لفظ میں مذاہب باطلہ کی تردید کر دی ہے مثلاً فرمایا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ساری تعریفیں خواہ وہ کسی قسم کی ہوں وہ اللہ تعالیٰ ہی کے لئے سزاوار ہیں۔ اب اس لفظ کو کہہ کر یہ ثابت کیا کہ قرآن شریف جس خدا کو منوانا چاہتا ہے وہ تمام نقائص سے منزّہ اور تمام صفاتِ کاملہ سے موصوف ہے۔ کیونکہ اللہ کا لفظ اسی ہستی پر بولا جاتا ہے جس میں کوئی نقص ہو ہی نہیں۔ اور کمال دو قسم کے ہوتے ہیں یا بلحاظ حُسن کے یا بلحاظ احسان کے۔ پس وہ دونوں قسم کے کمال اس لفظ میں پائے جاتے ہیں۔ دوسری قوموں نے جو لفظ خدا تعالیٰ کے لئے تجویز کئے ہیں وہ ایسے جامع نہیں ہیں۔ اور یہی لفظ اللہ کا دوسرے باطل مذاہب کے معبودوں کی ہستی اور ان کی صفات کے مسئلہ کی پوری تردید کرتا ہے مثلاً عیسائیوں کو لو وہ جس کو اللہ مانتے ہیں وہ ایک عاجز ضعیف عورت کا بچہ ہے جس کا نام یسوع ہے جو معمولی بچوں کی طرح دکھ درد کے ساتھ ماں کے پیٹ سے نکلا اور عوارض میں مبتلا رہا۔ بھوک پیاس کی تکلیف سے بے چین رہا۔ اور سخت تکلیفیں اور دکھ اسے اُٹھانے پڑے۔ جس قدر ضعف اور کمزوریوں کے عوارض ہوتے ہیں ان کا شکار رہا۔ آخر یہودیوں کے ہاتھوں سے پیٹا گیا اور انہوں نے پکڑ کر صلیب پر چڑھا دیا۔ اب اس صورت کو جو یسوع کی (عیسائیوں نے جس کو خدا بنا رکھا ہے) انجیل سے ظاہر ہوتی ہے کسی دانشمند کے سامنے پیش کرو۔ کیا وہ کہہ دے گا کہ بیشک اس میں تمام صفاتِ کاملہ پائی جاتی ہیں اور کوئی نقص

اس میں نہیں؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ انسانی کمزوریوں اور نقصوں کا پہلا اور کامل نمونہ اسے ماننا پڑے گا۔ تو اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہنے والا کب ایسے کمزور اور مصلوب ملعون کو خدا مان سکتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن عیسائیوں کے بالمقابل ایسے خدا کی طرف بلاتا ہے جس میں کوئی نقص ہوسکتا ہی نہیں۔ پھر آریہ مذہب کو دیکھو وہ کہتے ہیں کہ ہمارا پرمیشر وہ ہے جس نے ذاتِ عالم اور ارواحِ عالم کو بنایا ہی نہیں بلکہ جیسے وہ ازلی ابدی ہے ویسے ہی ہمارے ذرات جسم وغیرہ بھی خدا کے بالمقابل اپنی ایک مستقل ہستی رکھنے والی چیزیں ہیں جو اپنے قیام اور بقا کے لئے اس کی محتاج نہیں ہیں بلکہ ایک طرح وہ اپنی خدائی چلانے کے واسطے ان چیزوں کا محتاج ہے وہ کسی چیز کا خالق نہیں اور پھر اس بات کا سمجھ لینا کچھ بھی مشکل نہیں کہ جو خالق نہیں وہ مالک کیسے ہوسکتا ہے؟ اور ایسا ہی ان کا اعتقاد ہے کہ وہ رازق کریم وغیرہ کچھ بھی نہیں۔ کیونکہ انسان کو جو کچھ ملتا ہے اس کے کرموں کا پھل ملتا ہے اس سے زائد اسے کچھ مل سکتا ہی نہیں۔

اب بتاؤ اس قدر نقص جس خدا میں پیش کئے جاویں عقل سلیم کب اسے تسلیم کرنے کے لئے رضا مند ہو سکتی ہے؟ اسی طرح سے جس قدر مذاہبِ باطلہ دنیا میں موجود ہیں اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کا جملہ خدا تعالیٰ کے متعلق ان کے کل غلط اور بیہودہ خیالات و معتقدات کی تردید کرتا ہے۔ (الحکم نمبر ۱۷ جلد ۷ مؤرخہ ۱۰؍مئی ۱۹۰۳ء صفحہ ۲)

ربّ۔ لسان العرب اور تاج العروس میں جو لُغت کی نہایت معتبر کتابیں ہیں لکھا ہے کہ زبان عرب میں ربّ کا لفظ سات[۷] معنوں پر مشتمل ہے اور وہ یہ ہیں۔ مالک[۱]۔ سیّد[۲]۔ مدبّر[۳]۔ مربّی[۴]۔ قیّم[۵]۔ منعم[۶]۔ متمّم[۷]۔ چنانچہ ان سات معنوں میں سے تین معنی خدا تعالیٰ کی ذاتی عظمت پر دلالت کرتے ہیں منجملہ ان کے مالک ہے اور مالک لغتِ عرب میں اس کو کہتے ہیں جس کا اپنے مملوک پر قبضہ تامہ ہو اور جس طرح چاہے اپنے تصرّف میں لاسکتا ہو اور بلا اشتراک غیر اس پر حق رکھتا ہو اور یہ لفظ حقیقی طور پر یعنی بلحاظ اس کے معنوں کے بجز خدا تعالیٰ کے کسی دوسرے پر اطلاق نہیں پا سکتا کیونکہ قبضہ تامہ ہو اور تصرّف تمام اور حقوق تامہ بجز خدا تعالیٰ کے اور کسی کے لئے مسلّم نہیں۔ (منن الرحمان۔ روحانی خزائن جلد ۹ صفحہ ۱۵۲، ۱۵۳ حاشیہ)

أَشَارَ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ فِيْ قَوْلِهٖ ''رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ'' إِلٰى أَنَّهٗ هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَمِنْهُ كُلُّمَا فِي السَّمٰوَاتِ وَالْأَرَضِيْنَ۔ وَمِنَ الْعَالَمِيْنَ مَا يُوْجَدُ فِي الْأَرْضِ مِنَ

اللہ سبحانہٗ تعالیٰ نے اپنے قول ربّ العالمین میں اس طرف اشارہ فرمایا ہے کہ وہ ہر چیز کا خالق ہے اور جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب اسی کی طرف سے ہے اور اس زمین پر جو بھی ہدایت یافتہ جماعتیں یا گمراہ اور

زُمَرِ الْمُهْتَدِيْنَ. وَطَوَآئِفِ الْغَاوِيْنَ وَ الضَّآلِّيْنَ. فَقَدْ يَزِيْدُ عَالَمُ الضَّلَالِ وَالْكُفْرِ وَالْفِسْقِ وَ تَرْكِ الْاِعْتِدَالِ. حَتّٰى يُمْلَأُ الْأَرْضُ ظُلْمًا وَّجَوْرًا وَّ يَتْرُكُ النَّاسُ طُرُقَ اللهِ ذَا الْجَلَالِ. لَا يَفْهَمُوْنَ حَقِيْقَةَ الْعُبُوْدِيَّةِ. وَ لَا يُؤَدُّوْنَ حَقَّ الرُّبُوْبِيَّةِ. فَيَصِيْرُ الزَّمَانُ كَاللَّيْلَةِ اللَّيْلَآءِ. وَ يُدَاسُ الدِّيْنُ تَحْتَ هٰذِهِ اللَّاوَآءِ. ثُمَّ يَأْتِي اللهُ بِعَالَمٍ اٰخَرَ فَتُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ وَيَنْزِلُ الْقَضَآءُ مُبَدَّلًا مِّنَ السَّمَآءِ. وَيُعْطَى لِلنَّاسِ قَلْبٌ عَارِفٌ وَّلِسَانٌ نَاطِقٌ لِّشُكْرِ النَّعْمَآءِ. فَيَجْعَلُوْنَ نُفُوْسَهُمْ كَمَوْرٍ مُّعَبَّدٍ لِّحَضْرَةِ الْكِبْرِيَآءِ. وَيَأْتُوْنَهٗ خَوْفًا وَّ رَجَآءً بِطَرْفٍ مَّغْضُوْضٍ مِّنَ الْحَيَآءِ. وَ وَجْهٍ مُّقْبِلٍ نَحْوَ قِبْلَةِ الْاِسْتِجْدَآءِ. وَهِمَّةٍ فِي الْعُبُوْدِيَّةِ قَارِعَةٍ ذُرْوَةَ الْعَلَآءِ. وَيَشْتَدُّ الْحَاجَةُ إِلَيْهِمْ إِذَا انْتَهَى الْأَمْرُ إِلٰى كَمَالِ الضَّلَالَةِ. وَصَارَ النَّاسُ كَسِبَاعٍ أَوْ نَعَمٍ مِّنْ تَغَيُّرِ الْحَالَةِ. فَعِنْدَ ذَالِكَ تَقْتَضِي الرَّحْمَةُ الْإِلٰهِيَّةُ وَالْعِنَايَةُ الْأَزَلِيَّةُ أَنْ يُّخْلَقَ فِي السَّمَآءِ

خطا کار گروہ پائے جاتے ہیں وہ سب عالمین میں شامل ہیں۔ کبھی گمراہی، کفر، فسق اور اعتدال کو ترک کرنے کا ”عالم“ بڑھ جاتا ہے یہاں تک کہ زمین ظلم وجور سے بھر جاتی ہے اور لوگ خدائے ذوالجلال کے راستوں کو چھوڑ دیتے ہیں۔ نہ وہ عبودیت کی حقیقت کو سمجھتے ہیں اور نہ ربوبیت کا حق ادا کرتے ہیں۔ زمانہ ایک تاریک رات کی طرح ہو جاتا ہے اور دین اس مصیبت کے نیچے روندا جاتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ ایک اور ”عالم“ لے آتا ہے تب یہ زمین ایک دوسری زمین سے بدل دی جاتی ہے۔ اور ایک نئی تقدیر آسمان سے نازل ہوتی ہے اور لوگوں کو عارف (شناسا) دل اور خدا تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کے لئے ناطق (گویا) زبانیں عطا ہوتی ہیں۔ پس وہ اپنے نفوس کو خدا تعالیٰ کے حضور ایک پامال راستہ کی طرح بنا لیتے ہیں۔ اور خوف اور امید کے ساتھ اس کی طرف آتے ہیں، ایسی نگاہ کے ساتھ جو حیا کی وجہ سے نیچی ہوتی ہیں اور ایسے چہروں کے ساتھ جو قبلہ حاجات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور بندگی میں ایسی ہمت کے ساتھ جو بلندی کی چوٹی کو دستک دے رہی ہوتی ہے۔ ایسے وقتوں میں ان لوگوں کی سخت ضرورت ہوتی ہے جب معاملہ گمراہی کی انتہا تک پہنچ جاتا ہے اور حالت کے بدل جانے سے لوگ درندوں اور چوپاؤں کی طرح ہو جاتے ہیں تو اس وقت رحمتِ الٰہی اور عنایت ازلی تقاضا کرتی ہے کہ آسمان میں ایسا وجود پیدا کیا جائے جو تاریکی کو دور کرے اور ابلیس نے جو عمارتیں تعمیر کی ہیں اور خیمے لگائے ہیں انہیں منہدم کر دے۔ تب خدائے

مَا يَدْفَعُ الظَّلَامَ۔ وَيَهْدِمُ مَا عَمَّرَ إِبْلِيْسُ وَ أَقَامَ مِنَ الْأَبْنِيَةِ وَالْخِيَامِ۔ فَيَنْزِلُ إِمَامٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ۔ لِيَذُبَّ جُنُوْدَ الشَّيْطَانِ۔ وَلَمْ يَزَلْ هٰذِهِ الْجُنُوْدُ وَ تِلْكَ الْجُنُوْدُ يَتَحَارَبَانِ۔ وَلَا يَرَاهُمْ إِلَّا مَنْ أُعْطِيَ لَهٗ عَيْنَانِ۔ حَتّٰى غُلَّ أَعْنَاقُ الْأَبَاطِيْلِ۔ وَانْعَدَمَ مَا يُرٰى لَهَا نَوْعُ سَرَابٍ مِّنَ الدَّلِيْلِ۔ فَمَا زَالَ الْإِمَامُ ظَاهِرًا عَلَى الْعِدَا۔ نَاصِرًا لِّمَنِ اهْتَدٰى۔ مُعْلِيًا مَّعَالِمَ الْهُدٰى مُحْيِيًا مَّوَاسِمَ التُّقٰى۔ حَتّٰى يَعْلَمَ النَّاسُ أَنَّهٗ أَسَرَ طَوَاغِيْتَ الْكُفْرِ وَشَدَّ وَثَاقَهَا۔ وَأَخَذَ سِبَاعَ الْأَكَاذِيْبِ وَغَلَّ أَعْنَاقَهَا۔ وَهَدَمَ عِمَارَةَ الْبِدْعَاتِ وَقَوَّضَ قِبَابَهَا۔ وَجَمَعَ كَلِمَةَ الْإِيْمَانِ وَنَظَمَ أَسْبَابَهَا۔ وَقَوَّى السَّلْطَنَةَ السَّمَاوِيَّةَ وَسَدَّ الثُّغُوْرَ۔ وَأَصْلَحَ شَأْنَهَا وَسَدَّدَ الْأُمُوْرَ۔ وَسَكَّنَ الْقُلُوْبَ الرَّاجِفَةَ۔ وَ بَكَّتَ الْأَلْسِنَةَ الْمُرْجِفَةَ۔ وَأَنَارَ الْخَوَاطِرَ الْمُظْلِمَةَ۔ وَ جَدَّدَ الدَّوْلَةَ الْمُخْلِقَةَ۔ وَكَذَالِكَ يَفْعَلُ اللّٰهُ الْفَعَّالُ۔ حَتّٰى يَذْهَبَ الظَّلَامُ وَالضَّلَالُ۔ فَهُنَاكَ يَنْكُصُ الْعِدَا عَلٰى

رحمان کی طرف سے ایک امام نازل ہوتا ہے۔ تا کہ وہ شیطانی لشکروں کا مقابلہ کرے اور یہ دونوں (رحمانی اور شیطانی) لشکر برسرِ پیکار رہتے ہیں اور ان کو وہی دیکھتا ہے جس کو دو آنکھیں عطا کی گئی ہوں۔ یہاں تک کہ باطل کی گردنوں میں طوق پڑ جاتے ہیں اور امور باطلہ کی سراب نما دلیلیں معدوم ہو جاتی ہیں۔ پس وہ امام دشمنوں پر ہمیشہ غالب اور ہدایت یافتہ کا مددگار رہتا ہے۔ ہدایت کے علم بلند کرتا ہے اور پرہیز گاری کے اوقات و اجتماعات کو زندہ کرنے والا ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ لوگ سمجھ لیتے ہیں کہ اس نے کفر کے سرغنوں کو قید کر دیا ہے۔ اور ان کی مشکیں کس دی ہیں اور اس نے جھوٹ اور فریب کے درندوں کو گرفتار کر لیا ہے اور ان کی گردنوں میں طوق ڈال دیئے ہیں۔ اور اس نے بدعات کی عمارتوں کو گرا دیا ہے اور ان کے گنبدوں کو توڑ پھوڑ دیا ہے۔ اور اس نے ایمان کے کلمہ کو اکٹھا کر دیا ہے اور اس کے اسباب کو منظّم کر دیا ہے۔ اس نے آسمانی سلطنت کو مضبوط کیا ہے اور تمام رخنوں کو بند کر دیا ہے۔ اس نے اس (سلطنت) کی شان بہتر بنا دی ہے اور اس کے معاملات کو درست کر دیا ہے۔ اور اس نے بیقرار دلوں کو تسکین دی ہے۔ جھوٹ پھیلانے والی زبانوں کو خاموش کر دیا ہے اور تاریک دلوں کو روشن کر دیا ہے۔ اور بوسیدہ سلطنت کی تجدید کی ہے۔ خدائے کارساز ایسا ہی کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اندھیرا اور گمراہی جاتی رہتی ہے۔ اور اس وقت دشمن اپنی ایڑیوں پر پسپا ہو جاتے ہیں۔ اور جو خیمے انہوں نے گاڑے ہوتے ہیں ان

أَعْقَابِهِمْ۔ وَيُنَكِّسُوْنَ مَا ضَرَبُوْا مِنْ خِيَامِهِمْ۔ وَيَحُلُّوْنَ مَا اَرَبُوْا مِنْ اُرَابِهِمْ۔

وَمِنْ أَشْرَفِ الْعَالَمِيْنَ۔ وَأَعْجَبِ الْمَخْلُوْقِيْنَ وُجُوْدُ الْأَنْبِيَآءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ۔ وَ عِبَادَ اللهِ الصَّالِحِيْنَ الصِّدِّيْقِيْنَ۔ فَإِنَّهُمْ فَاقُوْا غَيْرَهُمْ فِيْ بَثِّ الْمَكَارِمِ وَكَشْفِ الْمَظَالِمِ وَ تَهْذِيْبِ الْأَخْلَاقِ۔ وَإِرَادَةِ الْخَيْرِ لِلْأَنْفُسِ وَالْاٰفَاقِ۔ وَنَشْرِ الصَّلَاحِ وَالْخَيْرِ۔ وَإِجَاحَةِ الطَّلَاحِ وَالضَّيْرِ۔ وَأَمْرِ الْمَعْرُوْفِ وَالنَّهْيِ عَنِ الذَّمَآئِمِ ۔ وَ سَوْقِ الشَّهَوَاتِ كَالْبَهَآئِمِ۔ وَالتَّوَجُّهِ إِلٰى رَبِّ الْعَبِيْدِ۔ وَقَطْعِ التَّعَلُّقِ مِنَ الطَّرِيْفِ وَالتَّلِيْدِ وَ الْقِيَامِ عَلٰى طَاعَةِ اللهِ بِالْقُوَّةِ الْجَامِعَةِ۔ وَ الْعُدَّةِ الْكَامِلَةِ۔ وَالصَّوْلِ عَلٰى ذَرَارِيِّ الشَّيْطَانِ بِالْحُشُوْدِ الْمَجْمُوْعَةِ۔ وَ الْجُمُوْعِ الْمَحْشُوْدَةِ۔ وَ تَرْكِ الدُّنْيَا لِلْحَبِيْبِ۔ وَالتَّبَاعُدِ عَنْ مَّغْنَاهَا الْخَصِيْبِ۔ وَتَرْكِ مَآئِهَا وَمَرْعَاهَا كَالْهِجْرَةِ۔ وَ إِلْقَآءِ الْجِرَانِ فِي الْحَضْرَةِ۔

إِنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَتَمَضْمَضُ مُقْلَتُهُمْ بِالنَّوْمِ۔ إِلَّا فِيْ حُبِّ اللهِ وَالدُّعَآءِ لِلْقَوْمِ۔ وَ إِنَّ الدُّنْيَا فِيْ أَعْيُنِ أَهْلِهَا لَطِيْفٌ

کو (خود ہی) سرنگوں کر دیتے ہیں۔ اور جو گرہیں انہوں نے ڈالی ہوتی ہیں انہیں خود کھولتے ہیں۔

تمام جہانوں میں سب سے زیادہ عالی مرتبہ اور مخلوقات میں سے سب سے زیادہ حیرت انگیز وجود نبیوں اور رسولوں اور خدا کے نیک اور صدیق بندوں کا ہوتا ہے کیونکہ وہ سب دوسرے لوگوں پر فوقیت رکھتے ہیں نیک صفات کے پھیلانے اور ظلم وستم کے دور کرنے اور عادات کے سنوارنے میں اور اپنوں اور بیگانوں کے لئے نیک ارادے رکھنے میں راستبازی اور سلامتی کے پھیلانے میں بدی اور تباہی کی جڑ اکھاڑنے میں، نیکی کی تلقین کرنے اور بُرے کاموں سے منع کرنے میں، بُری خواہشات کو چوپاؤں کی طرح دھتکارنے میں، پروردگار عالم کی طرف رخ کرنے میں، نئے اور پرانے مال سے قطع تعلق کرنے میں پوری قوت اور مکمل تیاری کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر قائم رہنے میں، جمع کردہ لشکروں اور اکٹھی کی ہوئی جماعتوں کے ساتھ شیطان کی ذرّیت پر حملہ کرنے میں، محبوب کی خاطر دنیا کو ترک کرنے اس کے شاداب مقامات سے کنارہ کشی کرنے اور اس کے پانیوں اور چراگاہوں سے ترک وطن کرنے کی طرح الگ ہو جانے میں، اور بارگاہِ الٰہی میں اپنی گردن جھکانے میں وہ دوسروں پر فوقیت لے جاتے ہیں۔

یقیناً یہ ایسی قوم ہے کہ ان کی آنکھوں میں نیند ایسی حالت میں آتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں (محو) اور قوم کے لئے دُعا کرنے میں مصروف ہوتے ہیں۔

الْبُنْيَةِ مَلِيْحُ الْحِلْيَةِ. وَأَمَّا فِيْ أَعْيُنِهِمْ فَهِيَ أَخْبَثُ مِنَ الْعَذِرَةِ. وَأَنْتَنُ عَنِ الْمَيْتَةِ. أَقْبَلُوْا عَلَى اللهِ كُلَّ الْاِقْبَالِ. وَمَالُوْا إِلَيْهِ كُلَّ الْمَيْلِ بِصِدْقِ الْبَالِ. وَكَمَا أَنَّ قَوَاعِدَ الْبَيْتِ مُقَدَّمَةٌ عَلٰى طَاقٍ يُّعْقَدُ. وَرُوَاقٍ يُّمَهَّدُ. كَذَالِكَ هٰؤُلَآءِ الْكِرَامُ مُقَدَّمُوْنَ فِيْ هٰذِهِ الدَّارِ عَلٰى كُلِّ طَبَقَةٍ مِّنْ طَبَقَاتِ الْأَخْيَارِ. وَأُرِيْتُ أَنَّ أَكْمَلَهُمْ وَأَفْضَلَهُمْ وَأَعْرَفَهُمْ وَ أَعْلَمَهُمْ نَبِيُّنَا الْمُصْطَفٰى عَلَيْهِ التَّحِيَّةُ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ فِي الْأَرْضِ وَالسَّمَاوَاتِ الْعُلٰى. وَ إِنَّ أَشْقَى النَّاسِ قَوْمٌ أَطَالُوا الْاَلْسِنَةَ وَصَالُوْا عَلَيْهِ بِالْهَمْزِ وَ تَجَسُّسِ الْعَيْبِ. غَيْرَ مُطَّلِعِيْنَ عَلٰى سِرِّ الْغَيْبِ. وَ كَمْ مِّنْ مَّلْعُوْنٍ فِي الْأَرْضِ يَحْمَدُهُ اللهُ فِي السَّمَآءِ. وَكَمْ مِّنْ مُّعَظَّمٍ فِيْ هٰذِهِ الدَّارِ يُهَانُ فِيْ يَوْمِ الْجَزَآءِ. ثُمَّ هُوَ سُبْحَانَهٗ أَشَارَ فِيْ قَوْلِهٖ ''رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ'' إِلٰى أَنَّهٗ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّ أَنَّهٗ يُحْمَدُ فِي السَّمَآءِ وَ الْأَرَضِيْنَ. وَأَنَّ الْحَامِدِيْنَ كَانُوْا عَلٰى

دنیاداروں کی نظر میں تو دنیا نہایت خوبصورت ہے اور خوش رنگ ہے۔ لیکن نیک لوگوں کی نظروں میں وہ مَیلے سے بھی زیادہ گندی اور مُردار سے بھی زیادہ بدبودار ہوتی ہے۔ وہ اپنی ساری توجہ سے خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور صدقِ دل سے وہ اس کی طرف پوری طرح جھک جاتے ہیں۔ اور جس طرح گھر کی بنیادیں بنائے جانے والے طاقوں اور برآمدوں پر تقدم رکھتی ہیں اسی طرح مذکورہ بزرگ ہستیاں اس دنیا میں ہر طبقہ کے نیک لوگوں پر تقدم رکھتی ہیں اور مجھے (کشفاً) دکھایا گیا ہے کہ زمین میں بھی اور بلند پایہ آسمانوں میں بھی ہمارے نبی محمد مصطفیٰ جن پر ہر قسم کی برکت، رحمت اور سلامتی نازل ہو ان سب سے اکمل اور افضل اور اعرف سب سے زیادہ علم رکھنے والے ہیں اور تمام لوگوں میں سے سب سے زیادہ بدبخت وہ لوگ ہیں جنہوں نے آپ پر زبان درازی کی اور نکتہ چینی اور عیب جوئی کرتے ہوئے آپ پر حملہ آور ہوئے حالانکہ وہ لوگ خدا تعالیٰ کے پوشیدہ رازوں سے آگاہ نہیں۔ کئی ایسے لوگ ہیں جن پر زمین میں تو لعنت کی جاتی ہے لیکن آسمان میں اللہ تعالیٰ ان کی تعریف کرتا رہتا ہے۔ اور اسی طرح کئی لوگ ہیں جو اس دنیا میں تو صاحبِ عظمت سمجھے جاتے ہیں لیکن قیامت کے دن وہ ذلیل ہوں گے۔ پھر اللہ پاک ذات نے اپنے قول ربّ العالمین میں یہ اشارہ فرمایا ہے کہ وہ ہر چیز کا خالق ہے۔ اور آسمانوں اور زمینوں میں اسی کی حمد ہوتی ہے۔ اور پھر حمد کرنے والے ہمیشہ اس کی حمد میں لگے رہتے ہیں اور اپنی یادِ خدا میں محو رہتے ہیں اور کوئی چیز ایسی نہیں مگر ہر وقت اس کی تسبیح و تحمید

حَمْدِهٖ دَائِمِيْنَ. وَعَلٰى ذِكْرِهِمْ عَاكِفِيْنَ. وَ إِنْ مِّنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُهٗ وَيَحْمَدُهٗ فِيْ كُلِّ حِيْنٍ. وَّ إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا انْسَلَخَ عَنْ إِرَادَاتِهٖ. وَتَجَرَّدَ عَنْ جَذَبَاتِهٖ. وَفَنَا فِي اللّٰهِ وَفِيْ طُرُقِهٖ وَعِبَادَاتِهٖ. عَرَفَ رَبَّهُ الَّذِيْ رَبَّاهُ بِعِنَايَاتِهٖ. حَمِدَهٗ فِيْ سَائِرِ أَوْقَاتِهٖ. وَ أَحَبَّهٗ بِجَمِيْعِ قَلْبِهٖ بَلْ بِجَمِيْعِ ذَرَّاتِهٖ. فَعِنْدَ ذَالِكَ هُوَ عَالَمٌ مِّنَ الْعَالَمِيْنَ. وَ لِذَالِكَ سُمِّيَ إِبْرَاهِيْمُ أُمَّةً فِيْ كِتَابِ أَعْلَمِ الْعَالِمِيْنَ. وَمِنَ الْعَالَمِيْنَ زَمَانٌ أُرْسِلَ فِيْهِمْ خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ. وَ عَالَمٌ اٰخَرُ فِيْهِ يَأْتِي اللّٰهُ بِاٰخَرِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ. فِيْ اٰخِرِ الزَّمَانِ رَحْمَةً عَلَى الطَّالِبِيْنَ. وَ إِلَيْهِ أَشَارَ فِيْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى ''لَهُ الْحَمْدُ فِي الْاُوْلٰى وَ الْاٰخِرَةِ★''. فَأَوْمَأَ فِيْهِ إِلٰى أَحْمَدَيْنِ وَ جَعَلَهُمَا مِنْ نَعْمَآئِهِ الْكَاثِرَةِ. فَالْأَوَّلُ مِنْهُمَا أَحْمَدُ الْمُصْطَفٰى وَ رَسُوْلُنَا الْمُجْتَبٰى. وَالثَّانِيْ أَحْمَدُ اٰخِرِ الزَّمَانِ. الَّذِيْ سُمِّيَ مَسِيْحًا وَّ مَهْدِيًّامِّنَ اللّٰهِ الْمَنَّانِ. وَقَدِ اسْتَنْبَطْتُّ هٰذِهِ النُّكْتَةَ مِنْ قَوْلِهٖ '' اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ''. فَلْيَتَدَبَّرْ مَنْ كَانَ مِنَ الْمُتَدَبِّرِيْنَ.

(اعجاز المسیح۔ روحانی خزائن جلد ۱۸ صفحہ ۱۳۱ تا ۱۳۹)

کرتی رہتی ہے اور جب اس کا کوئی بندہ اپنی خواہشات کا چولہ اتار پھینکتا ہے اپنے جذبات سے الگ ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ اور اس کی راہوں اور اس کی عبادات میں فنا ہو جاتا ہے اپنے اس ربّ کو پہچان لیتا ہے جس نے اپنی عنایات سے اس کی پرورش کی وہ اپنے تمام اوقات میں اس کی حمد کرتا ہے اور اپنے پورے دل بلکہ اپنے (وجود کے) تمام ذرّات سے اس سے محبت کرتا ہے تو اس وقت وہ شخص عالمین میں سے ایک عالَم بن جاتا ہے اسی لئے اعلم العالمین کی کتاب (قرآن کریم) میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نام اُمّت رکھا گیا اور عالمین سے ایک عالم وہ بھی ہے جس میں حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث کئے گئے۔ ایک اور عالم وہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ اپنے طالبوں پر رحم کر کے آخری زمانہ میں مومنوں کے ایک دوسرے گروہ کو پیدا کرے گا اسی کی طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام '' لَهُ الْحَمْدُ فِي الْاُوْلٰى وَ الْاٰخِرَةِ '' میں اشارہ فرمایا ہے۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے دو احمدوں کا ذکر فرما کر ہر دو کو اپنی بے پایاں نعمتوں میں شمار کیا ہے۔ ان میں سے پہلے احمد تو ہمارے نبی احمد مصطفیٰ اور رسول مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور دوسرا احمد، احمد آخر الزّمان ہے جس کا نام محسن خدا کی طرف سے مسیح اور مہدی بھی رکھا گیا ہے یہ نکتہ مَیں نے خدا تعالیٰ کے قول اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ سے اَخذ کیا ہے پس ہر غور و فکر کرنے والے کو غور کرنا چاہئے۔ (ترجمہ از مرتب)

★ القصص:۷۱

اَلْعَالَمُ مَا يُعْلَمُ وَيُخْبَرُ عَنْهُ وَمَا يَدُلُّ عَلَى الصَّانِعِ الْكَامِلِ الْوَاحِدِ الْمُدَبِّرِ بِالْإِرَادَةِ يَلْتَحِصُ الطَّالِبَ إِلَى الْإِيْمَانِ بِهٖ وَيَنُصُّهٗ إِلَى الْمُؤْمِنِيْنَ۔

(کرامات الصادقین ۔ روحانی خزائن جلد ۷ صفحہ ۱۱۰)

عالَم کے معنے ہیں جس کے متعلق علم اور خبر دی جا سکے اور جو مدبّر بالارادہ کامل یگانہ صانع پر دلالت کرے۔ اور جو (یعنی عالَم) اس (یکتا ہستی) پر ایمان لانے کے لئے طالبِ حق کو مجبور کردے اور اس (طالب) کو مومنوں (کے گروہ) تک پہنچادے۔ (ترجمہ از مرتب)

وَعَرَفْتَ أَنَّ الْعَالَمِيْنَ عِبَارَةٌ عَنْ كُلِّ مَوْجُوْدٍ سِوَى اللهِ خَالِقِ الْأَنَامِ۔ سَوَآءٌ كَانَ مِنْ عَالَمِ الْأَرْوَاحِ أَوْ مِنْ عَالَمِ الْأَجْسَامِ۔ وَسَوَآءٌ كَانَ مِنْ مَّخْلُوْقِ الْأَرْضِ أَوْ كَالشَّمْسِ وَالْقَمَرِ وَغَيْرِهِمَا مِنَ الْأَجْرَامِ۔ فَكُلٌّ مِّنَ الْعَالَمِيْنَ دَاخِلٌ تَحْتَ رُبُوْبِيَّةِ الْحَضْرَةِ۔

(اعجاز المسیح ۔ روحانی خزائن جلد ۱۸ صفحہ ۱۳۹، ۱۴۰)

اور آپ جان چکے ہیں کہ عالمین سے مراد مخلوق کو پیدا کرنے والے خدا کے سوا ہر ہستی ہے خواہ وہ عالم ارواح سے ہو عالم اجسام سے اور خواہ وہ زمینی مخلوق سے ہو یا سورج چاند اور ان کے علاوہ دیگر اجرام کی مانند (کوئی چیز) ہو۔ پس تمام عالم جناب باری کی ربوبیّت کے تحت داخل ہیں۔ (ترجمہ از مرتب)

یہاں خالق العالمین نہیں فرمایا بلکہ ربّ العالمین ☆ فرمایا اس لئے کہ بعض قومیں ربوبیت کی منکر ہیں اور کہتی ہیں کہ ہم کو جو کچھ ملتا ہے ہمارے عملوں کے سبب سے ہی ملتا ہے مثلاً اگر دودھ ملتا ہے تو اگر ہم کوئی گناہ کر کے گائے یا بھینس وغیرہ کے جون میں نہ جاتے تو دودھ ہی نہ ہوتا۔ اور خلق چونکہ قطع بُرید کرنے کا نام ہے اس لئے اس موقعہ پر ربّ العالمین کو جو اس سے افضل تر ہے بیان فرمایا۔ (الحکم جلد ۴ نمبر ۴۰ مؤرخہ ۱۰ ر نومبر ۱۹۰۰ء صفحہ ۴)

خدا تمام دنیا کا خدا ہے اور جس طرح اس نے ظاہر جسمانی ضروریات اور تربیت کے واسطے مواد اور سامان تمام قسم کی مخلوق کے واسطے بلا کسی امتیاز کے مشترکہ طور سے پیدا کئے ہیں۔ اور ہمارے اصول کے رو سے وہ ربّ العالمین ہے۔ اور اُس نے اناج، ہوا، پانی، روشنی وغیرہ سامان تمام مخلوق کے واسطے بنائے ہیں اسی طرح سے وہ ہر ایک زمانہ میں ہر ایک قوم کی اصلاح کے واسطے وقتاً فوقتاً مصلح بھیجتا رہا ہے۔ جیسا کہ قرآن شریف میں ہے وَ اِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ (فاطر: ۲۵) (الحکم نمبر ۳۶ جلد ۱۲ مؤرخہ ۲ ر جون ۱۹۰۸ء صفحہ ۶)

☆ ربّ العالمین اس لئے بھی فرمایا تا کہ یہ ثابت کرے کہ وہ بسائط اور عالم امر کا بھی ربّ ہے کیونکہ بسیط چیزیں امر سے ہیں اور مرکب خلق سے ہے۔ منہ

صاحبزادہ سراج الحق صاحب نے لطیفہ سنایا کہ میں وحدت وجود کے مسئلہ کا قائل تھا اور شہودیوں کا سخت مخالف۔ جب میں پہلے پہلے حضرت اقدس مرزا صاحب کی خدمت میں پہنچا تو آپ سے اس کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ:۔

ایک سمندر ہے جس سے سب شاخیں نکلتی ہیں مگر ہمیں شہودیوں والی بات درست معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ قرآن شریف کے شروع ہی میں جو کہا گیا ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ عالمین کا ربّ تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ربّ اور ہے عالم اور ہے ورنہ اگر وحدت وجود والی بات صحیح ہوتی تو رَبُّ الْعَيْنِ کہا جاتا۔

(بدر جلد ۷ نمبر ۱۱ مؤرخہ ۱۹؍مارچ ۱۹۰۸ء صفحہ ۶)

پھر اس کے بعد ربّ العالمین کا لفظ ہے۔ جیسا پہلے بیان کیا گیا ہے اللہ وہ ذات (مستجمع) جمیع صفاتِ کاملہ ہے جو تمام نقائص سے منزّہ ہو اور حسن اور احسان کے اعلیٰ نکتہ پر پہنچا ہوا ہو، تا کہ اس بے مثل و مانند ذات کی طرف لوگ کھینچے جائیں اور روح کے جوش اور کشش سے اس کی عبادت کریں اِس لئے پہلی خوبی احسان کی صفت ربّ العالمین کے اظہار سے ظاہر فرمائی ہے۔ جس کے ذریعہ سے کل مخلوق فیض ربوبیت سے فائدہ اٹھا رہی ہے۔ مگر اس کے بالمقابل باقی سب مذہبوں نے جو اس وقت موجود ہیں۔ اس صفت کا بھی انکار کیا ہے۔ مثلاً آریہ جیسا ابھی بیان کیا ہے یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ انسان کو جو کچھ مل رہا ہے وہ سب اس کے اپنے ہی اعمال کا نتیجہ ہے اور خدا کی ربوبیت سے وہ ہرگز ہرگز بہرہ ور نہیں ہے۔ کیونکہ جب وہ اپنی روحوں کا خالق ہی خدا کو نہیں مانتے اور ان کو اپنے بقا و قیام میں بالکل غیر محتاج سمجھتے ہیں۔ تو پھر اس صفت ربوبیت کا بھی انکار کرنا پڑا۔ ایسا ہی عیسائی بھی اس صفت کے منکر ہیں کیونکہ وہ مسیح کو اپنا ربّ سمجھتے ہیں اور ربّنا المسیح ربّنا المسیح کہتے پھرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو جمیع مافی العالم کا ربّ نہیں مانتے بلکہ مسیح کو اس کے فیض ربوبیّت سے باہر قرار دیتے ہیں اور خود ہی اس کو ربّ مانتے ہیں۔ اسی طرح پر عام ہندو بھی اس صداقت سے منکر ہیں کیونکہ وہ تو ہر ایک چیز اور دوسری چیزوں کو ربّ مانتے ہیں۔

برہم سماج والے بھی ربوبیت تامہ کے منکر ہیں کیونکہ وہ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ خدا نے جو کچھ کرنا تھا وہ سب یکبار کر دیا اور یہ (کہ) تمام عالم اور اس کی قوتیں جو ایک دفعہ پیدا ہو چکی ہیں مستقل طور پر اپنے کام میں لگی ہوئی ہیں اللہ تعالیٰ ان میں کوئی تصرّف نہیں کر سکتا۔ اور نہ کوئی ان میں تغیّر و تبدّل واقع ہو سکتا ہے ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ اب معطّل محض ہے۔ غرض جہاں تک مختلف مذاہب کو دیکھا جاوے اور ان کے

اعتقادات کی پڑتال کی جاوے تو صاف طور پر معلوم ہو جاوے گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ربّ العالمین ہونے کے قائل نہیں ہیں۔ یہ خوبی جو اعلیٰ درجہ کی خوبی ہے اور جس کا مشاہدہ ہر آن ہو رہا ہے صرف اسلام ہی بتاتا ہے اور اس طرح پر اسی ایک لفظ کے ساتھ ان تمام غلط اور بے ہودہ اعتقادات کی بیخ کنی کرتا ہے جو اس صفت کے خلاف دوسرے مذاہب والوں نے خود بنا لئے ہیں۔ (الحکم نمبر ۱۷ جلد ۷ مؤرخہ ۱۰ رمئی ۱۹۰۳ء صفحہ ۲)

خدا نے قرآن شریف کو پہلے اسی آیت سے شروع کیا ہے جو سورۃ فاتحہ میں ہے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ یعنی تمام کامل اور پاک صفات خدا سے خاص ہیں جو تمام عالموں کا ربّ ہے۔ عالم کے لفظ میں تمام مختلف قومیں اور مختلف زمانے اور مختلف ملک داخل ہیں۔ اور اس آیت سے جو قرآن شریف شروع کیا گیا یہ درحقیقت اُن قوموں کا ردّ ہے جو خدا تعالیٰ کی عام ربوبیّت اور فیض کو اپنی ہی قوم تک محدود رکھتے ہیں اور دوسری قوموں کو ایسا خیال کرتے ہیں کہ گویا وہ خدا تعالیٰ کے بندے ہی نہیں۔ اور گویا خدا نے اُن کو پیدا کر کے پھر ردّی کی طرح پھینک دیا ہے۔ یا اُن کو بھول گیا ہے اور یا (نعوذ باللہ) وہ اس کے پیدا کردہ ہی نہیں۔ جیسا کہ مثلاً یہودیوں اور عیسائیوں کا اب تک یہی خیال ہے کہ جس قدر خدا کے نبی اور رسول آئے ہیں وہ صرف یہود کے خاندان سے آئے ہیں اور خدا دوسری قوموں سے کچھ ایسا ناراض رہا ہے کہ اُن کو گمراہی اور غفلت میں دیکھ کر پھر بھی اُن کی کچھ پروا نہیں کی۔ جیسا کہ انجیل میں بھی لکھا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں صرف اسرائیل کی بھیڑوں کے لئے آیا ہوں۔ اس جگہ ہم ایک فرض محال کے طور پر کہتے ہیں کہ خدائی کا دعویٰ کر کے پھر ایسا تنگ خیالی کا کلمہ بڑے تعجب کی بات ہے کیا مسیح صرف اسرائیلیوں کا خدا تھا اور دوسری قوموں کا خدا نہ تھا جو ایسا کلمہ اُس کے منہ سے نکلا کہ مجھے دوسری قوموں کی اصلاح اور ہدایت سے کچھ غرض نہیں۔ غرض یہودیوں اور عیسائیوں کا یہی مذہب ہے کہ تمام نبی اور رسول انہیں کے خاندان سے آتے رہے ہیں اور انہیں کے خاندان میں خدا کی کتابیں اترتی رہی ہیں اور پھر بموجب عقیدہ عیسائیوں کے وہ سلسلہ الہام اور وحی کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ختم ہو گیا اور خدا کے الہام پر مہر لگ گئی۔

انہیں خیالات کے پابند آریہ صاحبان بھی پائے جاتے ہیں یعنی جیسے یہود اور عیسائی نبوت اور الہام کو اسرائیلی خاندان تک ہی محدود رکھتے ہیں اور دوسری تمام قوموں کو الہام پانے کے فخر سے جواب دے رہے

ہیں۔ یہی عقیدہ نوع انسان کی بدقسمتی سے آریہ صاحبان نے بھی اختیار کر رکھا ہے یعنی وہ بھی یہی اعتقاد رکھتے ہیں کہ خدا کی وحی اور الہام کا سلسلہ آریہ ورت کی چار دیواری سے کبھی باہر نہیں گیا۔ ہمیشہ اسی ملک سے چار رشی منتخب کئے جاتے ہیں اور ہمیشہ وید ہی بار بار نازل ہوتا ہے اور ہمیشہ ویدک سنسکرت ہی اس الہام کے لئے خاص کی گئی ہے۔

غرض یہ دونوں قومیں خدا کو ربّ العالمین نہیں سمجھتیں ورنہ کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ جس حالت میں خدا ربّ العالمین کہلاتا ہے نہ صرف ربّ اسرائیلیاں یا صرف ربّ آریاں تو وہ ایک خاص قوم سے کیوں ایسا دائمی تعلق پیدا کرتا ہے جس میں صریح طور پر طرف داری اور پکش پات پائی جاتی ہے۔ پس ان عقائد کے ردّ کے لئے خدا تعالیٰ نے قرآن شریف کو اسی آیت سے شروع کیا کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ اور جابجا اُس نے قرآن شریف میں صاف صاف بتلا دیا ہے کہ یہ بات صحیح نہیں ہے کہ کسی خاص قوم یا خاص ملک میں خدا کے نبی آتے رہتے ہیں بلکہ خدا نے کسی قوم اور کسی ملک کو فراموش نہیں کیا۔ اور قرآن شریف میں طرح طرح کی مثالوں میں بتلایا گیا ہے کہ جیسا کہ خدا ہر ایک ملک کے باشندوں کے لئے اُن کے مناسب حال اُن کی جسمانی تربیت کرتا آیا ہے ایسا ہی اس نے ہر ایک ملک اور ہر ایک قوم کو رُوحانی تربیت سے بھی فیضیاب کیا ہے۔ جیسا کہ وہ قرآن شریف میں ایک جگہ فرماتا ہے۔ وَ اِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ (فاطر:۲۵) کہ کوئی ایسی قوم نہیں جس میں کوئی نبی یا رسول نہیں بھیجا گیا۔

سو یہ بات بغیر کسی بحث کے قبول کرنے کے لائق ہے کہ وہ سچا اور کامل خدا جس پر ایمان لانا ہر ایک بندہ کا فرض ہے وہ ربّ العالمین ہے اور اس کی ربوبیت کسی خاص قوم تک محدود نہیں اور نہ کسی خاص زمانہ تک اور نہ کسی خاص ملک تک بلکہ وہ سب قوموں کا ربّ ہے اور تمام زمانوں کا ربّ ہے اور تمام مکانوں کا ربّ ہے اور تمام ملکوں کا وہی ربّ ہے اور تمام فیضوں کا وہی سرچشمہ ہے اور ہر ایک جسمانی اور رُوحانی طاقت اسی سے ہے اور اسی سے تمام موجودات پرورش پاتی ہیں اور ہر ایک وجود کا وہی سہارا ہے۔ خدا کا فیض عام ہے جو تمام قوموں اور تمام ملکوں اور تمام زمانوں پر محیط ہو رہا ہے۔ یہ اس لئے ہوا کہ تا کسی قوم کو شکایت کرنے کا موقع نہ ملے اور یہ نہ کہیں کہ خدا نے فلاں فلاں قوم پر احسان کیا مگر ہم پر نہ کیا یا فلاں قوم کو اس کی طرف سے کتاب ملی تا وہ اس سے ہدایت پاویں مگر ہم کو نہ ملی یا فلاں زمانہ میں وہ اپنی وحی اور الہام اور معجزات کے ساتھ ظاہر ہوا مگر ہمارے زمانہ میں مخفی رہا۔ پس اُس نے عام فیض دکھلا کر ان تمام اعتراضات کو دفع کر دیا اور

اپنے ایسے وسیع اخلاق دکھلائے کہ کسی قوم کو اپنے جسمانی اور روحانی فیضوں سے محروم نہیں رکھا اور نہ کسی زمانہ کو بے نصیب ٹھہرایا۔ (پیغام صلح۔ روحانی خزائن جلد ۲۳ صفحہ ۴۴۰ تا ۴۴۲)

سب حمد اس اللہ کے لئے جو تمام دنیا کو پیدا کرنے والا ہے۔ اب بعض لوگ اس قسم کے ہیں جو خدا کے پیدا کرنے سے منکر ہیں۔ جیسے آریہ جیو (روح) پرکرتی (مادہ) کی نسبت کہتے ہیں کہ آپ سے آپ چلے آتے ہیں۔ جیسے پرمیشر آپ سے آپ ہے ان کی کل طاقتیں بھی خود بخود ہیں پرمیشر کا دخل نہیں۔ یہ وہ فرقہ تھا جس کی طرف اللہ نے رَبُّ الْعَالَمِیْنَ سے اشارہ کیا اور ان کی تردید بھی کی۔

(البدر نمبر ا جلد ۷ مؤرخہ ۹؍جنوری ۱۹۰۸ء صفحہ ۵)

خدا کا نام رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ہے۔ ربّ کے معنے پرورش کرنے والے کے ہیں۔ عالم روحانی وجسمانی کی وہی پرورش کرتا ہے۔ اگر اس نے ایسے قویٰ انسان میں نہ رکھے ہوتے تو انسان ان انعامات سے کہاں متمتع ہوسکتا۔ ایسا ہی روحانی ترقی بغیر اس کے فضل کے ناممکن ہے۔ (البدر نمبر ۲۵ جلد ۷ مؤرخہ ۲۵؍جون ۱۹۰۸ء صفحہ ۳)

خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ دراصل مَیں ہی تمہاری پرورش کرتا ہوں۔ جب خدا تعالیٰ کی پرورش نہ ہو تو کوئی پرورش نہیں کرسکتا۔ دیکھو! جب خدا تعالیٰ کسی کو بیمار...... ڈال دیتا ہے تو بعض دفعہ طبیب کتنا ہی زور لگاتے ہیں۔ مگر وہ ہلاک ہوجاتا ہے۔ طاعون کے مرض کی طرف غور کرو۔ سب ڈاکٹر زور لگا چکے مگر یہ مرض دفع نہ ہوا۔

اصل یہ ہے کہ سب بھلائیاں اسی کی طرف سے ہیں اور وہی ہے کہ جو تمام بدیوں کو دور کرتا ہے پھر فرماتا ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور تمام پرورشیں تمام جہان پر اسی کی ہیں۔ (البدر نمبر ۲۴ جلد ۲ مؤرخہ ۳؍جولائی ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۸۶)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ .... یعنی تمام محامد اللہ کے لئے ثابت ہیں جو تمام عالَموں کا ربّ ہے یعنی اس کی ربوبیت تمام عالَموں پر محیط ہے۔ (جنگ مقدس۔ روحانی خزائن جلد ۶ صفحہ ۱۰۱)

اس میں کلام کی جگہ نہیں کہ جو کچھ اجرام فلکی اور عناصر میں جسمانی اور فانی طور پر صفات پائی جاتی ہیں وہ روحانی اور ابدی طور پر خدا تعالیٰ میں موجود ہیں اور خدا تعالیٰ نے یہ بھی ہم پر کھول دیا ہے کہ سورج وغیرہ بذاتِ خود کچھ چیز نہیں ہیں یہ اسی کی طاقت زبردست ہے جو پردہ میں ہر ایک کام کر رہی ہے۔ وہی ہے جو

چاند کو پردہ پوش اپنی ذات کا بنا کر اندھیری راتوں کو روشنی بخشتا ہے جیسا کہ وہ تاریک دِلوں میں خود داخل ہو کر ان کو منوّر کر دیتا ہے اور آپ انسان کے اندر بولتا ہے۔ وہی ہے جو اپنی طاقتوں پر سورج کا پردہ ڈال کر دِن کو ایک عظیم الشان روشنی کا مظہر بنا دیتا ہے اور مختلف فصلوں میں مختلف اپنے کام ظاہر کرتا ہے۔ اسی کی طاقت آسمان سے برستی ہے جو مینہ کہلاتی ہے اور خشک زمین کو سرسبز کر دیتی ہے اور پیاسوں کو سیراب کر دیتی ہے۔ اسی کی طاقت آگ میں ہو کر جلاتی ہے اور ہَوا میں ہو کر دَم کو تازہ کرتی اور پھولوں کو شگفتہ کرتی اور بادلوں کو اُٹھاتی اور آواز کو کانوں تک پہنچاتی ہے۔ یہ اسی کی طاقت ہے کہ زمین کی شکل میں مجسّم ہو کر نوعِ انسان اور حیوانات کو اپنی پُشت پر اُٹھا رہی ہے مگر کیا یہ چیزیں خدا ہیں؟ نہیں بلکہ مخلوق مگر ان کے اجرام میں خدا کی طاقت ایسے طور سے پیوست ہو رہی ہے کہ جیسے قلم کے ساتھ ہاتھ ملا ہوا ہے اگرچہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ قلم لکھتی ہے مگر قلم نہیں لکھتی بلکہ ہاتھ لکھتا ہے یا مثلاً ایک لوہے کا ٹکڑا جو آگ میں پڑ کر آگ کی شکل بن گیا ہے ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ جلاتا ہے اور روشنی بھی دیتا ہے مگر دراصل وہ صفات اُس کی نہیں بلکہ آگ کی ہیں۔ اسی طرح تحقیق کی نظر سے یہ بھی سچ ہے کہ جس قدر اجرام فلکی وعناصر ارضی بلکہ ذرّہ ذرّہ عالم سفلی اور علوی کا مشہود اور محسوس ہے یہ سب باعتبار اپنی مختلف خاصیتوں کے جو اُن میں پائی جاتی ہیں خدا کے نام ہیں اور خدا کی صفات ہیں اور خدا کی طاقت ہے جو ان کے اندر پوشیدہ طور پر جلوہ گر ہے اور یہ سب ابتدا میں اسی کے کلمے تھے جو اس کی قدرت نے ان کو مختلف رنگوں میں ظاہر کر دیا۔ نادان سوال کرے گا کہ خدا کے کلمے کیونکر مجسم ہوئے کیا خدا ان کے علیحدہ ہونے سے کم ہو گیا مگر اس کو سوچنا چاہئے کہ آفتاب سے جو ایک آتشی شیشی آگ حاصل کرتی ہے وہ آگ کچھ آفتاب میں سے کم نہیں کرتی۔ ایسا ہی جو کچھ چاند کی تاثیر سے پھلوں میں فربہی آتی ہے وہ چاند کو دُبلا نہیں کر دیتی۔ یہی خدا کی معرفت کا ایک بھید اور تمام نظام روحانی کا مرکز ہے کہ خدا کے کلمات سے ہی دنیا کی پیدائش ہے جبکہ یہ بات طے ہو چکی اور خود قرآن شریف نے یہ علم ہمیں عطا کیا تو پھر میرے نزدیک ممکن ہے کہ وید نے جو کچھ آگ کی تعریف کی یا ہَوا کی تعریف کی یا سورج کی مہما اور اُستت کی اس کا بھی یہی مقصد ہوگا کہ الٰہی طاقت ایسے شدید تعلق سے ان کے اندر کام کر رہی ہے کہ درحقیقت اس کے مقابل وہ سب اجرام بطور چھلکے کے ہیں اور وہ مغز ہے اور سب صفات اُسی کی طرف رجوع کرتی ہیں اس لئے اسی کا نام آگ رکھنا چاہئے اور اسی کا نام پانی اور اسی کا نام ہوا کیونکہ ان کے فعل ان کے فعل نہیں بلکہ یہ سب اس کے فعل ہیں اور ان کی طاقتیں ان کی طاقتیں نہیں بلکہ یہ سب اس کی طاقتیں ہیں جیسا کہ سورۃ فاتحہ کی اس

آیت میں کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ اسی کی طرف اشارہ ہے۔یعنی مختلف رنگوں اور پیرایوں اور عالموں میں جو دنیا کا نظام قائم رکھنے کے لئے زمین آسمان کی چیزیں کام کر رہی ہیں یہ وہ نہیں کام کرتیں بلکہ خدائی طاقت ان کے نیچے کام کر رہی ہے جیسا کہ دوسری آیت میں بھی فرمایا صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيْرَ (النّمل:۴۵) یعنی دنیا ایک شیش محل ہے جس کے شیشوں کے نیچے زور سے پانی چل رہا ہے اور نادان سمجھتا ہے کہ یہی شیشے پانی ہیں حالانکہ پانی ان کے نیچے ہے۔اور جیسا کہ قرآن شریف میں ایک تیسری جگہ بھی فرمایا۔ حَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ (بنی اسرائیل:۷۱) یعنی یہ خیال مت کرو کہ زمین تمہیں اُٹھاتی ہے یا کشتیاں دریا میں تمہیں اُٹھاتی ہیں بلکہ ہم خود تمہیں اٹھا رہے ہیں۔ (نسیم دعوت۔روحانی خزائن جلد ۱۹ صفحہ ۴۲۳ تا ۴۲۶)

رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ کیسا جامع کلمہ ہے۔اگر ثابت ہو کہ اجرام فلکی میں آبادیاں ہیں تب بھی وہ آبادیاں اس کلمہ کے نیچے آئیں گی۔ (کشتی نوح۔روحانی خزائن جلد ۱۹ صفحہ ۴۲ حاشیہ)

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ یعنی وہ خدا ہر ایک کی جزا اپنے ہاتھ میں رکھتا ہے۔اس کا کوئی ایسا کارپرداز نہیں جس کو اس نے زمین و آسمان کی حکومت سونپ دی ہو اور آپ الگ ہو بیٹھا ہو اور آپ کچھ نہ کرتا ہو۔ وہی کارپرداز سب کچھ جزا سزا دیتا ہو یا آئندہ دینے والا ہو۔(اسلامی اصول کی فلاسفی۔روحانی خزائن جلد ۱۰ صفحہ ۳۷۳)

مالک ایک ایسا لفظ ہے جس کے مقابل پر تمام حقوق مسلوب ہو جاتے ہیں اور کامل طور پر اطلاق اس لفظ کا صرف خدا پر ہی آتا ہے کیونکہ کامل مالک وہی ہے۔ جو شخص کسی کو اپنی جان وغیرہ کا مالک ٹھہراتا ہے تو وہ اقرار کرتا ہے کہ اپنی جان اور مال وغیرہ پر میرا کوئی حق نہیں اور میرا کچھ بھی نہیں سب مالک کا ہے۔

(چشمۂ معرفت۔روحانی خزائن جلد ۲۳ صفحہ ۲۳)

ہر ایک بدی کی سزا دینا خدا کے اخلاق عفو اور درگزر کے برخلاف ہے کیونکہ وہ مالک ہے نہ صرف ایک مجسٹریٹ کی طرح جیسا کہ اُس نے قرآن شریف کی پہلی سورت میں ہی اپنا نام مالک رکھا ہے اور فرمایا کہ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ یعنی خدا جزا سزا دینے کا مالک ہے اور ظاہر ہے کہ کوئی مالک مالک نہیں کہلا سکتا جب تک دونوں پہلوؤں پر اس کو اختیار نہ ہو یعنی چاہے تو پکڑے اور چاہے تو چھوڑ دے۔

(چشمۂ معرفت۔روحانی خزائن جلد ۲۳ صفحہ ۲۴)

قرآن شریف میں اس کا نام مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ بھی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ انسان خوش حال ہو مگر ممکن ہے کہ پرند، چرند اس سے بھی زیادہ خوش حال ہوں۔ یہ دنیا ایک عالمِ امتحان ہے اس کے حل کرنے کے واسطے

دوسرا عالم ہے۔ اس دنیا میں جو تکالیف رکھی ہیں اس کا وعدہ ہے کہ آئندہ عالم میں خوشی دے گا۔ اگر اب بھی کوئی کہے کہ کیوں ایسا کیا اور ایسا نہ کیا؟ اس کا یہ جواب ہے کہ وہ حکم اور مالکیت بھی تو رکھتا ہے۔ اُس نے جیسا چاہا کیا۔ کسی کو اس کے اس کام پر اعتراض کی گنجائش اور حق نہیں۔

(الحکم نمبر ۳۵ جلد ۱۲ مؤرخہ ۳۰ رمئی ۱۹۰۸ء صفحہ ۵)

(انسان) گناہ سے تو جلالی رنگ اور ہیبت ہی سے بچ سکتا ہے جب یہ علم ہو کہ اللہ تعالیٰ اس گناہ کی سزا میں شَدِيْدُ الْعَذَابِ ہے اور مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ہے تو انسان پر ایک ہیبت سی طاری ہو جائے گی جو اس کو گناہ سے بچالے گی۔ (الحکم نمبر ۴۵ جلد ۵ مؤرخہ ۱۰ ردسمبر ۱۹۰۱ء صفحہ ۱)

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ سے صرف یہ مراد نہیں ہے کہ قیامت کو جزا سزا ہوگی بلکہ قرآن شریف میں بار بار اور صاف صاف بیان کیا گیا ہے کہ قیامت تو مجازاتِ کبریٰ کا وقت ہے۔ مگر ایک قسم کی مجازات اِسی دنیا میں شروع ہے جس کی طرف آیت يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا (الانفال: ۳۰) اشارہ کرتی ہے۔

(کشتی نوح۔ روحانی خزائن جلد ۱۹ صفحہ ۴۲)

فرمایا کہ میں مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ہوں۔ جزا وسزا دینا اُسی کے اختیار میں ہے اسی عالم سے جزا وسزا کا معاملہ شروع ہو جاتا ہے جو نقب زنی کرتا ہے شاید ایک دفعہ نہیں تو دوسری دفعہ دوسری دفعہ نہیں تو تیسری دفعہ ضرور پکڑا جاتا ہے یا کسی اور رنگ میں اسے سزا مل جاتی ہے (یہ سزا کیا کم ہے کہ چور دولت کے لئے چوری کرتا ہے اور پھر بھی ہمیشہ مفلس اور غریب ذلیل رہتا ہے) ہم نے اس عالم میں خوب غور کر کے دیکھ لیا کہ جو سرگرمی سے نیکی کرتا ہے تو نیک نتیجہ پانے سے خالی نہیں رہتا اور جو بدی کرتا ہے ضرور بد نتیجہ بھگت لیتا ہے دیکھو جو زنا کرتے ہیں اُن کو آتشک ہو جاتی ہے۔ شراب پینے والوں کو رعشہ ہو جاتا ہے۔ کسی کی انتڑیوں میں پھوڑے نکل آتے ہیں۔ القصّہ خدا کے اس قدر احسان ہیں کہ کس کی طاقت ہے جو ان احسانوں کو شمار کر سکے انسان جس قدر قویٰ لے کر آیا ہے وہ کس کا عطیّہ ہیں۔ انسان اگر سوچ کر دیکھے تو سب قویٰ اللہ کی زیر قدرت ہیں چاہے تو ایک دم میں قلب کی حرکت موقوف ہو جائے اور انسان فوراً ہلاک ہو جائے مگر مرنے کو کس کا دل چاہتا ہے۔ (البدر نمبر ۲۵ جلد ۷ مؤرخہ ۲۵ رجون ۱۹۰۸ء صفحہ ۳)

جو لوگ قیامت کے منکر ہیں اس میں ان کا رَدّ موجود ہے۔ اس کی تفصیل قرآن شریف میں بہت جگہ آئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اِس صفت اور رحیمیت میں فرق یہ ہے کہ رحیمیت میں دُعا اور عبادت کے ذریعہ کامیابی کی

راہ پیدا ہوتی اور ایک حق ہوتا ہے مگر مالکیت یوم الدین وہ حق اور ثمرہ عطا کرتی ہے۔

(الحکم نمبر ۱۹ جلد ۷ مؤرخہ ۲۴ رمئی ۱۹۰۳ء صفحہ ۱)

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ مالک ہے جزاء کے دن کا۔ دہریہ اس کے مخالف ہیں جو کہتے ہیں کوئی جزا سزا نہیں۔ صفت رحیمیت سے انکار کرنے والے تو پھر لاپرواہی سے عمل نہیں کرتے اور یہ خدا کے وجود سے منکر ہیں۔ اس لئے عمداً اعمالِ صالحہ کی طرف توجہ نہیں دیتے۔ (البدر نمبر ۱ جلد ۷ مؤرخہ ۹ رجنوری ۱۹۰۸ء صفحہ ۵)

اس جگہ سورۃ فاتحہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی چار صفتیں بیان فرمائیں۔ یعنی ربّ[۱] العالمین۔ رحمان[۲]۔ رحیم[۳]۔ مالك يوم الدين[۴]۔ اوران ہر چہار صفتوں میں سے رَبُّ العالمین کو سب سے مقدم رکھا اور پھر بعد اس کے صفت رحمان کو ذکر کیا۔ پھر صفت رحیم کو بیان فرمایا۔ پھر سب کے اخیر صفت مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کو لائے۔ پس سمجھنا چاہئے کہ یہ ترتیب خدائے تعالیٰ نے کیوں اختیار کی۔ اس میں نکتہ یہ ہے کہ ان صفاتِ اربعہ کی ترتیب طبعی یہی ہے اور اپنی واقعی صورت میں اسی ترتیب سے یہ صفتیں ظہور پذیر ہوتی ہیں۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ دنیا پر خدا کا چار طور پر فیضان پایا جاتا ہے۔ جو غور کرنے سے ہر یک عاقل اس کو سمجھ سکتا ہے۔

پہلا فیضان فیضان اعم ہے۔ یہ وہ فیضانِ مطلق ہے کہ جو بلاتمیز ذی روح وغیر ذی روح افلاک سے لے کر خاک تک تمام چیزوں پر علی الاتصال جاری ہے اور ہر یک چیز کا عدم سے صورت وجود پکڑنا اور پھر وجود کا حد کمال تک پہنچنا اسی فیضان کے ذریعہ سے ہے۔ اور کوئی چیز جاندار ہو یا غیر جاندار اس سے باہر نہیں۔ اسی سے وجود تمام ارواح واجسام ظہور پذیر ہوا اور ہوتا ہے اور ہر یک چیز نے پرورش پائی اور پاتی ہے۔ یہی فیضان تمام کائنات کی جان ہے اگر ایک لحہ منقطع ہو جائے تو تمام عالم نابود ہو جائے۔ اور اگر نہ ہوتا تو مخلوقات میں سے کچھ بھی نہ ہوتا۔ اس کا نام قرآن شریف میں ربوبیّت ہے۔ اور اسی کی رو سے خدا کا نام ربّ العالمین ہے۔ جیسا کہ اس نے دوسری جگہ بھی فرمایا ہے وَ هُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ۔ (الانعام:۱۶۵) یعنی خدا ہر یک چیز کا ربّ ہے۔ اور کوئی چیز عالَم کی چیزوں میں سے اس کی ربوبیت میں سے باہر نہیں سو خدا نے سورۃ فاتحہ میں سب صفات فیضانی میں سے پہلے صفت ربّ العالمین کو بیان فرمایا اور کہا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ یہ اس لئے کہا کہ سب فیضانی صفتوں میں سے تقدم طبعی صفت ربوبیّت کو حاصل ہے یعنی ظہور کے رو سے بھی صفت مقدم الظہور ہے اور تمام صفات فیضانی سے اعم ہے کیونکہ ہر یک چیز پر خواہ جاندار ہو خواہ غیر جاندار مشتمل ہے۔

پھر دوسرا قسم فیضان کا جو دوسرے مرتبہ پر واقعہ ہے فیضانِ عام ہے۔ اس میں اور فیضانِ اعم میں یہ فرق

ہے کہ فیضانِ اعم تو ایک عام ربوبیت ہے جس کے ذریعہ سے کل کائنات کا ظہور اور وجود ہے اور یہ فیضان جس کا نام فیضانِ عام ہے۔ یہ ایک خاص عنایت ازلیہ ہے جو جانداروں کے حال پر مبذول ہے یعنی ذی روح چیزوں کی طرف حضرت باری کی جو ایک خاص توجہ ہے اس کا نام فیضانِ عام ہے۔ اور اس فیضان کی یہ تعریف ہے کہ یہ بلا استحقاق اور بغیر اس کے کہ کسی کا کچھ حق ہو سب ذی روحوں پر حسب حاجت ان کے جاری ہے۔ کسی کے عمل کا پاداش نہیں۔ اور اسی فیضان کی برکت سے ہر یک جاندار جیتا، جاگتا، کھاتا، پیتا اور آفات سے محفوظ اور ضروریات سے متمتع نظر آتا ہے اور ہر یک ذی روح کے لئے تمام اسباب زندگی کے جو اس کے لئے یا اس کے نوع کے بقا کے لئے مطلوب ہیں میسر نظر آتے ہیں اور یہ سب آثار اسی فیضان کے ہیں کہ جو کچھ روحوں کو جسمانی تربیت کے لئے درکار ہے سب کچھ دیا گیا ہے اور ایسا ہی جن روحوں کو علاوہ جسمانی تربیت کے روحانی تربیت کی بھی ضرورت ہے یعنی روحانی ترقی کی استعداد رکھتے ہیں۔ ان کے لئے قدیم سے عین ضرورتوں کے وقتوں میں کلام الٰہی نازل ہوتا رہا ہے۔ غرض اسی فیضانِ رحمانیت کے ذریعہ سے انسان اپنی کروڑ ہا ضروریات پر کامیاب ہے۔ سکونت کے لئے سطحِ زمین، روشنی کے لئے چاند اور سورج، دم لینے کے لئے ہوا، پینے کے لئے پانی، کھانے کے لئے انواع اقسام کے رزق اور علاج امراض کے لئے لاکھوں طرح کی ادویہ اور پوشاک کے لئے طرح طرح کی پوشیدنی چیزیں اور ہدایت پانے کے لئے صُحفِ ربّانی موجود ہیں اور کوئی یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ یہ تمام چیزیں میرے عملوں کی برکت سے پیدا ہوگئیں ہیں اور میں نے ہی کسی پہلے جنم میں کوئی نیک عمل کیا تھا جس کی پاداش میں یہ بے شمار نعمتیں خدا نے بنی آدم کو عنایت کیں۔ پس ثابت ہے کہ یہ فیضان جو ہزار ہا طور پر ذی روحوں کے آرام کے لئے ظہور پذیر ہو رہا ہے یہ عطیہ بلا استحقاق ہے جو کسی عمل کے عوض میں نہیں فقط ربّانی رحمت کا ایک جوش ہے تا ہر یک جاندار اپنے فطرتی مطلوب کو پہنچ جائے اور جو کچھ اس کی فطرت میں حاجتیں ڈالی گئیں وہ پوری ہو جائیں۔ پس اس فیضان میں عنایتِ ازلیہ کا کام یہ ہے کہ انسان اور جمیع حیوانات کی ضروریات کا تعہد کرے اور ان کی بالیست اور نابالیست کی خبر رکھے تا وہ ضائع نہ ہو جائیں اور ان کی استعدادیں حیّزِ کتمان میں نہ رہیں اور اس صفت فیضانی کا خدائے تعالیٰ کی ذات میں پایا جانا قانونِ قدرت کے ملاحظہ سے نہایت بدیہی طور پر ثابت ہو رہا ہے کیونکہ کسی عاقل کو اس میں کلام نہیں کہ جو کچھ چاند اور سورج اور زمین اور عناصر وغیرہ ضروریات دنیا میں پائی جاتی ہیں جن پر تمام ذی روحوں کی زندگی کا مدار ہے اسی فیضان کے اثر سے ظہور پذیر ہیں اور ہر یک متنفّس

بلاتمیز انسان وحیوان ومومن وکافر ونیک وبدحسب حاجت اپنے ان فیوض مذکورہ بالا سے مستفیض ہو رہا ہے اور کوئی ذی روح اس سے محروم نہیں اور اس فیضان کا نام قرآن شریف میں رحمانیت ہے اور اسی کے رو سے خدا کا نام سورۃ فاتحہ میں بعد صفت رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ رَحْمٰن آیا ہے۔ جیسا کہ فرمایا ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ اَلرَّحْمٰنِ۔ اسی صفت کی طرف قرآن شریف کے کئی ایک اور مقامات میں بھی اشارہ فرمایا گیا ہے۔ چُنانچہ منجملہ ان کے یہ ہے وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَ مَا الرَّحْمٰنُ اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا وَ زَادَهُمْ نُفُوْرًا○ تَبٰرَكَ الَّذِيْ جَعَلَ فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّ جَعَلَ فِيْهَا سِرٰجًا وَّ قَمَرًا مُّنِيْرًا○ وَ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا○ وَ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّ اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا (الفرقان:۶۱ تا ۶۴) یعنی جب کافروں اور بے دینوں اور دہریوں کو کہا جاتا ہے کہ تم رحمان کو سجدہ کرو تو وہ رحمان کے نام سے متنفّر ہو کر بطور انکار سوال کرتے ہیں کہ رحمان کیا چیز ہے (پھر بطور جواب فرمایا) رحمان وہ ذات کثیر البرکت اور مصدر خیرات دائمی ہے جس نے آسمان میں بُرج بنائے۔ بُرجوں میں آفتاب اور چاند کو رکھا جو کہ عامہ مخلوقات کو بغیر تفریق کافر ومومن کے روشنی پہنچاتے ہیں۔ اسی رحمان نے تمہارے لئے یعنی تمام بنی آدم کے لئے دن اور رات بنائی جو کہ ایک دوسرے کے بعد دورہ کرتے رہتے ہیں تا جو شخص طالبِ معرفت ہو وہ ان دقائق حکمت سے فائدہ اٹھاوے اور جہل اور غفلت کے پردہ سے خلاصی پاوے اور جو شخص شکرِ نعمت کرنے پر مستعد ہو وہ شکر کرے۔ رحمان کے حقیقی پرستار وہ لوگ ہیں کہ جو زمین پر بردباری سے چلتے ہیں اور جب جاہل لوگ ان سے سخت کلامی سے پیش آئیں تو سلامتی اور رحمت کے لفظوں سے ان کا معاوضہ کرتے ہیں یعنی بجائے سختی کے نرمی اور بجائے گالی کے دُعا دیتے ہیں۔ اور تشبّہ باخلاق رحمانی کرتے ہیں کیونکہ رحمان بھی بغیر تفریق نیک و بد کے اپنے سب بندوں کو سورج اور چاند اور زمین اور دوسری بے شمار نعمتوں سے فائدہ پہنچاتا ہے۔ پس ان آیات میں خدائے تعالیٰ نے اچھی طرح کھول دیا کہ رحمان کا لفظ ان معنوں کر کے خدا پر بولا جاتا ہے کہ اس کی رحمت وسیع عام طور پر ہر یک بُرے بھلے پر محیط ہو رہی ہے۔ جیسا ایک جگہ اور بھی اسی رحمت عام کی طرف اشارہ فرمایا ہے عَذَابِيْٓ اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ وَ رَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ (الاعراف:۱۵۷) یعنی میں اپنا عذاب جس کو لائق اس کے دیکھتا ہوں پہنچاتا ہوں اور میری رحمت نے ہر یک چیز کو گھیر رکھا ہے۔ اور پھر ایک اور موقعہ پر فرمایا قُلْ مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ بِالَّيْلِ وَ النَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ (الانبیاء:۴۳) یعنی ان کافروں اور

نافرمانوں کو کہہ کہ اگر خدا میں صفت رحمانیت کی نہ ہوتی تو ممکن نہ تھا کہ تم اس کے عذاب سے محفوظ رہ سکتے یعنی اسی کی رحمانیت کا اثر ہے کہ وہ کافروں اور بے ایمانوں کو مہلت دیتا ہے اور جلد تر نہیں پکڑتا۔ پھر ایک اور جگہ اسی رحمانیت کی طرف اشارہ فرمایا ہے اَوَ لَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صٰٓفّٰتٍ وَّ يَقْبِضْنَ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا الرَّحْمٰنُ۔ الجزو نمبر ۲۹ (الملك:۲۰) یعنی کیا ان لوگوں نے اپنے سروں پر پرندوں کو اڑتے ہوئے نہیں دیکھا کہ کبھی وہ بازو کھلے ہوئے ہوتے ہیں اور کبھی سمیٹ لیتے ہیں رحمٰن ہی ہے کہ ان کو گرنے سے تھام رکھتا ہے یعنی فیضانِ رحمانیت ایسا تمام ذی روحوں پر محیط ہو رہا ہے کہ پرندے بھی جو ایک پیسہ کے دو تین مل سکتے ہیں وہ بھی اس فیضان کے وسیع دریا میں خوشی اور سرور سے تیر رہے ہیں۔ اور چونکہ ربوبیت کے بعد اسی فیضان کا مرتبہ ہے۔ اس جہت سے اللہ تعالیٰ نے سورۃ فاتحہ میں ربّ العالمین کی صفت بیان فرما کر پھر اس کے رحمان ہونے کی صفت بیان فرمائی تا ترتیب طبعی ان کی ملحوظ رہے۔

تیسری قسم فیضان کی فیضان خاص ہے اس میں اور فیضان عام میں یہ فرق ہے کہ فیضان عام میں مستفیض پر لازم نہیں کہ حصول فیض کے لئے اپنی حالت کو نیک بناوے اور اپنے نفس کو حجب ظلمانیہ سے باہر نکالے یا کسی قسم کا مجاہدہ اور کوشش کرے بلکہ اس فیضان میں جیسا کہ ہم ابھی بیان کر چکے ہیں خدائے تعالیٰ آپ ہی ہر یک ذی روح کو اس کی ضروریات جن کا وہ حسب فطرت محتاج ہے عنایت فرماتا ہے اور بن مانگے اور بغیر کسی کوشش کے مہیا کر دیتا ہے۔ لیکن فیضانِ خاص میں جہد اور کوشش اور تزکیہ قلب اور دُعا اور تضرّع اور توجہ الی اللہ اور دوسرا ہر طرح کا مجاہدہ جیسا کہ موقع ہو شرط ہے اور اس فیضان کو وہی پاتا ہے جو ڈھونڈتا ہے اور اسی پر وارد ہوتا ہے جو اس کے لئے محنت کرتا ہے اور اس فیضان کا وجود بھی ملاحظہ قانونِ قدرت سے ثابت ہے کیونکہ یہ بات نہایت بدیہی ہے کہ خدا کی راہ میں سعی کرنے والے اور غافل رہنے والے دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ بلاشبہ جو لوگ دل کی سچائی سے خدا کی راہ میں کوشش کرتے ہیں اور ہر یک تاریکی اور فساد سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں ایک خاص رحمت ان کے شاملِ حال ہو جاتی ہے۔ اس فیضان کے رو سے خدائے تعالیٰ کا نام قرآن شریف میں رحیم ہے اور یہ مرتبہ صفتِ رحیمیت کا بوجہ خاص ہونے اور مشروط بہ شرائط ہونے کے مرتبہ صفت رحمانیت سے مؤخر ہے کیونکہ خدائے تعالیٰ کی طرف سے اوّل صفت رحمانیت ظہور میں آئی ہے۔ پھر بعد اس کے صفت رحیمیت ظہور پذیر ہوئی پس اسی ترتیب طبعی کے لحاظ سے سورۃ فاتحہ میں صفت رحیمیت کو صفت رحمانیت کے بعد میں ذکر فرمایا اور کہا الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اور صفت رحیمیت کے بیان میں کئی مقامات

پر قرآن شریف میں ذکر موجود ہے۔ جیسا ایک جگہ فرمایا ہے وَ كَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا (الاحزاب:۴۴) یعنی خدا کی رحیمیت صرف ایمانداروں سے خاص ہے جس سے کافر کو یعنی بے ایمان اور سرکش کو حِصّہ نہیں۔

اس جگہ دیکھنا چاہئے کہ خدا نے کیسی صفتِ رحیمیت کو مومن کے ساتھ خاص کر دیا لیکن رحمانیت کو کسی جگہ مومنین کے ساتھ خاص نہیں کیا اور کسی جگہ یہ نہیں فرمایا کہ كَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحْمَانًا بلکہ جو مومنین سے رحمت خاص متعلق ہے ہر جگہ اس کو رحیمیت کی صفت سے ذکر کیا ہے۔ پھر دوسری جگہ فرمایا ہے۔ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ (الاعراف:۵۷) یعنی رحیمیتِ الٰہی انہیں لوگوں سے قریب ہے جو نیکوکار ہیں پھر ایک اور جگہ فرمایا ہے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (البقرۃ:۲۱۹) یعنی جو لوگ ایمان لائے اور خدا کے لئے وطنوں سے یا نفس پرستیوں سے جدائی اختیار کی اور خدا کی راہ میں کوشش کی وہ خدا کی رحیمیت کے امیدوار ہیں اور خدا غفور اور رحیم ہے یعنی اس کا فیضانِ رحیمیت ضرور ان لوگوں کے شاملِ حال ہو جاتا ہے کہ جو اس کے مستحق ہیں۔ کوئی ایسا نہیں جس نے اس کو طلب کیا اور نہ پایا۔

عاشق کہ شد کہ یار بحالش نظر نہ کرد ‏ ‏ ‏ اے خواجہ درد نیست وگرنہ طبیب ہست

چوتھا قسم فیضان کا فیضانِ اخصّ ہے۔ یہ وہ فیضان ہے کہ جو صرف محنت اور سعی پر مترتّب نہیں ہو سکتا بلکہ اس کے ظہور اور بروز کے لئے اوّل شرط یہ ہے کہ یہ عالَمِ اسباب کہ جو ایک تنگ و تاریک جگہ ہے۔ بکلّی معدوم اور منعدم ہو جائے اور قدرتِ کاملہ حضرتِ احدیّت کے بغیر آمیزش اسباب معتادہ کے برہنہ طور پر اپنا کامل چمکارا دکھلاوے کیونکہ اس آخری فیضان میں کہ جو تمام فیوض کا خاتمہ ہے جو کچھ پہلے فیضانوں کی نسبت عندالعقل زیادتی اور کمالیت متصوّر رہ سکتی ہے وہ یہی ہے کہ یہ فیضان نہایت منکشف اور صاف طور پر ہو اور کوئی اشتباہ اور خفا اور نقص باقی نہ رہے۔ یعنی نہ مفیض کے بالارادہ فیضان میں کوئی شبہ رہ جائے۔ اور نہ فیضان کے حقیقی فیضان اور رحمتِ خالصہ اور کاملہ ہونے میں کچھ جائے کلام ہو بلکہ جس مالک قدیم کی طرف سے فیض ہوا ہے اس کی فیاضی اور جزا دہی روز روشن کی طرح کھل جائے اور شخص فیض یاب کو بطور حق الیقین یہ امر مشہود اور محسوس ہو کہ حقیقت میں وہ مالک الملک ہی اپنے ارادہ اور توجہ اور قدرتِ خاص سے ایک نعمت عظمیٰ اور لذّتِ کبریٰ اس کو عطا کر رہا ہے اور حقیقت میں اس کو اپنے اعمالِ صالحہ کی ایک کامل اور دائمی جزا کہ جو نہایت اصفٰی اور نہایت اعلٰی اور نہایت مرغوب اور نہایت محبوب ہے مل رہی ہے۔ کسی قسم کا امتحان اور ابتلا

نہیں ہے۔ اور ایسے فیضان اکمل اور اتم اور ابقٰی اور اعلیٰ اور اجلیٰ سے متمتع ہونا اس بات پر موقوف ہے کہ بندہ اس عالم ناقص اور مکدر اور کثیف اور تنگ اور منقبض اور ناپائیدار مشتبہ الحال سے دوسرے عالم کی طرف انتقال کرے۔ کیونکہ یہ فیضان تجلیاتِ عظمٰی کا مظہر ہے جن میں شرط ہے کہ محسنِ حقیقی کا جمال بطور عریاں اور بمرتبہ حق الیقین مشہود ہو۔ اور کوئی مرتبہ شہود اور ظہور اور یقین کا باقی نہ رہ جائے۔ اور کوئی پردہ اسباب معتادہ کا درمیان نہ ہو۔ اور ہر یک دقیقہ معرفت تامہ کا مکمن قوت سے حیّز فعل میں آجائے۔ اور نیز فیضان بھی ایسا منکشف اور معلوم الحقیقت ہو کہ اس کی نسبت آپ خدا نے یہ ظاہر کر دیا ہو کہ وہ ہر یک امتحان اور ابتلاء کی کدورت سے پاک ہے اور نیز اس فیضان میں وہ اعلیٰ اور اکمل درجہ کی لذّتیں ہوں جن کی پاک اور کامل کیفیت انسان کے دل اور روح اور ظاہر اور باطن اور جسم اور جان اور ہر یک روحانی اور بدنی قوت پر ایسا اکمل اور ابقٰی احاطہ رکھتی ہو کہ جس پر عقلاً اور خیالاً اور وہماً زیادت متصوّر نہ ہو۔ اور یہ عالَم کہ جو ناقص الحقیقت اور مکدّر الصورت اور ہالکۃ الذات اور مشتبہ الکیفیت اور ضیّق الظرف ہے۔ ان تجلیاتِ عظمٰی اور انوار اصفٰی اور عطیّات دائمی کی برداشت نہیں کر سکتا۔ اور وہ اشعہ تامہ کاملہ دائمہ اس میں سما نہیں سکتے بلکہ اس کے ظہور کے لئے ایک دوسرا عالَم درکار ہے کہ جو اسباب معتادہ کی ظلمت سے بکلّی پاک اور منزہ اور ذات واحد قہار کی اقتدار کامل اور خالص کا مظہر ہے۔ ہاں اس فیضانِ اخصّ سے ان کامل انسانوں کو اسی زندگی میں کچھ حظّ پہنچتا ہے کہ جو سچائی کی راہ پر کامل طور پر قدم مارتے ہیں اور اپنے نفس کے ارادوں اور خواہشوں سے الگ ہو کر بکلّی خدا کی طرف جھک جاتے ہیں کیونکہ وہ مرنے سے پہلے مرتے ہیں اور اگرچہ بظاہر صورت اس عالَم میں ہیں لیکن درحقیقت وہ دوسرے عالَم میں سکونت رکھتے ہیں۔ پس چونکہ وہ اپنے دل کو اس دنیا کے اسباب سے منقطع کر لیتے ہیں اور عادات بشریت کو توڑ کر اور بیکبارگی غیر اللہ سے مونہہ پھیر کر وہ طریق جو خارقِ عادت ہے اختیار کر لیتے ہیں اس لئے خداوند کریم بھی ان کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کرتا ہے اور بطور خارقِ عادت ان پر اپنے وہ انوارِ خاصہ ظاہر کرتا ہے کہ جو دوسروں پر بجز موت کے ظاہر نہیں ہو سکتے۔ غرض بباعث امور متذکرہ بالا وہ اس عالم میں بھی فیضانِ اخصّ کے نُور سے کچھ حِصّہ پا لیتے ہیں اور یہ فیضان ہر یک فیض سے خاص تر اور خاتمہ تمام فیضانوں کا ہے۔ اور اس کو پانے والا سعادتِ عظمٰی کو پہنچ جاتا ہے اور خوشحالی دائمی کو پا لیتا ہے کہ جو تمام خوشیوں کا سرچشمہ ہے۔ اور جو شخص اس سے محروم رہا وہ ہمیشہ کے دوزخ میں پڑا۔ اس فیضان کے رو سے خدائے تعالیٰ نے قرآن شریف میں اپنا نام مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ بیان فرمایا ہے۔ دین کے لفظ پر الف لام

لانے سے یہ غرض ہے کہ تا یہ معنے ظاہر ہوں کہ جزا سے مراد وہ کامل جزا ہے جس کی تفصیل فرقانِ مجید میں مندرج ہے۔ اور وہ کامل جزا بجز تجلّی مالکیتِ تامّہ کے کہ جو ہدم بنیان اسباب کو مستلزم ہے ظہور میں نہیں آ سکتی۔ چُنانچہ اسی کی طرف دوسری جگہ بھی اشارہ فرما کر کہا ہے۔ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۖ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (المؤمن:۱۷) یعنی اس دن ربوبیتِ الٰہیہ بغیر توسط اسبابِ عادیہ کے اپنی تجلّی آپ دکھائے گی اور یہی مشہود اور محسوس ہوگا کہ بجز قوتِ عظمٰی اور قدرت کاملہ حضرت باری تعالیٰ کے اور سب ہیچ ہیں۔ تب سارا آرام وسرور اور سب جزا اور پاداش بنظر صاف وصریح خدا ہی کی طرف سے دکھلائی دے گا اور کوئی پردہ اور حجاب درمیان نہیں رہے گا اور کسی قسم کے شک کی گنجائش نہیں رہے گی۔ تب جنہوں نے اس کے لئے اپنے تئیں منقطع کر لیا تھا وہ اپنے تئیں ایک کامل سعادت میں دیکھیں گے کہ جو ان کے جسم اور جان اور ظاہر اور باطن پر محیط ہو جائے گی اور کوئی حصہ وجود ان کے کا ایسا نہیں ہوگا کہ جو اس سعادتِ عظمٰی کے پانے سے بے نصیب رہا ہو۔ اور اس جگہ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کے لفظ میں یہ بھی اشارہ ہے کہ اس روز راحت یا عذاب اور لذّت یا درد جو کچھ بنی آدم کو پہنچے گا اس کا اصل موجب خدائے تعالیٰ کی ذات ہوگی اور مالک امر مجازات کا حقیقی طور پر وہی ہوگا یعنی اسی کا وصل یا فصل سعادتِ ابدی یا شقاوتِ ابدی کا موجب ٹھہرے گا۔ اس طرح پر کہ جو لوگ اس کی ذات پر ایمان لائے تھے اور توحید اختیار کی تھی اور اس کی خالص محبت سے اپنے دلوں کو رنگین کر لیا تھا ان پر انوارِ رحمت اس ذاتِ کامل کے صاف اور آشکارا طور پر نازل ہوں گے۔ اور جن کو ایمان اور محبتِ الٰہیہ حاصل نہیں ہوئی وہ اس لذّت اور راحت سے محروم رہیں گے اور عذابِ الیم میں مبتلا ہو جائیں گے۔

یہ فیوض اربعہ ہیں جن کو ہم نے تفصیل وار لکھ دیا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ صفتِ رحمان کو صفتِ رحیم پر مقدم رکھنا نہایت ضروری اور مقتضائے بلاغتِ کاملہ ہے کیونکہ صحیفۂ قدرت پر جب نظر ڈالی جائے تو پہلے پہل خدائے تعالیٰ کی عام ربوبیّت پر نظر پڑتی ہے۔ پھر اس کی رحمانیت پر۔ پھر اس کی رحیمیت پر۔ پھر اس کے مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ہونے پر اور کمال بلاغت اسی کا نام ہے کہ جو صحیفۂ فطرت میں ترتیب ہو وہی ترتیب صحیفۂ الہام میں بھی ملحوظ رہے۔ کیونکہ کلام میں ترتیب قدرتی کو منقلب کرنا گویا قانونِ قدرت کو منقلب کرنا ہے اور نظام طبعی کو الٹا دینا ہے۔ کلام بلیغ کے لئے یہ نہایت ضروری ہے کہ نظام کلام کا نظام طبعی کے ایسا مطابق ہو کہ گویا اس کی عکسی تصویر ہو۔ اور جو امر طبعاً اور وقوعاً مقدم ہو اس کو وضعاً بھی مقدم رکھا جائے۔ سو آیت موصوفہ میں یہ اعلیٰ درجہ کی بلاغت ہے کہ باوجود کمال فصاحت اور خوش بیانی کے واقعی ترتیب کا نقشہ کھینچ کر دکھلا دیا ہے اور

وہی طرزِ بیان اختیار کی ہے جو کہ ہر یک صاحبِ نظر کو نظامِ عالَم میں بدیہی طور پر نظر آ رہی ہے۔ کیا یہ نہایت سیدھا راستہ نہیں ہے کہ جس ترتیب سے نعماءِ الٰہی صحیفۂ فطرت میں واقعہ ہیں اسی ترتیب سے صحیفۂ الہام میں بھی واقعہ ہوں۔ سو ایسی عمدہ اور پُرحکمت ترتیب پر اعتراض کرنا حقیقت میں انہیں اندھوں کا کام ہے جن کی بصیرت اور بصارت دونوں یکبارگی جاتی رہی ہیں۔

چشم بد اندیش کہ برکندہ باد　　عیب نماید ہنرش در نظر

(براہین احمدیہ چہار حصص۔ روحانی خزائن جلد ۱ صفحہ ۴۴۴ تا ۴۵۷ حاشیہ نمبر ۱۱)

سورہ فاتحہ میں اُس خدا کا نقشہ دکھایا گیا ہے جو قرآن شریف منوانا چاہتا ہے اور جس کو وہ دنیا کے سامنے پیش کرتا ہے۔ چنانچہ اُس کی چار صفات کو ترتیب وار بیان کیا ہے جو اُمّہاتُ الصّفات کہلاتی ہیں جیسے سورہ فاتحہ اُمّ الکتاب ہے ویسے ہی جو صفات اللہ تعالیٰ کی اس میں بیان کی گئی ہیں وہ بھی اُمّ الصّفات ہی ہیں اور وہ یہ ہیں رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ[۱]۔ اَلرَّحْمٰنِ[۲]۔ الرَّحِيْمِ[۳]۔ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ[۴]۔ ان صفاتِ اربعہ پر غور کرنے سے خدا تعالیٰ کا گویا چہرہ نظر آ جاتا ہے۔ ربوبیت کا فیضان بہت ہی وسیع اور عام ہے اور اس میں کل مخلوق کی کل حالتوں میں تربیت اور اس کی تکمیل کے تکفّل کی طرف اشارہ ہے۔ غور تو کرو جب انسان اللہ تعالیٰ کی ربوبیت پر سوچتا ہے تو اُس کی اُمید کس قدر وسیع ہو جاتی ہے اور پھر رحمانیت یہ ہے کہ بدوں کسی عمل عامل کے اُن اسباب کو مہیّا کرتا ہے جو بقائے وجود کے لئے ضروری ہیں دیکھو چاند، سورج، ہوا، پانی وغیرہ بدوں ہماری دُعا اور التجا کے اور بغیر ہمارے کسی عمل اور فعل کے اُس نے ہمارے وجود کے بقا کے لئے کام میں لگا رکھے ہیں اور پھر رحیمیت یہ ہے کہ اعمال کو ضائع نہ کرے اور مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کا تقاضا یہ ہے کہ بامراد کر دے جیسے ایک شخص امتحان کے لئے بہت محنت سے طیاری کرتا ہے مگر امتحان میں دو چار نمبروں کی کمی رہ جاتی ہے تو دنیوی نظام اور سلسلہ میں تو اس کا لحاظ نہیں کرتے اور اس کو گرا دیتے ہیں مگر خدا تعالیٰ کی رحیمیت اس کی پردہ پوشی فرماتی ہے اور اس کو پاس کرا دیتی ہے۔ رحیمیت میں ایک قسم کی پردہ پوشی بھی ہوتی ہے عیسائیوں کا خدا ذرا بھی پردہ پوش نہیں ہے ورنہ کفارہ کی کیا ضرورت رہتی۔ ایسا ہی آریوں کا خدا نہ ربّ ہے نہ رحمان ہے کیونکہ وہ تو بلا مزد اور بلا عمل کچھ بھی کسی کو عطا نہیں کر سکتا۔ یہاں تک کہ ویدوں کے اصول کے موافق گناہ کرنا بھی ضروری معلوم دیتا ہے مثلاً ایک شخص کو اگر کسی اس کے عمل کے معاوضہ میں گائے کا دودھ دینا مطلوب ہے تو بالمقابل یہ بھی ضرور ہے کہ کوئی برہمنی (اگر یہ روایت صحیح ہو) زنا کرے تا کہ اس فسق و فحش کے بدلہ میں وہ

گائے کی جون میں جائے اور اس عامل کو دودھ پلائے خواہ وہ اُس کا خاوند ہی کیوں نہ ہو، غرض جب تک ایسا سلسلہ نہ ہوگا کوئی عامل اپنے عمل کی جزا ویدک ایشر کے خزانہ سے پا نہیں سکتا کیونکہ اس کا سارا سلسلہ جوڑ توڑ ہی سے چلتا ہے۔ مگر اسلام نے وہ خدا پیش کیا ہے جو جمیع محامد کا سزاوار ہے اس لئے معطی حقیقی ہے۔ وہ رحمٰن ہے بدوں عمل عامل کے اپنا فضل کرتا ہے۔ پھر مالکیت یوم الدین جیسا کہ میں نے ابھی کہا ہے بامراد کرتی ہے دنیا کی گورنمنٹ کبھی اس امر کا ٹھیکہ نہیں لے سکتی کہ ہر ایک بی اے پاس کرنے والے کو ضرور نوکری دیگی۔ مگر خدا تعالیٰ کی گورنمنٹ کامل گورنمنٹ اور لاانتہا خزائن کی مالک ہے اُس کے حضور کوئی کمی نہیں۔ کوئی عمل کرنے والا ہو وہ سب کو فائز المرام کرتا ہے اور نیکیوں اور حسنات کے مقابلہ میں بعض ضعفوں اور سقموں کی پردہ پوشی بھی فرماتا ہے۔ وہ توّاب بھی ہے اور ستّیر بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو ہزارہا عیب اپنے بندوں کے معلوم ہوتے ہیں مگر وہ ظاہر نہیں کرتا۔ ہاں ایک وقت ایسا آ جاتا ہے کہ بے باک ہو کر انسان اپنے عیبوں میں ترقی پر ترقی کرتا جاتا ہے اور خدا تعالیٰ کی حیا اور پردہ پوشی سے نفع نہیں اُٹھاتا بلکہ دہریت کی رگ اُس میں زور پکڑتی جاتی ہے۔ تب خدا تعالیٰ کی غیرت تقاضا نہیں کرتی کہ اس بے باک کو چھوڑا جائے اس لئے وہ ذلیل کیا جاتا ہے..... غرض میرا مطلب تو صرف یہ تھا کہ رحیمیت میں ایک خاصہ پردہ پوشی کا بھی ہے مگر اس پردہ پوشی سے پہلے یہ بھی ضروری ہے کہ کوئی عمل ہو اور اس عمل کے متعلق اگر کوئی کمی یا نقص رہ جاوے تو اللہ تعالیٰ اپنی رحیمیت سے اُس کی پردہ پوشی فرماتا ہے۔ رحمانیّت اور رحیمیّت میں فرق یہ ہے کہ رحمانیّت میں فعل اور عمل کو کوئی دخل نہیں ہوتا مگر رحیمیّت میں فعل و عمل کو دخل ہے لیکن کمزوری بھی ساتھ ہی ہے۔ خدا کا رحم چاہتا ہے کہ پردہ پوشی کرے اسی طرح مالک یوم الدین وہ ہے کہ اصل مقصد کو پورا کرے۔ خوب یاد رکھو کہ یہ امہاتُ الصِّفات روحانی طور پر خدا نما تصویر ہیں۔ ان پر غور کرتے ہی معاً خدا سامنے ہو جاتا ہے اور روح ایک لذّت کے ساتھ اُچھل کر اُس کے سامنے سربسجود ہو جاتی ہے چُنانچہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سے جو شروع کیا گیا تھا تو غائب کی صورت میں ذکر کیا ہے لیکن ان صفاتِ اربعہ کے بیان کے بعد معاً صورت بیان تبدیل ہو گئی ہے کیونکہ ان صفات نے خدا کو سامنے حاضر کر دیا ہے اس لئے حق تھا اور فصاحت کا تقاضا تھا کہ اب غائب نہ رہے بلکہ حاضر کی صورت اختیار کی جاوے پس اس دائرہ کی تکمیل کے تقاضا نے مخاطب کی طرف منہ پھیرا اور اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کہا۔

(الحکم نمبر ۲۳ جلد ۵ مؤرخہ ۳۱؍ اگست ۱۹۰۱ء صفحہ ۱، ۲)

وَاعْلَمْ أَنَّ فِيْ تَرْتِيْبِ هٰذِهِ الصِّفَاتِ بَلَاغَةً أُخْرٰى نُرِيْدُ أَنْ نَّذْكُرَهَا لِتَكْتَحِلَ مِنْ كُحْلِ الْمُتَبَصِّرِيْنَ. وَهُوَ أَنَّ الْاٰيَاتِ الَّتِيْ رَصَّعَ اللهُ بَعْدَهَا كُلُّهَا مَقْسُوْمَةٌ عَلٰى تِلْكَ الصِّفَاتِ بِرِعَايَةِ الْمُحَاذَاةِ وَوَضْعِ بَعْضِهَا تَحْتَ بَعْضٍ كَطَبَقَاتِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِيْنَ.

وَتَفْصِيْلُهٗ أَنَّهٗ تَعَالٰى ذَكَرَ أَوَّلًا ذَاتَهٗ وَ صِفَاتَهٗ بِتَرْتِيْبٍ يُّوْجَدُ فِي الْعَالَمِيْنَ. ثُمَّ ذَكَرَ كُلَّ مَا هُوَ يُنَاسِبُ الْبَشَرِيَّةَ بِتَرْتِيْبٍ يُّشَاهَدُ فِيْ قَانُوْنِ اللهِ وَمَعَ ذٰلِكَ جَعَلَ كُلَّ صِفَةٍ بَشَرِيَّةٍ تَحْتَ صِفَةٍ إِلٰهِيَّةٍ وَّ جَعَلَ لِكُلِّ صِفَةٍ إِنْسَانِيَّةٍ مَّشْرَبًا وَّ سُقْيًا مِّنْ صِفَةٍ إِلٰهِيَّةٍ تَسْتَفِيْضُ مِنْهَا وَ أَرَى التَّقَابُلَ بَيْنَهُمَا بِتَرْتِيْبٍ وَّضْعِيٍّ يُّوْجَدُ فِي الْاٰيَاتِ فَتَبَارَكَ اللهُ أَحْسَنُ الْمُرَتِّبِيْنَ. وَ تَشْرِيْحُهُ التَّامُّ أَنَّ الصِّفَاتِ مَعَ اسْمِ الذَّاتِ خَمْسَةُ أَبْحُرٍ قَدْ تَقَدَّمَ ذِكْرُهَا فِيْ صَدْرِ السُّوْرَةِ أَعْنِي اللهَ[1] وَرَبَّ الْعَالَمِيْنَ[2] وَالرَّحْمٰنَ[3] وَالرَّحِيْمَ[4]

واضح ہو کہ ان صفاتِ الٰہیہ کی ترتیب میں اور بلاغت پائی جاتی ہے جسے ہم (یہاں) بیان کرنا چاہتے ہیں۔ تا صاحبِ بصیرت لوگوں (کی بینائی) کے سُرمہ سے آپ کی آنکھیں بھی روشن ہوں اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان صفات کے معاً بعد جو آیات سجائی ہیں وہ انہیں صفات پر منقسم ہیں۔ (یعنی ہر آیت ایک خاص صفت سے متعلق ہے) بلحاظ ایک دوسری کے مقابل واقع ہونے کے اور آسمانوں اور زمینوں کے طبقات کی طرح ایک دوسری کے اوپر تلے رکھے جانے کے۔

اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ پہلے خدا تعالیٰ نے اپنی ذات اور صفات کا اسی ترتیب کے ساتھ ذکر کیا جو کائناتِ عالَم میں پائی جاتی ہے۔ پھر ان تمام امور کو جو بشریت کے مناسبِ حال ہیں اسی ترتیب کے ساتھ بیان کیا جو خدائی قانون میں نظر آتی ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی اس نے ہر بشری صفت کو ایک الٰہی صفت کے تحت رکھ دیا۔ اور ہر انسانی صفت کے لئے ایک صفتِ الٰہیہ کو گھاٹ یا پینے کا مقام قرار دیا جس سے وہ مستفیض ہو۔ خدا تعالیٰ نے ان آیات میں ایک وضعی ترتیب کے مطابق آپس میں تقابل دکھایا ہے پس بڑا ہی بابرکت ہے اللہ تعالیٰ جو بہترین ترتیب دینے والا ہے۔ اس مضمون کی مکمل تشریح یوں ہے کہ یہ صفات (اللہ تعالیٰ کے) اسم ذات سمیت پانچ سمندر ہیں۔ جن کا ذکر اس سورت کے شروع میں آیا ہے یعنی اللہ[1]، رَبِّ الْعَالَمِيْنَ[2]۔ اَلرَّحْمٰنِ[3]۔ الرَّحِيْمِ[4] اور مَالِكِ[5] يَوْمِ الدِّيْنِ۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی تعداد کے مطابق ان (سمندروں) سے مستفیض ہونے والی آیات کا ذکر کیا ہے۔ اور

وَمٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ۔ فَجَعَلَ اللّٰهُ كَمِثْلِهَا خَمْسَةً مِّنَ الْمُغْتَرِفَاتِ مِمَّا ذَكَرَ مِنْ بَعْدُ وَ قَابَلَ الْخَمْسَةَ بِالْخَمْسَةِ وَكُلُّ وَاحِدٍ مِّنَ الْمُغْتَرِفَاتِ يَشْرَبُ مِنْ مَّآءِ صِفَةٍ تُشَابِهُهٗ وَ تُنَاوِحُهٗ وَتَأْخُذُ مِمَّا احْتَوَتْ عَلٰى مَعَانٍ تَسُرُّ الْعَارِفِيْنَ۔ مَثَلًا أَوَّلُهَا بَحْرُ ’’اِسْمِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَتَغْتَرِفُ مِنْهُ جُمْلَةُ اِيَّاكَ نَعْبُدُ‘‘ الَّتِيْ حَذَتْهُ وَ صَارَتْ كَالْمُحَاذِيْنَ۔ وَحَقِيْقَةُ التَّعَبُّدِ تَعْظِيْمُ الْمَعْبُوْدِ بِالتَّذَلُّلِ التَّآمِّ وَ الْاِحْتِذَآءُ بِمِثَالِهٖ وَ الْاِنْصِبَاغُ بِصِبْغِهٖ وَالْخُرُوْجُ مِنَ النَّفْسِ وَالْأَنَانِيَّةِ كَالْفَانِيْنَ۔ وَسِرُّهٗ أَنَّ الْعَبْدَ قَدْ خُلِقَ كَالْمَرِيْضِ وَالْعَلِيْلِ وَالْعَطْشَانِ وَشِفَآؤُهٗ وَتَسْكِيْنُ غُلَّتِهٖ وَ إِرْوَاءُ كَبِدِهٖ فِيْ مَآءِ عِبَادَةِ اللّٰهِ فَلَا يَبْرَأُ وَلَا يَرْتَوِيْ إِلَّا إِذَا يَثْنِيْ إِلَيْهِ انْصِبَابَهٗ وَ يُفْرِطُ صَبَابَهٗ وَ يَسْعٰى إِلَيْهِ كَالْمُسْتَسْقِيْنَ۔ وَلَا يُطَهِّرُ قَرِيْحَتَهٗ وَلَا يُلَبِّدُ عَجَاجَتَهٗ وَلَا يُحَلِّيْ مُجَاجَتَهٗ إِلَّا ذِكْرُ اللّٰهِ أَ لَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ يَعْبُدُوْنَ اللّٰهَ وَ يَأْتُوْنَهٗ مُسْلِمِيْنَ۔ فَفِيْ اٰيَةِ اِيَّاكَ نَعْبُدُ إِقْرَارٌ لِّمَعْبُوْدِيَّةِ اللّٰهِ الَّذِيْ هُوَ مُسْتَجْمِعٌ بِجَمِيْعِ صِفَاتِ الْكَامِلِيَّةِ

ان پانچ کو اُن پانچ کے مقابل پر رکھا ہے۔ اور ہر فیض حاصل کرنے والی آیت ایک ایسی صفت سے مستفیض ہوتی ہے جو اس کے مشابہ اور اس کے مقابل ہے۔ اور اس سے وہ مطالب اخذ کرتی ہے جن پر وہ صفت حاوی ہے اور جو طالبانِ الٰہی کو بے حد پسندیدہ ہیں۔ مثلاً ان میں سے سب سے پہلا سمندر اللہ (اسم ذات) کا سمندر ہے۔ اس کے مقابل اِيَّاكَ نَعْبُدُ کا فقرہ ہے جو مقابل میں رکھی جانے والی اشیاء کی طرح ہو کر فیض حاصل کرتا ہے۔ اور عبادت کی حقیقت ہے۔ پوری انکساری سے معبود کی تعظیم کرنا اور اس کے نمونہ کو اختیار کرنا۔ اس کے رنگ سے رنگین ہونا اور فانی فی اللہ لوگوں کی طرح نفسانیت اور انانیت سے الگ ہو جانا۔ اس میں راز یہ ہے کہ انسان کو بیمار اور روگی اور پیاسے کے مثل پیدا کیا گیا ہے۔ اور اس کی شفاء، اس کی پیاس کی تسکین اور اس کے جگر کی سیرابی اللہ تعالیٰ کی عبادت کے پانی سے ہوتی ہے۔ وہ تبھی صحت مند اور سیراب ہو سکتا ہے۔ جب وہ اللہ کی طرف اپنا رُخ موڑ لیتا ہے اور اس کے ساتھ اپنے عشق کو بڑھاتا ہے اور وہ اس (معبودِ حقیقی) کی طرف پانی کے طالبوں کی طرح دوڑتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر کے سوا کوئی چیز نہ تو اس کی فطرت کو پاک کر سکتی ہے نہ اس کے غبار خاطر کو مجتمع کر سکتی ہے۔ اور نہ اس کے منہ کا ذائقہ شیریں بنا سکتی ہے۔ سنو! اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ان ہی لوگوں کے دل مطمئن ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں اور اس کے حضور فرمانبردار بن کر آتے ہیں۔

وَلِذٰلِكَ وَقَعَتْ هٰذِهِ الْجُمْلَةُ تَحْتَ جُمْلَةِ ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ'' فَانْظُرْ إِنْ كُنْتَ مِنَ النَّاظِرِيْنَ۔

پس آیت مبارکہ اِیَّاکَ نَعْبُدُ میں اللہ تعالیٰ کی معبودیت کا اعتراف ہے جو تمام صفاتِ کاملہ کا جامع ہے اور اسی لئے یہ جملہ (اِیَّاکَ نَعْبُدُ) اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کے جملہ کے تحت ہے۔ پس تو غور کر! اگر تُو غور کرنے والوں میں سے ہے۔

وَ ثَانِيْهَا بَحْرُ ''رَبِّ الْعَالَمِيْنَ'' وَتَغْتَرِفُ مِنْهَا جُمْلَةُ ''اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ'' فَإِنَّ الْعَبْدَ إِذَا سَمِعَ أَنَّ اللّٰهَ يُرَبِّي الْعَالَمِيْنَ كُلَّهَا وَ مَا مِنْ عَالَمٍ إِلَّا هُوَ مُرَبِّيْهِ وَ رَاٰى نَفْسَهٗ أَمَّارَةً بِالسُّوْءِ فَتَضَرَّعَ وَ اضْطَرَّ وَ الْتَجَأَ إِلٰى بَابِهٖ وَ تَعَلَّقَ بِأَهْدَابِهٖ وَ دَخَلَ فِيْ مَأْدَبِهٖ بِرِعَايَةِ اٰدَابِهٖ لِيُدْرِكَهٗ بِالرُّبُوْبِيَّةِ وَ يُحْسِنَ إِلَيْهِ وَ هُوَ خَيْرُ الْمُحْسِنِيْنَ۔ فَإِنَّ الرُّبُوْبِيَّةَ صِفَةٌ تُعْطِيْ كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ الْمَطْلُوْبَ لِوُجُوْدِهٖ وَلَا يُغَادِرُهٗ كَالنَّاقِصِيْنَ۔

ان میں سے دوسرا سمندر رَبُّ الْعَالَمِيْنَ کا ہے۔ اور اس سے اِیَّاکَ نَسْتَعِيْنُ کا جملہ مستفیض ہوتا ہے کیونکہ بندہ جب یہ بات سنتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام جہانوں کی پرورش کرتا ہے اور ایسا کوئی عالَم نہیں جس کا وہ مربّی نہ ہو اور وہ (بندہ) اپنے نفس کو بدی کا حکم دینے والا دیکھتا ہے تو وہ گریہ وزاری کرتا ہے اور مجبور ہو کر اس کے دروازہ کی طرف پناہ ڈھونڈتا ہے۔ اس کے دامن سے لپٹ جاتا ہے اور اس کے آداب کا لحاظ رکھتے ہوئے اس کی (روحانی) ضیافت گاہ میں داخل ہو جاتا ہے تا وہ (پاک ذات) اپنی ربوبیّت سے اس کی دستگیری کرے اور اس پر احسان فرمائے اور وہ بہترین احسان کرنے والا ہے۔ پس ربوبیّت ایک ایسی صفت ہے جو ہر چیز کو اس کے وجود کے مناسبِ حال خلق عطا کرتی ہے۔ اور اس کو ناقص حالت میں نہیں رہنے دیتی۔

وَ ثَالِثُهَا بَحْرُ اسْمِ الرَّحْمٰنِ وَ تَغْتَرِفُ مِنْهُ جُمْلَةُ ''اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ'' لِيَكُوْنَ الْعَبْدُ مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ الْمَرْحُوْمِيْنَ۔ فَإِنَّ الرَّحْمَانِيَّةَ تُعْطِيْ كُلَّ مَا يَحْتَاجُ إِلَيْهِ الْوُجُوْدُ الَّذِيْ رُبِّيَ مِنْ صِفَةِ

ان میں سے تیسرا سمندر الرَّحْمٰن ہے اور اس سے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کا جملہ سیراب ہوتا ہے تا انسان ہدایت اور رحمت پانے والوں میں ہو جائے کیونکہ صفتِ رحمانیت ہر اُس وجود کو جو صفتِ ربوبیّت سے تربیت پا چکا ہے وہ سب کچھ مہیّا کرتی ہے جس کی اسے حاجت ہو۔ پس یہ صفت تمام وسائل کو رحم پانے والے کے موافق بنا دیتی ہے اور ربوبیّت کا نتیجہ وجود

الرُّبُوْبِيَّةِ۔ فَهٰذِهِ الصِّفَةُ تَجْعَلُ الْأَسْبَابَ مُوَافِقَةً لِّلْمَرْحُوْمِ۔ وَ أَثَرُ الرُّبُوْبِيَّةِ تَسْوِيَةُ الْوُجُوْدِ وَتَخْلِيْقُهٗ كَمَا يَلِيْقُ وَ يَنْبَغِيْ وَأَثَرُ هٰذِهِ الصِّفَةِ أَنَّهَا تُكْسِيْ ذٰلِكَ الْوُجُوْدَ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْأَتَهٗ وَتَهَبُ لَهٗ زِيْنَتَهٗ وَ تَكْحُلُ عَيْنَهٗ وَتَغْسِلُ وَجْهَهٗ وَ تُعْطِيْ لَهٗ فَرَسًا لِّلرُّكُوْبِ وَتُرِيْهِ طُرُقَ الْفَارِسِيْنَ۔ وَ مَرْتَبَتُهَا بَعْدَ الرُّبُوْبِيَّةِ وَ هِيَ تُعْطِيْ كُلَّ شَيْءٍ مَّطْلُوْبَ وُجُوْدِهٖ وَ تَجْعَلُهٗ مِنَ الْمُوَفَّقِيْنَ۔

وَرَابِعُهَا بَحْرُ اسْمِ ”الرَّحِيْمِ“ وَتَغْتَرِفُ مِنْهُ جُمْلَةُ ”صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ“ لِيَكُوْنَ الْعَبْدُ مِنَ الْمُنْعَمِيْنَ الْمَخْصُوْصِيْنَ۔ فَإِنَّ الرَّحِيْمِيَّةَ صِفَةٌ مُّدْنِيَةٌ إِلَى الْإِنْعَامَاتِ الْخَاصَّةِ الَّتِيْ لَا شَرِيْكَ فِيْهَا لِلْمُطِيْعِيْنَ وَإِنْ كَانَ الْإِنْعَامُ الْعَامُّ مُحِيْطَةً بِكُلِّ شَيْءٍ مِّنَ النَّاسِ إِلَى الْأَفَاعِيْ وَ التِّنِّيْنِ۔

وَخَامِسُهَا بَحْرُ ”مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ“ وَتَغْتَرِفُ مِنْهُ جُمْلَةُ ”غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ“۔ فَإِنَّ غَضَبَ اللّٰهِ وَتَرْكَهٗ فِي الضَّلَالَةِ لَا تَظْهَرُ حَقِيْقَتُهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى وَجْهِ الْكَامِلِ إِلَّا فِيْ يَوْمِ

کو کامل قویٰ دینا اور ایسے طور پر پیدا کرنا ہے جو اس کے لائق حال اور مناسب ہے۔ اسی صفت کا اثر یہ ہے کہ یہ ہر وجود کو اس کے عیوب کو چھپا دینے والا لباس پہناتی ہے۔ اُسے زینت عطا کرتی ہے۔ اس کی آنکھوں میں سُرمہ لگاتی ہے۔ اس کے چہرہ کو دھوتی ہے۔ اس کو سواری کے لئے گھوڑا دیتی ہے۔ اور اس کو شاہسواروں کے طریق بتاتی ہے اور صفت (رحمانیت) کا درجہ ربوبیّت کے بعد ہے وہ ہر چیز کو اس کے وجود کا مطلوب عطا کر کے اسے توفیق یافتہ لوگوں میں سے بنا دیتی ہے۔

ان میں سے چوتھا سمندر صفت الرَّحِيْمِ ہے اور اس سے صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کا جملہ مستفیض ہوتا ہے تا بندہ خاص انعام یافتہ لوگوں میں شامل ہو جائے۔ کیونکہ رحیمیّت ایسی صفت ہے جو ان انعاماتِ خاصّہ تک پہنچا دیتی ہے جن میں فرمانبردار لوگوں کا کوئی شریک نہیں ہوتا۔ گو (اللہ تعالیٰ کا) عام انعام انسانوں سے لے کر سانپوں، اژدہاؤں تک کو اپنے احاطہ میں لئے ہوئے ہے۔

ان میں سے پانچواں سمندر مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ (کی صفت) ہے۔ اور اس سے غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ کا جملہ مستفیض ہوتا ہے کیونکہ خدا تعالیٰ کے غضب اور اس کے (انسان کو) ضلالت اور گمراہی میں چھوڑ دینے کی حقیقت لوگوں پر مکمل طور پر جزا اور سزا کے

الْمُجَازَاتِ الَّذِیْ یُجَالِیْھِمُ اللّٰہُ فِیْہِ بِغَضَبِہٖ وَإِنْعَامِہٖ وَیُجَالِحُھُمْ بِتَذْلِیْلِہٖ وَإِکْرَامِہٖ وَیُجَلِّیْ عَنْ نَّفْسِہٖ إِلٰی حَدٍّ مَّا جَلّٰی کَمِثْلِہٖ وَتَرَآءَی السَّابِقُوْنَ کَفَرَسٍ مُّجَلًّی وَّتَرَآءَتِ الْجَالِیَۃُ بِغَیِّہِمِ الْمُبِیْنِ۔ وَفِیْہِ یَعْلَمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا أَنَّھُمْ کَانُوْا مَوْرِدَ غَضَبِ اللّٰہِ وَکَانُوْا قَوْمًا عَمِیْنَ۔ ”وَمَنْ کَانَ فِیْ ھٰذِہٖٓ اَعْمٰی فَھُوَ فِی الْاٰخِرَۃِ اَعْمٰی“ وَلٰکِنْ عَمَی ھٰذِہٖ الدُّنْیَا مَخْفِیٌّ وَّیَتَبَیَّنُ فِیْ یَوْمِ الدِّیْنِ۔ فَالَّذِیْنَ أَبَوْا وَمَا تَبِعُوْا ھُدَی رَسُوْلِنَا وَنُوْرَ کِتَابِنَا وَ کَانُوْا لِطَوَاغِیْتِھِمْ مُتَّبِعِیْنَ فَسَوْفَ یَرَوْنَ غَضَبَ اللّٰہِ وَ تَغَیُّظَ النَّارِ وَ زَفِیْرَھَا۔ وَیَرَوْنَ ظُلْمَتَھُمْ وَ ضَلَالَتَھُمْ بِالْأَعْیُنِ وَ یَجِدُوْنَ أَنْفُسَھُمْ کَالظَّالِعِ الْأَعْوَرِ وَیَدْخُلُوْنَ جَھَنَّمَ خَالِدِیْنَ فِیْھَا وَمَا کَانَ لَھُمْ أَحَدٌ مِّنَ الشَّافِعِیْنَ۔ وَفِی الْاٰیَۃِ إِشَارَۃٌ إِلٰی أَنَّ اسْمَ مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ ذُو الْجِھَتَیْنِ یُضِلُّ مَنْ یَّشَآءُ وَیَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ فَاسْأَلُوْہُ أَنْ یَّجْعَلَکُمْ مِّنَ الْمُھْتَدِیْنَ۔

ھٰذَا مَا أَرَدْنَا مِنْ بَیَانِ بَعْضِ

دن ہی ظاہر ہوگی۔ جس دن اللہ تعالیٰ اپنے غضب اور انعام کے ساتھ جلوہ گر ہوگا۔ اور ان کو اپنی طرف سے ذلّت دے کر یا عزّت دے کر ظاہر کر دے گا۔ اور اس حد تک اپنے آپ کو ظاہر کر دے گا کہ اس طرح کبھی اپنے وجود کو ظاہر نہیں کیا ہوگا۔ اور (خدا کی راہ میں) سبقت لے جانے والے یوں دکھائی دیں گے جیسے میدان میں آگے بڑھا ہوا گھوڑا اور گناہگار اپنی کھلی کھلی گمراہی میں نظر آئیں گے۔ اور اس دن منکروں پر واضح ہو جائے گا کہ وہ درحقیقت غضبِ الٰہی کے مورد تھے اور اندھے تھے اور جو اس دنیا میں اندھا رہے گا وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا۔ لیکن اس دنیا کی نابینائی مخفی ہے اور جزا سزا کے دن وہ ظاہر ہو جائے گی۔ پس جن لوگوں نے انکار کیا اور ہمارے رسول کی ہدایت اور ہماری کتاب (قرآن کریم) کے نُور کی پیروی نہ کی اور اپنے باطل معبودوں کی اتباع کرتے رہے وہ ضرور اللہ تعالیٰ کے غضب کو دیکھیں گے۔ اور جہنم کے جوش اور اس کی خوفناک آواز کو سنیں گے۔ اور اپنی گمراہی اور کجروی کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔ اپنے آپ کو لنگڑے کانے جیسے پائیں گے۔ اور جہنم میں داخل ہوں گے۔ جہاں وہ لمبا عرصہ رہیں گے اور ان کا کوئی شفیع نہیں ہوگا۔ اس آیت میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ (خدا کا) اسم مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ دو پہلوؤں والا ہے۔ وہ جسے چاہے گمراہ ٹھہراتا ہے اور جسے چاہے ہدایت دیتا ہے۔ پس تم دُعا کرو کہ وہ تمہیں ہدایت یافتہ بنا دے۔

یہی وہ امر ہے جس کو ہم بیان کرنا چاہتے تھے۔ یعنی اس

نِكَاتِ هٰذِهِ الْاٰيَةِ وَلَطَآئِفِهَا الْأَدَبِيَّةِ الَّتِيْ هِيَ لِلنَّاظِرِيْنَ كَالْاٰيَاتِ وَبَلَاغَتِهَا الرَّائِعَةِ الْمُبْتَكِرَةِ الْمُحَبَّرَةِ الْمُحْتَوِيَةِ عَلٰى مَحَاسِنِ الْكِنَايَاتِ مَعَ دُرَرٍ حِكَمِيَّةٍ وَمَعَارِفَ نَادِرَةٍ مِّنْ دَقَآئِقِ الْإِلٰهِيَّاتِ فَلَا تَجِدُ نَظِيْرَهَا فِي الْأَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ. فَلَا شَكَّ أَنَّ مُلَحَ أَدَبِهَا بَارِعَةٌ وَّقَدَمَهَا عَلٰى أَعْلَامِ الْعُلُوْمِ فَارِعَةٌ وَّ هِيَ يُصْبِيْ قُلُوْبَ الْعَارِفِيْنَ. وَ قَدْ عَلِمْتَ تَرْتِيْبَ خَمْسَةِ أَبْحُرٍ الَّتِيْ تَجْرِيْ بَعْضُهَا تِلْوَ بَعْضٍ فَتَسَلَّمْهُ وَكُنْ مِّنَ الشَّاكِرِيْنَ. وَ أَمَّا تَرْتِيْبُ الْمُغْتَرِفَاتِ فَتَعْرِفُهٗ بِتَرْتِيْبِ أَبْحُرِهَا إِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُغْتَرِفِيْنَ.

(کرامات الصّادقین۔ روحانی خزائن جلد ۷ صفحہ ۱۱۶ تا ۱۱۹)

آیت کے بعض نکات اور ادبی لطائف کو جو دیکھنے والوں کے لئے روشن نشانوں کی طرح ہیں۔ اور اس کی حیران کن اچھوتی اور خوب آراستہ بلاغت کو جو کنایات کی خوبیوں، حکمت کے موتیوں اور دقائق الٰہیّہ کے نادر معارف پر حاوی ہے۔ تم اس بیان کی نظیر نہ تو پہلے لوگوں میں اور نہ بعد میں آنے والے لوگوں میں دیکھو گے۔ بلاشبہ اس کی عمدہ ادبی باتیں بے نظیر فضیلت کی حامل ہیں۔ اس کا قدم علوم کے پہاڑوں سے بھی اونچا ہے اور وہ عارفوں کے دلوں کو موہ لیتی ہے۔ اب تُو نے ان پانچ سمندروں کی ترتیب کو معلوم کر لیا ہے۔ جو ایک دوسرے کے پیچھے جاری ہیں۔ پس تو انہیں قبول کر اور شکر گذاروں میں سے ہو جا اور اگر تو فیض اُٹھانے والوں سے بننا چاہے تو فیض اٹھانے والے جملوں کی ترتیب کو تُو ان کے سمندروں کی ترتیب سے پہچان لے گا۔ (ترجمہ از مرتب)

اس جگہ لفّ ونشر مرتب ہے۔ اوّل اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ۔ اللہ مستجمع جمیع صفات کاملہ ہر ایک خوبی کو اپنے اندر رکھنے والا اور ہر ایک عیب اور نقص سے منزّہ دوم ربّ العالمین، سوم الرّحمٰن، چہارم الرحیم، پنجم مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ اب اس کے بعد جو درخواستیں ہیں وہ ان پانچوں کے ماتحت ہیں اب سلسلہ یوں شروع ہوتا ہے۔ اِيَّاكَ نَعْبُدُ یہ فقرہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کے مقابل ہے یعنی اے اللہ تو جو ساری صفات حمیدہ کا جامع ہے اور تمام بدیوں سے منزّہ ہے تیری ہی عبادت کرتے ہیں مسلمان اس خدا کو جانتا ہے جس میں تمام خوبیاں جو انسانی ذہن میں آسکتی ہیں موجود ہیں اور اس سے بالاتر اور بالاتر ہے کیونکہ یہ سچی بات ہے کہ انسانی عقل اور فکر اور ذہن خدا تعالیٰ کی صفات کا احاطہ ہرگز ہرگز نہیں کر سکتے۔ ہاں تو مسلمان ایسے کامل الصفات خدا کو مانتا ہے تمام قومیں مجلسوں میں اپنے خدا کا ذکر کرتے ہوئے شرمندہ ہو جاتی ہیں اور انہیں شرمندہ ہونا پڑتا ہے۔ مثلاً ہندوؤں کا خدا جو انہوں

نے مانا ہے اور کہا ہے کہ ویدوں سے ایسے خدا ہی کا پتہ لگتا ہے جب اس کی نسبت وہ یہ ذکر کریں گے کہ اُس نے دنیا کا ایک ذرّہ بھی پیدا نہیں کیا اور نہ اُس نے روحوں کو پیدا کیا ہے تو کیا ایسے خدا کے ماننے والے کے لئے کوئی مفر رہ سکتا ہے۔ جب اُسے کہا جائے کہ ایسا خدا اگر مر جائے تو کیا حرج ہے کیونکہ جب یہ اشیاء اپنا وجود مستقل رکھتی ہیں اور قائم بالذّات ہیں پھر خدا کی زندگی کی ان کی زندگی اور بقا کے لئے کیا ضرورت ہے جیسے ایک شخص اگر تیر چلائے اور وہ تیر ابھی جا ہی رہا ہو کہ اس شخص کا دم نکل جائے تو بتاؤ کہ اس تیر کی حالت میں کیا فرق آئے گا ہاتھ سے نکلنے کے بعد وہ چلانے والے کے وجود کا محتاج نہیں ہے۔ اسی طرح پر ہندوؤں کے خدا کے لئے اگر یہ تجویز کیا جائے کہ وہ ایک وقت مر جاوے تو کوئی ہندو اُس کی موت کا نقصان نہیں بتا سکتا۔ مگر ہم خدا کے لئے ایسا تجویز نہیں کر سکتے کیونکہ اللہ کے لفظ سے ہی پایا جاتا ہے کہ اُس میں کوئی نقص اور بدی نہ ہو۔ ایسا ہی جب کہ آریہ مانتا ہے کہ اجسام اور روحیں انادی ہیں یعنی ہمیشہ سے ہیں ہم کہتے ہیں کہ جب تمہارا یہ اعتقاد ہے پھر خدا کی ہستی کا ثبوت ہی کیا دے سکتے ہو؟ اگر کہو کہ اُس نے جوڑا جاڑا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ جب تم پرمانو اور پرکرتی کو قدیم سے مانتے ہو اور ان کے وجود کو قائم بالذّات کہتے ہو تو پھر جوڑنا جاڑنا تو ادنیٰ فعل ہے وہ جُڑ بھی سکتے ہیں اور ایسا ہی جب وہ یہ تعلیم بتاتے ہیں کہ خدا نے وید میں مثلاً یہ حکم دیا ہے کہ اگر کسی عورت کے ہاں اپنے خاوند سے بچہ پیدا نہ ہو سکتا ہو تو وہ کسی دوسرے سے ہم بستر ہو کر اولاد پیدا کر لے تو بتاؤ ایسے خدا کی نسبت کیا کہا جاوے گا؟ یا مثلاً یہ تعلیم پیش کی جائے کہ خدا کسی اپنے پریمی اور بھگت کو ہمیشہ کے لئے مکتی یعنی نجات نہیں دے سکتا بلکہ مہا پرلے کے وقت اُس کو ضروری ہوتا ہے کہ مکتی یافتہ انسانوں کو پھر اسی تناسخ کے چکر میں ڈالے یا مثلاً خدا کی نسبت یہ کہنا کہ وہ کسی کو اپنے فضل و کرم سے کچھ بھی عطا نہیں کر سکتا بلکہ ہر ایک شخص کو وہی ملتا ہے جو اُس کے اعمال کے نتائج ہیں پھر ایسے خدا کی کیا ضرورت باقی رہتی ہے غرض ایسا خدا ماننے والے کو سخت شرمندہ ہونا پڑے گا۔

ایسا ہی عیسائی بھی جب یہ پیش کریں گے کہ ہمارا خدا یسوع ہے اور پھر اُس کی نسبت وہ یہ بیان کریں گے کہ یہودیوں کے ہاتھوں سے اُس نے ماریں کھائیں شیطان اُسے آزماتا رہا۔ بھوک اور پیاس کا اثر اُس پر ہوتا رہا۔ آخر ناکامی کی حالت میں پھانسی پر چڑھایا گیا تو کون دانشمند ہوگا جو ایسے خدا کے ماننے کے لئے تیار ہوگا۔ غرض اسی طرح پر تمام قومیں اپنے مانے ہوئے خدا کا ذکر کرتی ہوئی شرمندہ ہوتی ہیں مگر مسلمان کبھی اپنے خدا کا ذکر کرتے ہوئے کسی مجلس میں شرمندہ نہیں ہوتا کیونکہ جو خوبی اور عمدہ صفت ہے وہ اُن کے مانے

ہوئے خدا میں موجود اور جو نقص اور بدی ہے اُس سے وہ منزّہ ہے جیسا کہ سورۃ الفاتحہ میں اللہ کو تمام صفاتِ حمیدہ کا موصوف قرار دیا ہے تو اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کے مقابل میں اِیَّاکَ نَعْبُدُ ہے۔ اس کے بعد ہے رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ربوبیّت کا کام ہے تربیت اور تکمیل جیسے ماں اپنے بچہ کی پرورش کرتی ہے اُس کو صاف کرتی ہے ہر قسم کے گند اور آلائش سے دور رکھتی ہے اور دودھ پلاتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہو کہ وہ اُس کی مدد کرتی ہے اب اس کے مقابل میں یہاں اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ (ہے) پھر اَلرَّحْمٰنُ ہے جو بغیر خواہش بدوں درخواست اور بغیر اعمال کے اپنے فضل سے دیتا ہے اگر ہمارے وجود کی ساخت ایسی نہ ہوتی تو ہم سجدہ نہ کر سکتے اور رکوع نہ کر سکتے اس لئے ربوبیت کے مقابلہ میں اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ فرمایا جیسے باغ کا نشوونما پانی کے بغیر نہیں ہوتا اسی طرح پر اگر خدا کے فیض کا پانی نہ پہنچے تو ہم نشوونما نہیں پا سکتے درخت پانی کو چوستا ہے اس کی جڑوں میں دہانے اور سوراخ ہوتے ہیں۔ طبعی میں یہ مسئلہ ہے کہ درخت کی شاخیں پانی کو جذب کرتی ہیں اُن میں قوت جاذبہ ہے اسی طرح پر عبودیت میں ایک قوّتِ جاذبہ ہوتی ہے جو خدا کے فیضان کو جذب کرتی ہے اور چوستی ہے پس اَلرَّحْمٰنُ کے بالمقابل اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ہے یعنی اگر اس کی رحمانیت ہمارے شاملِ حال نہ ہوتی اگر یہ قویٰ اور طاقتیں تُو نے عطا نہ کی ہوتیں تو ہم اس فیض سے کیونکر بہرہ ور ہو سکتے۔

(الحکم نمبر ۳۳ جلد ۵ مؤرخہ ۱۰ ر ستمبر ۱۹۰۱ء صفحہ ۲)

پس اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ۔ اَلرَّحْمٰنُ کے بالمقابل ہے کیونکہ ہدایت پانا کسی کا حق تو نہیں ہے بلکہ محض رحمانیتِ الٰہی سے یہ فیض حاصل ہو سکتا ہے اور صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ ۔ اَلرَّحِیْمُ کے بالمقابل ہے کیونکہ اس کا ورد کرنے والا رحیمیّت کے چشمہ سے فیض حاصل کرتا ہے اور اس کے یہ معنے ہیں کہ اے رحم خاص سے دُعاؤں کے قبول کرنے والے! ان رسولوں اور صدیقوں اور شہیدوں اور صالحوں کی راہ ہم کو دکھا جنہوں نے دُعا اور مجاہدات میں مصروف ہو کر تجھ سے انواع واقسام کے معارف اور حقائق اور کشوف اور الہامات کا انعام پایا اور دائمی دُعا اور تضرّع اور اعمالِ صالحہ سے معرفتِ تامّہ کو پہنچے۔

رحیمیت کے مفہوم میں نقصان کا تدارک کرنا لگا ہوا ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ اگر فضل نہ ہوتا تو نجات نہ ہوتی۔ ایسا ہی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ سے سوال کیا کہ یا حضرت! کیا آپ کا بھی یہی حال ہے آپ نے سر پر ہاتھ رکھا اور فرمایا ہاں۔ نادان اور احمق عیسائیوں نے اپنی نافہمی اور ناواقفی کی وجہ سے اعتراض کئے ہیں لیکن وہ نہیں سمجھتے کہ یہ آپ کی کمال عبودیت کا اظہار تھا۔

جو خدا تعالیٰ کی ربوبیّت کو جذب کر رہا تھا۔ ہم نے خود تجربہ کر کے دیکھا ہے اور متعدد مرتبہ آزمایا ہے بلکہ ہمیشہ دیکھتے ہیں کہ جب انکسار اور تذلّل کی حالت انتہا کو پہنچی ہے اور ہماری روح اس عبودیت اور فروتنی میں بہہ نکلتی ہے اور آستانہ حضرت واہب العطایا پر پہنچ جاتی ہے تو ایک روشنی اور نُور اوپر سے اُترتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ایک نالی کے ذریعہ سے مصفّا پانی دوسری نالی میں پہنچتا ہے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت جس قدر بعض مقامات پر فروتنی اور انکساری میں کمال پر پہنچی ہوئی نظر آتی ہے وہاں معلوم ہوتا ہے کہ اُسی قدر آپ روح القدس کی تائید اور روشنی سے مؤیّد اور منوّر رہیں۔ جیسا کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عملی اور فعلی حالت سے دکھایا ہے یہاں تک کہ آپ کے انوار و برکات کا دائرہ اسی قدر وسیع ہے کہ ابدالآباد تک اسی کا نمونہ اور ظِلّ نظر آتا ہے۔ چُنانچہ اس زمانہ میں بھی جو کچھ خدا تعالیٰ کا فیض اور فضل نازل ہو رہا ہے وہ آپ ہی کی اطاعت اور آپ ہی کے اتباع سے ملتا ہے۔ مَیں سچ کہتا ہوں اور اپنے تجربہ سے کہتا ہوں کہ کوئی شخص حقیقی نیکی کرنے والا اور خدا تعالیٰ کی رضا کو پانے والا نہیں ٹھہر سکتا اور ان انعام و برکات اور معارف اور حقائق اور کشوف سے بہرہ ور نہیں ہوسکتا جو اعلیٰ درجہ کے تزکیہ نفس پر ملتے ہیں جب تک کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں کھویا نہ جائے اور اس کا ثبوت خود خدا تعالیٰ کے کلام سے ملتا ہے قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (اٰل عمران:۳۲) اور خدا تعالیٰ کے اس دعویٰ کی عملی اور زندہ دلیل مَیں ہوں اُن نشانات کے ساتھ جو خدا تعالیٰ کے محبوبوں اور ولیوں کے قرآن شریف میں مقرر ہیں مجھے شناخت کرو۔ غرض نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کا کمال یہاں تک ہے کہ اگر کوئی بڑھیا بھی آپ کا ہاتھ پکڑتی تھی تو آپ کھڑے ہو جاتے تھے اور اُس کی باتوں کو نہایت توجہ سے سنتے اور جب تک کہ وہ خود آپ کو نہ چھوڑتی آپ نہ چھوڑتے تھے اور پھر غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّيْنَ۔ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کے بالمقابل ہے۔ اس کا ورد کرنے والا چشمہ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ سے فیض پاتا ہے جس کا مطلب اور مفہوم یہ ہے کہ اے جزا و سزا کے دن کے مالک! ہمیں اس سے بچا کہ یہودیوں کی طرح جو دنیا میں طاعون وغیرہ بلاؤں کا نشانہ ہوئے اور اُس کے غضب سے ہلاک ہو گئے یا نصاریٰ کی طرح نجات کی راہ کھو بیٹھیں اس میں یہود کا نام مغضوب اس لئے رکھا گیا ہے کہ ان کی شامتِ اعمال سے دنیا میں بھی اُن پر عذاب آیا کیونکہ اُنہوں نے خدا تعالیٰ کے پاک نبیوں اور راست بازوں کی تکذیب کی اور بہت سی تکلیفیں پہنچائیں اور یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ خدا تعالیٰ نے جو یہاں سورہ فاتحہ میں یہودیوں کی راہ سے بچنے کی ہدایت فرمائی اور اس سورہ کو

الضَّآلِّيْنَ پر ختم کیا یعنی ان کی راہ سے بھی بچنے کی ہدایت فرمائی تو اس میں کیا سِرّ تھا اس میں یہی راز تھا کہ اُمتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایک قسم کا زمانہ آنے والا ہے جب کہ یہود کی تتبع کرنے والے ظاہر پرستی کریں گے اور استعارات کو حقیقت پر حمل کر کے خدا کے راستباز کی تکذیب کے لئے اُٹھیں گے جیسا کہ یہود نے مسیح ابن مریم کی تکذیب کی تھی اور انہیں یہی مصیبت پیش آئی کہ اُنہوں نے اس کی تاویل پر ٹھٹھا کیا اور کہا کہ اگر خدا کا یہی مطلب تھا کہ ایلیا کا مثیل آئے گا تو کیوں خدا نے اپنی پیشگوئی میں اس کی صراحت نہ کی غرض اسی روش اور طریق پر اس وقت ہمارے مخالفوں نے بھی قدم مارا ہے اور میری تکذیب اور ایذاء دہی میں انہوں نے کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑا یہاں تک کہ میرے قتل کے فتوے دیئے اور طرح طرح کے حیلوں اور مکروں سے مجھے ذلیل کرنا اور نابود کرنا چاہا۔ اگر خدا تعالیٰ کے فضل سے گورنمنٹ برطانیہ کا اس ملک میں راج نہ ہوتا تو یہ مدت سے میرے قتل سے دل خوش کر لیتے مگر خدا تعالیٰ نے ان کو ان کی ہر مراد میں نامراد کیا اور وہ جو اُس کا وعدہ تھا کہ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (المائدۃ:۶۸) وہ پورا ہوا۔

غرض اس دُعا میں غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ (عَلَيْهِمْ) کا فرقہ مسلمانوں کے ایک گروہ کی اس حالت کا پتہ دیتا ہے جو وہ مسیح موعود کے مقابل مخالفت اختیار کرے گا اور ایسا ہی الضَّآلِّيْنَ سے مسیح موعود کے زمانہ کا پتہ لگتا ہے کہ اس وقت صلیبی فتنہ کا زور اپنے انتہائی نقطہ پر پہنچ جاوے گا اس وقت خدا تعالیٰ کی طرف سے جو سلسلہ قائم کیا جاوے گا وہ مسیح موعود ہی کا سلسلہ ہوگا اور اسی لئے احادیث میں مسیح موعود کا نام خدا تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت کاسر الصّلیب رکھا ہے کیونکہ یہ سچی بات ہے کہ ہر ایک مجدّد فتن موجودہ کی اصلاح کے لئے آتا ہے اب اس وقت خدا کے لئے سوچو تو کیا معلوم نہ ہوگا کہ صلیبی نجات کی تائید میں قلم اور زبان سے وہ کام لیا گیا ہے کہ اگر صفحاتِ عالَم کو ٹٹولا جائے تو باطل پرستی کی تائید میں یہ سرگرمی اور زمانہ میں ثابت نہ ہوگی اور جبکہ صلیبی فتنہ کے حامیوں کی تحریریں اپنے انتہائی نقطہ پر پہنچ چکی ہیں اور توحید حقیقی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عفّت، عزت اور حقانیت اور کتاب اللہ کے من جانب اللہ ہونے پر ظلم اور زُور کی راہ سے حملے کئے گئے ہیں تو کیا خدا تعالیٰ کی غیرت کا تقاضا نہیں ہونا چاہئے کہ اس کاسر الصّلیب کو اُس وقت نازل کرے؟؟؟ کیا خدا تعالیٰ اپنے وعدہ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر:۱۰) کو بھول گیا؟ یقیناً یاد رکھو کہ خدا کے وعدے سچے ہیں۔ اس نے اپنے وعدہ کے موافق دنیا میں ایک نذیر بھیجا ہے۔ دنیا نے اس کو قبول نہ کیا مگر خدا تعالیٰ اس کو ضرور قبول کرے گا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی کو

ظاہر کرے گا۔ میں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ مَیں خدا تعالیٰ کے وعدہ کے موافق مسیح موعود ہو کر آیا ہوں چاہو تو قبول کرو چاہو تو ردّ کرو۔ (الحکم نمبر ۳۴ جلد ۵، مؤرخہ ۱۷ ستمبر ۱۹۰۱ء صفحہ ۱، ۲)

خدا تعالیٰ کی چار۴ اعلیٰ درجہ کی صفتیں ہیں جو اُمّ الصّفات ہیں اور ہر ایک صفت ہماری بشریت سے ایک امر مانگتی ہے اور وہ چار۴ صفتیں یہ ہیں۔ ربوبیت۔ رحمانیّت۔ رحیمیّت۔ مالکیّت یوم الدّین۔ (۱) ربوبیت اپنے فیضان کے لئے عدم محض یا مشابہ بالعدم کو چاہتی ہے اور تمام انواع مخلوق کی جاندار ہوں یا غیر جاندار اسی سے پیرایہء وجود پہنتے ہیں۔ (۲) رحمانیّت اپنے فیضان کے لئے صرف عدم کو ہی چاہتی ہے۔ یعنی اُس عدمِ محض کو جس کے وقت میں وجود کا کوئی اثر اور ظہور نہ ہو اور صرف جانداروں سے تعلق رکھتی ہے اور چیزوں سے نہیں۔ (۳) رحیمیّت اپنے فیضان کے لئے موجود ذوالعقل کے مُنہ سے نیستی اور عدم کا اقرار چاہتی ہے اور صرف نوعِ انسان سے تعلق رکھتی ہے۔ (۴) مالکیّت یوم الدّین اپنے فیضان کے لئے فقیرانہ تضرّع اور الحاح کو چاہتی ہے اور صرف اُن انسانوں سے تعلّق رکھتی ہے جو گداؤں کی طرح حضرت احدیّت کے آستانہ پر گِرتے ہیں اور فیض پانے کے لئے دامنِ افلاس پھیلاتے ہیں اور سچ مُچ اپنے تئیں تہی دست پا کر خدا تعالیٰ کی مالکیّت پر ایمان لاتے ہیں۔

یہ چار الٰہی صفتیں ہیں جو دنیا میں کام کر رہی ہیں اور ان میں سے جو رحمیّت کی صفت ہے وہ دُعا کی تحریک کرتی ہے اور مالکیّت کی صفت خوف اور قلق کی آگ سے گداز کر کے سچا خشوع اور خضوع پیدا کرتی ہے کیونکہ اس صفت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ مالکِ جزا ہے کسی کا حق نہیں جو دعوے سے کچھ طلب کرے اور مغفرت اور نجات محض فضل پر ہے۔

اب خلاصہٴ کلام یہ کہ خدا تعالیٰ کی یہ چار صفتیں ہیں جو قرآنی تعلیم اور تحقیق عقل سے ثابت ہوتی ہیں اور منجملہ ان کے رحیمیّت کی صفت ہے جو تقاضا کرتی ہے کہ کوئی انسان دعا کرے تا اس دعا پر فیوضِ الٰہی نازل ہوں۔ ہم نے براہین احمدیہ اور کرامات الصادقین میں بھی یہ ذکر لکھا ہے کہ کیونکر یہ چاروں صفتیں لفّ ونشر مرتّب کے طور پر سورہ فاتحہ میں بیان کی گئی ہیں اور کیونکر صحیفہء فطرت پر نظر ڈال کر ثابت ہوتا ہے کہ اِسی ترتیب سے جو سورہ فاتحہ میں ہے یہ چاروں صفتیں خدا کی فعلی کتاب قانونِ قدرت میں پائی جاتی ہیں۔ اب دعا سے انکار کرنا یا اس کو بے سود سمجھنا یا جذبِ فیوض کے لئے اس کو ایک محرّک قرار نہ دینا گویا خدا تعالیٰ کی تیسری صفت سے جو رحیمیّت ہے انکار کرنا ہے۔ مگر یہ انکار در پردہ دہریّت کی طرف ایک حرکت ہے کیونکہ

رحیمیّت ہی ایک ایسی صفت ہے جس کے ذریعہ سے باقی تمام صفات پر یقین بڑھتا اور کمال تک پہنچتا ہے۔ وجہ یہ کہ جب ہم خدا تعالیٰ کی رحیمیّت کے ذریعہ سے اپنی دعاؤں اور تضرّعات پر الٰہی فیضوں کو پاتے ہیں اور ہر ایک قسم کی مشکلات حل ہوتی ہیں تو ہمارا ایمان خدا تعالیٰ کی ہستی اور اس کی قدرت اور رحمت اور دوسری صفات کی نسبت بھی حق الیقین تک پہنچتا ہے اور ہمیں چشم دید ماجرا کی طرح سمجھ آ جاتا ہے کہ خدا تعالیٰ درحقیقت حمد اور شکر کا مستحق ہے اور درحقیقت اس کی ربوبیت اور رحمانیّت اور دوسری صفات سب درست اور صحیح ہیں لیکن بغیر رحیمیّت کے ثبوت کے دوسری صفات بھی مشتبہ رہتی ہیں۔

(ایام الصّلح۔ روحانی خزائن جلد ۱۴ صفحہ ۲۴۲ تا ۲۴۴)

واضح رہے کہ اللہ جلّ شانہ، نے سورہ فاتحہ میں اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ کے بعد ان صفاتِ اربعہ کو چار سرچشمہء فیض قرار دے کر اس سورۃ کے مابعد کی آیتوں میں بطور لفّ ونشر مرتب ہر ایک چشمہ سے فیض مانگنے کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ چنانچہ ظاہر ہے کہ فقرہ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ سے فقرہ مٰلِكِ يَوۡمِ الدِّيۡنِ تک پانچ جُدا جُدا امر ہیں۔ (۱) اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ (۲) دوسرے رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ (۳) تیسرے الرَّحۡمٰنُ (۴) چوتھے الرَّحِيۡمُ (۵) مٰلِكِ يَوۡمِ الدِّيۡنِ اور مابعد کے پانچ فقرے ان پانچوں کے لحاظ سے بصورت لفّ ونشر مرتب ان کے مقابل پر واقع ہیں۔ جیسا کہ فقرہ اِيَّاكَ نَعۡبُدُ فقرہ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ کے مقابل پر ہے جس سے یہ اشارہ ہے کہ عبادت کے لائق وہی ذات کامل الصّفات ہے جس کا نام اللہ ہے اور فقرہ اِيَّاكَ نَسۡتَعِيۡنُ فقرہ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ کے مقابل پر واقع ہے جس سے یہ اشارہ مقصود ہے کہ سرچشمہء ربوبیت سے جو ایک نہایت عام سرچشمہ ہے ہم مدد طلب کرتے ہیں کیونکہ بغیر خدا تعالیٰ کے فیض ربوبیت کے ظاہری یا باطنی طور پر نشوونما پانا یا کوئی پاک تبدیلی حاصل کرنا اور روحانی پیدائش سے حِصّہ لینا امر محال ہے۔ اور فقرہ اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ فقرہ الرَّحۡمٰنِ کے مقابل پر واقع ہے اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ کا ورد کرنے والا الرَّحۡمٰنُ کے چشمہ سے فیض طلب کرتا ہے۔ کیونکہ ہدایت پانا کسی کا حق نہیں ہے بلکہ محض رحمانیّتِ الٰہی سے یہ دولت حاصل ہوتی ہے۔ اور فقرہ صِرَاطَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ فقرہ اَلرَّحِيۡمُ کے مقابل پر واقع ہے۔ اور صِرَاطَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ کا ورد کرنے والا چشمہ اَلرَّحِيۡمِ سے فیض طلب کرتا ہے کیونکہ اس کے یہ معنے ہیں کہ اے دعاؤں کو رحم خاص سے قبول کرنے والے! ان رسولوں اور صدّیقوں اور شہیدوں کی راہ ہمیں دکھلا جنہوں نے دُعا اور مجاہدات میں مصروف ہو کر تجھ سے انواع اقسام کے معارف اور حقائق اور کشوف اور الہامات کا انعام پایا اور دائمی دعا اور

تضرّع اور اعمال صالحہ سے معرفتِ تامہ تک پہنچ گئے۔ اور فقرہ غَيۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَيۡهِمۡ وَلَا الضَّآلِّيۡنَ فقرہ مٰلِكِ يَوۡمِ الدِّيۡنِ کے مقابل پر واقع ہے اور غَيۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَيۡهِمۡ وَلَا الضَّآلِّيۡنَ کا ورد کرنے والا چشمہ مٰلِكِ يَوۡمِ الدِّيۡنِ سے فیض طلب کرتا ہے۔ اور اس کے یہ معنے ہیں کہ اے جزا و سزا کے دن کے مالک ہمیں اس سزا سے بچا کہ ہم دنیا میں یہودیوں کی طرح طاعون وغیرہ بلاؤں میں تیرے غضب کی وجہ سے مبتلا ہوں یا نصاریٰ کی طرح نجات کی راہ گُم کر کے آخرت میں عذاب کے مستحق ہوں۔ اس آیت میں نصاریٰ کا نام ضالّین اس لئے رکھا ہے کہ دنیا میں ان پر کوئی غضبِ الٰہی کا عذاب نازل نہیں ہوا صرف وہ لوگ اُخروی نجات کی راہ گم کر بیٹھے ہیں اور آخرت میں قابلِ مؤاخذہ ہیں۔ مگر یہود کا نام مغضوب علیہم اس واسطے رکھا ہے کہ یہود پر دنیا میں ہی اُن کی شامتِ اعمال سے بڑے بڑے عذاب نازل ہوئے ہیں۔ منجملہ اُن کے عذابِ طاعون ہے چونکہ یہود نے خدا تعالیٰ کے پاک نبیوں اور راستباز بندوں کی صرف تکذیب نہیں کی بلکہ بہتوں کو ان میں سے قتل کیا یا قتل کا ارادہ کیا اور بدزبانی سے بھی بہت تکلیفیں پہنچاتے رہے اس لئے غیرتِ الٰہی نے بعض اوقات جوش میں آ کر اُن کو طرح طرح کے عذابوں میں مبتلا کیا۔ بسا اوقات لاکھوں یہودی طاعون کے عذاب سے مارے گئے اور کئی دفعہ ہزاروں اُن میں سے قتل کئے گئے اور یا اسیر ہو کر دوسرے ملکوں میں نکالے گئے۔ غرض وہ حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد ہمیشہ مغضوب علیہم رہے چونکہ اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ یہ ایک ٹیڑھی قوم ہے اس لئے توریت میں اکثر دنیا کے عذابوں سے ان کو ڈرایا گیا تھا۔ غرض اُن پر ہولناک طور پر خدا تعالیٰ کا غضب نازل ہوتا رہا کیونکہ وہ لوگ خدا تعالیٰ کے نیک بندوں کو ہاتھ اور زبان سے دکھ دیتے تھے اِسی وجہ سے دنیا میں ہی ان پر غضب بھڑکا تا وہ ان لوگوں کے لئے نمونہ عبرت ہوں کہ جو آئندہ کسی زمانہ میں خدا کے ماموروں اور راست باز بندوں کو عمداً دُکھ دیں اور اُن کو ستاویں اور اُن کے قتل کرنے یا ذلیل کرنے کے لئے بدارادے دل میں رکھیں۔ سو اس دعا کے سکھلانے میں در پردہ اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ تم یہودیوں کے خُلق اور خُو سے باز رہو اور اگر کوئی مامور من اللہ تم میں پیدا ہو تو یہودیوں کی طرح اُس کی ایذا اور توہین اور تکفیر میں جلدی نہ کرو۔ ایسا نہ ہو کہ تم سچے کو جھوٹا ٹھہرا کر اور پھر طرح طرح کے دُکھ اس کو دے کر اور بدزبانی سے اس کی آبروریزی کر کے یہودیوں کی طرح موردِ غضبِ الٰہی ہو جاؤ لیکن افسوس کہ اس اُمّت کے لوگ بھی ہمیشہ ٹھوکر کھاتے رہے اور انہوں نے بدقسمت یہودیوں کے قصوں سے کوئی عبرت حاصل نہیں کی۔ (ایام الصّلح۔ روحانی خزائن جلد ۱۴ صفحہ ۲۵۲ تا ۲۵۴)

ان آیاتِ سورۃ فاتحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خدا جس نے اللہ کے نام سے قرآن میں اپنے تئیں ظاہر کیا وہ ربّ العالمین ہو کر مبدء ہے تمام فیضوں کا اور رحمان ہو کر مُعطی ہے تمام انعاموں کا۔ اور رحیم ہو کر قبول کرنے والا ہے تمام سُودمند دعاؤں اور کوششوں کا اور مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ہو کر بخشنے والا ہے کوششوں کے تمام آخری ثمرات کا۔ (ایام الصّلح۔ روحانی خزائن جلد ۱۴ صفحہ ۲۴۶ حاشیہ)

رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ۔ الرَّحْمٰنِ۔ الرَّحِيْمِ۔ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ .... یعنی وہی خدا ہے جو تمام عالموں کا پرورش کرنے والا۔ رحمٰن رحیم اور جزا کے دن کا آپ مالک ہے۔ اس اختیار کو کسی کے ہاتھ میں نہیں دیا۔

(اسلامی اصول کی فلاسفی۔ روحانی خزائن جلد ۱۰ صفحہ ۳۷۵، ۳۷۶)

فَاعْلَمْ أَنَّ هٰذِهِ الصِّفَاتِ عُيُوْنٌ لِّفُيُوْضِ اللهِ الْكَامِلَةِ النَّازِلَةِ عَلٰى أَهْلِ الْأَرْضِ وَ السَّمَآءِ وَ كُلُّ صِفَةٍ مَّنْبَعٌ لِّقِسْمِ فَيْضٍ بِتَرْتِيْبٍ أَوْدَعَ اللهُ اٰثَارَهَا فِي الْعَالَمِ لِيُرِيَ تَوَافُقَ قَوْلِهٖ بِفِعْلِهٖ وَ لِيَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُتَفَكِّرِيْنَ۔ فَالْقِسْمُ الْأَوَّلُ مِنْ أَقْسَامِ الصِّفَاتِ الْفَيْضَانِيَّةِ صِفَةٌ يُّسَمِّيْهَا رَبُّنَا رَبَّ الْعَالَمِيْنَ۔ وَ هٰذِهِ الصِّفَةُ أَوْسَعُ الصِّفَاتِ فِي الْإِفَاضَةِ وَلَا بُدَّ مِنْ أَنْ نُّسَمِّيَ فَيْضَانَهَا فَيْضَانًا أَعَمَّ ـ لِأَنَّ صِفَةَ الرُّبُوْبِيَّةِ قَدْ أَحَاطَتِ الْحَيَوَانَاتِ وَغَيْرَ الْحَيَوَانَاتِ بَلْ أَحَاطَتِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرَضِيْنَ فَيْضَانُهَا أَعَمُّ مِنْ كُلِّ فَيْضٍ مَّا غَادَرَ إِنْسَانًا وَّلَا حَيَوَانًا وَّلَا شَجَرًا وَّلَا

واضح ہو کہ یہ (چاروں) صفات (یعنی ربُّ العالمین، الرحمٰن، الرحیم اور مالک یوم الدین) اللہ تعالیٰ کے کامل فیض کے چشمے ہیں جو زمین و آسمان میں رہنے والوں پر نازل ہوئے اور ہر صفت ایک خاص قسم کے فیض کا منبع ہے (اور یہ صفات) ایک ایسی ترتیب کے ساتھ (بیان کی گئی ہیں) جس کے آثار خدا تعالیٰ نے (اس کارخانہء) عالم میں ودیعت کر رکھے ہیں۔ تا وہ اپنے قول کا اپنے فعل سے توافق دکھائے اور تا غور وفکر کرنے والوں کے لئے یہ ایک نشان ہو۔ ان فیضانی صفات کی اقسام میں سے پہلی قسم وہ صفت ہے جس کا نام ہمارا پروردگار ربّ العالمین رکھتا ہے اور یہ صفت فیض رسانی میں دوسری تمام صفات سے زیادہ وسیع ہے اسی لئے ضروری ہے کہ ہم اس صفت کے فیضان کا نام فیضانِ اعم رکھیں۔ کیونکہ صفتِ ربوبیّت تمام حیوانوں اور غیر حیوانوں پر ہی حاوی نہیں بلکہ آسمانوں اور زمینوں پر محیط ہے اور اس کا فیضان ہر فیض سے زیادہ عام ہے جس نے نہ کسی انسان کو چھوڑا اور نہ کسی حیوان کو، نہ کسی درخت کو اور نہ کسی پتھر کو اور نہ کسی آسمان کو نہ

حَجَرًا وَّلَا سَمَآءً وَّلَا أَرْضًا بَلْ نَزَلَ مَآءُهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ فَأَحْيَاهُ وَ أَحَاطَ بِالْكَآئِنَاتِ كُلِّهَا ظَوَاهِرِهَا وَ بَوَاطِنِهَا فَكُلُّ شَيْءٍ صَنِيْعَةٌ مِّنَ اللّٰهِ الَّذِيْ أَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ وَبَدَأَ خَلْقَ الْإِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ۔ وَاسْمُ ذٰلِكَ الْفَيْضِ رُبُوْبِيَّةٌ وَّبِهٖ يَبْذُرُ اللّٰهُ تَعَالٰى بَذْرَ السَّعَادَةِ فِيْ كُلِّ سَعِيْدٍ وَّعَلَيْهِ يَتَوَقَّفُ اسْتِثْمَارُ الْخَيْرَاتِ وَبُرُوْزُ مَادَّةِ السَّعَادَاتِ وَاٰثَارُ الْوَرَعِ وَالْحَزَامَةِ وَ التُّقَاةِ وَكُلُّ مَا يُوْجَدُ فِي الرَّشِيْدِيْنَ۔ وَكُلُّ شَقِيٍّ وَّسَعِيْدٍ وَّطَيِّبٍ وَّخَبِيْثٍ يَّأْخُذُ حَظَّهٗ كَمَا شَآءَ رَبُّهٗ فِي الْمَرْتَبَةِ الرُّبُوْبِيَّةِ فَهٰذَا الْفَيْضُ يَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ إِنْسَانًا وَّيَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ حِمَارًا وَّ يَجْعَلُ مَا يَشَآءُ نُحَاسًا وَّ يَجْعَلُ مَا يَشَآءُ ذَهَبًا وَّ مَا كَانَ اللّٰهُ مِنَ الْمَسْؤُوْلِيْنَ۔ وَ اعْلَمْ أَنَّ هٰذَا الْفَيْضَ جَارٍ عَلَى الْاِتِّصَالِ بِوَجْهِ الْكَمَالِ وَلَوْ فُرِضَ انْقِطَاعُهٗ طُرْفَةَ عَيْنٍ لَّفَسَدَتِ السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ وَمَا فِيْهِنَّ وَلٰكِنْ أَحَاطَ صَحِيْحًا وَّ مَرِيْضًا وَّيَفَاعًا وَّ حَضِيْضًا وَّشَجَرًا وَّ حَجَرًا وَّ كُلَّ مَا فِي الْعَالَمِيْنَ۔ وَ قَدَّمَ اللّٰهُ هٰذَا الْفَيْضَ فِيْ كِتَابِهٖ وَضْعًا لِّتَقَدُّمِهٖ فِيْ عَالَمِ أَسْبَابِهٖ

کسی زمین کو۔ بلکہ اس کی رحمت کا پانی ہر چیز پر نازل ہوا اور اسے زندگی عطا کی۔ اس فیضان نے تمام کائنات کی آشکارہ اور پوشیدہ اشیاء کا احاطہ کر رکھا ہے۔ پس ہر چیز اُسی اللہ کی صنعت ہے۔ جس نے ہر چیز کو (اس کی ضرورت کے مطابق) بناوٹ دی۔ اور انسان کی پیدائش کا آغاز گیلی مٹی سے کیا۔ اس فیضان کا نام ربوبیت ہے اور اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ ہر سعید انسان میں سعادت کی تخم ریزی کرتا ہے۔ نیکیوں کے ثمرات، نیک بختی کا مادہ، پارسائی اور حزم وتقویٰ کے آثار اور ہر وہ خوبی جو صاحبِ رشد لوگوں میں پائی جاتی ہے اسی فیض ربوبیت پر موقوف ہے۔ اور ہر بدبخت، نیک بخت، پاک ناپاک اپنا حِصّہ پاتا ہے۔ جس طرح اس کے ربّ نے اپنے مرتبہ ربوبیت میں اس کے لئے چاہا۔ پس یہ فیضان جسے چاہے انسان بنا دیتا ہے۔ جسے چاہے گدھا بنا دیتا ہے۔ جس چیز کو چاہے پیتل بنا دیتا ہے اور جسے چاہے سونا بنا دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی کے سامنے جوابدہ نہیں۔ اور یہ بھی واضح ہو کہ یہ فیضان لگاتار پورے کمال کے ساتھ جاری ہے اور اگر ایک لحظہ کے لئے بھی اس کا انقطاع فرض کر لیا جائے تو زمین وآسمان اور ان کی موجودات تباہ وبرباد ہو جائیں۔ لیکن یہ فیضان ہر تندرست اور مریض، بلندی اور پستی، درخت اور پتھر اور جو کچھ دونوں جہانوں میں ہے سب پر محیط ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اس فیض کو سب سے پہلے اس لئے بیان فرمایا کہ عالم اسباب میں وہ طبعاً تقدّم رکھتا ہے۔ پس

طَبْعًا فَلَيْسَ هٰذَا التَّقْدِيْمُ مَحْدُوْدًا فِيْ تَوْشِيَةِ الْكَلَامِ وَمَحْصُوْرًا فِيْ رِعَايَةِ الصَّفَآءِ التَّآمِّ بَلْ هِيَ بَلَاغَـةٌ حِـكْـمِيَّـةٌ لِإِرَآءَةِ النِّظَامِ مِنْ حَيْثُ إِنَّهٗ تَعَالٰى جَعَلَ أَقْوَالَهٗ مِرْاٰةً لِّرُؤْيَةِ أَفْعَالِهِ الْمَوْجُوْدَةِ فِيْ طَبَقَاتِ الْأَنَامِ لِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُ الْعَارِفِيْنَ۔

وَالْقِسْمُ الثَّانِيْ مِنَ الصِّفَاتِ الْفَيْضَانِيَّةِ صِفَةٌ يُّسَمِّيْهَا رَبُّنَا الرَّحْمٰنَ۔ وَلَا بُدَّ مِنْ أَنْ نُسَمِّيَ فَيْضَانَهٗ فَيْضَانًا عَامًّا وَّرَحْمَانِيَّةً۔ وَّلَهٗ مَرْتَبَةٌ بَعْدَ مَرْتَبَةِ الْفَيْضَانِ الْأَعَمِّ وَهُوَ أَخَصُّ مِنَ الْفَيْضَانِ الْأَوَّلِ وَلَا يَنْتَفِعُ مِنْهُ إِلَّا ذَوُو الرُّوْحِ مِنْ أَشْيَآءِ السَّمَآءِ وَالْأَرْضِيْنَ۔ وَإِنَّ اللّٰهَ فِيْ وَقْتِ هٰذَا الْفَيْضِ لَا يَنْظُرُ الْاِسْتِحْقَاقَ وَالْعَمَلَ وَالشُّكْرَ بَلْ يُنَزِّلُهٗ فَضْلًا مِّنْهُ عَلٰى كُلِّ ذِيْ رُوْحٍ إِنْسَانًا كَانَ أَوْ حَيَوَانًا مَّجْنُوْنًا كَانَ أَوْ عَاقِلًا مُّؤْمِنًا كَانَ أَوْ كَافِرًا وَّيُنَجِّيْ كُلَّ رُوْحٍ مِّنْ هَلَكَةٍ دَانَتْ مِنْهَا بَعْدَ مَا كَادَتْ تَهْوِيْ فِيْهَا وَيُعْطِيْ كُلَّ شَيْءٍ خَلْقًا يَّنْفَعُهٗ لِأَنَّ اللّٰهَ جَوَّادٌ بِالذَّاتِ وَلَيْسَ بِضَنِيْنٍ۔ فَكُلُّ مَا تَرٰى فِي السَّمَآءِ مِنَ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ وَالنُّجُوْمِ وَ الْمَطَرِ وَالْهَوَآءِ وَمَا تَرٰى فِي الْأَرْضِ مِنَ الْأَنْهَارِ وَالْأَشْجَارِ وَالْأَثْمَارِ وَ

یہ ترتیب محض کلام کو سجانے اور سلاست وروانی کے پیشِ نظر ہی نہیں بلکہ اس میں تو حکیمانہ بلاغت سے نظام کائنات کو دکھانا مقصود ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے اقوال اس کے ان افعال کے دکھانے کے لئے آئینہ ہیں جو اس کی مخلوق کے مختلف طبقات میں (بلحاظ ترتیب) موجود ہیں تا اس سے عارفوں کے دل تسلّی پائیں۔

ان صفاتِ فیضانیہ کی دوسری قسم وہ صفت ہے جس کا نام ہمارا پروردگار ''الرَّحمان'' رکھتا ہے۔ پس ضروری ہے کہ ہم بھی اس فیضان کو فیضان عام اور رحمانیت کے نام سے پکاریں۔اس کا مرتبہ فیضان اعم (ربوبیت) کے بعد ہے اور اس فیضان کا دائرہ عمل اُس پہلے فیضان سے اخص ہے اور اس سے آسمان اور زمینوں کی صرف جاندار اشیاء ہی نفع حاصل کرتی ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے اس فیض کے وقت کسی خاص حق، عمل یا شکر کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ محض اپنے فضل سے ہر ذی روح پر اس فیضان کو جاری رکھتا ہے چاہے وہ انسان ہو یا حیوان۔ دیوانہ ہو یا عاقل، مومن ہو یا کافر، اور ہر روح کو ہلاکت سے بچاتا ہے جو اس کے قریب پہنچ چکی ہو اور وہ (روح) اس میں گرنے ہی لگی ہو اور ہر شے کو ایسی شکل وصورت عطا کرتا ہے جو اس کے لئے مفید ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ بالذّات سخی ہے اور ہرگز بخیل نہیں اور جو کچھ تمہیں آسمان میں نظر آتا ہے مثلاً سورج، چاند، ستارے، بارش اور ہوا اور جو کچھ زمین میں نظر آرہا ہے مثلاً نہریں، درخت اور پھل،

الْأَدْوِيَةِ النَّافِعَةِ وَالْأَلْبَانِ السَّائِغَةِ وَالْعَسَلِ الْمُصَفّٰى فَكُلُّهَا مِنْ رَّحْمَانِيَّتِهٖ عَزَّوَجَلَّ لَا مِنْ عَمَلِ الْعَامِلِيْنَ۔ وَ إِلٰى هٰذَا الْفَيْضَانِ أَشَارَ اللهُ تَعَالٰى فِيْ قَوْلِهٖ ’’وَ رَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ[1]‘‘ وَ فِيْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى: ’’اَلرَّحْمٰنُ۔ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ[2]‘‘ وَفِيْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى ’’مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ[3]‘‘ وَفِيْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى ’’مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا الرَّحْمٰنُ[4]‘‘ تَذْكِرَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ۔

نفع مند دوائیں، خوشگوار دودھ اور مصفّا شہد، یہ سب خدائے عزّو جلّ کی رحمانیت سے ہیں نہ کسی عامل کے عمل کی وجہ سے۔ اس فیضان کی طرف اللہ تعالیٰ نے اپنی ان آیات میں اشارہ فرمایا ہے۔ وَ رَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ۔ اَلرَّحْمٰنُ ۔ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ، مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ ۔ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا الرَّحْمٰنُ ۔ یہ سب (آیات) متقیوں کے لئے بطور یاددہانی کے ہیں۔

وَلَوْ لَمْ يَكُنْ هٰذَا الْفَيْضَانُ لَمَا كَانَ لِطَيْرٍ أَنْ يَّطِيْرَ فِي الْهَوَآءِ وَلَا لِحُوْتٍ أَنْ يَّتَنَفَّسَ فِي الْمَآءِ وَ لَأَبَادَ كُلَّ مُعِيْلٍ ضَفَفُهٗ وَكُلَّ ذِيْ قَشَفٍ شَظَفُهٗ وَمَا بَقِيَ سَبِيْلٌ لِإِمَاطَتِهٖ كَمَا لَا يَخْفٰى عَلَى الْمُسْتَطْلِعِيْنَ۔

اگر یہ فیضان نہ ہوتا تو نہ کوئی پرندہ ہوا میں اُڑ سکتا نہ کوئی مچھلی پانی میں سانس لے سکتی۔ اور ہر عیال دار کو اس کے مال کی قلّت اور اولاد کی کثرت اور ہر تنگ دست کو اس کی روزی کی تنگی ہلاک کر دیتی۔ اور اس کے ازالہ کی کوئی صورت باقی نہ رہ جاتی۔ جیسا کہ واقفِ حال (لوگوں) پر ظاہر ہے۔

أَلَا تَرٰى كَيْفَ يُحْيِي اللهُ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَ يُكَوِّرُ اللَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى اللَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِأَجَلٍ مُّسَمًّى إِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَاتِ رَحْمَانِيَّةٍ لِّلْمُتَدَبِّرِيْنَ۔ وَ جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَ النَّهَارَ

کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ زمین کے مرجانے کے بعد اس کو کس طرح زندہ کرتا ہے اور رات کو دن پر اوڑھا دیتا ہے اور دن کو رات پر اوڑھا دیتا ہے اور اس نے سورج اور چاند کو خدمت پر لگا رکھا ہے (چنانچہ) ہر ایک (سیّارہ) ایک معیّن میعاد تک (اپنے مقررہ راستہ پر) چلا جارہا ہے۔ اس میں غور وفکر کرنے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی

۱۔ (الاعراف:۱۵۷) ترجمہ۔ اور میری رحمت ہر ایک چیز کو حاوی ہے۔
۲۔ (الرحمٰن:۲، ۳) ترجمہ۔ (وہ) رحمٰن (خدا) ہی ہے جس نے قرآن سکھایا۔
۳۔ (الانبیاء:۴۳) ترجمہ۔ رات یا دن کے وقت رحمٰن (خدا) کی گرفت سے تم کو کون بچا سکتا ہے۔
۴۔ (الملک:۲۰) ترجمہ۔ رحمٰن (خدا) ہی ان کو روکتا ہے۔

مُبْصِرًا وَّجَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ قَرَارًا وَّ السَّمَآءَ بِنَاءً وَّ صَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَ رَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبَاتِ فَذَالِكُمُ الرَّحْمٰنُ رَبُّكُمْ مُرَبِّي الْمَسَاكِيْنِ. وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَحْمَانِيَّتِهٖ فَجَعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْهِمْ سُلْطَانًا مُّبِيْنًا وَّمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ وَ كَانُوْا مِنَ الْغَافِلِيْنَ.

رحمانیت کے کھلے کھلے نشانات ہیں۔ پھر اس نے تمہارے لئے رات کو اس لئے بنایا ہے کہ تم اس میں آرام پاؤ اور دن کو روشن بنایا ہے اسی طرح اُس نے زمین کو تمہارے لئے جائے قیام بنایا ہے اور آسمان کو ایک مکان کی صورت میں (حفاظت کے لئے بنایا ہے) اور اس نے تمہیں صورتیں بخشیں اور تمہاری صورتوں کو اچھا بنایا۔ اور تم کو پاکیزہ رزق بخشا ہے۔ پس یہی رحمان تمہارا پروردگار ہے جو مسکینوں کی پرورش کرنے والا ہے۔ جو لوگ اس کی رحمانیت کے منکر ہیں انہوں نے اپنے خلاف اللہ تعالیٰ کو ایک کھلا کھلا ثبوت مہیّا کر دیا ہے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی صفات کا اندازہ اس طرح نہیں کیا جس طرح کرنا چاہئے تھا وہ غافل ہی رہے۔

أَلَا يَرَوْنَ إِلَى الشَّمْسِ الَّتِيْ تَجْرِيْ مِنَ الْمَشْرِقِ إِلَى الْمَغْرِبِ. أَكَانَ خَلْقُهَا وَجَرْيُهَا مِنْ عَمَلِهِمْ أَوْ مِنْ تَفَضُّلِ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْ وَسِعَتْ رَحْمَانِيَّتُهُ الصَّالِحِيْنَ وَ الظَّالِمِيْنَ. وَ كَذٰلِكَ يُنَزِّلُ اللّٰهُ مَآءً فِيْ أَوْقَاتِهٖ فَيُنْشِئُ بِهٖ زُرُوْعًا وَّ أَشْجَارًا فِيْهَا فَوَاكِهُ كَثِيْرَةٌ أَفَهٰذِهِ النَّعْمَآءُ مِنْ عَمَلِ عَامِلٍ أَوْ رَحْمَانِيَّةٍ خَالِصَةٍ مِّنَ اللّٰهِ تَعَالَى الَّذِيْ نَجَّانَا مِنْ كُلِّ اعْتِيَاصِ الْمَعِيْشَةِ وَ أَعْطَانَا سُلَّمًا لِّكُلِّ حَاجَةٍ نَّحْتَاجُ فِيْهَا إِلَى الْاِرْتِقَآءِ وَ أَرْشِيَةً نَّحْتَاجُ إِلَيْهَا

کیا وہ سورج کو نہیں دیکھتے جو مشرق سے مغرب کو چلا جا رہا ہے۔ کیا اس کی پیدائش اور اس کی یہ حرکت ان کے کسی اپنے عمل کا نتیجہ ہے؟ یا محض اس خدائے رحمان کے فضل سے ہے کہ جس کی رحمانیت نیکوکاروں اور ظالموں پر (یکساں) حاوی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ پانی کو اس کی ضرورت کے وقتوں پر برساتا ہے۔ اور اس کے ذریعہ کھیتیاں اور درخت اُگاتا ہے۔ جن میں بڑی کثرت سے پھل (لگتے) ہیں۔ کیا یہ (ساری) نعمتیں کسی کے کسی عمل کے نتیجہ میں ہیں یا اس خدا تعالیٰ کی خالص رحمانیت سے ہیں جس نے ہمیں سامان زیست کی تنگی سے نجات دی ہے۔ ہمیں ہر ضرورت میں ارتقا کے لئے ایک سیڑھی دی ہے اور رسیاں بھی دی ہیں۔ جن کی ہمیں پانی حاصل کرنے کے لئے ضرورت پڑتی ہے۔ پس پاک ہے وہ ذات جس نے اپنی رحمانیت کے نتیجہ میں ہم پر انعام کیا۔ ورنہ ہمارا ایسا کوئی عمل

لِلْاِسْتِسْقَآءِ۔ فَسُبْحَانَ اللهِ الَّذِیْ أَنْعَمَ عَلَیْنَا بِرَحْمَانِیَّتِهٖ وَمَا کَانَ لَنَا مِنْ عَمَلٍ نَّسْتَحِقُّ بِهٖ بَلْ خَلَقَ نَعْمَآئَهٗ قَبْلَ أَنْ نُّخْلَقَ فَانْظُرْ هَلْ تَرٰی مِثْلَهٗ فِی الْمُنْعِمِیْنَ۔ فَحَاصِلُ الْکَلَامِ أَنَّ الرَّحْمَانِیَّةَ رَحْمَةٌ عَآمَّةٌ لِّنَوْعِ الْإِنْسَانِ وَالْحَیَوَانِ وَلِکُلِّ ذِیْ رُوْحٍ وَکُلِّ نَفْسٍ مَّنْفُوْسَةٍ مِنْ غَیْرِ إِرَادَةِ أَجْرِ عَمَلٍ وَّمِنْ غَیْرِ لِحَاظِ اسْتِحْقَاقِ عَبْدٍ بِصَلَاحِهٖ وَتَوَرُّعِهٖ فِی الدِّیْنِ۔

نہیں تھا، جو ہمیں اس کا مستحق بنا دیتا۔ بلکہ اس نے اپنی یہ نعمتیں ہماری پیدائش سے بھی پہلے پیدا کر رکھی ہیں۔ پس خوب غور کرو کیا تمہیں اس شان کا کوئی فیاض اور منعم کہیں نظر آتا ہے۔ حاصل کلام یہ کہ رحمانیت بنی نوع انسان اور حیوان کے لئے اور ہر جاندار اور ہر پیدا شدہ جان کے لئے ایک عام رحمت ہے جو کسی عمل پر اجر دینے کے ارادہ کے بغیر نیز کسی شخص کے تقویٰ اور نیکی پر بطور حق کے نہیں۔

وَالْقِسْمُ الثَّالِثُ مِنَ الصِّفَاتِ الْفَیْضَانِیَّةِ صِفَةٌ یُّسَمِّیْهَا رَبُّنَا الرَّحِیْمَ وَلَا بُدَّ مِنْ أَنْ نُّسَمِّیَ فَیْضَانَهَا فَیْضَانًا خَاصًّا وَّرَحِیْمِیَّةً مِّنَ اللهِ الْکَرِیْمِ لِلَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ الصَّالِحَاتِ وَ یُشَمِّرُوْنَ وَلَا یَقْصُرُوْنَ وَ یَذْکُرُوْنَ وَلَا یَغْفُلُوْنَ وَ یُبْصِرُوْنَ وَلَا یَتَعَامَوْنَ وَیَسْتَعِدُّوْنَ لِیَوْمِ الرَّحِیْلِ وَیَتَّقُوْنَ سُخْطَ الرَّبِّ الْجَلِیْلِ وَیَبِیْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّ قِیَامًا وَّ یُصْبِحُوْنَ صَآئِمِیْنَ۔ وَلَا یَنْسَوْنَ مَوْتَهُمْ وَ رُجُوْعَهُمْ إِلٰی مَوْلٰهُمُ الْحَقِّ بَلْ یَعْتَبِرُوْنَ بِنَعْیٍ یُّسْمَعُ یَرْتَاعُوْنَ لِإِلْفٍ یُّفْقَدُ وَیَذْکُرُوْنَ مَنَایَاهُمْ مِنْ مَّوْتِ الْأَحْبَابِ وَ یَهُوْلُهُمْ هَیْلُ التُّرَابِ عَلَی الْأَتْرَابِ فَیَلْتَاعُوْنَ وَ یَتَنَبَّهُوْنَ وَ یُرِیْهِمُ

فیضانی صفات میں سے تیسری قسم وہ صفت ہے جس کا نام ہمارے پروردگار نے الرَّحیم رکھا ہے۔ اور ضروری ہے کہ ہم اس فیضان کو فیضانِ خاص کے نام سے پکاریں اور یہ رحیمیّت خدائے کریم کی طرف سے ان لوگوں کے لئے ہے جو نیک کام کرتے ہیں۔ ہر وقت نیک کاموں کے لئے تیار رہتے ہیں اور کوئی کوتاہی نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ کو یاد رکھتے ہیں کبھی غافل نہیں ہوتے۔ آنکھوں سے کام لیتے ہیں، اندھے نہیں بنتے۔ کوچ کے دن کے لئے تیار رہتے ہیں اور ربِّ جلیل کی ناراضگی سے بچتے ہیں۔ اپنے ربّ کے لئے سجدہ اور قیام میں راتیں گزارتے ہیں۔ دن کو روزہ رکھتے ہیں۔ اپنی موت اور اپنے مالک حقیقی کی طرف واپس لوٹنے کو نہیں بھولتے۔ کسی کی موت کی خبر سُن کر عبرت حاصل کرتے ہیں۔ کسی دوست کے گم ہو

اخْتِرَامُ الْأَحِبَّةِ مَوْتَ أَنْفُسِهِمْ فَيَتُوْبُوْنَ إِلَى اللّٰهِ وَهُمْ مِّنَ الصَّالِحِيْنَ. فَلَعَلَّكَ فَهِمْتَ أَنَّ هٰذَا الْفَيْضَانَ يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ عَلٰى شَرِيْطَةِ الْعَمَلِ وَ التَّوَرُّعِ وَ السَّمَتِ الصَّالِحَةِ وَالتَّقْوٰى وَ الْإِيْمَانِ وَلَا وُجُوْدَ لَهٗ إِلَّا بَعْدَ وُجُوْدِ الْعَقْلِ وَالْفَهْمِ وَبَعْدَ وُجُوْدِ كِتَابِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَحُدُوْدِهٖ وَأَحْكَامِهٖ وَ كَذٰلِكَ الْمَحْرُوْمُوْنَ مِنْ هٰذِهِ النِّعْمَةِ لَا يَسْتَحِقُّوْنَ عِتَابًا وَّ مُؤَاخَذَةً مِّنْ قَبْلِ هٰذِهِ الشَّرَآئِطِ.

فَظَهَرَ أَنَّ الرَّحِيْمِيَّةَ تَوْءَمٌ لِّكِتَابِ اللّٰهِ وَتَعْلِيْمِهٖ وَتَفْهِيْمِهٖ فَلَا يُؤْخَذُ أَحَدٌ قَبْلَهٗ وَلَا يُدْرِكُ أَحَدًا عَطَبُ الْقَهْرِ إِلَّا بَعْدَ ظُهُوْرِ هٰذِهِ الرَّحِيْمِيَّةِ وَلَا يُسْأَلُ فَاسِقٌ عَنْ فِسْقِهٖ إِلَّا بَعْدَهَا. فَخُذْ هٰذَا السِّرَّ مِنِّيْ وَ هُوَ رَدٌّ عَلَى الْمُتَنَصِّرِيْنَ فَإِنَّهُمْ قَآئِلُوْنَ بِلَسْعِ الذَّنْبِ مِنْ اٰدَمَ إِلَى انْقِطَاعِ الدُّنْيَا وَيَقُوْلُوْنَ إِنَّ كُلَّ عَبْدٍ مُّذْنِبٌ سَوَآءٌ عَلَيْهِ بَلَغَهٗ كِتَابٌ مِّنَ اللّٰهِ تَعَالٰى وَأُعْطِيَ لَهٗ

جانے پر کانپ اُٹھتے ہیں۔ دوستوں کی موت سے اپنی موتوں کو یاد کرتے ہیں۔ اپنے ہم عمر ساتھیوں پر مٹی ڈالنا انہیں خوف دلاتا ہے۔ پس وہ ان کے غم سے جلتے ہیں اور خود ہوشیار ہو جاتے ہیں۔ دوستوں کی مفارقت انہیں اپنی موت (کا نظارہ) دکھا دیتی ہے۔ پس وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور نیکوکار بن جاتے ہیں۔ اب شاید تم سمجھ گئے ہو گے کہ اس فیضان کا آسمان سے نازل ہونا عمل (صالح) پرہیزگاری، راست روی، پارسائی اور ایمان کے ساتھ مشروط ہے اس فیض کا وجود عقل اور فہم کے وجود اور کتاب اللہ اور اس کی حدود اور احکام کے نازل ہونے کے بعد ممکن ہے۔ اسی طرح جو لوگ اس نعمت سے محروم ہیں وہ ان شرائط (کے پورا ہونے) سے قبل کسی عتاب یا مؤاخذہ کے مستحق نہیں ٹھہرتے۔

لہٰذا ظاہر ہو گیا کہ رحیمیت کی صفت اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کی تعلیم و تفہیم کی توام ہے۔ اور اس (کتاب اللہ کے نزول) سے قبل کسی پر گرفت نہیں ہوتی اور نہ کسی پر اللہ تعالیٰ کا شدید غضب نازل ہوتا ہے جب تک یہ رحیمیّت ظاہر نہ ہو۔ کسی بدکار انسان سے اس کی بدکاری کے متعلق مؤاخذہ اس کے بعد ہی ہو گا۔ پس یہ بھید کی بات مجھ سے سمجھ لے اور یہ عیسائیوں کی زبردست تردید ہے کیونکہ وہ تو آدم سے لے کر دنیا کے خاتمہ تک گناہ کی نیش زنی کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ ہر انسان گنہگار ہے خواہ اُسے خدا تعالیٰ کی کتاب پہنچی ہو اور اُسے عقلِ سلیم عطا ہوئی ہو یا وہ معذوروں میں سے ہو اور ان کا دعویٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ مسیح علیہ السلام (کی صلیبی موت) پر ایمان لائے بغیر کسی کو نہیں بخشتا اور ان کا یہ

عَقْلٌ سَلِيْمٌ أَوْ كَانَ مِنَ الْمَعْذُوْرِيْنَ وَ زَعَمُوْا أَنَّ اللهَ تَعَالٰى لَا يَغْفِرُ اَحَدًا إِلَّا بَعْدَ إِيْمَانِهٖ بِالْمَسِيْحِ وَ زَعَمُوْا أَنَّ أَبْوَابَ النَّجَاةِ مُغْلَقَةٌ لِّغَيْرِهٖ وَ لَا سَبِيْلَ إِلَى الْمَغْفِرَةِ بِمُجَرَّدِ الْأَعْمَالِ فَإِنَّ اللهَ عَادِلٌ وَالْعَدْلُ يَقْتَضِيْ أَنْ يُّعَذَّبَ مَنْ كَانَ مُذْنِبًا وَّ كَانَ مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ. فَلَمَّا حَصْحَصَ الْيَأْسُ مِنْ أَنْ تَطْهُرَ النَّاسُ بِأَعْمَالِهِمْ أَرْسَلَ اللهُ ابْنَهُ الطَّاهِرَ لِيَزِرَ وِزْرَ النَّاسِ عَلٰى عُنُقِهٖ ثُمَّ يُصَلَّبَ وَيُنَجِّيَ النَّاسَ مِنْ أَوْزَارِهِمْ فَجَآءَ الْاِبْنُ وَقُتِلَ وَنَجَى النَّصَارٰى فَدَخَلُوْا فِيْ حَدَآئِقِ النَّجَاةِ فَرِحِيْنَ. هٰذِهٖ عَقِيْدَتُهُمْ وَلٰكِنْ مَنْ نَّقَدَهَا بِعَيْنِ الْمَعْقُوْلِ وَوَضَعَهَا عَلٰى مِعْيَارِ التَّحْقِيْقَاتِ سَلَكَهَا مَسْلَكَ الْهَذَيَانَاتِ. وَ إِنْ تَعْجَبْ فَمَا تَجِدُ أَعْجَبَ مِنْ قَوْلِهِمْ هٰذَا. لَا يَعْلَمُوْنَ أَنَّ الْعَدْلَ أَهَمُّ وَأَوْجَبُ مِنَ الرَّحْمِ فَمَنْ تَرَكَ الْمُذْنِبَ وَأَخَذَ الْمَعْصُوْمَ فَفَعَلَ فِعْلًا مَّا بَقِيَ مِنْهُ عَدْلٌ وَّلَا رَحْمٌ وَّمَا يَفْعَلُ مِثْلَ ذٰلِكَ إِلَّا الَّذِيْ هُوَ أَضَلُّ مِنَ الْمَجَانِيْنَ. ثُمَّ إِذَا كَانَتِ الْمُؤَاخَذَاتُ مَشْرُوْطَةً بِوَعْدِ اللهِ تَعَالٰى وَوَعِيْدِهٖ فَكَيْفَ يَجُوْزُ

بھی دعویٰ ہے کہ مسیحؑ پر ایمان نہ لانے والے پر نجات کے دروازے بند ہیں۔ اور محض اعمال سے مغفرت تک پہنچنے کا کوئی امکان نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ عادل ہے اور عدل اس بات کا مقتضی ہے کہ جو بھی گنہ گار اور مجرم ہو اس کو سزا دی جائے۔ پس جب اس بارہ میں کامل مایوسی واضح ہوگئی کہ لوگ اپنے اعمال کے ذریعہ (گناہوں سے) پاک ہوسکیں تو اللہ تعالیٰ نے اپنے پاکیزہ بیٹے کو بھیجا تا وہ لوگوں کے (گناہ کے) بوجھ اپنی گردن پر اُٹھا لے اور پھر صلیب دیا جائے۔ اور اس طرح لوگوں کو ان کے (گناہ کے) بوجھوں سے نجات دلائے۔ پس خدا کا بیٹا آیا اور وہ خود قتل ہوا اور عیسائیوں نے نجات پائی اور وہ نجات کے باغیچوں میں خوش وخرم داخل ہوگئے۔ یہ ان کا عقیدہ ہے لیکن جو شخص عقل کی آنکھ سے اس عقیدہ کو پرکھے اور اسے تحقیقات کی کسوٹی پر کسے تو وہ اسے محض غیر معقول باتوں کا سلسلہ قرار دے گا۔ اگر تُو (اس عقیدہ پر) تعجب کرے (تو بجا ہے) کیونکہ تُو ان کے اس دعویٰ سے زیادہ عجیب بات اور کہیں نہیں پائے گا۔ وہ نہیں جانتے کہ عدل (ان معنی میں کہ بے گناہ کو سزا نہ دی جائے) رحم سے بھی زیادہ اہم اور ضروری ہے۔ پس جو گناہگار کو چھوڑ دے اور بے گناہ کو سزا دے اس نے ایک ایسا فعل کیا جس سے نہ عدل باقی رہ گیا اور نہ رحم اور ایسا کام سوائے اس کے کوئی نہیں کرسکتا جو پاگلوں سے بھی گیا گزرا ہو۔ پھر جبکہ مواخذہ خدا تعالیٰ کے وعدہ اور وعید کے

تَعْذِيْبَ أَحَدٍ قَبْلَ إِشَاعَةِ قَانُوْنِ الْأَحْكَامِ وَ تَشْيِيْدِهٖ وَ كَيْفَ يَجُوْزُ أَخْذُ الْأَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ عِنْدَ صُدُوْرِ مَعْصِيَةٍ مَّا سَبَقَهَا وَعِيْدٌ عِنْدَ ارْتِكَابِهَا وَمَا كَانَ أَحَدٌ عَلَيْهَا مِنَ الْمُطَّلِعِيْنَ۔

فَالْحَقُّ أَنَّ الْعَدْلَ لَا يُوْجَدُ أَثَرُهٗ إِلَّا بَعْدَ نُزُوْلِ كِتَابِ اللّٰهِ وَ وَعْدِهٖ وَ وَعِيْدِهٖ وَ أَحْكَامِهٖ وَحُدُوْدِهٖ وَ شَرَآئِطِهٖ۔ وَ إِضَافَةُ الْعَدْلِ الْحَقِيْقِيِّ إِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى بَاطِلٌ لَّا أَصْلَ لَهَا لِأَنَّ الْعَدْلَ لَا يُتَصَوَّرُ إِلَّا بَعْدَ تَصَوُّرِ الْحُقُوْقِ وَ تَسْلِيْمِ وُجُوْبِهَا وَلَيْسَ لِأَحَدٍ حَقٌّ عَلٰى رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔ أَلَا تَرٰى أَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ كُلَّ حَيَوَانٍ لِّلْإِنْسَانِ وَأَبَاحَ دِمَآئَهَا لِأَدْنٰى ضُرُوْرَتِهٖ فَلَوْ كَانَ وُجُوْبُ الْعَدْلِ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ تَعَالٰى لَمَا كَانَ لَهٗ سَبِيْلٌ لِّإِجْرَاءِ هٰذِهِ الْأَحْكَامِ وَ إِلَّا فَكَانَ مِنَ الْجَآئِرِيْنَ ۔وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ فِيْ مَلَكُوْتِهٖ يُعِزُّ مَنْ يَّشَآءُ وَ يُذِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَ يُحْيِيْ مَنْ يَّشَآءُ وَ يُمِيْتُ مَنْ يَّشَآءُ يَرْفَعُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَضَعُ مَنْ يَّشَآءُ ۔ وَ وُجُوْدُ الْحُقُوْقِ يَقْتَضِيْ خِلَافَ ذٰلِكَ

ساتھ مشروط ہے تو پھر ضابطہ احکام کی اشاعت اور اس کے استحکام سے قبل کسی کو سزا دینا کس طرح جائز ہوسکتا ہے؟ اور پھر کسی معصیت کے سرزد ہونے پر پہلوں، پچھلوں کو گرفت کرنا کس طرح جائز ہے۔ جبکہ اس سے پہلے یہ وعید موجود نہ ہو کہ مرتکب کو گرفت ہوگی حالانکہ اس سے پہلے اس کے معصیت ہونے پر کسی کو اطلاع نہ تھی۔

سچی بات تو یہ ہے کہ عدل کا وجود پایا نہیں جاتا مگر خدا تعالیٰ کی کتاب اس کے وعدہ اور اس کی وعید اس کے احکام اور اس کی حدود اور اس کی شرائط کے نزول کے بعد۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف عدل حقیقی کی اضافت قطعاً غلط اور بے بنیاد ہے۔ کیونکہ عدل کا تصوّر تب ہوسکتا ہے جب اس سے پہلے حقوق کا تصوّر کیا جائے اور ان کے وجوب کو تسلیم کر لیا جائے مگر ربّ العالمین پر تو کسی کا کوئی حق نہیں ہوسکتا۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اُس نے ہر حیوان کو انسان کی خدمت میں لگایا ہوا ہے؟ اس کی ادنیٰ ضرورت کے لئے بھی اس کا خون بہانے کو جائز رکھا ہے۔ اگر عدل کو بطور حق کے اللہ کے ذمہ واجب قرار دیا جائے تو پھر اس کے لئے ایسے احکام کے جاری کرنے کا کوئی موقعہ نہیں تھا ورنہ اس کا شمار ظالموں میں ہوتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ اپنی بادشاہت میں جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ وہ جسے چاہے عزّت دیتا ہے اور جسے چاہے ذلیل کرتا ہے۔ جسے چاہے زندہ رکھتا ہے اور جسے چاہے موت دیتا ہے جسے چاہے وہ بلند کرتا ہے اور جس کو چاہے پست کر دیتا ہے مگر حقوق کے وجود کا تقاضا اس سے اُلٹ ہے بلکہ یہ تو اس کے ہاتھ کو باندھ دیتا

بَلْ يَجْعَلُ يَدَاهُ مَغْلُوْلَةً وَّ أَنْتَ تَرٰى أَنَّ الْمُشَاهَدَةَ تُكَذِّبُهَا وَقَدْ خَلَقَ اللّٰهُ مَخْلُوْقَهٗ عَلٰى تَفَاوُتِ الْمَرَاتِبِ فَبَعْضُ مَخْلُوْقِهٖ أَفْرَاسٌ وَّحَمِيْرٌ وَّبَعْضُهٗ جِمَالٌ وَّنُوْقٌ وَّكِلَابٌ وَّ ذِيَابٌ وَّ نُمُوْرٌ وَّجَعَلَ لِبَعْضِ مَخْلُوْقِهٖ سَمْعًا وَّبَصَرًا وَّخَلَقَ بَعْضَهُمْ صُمًّا وَّجَعَلَ بَعْضَهُمْ عَمِيْنَ. فَلِأَيِّ حَيَوَانٍ حَقٌّ أَنْ يَّقُوْمَ وَيُخَاصِمَ رَبَّهٗ أَنَّهٗ لِمَ خَلَقَهٗ كَذَا وَلَمْ يَخْلُقْهُ كَذَا. نَعَمْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلٰى نَفْسِهٖ حَقَّ الْعِبَادِ بَعْدَ إِنْزَالِ الْكُتُبِ وَتَبْلِيْغِ الْوَعْدِ وَالْوَعِيْدِ وَبَشَّرَ بِجَزَآءِ الْعَامِلِيْنَ. فَمَنْ تَبِعَ كِتَابَهٗ وَنَبِيَّهٗ وَ نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوٰى. وَمَنْ عَصٰى رَبَّهٗ وَأَحْكَامَهٗ وَأَبٰى فَسَيَكُوْنُ مِنَ الْمُعَذَّبِيْنَ. فَلَمَّا كَانَ مِلَاكُ الْأَمْرِ الْوَعْدُ وَالْوَعِيْدُ لَا الْعَدْلُ الْعَتِيْدُ الَّذِيْ كَانَ وَاجِبًا عَلَى اللّٰهِ الْوَحِيْدِ انْهَدَمَ مِنْ هٰذَا الْأُصُوْلِ الْمُنِيْفُ الْمُمَرَّدُ الَّذِيْ بَنَاهُ النَّصَارٰى مِنْ أَوْهَامِهِمْ.

فَثَبَتَ أَنَّ إِيْجَابَ الْعَدْلِ الْحَقِيْقِيِّ عَلَى اللّٰهِ تَعَالٰى خَيَالٌ فَاسِدٌ وَّمَتَاعٌ كَاسِدٌ لَّا يَقْبَلُهٗ إِلَّا مَنْ كَانَ مِنَ

ہے اور تم دیکھتے ہو کہ تمہارا مشاہدہ حقوق کے دعویٰ کو جھٹلاتا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو مختلف درجوں میں پیدا کیا ہے۔ اس کی مخلوق میں سے کچھ تو گھوڑے اور گدھے ہیں۔ کچھ اونٹ اور اونٹنیاں ہیں۔ کچھ کُتّے اور بھیڑیئے ہیں اور چیتے ہیں۔ اس نے کچھ مخلوق کو تو کان اور آنکھیں دی ہیں۔ بعض کو بہرا پیدا کیا ہے اور بعض کو اندھا بنایا ہے پس کس جاندار کو یہ حق ہے کہ وہ کھڑا ہو اور اپنے ربّ سے جھگڑا کرے کہ اُس نے اُسے اس طرح کیوں پیدا کیا؟ اور اُس طرح کیوں پیدا نہیں کیا؟ ہاں اللہ تعالیٰ نے کتابیں بھیجنے اور تبشیر و انذار مکمل کرنے کے بعد خود اپنے اوپر بندوں کا حق قرار دے لیا ہے۔ اور اس نے عمل کرنے والوں کو مناسب جزا کی بشارت دی ہے۔ پس جو شخص اس کی کتاب اور اس کے نبی کی پیروی کرے اور اپنے آپ کو گری ہوئی خواہشات سے روکے رکھے تو یقیناً جنّت ہی اس کا ٹھکانہ ہے لیکن جو شخص اپنے ربّ اور اس کے احکام کی نافرمانی اور انکار کرے تو اس کو ضرور سزا ملے گی۔ پس جبکہ وعدہ وعید پر ہی جزا کا مدار ہے نہ کہ کسی حقیقی عدل پر جو خدائے وحید پر لازم قرار دیا جائے تو اس اصول سے عیسائیوں کے اوہام سے تعمیر کردہ بلند و طویل عمارت دھڑام سے گر جاتی ہے۔

پس ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر عدل حقیقی واجب ٹھہرانا ایک فاسد خیال اور کھوٹی جنس ہے۔ جسے جاہلوں کے سوا اور کوئی قبول نہیں کر سکتا۔ اس (بحث) سے

الْجَاهِلِيْنَ. وَمِنْ هُنَا نَجِدُ أَنَّ بِنَآءَ عَقِيْدَةِ الْكَفَّارَةِ عَلٰى عَدْلِ اللّٰهِ بِنَآءٌ فَاسِدٌ عَلٰى فَاسِدٍ. فَتَدَبَّرْ فِيْهِ فَإِنَّهٗ يَكْفِيْكَ لِكَسْرِ صَلِيْبِ النَّصَارٰى إِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُنَاظِرِيْنَ. وَاسْمُ هٰذِهِ الصِّفَةِ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ تَعَالٰى رَحِيْمِيَّةٌ كَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْ كِتَابِهِ الْعَزِيْزِ ''وَ كَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا''[1] وَقَالَ ''وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ''[2] فَهٰذَا الْفَيْضَانُ لَا يَتَوَجَّهُ إِلَّا إِلَى الْمُسْتَحِقِّ وَلَا يَطْلُبُ إِلَّا عَامِلًا وَّهٰذَا هُوَ الْفَرْقُ بَيْنَ الرَّحْمَانِيَّةِ وَالرَّحِيْمِيَّةِ وَالْقُرْاٰنُ مَمْلُوٌّ مِّنْ نَّظَآئِرِهٖ وَلٰكِنْ كَفَاكَ هٰذَا الْقَدْرُ إِنْ كُنْتَ مِنَ الْعَاقِلِيْنَ.

اَلْقِسْمُ الرَّابِعُ مِنَ الْفَيْضَانِ فَيْضَانٌ نُّسَمِّيْهِ فَيْضَانًا أَخَصَّ وَ مَظْهَرًا تَآمًّا لِّلْمَالِكِيَّةِ وَ هُوَ أَكْبَرُ الْفُيُوْضِ وَأَعْلَاهَا وَ أَرْفَعُهَا وَأَتَمُّهَا وَأَكْمَلُهَا وَمُنْتَهَاهَا وَ ثَمَرَةُ أَشْجَارِ الْعَالَمِيْنَ وَلَا يَظْهَرُ إِلَّا بَعْدَ هَدْمِ عِمَارَاتِ هٰذَا الْعَالَمِ الْحَقِيْرِ الصَّغِيْرِ وَ دُرُوْسِ اَطْلَالِهٖ وَاٰثَارِهٖ وَشُحُوْبِ سَحْنَتِهٖ وَنُضُوْبِ مَآءِ وَجْنَتِهٖ وَأُفُوْلِ نَجْمِهٖ كَالْمُغَرِّبِيْنَ. وَهُوَ عَالَمٌ لَّطِيْفٌ دَقَّتْ أَسْرَارُهٗ وَ كَثُرَتْ أَنْوَارُهٗ يَحَارُ فِيْهَا فَهْمُ

ہمیں پتہ چلتا ہے کہ کفّارہ کے عقیدہ کی بنیاد خدا تعالیٰ کے عدل پر رکھنا بناء فاسد علی الفاسد ہے۔ پس اس بارہ میں خوب غور کرو کیونکہ اگر تم مناظرین اسلام میں سے ہو تو نصاریٰ کی صلیب کو توڑنے کے لئے یہی چیز تمہارے لئے کافی ہے۔ خدا تعالیٰ کی کتاب میں اس صفت کا نام رحیمیت ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے وَ کَانَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَحِیْمًا اور پھر فرمایا وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔ پس یہ فیضان صرف اس کے مستحق کی طرف ہی رُخ کرتا ہے اور صرف عمل کرنے والوں کا ہی متلاشی ہے۔ رحمانیت اور رحیمیت میں یہی فرق ہے اور قرآن کریم اس فرق کی مثالوں سے بھرا پڑا ہے۔ لیکن اس جگہ اتنا بیان ہی کافی ہے اگر تم عقلمندوں میں سے ہو۔

فیضان کی چوتھی قسم وہ فیضان ہے جسے ہم فیضانِ اخص یا مالکیّت کے مظہر تام کے نام سے پکارتے ہیں اور وہ فیوض میں سب سے بڑا، سب سے اعلیٰ، سب سے بلند، جامع، سب سے زیادہ مکمل اور فیوض کا منتہٰی ہے۔ اور تمام جہانوں کے درختوں کا پھل بھی۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس فیضان کا ظہور کامل اِس حقیر اور صغیر عالم کی عمارتوں کے مسمار ہونے، اس کے کھنڈروں اور نشانات کے مٹ جانے، اس کے رنگ وروپ کے متغیر ہو جانے اور اس کے رخساروں کی آب وتاب زائل ہو جانے اور سب غروب ہونے والوں کی طرح

۱۔ (الاحزاب: ۴۴) ترجمہ۔ اور وہ مومنوں پر بار بار رحم کرنے والا ہے

۲۔ (البقرۃ: ۲۱۹) ترجمہ۔ اور اللہ بہت بخشنے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

الْمُتَفَكِّرِيْنَ۔ وَإِنْ قُلْتَ لِمَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْ هٰذَا الْمَقَامِ مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ وَمَا قَالَ عَادِلِ يَوْمِ الدِّيْنِ۔ فَاعْلَمْ أَنَّ السِّرَّ فِيْ ذٰلِكَ أَنَّ الْعَدْلَ لَا يَتَحَقَّقُ إِلَّا بَعْدَ تَحَقُّقِ الْحُقُوْقِ وَلَيْسَ لِأَحَدٍ مِّنْ حَقٍّ عَلَى اللّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔ وَنَجَاةُ الْاٰخِرَةِ مَوْهَبَةٌ مِّنَ اللّٰهِ تَعَالٰى لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَ سَارَعُوْا إِلَى امْتِثَالِهٖ وَتَقَبُّلِ أَحْكَامِهٖ وَ عِبَادَتِهٖ وَ مَعْرِفَتِهٖ بِسُرْعَةٍ مُّعْجِبَةٍ كَأَنَّهُمْ كَانُوْا فِيْ نَجَاءِ حَرَكَاتِهِمْ وَمَسَائِحِ غَدَوَاتِهِمْ وَرَوْحَاتِهِمْ مُمْتَطِيْنَ عَلٰى هَوْجَاءَ شِمِلَّةٍ وَّ نُوْقٍ مُّشْمَعِلَّةٍ وَّإِنْ لَّمْ يُتِمُّوْا أَمْرَ الْإِطَاعَةِ وَمَا عَبَدُوْا حَقَّ الْعِبَادَةِ وَمَا عَرَفُوْا حَقَّ الْمَعْرِفَةِ وَلٰكِنْ كَانُوْا عَلَيْهَا حَرِيْصِيْنَ۔ وَ كَذٰلِكَ الَّذِيْنَ عَصَوْا رَبَّهُمْ وَ إِنْ لَّمْ تَبْلُغْ شِقْوَتُهُمْ مَدَاهَا وَلٰكِنْ كَانُوْا إِلَيْهَا مُسَارِعِيْنَ وَكَانُوْا يَعْمَلُوْنَ السَّيِّئَاتِ وَيَزِيْدُوْنَ فِيْ جَرَاءَاتِهِمْ وَمَا كَانُوْا مِنَ الْمُنْتَهِيْنَ۔ فَكُلٌّ يَّرٰى مَا كَانَ فِيْ نِيَّتِهٖ رَحْمَةً مِّنَ اللّٰهِ أَوْ قَهْرًا فَمَنْ

اس کے ستارہ کے غروب ہو جانے کے بعد ہوتا ہے۔ اور مالکیت ایک لطیف عالم ہے۔ جس کے اسرار نہایت دقیق ہیں اور اس کے انوار بہت زیادہ ہیں۔ اس میں غور وفکر کرنے والوں کی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ اور اگر تم پوچھو کہ اس جگہ اللہ تعالیٰ نے مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کیوں کہا اور عَادِلِ يَوْمِ الدِّيْنِ (کیوں) نہیں کہا تو واضح ہو کہ اس میں بھید یہ ہے کہ عدل کا تصوّر اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک حقوق کو تسلیم نہ کر لیا جائے اور جہانوں کے پروردگار خدا پر تو کسی کا کوئی حق نہیں اور آخرت کی نجات خدا تعالیٰ کی طرف سے ان لوگوں کے لئے محض ایک عطیہ ہے جو اس پر ایمان لائے اور جنہوں نے اس کی اطاعت کرنے اور اس کے احکام کو قبول کرنے، اس کی عبادت کو بجالانے اور اس کی معرفت حاصل کرنے کے لئے حیران کن تیزی سے قدم بڑھایا گویا وہ اپنی حرکات کی تیزی میں اور صبح وشام کے سفروں میں تیز رفتار اور تیز گام اُونٹنیوں پر سوار تھے اور گو وہ اطاعت کے معاملہ کو پورے کمال تک نہ پہنچا سکے اور نہ عبادت کا پورا حق ادا کر سکے ہوں اور نہ ہی معرفت کی حقیقت کو پوری طرح پا سکے ہوں لیکن ان باتوں کے حصول کے شدید خواہشمند رہے ہوں۔ اور اسی طرح وہ لوگ جنہوں نے اپنے ربّ کی نافرمانی کی۔ اگر چہ ان کی بدبختی اپنی انتہا کو نہیں پہنچی لیکن وہ اس (بدبختی) کی طرف تیزی سے بڑھتے رہے، بُرے عمل کرتے رہے اور بدی کرنے پر اپنی جرأت میں ترقی کرتے گئے اور وہ (بدی کے کاموں سے) رُکنے والے نہ تھے۔ پس (ایسے لوگوں میں سے) ہر شخص اپنی اپنی نیت کے مطابق اللہ تعالیٰ کی رحمت یا اس کا قہر دیکھے گا۔ پس جس نے اپنا رُخ ادھر پھیرا جدھر سے نسیمِ رحمت آ رہی ہو تو وہ ضرور رحمت سے

ثَاوَحَ مَهَبَّ نَسِيْمِ الرَّحْمَةِ فَسَيَجِدُ حَظًّا مِّنْهَا خَالِدًا فِيْهَا وَمَنْ قَابَلَ صَرَاصِرَ الْقَهْرِ فَسَيَقَعُ فِيْ صَدَمَاتِهَا۔ وَمَا هٰذَا إِلَّا الْمَالِكِيَّةُ لَا الْعَدْلُ الَّذِيْ يَقْتَضِي الْحُقُوْقَ فَتَدَبَّرْ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغَافِلِيْنَ۔

(کرامات الصادقین، روحانی خزائن جلد ۷ صفحہ ۱۱۰ تا ۱۱۶)

اپنا حِصّہ پائے گا۔ اور اس میں رہتا چلا جائے گا۔ اور جو قہر کی تند ہواؤں کی زد میں آ گیا تو وہ ضرور اُن کے تھپیڑے کھائے گا اور یہ مالکیت ہی ہے عدل نہیں جو حقوق کا مقتضی ہوتا ہے۔ پس تم خوب غور کرو اور دیکھو کہیں غافلوں میں شامل نہ ہو جانا۔ (ترجمہ از مرتب)

ثُمَّ اعْلَمْ أَنَّ لِلّٰهِ تَعَالٰى صِفَاتٍ ذَاتِيَةً نَّاشِيَةً مِّنِ اقْتِضَاءِ ذَاتِهٖ وَعَلَيْهَا مَدَارُ الْعَالَمِيْنَ كُلِّهَا وَهِيَ أَرْبَعٌ رُّبُوْبِيَّةٌ[1] وَّرَحْمَانِيَّةٌ[2] وَّرَحِيْمِيَّةٌ[3] وَّمَالِكِيَّةٌ[4] كَمَا أَشَارَ اللّٰهُ تَعَالٰى إِلَيْهَا فِيْ هٰذِهِ السُّوْرَةِ وَقَالَ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ[1] الرَّحْمٰنِ[2] الرَّحِيْمِ[3] مٰلِكِ يَوْمِ[4] الدِّيْنِ فَهٰذِهِ الصِّفَاتُ الذَّاتِيَّةُ سَابِقَةٌ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّمُحِيْطَةٌ بِكُلِّ شَيْءٍ وَّمِنْهَا وُجُوْدُ الْأَشْيَاءِ وَاسْتِعْدَادُهَا وَقَابِلِيَّتُهَا وَوُصُوْلُهَا إِلٰى كَمَالَاتِهَا۔ وَأَمَّا صِفَةُ الْغَضَبِ فَلَيْسَتْ ذَاتِيَةً لِّلّٰهِ تَعَالٰى بَلْ هِيَ نَاشِيَةٌ مِّنْ عَدَمِ قَابِلِيَّةِ بَعْضِ الْأَعْيَانِ لِلْكَمَالِ الْمُطْلَقِ وَكَذٰلِكَ صِفَةُ الْإِضْلَالِ لَا يَبْدُوْ إِلَّا بَعْدَ زَيْغِ الضَّآلِّيْنَ۔ وَأَمَّا حَصْرُ الصِّفَاتِ الْمَذْكُوْرَةِ فِي الْأَرْبَعِ فَنَظَرًا عَلَى الْعَالَمِ الَّذِيْ يُوْجَدُ فِيْهِ اٰثَارُهَا۔ أَ لَا تَرٰى أَنَّ

پھر واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ کی بعض صفات ذاتی ہیں جو اس کی ذات کے تقاضا سے پیدا ہونے والی ہیں اور اُنہیں پر سب جہانوں کا مدار ہے اور وہ چار ہیں۔ ربوبیت[1]۔ رحمانیت[2]۔ رحیمیت[3] اور مالکیت[4]۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں ان کی طرف اشارہ کیا ہے اور فرمایا ہے رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ، اَلرَّحْمٰنِ، اَلرَّحِيْمِ ، مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ۔ پس یہ ذاتی صفات ہر چیز پر سبقت رکھتی ہیں اور ہر چیز پر محیط ہیں۔ تمام اشیاء کا وجود، ان کی استعدادیں، ان کی قابلیت اور ان کا اپنے کمالات کو پہنچنا انہیں (صفات) کے ذریعہ سے ہے لیکن غضب کی صفت خدا کی ذاتی صفت نہیں ہے بلکہ وہ بعض موجودات کے مطلقاً کمال قبول نہ کرنے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے اور اسی طرح گمراہ ٹھہرانے کی صفت کا ظہور بھی گمراہ ہونے والوں میں کجی پیدا ہونے کے بعد ہی ہوتا ہے۔ لیکن صفات مذکورہ کا حصر چار کے عدد میں اس عالم کو مدِّ نظر رکھ کر ہے جس میں ان صفات کے آثار پائے جاتے ہیں کیا تم نہیں دیکھتے کہ یہ عالَم سارے کا سارا بزبانِ حال ان (چاروں) صفات کے

الْعَالَمَ كُلَّهُ يَشْهَدُ عَلٰى وُجُوْدِ هٰذِهِ الصِّفَاتِ بِلِسَانِ الْحَالِ وَقَدْ تَجَلَّتْ هٰذِهِ الصِّفَاتُ بِنَحْوٍ لَّا يَشُكُّ فِيْهَا بَصِيْرٌ إِلَّا مَنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَمِيْنَ۔ وَهٰذِهِ الصِّفَاتُ أَرْبَعٌ إِلَى انْقِرَاضِ النَّشْأَةِ الدُّنْيَوِيَّةِ ثُمَّ تَتَجَلّٰى مِنْ تَحْتِهَا أَرْبَعٌ أُخْرَى الَّتِيْ مِنْ شَأْنِهَا أَنَّهَا لَا تَظْهَرُ إِلَّا فِي الْعَالَمِ الْاٰخِرِ۔ وَأَوَّلُ مَطَالِعِهَا عَرْشُ الرَّبِّ الْكَرِيْمِ الَّذِيْ لَمْ يَتَدَنَّسْ بِوُجُوْدِ غَيْرِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَصَارَ مَظْهَرًا تَآمًّا لِأَنْوَارِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَقَوَآئِمُهُ أَرْبَعٌ رُّبُوْبِيَّةٌ وَّرَحْمَانِيَّةٌ وَّرَحِيْمِيَّةٌ وَّمَالِكِيَّةُ يَوْمِ الدِّيْنِ۔ وَلَا جَامِعَ لِهٰذِهِ الْأَرْبَعِ عَلٰى وَجْهِ الظِّلِّيَّةِ إِلَّا عَرْشُ اللّٰهِ تَعَالٰى وَقَلْبُ الْإِنْسَانِ الْكَامِلِ وَهٰذِهِ الصِّفَاتُ أُمَّهَاتٌ لِّصِفَاتِ اللّٰهِ كُلِّهَا وَ وَقَعَتْ كَقَوَآئِمِ الْعَرْشِ الَّذِيْ اسْتَوَى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ فِيْ لَفْظِ الْاِسْتِوَآءِ إِشَارَةٌ إِلٰى هٰذَا الْاِنْعِكَاسِ عَلَى الْوَجْهِ الْأَتَمِّ الْأَكْمَلِ مِنَ اللّٰهِ الَّذِيْ هُوَ أَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ۔ وَ تَنْتَهِيْ كُلُّ قَآئِمَةٍ مِّنَ الْعَرْشِ إِلٰى مَلَكٍ هُوَ حَامِلُهَا وَمُدَبِّرُ أَمْرِهَا وَمَوْرِدُ تَجَلِّيَاتِهَا وَ قَاسِمُهَا عَلٰى أَهْلِ السَّمَآءِ وَ الْأَرْضِيْنَ۔ فَهٰذَا مَعْنٰى قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى

وجود پر شہادت دے رہا ہے اور یہ چاروں صفات اس طور سے جلوہ افروز ہیں کہ کوئی صاحبِ بصیرت ان میں شک نہیں کرسکتا سوائے اس کے جو اندھوں میں سے ہو اور یہ صفات اس دنیا کے اختتام تک چار (کی تعداد میں ہی) رہیں گی۔ پھر ان ہی میں سے چار اور صفات جلوہ گر ہوں گی۔ جن کی شان یہ ہے کہ وہ دوسرے جہان میں ہی ظاہر ہوں گی اور ان کی پہلی جلوہ گاہ ربّ کریم کا عرش ہوگا۔ جو کبھی غیر اللہ کے وجود سے آلودہ نہیں ہوا اور وہ عرش پروردگار عالم کے انوار کا مظہر تام ہے۔ اور اس کے پائے چار ہیں۔ ربوبیت۔ رحمانیت۔ رحیمیت اور مالکیت یوم الدین۔ اور ظلّی طور پر ان چاروں صفات کا مکمل طور پر جامع اللہ تعالیٰ کے عرش یا انسان کامل کے دل کے سوا اور کوئی نہیں اور یہ (چاروں) صفات اللہ تعالیٰ کی باقی صفات کے لئے اصولی صفات ہیں۔ اور وہ اس عرش کے لئے بمنزلہ پایوں کے ہیں جس پر خدا تعالیٰ مستوی (جلوہ گر) ہے اور خدا کے مستوی ہونے میں ذات باری تعالیٰ کی صفات کے کامل انعکاس کی طرف اشارہ ہے جو بہترین خالق ہے۔ پھر عرش کا ہر پایہ ایک فرشتہ تک پہنچتا ہے جسے وہ اُٹھائے ہوئے ہے اور اسی پایہ کے متعلق امر کا انتظام کرتا ہے۔ وہ اس کی تجلّیات کے پھیلانے کا ذریعہ بنتا ہے اور ان تجلیات کو بحصّہ رسدی آسمانوں اور زمینوں کے رہنے والوں پر تقسیم کرتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کے قول وَ يَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ

’’وَيَحۡمِلُ عَرۡشَ رَبِّكَ فَوۡقَهُمۡ يَوۡمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ ★‘‘ فَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ يَحْمِلُوْنَ صِفَاتًا فِيْهَا حَقِيْقَةٌ عَرْشِيَّةٌ وَّ السِّرُّ فِيْ ذٰلِكَ أَنَّ الْعَرْشَ لَيْسَ شَيْئًا مِّنْ أَشْيَآءِ الدُّنْيَا بَلْ هُوَ بَرْزَخٌ بَيْنَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمَبْدَأٌ قَدِيْمٌ لِّلتَّجَلِّيَاتِ الرَّبَّانِيَّةِ وَ الرَّحْمَانِيَّةِ وَ الرَّحِيْمِيَّةِ وَ الْمَالِكِيَّةِ لِإِظْهَارِ التَّفَضُّلَاتِ وَ تَكْمِيْلِ الْجَزَآءِ وَالدِّيْنِ. وَهُوَ دَاخِلٌ فِيْ صِفَاتِ اللّٰهِ تَعَالٰى فَإِنَّهٗ كَانَ ذَا الْعَرْشِ مِنْ قَدِيْمٍ وَّلَمْ يَكُنْ مَعَهٗ شَيْءٌ فَكُنْ مِّنَ الْمُتَدَبِّرِيْنَ. وَحَقِيْقَةُ الْعَرْشِ وَاسْتِوَآءِ اللّٰهِ عَلَيْهِ سِرٌّ عَظِيْمٌ مِّنْ أَسْرَارِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَ حِكْمَةٌ بَالِغَةٌ وَّ مَعْنًى رُّوْحَانِيٌّ وَّ سُمِّيَ عَرْشًا لِّتَفْهِيْمِ عُقُوْلِ هٰذَا الْعَالَمِ وَ لِتَقْرِيْبِ الْأَمْرِ إِلَى اسْتِعْدَادَاتِهِمْ وَ هُوَ وَاسِطَةٌ فِيْ وُصُوْلِ الْفَيْضِ الْإِلٰهِيِّ وَ التَّجَلِّي الرَّحْمَانِيِّ مِنْ حَضْرَةِ الْحَقِّ إِلَى الْمَلَائِكَةِ وَ مِنَ الْمَلَائِكَةِ إِلَى الرُّسُلِ.

وَلَا يَقْدَحُ فِيْ وَحْدَتِهٖ تَعَالٰى تَكَثُّرُ قَوَابِلِ الْفَيْضِ بَلِ التَّكَثُّرُ هٰهُنَا يُوْجِبُ الْبَرَكَاتِ لِبَنِيْ اٰدَمَ وَ يُعِيْنُهُمْ عَلَى الْقُوَّةِ الرُّوْحَانِيَّةِ وَ يَنْصُرُهُمْ فِي الْمُجَاهَدَاتِ وَ الرِّيَاضَاتِ الْمُوْجِبَةِ لِظُهُوْرِ الْمُنَاسَبَاتِ

يَوۡمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ کے یہی معنے ہیں۔کیونکہ ملائکہ ان صفاتِ الٰہیہ کو اُٹھائے ہوئے ہیں جو عرش کی حقیقت سے متعلق ہیں۔ اور اس میں بھید یہ ہے کہ عرش اس دنیا کی چیزوں میں سے نہیں بلکہ وہ دنیا اور آخرت کے درمیان برزخ اور ربّ العالمین، الرحمٰن، الرحیم، مالک یوم الدین کی صفات کی تجلیات کا ازلی منبع ہے۔ تا احساناتِ الٰہیہ کا اظہار اور جزا سزا کی تکمیل ہو اور یہ عرش اللہ تعالیٰ کی صفات میں داخل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ازل سے صاحبِ عرش ہے اور اس کے ساتھ ازل میں کوئی اور چیز نہ تھی۔ پس ان باتوں پر غور وفکر کرنے والوں میں سے بنو۔ اور عرش کی حقیقت اور اللہ تعالیٰ کا اس پر مستوی ہونا الٰہی اسرار میں سے ایک بہت بڑا سرّ ہے اور ایک بلیغ حکمت اور روحانی معنی پر مشتمل ہے اور اس کا نام عرش اس لئے رکھا گیا ہے تا اس جہان کے اہلِ عقل کو اس کا مفہوم سمجھایا جائے اور اس بات کا سمجھنا ان کی استعدادوں کے قریب کر دیا جائے۔ اور وہ (عرش) الٰہی فیض اور اللہ تعالیٰ کی رحمانی تجلّی کو ملائکہ تک پہنچانے میں واسطہ ہے۔ اور اسی طرح ملائکہ سے رسولوں تک پہنچانے کا ذریعہ ہے۔

خدا کی توحید پر یہ بات حرف نہیں لاتی کہ اس کے فیض کو قبول کرنے والے اور آگے پہنچانے والے وجود بکثرت ہوں۔ بلکہ اس مقام میں (وسائط کی) کثرت بنی آدم کے لئے برکات کا موجب ہے اور روحانی قوت کے حصول میں ان کو مدد دیتی ہے۔ اور انہیں ان مجاہدوں

★ (الحاقۃ: ۱۸) ترجمہ۔ اور اس دن تیرے ربّ کے عرش کو آٹھ فرشتے اٹھا رہے ہوں گے۔

الَّتِیْ بَیْنَھُمْ وَبَیْنَ مَا یَصِلُوْنَ إِلَیْہِ مِنَ النُّفُوْسِ کَنَفْسِ الْعَرْشِ وَالْعُقُوْلِ الْمُجَرَّدَۃِ إِلٰی أَنْ یَّصِلُوْا إِلَی الْمَبْدَءِ الْأَوَّلِ وَعِلَّۃِ الْعِلَلِ. ثُمَّ إِذَا أَعَانَ السَّالِکَ الْجَذَبَاتُ الْإِلٰھِیَّۃُ وَالنَّسِیْمُ الرَّحْمَانِیَّۃُ فَیَقْطَعُ کَثِیْرًا مِّنْ حُجُبِہٖ وَیُنْجِیْہِ مِنْ بُعْدِ الْمَقْصَدِ وَ کَثْرَۃِ عَقَبَاتِہٖ وَ اٰفَاتِہٖ وَیُنَوِّرُہٗ بِالنُّوْرِ الْإِلٰھِیِّ وَیُدْخِلُہٗ فِی الْوَاصِلِیْنَ فَیَکْمُلُ لَہٗ الْوُصُوْلُ وَ الشُّھُوْدُ مَعَ رُؤْیَتِہٖ عَجَائِبَاتِ الْمَنَازِلِ وَ الْمَقَامَاتِ وَلَا شُعُوْرَ لِأَھْلِ الْعَقْلِ بِھٰذِہِ الْمَعَارِفِ وَالنِّکَاتِ وَ لَا مَدْخَلَ لِلْعَقْلِ فِیْہِ وَ الْاِطِّلَاعُ بِأَمْثَالِ ھٰذِہِ الْمَعَانِیْ إِنَّمَا ھُوَ مِنْ مِّشْکَاۃِ النُّبُوَّۃِ وَ الْوَلَایَۃِ وَمَا شَمَّتِ الْعَقْلَ رَآئِحَتُہٗ وَمَا کَانَ لِعَاقِلٍ أَنْ یَّضَعَ الْقَدَمَ فِیْ ھٰذَا الْمَوْضِعِ إِلَّا بِجَذْبَۃٍ مِّنْ جَذَبَاتِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ.

وَ إِذَا انْفَکَّتِ الْأَرْوَاحُ الطَّیِّبَۃُ الْکَامِلَۃُ مِنَ الْأَبْدَانِ وَ یَتَطَھَّرُوْنَ عَلٰی وَجْہِ الْکَمَالِ مِنَ الْأَوْسَاخِ وَالْأَدْرَانِ یُعْرَضُوْنَ عَلَی اللّٰہِ تَحْتَ الْعَرْشِ بِوَاسِطَۃِ الْمَلَائِکَۃِ

اور ریاضتوں میں مدد دیتی ہے جو اُن مناسبتوں کے ظہور کا موجب بنتی ہیں جو بنی آدم اور نفوس عالیہ مثلاً نفس عرش اور عقول مجردہ میں موجود ہیں جن تک بنی آدم نے پہنچنا ہے۔ یہ سلسلہ جاری رہے گا یہاں تک کہ بنی آدم مبدءِ اوّل اور علّتِ عِلَل (ذات باری) تک پہنچ جائیں۔ پھر جب الٰہی کشش اور اس کی رحمانیت کی ٹھنڈی ہوا سالک کی مدد کریں تو اللہ تعالیٰ اس کے بہت سے پردے دور کر دیتا ہے اور اُسے مقصد کی دُوری سے اور بہت سی درمیانی روکوں اور آفات سے نجات دے دیتا ہے۔ اور اُسے (سالک کو) الٰہی نور سے منور کر دیتا ہے۔ اور زُمرہ واصلین میں داخل کر دیتا ہے۔ اور (راہ سلوک کی) منزلوں اور مقامات کے عجائبات دیکھنے کے ساتھ ساتھ وہ وصالِ الٰہی اور دیدارِ الٰہی کے مرتبہ وصول وشہود کو پالیتا ہے۔ لیکن فلسفیوں کو ان معارف اور باریکیوں کا کچھ بھی پتہ نہیں اور نہ ہی محض عقل کو اس شعور میں کوئی دخل ہے۔ اور ایسے مطالب اور معانی پر آگہی صرف مشکوٰۃ نبوت اور ولایت سے حاصل ہوتی ہے اور اس کی خوشبو عقل کو نہیں پہنچ سکی۔ اور نہ کسی عقلمند کے لئے ممکن ہے کہ وہ اس مقام پر بجز ربّ العالمین کی کسی کشش کے قدم مار سکے۔

اور جب نیکوں کی پاک اور کامل روحیں ان مادی جسموں سے الگ ہو جاتی ہیں اور وہ مکمل طور پر (گناہوں کی) میل کچیل سے پاک ہو جاتے ہیں تو وہ فرشتوں کی وسائط سے اللہ تعالیٰ کے سامنے عرش کے نیچے اس کے حضور پیش کئے جاتے ہیں تب وہ ایک نئے طور سے ربوبیت سے ایسا حِصّہ پاتے ہیں

فَيَأْخُذُوْنَ بِطَوْرٍ جَدِيْدٍ حَظًّا مِّنْ رُّبُوْبِيَّةٍ يُّغَائِرُ رُبُوْبِيَّةً سَابِقَةً وَّ حَظًّا مِّنْ رَّحْمَانِيَّةٍ مُّغَايِرَ رَحْمَانِيَّةٍ أُوْلٰى وَ حَظًّا مِّنْ رَّحِيْمِيَّةٍ وَّ مَالِكِيَّةٍ مُّغَايِرَ مَا كَانَ فِي الدُّنْيَا ـ فَهُنَالِكَ تَكُوْنُ ثَمَانِيَ صِفَاتٍ تَحْمِلُهَا ثَمَانِيَةٌ مِّنْ مَّلَآئِكَةِ اللهِ بِإِذْنِ أَحْسَنِ الْخَالِقِيْنَ ـ فَإِنَّ لِكُلِّ صِفَةٍ مَّلَكٌ مُّوَكَّلٌ قَدْ خُلِقَ لِتَوْزِيْعِ تِلْكَ الصِّفَةِ عَلٰى وَجْهِ التَّدْبِيْرِ وَوَضْعِهَا فِيْ مَحَلِّهَا وَ إِلَيْهِ إِشَارَةٌ فِيْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى ”فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا★“ فَتَدَبَّرْ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغَافِلِيْنَ ـ

جو پہلی ربوبیّت سے بالکل مختلف ہوتا ہے اور اسی طرح رحمانیت سے حِصّہ پاتے ہیں جو پہلی رحمانیت سے مختلف ہوتا ہے پھر وہ رحیمیت اور مالکیت سے ایسا حِصّہ پاتے ہیں جو دنیا میں ملنے والے حِصّہ سے مختلف ہوگا۔ اس وقت ان صفات کی تعداد آٹھ ہو جائے گی۔ جن کو اللہ تعالیٰ کے آٹھ فرشتے اَحسن الخالقین کے اِذن سے اُٹھائیں گے اور ہر ایک صفت کے لئے ایک فرشتہ مقرر ہوگا۔ جو بڑے منظّم طریق سے اس صفت (کی برکات) کو بانٹنے اور اُسے برمحل رکھنے کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ اِسی کی طرف اللہ تعالیٰ کے کلام فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا میں اشارہ ہے پس تُو بھی غور کر اور غافلوں میں شامل نہ ہو۔

وَزِيَادَةُ الْمَلَائِكَةِ الْحَامِلِيْنَ فِي الْاٰخِرَةِ لِزِيَادَةِ تَجَلِّيَاتٍ رَّبَّانِيَّةٍ وَّ رَحْمَانِيَّةٍ وَّ رَحِيْمِيَّةٍ وَّمَالِكِيَّةٍ عِنْدَ زِيَادَةِ الْقَوَابِلِ فَإِنَّ النُّفُوْسَ الْمُطْمَئِنَّةَ بَعْدَ انْقِطَاعِهَا وَ رُجُوْعِهَا إِلَى الْعَالَمِ الثَّانِيْ وَ الرَّبِّ الْكَرِيْمِ تَتَرَقّٰى فِي اسْتِعْدَادَاتِهَا فَتَتَمَوَّجُ الرُّبُوْبِيَّةُ وَ الرَّحْمَانِيَّةُ وَالرَّحِيْمِيَّةُ وَ الْمَالِكِيَّةُ بِحَسَبِ قَابِلِيَّاتِهِمْ وَ اسْتِعْدَادَاتِهِمْ كَمَا تَشْهَدُ عَلَيْهِ كُشُوْفُ الْعَارِفِيْنَ ـ وَ إِنْ كُنْتَ مِنَ الَّذِيْنَ أُعْطِيَ لَهُمْ حَظٌّ مِّنَ الْقُرْاٰنِ فَتَجِدُ فِيْهِ كَثِيْرًا مِّنْ مِّثْلِ هٰذَا الْبَيَانِ فَانْظُرْ بِالنَّظَرِ الدَّقِيْقِ

آخرت میں ملائکہ حاملین عرش کی تعداد کی زیادتی خدا کی ربوبیت، رحمانیت، رحیمیّت اور مالکیّت کی تجلیات کی زیادتی کی وجہ سے ہے جبکہ فیض قبول کرنے والے زیادہ ہو جائیں گے۔ کیونکہ نفسِ مُطْمَئِنَّہ اس دنیا سے تعلق توڑ کر دوسری دنیا اور ربّ کریم کی طرف واپس لوٹنے کے بعد اپنی استعدادوں میں ترقی کرتے ہیں پس ان کی قابلیتوں اور استعدادوں کے مطابق (صفاتِ الٰہیہ) ربوبیت، رحمانیت، رحیمیّت اور مالکیّت موجزن ہوتی ہیں۔ جیسا کہ عارف باللہ لوگوں کے کشوف اس امر پر گواہ ہیں۔ اور اگر تم ان لوگوں میں سے ہو جنہیں قرآن کریم کے فہم کا کچھ حِصّہ عطا کیا گیا ہے تو تمہیں بھی اس (کتاب مجید) میں ایسے بہت سے

★النازعات:٦ (ترجمہ) پھر (دنیا کا) کام (چلانے) کی تدبیروں میں لگ جاتی ہیں۔

لِتَجِدَ شَهَادَةَ هٰذَا التَّحْقِيْقِ مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

(کرامات الصادقین، روحانی خزائن جلد ۷ صفحہ ۱۲۸ تا ۱۳۱)

بیانات ملیں گے پس تم گہری نظر سے دیکھو تا تمہیں اللہ تعالیٰ پروردگارِ عالم کی کتاب سے (میری اس) تحقیق کی تصدیق مل جائے۔ (ترجمہ از مرتب)

ثُمَّ قَوْلُهٗ تَعَالٰى اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ إِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ رَدٌّ لَّطِيْفٌ عَلَى الدَّهْرِيِّيْنَ وَالْمُلْحِدِيْنَ وَالطَّبِيْعِيِّيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِصِفَاتِ اللّٰهِ الْمَجِيْدِ وَيَقُوْلُوْنَ إِنَّهٗ كَعِلَّةٍ مُّوْجِبَةٍ وَّلَيْسَ بِالْمُدَبِّرِ الْمُرِيْدِ. وَ لَا يُوْجَدُ فِيْهِ إِرَادَةٌ كَالْمُنْعِمِيْنَ وَ الْمُعْطِيْنَ. فَكَأَنَّهٗ يَقُوْلُ كَيْفَ لَا تُؤْمِنُوْنَ بِرَبِّ الْبَرِيَّةِ وَ تَكْفُرُوْنَ بِرُبُوْبِيَّتِهِ الْإِرَادِيَّةِ وَ هُوَ الَّذِيْ يُرَبِّي الْعَالَمِيْنَ وَيَغْمُرُ بِنَوَالِهٖ وَ يَحْفَظُ السَّمَاوَاتِ وَ الْأَرْضَ بِقُدْرَتِهٖ وَ جَلَالِهٖ وَ يَعْرِفُ مَنْ أَطَاعَهٗ وَ مَنْ عَصٰى فَيَغْفِرُ الْمَعَاصِيَ أَوْ يُؤَدِّبُ بِالْعَصَا وَ مَنْ جَآءَهٗ مُطِيْعًا فَلَهٗ جَنَّتَانِ وَحَفَّتْ بِهٖ فَرْحَتَانِ فَرْحَةٌ يُّصِيْبُهٗ مِنِ اسْمِ الرَّحِيْمِ وَأُخْرٰى مِنَ الرَّحْمٰنِ الْقَدِيْمِ فَيُجْزٰى جَزَآءً أَوْفٰى مِنَ اللّٰهِ الْأَعْلٰى وَيُدْخَلُ فِي الْفَآئِزِيْنَ. وَلَا شَكَّ أَنَّ هٰذِهٖ

پھر اللہ تعالیٰ کے کلام پاک اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ سے مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ تک کی آیات میں ایک لطیف پیرایہ میں دہریوں، ملحدوں اور نیچریوں کے خیالات کی تردید ہے جو خدائے بزرگ و برتر کی صفات پر ایمان نہیں رکھتے اور کہتے ہیں کہ وہ علّتِ موجبہ کی طرح تو ہے لیکن وہ مدبّر بالارادہ نہیں اور اس میں انعام کرنے والے اور فیاض لوگوں کی طرح ارادہ نہیں پایا جاتا (تو تردید میں) گویا اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے کہ تم کس لئے مخلوقات کے پروردگار پر ایمان نہیں لاتے اور اس کی بالارادہ ربوبیت کا انکار کرتے ہو۔ حالانکہ وہی تو تمام جہانوں کی پرورش کرتا ہے اور وہ (سب کو) اپنے احسانات سے ڈھانپتا اور اپنی قدرت اور جلال کیساتھ آسمانوں اور زمین کی حفاظت فرماتا ہے۔ جو لوگ اس کی اطاعت کرتے ہیں ان کو بھی اور جو نافرمانی کرتے ہیں ان کو بھی خوب جانتا ہے۔ پس گناہگاروں کے گناہ معاف کر دیتا ہے یا سزا سے ان کی اصلاح کرتا ہے لیکن جو شخص فرمانبردار بن کر اس کے پاس آئے۔ اس کے لئے دو جنّتیں ہیں اور دو خوشیاں اس کا احاطہ کر لیتی ہیں ایک خوشی تو اسے صفتِ رحیمیت سے ملتی ہے اور دوسری خوشی رحمانیت کی قدیم صفت سے ملتی ہے۔ پس اسے اللہ بلند و برتر کی طرف سے پوری پوری جزا دی جاتی ہے۔ اور وہ بامراد لوگوں میں داخل کر دیا جاتا ہے۔ لاریب یہ صفات

الصِّفَاتِ تَجْعَلُ اللهَ مُسْتَحِقًّا لِّلْعِبَادَةِ مُعْطِيًا مِّنْ عَطَايَا السَّعَادَةِ وَأَمَّا التَّقْدِيْسُ وَحْدَهٗ كَمَا ذُكِرَ فِي الْإِنْجِيْلِ فَلَا يُحَرِّكُ الرُّوْحَ لِلْعِبَادَةِ بَلْ يَتْرُكُهَا كَالنَّآئِمِ الْعَلِيْلِ۔

وَأَمَّا سِرُّ هٰذَا التَّرْتِيْبِ الَّذِي اخْتَارَهٗ فِي الْفَاتِحَةِ رَبُّنَا الْمَجِيْدُ ذُو الْمَجْدِ وَالْعِزَّةِ وَذَكَرَ الْمَحَامِدَ قَبْلَ ذِكْرِ الدُّعَآءِ وَالْعِبَادَةِ فَاعْلَمْ أَنَّهٗ فَعَلَ ذٰلِكَ لِيُذَكِّرَ عِبَادَهٗ عَظْمَةَ صِفَاتِ الْبَارِیءِ ذِی الْمَجْدِ وَ الْعَلَآءِ قَبْلَ الدُّعَآءِ وَيُشِيْرُ إِلٰى أَنَّهٗ هُوَ الْمَوْلٰى لَا مُنْعِمَ إِلَّا هُوَ وَلَا رَاحِمَ إِلَّا هُوَ وَلَا مُجَازِيَ إِلَّا هُوَ وَ مِنْهُ يَأْتِي كُلُّ مَا يَأْتِي الْعِبَادَ مِنَ الْاٰلَآءِ وَ النَّعْمَآءِ ۔وَ هٰذَا التَّرْتِيْبُ أَحْسَنُ وَلِلرُّوْحِ أَنْفَعُ فَإِنَّهٗ يُظْهِرُ عَلَى السَّعِيْدِ مِنَنَ اللهِ الرَّحِيْمِ وَيَجْعَلُهٗ مُسْتَعِدًّا وَّمُقْبِلًا عَلٰى حَضْرَةِ الْقَدِيْرِ الْكَرِيْمِ وَيَظْهَرُ مِنْهُ تَمَوُّجٌ تَآمٌّ فِيْ أَرْوَاحِ الطُّلَبَاءِ كَمَا لَا يَخْفٰى عَلٰى أَهْلِ الدَّهَآءِ۔ وَأَمَّا تَخْصِيْصُ ذِكْرِ الرُّبُوْبِيَّةِ وَالرَّحْمَانِيَّةِ وَالْمَالِكِيَّةِ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ فَلِأَجْلِ أَنَّ هٰذِهِ الصِّفَاتِ

اللہ تعالیٰ کو عبادت کا مستحق اور سعادت کے انعامات بخشنے والا قرار دیتی ہیں۔لیکن صرف اس کی تقدیس کا بیان جیسا کہ انجیل میں مذکور ہے روح میں عبادت کے لئے حرکت پیدا نہیں کرتا بلکہ اُسے سوئے ہوئے بیمار کی طرح رہنے دیتا ہے۔

باقی اس بات کا راز کہ بزرگ و برتر خدا تعالیٰ نے سورۃ فاتحہ میں جس ترتیب کو اختیار کیا ہے اور دُعا اور عبادت کے ذکر سے پہلے اپنے محامد کے ذکر کو بیان فرمایا ہے سو یوں جاننا چاہئے کہ اس نے ایسا اس لئے کیا ہے تا بزرگ و برتر ذاتِ باری دُعا سے قبل اپنے بندوں کو اپنی صفات کی شان یاد دلائے اور اس طرف اشارہ کرے کہ وہی حقیقی آقا ہے اس کے سوا نہ تو کوئی نعمتیں دینے والا ہے اور نہ اس کے سوا رحم کرنے والا اور جزا سزا دینے والا ہے۔ بندوں کو جو بھی انعام و اکرام ملتے ہیں وہ اُسی کی طرف سے آتے ہیں (سورۃ فاتحہ کی) یہ ترتیب بہترین ہے اور روح کے لئے بہت فائدہ بخش ہے۔ وہ سعید انسان پر خدائے رحیم کے احسانوں کو خوب ظاہر کرتی ہے۔اور اُسے خدائے قدیر و کریم کی بارگاہ میں آنے کے لئے تیار کرتی اور اس کی طرف متوجہ کرتی ہے۔اور اس ترتیب سے طالبانِ حق کی روحوں میں پورا جوش پیدا ہوتا ہے جیسا کہ عقلمندوں پر پوشیدہ نہیں لیکن ان چاروں صفات ربوبیت، رحمانیت، رحیمیت اور مالکیت کا ذکر جن کا تعلق دنیا و آخرت سے ہے خاص طور پر اس لئے کیا گیا ہے کہ یہ چاروں خدا کی تمام صفات کی

الْأَرْبَعَةَ أُمَّهَاتٌ لِّجَمِيْعِ الصِّفَاتِ الْمُؤَثِّرَةِ الْمُفِيْضَةِ وَلَا شَكَّ أَنَّهَا مُحَرِّكَاتٌ قَوِيَّةٌ لِّقُلُوْبِ الدَّاعِيْنَ.

(کرامات الصادقین، روحانی خزائن جلد ۷ صفحہ ۱۳۹ تا ۱۴۰)

فَإِنَّ الْعَبْدَ إِذَا تَدَبَّرَ فِيْ صِفَاتٍ جَعَلَهَا اللّٰهُ مُقَدَّمَةً لِّدُعَآءِ الْفَاتِحَةِ وَعَلِمَ أَنَّهَا مُشْتَمِلَةٌ عَلٰى صِفَاتِ كَمَالِهٖ وَنُعُوْتِ جَلَالِهٖ بِاسْتِيْفَآءِ الْإِحَاطَةِ وَمُحَرِّكَةٌ لِّأَنْوَاعِ الشَّوْقِ وَالْمَحَبَّةِ وَعَلِمَ أَنَّ رَبَّهٗ مَبْدَأٌ لِّجَمِيْعِ الْفُيُوْضِ وَمَنْبَعٌ لِّجَمِيْعِ الْخَيْرَاتِ وَدَافِعٌ لِّجَمِيْعِ الْاٰفَاتِ وَ مَالِكٌ لِّكُلِّ أَنْوَاعِ الْمَجَازَاتِ مِنْهُ يُبْدَأُ الْخَلْقُ وَإِلَيْهِ يُرْجَعُ كُلُّ الْمَخْلُوْقَاتِ وَ هُوَ مُنَزَّهٌ عَنِ الْعُيُوْبِ وَالنَّقَآئِصِ وَ السَّيِّئَاتِ وَمُسْتَجْمِعٌ لِّسَآئِرِ صِفَاتِ الْكَمَالِ وَأَنْوَاعِ الْحَسَنَاتِ فَلَا شَكَّ أَنَّهٗ يَحْسَبُهٗ مُنْجِحَ جَمِيْعِ الْحَاجَاتِ وَ مُنْجِيًا مِّنْ سَآئِرِ الْمُوْبِقَاتِ فَيُكَابِدُ فِي ابْتِغَآءِ مَرْضَاتِهٖ كُلَّ الْمَصَآئِبِ وَلَوْ قُتِلَ بِالسَّهْمِ الصَّآئِبِ وَلَا يُعْجِزُهُ الْكُرُوْبُ وَلَا يَدْرِيْ مَا اللُّغُوْبُ وَيَجْذِبُهُ الْمَحْبُوْبُ وَ

اصل ہیں اور بلاشبہ کہ یہ چاروں صفات خدا کی باقی تمام مؤثر اور مفیض صفات کے لئے بطور اصل کے ہیں۔ اور بلاشبہ یہ دُعا کرنیوالوں کے دلوں میں زبردست تحریک پیدا کرنے والی ہیں۔ (ترجمہ از مرتب)

جب انسان خدا تعالیٰ کی ان صفات کے بارہ میں غور کرتا ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے سورت فاتحہ کی دُعا کے شروع میں بیان فرمایا ہے اور سمجھ لیتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے کمال اور اس کے جلال کی تمام صفات اور ثناؤں پر مشتمل ہے۔ اور ہر قسم کے شوق اور محبت کے لئے محرّک ہے اور یہ بھی جان لیتا ہے کہ اس کا ربّ تمام فیوض کا سرچشمہ، تمام بھلائیوں کا منبع، تمام آفات کو دُور کرنے والا اور ہر قسم کی جزا سزا کا مالک ہے نیز یہ کہ (مخلوق کی) پیدائش اسی سے شروع ہوئی ہے اور آخرکار تمام مخلوقات اسی کی طرف لوٹائی جائیں گی۔ اور وہ عیوب و نقائص اور بُرائیوں سے پاک ہے اور تمام صفات کمال اور ہر قسم کی خوبیاں اس میں پائی جاتی ہیں۔ تب انسان لازماً اللہ تعالیٰ کو ہی تمام ضرورتوں کو پورا کرنے والا اور تمام ہلاکتوں سے نجات دینے والا یقین کر لیتا ہے۔ اور اس کی رضا کی تلاش میں ہر قسم کے مصائب کو برداشت کرتا ہے۔ چاہے وہ نشانہ پر بیٹھنے والے تیر سے قتل کیوں نہ کر دیا جائے رنج و غم اسے بے بس نہیں کر سکتے۔ اور نہ وہ جانتا ہے کہ تھکان کیا ہوتی ہے خدائے محبوب اسے اپنی طرف کھینچتا ہے اور بندہ جانتا ہے کہ وہی (اس کا)

يَعْلَمُ أَنَّهُ هُوَ الْمَطْلُوْبُ وَ يَيْسَرُ لَهُ اسْتِقْرَآءُ الْمَسَالِكِ لِتَطَلُّبِ مَرْضَاةِ الْمَالِكِ فَيُجَاهِدُ فِيْ سُبُلِهٖ وَلَوْ صَارَ كَالْهَالِكِ وَ لَا يَخْشَى هَوْلَ بَلَآءٍ وَ يَنْبَرِيْ لِكُلِّ ابْتِلَآءٍ وَّلَا يَبْقٰى لَهٗ مِنْ دُوْنِ حُبِّهٖ الْأَذْكَارُ وَ لَا تَسْتَهْوِيْهِ الْأَفْكَارُ وَ يَنْزِلُ مِنْ مَّطِيَّةِ الْأَهْوَآءِ لِيَمْتَطِيَ أَفْرَاسَ الرِّضَآءِ وَ يَضْفِرُ أَزِمَّةَ الْاِبْتِغَآءِ لِيَقْطَعَ الْمَسَافَةَ النَّآئِيَةَ لِحَضْرَةِ الْكِبْرِيَآءِ وَ يَظَلُّ أَبَدًا لَّهٗ مُدَانِيًا وَّلَا يَجْعَلُ لَهٗ ثَانِيًا مِّنَ الْأَحِبَّآءِ وَلَا يَعْتَوِرُ قَلْبُهٗ بَيْنَ الشُّرَكَاءِ وَ يَقُوْلُ يَا رَبِّ تَسَلَّمْ قَلْبِيْ وَ تَكْفِيْنِيْ لِجَذْبِيْ وَ جَلْبِيْ وَ لَنْ يُّصْبِيَنِيْ حُسْنُ الْاٰخَرِيْنَ. هٰذِهٖ نَتَآئِجُ تَمْهِيْدِ دُعَآءِ الْفَاتِحَةِ.

مطلوب ہے۔ اپنے مالک کی رضا حاصل کرنے کے راستوں کی تلاش اس کے لئے آسان ہو جاتی ہے لہٰذا وہ اس کی (طرف لے جانے والی) راہوں میں پوری کوشش کرتا ہے خواہ وہ ہلاک کیوں نہ ہو جائے۔ اور وہ کسی آزمائش کے خوف سے ڈرتا نہیں۔ بلکہ ہر ابتلا کے لئے سینہ سپر ہو جاتا ہے اور اس کے لئے اس کی محبت کے تذکرہ کے سوا اور کوئی ذکر باقی نہیں رہتا۔ دوسرے افکار اُسے فریفتہ نہیں کرتے اور وہ خواہشات کی سواری سے اُتر پڑتا ہے تا وہ خدا تعالیٰ کی رضا کے گھوڑوں پر سوار ہو اور وہ جستجو کی باگیں بٹتا ہے تا وہ خدا کے حضور پہنچنے کے لئے دُور کی مسافت طے کر لے اور وہ ہمیشہ اس کے قرب میں رہتا ہے۔ اور اپنے پیاروں میں سے کسی کو بھی اس کا ثانی نہیں بناتا اور اس کا دل (خدا کے) شریکوں (یعنی معبودانِ باطلہ) کے درمیان بھٹکتا نہیں پھرتا۔ وہ یہی دُعا مانگتا رہتا ہے کہ اے میرے ربّ میرے دل کو اپنے قبضہ میں محفوظ رکھ۔ مجھے اپنی طرف کھینچنے اور مائل کرنے کے لئے تو کافی ہو جا اور کسی اور کا حسن مجھے کبھی فریفتہ نہ کر سکے۔ یہ سب نتائج دُعائے فاتحہ کی عمدہ تمہید ہیں۔ (ترجمہ از مرتب)

(کرامات الصادقین، روحانی خزائن جلد ۷ صفحہ ۱۴۳)

جو کچھ خدائے تعالیٰ نے سورۃ ممدوحہ میں ربّ العالمین کی صفت سے لے کر مالک یوم الدین تک بیان فرمایا ہے یہ حسب تصریحاتِ قرآن شریف چار عالیشان صداقتیں ہیں جن کا اس جگہ کھول کر بیان کرنا قرینِ مصلحت ہے۔ پہلی صداقت یہ کہ خدائے تعالیٰ ربّ العالمین ہے یعنی عالَم کے اشیا میں سے جو کچھ موجود ہے سب کا ربّ اور مالک خدا ہے۔ اور جو کچھ عالَم میں نمودار ہو چکا ہے اور دیکھا جاتا ہے یا ٹٹولا جاتا ہے یا عقل اس پر محیط ہو سکتی ہے وہ سب چیزیں مخلوق ہی ہیں اور ہستی حقیقی بجز ایک ذات حضرت باری تعالیٰ

کے اور کسی چیز کے لئے حاصل نہیں۔ غرض عالم بجمیع اجزائہٖ مخلوق اور خدا کی پیدائش ہے اور کوئی چیز اجزائے عالم میں سے ایسی نہیں کہ جو خدا کی پیدائش نہ ہو۔ اور خدائے تعالیٰ اپنی ربوبیت تامہ کے ساتھ عالم کے ذرہ ذرہ پر متصرّف اور حکمران ہے اور اس کی ربوبیت ہر وقت کام میں لگی ہوئی ہے۔ یہ نہیں کہ خدائے تعالیٰ دنیا کو بنا کر اس کے انتظام سے الگ ہو بیٹھا ہے اور اسے نیچر کے قاعدہ کے ایسا سپرد کیا ہے کہ خود کسی کام میں دخل بھی نہیں دیتا۔ اور جیسے کوئی کل بعد بنائے جانے کے پھر بنانے والے سے بے علاقہ ہو جاتی ہے ایسا ہی مصنوعات صانع حقیقی سے بے علاقہ ہیں بلکہ وہ ربّ العالمین اپنی ربوبیّتِ تامہ کی آب پاشی ہر وقت برابر تمام عالم پر کر رہا ہے اور اس کی ربوبیت کا مینہ بالاتصال تمام عالم پر نازل ہو رہا ہے اور کوئی ایسا وقت نہیں کہ اس کے رشح فیض سے خالی ہو بلکہ عالم کے بنانے کے بعد بھی اس مبدءِ فیوض کی فی الحقیقت بلا ایک ذرا تفاوت کے ایسی ہی حاجت ہے کہ گویا ابھی تک اس نے کچھ بھی نہیں بنایا اور جیسا دنیا اپنے وجود اور نمود کے لئے اس کی ربوبیت کی محتاج تھی ایسا ہی اپنے بقا اور قیام کے لئے اس کی ربوبیت کی حاجتمند ہے۔ وہی ہے جو ہر دم دنیا کو سنبھالے ہوئی ہے اور دنیا کا ہر ذرہ اسی سے تر و تازہ ہے اور وہ اپنی مرضی اور ارادہ کے موافق ہر چیز کی ربوبیت کر رہا ہے یہ نہیں کہ بلا ارادہ کسی شے کے ربوبیت کا موجب ہو۔ غرض آیات قرآنی کی رو سے جن کا خلاصہ ہم بیان کر رہے ہیں اس صداقت کا یہ منشا ہے کہ ہریک چیز کہ جو عالم میں پائی جاتی ہے وہ مخلوق ہے۔ اور اپنے تمام کمالات اور اپنے تمام حالات اور اپنے تمام اوقات میں خدائے تعالیٰ کی ربوبیت کی محتاج ہے اور کوئی روحانی یا جسمانی ایسا کمال نہیں ہے جس کو کوئی مخلوق خود بخود اور بغیر ارادہ خاص اس متصرّف مطلق کے حاصل کر سکتا ہو۔ اور نیز حسب توضیح اسی کلام پاک کے اس صداقت اور ایسا ہی دوسری صداقتوں میں یہ معنے بھی ملحوظ ہیں کہ ربّ العالمین وغیرہ صفتیں جو خدائے تعالیٰ میں پائی جاتی ہیں یہ اسی کی ذات واحد لاشریک سے خاص ہیں اور کوئی دوسرا ان میں شریک نہیں۔ جیسا کہ اس سورۃ کے پہلے فقرہ میں یعنی اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ میں یہ بیان ہو چکا ہے کہ تمام محامد خدا ہی سے خاص ہیں۔

دوسری صداقت رحمٰن ہے کہ جو بعد ربّ العالمین بیان فرمایا گیا۔ اور رحمٰن کے معنے جیسا کہ ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں یہ ہیں کہ جس قدر جاندار ہیں خواہ ذی شعور اور خواہ غیر ذی شعور اور خواہ نیک اور خواہ بد، ان سب کے قیام اور بقاء وجود اور بقائے نوع کے لئے اور ان کی تکمیل کے لئے خدائے تعالیٰ نے اپنی رحمتِ عامہ کے رو سے ہریک قسم کے اسباب مطلوبہ میسّر کر دیئے ہیں اور ہمیشہ میسّر کرتا رہتا ہے اور یہ عطیہ محض ہے

کہ جو کسی عامل کے عمل پر موقوف نہیں۔

تیسری صداقت رحیم ہے کہ جو بعد رحمٰن کے مذکور ہے جس کے معنے یہ ہیں کہ خدائے تعالیٰ سعی کرنے والوں کی سعی پر بمقتضائے رَحمتِ خاصہ ثمراتِ حَسَنہ مترتّب کرتا ہے۔توبہ کرنے والوں کے گناہ بخشتا ہے۔ مانگنے والوں کو دیتا ہے۔کھٹکھٹانے والوں کے لئے کھولتا ہے۔

چوتھی صداقت جو سورۃ فاتحہ میں مندرج ہے۔ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ہے یعنی باکمال وکامل جزا سزا کہ جو ہر یک قسم کے امتحان وابتلا اور توسط اسباب غفلت افترا سے منزّہ ہے اور ہر یک کدورت اور کثافت اور شک اور شبہ اور نقصان سے پاک ہے اور تجلّیاتِ عظمٰی کا مظہر ہے۔اس کا مالک بھی وہی اللہ قادر مطلق ہے اور وہ اس بات سے ہرگز عاجز نہیں کہ اپنی کامل جزا کو جو دن کی طرح روشن ہے ظہور میں لاوے۔ اور اس صداقتِ عظمٰی کے ظاہر کرنے سے حضرت احدیّت کا یہ مطلب ہے کہ تا ہر یک نفس پر بطور حق الیقین امور مفصّلہ ء ذیل کھل جائیں۔اول یہ امر کہ جزا سزا ایک واقعی اور یقینی امر ہے کہ جو مالکِ حقیقی کی طرف سے اور اسی کے ارادۂ خاص سے بندوں پر وارد ہوتا ہے اور ایسا کُھل جانا دنیا میں ممکن نہیں کیونکہ اس عالم میں یہ بات عام لوگوں پر ظاہر نہیں ہوتی کہ جو کچھ خیر وشر وراحت ورنج پہنچ رہا ہے وہ کیوں پہنچ رہا ہے اور کس کے حکم واختیار سے پہنچ رہا ہے۔اور کسی کو ان میں سے یہ آواز نہیں آتی کہ وہ اپنی جزا پا رہا ہے اور کسی پر بطور مشہود ومحسوس منکشف نہیں ہوتا کہ جو کچھ وہ بھگت رہا ہے حقیقت میں وہ اس کے عملوں کا بدلہ ہے۔ دوسرے اس صداقت میں اس امر کا کھلنا مطلوب ہے کہ اسبابِ عادیہ کچھ چیز نہیں ہیں اور فاعل حقیقی خدا ہے اور وہی ایک ذاتِ عظمٰی ہے کہ جو جمیع فیوض کا مبدء اور ہر یک جزا سزا کا مالک ہے۔تیسرے اس صداقت میں اس بات کا ظاہر کرنا مطلوب ہے کہ سعادتِ عظمٰی اور شقاوتِ عظمٰی کیا چیز ہے یعنی سعادتِ عظمٰی وہ فوزِ عظیم کی حالت ہے کہ جب نُور اور سُرور اور لذّت اور راحت انسان کے تمام ظاہر وباطن اور تن اور جان پر محیط ہوجائے اور کوئی عضو اور قوت اس سے باہر نہ رہے۔اور شقاوتِ عظمٰی وہ عذاب الیم ہے کہ جو بباعث نافرمانی اور ناپاکی اور بُعد اور دُوری کے دلوں سے مشتعل ہوکر بدنوں پر مستولی ہوجائے اور تمام وجود فی النار والسقر معلوم ہو۔ اور یہ تجلیاتِ عظمٰی اس عالَم میں ظاہر نہیں ہوسکتیں کیونکہ اس تنگ اور منقبض اور مکدر عالَم کو جو روپوش اسباب ہوکر ایک ناقص حالت میں پڑا ہے۔ان کے ظہور کی برداشت نہیں۔ بلکہ اس عالَم پر ابتلاء اور آزمائش غالب ہے۔اور اس کی راحت اور رنج دونوں ناپائیدار اور ناقص ہیں۔اور نیز اس عالم میں جو کچھ انسان پر وارد ہوتا

ہے وہ زیر پردہ اسباب ہے۔ جس سے مالک الجزاء کا چہرہ محجوب اور مکتوم ہو رہا ہے۔ اس لئے یہ خالص اور کامل اور منکشف طور پر یوم الجزاء نہیں ہو سکتا بلکہ خالص اور کامل اور منکشف طور پر یوم الدّین یعنی یوم الجزاء وہ عالم ہوگا کہ جو اس عالم کے ختم ہونے کے بعد آوے گا اور وہی عالم تجلیاتِ عظمیٰ کا مظہر اور جلال اور جمال کے پوری ظہور کی جگہ ہے۔ اور چونکہ یہ عالم دنیوی اپنی اصل وضع کے رو سے دار الجزاء نہیں بلکہ دار الابتلاء ہے اس لئے جو کچھ عسر و یسر و راحت و تکلیف اور غم اور خوشی اس عالم میں لوگوں پر وارد ہوتی ہے اس کو خدائے تعالیٰ کے لطف یا قہر پر دلالت قطعی نہیں مثلاً کسی کا دولتمند ہو جانا اس بات پر دلالت قطعی نہیں کرتا کہ خدائے تعالیٰ اس پر خوش ہے اور نہ کسی کا مفلس اور نادار ہونا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ خدائے تعالیٰ اس پر ناراض ہے بلکہ یہ دونوں طور کے ابتلاء ہیں تا دولتمند کو اس کی دولت میں اور مفلس کو اس کی مفلسی میں جانچا جائے۔ یہ چار صداقتیں ہیں جن کا قرآن شریف میں مفصل بیان موجود ہے اور قرآن شریف کے پڑھنے سے معلوم ہوگا کہ ان صداقتوں کی تفصیل میں آیات قرآنی ایک دریا کی طرح بہتی ہوئی چلی جاتی ہیں اور اگر ہم اس جگہ مفصل طور پر ان تمام آیات کو لکھتے تو بہت سے اجزاء کتاب کے اس میں خرچ ہو جاتے سو ہم نے اس نظر سے کہ انشاء اللہ عنقریب براہین قرآنی کے موقعہ پر وہ تمام آیات بہ تفصیل لکھے جائیں گے ان تمہیدی مباحث میں صرف سورۃ فاتحہ کے قلّ و دلّ کلمات پر کفایت کی۔

اب بعد اس کے ہم بیان کرنا چاہتے ہیں کہ یہ چاروں صداقتیں کہ جو بیّن الثبوت اور بدیہی الصدق ہیں ایسے بے نظیر اور اعلیٰ درجہ کے ہیں کہ یہ بات دلائل قطعیہ سے ثابت ہے کہ حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور فرمانے کے وقت یہ چاروں صداقتیں دنیا سے گم ہو چکی تھیں اور کوئی قوم پردۂ زمین پر ایسی موجود نہیں تھی کہ جو بغیر آمیزش افراط یا تفریط کے ان صداقتوں کی پابند ہو۔ پھر جب قرآن شریف نازل ہوا تو اس کلام مقدس نے نئے سرے ان گمشدہ صداقتوں کو زاویہ گمنامی سے باہر نکالا اور گمراہوں کو ان کے حقّانی وجود سے اطلاع دی اور دنیا میں ان کو پھیلایا اور ایک عالم کو ان کے نور سے منوّر کیا۔ لیکن اس بات کے ثبوت کے لئے کہ کیونکر تمام قومیں ان صداقتوں سے بے خبر اور ناواقف محض تھیں یہی ایک کافی دلیل ہے کہ اب بھی دنیا میں کوئی قوم بجز دین حق اسلام کی ٹھیک ٹھیک اور کامل طور پر ان صداقتوں پر قائم نہیں اور جو شخص کسی ایسی قوم کے وجود کا دعویٰ کرے تو بارِ ثبوت اسی کے ذمہ ہے۔ ماسوا اس کے قرآنی شہادت کہ جو ہر یک دوست و دشمن میں شائع ہونے کی وجہ سے ہر یک مخاصم پر حجّت ہے اس بات کے لئے ثبوت کافی ہے اور وہ شہادتیں جا بجا

فرقان مجید میں بکثرت موجود ہیں اور خود کسی تاریخ دان اور واقف حقیقت کو اس سے بے خبری نہیں ہوگی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کے وقت تک ہر یک قوم کی ضلالت اور گمراہی کمال کے درجہ تک پہنچ چکی تھی اور کسی صداقت پر کامل طور پر ان کا قیام نہیں رہا تھا۔ چنانچہ اگر اوّل یہودیوں ہی کے حال پر نظر کریں تو ظاہر ہوگا کہ ان کو خدائے تعالیٰ کی ربوبیتِ تامّہ میں بہت سے شک اور شبہات پیدا ہو گئے تھے اور انہوں نے ایک ذات ربّ العالمین پر کفایت نہ کر کے صدہا ارباب متفرقہ اپنے لئے بنا رکھے تھے یعنی مخلوق پرستی اور دیوتا پرستی کا بغایت درجہ ان میں بازار گرم تھا۔ جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ حال قرآن شریف میں بیان کر کے فرمایا ہے۔ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔ (التوبۃ: ۳۱) یعنی یہودیوں نے اپنے مولویوں اور درویشوں کو کہ جو مخلوق اور غیر خدا ہیں اپنے ربّ اور قاضی الحاجات ٹھہرا رکھے ہیں۔ اور نیز اکثروں کا یہودیوں میں سے بعض نیچریوں کی طرح یہ اعتقاد ہو گیا تھا کہ انتظام دنیا کا قوانین منضبطہ متعیّنہ پر چل رہا ہے۔ اور اس قانون میں مختارانہ تصرّف کرنے سے خدائے تعالیٰ قاصر اور عاجز ہے۔ گویا اس کے دونوں ہاتھ بندھے ہوئے ہیں نہ اس قاعدہ کے برخلاف کچھ ایجاد کر سکتا ہے اور نہ فنا کر سکتا ہے بلکہ جب سے کہ اس نے اس عالم کا ایک خاص طور پر شیرازہ باندھ کر اس کی پیدائش سے فراغت پالی ہے تب سے یہ کَل اپنے ہی پُرزوں کی صلاحیت کی وجہ سے خودبخود چل رہی ہے اور ربّ العالمین کسی قسم کا تصرّف اور دخل اس کَل کے چلنے میں نہیں رکھتا۔ اور نہ اس کو اختیار ہے کہ اپنی مرضی کے موافق اور اپنی خوشنودی ناخوشنودی کے رو سے اپنی ربوبیت کو بہ تفاوت مراتب ظاہر کرے یا اپنے ارادۂ خاص سے کسی طور کا تغیّر اور تبدّل کرے بلکہ یہودی لوگ خدائے تعالیٰ کو جسمانی اور مجسم قرار دے کر عالم جسمانی کی طرح اور اس کا ایک جز سمجھتے ہیں۔ اور ان کی نظر ناقص میں یہ سمایا ہوا ہے کہ بہت سی باتیں کہ جو مخلوق پر جائز ہیں وہ خدا پر بھی جائز ہیں اور اس کو مِنْ كُلِّ الْوُجُوْهِ منزّہ خیال نہیں کرتے۔ اور ان کی توریت میں جو محرّف اور مبدّل ہے خدائے تعالیٰ کی نسبت کئی طور کی بے ادبیاں پائی جاتی ہیں۔ چنانچہ پیدائش کے ۳۲ باب میں لکھا ہے کہ خدائے تعالیٰ یعقوب سے تمام رات صبح تک کشتی لڑا گیا۔ اور اس پر غالب نہ ہوا اسی طرح برخلاف اس اصول کے کہ خدائے تعالیٰ ہر یک مافی العالم کا ربّ ہے۔ بعض مردوں کو انہوں نے خدا کے بیٹے قرار دے رکھا ہے اور کسی جگہ عورتوں کو خدا کی بیٹیاں لکھا گیا ہے اور کسی جگہ بیبل میں یہ بھی فرما دیا ہے کہ تم سب خدا ہی ہو۔ اور سچ تو یہ ہے کہ عیسائیوں نے بھی انہیں تعلیموں سے مخلوق پرستی کا سبق سیکھا ہے کیونکہ جب عیسائیوں نے

معلوم کیا کہ بائیبل کی تعلیم بہت سے لوگوں کو خدا کے بیٹے اور خدا کی بیٹیاں بلکہ خدا ہی بناتی ہے۔ تو انہوں نے کہا کہ آؤ ہم بھی اپنے ابن مریم کو انہیں میں داخل کریں تا وہ دوسرے بیٹوں سے کم نہ رہ جائے۔ اسی جہت سے خدائے تعالیٰ نے قرآن شریف میں فرمایا ہے کہ عیسائیوں نے ابن مریم کو ابن اللہ بنا کر کوئی نئی بات نہیں نکالی بلکہ پہلے بے ایمانوں اور مشرکوں کے قدم پر قدم مارا ہے۔ غرض حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہودیوں کی یہ حالت تھی کہ مخلوق پرستی بدرجۂ غایت ان پر غالب آ گئی تھی اور عقائدِ حقّہ سے بہت دور جا پڑے تھے یہاں تک کہ بعض ان کے ہندوؤں کی طرح تناسخ کے بھی قائل تھے اور بعض جزا سزا کے قطعاً منکر تھے۔ اور بعض مجازات کو صرف دنیا میں محصور سمجھتے تھے اور قیامت کے قائل نہ تھے۔ اور بعض یونانیوں کے نقشِ قدم پر چل کر مادہ اور روحوں کو قدیم اور غیر مخلوق خیال کرتے تھے۔ اور بعض دہریوں کی طرح روح کو فانی سمجھتے تھے اور بعض کا فلسفیوں کی طرح یہ مذہب تھا کہ خدائے تعالیٰ ربّ العالمین اور مدبّر بالارادہ نہیں ہے۔ غرض مجذوم کے بدن کی طرح تمام خیالات ان کے فاسد ہو گئے تھے اور خدائے تعالیٰ کی صفات کاملہ ربوبیت و رحمانیت و رحیمیت اور مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ہونے پر اعتقاد نہیں رکھتے تھے نہ ان صفتوں کو اس کی ذات سے مخصوص سمجھتے تھے اور نہ ان صفتوں کا کامل طور پر خدائے تعالیٰ میں پایا جانا یقین رکھتے تھے بلکہ بہت سی بدگمانیاں اور بے ایمانیاں اور آلودگیاں ان کے اعتقادوں میں بھر گئی تھیں اور توریت کی تعلیم کو انہوں نے نہایت بدشکل چیز کی طرح بنا کر شرک اور بدی کی بدبُو کو پھیلانا شروع کر رکھا تھا۔ پس وہ لوگ خدائے تعالیٰ کو جسمانی اور جسم قرار دینے میں اور اس کی ربوبیت اور رحمانیت اور رحیمیت وغیرہ صفات کے معطّل جاننے میں اور ان صفتوں میں دوسری چیزوں کو شریک گرداننے میں اکثر مشرکین کے پیشوا اور سابقین اوّلین میں سے ہیں۔

یہ تو یہودیوں کا حال ہوا مگر افسوس کہ عیسائیوں نے تھوڑے ہی دنوں میں اس سے بدتر اپنا حال بنالیا۔ اور مذکورہ بالا صداقتوں میں سے کسی صداقت پر قائم نہ رہے اور جو خدا کی صفاتِ کاملہ تھی وہ سب ابنِ مریم پر تھاپ دی اور ان کے مذہب کا خلاصہ یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ جمیع مافی العالم کا ربّ نہیں ہے بلکہ مسیح اس کی ربوبیت سے باہر ہے بلکہ مسیح آپ ہی ربّ ہے۔ اور جو کچھ عالم میں پیدا ہوا وہ بزعم باطل ان کے بطور قاعدہ کلیہ مخلوق اور حادث نہیں بلکہ ابنِ مریم عالم کے اندر حدوث پا کر اور صریح مخلوق ہو کر پھر غیر مخلوق اور خدا کے برابر بلکہ آپ ہی خدا ہے۔ اور اس کی عجیب ذات میں ایک ایسا اعجوبہ ہے کہ باوجود حادث ہونے کے قدیم

ہے۔ اور باوجود اس کے کہ خود اپنے اقرار سے ایک واجب الوجود کے ماتحت اور اس کا محکوم ہے مگر پھر بھی آپ ہی واجب الوجود اور آزاد مطلق اور کسی کا ماتحت نہیں۔ اور باوجود اس کے کہ خود اپنے اقرار سے عاجز اور ناتواں ہے مگر پھر بھی عیسائیوں کے بے بنیاد زعم میں قادر مطلق ہے اور عاجز نہیں۔ اور باوجود اس کے کہ خود اپنے اقرار سے امور غیبیہ کے بارہ میں نادان محض ہے یہاں تک کہ قیامت کی بھی خبر نہیں کہ کب آئے گی مگر پھر بھی نصرانیوں کے خوش عقیدہ کے رو سے عالم الغیب ہے۔ اور باوجود اس کے کہ خود اپنے اقرار سے اور نیز صحفِ انبیاء کی گواہی سے ایک مسکین بندہ ہے مگر پھر بھی حضرات مسیحیوں کی نظر میں خدا ہے۔ اور باوجود اس کے کہ خود اپنے اقرار سے نیک اور بے گناہ نہیں ہے مگر پھر بھی عیسائیوں کے خیال میں نیک اور بے گناہ ہے۔

غرض عیسائی قوم بھی ایک عجیب قوم ہے جنہوں نے ضِدَّین کو جمع کر دکھایا اور تناقض کو جائز سمجھ لیا۔ اور گو ان کے اعتقاد کے قائم ہونے سے مسیح کا دروغ گو ہونا لازم آیا۔ مگر انہوں نے اپنے اعتقاد کو نہ چھوڑا۔ ایک ذلیل اور عاجز اور ناچیز بندہ کو ربّ العالمین قرار دیا۔ اور ربّ العالمین پر ہر طرح کی ذلّت اور موت اور درد اور دکھ اور تجسم اور حلول اور تغیّر اور تبدّل اور حدوث اور تولّد کو روا رکھا ہے۔ نادانوں نے خدا کو بھی ایک کھیل بنا لیا ہے۔ عیسائیوں پر کیا حصر ہے ان سے پہلے کئی عاجز بندے خدا قرار دیئے گئے ہیں۔ کوئی کہتا ہے رام چندر خدا ہے۔ کوئی کہتا ہے نہیں کرشن کی خدائی اس سے قوی تر ہے۔ اسی طرح کوئی بدھ کو کوئی کسی کو کوئی کسی کو خدا ٹھہراتا ہے ایسا ہی آخری زمانہ کے ان سادہ لوحوں نے بھی پہلے مشرکوں کی ریس کر کے ابنِ مریم کو بھی خدا اور خدا کا فرزند ٹھہرا لیا۔ غرض عیسائی لوگ نہ خداوند حقیقی کو ربّ العالمین سمجھتے ہیں نہ اسے رحمان اور رحیم خیال کرتے ہیں اور نہ جزا سزا اس کے ہاتھ میں یقین رکھتے ہیں بلکہ ان کے گمان میں حقیقی خدا کے وجود سے زمین اور آسمان خالی پڑا ہوا ہے اور جو کچھ ہے ابنِ مریم ہی ہے۔ اگر ربّ ہے تو وہی ہے۔ اگر رحمان ہے تو وہی ہے۔ اگر رحیم ہے تو وہی ہے۔ اگر مالک یوم الدین ہے تو وہی ہے۔ ایسا ہی عام ہندو اور آریہ بھی ان صداقتوں سے منحرف ہیں۔ کیونکہ ان میں سے جو آریہ ہیں وہ تو خدائے تعالیٰ کو خالق ہی نہیں سمجھتے۔ اور اپنی روحوں کا ربّ اس کو قرار نہیں دیتے۔ اور جو ان میں سے بت پرست ہیں وہ صفتِ ربوبیت کو اس ربّ العالمین سے خاص نہیں سمجھتے اور تینتیس کروڑ دیوتا ربوبیت کے کاروبار میں خدائے تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہیں اور ان سے مرادیں مانگتے ہیں اور یہ ہر دو فریق خدائے تعالیٰ کی رحمانیت کے بھی انکاری ہیں اور اپنے وید کے رو سے یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ رحمانیت کی صفت ہرگز خدائے تعالیٰ میں نہیں پائی جاتی اور جو کچھ دنیا کے لئے خدا نے

بنایا ہے یہ خود دنیا کے نیک عملوں کی وجہ سے خدا کو بنانا پڑا۔ ورنہ پرمیشر خود اپنے ارادہ سے کسی سے نیکی نہیں کر سکتا اور نہ کبھی کی۔ اسی طرح خدائے تعالیٰ کو کامل طور پر رحیم بھی نہیں سمجھتے کیونکہ ان لوگوں کا اعتقاد ہے کہ کوئی گنہگار خواہ کیسا ہی سچے دل سے توبہ کرے اور خواہ وہ سالہا سال تضرّع اور زاری اور اعمالِ صالح میں مشغول رہے خدا اس کے گناہوں کو جو اس سے صادر ہو چکے ہیں ہرگز نہیں بخشے گا جب تک وہ کئی لاکھ جونوں کو بھگت کر اپنی سزا نہ پالے۔ جب ہی کسی نے ایک گناہ کیا پھر نہ وہاں توبہ کام آوے نہ بندگی نہ خوفِ الٰہی نہ عشقِ الٰہی نہ اور کوئی عمل صالح گویا وہ جیتے جی ہی مر گیا اور خدائے تعالیٰ کی رحیمیت سے بکلّی ناامید ہو گیا۔ علیٰ ہذا القیاس یہ لوگ یوم الجزاء پر جس کے رو سے خدائے تعالیٰ مالک یوم الدین کہلاتا ہے صحیح طور پر ایمان نہیں رکھتے اور جن طریقوں متذکرہ بالا کے رو سے انسان اپنی سعادتِ عظمیٰ تک پہنچتا ہے یا شقاوتِ عظمیٰ میں پڑتا ہے اس کامل سعادت اور شقاوت کے ظہور سے انکاری ہیں اور نجاتِ اُخروی کو صرف ایک خیالی اور وہمی طور پر سمجھ رہے ہیں بلکہ وہ نجات ابدی کے قائل ہی نہیں ہیں اور ان کا مقولہ ہے کہ انسان کو ہمیشہ کے لئے نہ اس جگہ آرام ہے اور نہ اُس جگہ اور نیز ان کے زُعم باطل میں دنیا بھی آخرت کی طرح ایک کامل دارالجزاء ہے۔ جس کو دنیا میں بہت سی دولت دی گئی وہ اس کے نیک عملوں کے عوض میں کہ جو کسی پہلے جنم میں اس نے کئے ہوں گے دی گئی ہے اور وہ اس بات کا مستحق ہے کہ اسی دنیا میں اپنے نفسِ امّارہ کی خواہشوں کے پورا کرنے میں اس دولت کو خرچ کرے۔ لیکن ظاہر ہے کہ اسی جہان میں خدائے تعالیٰ کا کسی کو اس غرض سے دولت دینا کہ وہ اس دولت کو فی الحقیقت اپنے اعمال کی جزاء سمجھ کر کھانے پینے اور ہر طرح کی عیاشی کے لئے آلہ بناوے۔ یہ ایک ایسا ناجائز فعل ہے کہ جس کو خدائے تعالیٰ کی طرف نسبت کرنا نہایت درجہ کی بے ادبی ہے کیونکہ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ گویا ہندوؤں کا پرمیشر آپ ہی لوگوں کو بدفعلی اور پلیدی میں ڈالنا چاہتا ہے۔ اور قبل اس کے جوان کا نفس پاک ہو نفسانی لذّات کے وسیع دروازے ان پر کھولتا ہے۔ اور پہلے جنموں کے نیک عملوں کا اجر ان کو یہ دیتا ہے کہ پچھلے جنم میں وہ ہر طرح کے اسباب تنعّم پا کر اور نفسِ امّارہ کے پورے پورے تابع بن کر پھر تحت الثریٰ میں جا پڑیں اور ظاہر ہے کہ جس شخص کے خیال میں یہ بھرا ہوا ہے کہ میرے ہاتھ میں جس قدر دولت اور مال اور حشمت اور حکومت ہے یہ میرے ہی اعمال سابقہ کا بدلہ ہے وہ کیا کچھ نفسِ امّارہ کی پیروی نہیں کرے گا۔ لیکن اگر وہ یہ سمجھتا کہ دنیا دارالجزاء نہیں ہے بلکہ دارالابتلاء ہے اور جو کچھ مجھ کو دیا گیا ہے وہ بطور ابتلاء اور آزمائش کے دیا گیا ہے تا یہ ظاہر کیا

جاوے کہ میں کس طور پر اس میں تصرّف کرتا ہوں۔ کوئی ایسی شے نہیں ہے جو میری ملکیت یا میرا حق ہو تو ایسا سمجھنے سے وہ اپنی نجات اس بات میں دیکھتا کہ اپنا تمام مال نیک مصارف میں خرچ کرے اور نیز وہ غایت درجہ کا شکر بھی کرتا کیونکہ وہی شخص دلی اخلاص اور محبت سے شکر کر سکتا ہے کہ جو سمجھتا ہے کہ میں نے مفت پایا اور بغیر کسی استحقاق کے مجھ کو ملا ہے۔ غرض آریا لوگوں کے نزدیک خدائے تعالیٰ نہ ربّ العالمین ہے نہ رحمان نہ رحیم اور نہ ابدی اور دائمی اور کامل جزا دینے پر قادر ہے۔

اب ہم یہ بھی ظاہر کرتے ہیں کہ برہمو سماج والوں کا معارف مذکورہ بالا کی نسبت کیا حال ہے یعنی وہ ہر چہار صداقتیں کہ جو ابھی مذکور ہوئی ہیں۔ برہمو لوگ ان پر ثابت قدم ہیں یا نہیں۔ سو واضح ہو کہ برہمو لوگ ان چاروں صداقتوں پر جیسا کہ چاہئے ثبات اور قیام نہیں رکھتے بلکہ ان معارفِ عالیہ کے کامل مفہوم پر ان کو اطلاع ہی نہیں۔ اوّل خدا کا ربّ العالمین ہونا کہ جو ربوبیّتِ تامّہ سے مراد ہے برہمو لوگوں کی سمجھ اور عقل سے اب تک چھپا ہوا ہے اور وہ لوگ ربوبیّتِ الٰہیہ کا دنیا پر اس سے زیادہ اثر نہیں سمجھتے کہ اس نے کسی وقت یہ تمام عالم معہ اس کی تمام قوتوں اور طاقتوں کے پیدا کیا ہے۔ لیکن اب وہ تمام قوتیں اور طاقتیں مستقل طور پر اپنے اپنے کام میں لگی ہوئی ہیں اور خدائے تعالیٰ کو قدرت نہیں ہے کہ ان میں کچھ تصرّف کرے یا کچھ تغیّر اور تبدّل ظہور میں لاوے۔ اور ان کی زُعم باطل میں قوانین نیچریہ کی مستحکم اور پائیدار بنیاد نے قادرِ مطلق کو معطّل اور بیکار کی طرح کر دیا ہے اور ان میں تصرّف کرنے کے لئے کوئی راہ اس پر کھلا نہیں اور ایسی کوئی بھی تدبیر اس کو یاد نہیں جس سے وہ مثلاً کسی مادہ حار کو اس کی تاثیر حرارت سے روک سکے یا کسی مادہ بارد کو اس کی برودت کے اثروں سے بند کر سکے یا آگ میں اس کی خاصیت احراق کی ظاہر نہ ہونے دے۔ اور اگر اس کو کوئی تدبیر یاد بھی ہے تو صرف انہیں حدود تک جن پر علم انسان کا محیط ہے اس سے زیادہ نہیں یعنی جو کچھ محدود اور محصور طور پر کوائف وخواص عالم کے متعلق انسان نے دریافت کیا ہے اور جو کچھ تادمِ حال بشری تجارب کے احاطہ میں آ چکا ہے یہیں تک خدا کی قدرتوں کی حد بست ہے اور اس سے بڑھ کر اس کی قدرتِ تامہ اور ربوبیتِ عامہ کوئی کام نہیں کر سکتی گویا خدا کی قدرتیں اور حکمتیں ہمگی تمامی یہی ہیں جن کو انسان دریافت کر چکا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ اعتقاد ربوبیتِ تامہ اور قدرتِ کاملہ کے مفہوم سے بکلّی منافی ہے۔ کیونکہ ربوبیتِ تامہ اور قدرتِ کاملہ وہ ہے کہ جو اس ذات غیر محدود کی طرح غیر محدود ہے اور کوئی انسانی قاعدہ اور قانون اس پر احاطہ نہیں کر سکتا۔

؎ نہیں محصور ہرگز راستہ قدرت نمائی کا خدا کی قدرتوں کا حصر دعویٰ ہے خدائی کا

جاننا چاہئے کہ جو امر غیر محدود اور غیر محصور ہے وہ کسی قانون کے اندر آ ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ جو چیز اوّل سے آخر تک قواعد معلومہ مفہومہ کے سلسلہ کے اندر داخل ہو اور کوئی جز اُس کا اس سلسلہ سے باہر نہ ہو اور نہ غیر معلوم اور نامفہوم ہو تو وہ چیز محدود ہوتی ہے۔ اب اگر خدائے تعالیٰ کی قدرت کاملہ و ربوبیتِ تامّہ کو قوانین محدودہ محصورہ میں ہی منحصر سمجھا جائے تو جس چیز کو غیر محدود تسلیم کیا گیا ہے اس کا محدود ہونا لازم آ جائے گا۔ پس برہموسماج والوں کی یہی بھاری غلطی ہے کہ وہ خدائے تعالیٰ کی غیر متناہی قدرتوں اور ربوبیّتوں کو اپنے تنگ اور منقبض تجارب کے دائرہ میں گھسیٹرنا چاہتے ہیں اور نہیں سمجھتے کہ جو امور ایک قانون مشخّص مقرر کے نیچے آ جائیں ان کا مفہوم محدود ہونے کو لازم پڑا ہوا ہے۔ اور جو حکمتیں اور قدرتیں ذات غیر محدود میں پائی جاتی ہیں ان کا غیر محدود ہونا واجب ہے۔ کیا کوئی دانا کہہ سکتا ہے کہ اس ذات قادر مطلق کو اس اس طور پر بنانا یاد ہے اور اس سے زیادہ نہیں۔ کیا اس کی غیر متناہی قدرتیں انسانی قیاس کے پیمانہ سے وزن کی جاسکتی ہیں یا اس کی قادرانہ اور غیر متناہی حکمتیں تصرف فی العالم سے کسی وقت عاجز ہوسکتی ہیں؟ بلاشبہ اس کا پُرزور ہاتھ ذرہ ذرہ پر قابض ہے اور کسی مخلوق کا قیام اور بقا اپنی مستحکم پیدائش کے موجب سے نہیں بلکہ اسی کے سہارے اور آسرے سے ہے اور اس کی ربّانی طاقتوں کے آگے بے شمار میدان قدرتوں کے پڑے ہیں۔ نہ اندرونی طور پر کسی جگہ انتہا ہے اور نہ بیرونی طور پر کوئی کنارہ ہے۔ جس طرح یہ ممکن ہے کہ خدا تعالیٰ ایک مشتعل آگ کی تیزی فرو کرنے کے لئے خارج میں کوئی ایسے اسباب پیدا کرے جن سے اس آگ کی تیزی جاتی رہے۔ اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ خدا تعالیٰ اُس آگ کی خاصیّت احراق دور کرنے کے لئے اُسی کے وجود میں کوئی ایسے اسباب پیدا کردے جن سے خاصیت احراق دور ہوجائے کیونکہ اُس کی غیر متناہی حکمتوں اور قدرتوں کے آگے کوئی بات اَن ہونی نہیں۔ اور جب ہم اُس کی حکمتوں اور قدرتوں کو غیر متناہی مان چکے تو ہم پر یہ بھی فرض ہے کہ ہم اِس بات کو بھی مان لیں کہ اس کی تمام حکمتوں اور قدرتوں پر ہم کو علم حاصل ہونا ممتنع اور محال ہے۔ سو ہم اس کی ناپیدا کنار حکمتوں اور قدرتوں کے لئے کوئی قانون نہیں بنا سکتے۔ اور جس چیز کی حدود ہمیں معلوم ہی نہیں اُس کی پیمائش کرنے سے ہم عاجز ہیں۔ ہم بنی آدم کی دنیا کا نہایت ہی تنگ اور چھوٹا سا دائرہ ہیں اور پھر اس دائرہ کا بھی پورا پورا ہمیں علم حاصل نہیں۔ پس اس صورت میں ہماری نہایت ہی کم ظرفی اور سفاہت ہے کہ ہم اس اقلّ قلیل پیمانہ سے خدائے تعالیٰ کی غیر محدود حکمتوں اور قدرتوں کو ناپنے

لگیں۔ غرض خدائے تعالیٰ کی ربوبیّتِ تامہ اور قدرتِ کاملہ کہ جو ذرّہ ذرّہ کے وجود اور بقا کے لئے ہر دم اور ہر لحظہ آبپاشی کر رہی ہے اور جس کے عمیق در عمیق تصرّفات تعداد اور شمار سے باہر ہیں اُس ربوبیّتِ تامّہ سے برہموسماج والے منکر ہیں۔ ماسوا اِس کے برہموسماج والے ربوبیّتِ الٰہیہ کو روحانی طور پر بھی تام اور کامل نہیں سمجھتے اور خدائے تعالیٰ کو اس قدرت سے عاجز اور درماندہ خیال کرتے ہیں کہ وہ اپنی ربوبیّتِ تامہ کے تقاضا سے اپنا روشن اور لاریب فیہ کلام انسانوں کی ہدایت کے لئے نازل کرتا۔

اسی طرح وہ خدائے تعالیٰ کی رحمانیت پر بھی کامل طور پر ایمان نہیں لاتے۔ کیونکہ کامل رحمانیت یہ ہے کہ جس طرح خدائے تعالیٰ نے ابدان کی تکمیل اور تربیت کے لئے تمام اسباب اپنے خاص دستِ قدرت سے ظاہر فرمائے ہیں اور اس چند روزہ جسمانی آسائش کے لئے سورج اور چاند اور ہوا اور بادل وغیرہ صدہا چیزیں اپنے ہاتھ سے بنا دی ہیں اسی طرح اس نے روحانی تکمیل اور تربیت کے لئے اور اُس عالم کی آسائش کے لئے جس کی شقاوت اور سعادت ابدی اور دائمی ہے روحانی نور یعنی اپنا پاک اور روشن کلام دنیا کے انجام کے لئے بھیجا ہو۔ اور جس علم کی مستعد روحوں کو ضرورت ہے وہ سب علم آپ عطا فرمایا ہو۔ اور جن شکوک اور شبہات میں اُن کی ہلاکت ہے اِن سب شکوک سے آپ نجات بخشی ہو لیکن اِس کامل رحمانیت کو برہموسماج والے تسلیم نہیں کرتے۔ اور ان کے زُعم میں گو خدا نے انسان کے شکم پُر کرنے کے لئے ہر یک طرح کی مدد کی اور کوئی دقیقہ تائید کا اٹھا نہ رکھا مگر وہ مدد روحانی تربیت میں نہ کر سکا۔ گویا خدا نے روحانی تربیت کے بارے میں جو اصلی اور حقیقی تربیت تھی دانستہ دریغ کیا اور اُس کے لئے ایسے زبردست اور قوی اور خاص اسباب پیدا نہ کئے جیسے اُس نے بدنی تربیت کے لئے پیدا کئے بلکہ انسان کو صرف اُسی کی عقلِ ناقص کے ہاتھ میں چھوڑ دیا اور کوئی ایسا کامل نور اپنی طرف سے اُس کی عقل کی امداد کے لئے پیدا نہ کیا جس سے عقل کی پُرغبار آنکھ روشن ہو کر سیدھا راستہ اختیار کرتی اور سہو اور غلطی کے مہلک خطرات سے بچ جاتی۔

اسی طرح برہموسماج والے خدائے تعالیٰ کی رحیمیّت پر بھی کامل طور پر ایمان نہیں رکھتے۔ کیونکہ کامل رحیمیّت یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ مستعد روحوں کو اُن کے فطرتی جوشوں کے مطابق اور اُن کے پُرجوش اخلاص کے اندازہ پر اور اُن کے صدق سے بھری ہوئی کوششوں کے مقدار پر معارفِ صافیہ غیر محجوبہ سے ان کو ملبّب کرے اور جس قدر وہ اپنے دلوں کو کھولیں اُسی قدر اُن کے لئے آسمانی دروازے کھولے جائیں۔ اور جس قدر اُن کی پیاس بڑھتی جائے اُسی قدر اُن کو پانی بھی دیا جائے یہاں تک کہ وہ حق الیقین کے شربت خوشگوار

سے سیراب ہو جائیں اور شک اور شبہ کی موت سے بکلّی نجات حاصل ہو لیکن برہموسماج والے اس صداقت سے انکاری ہیں اور بقول اُن کے انسان کچھ ایسا بدقسمت ہے کہ گو کیسا ہی دلبر حقیقی کے وصال کے لئے تڑپا کرے اور گو اُس کی آنکھوں سے دریا بہہ نکلے اور گو اس یار عزیز کے لئے خاک میں مل جائے مگر وہ ہرگز نہ ملے۔ اور ان کے نزدیک وہ کچھ ایسا سخت دل ہے کہ جس کو اپنے طالبوں پر رحم ہی نہیں اور اپنے خاص نشانوں سے ڈھونڈھنے والوں کو تسلّی نہیں بخشتا اور اپنے دلبرانہ تجلّیات سے دردمندوں کا کچھ علاج نہیں کرتا۔ بلکہ اُن کو اُنہیں کے خیالات میں آوارہ چھوڑتا ہے۔ اور اس سے زیادہ اُن کو کچھ بھی معرفت عطا نہیں کرتا کہ صرف اپنی اٹکلیں دوڑایا کریں اور اُنہیں اٹکلوں میں ہی ساری عمر کھو کر اپنی ظلمانی حالت میں ہی مر جائیں۔ مگر کیا یہ سچ ہے کہ خداوند کریم ایسا ہی سخت دل ہے یا ایسا ہی بے رحم اور بخیل ہے یا ایسا ہی کمزور اور ناتوان ہے کہ ڈھونڈنے والوں کو سراسیمہ اور حیران چھوڑتا ہے اور کھٹکانے والوں پر اپنا دروازہ بند رکھتا ہے اور جو صدق سے اس کی طرف دوڑتے ہیں ان کی کمزوری پر رحم نہیں کرتا اور ان کا ہاتھ نہیں پکڑتا اور ان سچے طالبوں کو گڑھے میں گرنے دیتا ہے اور خود لُطف فرما کر چند قدم آگے نہیں آتا اور اپنے جلوہ خاص سے مشکلات کے لمبے قصہ کو کوتاہ نہیں کرتا۔ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ۔

اسی طرح برہموسماج والے خدائے تعالیٰ کے مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ہونے سے بھی بے خبر ہیں۔ کیونکہ یوم الجزاء کے مالک ہونے کی حقیقت یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کی ملکیتِ تامہ کہ جو تجلیاتِ عظمٰی پر موقوف ہے ظہور میں آ کر پھر اس ملکیتِ تامہ کی شان کے موافق پوری پوری جزا بندوں کو دی جائے۔ یعنی اوّل اُس مالکِ حقیقی کی ملکیّتِ تامہ کا ثبوت ایسے کامل الظہور مرتبہ پر ہو جائے کہ تمام اسباب معتادہ بکلّی درمیان سے اٹھ جائیں اور زید و عمر کا دخل درمیان نہ رہے اور مالک واحد قہار کا وجود عریاں طور پر نظر آوے اور جب یہ معرفت کاملہ اپنا جلوہ دکھا چکی تو پھر جزا بھی بطور کامل ظہور میں آوے یعنی من حیث الورود بھی کامل ہو اور من حیث الوجود بھی۔ من حیث الورود اس طرح پر کہ ہر یک جزایاب کو جزا کے وارد ہونے کے ساتھ ہی یہ بات معلوم اور متحقّق ہو کہ یہ فی الحقیقت اس کے اعمال کی جزا ہے اور نیز یہ بھی متحقّق ہو کہ اس جزا کا وارد کنندہ فی الحقیقت کریم ہی ہے جو ربّ العالمین ہے کوئی دوسرا نہیں اور ان دونوں باتوں میں ایسا تحقّق ہو کہ کوئی اشتباہ درمیان نہ رہ جائے اور من حیث الوجود اس طرح پر کامل ہو کہ انسان کے دل اور روح اور ظاہر اور باطن اور جسم اور جان اور ہر یک روحانی اور بدنی قوت پر ایک دائرہ کی طرح محیط ہو جائے۔ اور نیز دائمی اور لازوال اور غیر منقطع ہو تا وہ شخص جو نیکیوں میں سبقت لے گیا ہے اپنی اُس سعادتِ عظمٰی کو کہ جو تمام سعادتوں کا انتہائی

مرتبہ ہے اور وہ شخص کہ جو بدیوں میں سبقت لے گیا ہے اپنی اُس شقاوتِ عظمیٰ کو کہ جو تمام شقاوتوں کی آخری حد ہے پہنچ جائے اور تا ہر یک فریق اس اعلیٰ درجہ کے مکافات کو پالے جو اس کے لئے ممکن ہے یعنی اس کامل اور دائمی مکافات کو پالے کہ جو اس عالم بے بقا اور زوال پذیر میں جس کا تمام رنج و راحت موت کے ساتھ ختم ہو جاتا ہے بمنصہ ءظہور نہیں آ سکتی بلکہ اس کے کامل ظہور کے لئے مالکِ حقیقی نے اپنے لُطف کامل اور قہر عظیم کے دکھلانے کی غرض سے یعنی جمالی وجلالی صفتوں کی پوری پوری تجلی ظاہر کرنے کے قصد سے ایک اَور عالم جو ابدی اور لازوال ہے مقرر کر رکھا ہے تا خدائے تعالیٰ میں جو صفتِ مجازات ہے جس کا کامل طور پر اس منقبض اور فانی عالم میں ظہور نہیں ہو سکتا وہ اس ابدی اور وسیع عالم میں ظہور پذیر ہو جائے اور تا ان تجلیاتِ تامہ اور کاملہ سے انسان اُس اعلیٰ درجہ کے شہودِ تام تک بھی پہنچ جائے کہ جو اس کی بشری طاقتوں کے لئے حدِ امکان میں داخل ہے اور چونکہ اعلیٰ درجہ کی مکافات عندالعقل اسی میں منحصر ہے کہ جو امر بطور جزا وارد ہے وہ انسان کے ظاہر و باطن وجسم وجان پر بتمام وکمال دائمی ولازمی طور پر محیط ہو جائے اور نیز اعلیٰ درجہ کا یقین مالک حقیقی کے وجود کی نسبت اسی بات پر موقوف ہے کہ وہ مالک حقیقی اسبابِ معتادہ کو بکلّی نیست ونابود کر کے عریاں طور پر جلوہ گر ہو۔ اس لئے یہ صداقتِ قصویٰ جس سے مطلب انتہائی معرفت اور انتہائی مکافات ہے تب ہی متحقق ہوگی کہ جب وہ تمام باتیں مذکورہ بالا متحقق ہو جائیں کہ جو عندالعقل اس کی تعریف میں داخل ہیں کیونکہ انتہائی معرفت بجز اس کے عندالعقل ممکن نہیں کہ مالک حقیقی کا جمال بطور حق الیقین مشہود ہو یعنی ظہور اور بروز تام ہو جس پر زیادت متصوّر نہ ہو۔ علیٰ ہذا القیاس انتہائی مکافات بھی بجز اس کے عندالعقل غیر ممکن ہے کہ جیسے جسم اور جان دونوں دنیا کی زندگی میں مل کر فرمانبردار یا نافرمان اور سرکش تھے ایسا ہی مکافات کے وقت وہ دونوں موردِ انعام ہوں یا دونوں سزا میں پکڑے جائیں اور مکافاتِ کاملہ کا بحرِ موّاج یکساں ظاہر و باطن پر اپنے احاطہ ءتام سے محیط اور مشتمل ہو جائے لیکن برہمو سماج والے اس صداقت سے بھی انکاری ہیں۔ بلکہ اس صداقتِ قصویٰ کا وجود ان کے نزدیک متحقق ہی نہیں اور بزعم ان کے انسان کی قسمت میں نہ انتہائی معرفت کا پانا مقدر ہے نہ انتہائی مکافات کا اور مکافات ان کے نزدیک فقط ایک خیالی پلاؤ ہے جو صرف اپنے ہی بے بنیاد تصوّرات سے پکایا جائے گا نہ حقیقی طور پر کوئی جزا خدائے تعالیٰ کی طرف سے بندوں پر وارد ہوگی نہ کوئی سزا بلکہ خود تراشیدہ خیالات ہی خوش حالی یا بدحالی کے موجب ہو جائیں گے اور کوئی ایسا ظاہری و باطنی امر نہیں ہوگا کہ جو خاص خدائے تعالیٰ کے ارادہ سے نیک بندوں پر بصورت نعمت اور بد بندوں پر بصورت عذاب اترے گا۔ پس ان کا یہ مذہب نہیں ہے کہ امر مجازات کا خدا مالک ہے۔ اور وہی اپنے نیک بندوں پر اپنے خاص ارادہ سے

خوشحالی اور لذّتِ دائمی کا فیضان کرے گا۔ جس لذّتِ کاملہ کو سعید لوگ نہ صرف باطنی طور پر بلکہ صورِ مشہودہ اور محسوسہ میں بھی مشاہدہ کریں گے اور قویٰ انسانیہ میں سے کوئی قوت ظاہری ہو یا باطنی اپنے مناسبِ حال لذّت اٹھانے سے محروم نہیں رہے گی اور جسم اور جان دونوں راحت یا عذابِ اُخروی میں یعنی جیسی کہ صورت ہو شریک ہوجائیں گے۔ غرض برہموسماج والوں کا اعتقاد بالکل اس صداقت کے برخلاف اور اس کے مفہومِ کامل کے منافی ہے یہاں تک کہ وہ اپنی کور باطنی سے نجاتِ اُخروی کے جسمانی سامان کو کہ جو ظاہری قوتوں کے مناسبِ حال سعادتِ عظمیٰ کی تکمیل کے لئے قرآنِ شریف میں بیان کیا گیا ہے اور اسی طرح عذابِ اُخروی کے جسمانی سامان کو کہ جو ظاہری قوتوں کے مناسبِ حال شقاوتِ عظمیٰ کی تکمیل کے لئے فرقانِ مجید میں مندرج ہے موردِ اعتراض سمجھتے ہیں مگر ایسی سمجھ پر پتھر پڑیں کہ جو ایک بدیہی اور کامل صداقت کو عیب کی صورت میں تصوّر کیا جائے۔ افسوس یہ لوگ کیوں نہیں سمجھتے کہ سعادتِ عظمیٰ یا شقاوتِ عظمیٰ کے پانے کے لئے یہی ایک طریق ہے کہ خدائے تعالیٰ توجہ خاص فرما کر امر مکافات کو کامل طور پر نازل کرے اور کامل طور پر نازل ہونے کے یہی معنے ہیں کہ وہ مکافات تمام ظاہر و باطن پر مستولی ہوجائے اور کوئی ایسی ظاہری یا باطنی قوت باقی نہ رہے جس کو اس مکافات سے حِصّہ نہ پہنچا ہو یہ وہی مکافاتِ عظیمہ کا انتہائی مرتبہ ہے جس کو فرقان مجید نے دوسرے لفظوں میں بہشت اور دوزخ کے نام سے تعبیر کیا ہے اور اپنی کامل اور روشن کتاب میں بتلا دیا ہے کہ وہ بہشت اور دوزخ روحانی اور جسمانی دونوں قسم کے مکافات پر کامل طور پر مشتمل ہے اور ان دونوں قسموں کو کتابِ ممدوح میں مفصل طور پر بیان فرما دیا ہے اور سعادتِ عظمیٰ اور شقاوتِ عظمیٰ کی حقیقت کو بخوبی کھول دیا ہے۔ مگر جیسا کہ ہم ابھی بیان کر چکے ہیں اِس صداقتِ قصویٰ اور نیز دوسری گزشتہ بالا صداقتوں سے برہموسماج والے ناآشنا محض ہیں۔

(براہین احمدیہ چہار حصص روحانی خزائن جلد ا صفحہ ۴۵۷ تا ۵۲۴ حاشیہ ۱۱)

ثُمَّ إِنَّ فَيْضَ الرُّبُوْبِيَّةِ أَعَمُّ وَأَكْمَلُ وَأَتَمُّ مِنْ كُلِّ فَيْضٍ يُّتَصَوَّرُ فِي الْأَفْئِدَةِ. أَوْ يَجْرِيْ ذِكْرُهُ عَلَى الْأَلْسِنَةِ. ثُمَّ بَعْدَهُ فَيْضٌ عَامٌّ وَّقَدْ خُصَّ بِالنُّفُوْسِ الْحَيَوَانِيَّةِ وَ الْإِنْسَانِيَّةِ. وَهُوَ فَيْضُ صِفَةِ

پھر ربوبیت کا فیض ہر اس فیض سے جس کا دلوں میں تصوّر کیا جا سکے یا جس کا ذکر زبانوں پر جاری ہو زیادہ وسیع، زیادہ کامل اور زیادہ جامع ہے۔ پھر اس کے بعد ایک فیض عام ہے اور وہ حیوانوں اور انسانوں سے مخصوص ہے۔ اور وہ صفتِ رحمانیت کا فیض ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے

الرَّحْمَانِيَّةِ. وَذَكَرَهُ اللهُ بِقَوْلِهِ الرَّحْمٰنِ وَخَصَّهُ بِذَوِي الرُّوْحِ مِنْ دُوْنِ الْأَجْسَامِ الْجَمَادِيَّةِ وَ النَّبَاتِيَّةِ. ثُمَّ بَعْدَ ذَالِكَ فَيْضٌ خَاصٌّ وَّهُوَ فَيْضُ صِفَةِ الرَّحِيْمِيَّةِ. وَلَا يَنْزِلُ هٰذَا الْفَيْضُ إِلَّا عَلَى النَّفْسِ الَّتِيْ سَعٰى سَعْيَهَا لِكَسْبِ الْفُيُوْضِ الْمُتَرَقَّبَةِ. وَ لِذَالِكَ يَخْتَصُّ بِالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَأَطَاعُوْا رَبًّا كَرِيْمًا. كَمَا صُرِّحَ فِيْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى ''وَ كَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا★.'' فَثَبَتَ بِنَصِّ الْقُرْاٰنِ. أَنَّ الرَّحِيْمِيَّةَ مَخْصُوْصَةٌ بِأَهْلِ الْإِيْمَانِ. وَأَمَّا الرَّحْمَانِيَّةُ فَقَدْ وَسِعَتْ كُلَّ حَيَوَانٍ مِّنَ الْحَيَوَانَاتِ. حَتّٰى إِنَّ الشَّيْطَانَ نَالَ نَصِيْبًا مِّنْهَا بِأَمْرِ حَضْرَةِ رَبِّ الْكَائِنَاتِ.

وَ حَاصِلُ الْكَلَامِ اَنَّ الرَّحِيْمِيَّةَ تَتَعَلَّقُ بِفُيُوْضٍ تَتَرَتَّبُ عَلَى الْأَعْمَالِ. وَيَخْتَصُّ بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ دُوْنِ الْكَافِرِيْنَ وَأَهْلِ الضَّلَالِ. ثُمَّ بَعْدَ الرَّحِيْمِيَّةِ فَيْضٌ اٰخَرُ وَهُوَ فَيْضُ الْجَزَاءِ الْأَتَمِّ وَالْمُكَافَاتِ. وَإِيْصَالُ الصَّالِحِيْنَ إِلٰى نَتِيْجَةِ الصَّالِحَاتِ وَالْحَسَنَاتِ. وَإِلَيْهِ أَشَارَ عَزَّ اسْمُهٗ بِقَوْلِهٖ ''مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ.'' وَ إِنَّهٗ

اس کا ذکر اپنے قول الرَّحْمٰن میں کیا ہے۔ اور اسے جمادی اور نباتی اجسام کو چھوڑ کر صرف جاندار چیزوں سے وابستہ کیا ہے۔ پھر اس کے بعد ایک فیض خاص ہے اور وہ صفت رحیمیّت کا فیض ہے۔ اور یہ فیض صرف اسی انسان پر نازل ہوتا ہے جو فیوض منتظرہ کے حاصل کرنے کے لئے اپنی پوری کوشش کرے۔ اس وجہ سے یہ فیض انہی لوگوں سے مخصوص ہے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور انہوں نے ربّ کریم کی اطاعت کی جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے کلام وَ كَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا میں تصریح کر دی گئی ہے۔ پس نصِّ قرآن سے ثابت ہوا کہ رحیمیت صرف ایمانداروں سے مخصوص ہے۔ مگر رحمانیت کا دائرہ حیوانات میں سے ہر حیوان تک وسیع ہے۔ یہاں تک کہ شیطان نے بھی پروردگار عالم کے حکم سے اس فیض رحمانیت سے حصّہ پایا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ رحیمیّت ان فیوض سے تعلق رکھتی ہے جو اعمال پر مترتّب ہوتے ہیں۔ اور کافروں اور گمراہوں کو چھوڑ کر یہ صرف مومنوں سے خاص ہے۔ پھر رحیمیّت کے بعد ایک اور فیض ہے اور وہ جزائے کامل اور بدلہ دینے کا فیض ہے اور نیک لوگوں کو ان کی نیکیوں اور اعمالِ حسنہ کے نتیجہ تک پہنچانے کا نام ہے۔ اسی کی طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ میں اشارہ فرمایا ہے۔ اور یہ فیض پروردگار عالم کی طرف سے آخری

★(الاحزاب: ۴۴) ترجمہ۔ وہ مومنوں پر بار بار رحم کرنے والا ہے۔

اٰخَرُ الْفُیُوْضِ مِنْ رَّبِّ الْعَالَمِیْنَ۔ وَمَا ذُکِرَ فَیْضٌ بَعْدَہٗ فِیْ کِتَابِ اللّٰہِ أَعْلَمِ الْعَالِمِیْنَ۔ وَ الْفَرْقُ فِیْ ھٰذَا الْفَیْضِ وَ فَیْضِ الرَّحِیْمِیَّةِ۔ أَنَّ الرَّحِیْمِیَّةَ تُبَلِّغُ السَّالِكَ إِلٰی مَقَامٍ ھُوَ وَسِیْلَةُ النِّعْمَةِ۔ وَ أَمَّا فَیْضُ الْمَالِکِیَّةِ بِالْمَجَازَاتِ۔ فَھُوَ یُبَلِّغُ السَّالِكَ إِلٰی نَفْسِ النِّعْمَةِ وَإِلٰی مُنْتَهَی الثَّمَرَاتِ۔ وَغَایَةُ الْمُرَادَاتِ۔ وَ أَقْصَی الْمَقْصُوْدَاتِ۔ فَلَا خَفَآءَ أَنَّ ھٰذَا الْفَیْضَ ھُوَ اٰخَرُ الْفُیُوْضِ مِنَ الْحَضْرَةِ الْأَحَدِیَّةِ۔ وَلِلنَّشْأَةِ الْإِنْسَانِیَّةِ كَالْعِلَّةِ الْغَآئِیَّةِ۔ وَعَلَیْهِ یَتِمُّ النِّعَمُ كُلُّھَا وَ تَسْتَكْمِلُ بِهٖ دَآئِرَةُ الْمَعْرِفَةِ وَدَآئِرَةُ السِّلْسِلَةِ۔

فیض ہے۔ اور اس کے بعد سب عالموں سے زیادہ علم رکھنے والے خدا کی کتاب میں کسی اور فیض کا ذکر نہیں کیا گیا۔ اِس فیض اور رحیمیّت کے فیض میں یہ فرق ہے کہ رحیمیّت سالک کو اس مقام تک پہنچاتی ہے جو نعمت ملنے کا وسیلہ ہے باقی رہا جزا سزا کے مالک کا فیض، سو وہ سالک کو حقیقی نعمت اور آخری ثمرہ اور مرادوں کی انتہا اور مقاصد کی آخری حد تک پہنچا دیتا ہے۔ پس ظاہر ہے کہ بارگاہِ ایزدی کے فیوض میں سے یہ انتہائی فیض ہے اور انسانی پیدائش کی علّتِ غائی ہے۔ اور اسی پر تمام نعمتیں ختم ہو جاتی ہیں۔ اور اس پر دائرہ معرفت اور دائرہ سلسلہ مکمل ہو جاتا ہے۔

أَ لَا تَرٰی أَنَّ سِلْسِلَةَ خُلَفَاءِ مُوْسٰی انْتَھَتْ إِلٰی نُكْتَةِ ''مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ''۔ فَظَھَرَ عِیْسٰی فِیْ اٰخِرِھَا وَ بُدِّلَ الْجَوْرُ وَالظُّلْمُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ مِنْ غَیْرِ حَرْبٍ وَّ مُحَارِبِیْنَ۔ كَمَا یُفْهَمُ مِنْ لَفْظِ الدِّیْنِ فَإِنَّهٗ جَآءَ بِمَعْنَی الْحِلْمِ وَالرِّفْقِ فِیْ لُغَةِ الْعَرَبِ وَ عِنْدَ أُدَبَآئِهِمْ أَجْمَعِیْنَ۔ فَاقْتَضَتْ مُمَاثَلَةُ نَبِیِّنَا بِمُوْسَی الْكَلِیْمِ۔ وَمُشَابَهَةُ خُلَفَآءِ مُوْسٰی بِخُلَفَآءِ نَبِیِّنَا الْكَرِیْمِ۔ أَنْ یَّظْھَرَ فِیْ اٰخِرِ ھٰذِهِ السِّلْسِلَةِ رَجُلٌ یُّشَابِهُ الْمَسِیْحَ۔ وَیَدْعُوْ إِلَی اللّٰهِ بِالْحِلْمِ وَیَضَعُ الْحَرْبَ وَیَقْرِبُ السَّیْفَ الْمُجِیْحَ۔ فَیَحْشُرُ

کیا تمہیں معلوم نہیں کہ خلفائے موسیٰ کا سلسلہ مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ کے نکتہ پر ختم ہو گیا تھا۔ چنانچہ اس سلسلہ کے آخر میں حضرت عیسیٰ آئے اور ظلم و جور کو بغیر کسی لڑائی اور لڑنے والوں کے عدل و احسان سے بدل دیا گیا۔ جیسا کہ الدّین کے لفظ سے سمجھا جاتا ہے۔ کیونکہ لغتِ عرب اور اہلِ عرب کے سب ادیبوں کے نزدیک یہ لفظ بردباری اور نرمی کے معنوں میں آیا ہے۔ پس ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی موسیٰ کلیم اللہ سے مماثلت اور خلفائے موسیٰ کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء سے مشابہت نے چاہا کہ اس سلسلہ (محمدی) کے آخر

النَّاسَ بِالْاٰیَاتِ مِنَ الرَّحْمَانِ۔ لَا بِالسَّیْفِ وَ السِّنَانِ۔ فَیُشَابِهُ زَمَانُهٗ زَمَانَ الْقِیَامَةِ وَ یَوْمَ الدِّیْنِ وَ النُّشُوْرِ۔ وَ یَمْلَأُ الْأَرْضَ نُوْرًا کَمَا مُلِئَتْ بِالْجَوْرِ وَ الزُّوْرِ۔ وَ قَدْ کَتَبَ اللّٰهُ أَنَّهٗ یُرِیْ نُمُوْذَجَ یَوْمِ الدِّیْنِ قَبْلَ یَوْمِ الدِّیْنِ۔ وَ یَحْشُرُ النَّاسَ بَعْدَ مَوْتِ التَّقْوٰی وَذَالِكَ وَقْتُ الْمَسِیْحِ الْمَوْعُوْدِ وَهُوَ زَمَانُ هٰذَا الْمِسْکِیْنِ۔ وَ إِلَیْهِ أَشَارَ فِیْ اٰیَةِ یَوْمِ الدِّیْنِ۔ فَلْیَتَدَبَّرْ مَنْ کَانَ مِنَ الْمُتَدَبِّرِیْنَ۔ وَحَاصِلُ الْکَلَامِ اَنَّ فِیْ هٰذِهِ الصِّفَاتِ الَّتِیْ خُصَّتْ بِاللّٰهِ ذِی الْفَضْلِ وَ الْإِحْسَانِ۔ حَقِیْقَةً مَّخْفِیَّةً وَّ نَبَأً مَّکْتُوْمًا مِّنَ اللّٰهِ الْمَنَّانِ۔ وَهُوَ أَنَّهٗ تَعَالٰی أَرَادَ بِذِکْرِهَا أَنْ یُنَبِّئَ رَسُوْلَهٗ بِحَقِیْقَةِ هٰذِهِ الصِّفَاتِ۔ فَأَرٰی حَقِیْقَتَهَا بِأَنْوَاعِ التَّأْیِیْدَاتِ۔ فَرَبّٰی نَبِیَّهٗ وَصَحَابَتَهٗ فَأَثْبَتَ بِهَا أَنَّهٗ رَبُّ الْعَالَمِیْنَ۔ ثُمَّ أَتَمَّ عَلَیْهِمْ نَعْمَآئَهٗ بِرَحْمَانِیَّتِهٖ مِنْ غَیْرِ عَمَلٍ

میں بھی کوئی ایسا مردِ کامل پیدا ہو جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مثیل ہو اور وہ (لوگوں کو) نرمی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف بلائے۔ جنگ کو موقوف کرے، تباہی پھیلانے والی تلوار کو نیام میں کرے اور لوگوں کو تلوار اور نیزہ کی بجائے خدائے رحمان کے چمکتے ہوئے نشانوں سے ایک نئی زندگی عطا کرے۔ پس اس کا زمانہ روز قیامت اور یوم جزا وحشر ونشر سے مشابہت رکھتا ہے۔ اور وہ زمین کو نُور سے بھر دے گا جیسا کہ وہ اس سے پہلے ظلم اور جھوٹ سے بھری ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ مقدر کر رکھا ہے کہ وہ حقیقی یوم الجزاء سے پہلے لوگوں کو اس کا نمونہ دکھائے اور تقویٰ کے مر جانے کے بعد لوگوں کو نئی زندگی بخشے اور یہی مسیح موعود کا زمانہ ہے۔ اور وہ (درحقیقت) اس عاجز کا (ہی) زمانہ ہے۔ اور اس کی طرف (اللہ تعالیٰ نے) آیت یومِ الدّین میں اشارہ کیا ہے پس تدبّر کرنے والے اس بات میں تدبّر کریں۔

اور خلاصہ کلام یہ ہے کہ اُن صفات میں جو فضل و احسان کے مالک اللہ تعالیٰ سے مخصوص ہیں ان میں خدا تعالیٰ محسنِ حقیقی کی طرف سے ایک حقیقت مخفی ہے اور ایک پیشگوئی پوشیدہ ہے اور وہ یہ ہے کہ ان صفات کے بیان کرنے سے خدا تعالیٰ کا منشاء یہ تھا کہ اپنے رسول (مقبول) کو ان صفات کی حقیقت سے آگاہ کرے اور کئی قسم کی تائیدات کے ذریعہ ان کی حقیقت واضح کرے۔ پس اس نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اور آپ کے صحابہؓ کی (خاص رنگ میں) تربیت فرمائی۔ اور اس کے ذریعہ ثابت کر دیا کہ وہ ربُّ العٰلمین ہے۔ پھر اپنی صفت رحمانیت کے ذریعہ جو بغیر کسی عامل کے عمل کے ظاہر ہوتی ہے ان پر اپنے

الْعَامِلِيْنَ۔ فَأَثْبَتَ بِهَا أَنَّهٗ أَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ۔ ثُمَّ أَرَاهُمْ عِنْدَ عَمَلِهِمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ أَيَادِيَ حِمَايَتِهٖ ۔ وَ أَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ بِعِنَايَتِهٖ ۔ وَ وَهَبَ لَهُمْ نُفُوْسًا مُّطْمَئِنَّةً۔ وَّ أَنْزَلَ عَلَيْهِمْ سَكِيْنَةً دَآئِمَةً۔ ثُمَّ أَرَادَ أَنْ يُّرِيَهُمْ نُمُوْذَجَ مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ۔ فَوَهَبَ لَهُمُ الْمُلْكَ وَ الْخِلَافَةَ وَ أَلْحَقَ أَعْدَآءَهُمْ بِالْهَالِكِيْنَ۔ وَأَهْلَكَ الْكَافِرِيْنَ وَأَزْعَجَهُمْ إِزْعَاجًا۔ ثُمَّ أَرٰى نُمُوْذَجَ النُّشُوْرِ فَأَخْرَجَ مِنَ الْقُبُوْرِ إِخْرَاجًا۔ فَدَخَلُوْا فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ أَفْوَاجًا وَّ بَدَرُوْا إِلَيْهِ فُرَادٰى وَ أَزْوَاجًا۔ فَرَأَى الصَّحَابَةُ أَمْوَاتًا يُّلْفَوْنَ حَيَاةً وَّ رَأَوْا بَعْدَ الْمَحْلِ مَآءً ثَجَّاجًا۔ وَّ سُمِّيَ ذَالِكَ الزَّمَانُ يَوْمَ الدِّيْنِ۔ لِأَنَّ الْحَقَّ حَصْحَصَ فِيْهِ وَدَخَلَ فِي الدِّيْنِ أَفْوَاجٌ مِّنَ الْكَافِرِيْنَ۔ ثُمَّ أَرَادَ أَنْ يُّرِيَ نُمُوْذَجَ هٰذِهِ الصِّفَاتِ فِيْ اٰخِرِيْنَ مِنَ الْأُمَّةِ۔ لِيَكُوْنَ اٰخِرُ الْمِلَّةِ كَمِثْلِ أَوَّلِهَا فِي الْكَيْفِيَّةِ۔ وَ لِيَتِمَّ أَمْرُ الْمُشَابَهَةِ بِالْأُمَمِ السَّابِقَةِ كَمَا أُشِيْرَ إِلَيْهِ فِيْ هٰذِهِ السُّوْرَةِ۔ أَعْنِيْ قَوْلَهٗ ''صِرَاطَ الَّذِيْنَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ۔'' فَتَدَبَّرْ أَلْفَاظَ هٰذِهٖ

انعامات کوانتہاء تک پہنچایا اوراس فیض کے ذریعہ ثابت کردیا کہ وہ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ہے۔ پھر اُس نے اپنی صفتِ رحیمیّت کے ذریعہ ان کے عمل کے وقت میں انہیں اپنی حمایت کے ہاتھ دکھائے اوراپنی مہربانی سے روح القدس کے ساتھ ان کی مدد کی۔ ان کونفوسِ مطمئنہ عطا فرمائے اور ان پر دائمی سکینت نازل کی۔ پھراس نے ارادہ کیا کہ انہیں اپنی صفت مالک یومُ الدّین کا نمونہ بھی دکھائے تو اُس نے انہیں حکومت اورخلافت بخشی اوران کے دشمنوں کو (پہلے) ہلاک ہونے والوں کے ساتھ ملا دیا۔ کافروں کوتباہ کردیا اورانہیں پوری طرح ملیا میٹ کردیا۔ پھراس نے حشر کا نمونہ دکھایا اور (روحانی لحاظ سے) قبروں میں پڑے ہوئے لوگوں کو باہر نکالا پس وہ فوج درفوج اللہ تعالیٰ کے دین میں داخل ہوگئے۔ اور اس کی طرف فرداً فرداً اور گروہ درگروہ دوڑ پڑے۔ پس صحابہؓ نے مُردوں کوزندہ ہوتے دیکھا، اور امساکِ باراں کے بعد موسلادھار بارش دیکھی اور اس زمانہ کا نام يَوْمُ الدِّيْن رکھا گیا۔ کیونکہ اس (زمانہ) میں حق ظاہر ہوگیا اور کافروں میں سے فوج درفوج لوگ دین (اسلام) میں داخل ہوئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ اُمت (محمدیہ) کے آخری دور میں بھی ان صفات کا نمونہ دکھائے، تا بلحاظ کیفیت ملّت کا آخری حِصّہ پہلے حِصّہ کی طرح ہو جائے اورتا گذشتہ اُمتوں کے ساتھ (اس اُمت کی) مشابہت پوری ہوجائے۔ جس کی طرف اس سورت میں اشارہ کیا گیا ہے یعنی ارشاد باری تعالیٰ صِرَاطَ الَّذِيْنَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ

الْاٰيَةِ۔

وَسُمِّيَ زَمَانُ الْمَسِيْحِ الْمَوْعُوْدِ يَوْمَ الدِّيْنِ۔ لِأَنَّهٗ زَمَانٌ يُّحْيٰى فِيْهِ الدِّيْنُ۔ وَ تُحْشَرُ النَّاسُ لِيُقْبِلُوْا بِالْيَقِيْنِ۔ وَلَا شَكَّ وَلَا خِلَافَ أَنَّهٗ رَبّٰى زَمَانَنَا هٰذَا بِأَنْوَاعِ التَّرْبِيَةِ۔ وَ أَرَانَا كَثِيْرًا مِّنْ فُيُوْضِ الرَّحْمَانِيَّةِ وَالرَّحِيْمِيَّةِ۔ كَمَا أَرَى السَّابِقِيْنَ مِنَ الْأَنْبِيَآءِ وَالرُّسُلِ۔ وَ أَرْبَابِ الْوَلَايَةِ وَالْخُلَّةِ۔ وَ بَقِيَتِ الصِّفَةُ الرَّابِعَةُ مِنْ هٰذِهِ الصِّفَاتِ۔ أَعْنِي التَّجَلِّي الَّذِيْ يُظْهَرُ فِيْ حُلَّةِ مَلِكٍ أَوْ مَالِكٍ فِيْ يَوْمِ الدِّيْنِ لِلْمُجَازَاتِ۔ فَجَعَلَهٗ لِلْمَسِيْحِ الْمَوْعُوْدِ كَالْمُعْجِزَاتِ۔ وَ جَعَلَهٗ حَكَمًا وَّ مَظْهَرًا لِّلْحُكُوْمَةِ السَّمَاوِيَّةِ بِتَأْيِيْدٍ مِّنَ الْغَيْبِ وَالْاٰيَاتِ۔ وَ سَتَعْلَمُ عِنْدَ تَفْسِيْرِ ''اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ'' هٰذِهِ الْحَقِيْقَةَ۔ وَ مَا قُلْتُ مِنْ عِنْدِ نَفْسِيْ بَلْ أُعْطِيْتُ مِنْ لَّدُنْ رَّبِّيْ هٰذِهِ النِّكَاتِ الدَّقِيْقَةَ۔

وَمَنْ تَدَبَّرَهَا حَقَّ التَّدَبُّرِ وَفَكَّرَ فِيْ هٰذِهِ الْاٰيَاتِ۔ عَلِمَ أَنَّ اللّٰهَ أَخْبَرَ فِيْهَا عَنِ الْمَسِيْحِ وَمِنْ زَمَنِهِ الَّذِيْ هُوَ زَمَنُ الْبَرَكَاتِ۔ ثُمَّ اعْلَمْ أَنَّ هٰذِهِ

میں۔ پس اس آیت کے الفاظ پر غور کریں۔

مسیح موعود کے زمانہ کا نام اس لئے بھی یَوْمُ الدِّیْن رکھا گیا کہ یہ ایسا زمانہ ہے جس میں دین کو زندہ کیا جائے گا اور لوگوں کو اس امر پر مجتمع کیا جائے گا کہ وہ (دلی) یقین کے ساتھ آگے بڑھیں۔ اور اس میں نہ کوئی شبہ ہے اور نہ ہی (کسی کو) کچھ اختلاف (ہوسکتا) ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے اس زمانہ کی کئی طریق سے تربیت فرمائی ہے اور رحمانیت اور رحیمیّت کے بہت سے فیوض ہمیں دکھائے ہیں جیسا کہ اس نے پہلے نبیوں، رسولوں، ولیوں اور اپنے دوستوں کو دکھائے تھے۔ ان صفات میں سے اب صرف چوتھی صفت باقی رہ گئی۔ میری مراد اس سے خدا تعالیٰ کی وہ تجلّی ہے جس کا ظہور بادشاہ یا مالک کے لباس میں جزا سزا دینے کے لئے یومِ جزا میں ہوگا۔ لہٰذا خدا تعالیٰ نے اس (تجلّی) کو مسیح موعود کے لئے معجزات کی طرح قرار دیا اور اُسے (مسیح موعود کو) غیبی تائید اور چمکتے نشانوں کے ساتھ حَکَم اور آسمانی حکومت کا نمائندہ بنایا۔ اے مخاطب! تجھے عنقریب اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ کی تفسیر کے موقع پر اس حقیقت کا علم ہوجائے گا اور مَیں نے یہ باتیں اپنے پاس سے نہیں کہیں بلکہ یہ باریک نکات مجھے اپنے ربّ کی طرف سے عطا کئے گئے ہیں۔

جو شخص ان (نکات) میں پورا تدبّر کرے گا اور ان آیات میں غور و فکر سے کام لے گا اُسے معلوم ہوجائے گا کہ ان میں اللہ تعالیٰ نے مسیح موعود اور اس کے زمانہ کے متعلق خبر دی ہے جو بڑا بابرکت ہے۔ پھر واضح رہے کہ یہ آیات گویا

الْاٰیَاتِ قَدْ وَقَعَتْ کَحَدٍّ مُّعَرِّفٍ لِلّٰهِ خَالِقِ الْکَائِنَاتِ۔ وَ إِنْ کَانَ اللهُ تَعَالٰی ذَاتُهٗ عَنِ التَّحْدِیْدَاتِ۔ وَمِنْ هٰذَا التَّعْلِیْمِ وَ الْإِفَادَةِ۔ یَتَّضِحُ مَعْنٰی کَلِمَةِ الشَّهَادَةِ۔ الَّتِیْ هِیَ مَنَاطُ الْإِیْمَانِ وَالسَّعَادَةِ۔ وَبِهٰذِهِ الصِّفَاتِ اسْتَحَقَّ اللهُ الطَّاعَةَ وَ خُصَّ بِالْعِبَادَةِ۔ فَإِنَّهٗ یُنَزِّلُ هٰذِهِ الْفُیُوْضَ بِالْإِرَادَةِ۔ فَإِنَّكَ إِذَا قُلْتَ لَآ اِلٰهَ إِلَّا اللهُ فَمَعْنَاهُ عِنْدَ ذَوِی الْحَصَاتِ۔ أَنَّ الْعِبَادَةَ لَا یَجُوْزُ لِأَحَدٍ مِّنَ الْمَعْبُوْدِیْنَ أَوِ الْمَعْبُوْدَاتِ۔ إِلَّا لِذَاتٍ غَیْرِ مُدْرَکَةٍ مُّسْتَجْمِعَةٍ لِّهٰذِهِ الصِّفَاتِ۔ أَعْنِی الرَّحْمَانِیَّةَ وَالرَّحِیْمِیَّةَ اللَّتَیْنِ هُمَا أَوَّلُ شَرْطٍ لِّمَوْجُوْدٍ مُّسْتَحِقٍّ لِّلْعِبَادَاتِ۔

ثُمَّ اعْلَمْ أَنَّ اللهَ اسْمٌ جَامِدٌ لَّا تُدْرَكُ حَقِیْقَتُهٗ لِأَنَّهٗ اسْمُ الذَّاتِ۔ وَالذَّاتُ لَیْسَتْ مِنَ الْمُدْرَکَاتِ۔ وَکُلُّ مَا یُقَالُ فِیْ مَعْنَاهُ فَهُوَ مِنْ قَبِیْلِ الْأَبَاطِیْلِ وَالْخُزَعْبِیْلَاتِ۔ فَإِنَّ کُنْهَ الْبَارِیءِ أَرْفَعُ مِنَ الْخَیَالَاتِ۔ وَأَبْعَدُ مِنَ الْقِیَاسَاتِ۔ وَإِذَا قُلْتَ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ فَمَعْنَاهُ أَنَّ مُحَمَّدًا مَّظْهَرُ صِفَاتِ هٰذِهِ الذَّاتِ وَخَلِیْفَتُهَا فِی الْکَمَالَاتِ۔ وَمُتَمِّمُ دَائِرَةِ الظِّلِّیَّةِ وَخَاتَمُ الرِّسَالَاتِ۔

خدا تعالیٰ خالق کائنات کے لئے حدِّ معرّف کی طرح ہیں۔ اگر چہ خدا تعالیٰ کی ذات (درحقیقت) ہر قسم کی تحدید سے بالا ہے۔ اس تشریح سے کلمہ شہادت کے معنے بھی واضح ہو جاتے ہیں جس پر ایمان اور سعادت کا دارومدار ہے۔ اور انہی صفات کی بنا پر اللہ تعالیٰ (اپنے بندوں کی) اطاعت کا مستحق ہو گیا ہے۔ اور عبادت کے لئے مخصوص ہو گیا کیونکہ وہ ان فیوض کو ارادۃً نازل فرماتا ہے۔ پس جب تم لَآ اِلٰهَ إِلَّا اللهُ کہتے ہو تو عقلمندوں کے نزدیک اس کے یہ معنے ہوتے ہیں کہ دیوی دیوتاؤں میں سے کسی کی بھی عبادت جائز نہیں عبادت صرف اس ذات کی ہونی چاہئے جو ادراک سے بالا اور ان صفات کی جامع ہے۔ اس جگہ میری مراد رحمانیت اور رحیمیت سے ہے جو کہ عبادتوں کے مستحق وجود کی پہلی شرط ہیں۔

پھر جان لو کہ اللہ اسم جامد ہے اور اس کی حقیقت کا ادراک نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ اسم ذات ہے۔ اور ذات ایسے امور میں سے نہیں جن کا ادراک ہو سکے۔ لفظ اللہ کو مشتق قرار دے کر جو معنے کئے جاتے ہیں وہ سب جھوٹ اور محض خرافات ہیں۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کی کُنہ (حقیقت) کا پانا (تمام) خیالات سے بالا اور قیاسات سے دور ہے۔ جب تم محمد رسول اللہ کہتے ہو تو اس کے معنے یہ ہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ذات باری کی صفات کے مظہر ہیں کمالات میں اس کے

فَحَاصِلُ مَا أُبْصِرُ وَأَرٰی۔ أَنَّ نَبِیَّنَا خَیْرُ الْوَرٰی۔ قَدْ وَرِثَ صِفَتَیْ رَبِّنَا الْأَعْلٰی۔ ثُمَّ وَرِثَ الصَّحَابَۃُ الْحَقِیْقَۃَ الْمُحَمَّدِیَّۃَ الْجَلَالِیَّۃَ کَمَا عَرَفْتَ فِیْمَا مَضٰی۔ وَقَدْ سُلِّمَ سَیْفُھُمْ فِیْ قَطْعِ دَابِرِ الْمُشْرِکِیْنَ۔ وَ لَھُمْ ذِکْرٌ لَّا یُنْسٰی عِنْدَ عَبَدَۃِ الْمَخْلُوْقِیْنَ۔ وَ إِنَّھُمْ أَدَّوْا حَقَّ صِفَۃِ الْمُحَمَّدِیَّۃِ۔ وَ أَذَاقُوْا کَثِیْرًا مِّنَ الْأَیْدِی الْحَرْبِیَّۃِ۔ وَ بَقِیَتْ بَعْدَ ذَالِکَ صِفَۃُ الْأَحْمَدِیَّۃِ۔ الَّتِیْ مُصَبَّغَۃٌ بِالْأَلْوَانِ الْجَمَالِیَّۃِ۔ مُحَرَّقَۃٌ بِالنِّیْرَانِ الْمُحِبِّیَّۃِ۔ فَوَرِثَھَا الْمَسِیْحُ الَّذِیْ بُعِثَ فِیْ زَمَنِ انْقِطَاعِ الْأَسْبَابِ۔ وَتَکَسُّرِ الْمِلَّۃِ مِنَ الْأَنْیَابِ۔ وَ فُقْدَانِ الْأَنْصَارِ وَ الْأَحْبَابِ۔ وَغَلَبَۃِ الْأَعْدَآءِ وَ صَوْلِ الْأَحْزَابِ۔ لِیُرِیَ اللّٰہُ نَمُوْذَجَ مَالِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ۔ بَعْدَ لَیَالِی الظَّلَامِ۔ وَبَعْدَ انْھِدَامِ قُوَّۃِ الْإِسْلَامِ۔ وَسَطْوَۃِ السَّلَاطِیْنِ۔ وَ بَعْدَ کَوْنِ الْمِلَّۃِ کَالْمُسْتَضْعَفِیْنَ۔ فَالْیَوْمَ صَارَ دِیْنُنَا کَالْغُرَبَآءِ ۔ وَ مَابَقِیَتْ لَہٗ سَلْطَنَۃٌ إِلَّا فِی السَّمَآءِ ۔ وَمَا عَرَفَہٗ أَھْلُ الْأَرْضِ

جانشین ہیں اور دائرہ ظلّیت کو کامل کرنے والے اور سب رسالتوں کے خاتم ہیں۔ پس جو کچھ میں دیکھتا اور پاتا ہوں اس کا ماحصل یہ ہے کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوقات سے افضل ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی ان ہر دو صفتوں کے وارث ہوئے پھر جیسا کہ آپ پہلے معلوم کر چکے ہیں صحابہؓ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جلالی حقیقت کے وارث بنے۔ اور مشرکوں کا قلع قمع کرنے میں ان کی تلوار کی دھاک مسلّم ہے اور ان کی یاد ایسا امر ہے کہ مخلوق کے پجاری اسے بھلا نہیں سکتے۔ انہوں نے صفتِ محمدیت کا پورا پورا حق ادا کر دیا ہے اور انہوں نے بہتوں کو اپنے جنگی کارناموں کا مزا چکھایا۔ اب رہی صفت احمدیت جو جمالی رنگوں سے رنگین ہے اور عشق و محبت کی آگ سے سوختہ ہے۔ سو مسیح موعود اس صفت (احمدیت) کا وارث ہوا جو ذرائع (ترقی) کے خاتمہ، دشمنوں کی کچلیوں سے ملّت کی بربادی اور مددگاروں اور دوستوں کے معدوم ہونے اور دشمنوں کے غلبہ اور مخالف جماعتوں کے حملہ کے وقت مبعوث کیا گیا تا اللہ تعالیٰ اندھیری راتوں کے بعد اسلام کی قوت اور (مسلمان) سلاطین کے رعب کے مٹنے کے بعد اور ملّتِ محمدیہ کے اپاہجوں کی مانند ہو جانے کے بعد اپنی مالکیت یَوْمِ الدِّیْن کا نمونہ دکھائے۔ پس آج ہمارا دین بے وطنوں کی طرح ہو گیا۔ اس کی حکومت سوائے آسمان کے اور کہیں باقی نہیں رہی (اس وقت کے) اہل زمین نے اس کو نہیں پہچانا۔ اور اسکے خلاف دشمنوں کی طرح اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ پس اس ضعف اور شان و شوکت کے مٹنے کے

فَقَامُوْا عَلَيْهِ كَالْأَعْدَآءِ۔ فَأُرْسِلَ عِنْدَ هٰذَا الضُّعْفِ وَذَهَابِ الشَّوْكَةِ عَبْدٌ مِّنَ الْعِبَادِ۔ لِيَتَعَهَّدَ زَمَانًا مَّاحِلاً تَعَهُّدَ الْعِهَادِ۔ وَ ذَالِكَ هُوَ الْمَسِيْحُ الْمَوْعُوْدُ الَّذِيْ جَآءَ عِنْدَ ضُعْفِ الْإِسْلَامِ۔ لِيُرِيَ اللّٰهُ نَمُوْذَجَ الْحَشْرِ وَالْبَعْثِ وَالْقِيَامِ۔ وَنَمُوْذَجَ يَوْمِ الدِّيْنِ۔ إِنْعَامًا مِّنْهُ بَعْدَ مَوْتِ النَّاسِ كَالْأَنْعَامِ۔ فَاعْلَمْ أَنَّ هٰذَا الْيَوْمَ يَوْمُ الدِّيْنِ۔ وَسَتَعْرِفُ صِدْقَنَا وَلَوْ بَعْدَ حِيْنٍ۔

وَهٰهُنَا نُكْتَةٌ كَشْفِيَّةٌ لَّيْسَتْ مِنَ الْمَسْمُوْعِ۔ فَاسْمَعْ مُصْغِيًا وَّ عَلَيْكَ بِالْمَوْدُوْعِ۔ وَهُوَ أَنَّهٗ تَعَالٰى مَا اخْتَارَ لِنَفْسِهٖ هٰهُنَا أَرْبَعَةً مِّنَ الصِّفَاتِ۔ إِلَّا لِيُرِيَ نَمُوْذَجَهَا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا قَبْلَ الْمَمَاتِ۔ فَأَشَارَ فِيْ قَوْلِهٖ ’’ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْأُوْلٰى وَ الْاٰخِرَةِ★ ‘‘ إِلٰى أَنَّ هٰذَا النَّمُوْذَجَ يُعْطٰى لِصَدْرِ الْإِسْلَامِ۔ ثُمَّ لِلْاٰخَرِيْنَ مِنَ الْأُمَّةِ الدَّاخِرَةِ۔ وَ كَذَالِكَ قَالَ فِيْ مَقَامٍ اٰخَرَ وَهُوَ أَصْدَقُ الْقَائِلِيْنَ ’’ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ وَ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ★★ ‘‘ فَقَسَّمَ زَمَانَ الْهِدَايَةِ وَالْعَوْنِ وَالنُّصْرَةِ۔ إِلٰى زَمَانٍ

وقت (خدا تعالیٰ کے)بندوں میں سے ایک بندہ مبعوث کیا گیا۔ تا وہ اس (روحانی پانی کے) قحط زدہ زمانہ کو بارش کی طرح سیراب کرے پس یہ وہی مسیح موعود ہے جو اسلام کے ضعف کے وقت آیا ہے۔ تا اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل سے لوگوں کو جب کہ وہ چوپایوں کی طرح (روحانی) موت مر چکے تھے حشر و نشر اور بعث بعد الموت۔ قیامت اور جزا سزا کے دن کا نمونہ دکھائے۔ پس جان لو کہ یہی زمانہ یومُ الدِّین ہے اور تم یقیناً ہماری سچائی کو جان لو گے۔ اگرچہ کچھ وقت کے بعد ہی سہی۔

یہاں ایک کشفی نکتہ ہے جو پہلے کبھی نہیں سنا گیا۔ پس کان لگا کر اطمینان سے سنو اور وہ نکتہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں اپنی ذات کے لئے چار صفات کو محض اس لئے اختیار کیا ہے کہ تا وہ اس دنیا میں ہی انسان کو (یعنی دنیا کی) موت سے پہلے ان صفات کا نمونہ دکھائے۔ پس اُس نے اپنے کلام لَهُ الْحَمْدُ فِي الْاُوْلٰى وَ الْاٰخِرَةِ میں اشارہ فرمایا کہ یہ نمونہ آغاز اسلام میں بھی عطا کیا جائے گا۔ اور پھر اُمّت کی خواری کے بعد اس کے آخری لوگوں کو بھی (عطا کیا جائے گا) اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ایک اور جگہ (قرآن میں) فرمایا ہے اور وہ بات کرنے والوں میں سے سب سے زیادہ سچا ہے ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ وَ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ۔ پس اللہ تعالیٰ نے ہدایت، مدد

★۔(القصص:۷۱) ترجمہ۔ ابتدائے آفرینش میں بھی وہی تعریف کا مستحق تھا اور آخرت میں بھی وہی تعریف کا مستحق ہوگا۔

★★۔(الواقعة:۴۰، ۴۱) ترجمہ (اصحاب الیمین کا) یہ گروہ شروع میں ایمان لانے والے لوگوں میں بھی کثرت سے ہوگا اور آخر میں ایمان لانے والے لوگوں میں بھی کثرت سے ہوگا۔

نَبِيِّنَا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. وَ إِلَى الزَّمَانِ الْاٰخِرِ الَّذِيْ هُوَ زَمَانُ مَسِيْحِ هٰذِهِ الْمِلَّةِ. وَ كَذَالِكَ قَالَ ''وَاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ★'' فَأَشَارَ إِلَى الْمَسِيْحِ الْمَوْعُوْدِ وَ جَمَاعَتِهٖ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ.

فَثَبَتَ بِنُصُوْصٍ بَيِّنَةٍ مِّنَ الْقُرْاٰنِ. اَنَّ هٰذِهِ الصِّفَاتِ قَدْ ظَهَرَتْ فِيْ زَمَنِ نَبِيِّنَا ثُمَّ تَظْهَرُ فِيْ اٰخِرِ الزَّمَانِ. وَ هُوَ زَمَانٌ يَّكْثُرُ فِيْهِ الْفِسْقُ وَالْفَسَادُ. وَ يَقِلُّ الصَّلَاحُ وَ السَّدَادُ. وَيُجَاحُ الْإِسْلَامُ كَمَا تُجَاحُ الدَّوْحَةُ. وَ يَصِيْرُ الْإِسْلَامُ كَسَلِيْمٍ لَّدَغَتْهُ الْحَيَّةُ. وَيَصِيْرُ الْمُسْلِمُوْنَ كَأَنَّهُمُ الْمَيْتَةُ. وَيُدَاسُ الدِّيْنُ تَحْتَ الدَّوَآئِرِ الْهَآئِلَةِ. وَالنَّوَازِلِ النَّازِلَةِ السَّآئِلَةِ. وَ كَذَالِكَ تَرَوْنَ فِيْ هٰذَا الزَّمَانِ. وَ تُشَاهِدُوْنَ أَنْوَاعَ الْفِسْقِ وَ الْكُفْرِ وَالشِّرْكِ وَالطُّغْيَانِ. وَتَرَوْنَ كَيْفَ كَثُرَ الْمُفْسِدُوْنَ. وَ قَلَّ الْمُصْلِحُوْنَ الْمُوَاسُوْنَ. وَ حَانَ لِلشَّرِيْعَةِ أَنْ تُعْدَمَ. وَاٰنَ لِلْمِلَّةِ أَنْ تُكْتَمَ. وَ هٰذَا بَلَآءٌ قَدْ دَهَمَ. وَ عَنَآءٌ قَدْ هَجَمَ. وَشَرٌّ قَدْ نَجَمَ. وَ نَارٌ أَحْرَقَتِ الْعَرَبَ وَالْعَجَمَ. وَ

اور نصرت کے زمانہ کو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ پر اور اس آخری زمانہ پر جو اس اُمّت کے مسیح کا زمانہ ہے تقسیم کر دیا۔ اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ اس میں مسیح موعود، اس کی جماعت اور ان کے تابعین کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

پس قرآن کریم کی نصوصِ بیّنہ سے ثابت ہوا کہ یہ صفات ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی ظاہر ہوئیں۔ پھر آخری زمانہ میں بھی ظاہر ہوں گی۔ اور آخری زمانہ ایسا زمانہ ہے جس میں بدکاری اور ہر قسم کی خرابیاں بکثرت پھیل جائیں گی اور راستی اور راستبازی بہت ہی کم ہو جائے گی۔ اسلام کی ایسی بیخ کنی ہو گی جیسا کہ درخت کو بیخ و بن سے اکھاڑ دیا جاتا ہے۔ اور اسلام ایک ایسے شخص کی طرح ہو جائے گا جسے کسی سانپ نے ڈس لیا ہو۔ مسلمانوں کی یہ حالت ہو جائے گی کہ گویا کہ وہ مُردے ہیں اور (ان کا) دین خوفناک حوادث اور دوسری متواتر نازل ہونے والی مصائب کے نیچے کچلا جائے گا اور یہی حال تم اس زمانہ میں دیکھ رہے ہو۔ اور تم انواع واقسام کے فسق، کفر، شرک اور سرکشی کا مشاہدہ کر رہے ہو اور دیکھ رہے ہو کہ کس طرح مفسد زیادہ ہو گئے ہیں اور مصلح اور غم خوار کم ہو گئے ہیں۔ اور قریب ہے کہ شریعت نابود ہو جائے اور ملّت پوشیدہ ہو جائے یہ ایسی مصیبت ہے جو ناگہاں وارد ہوئی ہے۔ ایسی بپتا ہے جو ٹوٹ پڑی ہے۔

★ (الجمعۃ: ۴) ترجمہ۔ اور اسی طرح ان کے سوا ایک دوسری قوم میں بھی (وہ اس کو بھیجے گا) جو ابھی تک ان سے نہیں ملی۔

مَعَ ذَالِكَ لَيْسَ وَقْتُنَا وَقْتَ الْجِهَادِ. وَ لَا زَمَنَ الْمُرْهَفَاتِ الْحِدَادِ. وَلَا أَوَانَ ضَرْبِ الْأَعْنَاقِ وَ التَّقْرِيْنِ فِي الْأَصْفَادِ. وَلَا زَمَانَ قَوْدِ أَهْلِ الضَّلَالِ فِي السَّلَاسِلِ وَ الْأَغْلَالِ. وَ إِجْرَآءِ أَحْكَامِ الْقَتْلِ وَ الْاِغْتِيَالِ. فَإِنَّ الْوَقْتَ وَقْتُ غَلَبَةِ الْكَافِرِيْنَ وَإِقْبَالِهِمْ. وَ ضُرِبَتِ الذِّلَّةُ عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ بِأَعْمَالِهِمْ. وَ كَيْفَ الْجِهَادُ وَلَا يُمْنَعُ أَحَدٌ مِّنَ الصَّوْمِ وَالصَّلٰوةِ. وَلَا الْحَجِّ وَ الزَّكٰوةِ. وَلَا مِنَ الْعِفَّةِ وَالتُّقَاةِ. وَ مَا سَلَّ كَافِرٌ سَيْفًا عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ. لِيَرْتَدُّوْا أَوْ يَجْعَلَهُمْ عِضِيْنَ. فَمِنَ الْعَدْلِ أَنْ يُّسَلَّ الْحُسَامُ بِالْحُسَامِ. وَ الْأَقْلَامُ بِالْأَقْلَامِ وَ إِنَّا لَا نَبْكِيْ عَلٰى جِرَاحَاتِ السَّيْفِ وَالسِّنَانِ. وَ إِنَّمَا نَبْكِيْ عَلٰى أَكَاذِيْبِ اللِّسَانِ. فَبِالْأَكَاذِيْبِ كُذِّبَتْ صُحُفُ اللهِ وَ أُخْفِيَ أَسْرَارُهَا. وَصِيْلَ عَلٰى عِمَارَةِ الْمِلَّةِ وَ هُدِّمَ دَارُهَا. فَصَارَتْ كَمَدِيْنَةٍ نُّقِضَ أَسْوَارُهَا. أَوْ حَدِيْقَةٍ أُحْرِقَ أَشْجَارُهَا. أَوْ بُسْتَانٍ أُتْلِفَ زَهْرُهَا

ایسی بدی ہے جو یکدم پھوٹ پڑی ہے اور ایسی آگ ہے جس نے عرب وعجم کو جلا دیا ہے۔ بایں ہمہ ہمارا زمانہ جہاد کا زمانہ نہیں اور نہ تیز تلواروں کا زمانہ ہے، نہ گردنیں مارنے اور زنجیروں میں جکڑنے کا وقت ہے، نہ ہی گمراہوں کو زنجیروں اور طوقوں میں گھسیٹنے اور اُن پر قتل اور ہلاکت کے احکام جاری کرنے کا زمانہ ہے۔ یہ زمانہ کافروں کے غلبہ اور ان کے عروج کا زمانہ ہے اور مسلمانوں پر اُن کے اعمال کی وجہ سے ذلّت مسلّط کر دی گئی ہے۔ اب جہاد (بالسّیف) کیوں کیا جائے جب کہ (اس زمانہ میں) نہ کسی کو نماز اور روزہ سے روکا جاتا ہے نہ حج اور زکوٰۃ سے اور نہ پاک دامنی اور پرہیز گاری سے اور نہ ہی کسی کافر نے مسلمانوں کو مرتد کرنے یا انہیں ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے لئے ان پر تلوار سونتی ہے۔ انصاف تو یہ ہے کہ تلوار کے مقابلہ میں تلوار اُٹھائی جائے اور قلموں کے مقابلہ میں قلمیں۔ ہم آج تلوار اور نیزے کے زخموں پر نہیں روتے۔ ہم تو (ان کی) زبانوں سے پھیلائی ہوئی مفتریات پر روتے ہیں۔ (اس زمانہ میں) انہی مفتریات سے اللہ کے صحیفوں کو جھٹلایا گیا اور ان کے اسرار پر پردے ڈالے گئے۔ ملّت (اسلامیہ) کی عمارت پر حملہ کیا گیا اور اس کے گھر کو مسمار کر دیا گیا۔ پس یہ (ملّت) ایک ایسے شہر کی مانند ہوگئی ہے جس کی فصیلیں ٹوٹ گئی ہوں یا ایسے باغیچہ کی طرح ہے جس کے درخت جلا دیئے گئے ہوں یا ایسے باغ کی مانند ہے جس کے پھول اور پھل برباد کر دیئے گئے ہوں اور اس کے شگوفے توڑ کر پھینک دیئے گئے ہوں یا ایسے ملک کی مانند ہے جو کبھی بہت

وَثِمَارُهَا۔ وَسُقِطَ أَنْوَارُهَا۔أَوْ بَلْدَةٍ طَيِّبَةٍ غِيْضَ أَنْهَارُهَا۔ أَوْ قُصُوْرٍ مُّشَيَّدَةٍ عُفِّيَ اٰثَارُهَا۔ وَ مَزَّقَهَا الْمُمَزِّقُوْنَ۔ وَ قِيْلَ مَاتَتْ وَنَعَى النَّاعُوْنَ۔ وَ طُبِعَتْ أَخْبَارُهَا وَ أَشَاعَتْهَا الْمُشِيْعُوْنَ۔ وَ لِكُلِّ كَمَالٍ زَوَالٌ وَّ لِكُلِّ تَرَعْرُعٍ اضْمِحْلَالٌ۔ كَمَا تَرٰى أَنَّ السَّيْلَ إِذَا وَصَلَ إِلَى الْجَبَلِ الرَّاسِيْ وَقَفَ۔ وَ اللَّيْلَ إِذَا بَلَغَ إِلَى الصُّبْحِ الْمُسْفِرِ انْكَشَفَ۔ كَمَا قَالَ اللهُ تَعَالٰى ''وَالَّيْلِ اِذَا عَسْعَسَ وَ الصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ★'' فَجَعَلَ تَنَفُّسَ الصُّبْحِ كَأَمْرٍ لَّازِمٍ بَعْدَ كَمَالِ ظُلُمَاتِ اللَّيْلِ۔ وَكَذَالِكَ فِيْ قَوْلِهٖ ''يٰاَرْضُ ابْلَعِيْ★★'' جُعِلَ كَمَالُ السَّيْلِ دَلِيْلَ زَوَالِ السَّيْلِ۔ فَأَرَادَ اللهُ أَنْ يَّرُدَّ إِلَى الْمُؤْمِنِيْنَ أَيَّامَهُمُ الْأُوْلٰى۔ وَأَنْ يُّرِيَهُمْ أَنَّهٗ رَبُّهُمْ وَأَنَّهُ الرَّحْمٰنُ وَ الرَّحِيْمُ وَمَالِكُ يَوْمٍ فِيْهِ يُجْزٰى۔وَيُبْعَثُ فِيْهِ الْمَوْتٰى۔ وَإِنَّكُمْ تَرَوْنَ فِيْ هٰذَا الزَّمَانِ۔ رُبُوْبِيَّةَ اللهِ الْمَنَّانِ۔وَرَحْمَانِيَّتَهٗ لِلْإِنْسَانِ وَالْحَيَوَانِ۔ الَّتِيْ تَتَعَلَّقُ بِالْأَبْدَانِ۔

برکتوں والا تھا لیکن اب اس کی نہریں خشک ہو چکی ہوں یا ایسے مضبوط محلّات کی مانند ہے جن کے نشان تک مٹا دیئے گئے ہوں۔ برباد کرنے والوں نے انہیں پارہ پارہ کر دیا ہو اور کہہ دیا ہو کہ وہ (ملّت) مر چکی ہے اور اس کی موت کی خبر دینے والوں نے اس کی موت کی خبر دے دی ہو۔ اس کے حالات چھپ چکے ہوں اور شائع کرنے والوں نے انہیں شائع کر دیا ہو۔ بے شک ہر کمال کے لئے زوال ہے اور ہر جوانی نے (ایک دن) ڈھلنا ہے۔ جیسا کہ تمہیں معلوم ہے جب سیلاب کسی مستحکم پہاڑ تک پہنچتا ہے (وہیں) رُک جاتا ہے اور رات جب پَو پھٹنے کے قریب پہنچتی ہے (اس کی تاریکی خود بخود) چھٹ جاتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَالَّيْلِ اِذَا عَسْعَسَ وَ الصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ پس اللہ تعالیٰ نے رات کے اندھیروں کی انتہا کے بعد صبح کے ظہور کو ایک لازمی امر قرار دیا ہے۔ اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے قول يٰاَرْضُ ابْلَعِيْ سیلاب کے کمال کو سیلاب کے زوال کی علامت قرار دیا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ وہ مومنوں پر ان کا پہلا زمانہ لوٹا دے اور ان کو دکھائے کہ وہ ان کا ربّ ہے اور یہ کہ وہ رحمان اور رحیم ہے اور اس دن کا مالک ہے جب جزا سزا دی جائے گی اور اس میں مُردوں کو (زندہ کر کے) اٹھایا جائے گا۔ اس زمانہ میں تم محسن خدا کی ربوبیت اور انسانوں اور حیوانوں کے لئے اس کی ایسی رحمانیت نمایاں دیکھ رہے ہو جو اجسام سے تعلق رکھتی ہے اور

★ (التکویر: ۱۹، ۱۸) ترجمہ۔ اور رات جب وہ خاتمہ کو پہنچ جاتی ہے اور صبح جب وہ روشن ہو جاتی ہے۔

★★ (ھود: ۴۵) ترجمہ۔ اے زمین تو (اب اپنے پانی کو) نگل جا۔

وَتَرَوْنَ أَنَّهُ كَيْفَ خَلَقَ أَسْبَابًا جَدِيْدَةً وَّ وَسَآئِلَ مُفِيْدَةً وَّ صَنَآئِعَ لَمْ يُرَ مِثْلُهَا فِيْمَا مَضٰى. وَعَجَآئِبَ لَمْ يُوْجَدْ مِثْلُهَا فِي الْقُرُوْنِ الْأُوْلٰى. وَتَرَوْنَ تَجَدُّدًا فِيْ كُلِّمَا يَتَعَلَّقُ بِالْمُسَافِرِ وَ النَّزِيْلِ وَالْمُقِيْمِ وَابْنِ السَّبِيْلِ. وَ الصَّحِيْحِ وَالْعَلِيْلِ. وَالْمُحَارِبِ وَ الْمُصَالِحِ الْمُقِيْلِ. وَالْإِقَامَةِ وَالرَّحِيْلِ وَ جَمِيْعِ أَنْوَاعِ النَّعْمَآءِ وَ الْعَرَاقِيْلِ. كَأَنَّ الدُّنْيَا بُدِّلَتْ كُلَّ التَّبْدِيْلِ. فَلَا شَكَّ أَنَّهَا رُبُوْبِيَّةٌ عُظْمٰى. وَ رَحْمَانِيَّةٌ كُبْرٰى. وَ كَذَالِكَ تَرَى الرُّبُوْبِيَّةَ وَالرَّحْمَانِيَّةَ وَالرَّحِيْمِيَّةَ فِي الْأُمُوْرِ الدِّيْنِيَّةِ. وَقَدْ يُسِّرَ كُلُّ أَمْرٍ لِّطُلَبَآءِ الْعُلُوْمِ الْإِلٰهِيَّةِ. وَ يُسِّرَ أَمْرُ التَّبْلِيْغِ وَ أَمْرُ إِشَاعَةِ الْعُلُوْمِ الرُّوْحَانِيَّةِ. وَأُنْزِلَتِ الْاٰيَاتُ لِكُلِّ مَنْ يَّعْبُدُ اللهَ وَ يَبْتَغِي السَّكِيْنَةَ مِنَ الْحَضْرَةِ. وَانْكَسَفَ الْقَمَرُ وَ الشَّمْسُ فِيْ رَمَضَانَ وَ عُطِّلَتِ الْعِشَارُ فَلَا يُسْعٰى عَلَيْهَا إِلَّا بِالنُّدْرَةِ. وَسَوْفَ تَرَى الْمَرْكَبَ الْجَدِيْدَ فِيْ سَبِيْلِ مَكَّةَ وَالْمَدِيْنَةِ. وَأُيِّدَ الْعَالِمُوْنَ وَالطَّالِبُوْنَ بِكَثْرَةِ الْكُتُبِ وَأَنْوَاعِ أَسْبَابِ الْمَعْرِفَةِ. وَعُمِّرَ

تم پاتے ہو کہ اس نے کس طرح نئے نئے ذرائع اور مفید وسائل پیدا کئے ہیں۔ ایسی صنعتیں جن کی مثال گذشتہ زمانوں میں نہیں دیکھی گئی ایسے عجائبات (پیدا کئے ہیں) جن کا نمونہ قرونِ اُولیٰ میں نہیں پایا جاتا اور تمہیں اس زمانہ کی تمام چیزوں میں ایک جدت دکھائی دے رہی ہے جو مسافر یا قیام پذیر، سکونتی یا پردیسی، تندرست یا بیمار، جنگجو یا معاف کرنے والے صلح جُو، قیام یا کوچ کی حالت اور تمام قسم کی نعمتوں اور مشکلات سے تعلق رکھتی ہے گویا آج دنیا مکمل طور پر بدل دی گئی ہے۔ بیشک یہ عظیم ربوبیت اور اعلیٰ رحمانیت (کا فیض) ہے اِسی طرح تم دینی معاملات میں بھی ربوبیت، رحمانیت اور رحیمیّت (کے فیوض) دیکھو گے۔ یقیناً علومِ الٰہیہ کے طالبوں کے لئے ہر بات آسان کر دی گئی ہے اور تبلیغ کا کام اور روحانی علوم کی اشاعت کا کام بھی آسان بنا دیا گیا ہے۔ اور ہر اس شخص کے لئے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے اور اس کی بارگاہ سے اطمینان (قلب) کا متلاشی ہے کھلی کھلی نشانیاں اتاری گئی ہیں۔ چاند اور سورج کو رمضان کے مہینہ میں گرہن لگ چکا ہے۔ اونٹنیاں بیکار کر دی گئی ہیں اور سوائے شاذ و نادر کے ان سے تیز رفتاری کا کام نہیں لیا جاتا۔ کچھ عرصہ کے بعد تم مدینہ اور مکّہ کے رستہ میں بھی نئی سواری دیکھ لو گے اور علماء اور طلباء کے لئے کتابوں کی کثرت اور حصولِ علم اور معرفت کے بہت سے ذرائع مہیّا کئے گئے ہیں۔ مسجدیں آباد کی گئی ہیں اور عبادت گذاروں

الْمَسَاجِدُ. وَ حُفِظَ السَّاجِدُ. وَفُتِحَ أَبْوَابُ الْأَمْنِ وَالتَّبْلِيْغِ وَالدَّعْوَةِ. وَمَا هُوَ إِلَّا فَيْضُ الرَّحِيْمِيَّةِ. فَوَجَبَ عَلَيْنَا أَنْ نَّشْهَدَ أَنَّهَا وَسَآئِلُ لَا يُوْجَدُ نَظِيْرُهَا فِي الْقُرُوْنِ الْأُوْلٰى. وَ أَنَّهٗ تَوْفِيْقٌ وَّ تَيْسِيْرٌ مَّا سَمِعَ نَظِيْرَهٗ أُذُنٌ وَّ مَا رَاٰى مِثْلَهٗ بَصَرٌ فَانْظُرْ إِلٰى رَحِيْمِيَّةِ رَبِّنَا الْأَعْلٰى. وَمِنْ رَحِيْمِيَّتِهٖ أَنَّا قَدَّرْنَا عَلٰى أَنْ نَّطْبَعَ كُتُبَ دِيْنِنَا فِيْ أَيَّامٍ. مَّا كَانَ مِنْ قَبْلُ فِيْ وُسْعِ الْأَوَّلِيْنَ أَنْ يَّكْتُبُوْهَا فِيْ أَعْوَامٍ. وَ إِنَّا نَقْدِرُ عَلٰى أَنْ نَّطَّلِعَ عَلٰى أَخْبَارِ أَقْصَى الْأَرْضِ فِيْ سَاعَاتٍ ★. وَّ مَا قَدَرَ عَلَيْهِ السَّابِقُوْنَ إِلَّا لِشِقِّ ★★ الْأَنْفُسِ وَبَذْلِ الْجُهْدِ إِلٰى سَنَوَاتٍ وَّقَدْ فُتِحَ عَلَيْنَا فِيْ كُلِّ خَيْرٍ أَبْوَابُ الرُّبُوْبِيَّةِ وَالرَّحْمَانِيَّةِ وَالرَّحِيْمِيَّةِ. وَ كَثُرَتْ طُرُقُهَا حَتّٰى خَرَجَ إِحْصَآئُهَا مِنَ الطَّاقَةِ الْبَشَرِيَّةِ. وَ أَيْنَ تَيَسَّرَ هٰذَا لِلسَّابِقِيْنَ مِنْ أَهْلِ التَّبْلِيْغِ وَالدَّعْوَةِ. وَ أَنَّ الْأَرْضَ زُلْزِلَتْ لَنَا زِلْزَالًا. فَأَخْرَجَتْ أَثْقَالًا. وَّ فُجِّرَتِ الْأَنْهَارُ. وَ سُجِّرَتِ

کی حفاظت کی گئی ہے اور امن اور دعوت وتبلیغ کے دروازے کھل گئے ہیں اور یہ سب رحیمیت ہی کا فیضان ہے۔ پس ہم پر واجب ہے کہ ہم گواہی دیں کہ یہ وہ وسائل و ذرائع ہیں جن کی مثال پہلے زمانوں میں نہیں ملتی اور یہ ایسی توفیق اور آسانی میسّر آ گئی ہے جس کی نظیر نہ کبھی کانوں نے سُنی اور نہ ہی اس کا نمونہ آنکھوں نے کبھی دیکھا پس تم ہمارے ربِّ اعلیٰ کی رحیمیت (کی شان) ملاحظہ کرو۔ یہ اسی کی رحیمیّت (کی ہی برکت) ہے کہ ہمارے لئے ممکن ہو گیا ہے کہ چند دنوں میں ہی اپنے مذہب کی اس قدر کتابیں طبع کر دیں جو اس سے قبل ہمارے بزرگ (کئی) سالوں میں بھی نہیں لکھ سکتے تھے۔ اور اب ہمیں یہ بھی مقدرت ہے کہ ہم دور دور کے ملکوں کی خبریں (چند) گھنٹوں میں معلوم کر لیں جن کا حصول ہم سے پہلے لوگوں کے لئے سالہا سال تک اپنی جانوں کو مشقّت میں ڈالنے اور بڑی کوشش کے بغیر ممکن نہیں ہوسکا۔ یقیناً ہر بھلائی کے (حاصل کرنے کے لئے) ہم پر ربوبیّت، رحمانیت اور رحیمیّت کے دروازے کھل گئے ہیں اور اس کے لئے اس قدر زیادہ راستے پیدا ہو گئے ہیں کہ ان کا شمار انسانی طاقت سے باہر ہے۔ پہلے دعوت وتبلیغ کرنے والوں کو یہ (آسانیاں) کہاں میسّر تھیں؟ پس زمین ہماری خاطر خوب جھنجھوڑی گئی ہے اور اس نے اپنے بوجھ (یعنی خزانے) باہر نکال پھینکے ہیں۔ نہریں جاری کی گئی ہیں۔ دریا

★الحاشية ۔ كما قال الله تعالىٰ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا (الزّلزال:۵)۔منه (ترجمہ: جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا یعنی اس دن وہ (زمین) اپنی (ساری ہی پوشیدہ) خبریں بیان کر دے گی۔)

★★۔سہو کتابت ہے درست بشق الانفس ہے (ناشر)

الْبِحَارُ۔ وَجُدِّدَتِ الْمَرَاكِبُ وَعُطِّلَتِ
الْعِشَارُ۔ وَ إِنَّ السَّابِقِيْنَ مَا رَأَوْا كَمِثْلِ
مَا رَأَيْنَا مِنَ النَّعْمَآءِ ۔ وَفِيْ كُلِّ قَدَمٍ نِّعْمَةٌ
وَّقَدْ خَرَجَتْ مِنَ الْإِحْصَآءِ ۔ وَمَعَ ذَالِكَ
كَثُرَتْ مَوْتُ الْقُلُوْبِ وَقَسَاوَةُ الْأَفْئِدَةِ۔
كَأَنَّ النَّاسَ كُلَّهُمْ مَّاتُوْا وَلَمْ يَبْقَ فِيْهِمْ
رُوْحُ الْمَعْرِفَةِ إِلَّا قَلِيْلٌ الَّذِيْ هُوَ
كَالْمَعْدُوْمِ مِنَ النُّدْرَةِ۔ وَ إِنَّا فَهِمْنَا مِمَّا
ذَكَرْنَا مِنْ ظُهُوْرِ الصِّفَاتِ۔وَتَجَلِّي
الرُّبُوْبِيَّةِ وَالرَّحْمَانِيَّةِ وَالرَّحِيْمِيَّةِ كَمِثْلِ
الْاٰيَاتِ۔ ثُمَّ مِنْ كَثْرَةِ الْأَمْوَاتِ۔ وَمَوْتِ
النَّاسِ مِنْ سَمِّ الضَّلَالَاتِ۔ اَنَّ يَوْمَ
الْحَشْرِ وَالنَّشْرِ قَرِيْبٌ بَلْ عَلَى الْبَابِ۔
كَمَا هُوَ ظَاهِرٌ مِّنْ ظُهُوْرِ الْعَلَامَاتِ وَ
الْأَسْبَابِ۔ فَإِنَّ الرُّبُوْبِيَّةَ وَالرَّحْمَانِيَّةَ وَ
الرَّحِيْمِيَّةَ تَمَوَّجَتْ كَتَمَوُّجِ الْبِحَارِ۔
وَظَهَرَتْ وَ تَوَاتَرَتْ وَجَرَتْ كَالْأَنْهَارِ۔
فَلَا شَكَّ أَنَّ وَقْتَ الْحَشْرِ وَالنُّشُوْرِ قَدْ
أَتٰى۔وَقَدْ مَضَتْ هٰذِهِ السُّنَّةُ فِيْ صَحَابَةِ خَيْرِ
الْوَرٰى۔ وَلَا شَكَّ أَنَّ هٰذَا الْيَوْمَ يَوْمُ
الدِّيْنِ۔ وَيَوْمُ الْحَشْرِ وَ يَوْمُ مَالِكِيَّةِ رَبِّ
السَّمَآءِ وَظُهُوْرِ اٰثَارِهَا عَلٰى قُلُوْبِ أَهْلِ
الْأَرْضِيْنَ۔ وَلَا شَكَّ أَنَّ الْيَوْمَ يَوْمُ

خشک کر دیئے گئے ہیں۔نئی نئی سواریاں نکل آئی ہیں اور اونٹنیاں بیکار ہوگئی ہیں۔ ہمارے پہلوں نے ایسی نعمتیں نہیں دیکھی تھیں جو ہم نے دیکھی ہیں۔ ہر قدم پر ایک (نئی) نعمت (موجود) ہے اور یہ (نعمتیں) حدّ شمار سے باہر ہیں لیکن اس کے ساتھ ہی دلوں کی موت اور ان کی سختی بہت بڑھ گئی ہے گویا کہ تمام لوگ مر چکے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی شناخت کرنے کی روح ان میں باقی نہیں رہی سوائے بہت کم لوگوں کے جو شاذ و نادر ہونے کی وجہ سے نہ ہونے کے برابر ہیں پس ان صفات کے ظہور سے جن کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں اور ربوبیّت، رحمانیّت اور رحیمیّت کی روشن نشانوں کی طرح تجلّی سے اور پھر کثرت اموات اور گمراہیوں کے زہر سے لوگوں کے مرنے سے ہم نے جان لیا ہے کہ حشر و نشر کا دن قریب ہے بلکہ دروازے پر ہے جیسا کہ ان علامات اور اسباب کے ظہور سے واضح ہو گیا ہے کہ کیونکہ ربوبیّت، رحمانیّت اور رحیمیّت سمندروں کے جوش مارنے کی طرح موجزن ہیں اور ظاہر ہو چکی ہیں اور پے در پے نازل ہو رہی ہیں اور دریاؤں کی طرح جاری ہیں۔لہٰذا بلاشبہ اب حشر و نشر کا وقت آ گیا ہے۔ یہ سنّت اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ (کے وقت) میں بھی ہوگزری ہے۔ پس بلاشبہ یہ زمانہ یوم الدین ہے یوم حشر ہے۔ آسمانوں کے ربّ کی مالکیّت اور اس (مالکیّت) کے آثار اہلِ زمین کے دلوں پر ظاہر ہونے کا دن ہے اور (اس امر میں بھی) کوئی شک نہیں یہ زمانہ اس

الْمَسِيْحِ الْحَكَمِ مِنَ اللهِ أَحْكَمِ الْحَاكِمِيْنَ۔ وَ أَنَّهٗ حَشْرٌ بَعْدَ هَلَاكِ النَّاسِ۔ وَ قَدْ مَضٰى نَمُوْذَجُهٗ فِيْ زَمَنِ عِيْسٰى وَزَمَنِ خَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ۔ فَتَدَبَّرْ وَ لَا تَكُنْ مِّنَ الْغَافِلِيْنَ۔	مسیح کا زمانہ ہے جو خدائے احکم الحاکمین کی طرف سے حَکَم ہے اور لوگوں کی ہلاکت (روحانی) کے بعد ایک حشر کا وقت ہے۔اوراس کا نمونہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں بھی اور حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی گذر چکا ہے۔پس تم بھی غور کرو اور غافلوں (کی صف) میں شامل نہ ہو۔
(اعجاز المسیح ، روحانی خزائن جلد ۱۸ صفحہ ۱۴۰ تا ۱۶۴)	(ترجمہ از مرتب)

قرآن کریم نے جو سورہ فاتحہ کو اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ اسماء سے شروع کیا تو اس میں کیا راز تھا؟ چونکہ بعض قومیں اللہ تعالیٰ کی ہستی پھر اس کی صفات ربّ۔رحیم۔ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ سے منکر تھیں اس لئے اس طرز کو لیا۔ یہ یاد رکھو کہ جس نے قرآن کریم کے الفاظ اور فقرات کو جو قانونی ہیں ہاتھ میں نہیں لیا اُس نے قرآن کا قدر نہیں سمجھا۔ (الحکم جلد ۴ نمبر ۴۰ مؤرخہ ۱۰؍نومبر ۱۹۰۰ء صفحہ ۴)

سورۃ الفاتحہ میں جو خدا تعالیٰ کی یہ چار صفات بیان ہوئی ہیں کہ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ۔ الرَّحْمٰنِ۔ الرَّحِيْمِ۔ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ اگرچہ عام طور پر یہ صفات اس عالم پر تجلّی کرتی ہیں لیکن ان کے اندر حقیقت میں پیشگوئیاں ہیں جن پر کہ لوگ بہت کم توجہ کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چاروں صفتوں کا نمونہ دکھایا کیونکہ کوئی حقیقت بغیر نمونہ کے سمجھ میں نہیں آ سکتی۔ربّ العالمین کی صفت نے کس طرح پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں نمونہ دکھایا آپ نے عین ضعف میں پرورش پائی کوئی موقع مدرسہ مکتب نہ تھا جہاں آپ اپنے روحانی اور دینی قویٰ کو نشوونما دے سکتے۔کبھی کسی تعلیم یافتہ قوم سے ملنے کا موقع ہی نہ ملا۔نہ کسی موٹی سوٹی تعلیم کا ہی موقع پایا اور نہ فلسفہ کے باریک اور دقیق علوم کے حاصل کرنے کی فرصت ملی۔ پھر دیکھو کہ باوجود ایسے مواقع کے نہ ملنے کے قرآن شریف ایک ایسی نعمت آپ کو دی گئی جس کے علومِ عالیہ اور حقّہ کے سامنے کسی اَور علم کی ہستی ہی کچھ نہیں جو انسان ذرا سی سمجھ اور فکر کے ساتھ قرآن کریم کو پڑھے گا اُس کو معلوم ہو جاوے گا کہ دنیا کے تمام فلسفے اور علوم اس کے سامنے ہیچ ہیں اور سب حکیم اور فلاسفر اس سے بہت پیچھے رہ گئے۔ (الحکم جلد ۴ نمبر ۱۴ مؤرخہ ۱۷؍اپریل ۱۹۰۰ء صفحہ ۳)

سورہ فاتحہ میں جو اللہ تعالیٰ کی صفاتِ اربعہ بیان ہوئی ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان چاروں صفات کے مظہر کامل تھے۔مثلاً پہلی صفت رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بھی مظہر ہوئے جب

کہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ وَ مَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (الانبیاء:۱۰۸) جیسے رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ تمام ربوبیت کو چاہتا تھا اسی طرح پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیوض و برکات اور آپ کی ہدایت وتبلیغ کُل دنیا اور کُل عالموں کے لئے قرار پائی۔ پھر دوسری صفت رَحْمٰن کی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس صفت کے بھی کامل مظہر ٹھہرے کیونکہ آپ کے فیوض و برکات کا کوئی بدل اور اجر نہیں۔ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ (الفرقان:۵۸) پھر آپ رحیمیت کے مظہر ہیں آپ نے اور آپ کے صحابہ نے جو محنتیں اسلام کے لئے کیں اور ان خدمات میں جو تکالیف اُٹھائیں وہ ضائع نہیں ہوئیں بلکہ ان کا اجر دیا گیا اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن شریف میں رحیم کا لفظ بولا ہی گیا ہے پھر آپ مالکیت یوم الدین کے مظہر بھی ہیں اس کی کامل تجلی فتح مکہ کے دن ہوئی۔ ایسا کامل ظہور اللہ تعالیٰ کی ان صفاتِ اربعہ کا جو اُمّ الصِّفات ہیں اور کسی نبی میں نہیں ہوا۔ (الحکم نمبر ۲۹ جلد ۷ مؤرخہ ۱۰؍اگست ۱۹۰۳ء صفحہ ۲۰)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کا مظہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو ظہوروں محمد اور احمد میں ہوا۔ اب نبی کامل صلی اللہ علیہ وسلم کی اُن صفاتِ اربعہ کو بیان کر کے صحابہ کرام کی تعریف میں پورا بھی کر دیا گویا اللہ تعالیٰ ظِلّی طور پر اپنی صفات دینا چاہتا ہے۔ اس لئے فنا فی اللہ کے یہی معنے ہیں کہ انسان الٰہی صفات کے اندر آ جائے۔

اب دیکھو کہ ان صفاتِ اربعہ کا عملی نمونہ صحابہ میں کیسا دکھایا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے تو مکہ کے لوگ ایسے تھے جیسے بچہ دودھ پینے کا محتاج ہوتا ہے۔ گویا ربوبیت کے محتاج تھے وحشی اور درندوں کی سی زندگی بسر کرتے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ماں کی طرح دودھ پلا کر ان کی پرورش کی۔ پھر رحمانیت کا پَرتَو کیا وہ سامان دیئے کہ جن میں کوشش کو کوئی دخل نہ تھا۔ قرآن کریم جیسی نعمت اور رسول کریم جیسا نمونہ عطا فرمایا۔ پھر رحیمیت کا ظہور بھی دکھلایا کہ جو کوششیں کیں اُن پر نتیجے مترتب کئے ان کے ایمانوں کو قبول فرمایا۔ اور نصاریٰ کی طرح ضلالت میں نہ پڑنے دیا بلکہ ثابت قدمی اور استقلال عطا فرمایا۔ کوشش میں یہ برکت ہوتی ہے کہ خدا ثابت قدم کر دیتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں کوئی مرتد نہ ہوا۔ دوسرے نبیوں کے احباب میں ہزاروں ہوتے تھے۔ حضرت مسیح کے تو ایک ہی دن میں پانسو مرتد ہو گئے۔ اور جن پر بڑا اعتبار اور وثوق تھا اُن میں سے ایک نے تو ۳۰ درہم لے کر پکڑوا دیا اور دوسرے نے تین بار لعنت کی۔ بات اصل میں یہ ہے کہ مربّی کے قویٰ کا اثر ہوتا ہے جس قدر مربّی قوی التاثیر اور کامل ہوگا ویسی ہی اس کی تربیت کا اثر مستحکم اور مضبوط ہوگا۔

یہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قوتِ قدسی کے کامل اور سب سے بڑھ کر ہونے کا ایک اور ثبوت ہے کہ آپ کے تربیت یافتہ گروہ میں وہ استقلال اور رسوخ تھا کہ وہ آپ کے لئے اپنی جان مال تک دینے سے دریغ نہ کرنے والے میدان میں ثابت ہوئے اور مسیح کے نقص کا یہ بدیہی ثبوت ہے کہ جو جماعت تیار کی وہی گرفتار کرانے اور جان سے مروانے اور لعنت کرنے والے ثابت ہوئے۔ غرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحیمیت کا اثر تھا کہ صحابہ میں ثباتِ قدم اور استقلال تھا۔ پھر مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کا عملی ظہور صحابہ کی زندگی میں یہ ہوا کہ خدا نے ان میں اور ان کے غیروں میں فرقان رکھ دیا جو معرفت اور خدا کی محبت دنیا میں ان کو دی گئی یہ ان کی دنیا میں جزا تھی۔ اب قصّہ کوتاہ کرتا ہوں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں ان صفاتِ اربعہ کی تجلّی چمکی۔

لیکن بات بڑی غور طلب ہے کہ صحابہ کی جماعت اتنی ہی نہ سمجھو جو پہلے گذر چکے بلکہ ایک اور گروہ بھی ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں ذکر کیا ہے وہ بھی صحابہ ہی میں داخل ہے جو احمد کے بروز کے ساتھ ہوں گے چنانچہ فرمایا ہے اٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ (الجمعة: ۴) یعنی صحابہ کی جماعت کو اسی قدر نہ سمجھو بلکہ مسیح موعود کے زمانہ کی جماعت بھی صحابہ ہی ہوگی۔ اس آیت کے متعلق مفسروں نے مان لیا ہے کہ یہ مسیح موعود کی جماعت ہے۔ مِنْهُمْ کے لفظ سے پایا جاتا ہے کہ باطنی توجہ اور استفاضہ صحابہ ہی کی طرح ہوگا۔ صحابہ کی تربیت ظاہری طور پر ہوئی تھی۔ مگر ان کو کوئی دیکھ نہیں سکتا۔ وہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی تربیت کے نیچے ہوں گے۔ اس لئے سب علماء نے اس گروہ کا نام صحابہ ہی رکھا ہے۔ جیسے ان صفاتِ اربعہ کا ظہور اُن صحابہ میں ہوا تھا ویسے ہی ضروری ہے کہ اٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ کی مصداق جماعت صحابہ میں بھی ہو۔ (الحکم نمبر ۳ جلد ۵ مؤرخہ ۲۴ رجنوری ۱۹۰۱ء صفحہ ۴)

یہ چار صفتیں ہیں جو لفظی باتیں نہیں بلکہ اللہ نے تمام دنیا کا نظارہ دکھلایا ہے کہ دنیا میں کوئی خالقیت سے منکر ہے کوئی رحمانیت سے کوئی رحیمیت سے اور کوئی اس کے مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ہونے سے اس قسم کا تفرقہ تمام مذاہب میں ہے مگر اسلام ہی ایسا پاک مذہب ہے جس نے سب صفاتِ کاملہ کو جمع کر دیا۔ پس یہ سورۃ جو اُمُّ الکتاب کہلاتی ہے یہ پانچ وقت اسی لئے پڑھی جاتی ہے کہ لوگ سوچیں کہ اسلام نہایت مبارک مذہب ہے اور اس کی یہ تعلیم ہے۔ اسلام کا خدا نہ تو ایسا ہے کہ کسی کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے جیسا کہ حضرت عیسیٰ کو خدا بنایا گیا ہے نہ ایسا کہ وہ پیدا نہیں کر سکتا اور مکتی اس واسطے نہیں دیتا کہ آگے پھر بنائے کیا؟ کیونکہ چند محدود روحیں ہیں جو آپ سے چلی آتی ہیں۔ انہیں کو بار بار دنیا میں لاتا ہے۔ اگر سب کو نجات دے تو پھر آگے کیا

کرے گا؟

اسلام میں خدا کی ایسی صفات مانی گئی ہیں کہ اگر تمام دنیا مل کر نقص نکالے تو نقص نکال نہ سکے۔ ہم کہتے ہیں کہ جیسا یہ لوگ سمجھتے ہیں جب اس میں کئی ایک نقص ہیں تو پھر وہ کیونکر سب کی نگہبانی کا ذمہ دار ہو سکتا ہے۔ خدا میں تو صفاتِ کاملہ پائی جانی چاہئیں اگر یہ نہ ہوں تو پھر اس پر کیا امید ہو سکتی ہے کہ کوئی ایسے معبود سے دُعا کیا کرے۔ ہمارا معبود تو صفاتِ کاملہ رکھتا ہے۔ پس اس سے دُعا مانگو ہمیں وہ سیدھی راہ دکھا دے جو ان لوگوں کی راہ ہے جن پر تُو نے فضل کیا۔ الغرض اللہ تعالیٰ اپنی چار صفات بتلا کر تعلیم دیتا ہے کہ یوں دُعا مانگو۔ ان لوگوں کی راہ دکھا جن پر تیرا انعام و اکرام ہے۔ نہ کہ جن پر تیرا غضب ہے نہ ضالّین کی۔ یہ قصّہ کے طور پر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ ایسا ہوگا۔ پس فرمایا کہ جیسے پہلوں پر غضب ہوا اگر تم ایسا کرو گے تو تم پر بھی غضب ہوگا۔ یعنی تم بھی اگر خدا کی راہ میں مستقیم نہیں رہو گے تو تم پر بھی غضب آئے گا۔

(بدر نمبر ۱ جلد ۷ مؤرخہ ۹ رجنوری ۱۹۰۸ء صفحہ ۶، ۷)

خدا تعالیٰ کے ان صفات ربّ۔ رحمٰن۔ رحیم۔ مالک یوم الدین پر توجہ کی جاوے تو معلوم ہوتا ہے کہ کیسا عجیب خدا ہے پھر جن کا ربّ ایسا ہو کیا وہ کبھی نامراد اور محروم رہ سکتا ہے؟ ربّ کے لفظ سے یہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ دوسرے عالَم میں بھی ربوبیت کام کرتی رہے گی۔ (البدر جلد ۳ نمبر ۴۴، ۴۵ مؤرخہ ۲۴ رنومبر تا یکم دسمبر ۱۹۰۴ء صفحہ ۳)

قرآن شریف میں جس قدر صفات اور افعالِ الٰہیہ کا ذکر ہے ان سب صفات کا موصوف اسم اللہ ٹھہرایا گیا ہے مثلاً کہا گیا ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ (حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن جلد ۲۲ صفحہ ۱۴۶)

خدا تعالیٰ کی چار صفتیں ہیں جن سے ربوبیت کی پوری شوکت نظر آتی ہے اور کامل طور پر چہرہ اس ذات ابدی ازلی کا دکھائی دیتا ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے ان ہر چہار صفتوں کو سورہ فاتحہ میں بیان کر کے اپنی ذات کو معبود قرار دینے کے لئے ان لفظوں سے لوگوں کو اقرار کرنے کی ہدایت دی ہے کہ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ۔ یعنی اے وہ خدا جو ان چار صفتوں سے موصوف ہے ہم خاص تیری ہی پرستش کرتے ہیں کیونکہ تیری ربوبیت تمام عالموں پر محیط ہے اور تیری رحمانیت بھی تمام عالموں پر محیط ہے اور تیری رحیمیت بھی تمام عالموں پر محیط ہے اور تیری صفت مالکانہ جزا و سزا کی بھی تمام عالموں پر محیط ہے اور تیرے اس حسن اور احسان میں بھی کوئی شریک نہیں اس لئے ہم تیری عبادت میں بھی کوئی شریک نہیں کرتے۔

اب واضح ہو کہ خدا تعالیٰ نے اس سورۃ میں ان چار صفتوں کو اپنی الوہیت کا مظہر اتم قرار دیا ہے اور اسی

لئے صرف اس قدر ذکر پر یہ نتیجہ مترتّب کیا ہے کہ ایسا خدا کہ یہ چار صفتیں اپنے اندر رکھتا ہے وہی لائق پرستش ہے اور درحقیقت یہ صفتیں بہر وجہ کامل ہیں اور ایک دائرہ کے طور پر الوہیت کے تمام لوازم اور شرائط پر محیط ہیں کیونکہ ان صفتوں میں خدا کی ابتدائی صفات کا بھی ذکر ہے اور درمیانی زمانہ کی رحمانیت اور رحیمیت کا بھی ذکر ہے اور پھر آخری زمانہ کی صفت مجازات کا بھی ذکر ہے اور اصولی طور پر کوئی فعل اللہ تعالیٰ کا ان چار صفتوں سے باہر نہیں۔ پس یہ چار صفتیں خدا تعالیٰ کی پوری صورت دکھلاتی ہیں سو درحقیقت استوا علی العرش کے یہی معنی ہیں کہ خدا تعالیٰ کی یہ صفات جب دنیا کو پیدا کر کے ظہور میں آ گئیں تو خدا تعالیٰ ان معنوں سے اپنے عرش پر پوری وضع استقامت سے بیٹھ گیا کہ کوئی صفت صفات لازمہ الوہیت سے باہر نہیں رہی اور تمام صفات کی پورے طور پر تجلّی ہوگئی جیسا کہ جب اپنے تخت پر بادشاہ بیٹھتا ہے تو تخت نشینی کے وقت اس کی ساری شوکت ظاہر ہوتی ہے۔ ایک طرف شاہی ضرورتوں کے لئے طرح طرح کے سامان طیّار ہونے کا حکم ہوتا ہے اور وہ فی الفور ہو جاتے ہیں اور وہی حقیقت ربوبیتِ عامہ ہیں۔ دوسری طرف خسروانہ فیض سے بغیر کسی عمل کے حاضرین کو جود و سخاوت سے مالا مال کیا جاتا ہے۔ تیسری طرف جو لوگ خدمت کر رہے ہیں ان کو مناسب چیزوں سے اپنی خدمات کے انجام کے لئے مدد دی جاتی ہے۔ چوتھی طرف جزا سزا کا دروازہ کھولا جاتا ہے کسی کی گردن ماری جاتی ہے اور کوئی آزاد کیا جاتا ہے۔ یہ چار صفتیں تخت نشینی کے ہمیشہ لازمِ حال ہوتی ہیں۔ پس خدا تعالیٰ کا ان ہر چہار صفتوں کو دنیا پر نافذ کرنا گویا تخت پر بیٹھنا ہے جس کا نام عرش ہے۔

اب رہی یہ بات کہ اس کے کیا معنی ہیں کہ اس تخت کو چار فرشتے اُٹھا رہے ہیں۔ پس اس کا یہی جواب ہے کہ ان چار صفتوں پر چار فرشتے موکّل ہیں جو دنیا پر یہ صفات خدا تعالیٰ کی ظاہر کرتے ہیں اور ان کے ماتحت چار ستارے ہیں جو چار ربُّ النّوع کہلاتے ہیں جن کو وید میں دیوتا کے نام سے پکارا گیا ہے۔ پس وہ ان چاروں صفتوں کی حقیقت کو دنیا میں پھیلاتے ہیں گویا اس روحانی تخت کو اٹھا رہے ہیں۔ بُت پرستوں کا جیسا کہ وید سے ظاہر ہے صاف طور پر یہ خیال تھا کہ یہ چار صفتیں مستقل طور پر دیوتاؤں کو حاصل ہیں۔ اسی وجہ سے وید میں جابجا ان کی اُستت اور مَہما کی گئی اور ان سے مرادیں مانگی گئیں۔ پس خدا تعالیٰ نے استعارہ کے طور پر سمجھایا کہ یہ چار دیوتا جن کو بت پرست اپنا معبود قرار دیتے ہیں یہ مخدوم نہیں ہیں بلکہ یہ چاروں خادم ہیں اور خدا تعالیٰ کے عرش کو اٹھا رہے ہیں یعنی خادموں کی طرح ان الٰہی صفات کو اپنے آئینوں میں ظاہر کر رہے ہیں اور عرش سے مراد لوازم صفات تخت نشینی ہیں جیسا کہ ابھی مَیں نے بیان کر دیا ہے۔ ہم ابھی

لکھ چکے ہیں کہ ربّ کے معنے دیوتا ہے۔ پس قرآن شریف پہلے اسی سورۃ سے شروع ہوا ہے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ یعنی وہ تمام مَہما اور اُستت اُس خدا کی چاہئے جو تمام عالموں کا دیوتا ہے۔ وہی ہے جو ربُّ العٰلَمِيْنَ ہے اور رَحْمٰنُ العٰلَمِيْن ہے اور رَحِيْمُ الْعٰلَمِيْنَ ہے۔ اور مالك جزاء العالمين ہے۔ اس کے برابر اور کوئی دیوتا نہیں کیونکہ قرآن شریف کے زمانہ میں دیوتا پرستی بہت شائع تھی اور یونانی ہر ایک دیوتے کا نام رَبُّ النَّوع رکھتے تھے اور رَبُّ النَّوع کا لفظ آریہ ورت میں دیوتا کے نام سے موسوم تھا اس لئے پہلے خدا کا کلام ان جھوٹے دیوتاؤں کی طرف ہی متوجہ ہوا جیسا کہ اس نے فرمایا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ یعنی وہ جو سب عالموں کا دیوتا ہے نہ صرف ایک یا دو عالم کا اسی کی پرستش اور حمد و ثنا چاہئے۔ دوسروں کی مَہما اور اُستت کرنا غلطی ہے۔ اس صورت میں جو صفتیں بُت پرستوں نے چار دیوتاؤں کے لئے مقرر کر رکھی تھیں۔ خدا تعالیٰ نے ان سب کو اپنی ذات میں جمع کر دیا ہے اور صرف اپنی ذات کو ان صفات کا منبع ظاہر فرمایا بُت پرست قدیم سے یہ بھی خیال کرتے تھے کہ خدا کی اصولی صفات یعنی جو اصل جڑ تمام صفات کی ہیں وہ صرف چار ہیں۔ پیدا کرنا پھر مناسب حال سامان عطا کرنا۔ پھر ترقی کے لئے عمل کرنے والوں کی مدد کرنا پھر آخر میں جزا سزا دینا اور وہ ان چار صفات کو چار دیوتاؤں کی طرف منسوب کرتے تھے۔ اسی بنا پر نوح کی قوم کے بھی چار ہی دیوتا تھے اور انہیں صفات کے لحاظ سے عرب کے بت پرستوں نے بھی لات۔ منات و عزیٰ اور ہبل بنا رکھے تھے۔ ان لوگوں کا خیال تھا کہ یہ چار دیوتا بالارادہ دنیا میں اپنے اپنے رنگوں میں پرورش کر رہے ہیں اور ہمارے شفیع ہیں اور ہمیں خدا تک بھی یہی پہنچاتے ہیں۔ چنانچہ یہ مطلب آیت لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى (الزّمر:۴) سے ظاہر ہے۔ اور جیسا کہ ہم لکھ چکے ہیں وید بھی ان چاروں دیوتاؤں کی مَہما اور اُستت کی ترغیب دیتا ہے اور وید میں اگرچہ اور دیوتاؤں کا بھی ذکر ہے لیکن اصولی دیوتے جن سے اور سب دیوتے پیدا ہوئے ہیں یا یوں کہو کہ ان کی شاخ ہیں وہ چار ہی ہیں کیونکہ کام بھی چار ہی ہیں۔ پس قرآن شریف کی پہلی غرض یہی تھی کہ وید وغیرہ مذاہب کے دیوتاؤں کو نیست و نابود کرے اور ظاہر کرے کہ یہ لوگوں کی غلطیاں ہیں کہ اور اور چیزوں کو دیوتا یعنی رَبُّ النَّوع بنا رکھا تھا بلکہ یہ چار صفتیں خاص خدا تعالیٰ کی ہیں اور ان چار صفتوں کے عرش کو خادموں اور نوکروں کی طرح یہ بیجان دیوتے اُٹھا رہے ہیں چنانچہ کسی نے کہا ہے ؎

حمد را باتو نسبتے است درست　　بر در ہر کہ رفت بردرتست

پس یہ اعتراض کہ جو آریہ صاحبان ہمیشہ سے کرتے ہیں یہ تو درحقیقت ان کے ویدوں پر اعتراض ہے کیونکہ مسلمان تو اس خدا کی پرستش کرتے ہیں جو مخدوم ہے مگر آریہ صاحبان ان جھوٹے دیوتاؤں کو خدا سمجھ رہے ہیں جو خادموں اور نوکروں چاکروں کی طرح خدا تعالیٰ کی صفاتِ اربعہ کا عرش اپنے سر پر اٹھا رہے ہیں بلکہ وہ تو چاکروں کے بھی چاکر ہیں کیونکہ ان پر اور طاقتیں بھی مسلّط ہیں جو ملائک کے نام سے موسوم ہیں جو ان دیوتاؤں کی طاقتوں کو قائم رکھتے ہیں جن میں سے زبانِ شرع میں کسی کو جبرئیل کہتے ہیں اور کسی کو میکائیل اور کسی کو عزرائیل اور کسی کو اسرافیل اور سناتن دھرم والے اس قسم کے ملائک کے بھی قائل ہیں اور ان کا نام جم رکھتے ہیں۔ (نسیم دعوت، روحانی خزائن جلد ۱۹ صفحہ ۴۵۵ تا ۴۶۰ حاشیہ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم صفاتِ الٰہی کا مظہر ہیں

میں نے سورۃ الفاتحہ (جس کو اُمّ الکتاب اور مثانی بھی کہتے ہیں اور جو قرآن شریف کی عکسی تصویر اور خلاصہ ہے) کے صفاتِ اربعہ میں دکھانا چاہا ہے کہ وہ چاروں نمونے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود ہیں اور خدا تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود میں ان صفاتِ اربعہ کا نمونہ دکھایا۔ گویا وہ صفات دعویٰ تھیں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود بطور دلیل کے ہے۔ چنانچہ ربوبیت کا آپ کے وجود میں کیسا ثبوت دیا کہ مکہ کے جنگلوں کا سرگردان اور دس برس تک حیران پھرنے والا جس کے لئے کوئی راہ کھلی نظر نہ آتی تھی، اس کی تربیت کا کس کو خیال تھا؟ کہ اسلام روئے زمین پر پھیل جاوے گا اور اس کے ماننے والے ۹۰ کروڑ تک پہنچیں گے۔ مگر آج دیکھو کہ دنیا کا کوئی آباد قطعہ ایسا نہیں جہاں مسلمان نہیں۔

پھر الرَّحمٰن کی صفت کو دیکھو جس کا منشاء یہ ہے کہ عمل کے بدوں کامیابی اور ضرورتوں کے سامان بہم پہنچائے۔ کیسی رحمانیت تھی کہ آپ کے آنے سے پیشتر ہی استعدادیں پیدا کر دیں۔ عمر رضی اللہ عنہ بچوں کی طرح کھیلتا تھا۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جو کافروں کے گھر میں پیدا ہوا تھا۔ اور ایسا ہی اور بہت سے صحابہ آپ کے ساتھ ہو گئے۔ گویا ان کو آپ کے لئے رحمانیتِ الٰہی نے پہلے ہی تیار کر رکھا تھا اور اس قدر امور رحمانیت کے اسلام کے ساتھ ہیں کہ ہم ان کو مفصل بیان بھی نہیں کر سکتے۔ اُمّیت رحمانیت کو چاہتی ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت فرمایا: هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا (الجمعۃ:۳)۔ رحمانیت کا منشا اس ضرب المثل سے خوب ظاہر ہے:

''کردے کرادے اور اُٹھانے والا ساتھ دے۔''

اور یہ ظہور اسلام کے ساتھ ہوا۔ اسلام گویا خدا کی گود میں بچہ ہے۔ اس کا سارا کام کاج سنوارنے والا اور اس کے سارے لوازم بہم پہنچانے والا خود خدا ہے۔ کسی مخلوق کا بار احسان اس کی گردن پر نہیں۔

اسی طرح رحیم جو محنتوں کو ضائع نہ کرے۔ اس کے خلاف یہ ہے کہ محنت کرتا رہے اور ناکام رہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رحیمیت کا اظہار دیکھو کیسے واضح طور پر ہوا۔ کوئی ایسی لڑائی نہیں جس میں فتح نہ پائی ہو۔ تھوڑا کام کر کے بہت اجر پایا ہے۔ بجلی کے کوندنے کی طرح فتوحات چمکیں۔ فتوحات الشام، فتوحات المصر ہی دیکھو۔ صفحہ تاریخ میں کوئی ایسا انسان نہیں جس نے صحیح معنوں میں کامیابی پائی ہو جیسے کامیابیاں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ملیں۔

صحابہؓ نے دنیا میں کامیابی حاصل کی

پھر مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ جزا و سزا کا مالک، اچھے کام کرنے والوں کو جزا دی جاوے۔ اگرچہ کامل طور پر یہ آخرت کے لیے ہے اور سب قومیں جزا و سزا کو آخرت ہی پر ڈالتی ہیں، مگر خدا نے اس کا نمونہ اسلام کے لیے اس دُنیا میں رکھا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ جو دوپہر کی دُھوپ میں گھر بار مال و متاع چھوڑ کر اُٹھ کھڑا ہوا تھا اور جس نے ساری جائداد کو دیکھ کر کہہ دیا کہ برباد شد، برباد باشد۔ سب سے انقطاع کر کے ساتھ ہی ہو لیا تھا۔ اُس نے یہ مزہ پایا کہ آپؐ کے بعد سب سے پہلا خلیفہ بلا فصل یہی ہوا۔ حضرت عمرؓ جو صدق اخلاص سے بھر گئے تھے، اُنھوں نے یہ مزہ پایا کہ اُن کے بعد خلیفہ ثانی ہوئے۔ غرض اسی طرح پر ہر ایک صحابی نے پوری عزّت پائی۔ قیصر و کسریٰ کے اموال اور شاہزادیاں اُن کے ہاتھ آئیں۔ لکھا ہے کہ ایک صحابی کسریٰ کے دربار میں گیا۔ ملازمانِ کسریٰ نے سونے چاندی کی کرسیاں بچھوادیں اور اپنی شان و شوکت دکھائی۔ اُس نے کہا کہ ہم اس مال کے ساتھ فریفتہ نہیں ہوئے۔ ہم کو تو وعدہ دیا گیا ہے کہ کسریٰ کے کڑے بھی ہمارے ہاتھ آجائیں گے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہ کڑے ایک صحابی کو پہنا دیئے تاکہ وہ پیشگوئی پوری ہو۔

اسلام کا جادہ اعتدال

مذہب اسلام چونکہ اعتدال پر واقع ہوا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے تعلیم یہی دی ہے اور مغضوب اور ضالّین سے بچنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ ایک سچا مسلمان نہ مغضوب ہو سکتا ہے نہ ضالّین کے زمرہ میں شامل ہو سکتا ہے۔ مغضوب وہ قوم ہے جس پر خدا تعالیٰ کا غضب بھڑکا۔ چونکہ وہ خود غضب کرنے والے تھے، اس لیے خدا کے غضب کو کھینچ لائے اور وہ یہودی ہیں۔ اور ضالّ سے مراد عیسائی ہیں۔

غضب کی کیفیت قوت سبعی سے پیدا ہوتی ہے اور ضلالت وہمی قوت سے پیدا ہوتی ہے۔ اور وہمی قوت حد سے زیادہ محبت سے پیدا ہوتی ہے۔ بیجا محبت والا انسان بہک جاتا ہے حبك الشي يعمى ويصم۔ اس کا مبدء اور منشاء قوت وہمی ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ چادر کو بیل سمجھتا ہے اور رسی کو سانپ بناتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کسی شاعر نے اپنا معشوق ایسا قرار نہیں دیا جو دوسروں سے بڑھ کر نہ ہو۔ ہر ایک کے واہمہ نے نئی تصویر ایجاد کی۔

قوت بہیمی میں جوش ہو کر انسان جادۂ اعتدال سے نکل جاتا ہے۔ چنانچہ غضب کی حالت میں درندہ کا جوش بڑھ جاتا ہے۔ مثلاً کتّا پہلے آہستہ آہستہ بھونکتا ہے پھر کوٹھا سر پر اُٹھا لیتا ہے۔ آخر کار درندے طیش میں آ کر نوچتے اور پھاڑ کھاتے ہیں۔ یہود نے بھی اسی طرح ظلم و تعدّی کی بُری عادتیں اختیار کیں اور غضب کو حدّ تک پہنچا دیا۔ آخر خود مغضوب ہو گئے۔ قوت وہمی کو جب استیلاء ہوتا ہے تو انسان رسی کو سانپ بناتا اور درخت کو ہاتھی بتلاتا ہے۔ اور اس پر کوئی دلیل نہیں ہوتی۔ یہ قوت عورتوں میں زیادہ ہوتی ہے۔ اسی واسطے عیسائی مذہب اور بت پرستی کا بڑا سہارا عورتیں ہیں۔ غرض اسلام نے جادۂ اعتدال پر رہنے کی تعلیم دی جس کا نام الصراط المستقیم ہے۔ (الحکم جلد ۴ نمبر ۱۴ مؤرخہ ۱۷؍اپریل ۱۹۰۰ء صفحہ ۷، ۸)

سورۃ فاتحہ میں آریوں اور سناتنیوں کا ردّ

سورۃ فاتحہ میں جو پنج وقت ہر نماز کی ہر رکعت میں پڑھی جاتی ہے اشارہ کے طور پر کل عقائد کا ذکر ہے۔ جیسے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ یعنی ساری خوبیاں اس خدا کے لئے سزاوار ہیں جو سارے جہانوں کو پیدا کرنے والا ہے۔ اَلرَّحْمٰن۔ وہ بغیر اعمال کے پیدا کرنے والا ہے اور بغیر کسی عمل کے عنایت کرنے والا ہے۔ اَلرَّحِيْم۔ اعمال کا پھل دینے والا۔ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ۔ جزا سزا کے دن کا مالک ان چار صفتوں میں کُل دنیا کے فرقوں کا بیان کیا گیا ہے۔ بعض لوگ اس بات سے منکر ہیں کہ خدا ہی تمام جہانوں کا پیدا کرنے والا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جیو یعنی ارواح اور پرمانوں یعنی ذرات خود بخود ہیں اور جیسے پرمیشر آپ ہی آپ چلا آتا ہے ویسے ہی وہ بھی آپ ہی آپ چلے آتے ہیں۔ اور ارواح اور ان کی کُل طاقتیں گن اور خواص جن پر دفتروں کے دفتر لکھے گئے خود بخود ہیں اور ذرّاتِ عالَم اور ان کی تمام قوتیں بھی خود بخود ہیں اور باوجود اس کے کہ ان میں قوتِ اتّصال اور قوتِ انفصال خود بخود پائی جاتی ہے۔ وہ آپس میں ملاپ کرنے کے لئے ایک پرمیشر کے محتاج ہیں۔ غرض یہ وہ فرقہ ہے جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کہہ کر اشارہ کیا ہے۔

دوسرا فرقہ وہ ہے جس کی طرف اَلرَّحْمٰن کے لفظ میں اشارہ ہے۔ اور یہ فرقہ سناتن دھرم والوں کا ہے۔ گو وہ مانتے ہیں کہ پرمیشر سے ہی سب کچھ نکلا ہے مگر وہ کہتے ہیں کہ خدا کا فضل کوئی چیز نہیں وہ کرموں کا ہی پھل دیتا ہے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی مرد بنا ہے تو وہ بھی اپنے اعمال سے اور اگر کوئی عورت بنی ہے تو وہ بھی اپنے اعمال سے اور اگر ضروری اشیاء حیوانات نباتات وغیرہ بنے ہیں تو وہ بھی اپنے اپنے کرموں کی وجہ سے۔ الغرض یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی صفتِ رحمان سے منکر ہیں۔ وہ خدا جس نے زمین سورج چاند ستارے وغیرہ پیدا کئے اور ہوا پیدا کی تا ہم سانس لے سکیں اور ایک دوسرے کی آواز سن سکیں اور روشنی کے لئے سورج چاند وغیرہ اشیاء پیدا کیں اور اس وقت پیدا کیں جب کہ ابھی سانس لینے والوں کا وجود اور نام ونشان بھی نہ تھا تو کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ سب کچھ ہمارے ہی اعمال کی وجہ سے پیدا کیا گیا ہے۔ کیا کوئی اپنے اعمال کا دم مار سکتا ہے۔ کیا کوئی دعویٰ کر سکتا ہے کہ یہ سورج چاند ستارے ہوا وغیرہ میرے اپنے عملوں کا پھل ہے غرض خدا کی صفتِ رحمانیت اس فرقہ کی تردید کرتی ہے جو خدا کو بلا مبادلہ یعنی بغیر ہماری کسی محنت اور کوشش کے بعض اشیاء کے عنایت کرنے والا نہیں جانتے۔

اس کے بعد خدا تعالیٰ کی صفت اَلرَّحِیْمِ کا بیان ہے یعنی محنتوں کوششوں اور اعمال پر ثمراتِ حسنہ مترتب کرنے والا۔ یہ صفت اس فرقہ کا ردّ کرتی ہے جو اعمال کو بالکل لغو خیال کرتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ میاں نماز کیا تو روزے کیا اگر غفور الرحیم نے اپنا فضل کیا تو بہشت میں جائیں گے نہیں تو جہنم میں۔ اور کبھی کبھی یہ لوگ اس قسم کی باتیں بھی کہہ دیا کرتے ہیں کہ میاں عبادتاں کر کے ولی تو ہم نے کچھ تھوڑا ہی بننا۔ کچھ کیتا کیتا نہ کیتا نہ سہی۔ غرض اَلرَّحِیْمِ کہہ کر خدا ایسے ہی لوگوں کا ردّ کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ جو محنت کرتا ہے اور خدا کے عشق اور محبت میں محو ہو جاتا ہے۔ وہ دوسروں سے ممتاز اور خدا کا منظورِ نظر ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ ایسے شخص کی خود دستگیری کرتا ہے....

اب تین فرقوں کی بابت تو تم سن چکے ہو۔ یعنی ایک فرقہ تو وہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کو ربّ نہیں سمجھتا اور ذرہ ذرہ کو اس کا شریک ٹھہراتا ہے اور مانتا ہے کہ ارواح اور ذرات عالم کا پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کی طاقت سے باہر ہے اور جیسے خدا خود بخود ہے ویسے ہی وہ بھی خود بخود ہے۔ اس لئے ربُّ العالمین کہہ کر اس فرقہ کی تردید کی گئی ہے۔ دوسرا فرقہ وہ ہے۔ جو سمجھتا ہے کہ خدا اپنے فضل سے کچھ نہیں دے سکتا۔ جو کچھ بھی ہمیں ملا ہے اور ملے گا وہ ہمارے اپنے کرموں کا پھل ہے اور ہوگا۔ اس لئے لفظ رحمٰن کے ساتھ اس کا ردّ کیا گیا ہے اور اس کے بعد

الرحیم کہہ کر اس فرقہ کی تردید کی گئی ہے (جو☆) اعمال کو غیر ضروری خیال کرتے ہیں اب ان تین فرقوں کا بیان کر کے فرمایا یعنی جزا سزا کے دن کا مالک اور اِس سے اُس گروہ کی تردید مطلوب ہے جو کہ جزا سزا کا قائل نہیں۔ کیونکہ ایسا ایک فرقہ بھی دنیا میں موجود ہے جو جزا سزا کا منکر ہے۔ جو خدا کو رحیم نہیں مانتے ان کو تو بے پرواہ بھی کہہ سکتے ہیں مگر جو مالک یوم الدین والی صفت کو نہیں مانتے وہ تو خدا کی ہستی سے بھی منکر ہوتے ہیں اور جب خدا کی ہستی ہی نہیں جانتے تو پھر جزا سزا کس طرح مانیں۔ غرض ان چار صفات کو بیان کر کے خدا فرماتا ہے کہ اے مسلمانو تم کہو کہ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ۔ یعنی اے چار صفتوں والے خدا ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور اس کام کے لئے مدد بھی تجھ سے ہی چاہتے ہیں۔ اور یہ جو حدیث شریف میں آیا ہے کہ خدا تعالیٰ کے عرش کو چار فرشتوں نے اُٹھایا ہوا ہے اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ اس کی ان چاروں صفات کا ظہور موجود ہے۔ اور اگر یہ چار نہ ہوں یا چاروں میں سے ایک نہ ہو تو پھر خدا کی خدائی میں نقص لازم آتا ہے۔ (الحکم جلد ۱۲ نمبر ۱ مؤرخہ ۲ رجنوری ۱۹۰۸ء صفحہ ۶،۵)

قرآن شریف کی پہلی آیت ہی یہی ہے کہ خدا تعالیٰ جسم اور جسمانی ہونے سے پاک ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ یعنے خدا ہی کو سب تعریف اور حمد اور مدح ہے وہ کیسا ہے! تمام عالموں کا ربّ ہے جس کی ربوبیت ہر یک عالم کے شامل حال ہے۔ اب ظاہر ہے کہ عالَم ان چیزوں کا نام ہے جو معلوم الحدود ہونے کی وجہ سے ایک صانع محدّد پر دلالت کریں اور لفظ عالم کا اسی معلوم الحدود ہونے سے مشتق کیا گیا ہے اور جو چیز معلوم الحدود ہے وہ یا تو جسم اور جسمانی ہوگی اور یا روحانی طور پر کسی حدّ تک اپنی طاقت رکھتی ہوگی۔ جیسی انسان کی روح۔ گھوڑے کی روح۔ گدھے کی روح وغیرہ وغیرہ حدود مقرّرہ تک طاقتیں رکھتی ہیں۔ پس یہ سب عالم میں داخل ہیں اور وہ جو ان سب کا پیدا کنندہ اور ان سے برتر ہے وہ خدا ہے۔ اب غور سے دیکھنا چاہئے کہ خدا تعالیٰ نے اس آیت میں نہ صرف یہ ظاہر کیا کہ وہ جسم اور جسمانی ہونے سے برتر ہے بلکہ یہ بھی ثابت کر دیا کہ یہ تمام چیزیں معلوم الحدود ہونے کی وجہ سے ایک خالق کو چاہتی ہیں جو حدود اور قیود سے پاک ہے۔ اب ناظرین سمجھ سکتے ہیں کہ آریوں کی عقل کو کس قدر تعصّب نے مار لیا ہے کہ جو مضمون قرآن شریف کی پہلی آیت سے ہی نکلتا ہے اس پر بھی نظر نہیں کی اور علمیت کا یہ حال کہ یہ بھی خبر نہیں کہ عالَم کسے کہتے ہیں حالانکہ عالَم ایک ایسا لفظ ہے جو ہر یک فلسفی اور حکیم اس کے یہی معنے لیتا ہے اور قرآن شریف کی عام اصطلاح میں اوّل سے اخیر تک یہی معنے اس کے لئے گئے۔ اور دنیا کی تمام پابند الہامی کتابوں کے بجز

☆ یہ لفظ غالباً سہو کاتب سے لکھنا رہ گیا ہے۔ (مرتب)

نرے اندھوں کے یہی معنے لیتے ہیں۔ سو اس فاش غلطی سے آریوں کی دماغی روشنی کی حقیقت کھل گئی۔

(شحنۂ حق۔ روحانی خزائن جلد ۲ صفحہ ۳۹۶، ۳۹۷)

سورۃ فاتحہ میں مذاہب باطلہ کا ردّ

اللہ تعالیٰ نے الحمد شریف میں اپنی صفات کاملہ کا بیان کر کے اُن تمام مذاہبِ باطلہ کا رد کیا ہے۔ جو عام طور پر دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں۔ یہ سورت جو اُمُّ الکتاب کہلاتی ہے۔ اسی واسطے پانچوں وقت ہر نماز کی ہر رکعت میں پڑھی جاتی ہے کہ اس میں مذہب اسلام کی تعلیم موجود ہے اور قرآن مجید کا ایک قسم کا خلاصہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی چار صفات بیان کر کے ایک نظارہ دکھانا چاہا ہے اور بتایا ہے کہ اسلام نہایت ہی مبارک مذہب ہے جو اس خدا کی طرف رہبری کرتا ہے جو نہ تو عیسائیوں کے خدا کی طرح کسی عورت کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے اور نہ ہی وہ ایسا ہے کہ آریوں کے پرمیشر کی طرح مکتی دینے پر ہی قادر نہ ہو۔ اور جھوٹے طور پر کہہ دیتا ہے کہ عمل محدود ہیں حالانکہ اصل بات یہ ہے کہ اس میں نجات دینے کی طاقت ہی نہیں کیونکہ روحیں تو اس کی بنائی ہوئی نہیں۔ جیسے وہ آپ خود بخود ہے ویسے ہی ارواح بھی خود بخود ہیں۔ یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ وہ اَور روحیں پیدا کر لے اس لئے یہ سوچ کر کہ اگر ہمیشہ کے لئے کسی روح کو مکتی دی جاوے تو آہستہ آہستہ وہ وقت آ جاوے گا کہ تمام روحیں مکتی یافتہ ہو کر میرے قبضہ سے نکل جائیں گی جس سے میرا تمام بنا بنایا کارخانہ درہم برہم ہو جائے گا۔ اس لئے وہ بہانہ کے طور پر ایک گناہ ان کے ذمہ رکھ لیتا ہے اور اس دور کو چلائے جاتا ہے لیکن اسلام کا خدا ایسا قدوس اور قادر خدا ہے کہ اگر تمام دنیا مل کر اس میں کوئی نقص نکالنا چاہے تو نہیں نکال سکتی۔ ہمارا خدا تمام جہانوں کا پیدا کرنے والا خدا ہے۔ وہ ہر ایک نقص اور عیب سے مبرّا ہے کیونکہ جس میں کوئی نقص ہو۔ وہ خدا کیوں کر ہو سکتا ہے اور اس سے ہم دُعائیں کس طرح مانگ سکتے ہیں اور اس پر امیدیں کیا رکھ سکتے ہیں وہ تو خود ناقص ہے نہ کہ کامل۔ لیکن اسلام نے وہ قادر اور ہر ایک عیب سے پاک خدا پیش کیا ہے جس سے ہم دُعائیں مانگ سکتے ہیں اور بڑی بڑی امیدیں پوری کر سکتے ہیں۔ اسی واسطے اس نے اسی سورہ فاتحہ میں دُعا سکھائی ہے کہ تم لوگ مجھ سے دُعا مانگا کرو۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ یعنی یاالٰہی ہمیں وہ سیدھی راہ دکھا جو ان لوگوں کی راہ ہے جن پر تیرے بڑے بڑے فضل اور انعام ہوئے اور یہ دُعا اس واسطے سکھائی کہ تا تم لوگ صرف اس بات پر ہی نہ بیٹھ رہو کہ ہم ایمان لے آئیں ہیں بلکہ اس طرح سے اعمال بجالاؤ کہ ان انعاموں کو حاصل کر سکو جو خدا کے مقرّب بندوں پر ہوا کرتے ہیں۔

(الحکم نمبر ۲ جلد ۱۲ مؤرخہ ۶ رجنوری ۱۹۰۸ء صفحہ ۲، ۳)

اگر خدا تعالیٰ کی اُن نعمتوں کا شمار کرنا چاہیں تو ہرگز ممکن نہیں کہ اس خدا کی مہربانیوں اور احسانوں کا شمار کر سکیں۔اس کے انعامات ہر دو روحانی اور جسمانی رنگ میں محیط ہیں اور جیسا کہ وہ سورہ فاتحہ میں جو کہ سب سے پہلی سورہ ہے اور تمام قرآن شریف اسی کی شرح اور تفسیر ہے اور وہ پنج وقت نمازوں میں بار بار پڑھی جاتی ہے اس کا نام ہے ربّ العالمین یعنی ہر حالت میں اور ہر جگہ پر اسی کی ربوبیّت سے انسان زندگی اور ترقی پاتا ہے اور اگر نظرِ عمیق سے دیکھا جاوے تو حقیقت میں انسانی زندگی کا بقا اور آسودگی اور آرام راحت و چین اسی صفتِ الٰہی سے وابستہ ہے اگر اللہ تعالیٰ اپنی صفتِ رحمانیت کا استعمال نہ کرے اور دنیا سے اپنی رحمانیت کا سایہ اُٹھالے تو دنیا تباہ ہو جاوے۔اللہ کی ایک صفت ربّ ہے یعنی پرورش کرنے والا اور تربیت کرنے والا کیا روحانی اور کیا جسمانی دونوں قسم کے قویٰ اللہ تعالیٰ نے ہی انسان میں رکھے ہیں۔اگر قویٰ ہی نہ رکھے ہوتے۔تو انسان ترقی ہی کیسے کر سکتا۔جسمانی ترقیات کے واسطے بھی اللہ تعالیٰ ہی کے فضل و کرم اور انعام کے گیت گانے چاہئیں کہ اس نے قویٰ رکھے اور پھر ان میں ترقی کرنے کی طاقت بھی فطرتاً رکھ دی۔ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ۔ خدا مالک ہے جزا سزا کے دن کا۔ایک رنگ میں اسی دنیا میں بھی جزا سزا ملتی ہے۔ہم روزمرّہ مشاہدہ کرتے ہیں کہ چور چوری کرتا ہے ایک روز نہ پکڑا جاوے گا دو روز نہ پکڑا جائے گا آخر ایک دن پکڑا جائے گا اور زندان میں جائے گا اور اپنے کئے کی سزا بھگتے گا۔یہی حال زانی، شراب خور اور طرح طرح کے فسق و فجور میں بے قید زندگی بسر کرنے والوں کا ہے کہ ایک خاص وقت تک خدا کی شانِ ستّاری ان کی پردہ پوشی کرتی ہے۔آخر وہ طرح طرح کے عذابوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور دکھوں میں مبتلا ہو کر ان کی زندگی تلخ ہو جاتی ہے۔اور یہ اس اُخروی دوزخ کی سزا کا نمونہ ہے۔اس طرح سے جو لوگ سرگرمی سے نیکی کرتے ہیں۔اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی اور فرمانبرداری ان کی زندگی کا اعلیٰ فرض ہوتا ہے۔تو خدا ان کی نیکی کو بھی ضائع نہیں کرتا۔اور مقررہ وقت پر ان کی نیکی بھی پھل لاتی اور باردار ہو کر دنیا میں ہی ان کے واسطے ایک نمونہ کے طور پر مثالی جنّت حاصل کر دیتی ہے۔غرض جتنے بھی بدیوں کا ارتکاب کرنے والے فاسق فاجر شراب خور اور زانی ہیں ان کو خدا کا اور روزِ جزا کا خیال آنا تو درکنار اس دنیا میں ہی اپنی صحت، تندرستی، عافیت اور اعلیٰ قویٰ کھو بیٹھتے ہیں اور پھر بڑی حسرت اور مایوسی سے ان کو زندگی کے دن پورے کرنے پڑتے ہیں۔سل، دق، سکتہ اور رعشہ اور اور خطرناک امراض ان کے شامل حال ہو کر مرنے سے پہلے ہی مر رہتے اور آخر کار بے وقت اور قبل از وقت موت کا لقمہ بن جاتے ہیں۔ (الحکم نمبر ۱۴ جلد ۱۲ مؤرخہ ۱۴ رجولائی ۱۹۰۸ء صفحہ ۲)

سورۃ فاتحہ میں پہلے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کہا گیا ہے پھر بتایا ہے کہ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ہے اَلرَّحْمٰنِ ہے یعنی بغیر اعمال

کے رحمت کرتا ہے پھر وہ الرَّحِیْمِ ہے یعنی اس کی رحمت ایسی ہے کہ کوشش پر بھی ثمرات مرتب کرتا ہے۔ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ہے جزا وسزا اس کے ہاتھ میں ہے ان تعریفوں سے لازم آیا کہ بڑا خدا جو ربّ رحمٰن رحیم ہے وہ حاضر ناظر ہے اس لئے اب دُعا کے وقت یہ کہا اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ پھر اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کی دُعا مانگے۔ سیدھی راہ دکھا ان لوگوں کی جن پر تیرے انعام واکرام ہوئے گویا جو تیری مقبول راہ ہے اور جس پر چل کر تیرے تلطّف کا یقین ہے ان لوگوں کی نہیں جن پر کوئی فیض اور فضل مرتب نہیں ہوتا بلکہ مغضوب بنا دیتی ہے۔　　(الحکم جلد ۷ نمبر ۳ مؤرخہ ۲۴ رجنوری ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۲)

احکامِ الٰہی کی دو شاخیں

عبادت اور احکام الٰہی کی دو شاخیں ہیں۔ تَعْظِیْمِ لِاَمْرِ اللّٰهِ اور ہمدردی مخلوق۔ میں سوچتا تھا کہ قرآن شریف میں تو کثرت کے ساتھ اور بڑی وضاحت سے ان مراتب کو بیان کیا گیا ہے مگر سورۃ فاتحہ میں ان دونوں شقوں کو کس طرح بیان کیا گیا ہے۔ مَیں سوچتا ہی تھا کہ فی الفور میرے دل میں یہ بات آئی کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ سے ہی یہ ثابت ہوتا ہے۔ یعنی ساری صفتیں اور تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہیں جو ربّ العالمین ہے یعنی ہر عالم میں، نطفہ میں، مضغہ وغیرہ میں سارے عالموں کا ربّ ہے پھر رحمان ہے پھر رحیم ہے اور مالک یوم الدین ہے۔ اب اس کے بعد ایّاك نعبد جو کہتا ہے تو گویا اس عبادت میں وہی ربوبیّت۔ رحمانیت۔ رحیمیت۔ مالکیّت یوم الدّین کے صفات کا پَرتَو انسان کو اپنے اندر لینا چاہئے کیونکہ کمال عابد انسان کا یہی ہے کہ تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰهِ میں رنگین ہو جاوے پس اِس صورت میں یہ دونوں امر بڑی وضاحت اور صفائی سے بیان ہوئے ہیں۔

(الحکم جلد ۷ نمبر ۱۹ مؤرخہ ۲۴ رمئی ۱۹۰۳ء صفحہ ۳)

محبت کی محرّک دو ہی چیزیں ہیں حسن یا احسان اور خدا تعالیٰ کی احسانی صفات کا خلاصہ سورہ فاتحہ میں پایا جاتا ہے۔ جیسا کہ وہ فرماتا ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کیونکہ ظاہر ہے کہ احسان کامل اس میں ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے بندوں کو محض نابود سے پیدا کرے اور پھر ہمیشہ اس کی ربوبیت ان کے شاملِ حال ہو اور وہی ہر ایک چیز کا آپ سہارا ہو اور پھر اس کی تمام قسم کی رحمتیں اس کے بندوں کے لئے ظہور میں آئی ہوں اور اس کا احسان بے انتہا ہو۔ جس کا کوئی شمار نہ کر سکے۔ سو ایسے احسانوں کو خدا تعالیٰ نے بار بار جتلایا ہے۔ جیسا کہ ایک اور جگہ فرماتا ہے۔ وَ اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا (ابراهیم: ۳۵) یعنی اگر خدا تعالیٰ کی نعمتوں کو گننا چاہو تو ہرگز گن نہ سکو گے۔

(اسلامی اصول کی فلاسفی، روحانی خزائن جلد ۱۰ صفحہ ۴۱۷، ۴۱۸)

قرآن کریم میں یہ تعلیم بیان فرمائی ہے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ جس کے یہ معنی ہیں کہ اللہ جَلَّ شَانُہٗ تمام عالموں کا ربّ ہے یعنی عِلّتُ الْعِلَل ہر ایک ربوبیت کا وہی ہے۔ دوسری یہ کہ وہ رحمان بھی ہے یعنی بغیر ضرورت کسی عمل کے اپنی طرف سے طرح طرح کے آلاء اور نعماء شامل حال اپنی مخلوق کے رکھتا ہے اور رحیم بھی ہے کہ اعمالِ صالحہ کے بجالانے والوں کا مددگار ہوتا ہے اور ان کے مقاصد کو کمال تک پہنچاتا ہے اور مالک یوم الدین بھی ہے کہ ہر ایک جزا سزا اس کے ہاتھ میں ہے جس طرح پر چاہے اپنے بندہ سے معاملہ کرے۔ چاہے تو اس کو ایک عمل بد کے عوض میں وہ سزا دیوے جو اس عمل بد کے مناسبِ حال ہے اور چاہے تو اس کے لئے مغفرت کے سامان میسّر کرے۔

(جنگِ مقدس، روحانی خزائن جلد ۶ صفحہ ۱۲۵، ۱۲۶)

اس (اللہ تعالیٰ) کے صفاتی نام جو اصل الاصول تمام صفاتی ناموں کے ہیں چار ہیں اور چاروں جُود اور کرم پر مشتمل ہیں۔ یعنی وہی نام جو سورہ فاتحہ کی پہلی تین آیتوں میں مذکور ہیں یعنی ربّ العالمین اور رحمان اور رحیم اور مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ یعنی مالک یوم جزا۔ ان ہر چہار صفات میں خدائے تعالیٰ کی طرف سے انسانوں کے لئے سراسر نیکی کا ارادہ کیا گیا ہے۔ یعنی پیدا کرنا پرورش کرنا جس کا نام ربوبیت ہے اور بے استحقاق آرام کے اسباب مہیا کرنا جس کا نام رحمانیت ہے۔ اور تقویٰ اور خدا ترسی اور ایمان پر انسان کے لئے وہ اسباب مہیّا کرنا جو آئندہ دکھ اور مصیبت سے محفوظ رکھیں جس کا نام رحیمیّت ہے۔ اور اعمال صالحہ کے بجالانے پر جو عبادت اور صوم اور صلوٰۃ اور بنی نوع کی ہمدردی اور صدقہ اور ایثار وغیرہ ہے وہ مقام صالح عطا کرنا جو دائمی سرور اور راحت اور خوشحالی کا مقام ہے جس کا نام جزاء خیر از طرف مالک یوم الجزاء ہے۔ سو خدا نے ان ہر چہار صفات میں سے کسی صفت میں بھی انسان کے لئے بدی کا ارادہ نہیں کیا سراسر خیر اور بھلائی کا ارادہ کیا ہے لیکن جو شخص اپنی بدکاریوں اور بے اعتدالیوں سے ان صفات کے پَرتَوہ کے نیچے سے اپنے تئیں باہر کرے اور فطرت کو بدل ڈالے اس کے حق میں اسی کی شامتِ اعمال کی وجہ سے وہ صفات بجائے خیر کے شر کا حکم پیدا کر لیتے ہیں چنانچہ ربوبیت کا ارادہ فنا اور اعدام کے ارادہ کے ساتھ مبدّل ہو جاتا ہے اور رحمانیت کا ارادہ غضب اور سُخط کی صورت میں ظاہر ہو جاتا ہے اور رحیمیت کا ارادہ انتقام اور سخت گیری کے رنگ میں جوش مارتا ہے اور جزاء خیر کا ارادہ سزا اور تعذیب کی صورت میں اپنا ہولناک چہرہ دکھاتا ہے۔ سو یہ تبدیلی خدا کی صفات میں انسان کی اپنی حالت کی تبدیلی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔

غرض چونکہ سزا دینا یا سزا کا وعدہ کرنا خدائے تعالیٰ کی ان صفات میں داخل نہیں جو اُمّ الصِّفات ہیں کیونکہ دراصل اس نے انسان کے لئے نیکی کا ارادہ کیا ہے اس لئے خدا کا وعید بھی جب تک انسان زندہ ہے

اور اپنی تبدیلی کرنے پر قادر ہے فیصلہ ناطقہ نہیں ہے۔ لہٰذا اس کے برخلاف کرنا کذب یا عہد شکنی میں داخل نہیں۔ اور گو بظاہر کوئی وعید شروط سے خالی ہو مگر اس کے ساتھ پوشیدہ طور پر ارادہ الٰہی میں شروط ہوتی ہیں بجز ایسے الہام کے جس میں ظاہر کیا جائے کہ اس کے ساتھ شروط نہیں ہیں۔ پس ایسی صورت میں گو قطعی فیصلہ ہو جاتا ہے اور تقدیر مبرم قرار پا جاتا۔ ہے یہ نکتہ معارفِ الٰہیہ سے نہایت قابل قدر اور جلیل الشان نکتہ ہے جو سورہ فاتحہ میں مخفی رکھا گیا ہے۔ فتدبّر۔ (انجام آتھم، روحانی خزائن جلد ۱۱ صفحہ ۸ تا ۱۰ حاشیہ)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ غرض یہ پاک تعلیم جو اسلام کی یگانہ خصوصیت اور مایہ ناز تعلیم ہے ورے ٹھہرتی ہی نہیں جب تک نمازی کو سچا اور یک رنگ مومن نہ بناوے۔ اس دار الکدورت میں ہر شخص کو راحت اور طمانیت کی تلاش ہے کسی نے اس تلاش میں کسی چیز سے پنجہ مارا ہے کسی نے کسی شے سے۔ بڑے بڑے فلاسفروں نے اس پر خامہ فرسائی کی ہے اور وہ باتیں زورِ طبع سے بتائی ہیں جن پر عمل کرنے سے خوشحالی ہو سکتی ہے مگر عبث اور بے سُود۔ بہتیرے ان راندہ لوگوں میں ایسے ہوئے ہیں جو بڑی تلخ کامی کے ساتھ اس دنیا سے اُٹھے۔ بعضوں نے خودکشی کا کڑوا پیالہ پیا اور بہتوں کی زندگی کے مختلف لمحے اضطراب اور جزع فزع سے معمور نظر آتے ہیں۔

حقیقت میں ایک ہی چیز ہے اور صرف ایک ہی چیز ہے جو زندگی کے کجد ار و مریز میں پوری استقامت اور سکینت اور طمانیت بخش سکتی ہے وہ ہے خدا تعالیٰ اور اُس کی صفات پر کامل اور لذیذ ایمان۔ اور اسی ایمان عرفان آمیز کا عملی اظہار ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ۔

(الحکم جلد ۴ نمبر ۳۴ مؤرخہ ۲۴ رستمبر ۱۹۰۰ء صفحہ ۲)

آسمانی پیدائش کا پہلا دن وہ ہوتا ہے جب شیطانی زندگی پر موت وارد ہوتی ہے اور روحانی زندگی کا تولّد ہوتا ہے جیسے بچہ کا تولّد ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الفاتحہ میں اسی تولّد کی طرف ایما فرمایا ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ یہ چاروں صفات اللہ تعالیٰ کی بیان کی گئی ہیں یعنی وہ خدا جس میں تمام محامد پائے جاتے ہیں کوئی خوبی سوچ اور خیال میں نہیں آسکتی جو اللہ تعالیٰ میں نہ پائی جاتی ہو بلکہ انسان کبھی بھی اُن محامد اور خوبیوں کو جو اللہ کریم میں پائی جاتی ہیں کبھی بھی شمار نہیں کر سکتا۔ جو خدا اسلام نے دنیا کے سامنے پیش کیا ہے وہی کامل اور سچا خدا ہے اور اسی لئے قرآن کو اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ سے شروع فرمایا ہے۔ (الحکم جلد ۵ نمبر ۱ مؤرخہ ۱۰ رجنوری ۱۹۰۱ء صفحہ ۴)

میرے دل میں یہ بات آئی ہے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ سے

یہ ثابت ہوتا ہے کہ انسان ان صفات کو اپنے اندر لے یعنی اللہ تعالیٰ کے لئے ہی ساری صفتیں سزاوار ہیں جو رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ہے یعنی ہر عالم میں نطفہ میں مضغہ وغیرہ سارے عالموں میں غرض ہر عالم میں پھر رحمٰن ہے پھر رحیم ہے اور مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ہے۔ اب اِيَّاكَ نَعْبُدُ جو کہتا ہے تو گویا اس عبادت میں وہی ربوبیت رحمانیت رحیمیت مالکیت صفات کا پَرتَو انسان کو اپنے اندر لینا چاہئے کمال عابد انسان کا یہ ہے کہ تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کے اخلاق میں رنگین ہو جاوے جب تک اس مرتبہ تک نہ پہنچ جائے نہ تھکے نہ ہارے۔ اس کے بعد خود ایک کشش اور جذب پیدا ہو جاتا ہے جو عبادتِ الٰہی کی طرف اسے لئے جاتا ہے۔ اور وہ حالت اس پر وارد ہو جاتی ہے جو يَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ کی ہوتی ہے۔

(الحکم جلد ۵ نمبر ۱۹ مؤرخہ ۲۴ رمئی ۱۹۰۱ء صفحہ ۴)

سورہ فاتحہ میں انسان کے لئے سبق

سورہ فاتحہ اس لئے اللہ تعالیٰ نے پیش کی ہے اور اس میں سب سے پہلی صفت رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ بیان کی ہے جس میں تمام مخلوقات شامل ہے۔ اسی طرح پر ایک مومن کی ہمدردی کا میدان سب سے پہلے اتنا وسیع ہونا چاہئے کہ تمام چرند پرند اور کُل مخلوق اس میں آ جاوے۔ پھر دوسری صفت رحمٰن کی بیان کی ہے جس سے یہ سبق ملتا ہے کہ تمام جاندار مخلوق سے ہمدردی خصوصاً کرنی چاہئے اور پھر رحیم میں اپنی نوع سے ہمدردی کا سبق ہے۔ غرض اس سورہ فاتحہ میں جو اللہ تعالیٰ کی صفات بیان کی گئی ہیں یہ گویا خدا تعالیٰ کے اخلاق ہیں جن سے بندہ کو حِصّہ لینا چاہئے۔ اور وہ یہی ہے کہ اگر ایک شخص عمدہ حالت میں ہے تو اُس کو اپنی نوع کے ساتھ ہر قسم کی ممکن ہمدردی سے پیش آنا چاہئے۔ اگر دوسرا شخص جو اس کا رشتہ دار ہے یا عزیز ہے خواہ کوئی ہے اس سے بیزاری نہ ظاہر کی جاوے اور اجنبی کی طرح اس سے پیش نہ آئیں بلکہ ان حقوق کی پروا کریں جو اس کے تم پر ہیں۔ اس کو ایک شخص کے ساتھ قرابت ہے اور اس کا کوئی حق ہے تو اُس کو پورا کرنا چاہئے۔

(الحکم جلد ۶ نمبر ۳۰ مؤرخہ ۲۴ راگست ۱۹۰۲ء صفحہ ۱)

انجیل کی دُعا اور سورہ فاتحہ کی دُعا کا تقابل

انجیل کی دُعا ہے جو انسانوں کو خدا کی رحمت سے نومید کرتی ہے اور اس کی ربوبیت اور افاضہ اور جزا سزا سے عیسائیوں کو بے باک کرتی ہے اور اس کو زمین پر مدد دینے کے قابل نہیں جانتی جب تک اس کی بادشاہت زمین پر نہ آوے لیکن اس کے مقابل پر جو دُعا خدا نے مسلمانوں کو قرآن میں سکھلائی ہے وہ اس

بات کو پیش کرتی ہے کہ زمین پر خدا مسلوب السلطنت لوگوں کی طرح بے کار نہیں ہے بلکہ اس کا سلسلہ ربوبیت اور رحمانیت اور رحیمیت اور مجازات زمین پر جاری ہے اور وہ اپنے عابدوں کو مدد دینے کی طاقت رکھتا ہے اور مجرموں کو اپنے غضب سے ہلاک کر سکتا ہے وہ دُعا یہ ہے۔ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ۔ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۔ مٰلِكِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ ۔ اِیَّاكَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاكَ نَسۡتَعِیۡنُ ۔ اِھۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡھِمۡ غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡھِمۡ وَ لَا الضَّآلِّیۡنَ ۔ آمین۔ ترجمہ۔ وہ خدا ہی ہے جو تمام تعریفوں کا مستحق ہے یعنی اس کی بادشاہت میں کوئی نقص نہیں اور اس کی خوبیوں کے لئے کوئی ایسی حالت منتظرہ باقی نہیں جو آج نہیں مگر کل حاصل ہوگی اور اس کی بادشاہت کے لوازم میں سے کوئی چیز بے کار نہیں تمام عالموں کی پرورش کر رہا ہے بغیر عوض اعمال کے رحمت کرتا ہے اور نیز بعوض اعمال رحمت کرتا ہے جزا سزا وقت مقرر پر دیتا ہے اُسی کی ہم عبادت کرتے ہیں اور اُسی سے ہم مدد چاہتے ہیں اور دُعا کرتے ہیں کہ ہمیں تمام نعمتوں کی راہیں دکھلا اور غضب کی راہوں اور ضلالت کی راہوں سے دور رکھ۔

یہ دُعا جو سورۃ فاتحہ میں ہے انجیل کی دُعا سے بالکل نقیض ہے کیونکہ انجیل میں زمین پر خدا کی موجودہ بادشاہت ہونے سے انکار کیا گیا ہے پس انجیل کے رو سے نہ زمین پر خدا کی ربوبیت کچھ کام کر رہی ہے نہ رحمانیت نہ رحیمیت نہ قدرت جزا سزا کیونکہ ابھی زمین پر خدا کی بادشاہت نہیں آئی۔ مگر سورۃ فاتحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین پر خدا کی بادشاہت موجود ہے اسی لئے سورۃ فاتحہ میں تمام لوازم بادشاہت کے بیان کئے گئے ہیں ظاہر ہے کہ بادشاہ میں یہ صفات ہونی چاہئیں کہ وہ لوگوں کی پرورش پر قدرت رکھتا ہو سو سورۃ فاتحہ میں رَبِّ الۡعَالَمِیۡنَ کے لفظ سے اس صفت کو ثابت کیا گیا ہے۔ پھر دوسری صفت بادشاہ کی یہ چاہئے کہ جو کچھ اُس کی رعایا کو اپنی آبادی کے لئے ضروری سامان کی حاجت ہے وہ بغیر عوض ان کی خدمات کے خود رحم خسروانہ سے بجالاوے سو الرَّحۡمٰن کے لفظ سے اس صفت کو ثابت کر دیا ہے۔ تیسری صفت بادشاہ میں یہ چاہئے کہ جن کاموں کو اپنی کوشش سے رعایا انجام تک نہ پہنچا سکے ان کے انجام کے لئے مناسب طور پر مدد دے۔ سو الرَّحیم کے لفظ سے اس صفت کو ثابت کیا ہے چوتھی صفت بادشاہ میں یہ چاہئے کہ جزا و سزا پر قادر ہو تا سیاست مدنی کے کام میں خلل نہ پڑے سو مالک یوم الدین کے لفظ سے اس صفت کو ظاہر کر دیا ہے۔ خلاصہ کلام یہ کہ سورۃ موصوفہ بالا نے تمام وہ لوازم بادشاہت پیش کئے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ زمین پر خدا کی بادشاہت اور بادشاہی تصرّفات موجود ہیں چنانچہ اُس کی ربوبیت بھی موجود اور رحمانیت بھی موجود اور رحیمیت بھی موجود اور سلسلہ امداد بھی موجود اور سلسلہ سزا بھی موجود۔ غرض جو کچھ بادشاہت کے لوازم میں سے ہوتا ہے زمین پر سب کچھ خدا کا موجود ہے اور ایک ذرہ بھی اُس کے حکم سے باہر نہیں ہر ایک جزا اس

کے ہاتھ میں ہے ہر ایک رحمت اُس کے ہاتھ میں ہے مگر انجیل یہ دُعا سکھلاتی ہے کہ ابھی خدا کی بادشاہت تم میں نہیں آئی اُس کے آنے کے لئے خدا سے دعا مانگا کرو تا وہ آ جائے یعنی ابھی تک ان کا خدا زمین کا مالک اور بادشاہ نہیں اس لئے ایسے خدا سے کیا امید ہو سکتی ہے۔ (کشتی نوح، روحانی خزائن جلد ۱۹ صفحہ ۳۸ تا ۴۰)

ہمارے خدائے عزّوجلّ نے سورۃ فاتحہ میں نہ آسمان کا نام لیا نہ زمین کا نام اور یہ کہہ کر حقیقت سے ہمیں خبر دے دی کہ وہ ربّ العالمین ہے یعنی جہاں تک آبادیاں ہیں اور جہاں تک کسی قسم کی مخلوق کا وجود موجود ہے خواہ اجسام خواہ ارواح اُن سب کا پیدا کرنے والا اور پرورش کرنے والا خدا ہے جو ہر وقت ان کی پرورش کرتا ہے اور ان کے مناسبِ حال ان کا انتظام کر رہا ہے۔ اور تمام عالموں پر ہر وقت ہر دم اس کا سلسلہ ربوبیت اور رحمانیت اور رحیمیّت اور جزا سزا کا جاری ہے۔ (کشتی نوح، روحانی خزائن جلد ۱۹ صفحہ ۴۱، ۴۲)

سورۃ فاتحہ کی دعا ہمیں سکھلاتی ہے کہ خدا کو زمین پر ہر وقت وہی اقتدار حاصل ہے جیسا کہ اور عالموں پر اقتدار حاصل ہے اور سورۃ فاتحہ کے سر پر خدا کے اُن کامل اقتداری صفات کا ذکر ہے جو دنیا میں کسی دوسری کتاب نے ایسی صفائی سے ذکر نہیں کیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ رحمان ہے وہ رحیم ہے وہ مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ہے پھر اس سے دعا مانگنے کی تعلیم کی ہے اور دعا جو مانگی گئی ہے وہ مسیح کی تعلیم کردہ دعا کی طرح صرف ہر روزہ روٹی کی درخواست نہیں بلکہ جو جو انسانی فطرت کو ازل سے استعداد بخشی گئی ہے اور اس کو پیاس لگا دی گئی ہے وہ دعا سکھلائی گئی ہے اور وہ یہ ہے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ (فاتحہ:۶، ۷) یعنی اے ان کامل صفتوں کے مالک اور ایسے فیاض کہ ذرّہ ذرّہ تجھ سے پرورش پاتا ہے اور تیری رحمانیت اور رحیمیت اور قدرت جزا سزا سے تمتّع اٹھاتا ہے تو ہمیں گزشتہ راست بازوں کا وارث بنا اور ہر ایک نعمت جو ان کو دی ہے ہمیں بھی دے اور ہمیں بچا کہ ہم نافرمان ہو کر موردِ غضب نہ ہو جائیں اور ہمیں بچا کہ ہم تیری مدد سے بے نصیب رہ کر گمراہ نہ ہو جاویں۔ آمین

(کشتی نوح، روحانی خزائن جلد ۱۹ صفحہ ۴۳، ۴۴)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ اس میں اللہ تعالیٰ کی چار صفات جو اُمُّ الصّفات ہیں بیان فرمایا ہے۔ ربّ العالمین ظاہر کرتا ہے کہ وہ ذرہ ذرہ کی ربوبیت کر رہا ہے۔ عالَم اسے کہتے ہیں جس کی خبر مل سکے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی چیز دنیا میں ایسی نہیں ہے جس کی ربوبیت نہ کرتا ہو۔ ارواح، اجسام وغیرہ سب کی ربوبیت کر رہا ہے وہی ہے جو ہر ایک چیز کے حسبِ حال اس کی پرورش کرتا ہے جہاں جسم کی پرورش فرماتا ہے وہاں روح کی سیری اور تسلّی کے لئے معارف اور حقائق

وہی عطا فرماتا ہے۔ پھر فرمایا ہے کہ وہ رحمان ہے یعنی اعمال سے بھی پیشتر اس کی رحمتیں موجود ہیں۔ پیدا ہونے سے پہلے ہی زمین، چاند، سورج، ہوا، پانی وغیرہ جس قدر اشیاء انسان کے لئے ضروری ہیں موجود ہوتی ہیں اور پھر وہ اللہ رحیم ہے۔ یعنی کسی کے نیک اعمال کو ضائع نہیں کرتا بلکہ پاداش عمل دیتا ہے پھر مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ہے یعنی جزا وہی دیتا ہے اور وہی یوم الجزا کا مالک ہے۔ اس قدر صفات اللہ کے بیان کے بعد اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ دُعا کی تحریک کی ہے۔ جب انسان اللہ تعالیٰ کی ہستی اور ان صفات پر ایمان لاتا ہے تو خواہ مخواہ روح میں ایک جوش اور تحریک ہوتی ہے اور دُعا کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف جھکتی ہے اس لئے اس کے بعد اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کی ہدایت فرمائی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی تجلّیات اور رحمتوں کے ظہور کے لئے دُعا کی بہت بڑی ضرورت ہے اسلئے اس پر ہمیشہ کمر بستہ رہو اور کبھی مت تھکو۔

(الحکم جلد ۹ نمبر ۲ مؤرخہ ۱۷؍جنوری ۱۹۰۵ء صفحہ ۲، ۳)

خدا کی اصلی اخلاقی صفات چار ہی ہیں جو سورۃ فاتحہ میں مذکور ہیں۔ (۱) ربّ العالمین۔ سب کا پالنے والا (۲) رحمان۔ بغیر عوض کسی خدمت کے خود بخود رحمت کرنے والا (۳) رحیم۔ کسی خدمت پر حق سے زیادہ انعام اکرام کرنے والا اور خدمت قبول کرنے والا اور ضائع نہ کرنے والا۔ (۴) اپنے بندوں کی عدالت کرنے والا۔ (اربعین نمبر ۴۔ روحانی خزائن جلد ۱۷ صفحہ ۴۴۷)

عرشِ الٰہی کی حقیقت اور سورہ فاتحہ کے ذریعہ اس کے مخفی وجود کا ظہور

خدا تعالیٰ اپنے تنزّہ کے مقام میں یعنی اس مقام میں جب کہ اُس کی صفتِ تنزّہ اُس کی تمام صفات کو روپوش کر کے اُس کو وراء الوراء اور نہاں در نہاں کر دیتی ہے۔ جس مقام کا نام قرآن شریف کی اصطلاح میں عرش ہے تب خدا عقول انسانیہ سے بالاتر ہو جاتا ہے اور عقل کو طاقت نہیں رہتی کہ اُس کو دریافت کر سکے تب اُس کی چار صفتیں جن کو چار فرشتوں کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ جو دُنیا میں ظاہر ہو چکی ہیں اُس کے پوشیدہ وجود کو ظاہر کرتی ہیں۔ (۱) اوّل ربوبیّت جس کے ذریعہ سے وہ انسان کی روحانی اور جسمانی تکمیل کرتا ہے چنانچہ رُوح اور جسم کا ظہور ربوبیّت کے تقاضا سے ہے اور اسی طرح خدا کا کلام نازل ہونا اور اُس کے خارقِ عادت نشان ظہور میں آنا ربوبیّت کے تقاضا سے ہے (۲) دوم خدا کی رحمانیّت جو ظہور میں آ چکی ہے یعنی جو کچھ اُس نے بغیر پاداش اعمال بیشمار نعمتیں انسان کے لئے میسر کی ہیں یہ صفت بھی اُس کے پوشیدہ وجود کو ظاہر کرتی ہے (۳) تیسری خدا کی رحیمیّت ہے اور وہ یہ کہ نیک عمل کرنے والوں کو اوّل تو صفتِ رحمانیت کے تقاضا سے نیک اعمال کی طاقتیں بخشتا ہے اور پھر صفتِ رحیمیّت کے تقاضا سے نیک اعمال اُن سے ظہور

میں لاتا ہے اور اس طرح پر اُن کو آفات سے بچاتا ہے۔ یہ صفت بھی اُس کے پوشیدہ وجود کو ظاہر کرتی ہے (۴) چوتھی صفت مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ہے یہ بھی اُس کے پوشیدہ وجود کو ظاہر کرتی ہے کہ وہ نیکوں کو جزا اور بدوں کو سزا دیتا ہے۔ یہ چاروں صفتیں ہیں جو اُس کے عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں یعنی اُس کے پوشیدہ وجود کا ان صفات کے ذریعہ سے اس دنیا میں پتہ لگتا ہے اور یہ معرفت عالم آخرت میں دو چند ہو جائے گی گویا بجائے چار کے آٹھ فرشتے ہو جائیں گے۔ (چشمۂ معرفت، روحانی خزائن جلد ۲۳ صفحہ ۲۷۸، ۲۷۹)

اگر کوئی کہے کہ دنیا ہمیشہ رہے گی اور یہاں ہی دوزخ بہشت ہوگا ہم نہیں مان سکتے۔ اس کی صفت مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کے خلاف ہے اور اسکے خلاف جا ٹھیرتا ہے فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ۔ (الشوریٰ: ۸)
(الحکم جلد ۶ نمبر ۴۰ مؤرخہ ۱۰ نومبر ۱۹۰۲ء صفحہ ۶)

جماعت احمدیہ میں داخل ہونے والے کا فرض

جو شخص عام مسلمانوں میں سے ہماری جماعت میں داخل ہو جائے اُس کا پہلا فرض یہی ہے کہ جیسا کہ وہ قرآن شریف کی سورۃ فاتحہ میں پنج وقت اپنی نماز میں یہ اقرار کرتا ہے کہ خدا ربّ العالمین ہے اور خدا رحمٰن ہے اور خدا رحیم ہے اور خدا ٹھیک ٹھیک انصاف کرنے والا ہے۔ یہی چاروں صفتیں اپنے اندر بھی قائم کرے۔ ورنہ وہ اس دُعا میں کہ اسی سورۃ میں پنج وقت اپنی نماز میں کہتا ہے کہ اِيَّاكَ نَعْبُدُ یعنی اے ان چار صفتوں والے اللہ! میں تیرا ہی پرستار ہوں اور تو ہی مجھے پسند آیا ہے سراسر جھوٹا ہے۔ کیونکہ خدا کی ربوبیت یعنی نوع انسان اور نیز غیر انسان کا مربّی بننا اور ادنیٰ سے ادنیٰ جانور کو بھی اپنی مربّیانہ سیرت سے بے بہرہ نہ رکھنا یہ ایک ایسا امر ہے کہ اگر ایک خدا کی عبادت کا دعویٰ کرنے والا خدا کی اس صفت کو محبت کی نظر سے دیکھتا ہے اور اس کو پسند کرتا ہے یہاں تک کہ کمال محبت سے اِس الٰہی سیرت کا پرستار بن جاتا ہے تو ضروری ہوتا ہے کہ وہ آپ بھی اس صفت اور سیرت کو اپنے اندر حاصل کرلے تا اپنے محبّ کے رنگ میں آجائے۔

ایسا ہی خدا کی رحمانیت یعنی بغیر عوض کسی خدمت کے مخلوق پر رحم کرنا یہ بھی ایک ایسا امر ہے کہ سچا عابد جس کو یہ دعویٰ ہے کہ میں خدا کے نقش قدم پر چلتا ہوں ضرور یہ خُلق بھی اپنے اندر پیدا کرتا ہے۔

ایسا ہی خدا کی رحیمیّت یعنی کسی کے نیک کام میں اس کام کی تکمیل کے لئے مدد کرنا۔ یہ بھی ایک ایسا امر ہے کہ سچا عابد جو خدائی صفات کا عاشق ہے اس صفت کو اپنے اندر حاصل کرتا ہے۔ ایسا ہی خدا کا انصاف جس نے ہر ایک حکم عدالت کے تقاضا سے دیا ہے نہ نفس کے جوش سے۔ یہ بھی ایک ایسی صفت ہے کہ سچا عابد کہ جو تمام الٰہی صفات اپنے اندر لینا چاہتا ہے اس صفت کو چھوڑ نہیں سکتا اور راستباز کی خود بھاری نشانی یہی ہے کہ

جیسا کہ وہ خدا کے لئے اِن چار صفتوں کو پسند کرتا ہے ایسا ہی اپنے نفس کے لئے بھی یہی پسند کرے لہٰذا خدا نے سورۃ فاتحہ میں یہی تعلیم کی تھی جس کو اس زمانہ کے مسلمان ترک کر بیٹھے ہیں۔

(تریاق القلوب، روحانی خزائن جلد ۱۵ صفحہ ۵۱۸، ۵۱۹)

اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ ۝

چھٹی صداقت جو سورۃ فاتحہ میں مندرج ہے اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ ہے جس کے معنے یہ ہیں کہ اے صاحب صفاتِ کاملہ اور مبدء فیوض اربعہ ہم تیری ہی پرستش کرتے ہیں اور پرستش وغیرہ ضرورتوں اور حاجتوں میں مدد بھی تجھ سے ہی چاہتے ہیں یعنی خالصاً معبود ہمارا تُو ہی ہے اور تیرے تک پہنچنے کے لئے کوئی اَور دیوتا ہم اپنا ذریعہ قرار نہیں دیتے نہ کسی انسان کو، نہ کسی بُت کو، نہ اپنی عقل اور علم کو کچھ حقیقت سمجھتے ہیں اور ہر بات میں تیری ذات قادر مطلق سے مدد چاہتے ہیں۔ یہ صداقت بھی ہمارے مخالفین کی نظر سے چھپی ہوئی ہے چنانچہ ظاہر ہے کہ بُت پرست لوگ بجز ذات واحد خدائے تعالیٰ کے اَور اَور چیزوں کی پرستش کرتے ہیں اور آریہ سماج والے اپنی روحانی طاقتوں کو غیر مخلوق سمجھ کر ان کے زور سے مکتی حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ برہمو سماج والے الہام کی روشنی سے مونہہ پھیر کر اپنی عقل کو ایک دیوی قرار دے بیٹھے ہیں جو کہ ان کے زعم باطل میں خدا تک پہنچانے میں اختیار کلّی رکھتی ہے اور سب الٰہی اسرار پر محیط اور مُتصرّف ہے سو وہ لوگ بجائے خدا کی پرستش اور استمداد کے اسی سے اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ کا خطاب کر رہے ہیں اور شرک خفی میں گرفتار اور مبتلا ہیں اور جب منع کیا جائے تو کہتے ہیں عقل عطیاتِ الٰہیہ سے ہے اور اسی غرض سے دی گئی ہے کہ تا انسان اپنی معاش اور مہمات میں اس کو استعمال میں لاوے۔ پس عطیہ الٰہیہ کا استعمال میں لانا شرک نہیں بن سکتا سو واضح ہو کہ یہ ان کی غلطی ہے اور بارہا یہ امر معرض بیان میں آ لیا ہے کہ جس یقین کامل اور جن معارفِ حقّہ پر ہماری نجات موقوف ہے ان مقاصد عالیہ کے حصول کے لئے عقل ذریعہ نہیں بن سکتی۔ ہاں ان معارف کے حاصل کرنے کے بعد ان کی صداقت اور سچائی کو سمجھ سکتی ہے لیکن وہ انکشاف صحیح اور کامل فقط اس پاک اور صاف روشنی سے ہوتا ہے کہ جو خدائے تعالیٰ کی ذات میں موجود ہے اور عقل کی دود آمیز اور ناقص روشنی جو انسان میں موجود ہے اس جگہ عاجز ہے۔ سو شرک اس طرح لازم آتا ہے کہ برہمو سماج والے خدا کے اس روشن کلام سے کہ جو انکشاف صحیح اور کامل کا مدار ہے مونہہ پھیر کر اور اس سے بکلّی بے نیازی ظاہر کر کے اپنی ہی عقل ناقص کو رہبر مطلق ٹھہراتے ہیں اور بنائے کار بناتے ہیں۔ سو ان کا دل بیمار اس دھوکہ میں پڑا ہوا ہے کہ جس منزل عالی تک الٰہی قوتیں اور ربّانی تجلّیات پہنچا سکتے ہیں اس منزل تک ان کی اپنی ہی عقل پہنچا دے گی۔

اب ظاہر ہے کہ اس سے بڑھ کر اور کیا شرک ہوگا کہ اپنی عقل کی طاقت کو ربّانی طاقت کے مساوی بلکہ اس سے عمدہ تر خیال کر رہے ہیں۔ سو دیکھئے وہی بات سچ نکلی یا نہیں کہ وہ بجائے خدا کے عقل سے اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ پکار رہے ہیں عیسائیوں کا حال بیان کرنا کچھ ضرورت ہی نہیں۔ سب لوگ جانتے ہیں کہ حضرات عیسائی بجائے اس کے کہ خداوند تعالیٰ کی خالص طور پر پرستش کریں مسیح کی پرستش میں مشغول ہیں اور بجائے اس کے کہ اپنے کاروبار میں خدا سے مدد چاہیں مسیح سے مدد مانگتے رہتے ہیں اور ان کی زبانوں پر ہر وقت رَبُّنَا الْمَسِيْح! رَبُّنَا الْمَسِيْح! جاری ہے۔ سو وہ لوگ مضمون اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ پر عمل کرنے سے محروم اور راندہ درگاہِ الٰہی ہیں۔ (براہین احمدیہ چہار حصص۔ روحانی خزائن جلد ۱ صفحہ ۵۲۵ تا ۵۴۲ حاشیہ نمبر ۱۱)

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ میں فاصلہ نہیں ہے۔ البتہ اِيَّاكَ نَعْبُدُ میں تقدم زمانی ہے کیونکہ جس حال میں اپنی رحمانیت سے بغیر ہماری دُعا اور درخواست کے ہمیں انسان بنایا اور انواع و اقسام کی قوتیں اور نعمتیں عطا فرمائیں۔ اُس وقت ہماری دُعا نہ تھی۔ اس وقت خدا کا فضل تھا۔ اور یہی تقدم ہے۔

(رپورٹ جلسہ سالانہ ۱۸۹۷ء صفحہ ۱۴۸، ۱۴۹۔ نیز دیکھیں الحکم جلد ۵ نمبر ۳۲ مورخہ ۳۱؍اگست ۱۹۰۱ء صفحہ ۲)

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ اور تجھ سے ہی امداد چاہتے ہیں۔ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ پر اِيَّاكَ نَعْبُدُ کو تقدم اس لئے ہے کہ انسان دُعا کے وقت تمام قویٰ سے کام لے کر خدائے تعالیٰ کی طرف آتا ہے۔ یہ ایک بے ادبی اور گستاخی ہے کہ قویٰ سے کام نہ لے کر اور قانونِ قدرت کے قواعد سے کام نہ لے کر آوے مثلاً کسان اگر تخم ریزی کرنے سے پہلے ہی یہ دُعا کرے کہ الٰہی اس کھیت کو ہرا بھرا کر! اور پھل پھول لا۔ تو یہ شوخی اور ٹھٹھا ہے۔ اسی کو خدا کا امتحان اور آزمائش کہتے ہیں جس سے منع کیا ہے اور کہا گیا ہے کہ خدا کو مت آزماؤ۔ جیسا کہ مسیح علیہ السلام کے مائدہ مانگنے کے قصّہ میں اس امر کو بوضاحت بیان کیا ہے۔ اس پر غور کرو اور سوچو! یہ سچی بات ہے کہ جو شخص اعمال سے کام نہیں لیتا وہ دُعا نہیں کرتا بلکہ خدائے تعالیٰ کی آزمائش کرتا ہے۔ اس لئے دُعا کرنے سے پہلے اپنی تمام طاقتوں کو خرچ کرنا ضروری ہے۔ اور یہی معنی اس دُعا کے ہیں۔ پہلے لازم ہے کہ انسان اپنے اعتقاد، اعمال میں نظر کرے۔ کیونکہ خدائے تعالیٰ کی عادت ہے کہ اصلاح اسباب کے پیرایہ میں ہوتی ہے۔ وہ کوئی نہ کوئی ایسا سبب پیدا کر دیتا ہے کہ جو اصلاح کا موجب ہو جاتا ہے وہ لوگ اس مقام پر ذرا خاص غور کریں جو کہتے ہیں کہ جب دُعا ہوئی تو اسباب کی کیا ضرورت ہے۔ وہ نادان سوچیں کہ دُعا بجائے خود ایک مخفی سبب ہے جو دوسرے اسباب کو پیدا کر دیتا ہے اور اِيَّاكَ نَعْبُدُ کا تقدم اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ پر جو کلمہ دُعائیہ ہے۔ اس امر کی خاص تشریح کر رہا ہے۔

(رپورٹ جلسہ سالانہ ۱۸۹۷ء صفحہ ۱۴۵)

قَدَّمَ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ قَوْلَہٗ ’’اِیَّاکَ نَعْبُدُ‘‘ عَلٰی قَوْلِہٖ ’’اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ‘‘ إِشَارَۃً إِلٰی تَفَضُّلَاتِہٖ الرَّحْمَانِیَّۃِ مِنْ قَبْلِ الْاِسْتِعَانَۃِ فَکَأَنَّ الْعَبْدَ یَشْکُرُ رَبَّہٗ وَ یَقُوْلُ یَا رَبِّ إِنِّیْ أَشْکُرُکَ عَلٰی نُعَمَآئِکَ الَّتِیْ أَعْطَیْتَنِیْ مِنْ قَبْلِ دُعَآئِیْ وَ مَسْأَلَتِیْ وَ عَمَلِیْ وَ جَھْدِیْ وَ اسْتِعَانَتِیْ بِالرُّبُوْبِیَّۃِ وَ الرَّحْمَانِیَّۃِ الَّتِیْ سَبَقَتْ سُؤْلَ السَّآئِلِیْنَ ثُمَّ أَطْلُبُ مِنْکَ قُوَّۃً وَّ صَلَاحًا وَّ فَلَاحًا وَّ فَوْزًا وَّ مَقَاصِدَ الَّتِیْ لَا تُعْطٰی إِلَّا بَعْدَ الطَّلَبِ وَ الْاِسْتِعَانَۃِ وَ الدُّعَآءِ وَأَنْتَ خَیْرُ الْمُعْطِیْنَ۔ وَ فِیْ ھٰذِہٖ الْاٰیَاتِ حَثٌّ عَلٰی شُکْرِ مَا تُعْطٰی وَ الدُّعَآءِ بِالصَّبْرِ فِیْمَا تَتَمَنّٰی وَ فَرْطِ اللَّھَجِ إِلٰی مَا ھُوَ أَتَمُّ وَ أَعْلٰی لِتَکُوْنَ مِنَ الشَّاکِرِیْنَ الصَّابِرِیْنَ۔ وَ فِیْھَا حَثٌّ عَلٰی نَفْیِ الْحَوْلِ وَ الْقُوَّۃِ وَ الْاِسْتِطْرَاحِ بَیْنَ یَدَیْ سُبْحَانَہٗ مُتَرَقِّبًا مُّنْتَظِرًا مُّدِیْمًا لِّلسُّؤَالِ وَ الدُّعَآءِ وَ التَّضَرُّعِ وَ الثَّنَآءِ وَ الْاِفْتِقَارِ مَعَ الْخَوْفِ وَ الرَّجَآءِ کَالطِّفْلِ الرَّضِیْعِ فِیْ یَدِ الظِّئْرِ وَ

اللہ تعالیٰ نے جملہ اِیَّاکَ نَعْبُدُ کو جملہ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ سے پہلے رکھا ہے اور اس میں (بندہ کے) توفیق مانگنے سے بھی پہلے اس (ذاتِ باری) کی (صفت) رحمانیت کے فیوض کی طرف اشارہ ہے گویا کہ بندہ اپنے ربّ کا شکر ادا کرتا ہے اور کہتا ہے۔ اے میرے پروردگار مَیں تیری ان نعمتوں پر تیرا شکر ادا کرتا ہوں جو تُو نے میری دُعا، میری درخواست، میرے عمل، میری کوشش اور جو (تیری) اس ربوبیت اور رحمانیت سے جو سوال کرنے والوں کے سوال پر سبقت رکھتی ہے۔ میری استعانت سے پیشتر تُو نے مجھے عطا کر رکھی ہیں۔ پھر میں تجھ سے ہی (ہر قسم کی) قوّت، راستی، خوشحالی اور کامیابی اور اُن مقاصد کے حاصل ہونے کے لئے التجا کرتا ہوں جو درخواست کرنے، مدد مانگنے اور دُعا کرنے پر ہی عطا کی جاتی ہیں اور تو بہترین عطا کرنے والا ہے۔ اور ان آیات میں ان نعمتوں پر شکر کرنے کی ترغیب ہے جو تجھے دی جاتی ہیں اور جن چیزوں کی تجھے تمنّا ہو ان کے لئے صبر کے ساتھ دُعا کرنے اور کامل اور اعلیٰ چیزوں کی طرف شوق بڑھانے کی (ترغیب ہے) تا تم بھی مستقل شکر کرنے والوں اور صبر کرنے والوں میں شامل ہو جاؤ۔ پھر ان (آیات) میں ترغیب دی گئی ہے۔ بندے کے اپنی طرف ہمت اور قوّت کی نسبت کی نفی کرنے کی اور (اس سے) آس لگا کر اور امید رکھ کر ہمیشہ سوال، دُعا، عاجزی اور حمد کرتے ہوئے (اپنے آپ کو) اللہ سبحانہٗ کے سامنے ڈال دینے کی اور خوف اور امید کے ساتھ اس شیر خوار بچہ کی مانند جو دایہ کی گود میں ہو (اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا) محتاج سمجھنے کی (ترغیب ہے) اور تمام مخلوق سے اور

الْمَوْتِ عَنِ الْخَلْقِ وَ عَنْ كُلِّ مَا هُوَ فِي الْأَرْضِيْنَ. وَ فِيْهَا حَثٌّ عَلٰى إِقْرَارٍ وَّ اعْتِرَافٍ بِأَنَّنَا الضُّعَفَآءُ لَا نَعْبُدُكَ إِلَّا بِكَ وَ لَا نَتَحَسَّسُ مِنْكَ إِلَّا بِعَوْنِكَ. بِكَ نَعْمَلُ وَ بِكَ نَتَحَرَّكُ وَ إِلَيْكَ نَسْعٰى كَالثَّوَاكِلِ مُتَحَرِّقِيْنَ وَ كَالْعُشَّاقِ مُتَلَظِّيْنَ. وَ فِيْهَا حَثٌّ عَلَى الْخُرُوْجِ مِنَ الْاِخْتِيَالِ وَ الزَّهْوِ وَ الْاِعْتِصَامِ بِقُوَّةِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَ حَوْلِهٖ عِنْدَ اعْتِيَاصِ الْأُمُوْرِ وَ هُجُوْمِ الْمُشْكِلَاتِ وَالدُّخُوْلِ فِي الْمُنْكَسِرِيْنَ. كَأَنَّهٗ تَعَالٰى شَأْنُهٗ يَقُوْلُ يَا عِبَادِ احْسَبُوْا أَنْفُسَكُمْ كَالْمَيِّتِيْنَ وَبِاللّٰهِ اعْتَضِدُوْا كُلَّ حِيْنٍ. فَلَا يَزْدَهِ الشَّآبُّ مِنْكُمْ بِقُوَّتِهٖ وَلَا يَتَخَصَّرُ الشَّيْخُ بِهِرَاوَتِهٖ وَلَا يَفْرَحُ الْكَيِّسُ بِدَهَآئِهٖ وَلَا يَثِقُ الْفَقِيْهُ بِصِحَّةِ عِلْمِهٖ وَ جَوْدَةِ فَهْمِهٖ وَ ذَكَآئِهٖ وَ لَا يَتَّكِئُ الْمُلْهَمُ عَلٰى إِلْهَامِهٖ وَ كَشْفِهٖ وَخُلُوْصِ دُعَآئِهٖ فَإِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ وَيَطْرُدُ مَنْ يَّشَآءُ وَ يُدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِي الْمَخْصُوْصِيْنَ وَ فِي جُمْلَةِ ''إِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ'' إِشَارَةٌ إِلٰى

زمین کی سب چیزوں سے موت (یعنی پوری لاتعلقی) کی۔ اسی طرح ان (آیات) میں اس امر کا اقرار اور اعتراف کرنے کی ترغیب دلائی گئی ہے کہ ہم تو بہت کمزور ہیں۔ تیری دی ہوئی توفیق کے بغیر تیری عبادت نہیں کر سکتے اور تیری مدد کے بغیر ہم تیری رضا کی راہوں کی تلاش نہیں کر سکتے۔ ہم تیری مدد سے کام کرتے ہیں اور تیری مدد سے حرکت کرتے ہیں اور ہم تیری طرف جلن کے ساتھ ان عورتوں کی طرح جو اپنے بچوں کی موت کے غم میں گھل رہی ہوتی ہیں اور ان عاشقوں کی طرح جو محبت میں جل رہے ہوتے ہیں تیری طرف دوڑتے ہیں۔ پھر ان آیات میں کبر اور غرور کو چھوڑنے کی نیز معاملات کے پیچیدہ ہونے اور مشکلات کے گھیر لینے پر محض اللہ تعالیٰ کی (طرف سے ملنے والی) طاقت اور قوت پر بھروسہ کرنے کی اور منکسر المزاج لوگوں میں شامل ہونے کی (ترغیب ہے) گویا کہ (اللہ تعالیٰ) فرماتا ہے اے میرے بندو اپنے آپ کو مُردوں کی طرح سمجھو اور ہر وقت اللہ تعالیٰ سے قوت حاصل کرو۔ پس تم میں سے نہ کوئی جوان اپنی قوت پر اترائے اور نہ کوئی بوڑھا اپنی لاٹھی پر بھروسہ کرے اور نہ کوئی عقلمند اپنی عقل پر ناز کرے اور نہ کوئی فقیہ اپنے علم کی صحت اور اپنی سمجھ اور اپنی دانائی کی عمدگی ہی پر اعتبار کرے اور نہ کوئی ملہم اپنے الہام یا اپنے کشف یا اپنی دُعاؤں کے خلوص پر تکیہ کرے کیونکہ اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے جس کو چاہے دھتکار دیتا ہے اور جس کو چاہے اپنے خاص بندوں میں داخل کر لیتا ہے۔ اور اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ میں نفسِ امّارہ کی شرانگیزی کی شدّت کی طرف اشارہ ہے جو

عَظْمَةٍ شَرٌّ النَّفْسِ الْأَمَّارَةِ الَّتِيْ تَسْعٰى كَالْعَسَّارَةِ فَكَأَنَّهَا أَفْعٰى شَرُّهَا قَدْ طَمَّ فَجَعَلَ كُلَّ سَلِيْمٍ كَعَظْمٍ إِذَا رَمَّ وَ تَرَاهَا تَنْفُثُ السَّمَّ أَوْ هِيَ ضِرْغَامٌ مَّا يَنْكُلُ إِنْ هَمَّ وَلَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ وَ لَا كَسْبَ وَ لَا لَمَّ إِلَّا بِاللّٰهِ الَّذِيْ هُوَ يَرْجُمُ الشَّيَاطِيْنَ۔

نیکیوں کی طرف راغب ہونے سے یوں بھاگتا ہے۔ جیسے اَن سدھی اونٹنی سوار کو اپنے اوپر بیٹھنے نہیں دیتی۔ اور بھاگتی ہے۔ یا وہ ایک اژدہا کی طرح ہے جس کا شرّ بہت بڑھ گیا ہے اور اس نے ہر ڈسے ہوئے کو بوسیدہ ہڈی کی طرح بنا دیا ہے اور تو دیکھ رہا ہے کہ وہ زہر پھونک رہا ہے یا وہ شیر (کی طرح) ہے کہ اگر حملہ کرے تو پیچھے نہیں ہٹتا۔ کوئی طاقت، قوت، کمائی، اندوختہ (کارآمد) نہیں سوائے اس خدا تعالیٰ کی مدد کے جو شیطانوں کو ہلاک کرتا ہے۔

وَ فِيْ تَقْدِيْمِ نَعْبُدُ عَلٰى نَسْتَعِيْنُ نِكَاتٌ أُخْرٰى فَنَكْتُبُ لِلَّذِيْنَ هُمْ مَشْغُوْفُوْنَ بِاٰيَاتِ الْمَثَانِيْ لَا بِرَنَّاتِ الْمَثَانِيْ وَيَسْعَوْنَ إِلَيْهَا شَائِقِيْنَ۔ وَهِيَ أَنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ يُعَلِّمُ عِبَادَهٗ دُعَآءً فِيْهِ سَعَادَتُهُمْ فَيَقُوْلُ يَا عِبَادِ سَلُوْنِيْ بِالْاِنْكِسَارِ وَالْعُبُوْدِيَّةِ وَقُوْلُوْا رَبَّنَا اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَلٰكِنْ بِالْمُعَانَاةِ وَالتَّكَلُّفِ وَ التَّحَشُّمِ وَتَفْرِقَةِ الْخَاطِرِ وَ تَمْوِيْهَاتِ الْخَنَّاسِ وَبِالرَّوِيَّةِ النَّاضِبَةِ وَالْأَوْهَامِ النَّاصِبَةِ وَ الْخَيَالَاتِ الْمُظْلِمَةِ كَمَآءٍ مُّكَدَّرٍ مِّنْ سَيْلٍ أَوْ كَحَاطِبِ لَيْلٍ وَإِنْ نَّتَّبِعُ إِلَّا ظَنًّا وَّ مَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِيْنَ۔

اور نَعْبُدُ کو نَسْتَعِیْنُ سے پہلے رکھنے میں اور بھی کئی نکات ہیں جنہیں ہم ان لوگوں کے لئے یہاں لکھتے ہیں جو سارنگیوں کی رُوں رُوں پر نہیں بلکہ قرآنی آیات مثانی (سورۃ فاتحہ) سے شغف رکھتے ہیں۔ اور مشتاقوں کی طرح ان کی طرف لپکتے ہیں اور وہ (نکات) یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ایک ایسی دُعا سکھاتا ہے جس میں ان کی خوش بختی ہے اور کہتا ہے اے میرے بندو! مجھ سے عاجزی اور عبودیت کے ساتھ سوال کرو اور کہو اے ہمارے ربّ! اِیَّاكَ نَعْبُدُ (ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں) لیکن بڑی ریاضت، تکلیف، شرمساری، پریشان خیالی اور شیطانی وسوسہ اندازی اور خشک افکار اور تباہ کن اوہام اور تاریک خیالات کے ساتھ ہم سیلاب کے گدلے پانی کی مانند ہیں یا رات کو لکڑیاں اکٹھا کرنے والے کی طرح ہیں اور ہم صرف گمان کی پیروی کر رہے ہیں۔ ہمیں یقین حاصل نہیں۔

وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ يَعْنِيْ نَسْتَعِيْنُكَ

(اور پھر) وَ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ کہو۔ یعنی ہم تجھ سے ہی مدد

لِلذَّوْقِ وَ الشَّوْقِ وَ الْحُضُوْرِ وَ الْإِيْمَانِ الْمَوْفُوْرِ وَ التَّلْبِيَةِ الرُّوْحَانِيَّةِ وَ السُّرُوْرِ وَ النُّوْرِ وَ لِتَوْشِيْحِ الْقَلْبِ بِحُلِيِّ الْمَعَارِفِ وَحُلَلِ الْحُبُوْرِ لِنَكُوْنَ بِفَضْلِكَ مِنْ سَبَّاقِيْنَ فِيْ عَرَصَاتِ الْيَقِيْنِ وَإِلٰى مُنْتَهَى الْمَاٰرِبِ وَاصِلِيْنَ وَفِيْ بِحَارِ الْحَقَآئِقِ مُتَوَرِّدِيْنَ. وَفِيْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى ''اِيَّاكَ نَعْبُدُ'' تَنْبِيْهٌ اٰخَرُ وَهُوَ أَنَّهٗ يُرَغِّبُ فِيْهِ عِبَادَهٗ إِلٰى أَنْ يَّبْذُلُوْا فِيْ مُطَاوَعَتِهٖ جُهْدَ الْمُسْتَطِيْعِ وَ يَقُوْمُوْا مُلَبِّيْنَ فِيْ كُلِّ حِيْنٍ تَلْبِيَةَ الْمُطِيْعِ. فَكَأَنَّ الْعِبَادَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا إِنَّا لَا نَأْلُوْا فِي الْمُجَاهَدَاتِ وَفِي امْتِثَالِكَ وَابْتِغَآءِ الْمَرَضَاةِ وَلٰكِنْ نَّسْتَعِيْنُكَ وَنَسْتَكْفِيْ بِكَ الْاِفْتِنَانَ بِالْعُجْبِ وَ الرِّيَآءِ وَ نَسْتَوْهِبُ مِنْكَ تَوْفِيْقًا قَآئِدًا إِلَى الرُّشْدِ وَالرِّضَآءِ وَ إِنَّا ثَابِتُوْنَ عَلٰى طَاعَتِكَ وَ عِبَادَتِكَ فَاكْتُبْنَا فِي الْمُطَاوِعِيْنَ.

مانگتے ہیں ذوق، شوق، حضور قلب، بھرپور ایمان (ملنے) کے لئے، روحانی طور پر (تیرے احکام پر) لبیک کہنے (کے لئے) سرور اور نور (کے لئے) اور معارف کے زیورات اور مسرت کے لباسوں کے ساتھ دل کو آراستہ کرنے کے لئے (تجھ سے ہی مدد طلب کرتے ہیں) تا ہم تیرے فضل کے ساتھ یقین کے میدانوں میں سبقت لے جانے والے بن جائیں اور اپنے مقاصد کی انتہا کو پہنچ جائیں اور حقائق کے دریاؤں پر وارد ہو جائیں۔ پھر اللہ تعالیٰ کے الفاظ اِيَّاكَ نَعْبُدُ میں ایک اور اشارہ ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ اس (آیت) میں اپنے بندوں کو اس بات کی ترغیب دیتا ہے کہ وہ اس کی اطاعت میں انتہائی ہمت اور کوشش خرچ کریں اور اطاعت گزاروں کی طرح ہر وقت لبیک لبیک کہتے ہوئے (اس کے حضور) کھڑے رہیں گویا کہ یہ بندے یہ کہہ رہے ہیں کہ اے ہمارے ربّ! ہم مجاہدات کرنے، تیرے احکام کے بجالانے اور تیری خوشنودی چاہنے میں کوئی کوتاہی نہیں کر رہے لیکن تجھ سے ہی مدد چاہتے ہیں اور عُجب اور ریا میں مبتلا ہونے سے تیری پناہ مانگتے ہیں اور ہم تجھ سے ایسی توفیق طلب کرتے ہیں جو ہدایت اور تیری خوشنودی کی طرف لے جانے والی ہو اور ہم تیری اطاعت اور تیری عبادت پر ثابت قدم ہیں۔ پس تو ہمیں اپنے اطاعت گزار بندوں میں لکھ لے۔

وَهُنَا إِشَارَةٌ أُخْرٰى وَهِيَ أَنَّ الْعَبْدَ يَقُوْلُ يَا رَبِّ إِنَّا خَصَّصْنَاكَ بِمَعْبُوْدِيَّتِكَ وَ اٰثَرْنَاكَ عَلٰى كُلِّ مَا

اور یہاں ایک اور اشارہ بھی ہے اور وہ یہ کہ بندہ کہتا ہے کہ اے میرے ربّ! ہم نے تجھے معبودیت کے ساتھ مخصوص کر رکھا ہے اور تیرے سوا جو کچھ بھی ہے اس پر تجھے ترجیح دی ہے پس ہم

سِوَاكَ فَلَا نَعْبُدُ شَيْئًا إِلَّا وَجْهَكَ وَإِنَّا مِنَ الْمُوَحِّدِيْنَ۔ وَ اخْتَارَ عَزَّ وَ جَلَّ لَفْظَ الْمُتَكَلِّمِ مَعَ الْغَيْرِ إِشَارَةً إِلٰى أَنَّ الدُّعَآءَ لِجَمِيْعِ الْإِخْوَانِ لَا لِنَفْسِ الدَّاعِيْ وَ حَثَّ فِيْهِ عَلٰى مُسَالَمَةِ الْمُسْلِمِيْنَ وَ اتِّحَادِهِمْ وَ وِدَادِهِمْ وَ عَلٰى أَنْ يَّعْنُوَ الدَّاعِيْ نَفْسَهٗ لِنُصْحِ أَخِيْهِ كَمَا يَعْنُوْ لِنُصْحِ ذَاتِهٖ وَيَهْتَمُّ وَ يَقْلَقُ لِحَاجَاتِهٖ كَمَا يَهْتَمُّ وَيَقْلَقُ لِنَفْسِهٖ وَلَا يُفَرِّقُ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ أَخِيْهِ وَ يَكُوْنُ لَهٗ بِكُلِّ الْقَلْبِ مِنَ النَّاصِحِيْنَ۔ فَكَأَنَّهٗ تَعَالٰى يُوْصِيْ وَ يَقُوْلُ يَا عِبَادِ تَهَادُوْا بِالدُّعَآءِ تَهَادِي الْإِخْوَانِ وَ الْمُحِبِّيْنَ۔ وَ تَنَاثَثُوْا دَعَوَاتِكُمْ وَتَبَاثَثُوْا نِيَّاتِكُمْ وَ كُوْنُوْا فِي الْمَحَبَّةِ كَالْإِخْوَانِ وَالْاٰبَاءِ وَالْبَنِيْنَ۔

تیری ذات کے سوا اور کسی چیز کی عبادت نہیں کرتے اور ہم تجھے واحد اور یگانہ ماننے والوں میں سے ہیں۔ اس آیت میں خدائے عزّوجلّ نے متکلم مع الغیر کا صیغہ اس امر کی طرف اشارہ کرنے کے لئے اختیار فرمایا ہے کہ یہ دُعا تمام بھائیوں کے لئے ہے نہ صرف دُعا کرنے والے کی اپنی ذات کے لئے اور اس میں (اللہ نے) مسلمانوں کو باہمی مصالحت، اتحاد اور دوستی کی ترغیب دی ہے اور یہ کہ دُعا کرنے والا اپنے آپ کو اپنے بھائی کی خیر خواہی کے لئے اسی طرح مشقّت میں ڈالے جیسا کہ وہ اپنی ذات کی خیر خواہی کے لئے اپنے آپ کو مشقّت میں ڈالتا ہے۔ اور اس کی (یعنی اپنے بھائی کی) ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے ایسا ہی اہتمام کرے اور بے چین ہو جیسے اپنے لئے بے چین اور مضطرب ہوتا ہے۔ اور وہ اپنے اور اپنے بھائی کے درمیان کوئی فرق نہ کرے۔ اور پورے دل سے اس کا خیر خواہ بن جائے گویا اللہ تعالیٰ تاکیدی حکم دیتا ہے اور فرماتا ہے اے میرے بندو! بھائیوں اور محبّوں کے (ایک دوسرے کو) تحائف دینے کی طرح دُعا کا تحفہ دیا کرو (اور انہیں شامل کرنے کے لئے) اپنی دُعاؤں کا دائرہ وسیع کرو اور اپنی نیتوں میں وسعت پیدا کرو۔ اپنے نیک ارادوں میں (اپنے بھائیوں کے لئے بھی) گنجائش پیدا کرو اور باہم محبت کرنے میں بھائیوں، باپوں اور بیٹوں کی طرح بن جاؤ۔

(ترجمہ از مرتب)

(کرامات الصّادقین، روحانی خزائن جلد ۷ صفحہ ۱۱۹ تا ۱۲۲)

اللہ جلّ شانہٗ نے آیہ کریمہ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ میں اِيَّاكَ نَعْبُدُ کو مقدم رکھا تا اس بات کی طرف اشارہ کرے کہ جو کچھ عملی اور علمی طور پر ہم کو پہلے توفیق دی گئی ہے چاہئے کہ ہم اس کو بجا لاویں اور پھر جو ہمارے علم اور طاقت سے باہر ہو اس میں خدا تعالیٰ سے امداد چاہیں۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۳۶ مؤرخہ ۲۵ ستمبر ۱۹۰۳ء صفحہ ۲۸۲)

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۔اے خدا! تو جو چار صفتوں کا مالک ہے تیری پرستش کرتے ہیں۔انسان کو چاہیئے کہ اللہ کو چار صفتوں سے متّصف مان کر صرف اقرار تک محدود نہ رکھے بلکہ عملی طور سے اس بات کو ثابت کرے کہ وہ واقعی اللہ کو اپنا ربّ مانتا ہے۔اس کی ربوبیت کو اپنے عملوں سے ثابت کرے۔دیکھو جو خدا کو خدا نہ مانے وہ سب کچھ کرے گا۔چوری زنا بھی کرے گا جب تک عملی رنگ نہ ہو تو نہ مومن کہلا سکتا ہے نہ وہ فیض پاتا ہے جو اگلے مقربوں اور راستبازوں پر ہوا۔ایمان خدا کا ایک فضل ہے جب آتا ہے تو وہ شخص عملی طور پر فاسقانہ کام نہیں کرتا۔دراصل زبانی حساب انسان کو نجات نہیں دے سکتا۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۳۶ مؤرخہ ۹؍جنوری ۱۹۰۸ء صفحہ ۶)

تدبیر اور دُعا دونوں (کو) باہم ملا دینا اسلام ہے اسی واسطے مَیں نے کہا ہے کہ گناہ اور غفلت سے بچنے کے لئے اس قدر تدبیر کرے جو تدبیر کا حق ہے اور اس قدر دُعا کرے جو دُعا کا حق ہے۔اسی واسطے قرآن شریف کی پہلی ہی سورہ فاتحہ میں ان دونوں باتوں کو مدّنظر رکھ کر فرمایا ہے اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۔اِيَّاكَ نَعْبُدُ اسی اصل تدبیر کو بتاتا ہے اور مقدم اسی کو کیا ہے کہ پہلے انسان رعایت اسباب اور تدبیر کا حق ادا کرے مگر اس کے ساتھ ہی دُعا کے پہلو کو چھوڑ نہ دے بلکہ تدبیر کے ساتھ ہی اس کو مدّنظر رکھے۔مومن جب اِيَّاكَ نَعْبُدُ کہتا ہے کہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں تو معاً اس کے دل میں گزرتا ہے کہ میں کیا چیز ہوں جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کروں جب تک اُس کا فضل اور کرم نہ ہو۔اس لئے وہ معاً کہتا ہے اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ مدد بھی تجھ ہی سے چاہتے ہیں۔یہ ایک نازک مسئلہ ہے جس کو بجز اسلام کے اور کسی مذہب نے نہیں سمجھا۔ (الحکم جلد ۸ نمبر ۵ مؤرخہ ۱۰؍فروری ۱۹۰۴ء صفحہ ۲)

اس سورۃ میں جس کا نام خاتم الکتاب اور اُمُّ الکتاب بھی ہے صاف طور پر بتا دیا ہے کہ انسانی زندگی کا کیا مقصد ہے اور اس کے حصول کی کیا راہ ہے؟

اِيَّاكَ نَعْبُدُ گویا انسانی فطرت کا اصل تقاضا اور منشاء ہے اور وہ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کے بغیر پورا نہیں ہوتا ہے لیکن اِيَّاكَ نَعْبُدُ کو اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ پر مقدم کر کے یہ بتایا ہے کہ پہلے ضروری ہے کہ جہاں تک انسان کی اپنی طاقت، ہمّت اور سمجھ میں ہو خدا تعالیٰ کی رضامندی کی راہوں کے اختیار کرنے میں سعی اور مجاہدہ کرے اور خدا تعالیٰ کی عطا کردہ قوتوں سے پورا کام لے اور اس کے بعد پھر خدا تعالیٰ سے اس کی تکمیل اور نتیجہ خیز ہونے کے لئے دُعا کرے۔ (الحکم جلد ۸ نمبر ۳۶ مورخہ ۲۴؍اکتوبر ۱۹۰۴ء صفحہ ۲۔الحکم جلد ۹ نمبر ۱۱ مؤرخہ ۳۱؍مارچ ۱۹۰۵ء صفحہ ۵)

اِيَّاكَ نَعْبُدُ میں اگرچہ اِيَّاكَ نَعْبُدُ کو اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ پر تقدّم ہے لیکن پھر بھی اگر غور کیا جاوے تو

معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی رحمانیت نے سبقت کی ہوئی ہے اِیَّاكَ نَعْبُدُ بھی کسی قوت نے کہلوایا ہے اور وہ قوت جو پوشیدہ ہی پوشیدہ اِیَّاكَ نَعْبُدُ کا اقرار کراتی ہے کہاں سے آئی کیا خدا تعالیٰ نے ہی وہ عطا نہیں فرمائی ہے؟ بیشک وہ خدا تعالیٰ کا ہی عطیہ ہے جو اس نے محض رحمانیت سے عطا فرمائی ہے۔اس کی تحریک اور توفیق سے یہ اِیَّاكَ نَعْبُدُ بھی کہتا ہے اِس پہلو سے اگر غور کریں تو اس کو تاخّر ہے اور دوسرے پہلو سے اس کو تقدم ہے یعنی جب یہ قوت اس کو اس بات کی طرف لاتی ہے تو یہ تاخّر ہو گیا اور بصورت اوّل تقدم۔ اسی طرح ہر سلسلہ نبوت کی فلاسفی کا خلاصہ یا مفہوم ہے۔ (الحکم جلد ۹ نمبر ۱۲ مؤرخہ ۱۰/اپریل ۱۹۰۵ء صفحہ ۵)

خداوند کریم نے پہلی سورہ فاتحہ میں یہ تعلیم دی ہے اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ اس جگہ عبادت سے مراد پرستش اور معرفت دونوں ہیں اور دونوں میں بندہ کا عجز ظاہر کیا گیا ہے۔

(الحکم جلد ۳ نمبر ۳۳ مؤرخہ ۳۰/جون ۱۸۹۹ء صفحہ ۳)

عبادت کے اصول کا خلاصہ اصل میں یہی ہے کہ اپنے آپ کو اس طرح سے کھڑا کرے کہ گویا خدا کو دیکھ رہا ہے اور یا یہ کہ خدا اسے دیکھ رہا ہے۔ ہر قسم کی ملونی اور ہر طرح کے شرک سے پاک ہو جاوے اور اسی کی عظمت اور اسی کی ربوبیت کا خیال رکھے۔ ادعیہ ماثورہ اور دوسری دُعائیں خدا سے بہت مانگے اور بہت توبہ و استغفار کرے اور بار بار اپنی کمزوری کا اظہار کرے تا کہ تزکیہ نفس ہو جاوے اور خدا سے پکا تعلق ہو جاوے اور اُسی کی محبت میں محو ہو جاوے۔ اور یہی ساری نماز کا خلاصہ ہے اور یہ سارا سورہ فاتحہ میں ہی آ جاتا ہے۔ دیکھو اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ میں اپنی کمزوریوں کا اظہار کیا گیا ہے اور امداد کے لئے خدا تعالیٰ سے ہی درخواست کی گئی ہے اور خدا تعالیٰ سے ہی مدد اور نصرت طلب کی گئی ہے۔ اور پھر اس کے بعد نبیوں اور رسولوں کی راہ پر چلنے کی دُعا مانگی گئی ہے اور ان انعامات کو حاصل کرنے کے لئے درخواست کی گئی ہے جو نبیوں اور رسولوں کے ذریعہ سے اس دنیا پر ظاہر ہوئے ہیں اور جو انہیں کی اتباع اور انہیں کے طریقہ پر چلنے سے حاصل ہو سکتے ہیں۔ اور پھر خدا تعالیٰ سے دُعا مانگی گئی ہے کہ ان لوگوں کی راہوں سے بچا جنہوں نے تیرے رسولوں اور نبیوں کا انکار کیا اور شوخی اور شرارت سے کام لیا اور اسی جہان میں ہی ان پر غضب نازل ہوا۔ یا جنہوں نے دنیا کو ہی اپنا اصلی مقصود سمجھ لیا اور راہ راست کو چھوڑ دیا۔ (الحکم جلد ۱۱ نمبر ۳۸ مؤرخہ ۲۴/اکتوبر ۱۹۰۷ء صفحہ ۱۱)

انسان خدا کی پرستش کا دعویٰ کرتا ہے مگر کیا پرستش صرف بہت سے سجدوں اور رکوع اور قیام سے ہو سکتی ہے یا بہت مرتبہ تسبیح کے دانے پھیرنے والے پرستارِ الٰہی کہلا سکتے ہیں بلکہ پرستش اُس سے ہو سکتی ہے جس کو خدا کی محبت اس درجہ پر اپنی طرف کھینچے کہ اس کا اپنا وجود درمیان سے اُٹھ جائے۔

اوّل خدا کی ہستی پر پورا یقین ہو اور پھر خدا کے حُسن و احسان پر پوری اطلاع ہو اور پھر اُس سے محبت کا تعلق ایسا ہو کہ سوزشِ محبت ہر وقت سینہ میں موجود ہو اور یہ حالت ہر ایک دم چہرہ پر ظاہر ہو اور خدا کی عظمت دل میں ایسی ہو کہ تمام دنیا اُس کی ہستی کے آگے مُردہ متصوّر ہو اور ہر ایک خوف اُسی کی ذات سے وابستہ ہو اور اُسی کی درد میں لذّت ہو اور اُسی کی خلوت میں راحت ہو اور اُس کے بغیر دل کو کسی کیساتھ قرار نہ ہو۔ اگر ایسی حالت ہو جائے تو اس کا نام پرستش ہے مگر یہ حالت بجز خدا تعالیٰ کی خاص مدد کے کیونکر پیدا ہو؟ اِسی لئے خدا تعالیٰ نے یہ دعا سکھلائی اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ یعنی ہم تیری پرستش تو کرتے ہیں مگر کہاں حقِ پرستش ادا کر سکتے ہیں جب تک تیری طرف سے خاص مدد نہ ہو۔ خدا کو اپنا حقیقی محبوب قرار دے کر اس کی پرستش کرنا یہی ولایت ہے جس سے آگے کوئی درجہ نہیں مگر یہ درجہ بغیر اس کی مدد کے حاصل نہیں ہو سکتا۔ اُس کے حاصل ہونے کی یہ نشانی ہے کہ خدا کی عظمت دل میں بیٹھ جائے۔ خدا کی محبت دل میں بیٹھ جائے اور دل اُسی پر توکّل کرے اور اُسی کو پسند کرے اور ہر ایک چیز پر اُسی کو اختیار کرے اور اپنی زندگی کا مقصد اُسی کی یاد کو سمجھے..... یہ بہت تنگ دروازہ ہے اور یہ شربت بہت ہی تلخ شربت ہے۔ تھوڑے لوگ ہیں جو اس دروازہ میں سے داخل ہوتے اور اس شربت کو پیتے ہیں۔ (حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن جلد ۲۲ صفحہ ۵۴، ۵۵)

خدا نے جو انسان کو بنایا اور اُس کے لئے شریعت اور حدود اور قوانین مقرر کئے تو اس سے یہ غرض نہیں کہ انسان کو نجات حاصل ہو بلکہ انسان تو تعبّدِ ابدی کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ سو اُس کے تدیّن سے یہی غرض تعبّدِ ابدی ہے۔ ہاں اس غرض کا نتیجہ ضرور یہ نجات ہے جس کا حصول اصل مقصود کے حصول پر موقوف ہے۔ اور شریعت اور احکام سے یہ غرض بھی نہیں کہ انسان گناہوں سے پاک ہو کیونکہ گناہوں سے پاک ہونا بھی اصل مقصود کا ایک نتیجہ لازمی ہے۔ سو جب انسان تعبّد اور اطاعت کا طریق اختیار کرتا ہے تو بالضرور گناہ سے دور رہ کر پاک ہو جاتا ہے۔ اور جب گناہ سے پاک ہو جاتا ہے تو گناہ کے پھلوں سے نجات پاتا ہے۔ سو طریق نجات یہ ہے کہ صدق اور ثبات کے ساتھ اس مبدءِ انوار کے سامنے کھڑے ہونا جہاں سے نور کی کرنیں اُترتی ہیں اور وہ کھڑا ہونا دوسرے لفظوں میں استقامت کے نام سے موسوم ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ (ھود: ۱۱۳) اور کچھ شک نہیں کہ جو شخص اس مبدءِ انوار کے سامنے کھڑا ہو گا اس پر نور کی کرنیں پڑیں گی اور نور کے اُترنے سے وہ ظلمت دور ہو گی جس کو گناہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ تو ہمیں معلوم ہے کہ کوئی ظلمت بغیر نور کے اُترنے کے دور نہیں ہو سکتی خدا تعالیٰ نور کو کروڑہا کوس سے نیچے اُتارتا ہے تا ظلمت

کو دور کرے۔ نور کے سامنے ظلمت نہیں ٹھہر سکتی۔ لیکن اگر یہ سوال ہو کہ کس وقت انسان کو کہا جائے گا کہ مبدء انوار کے سامنے کھڑا ہو گیا اس کا جواب یہ ہے کہ صرف اس وقت کہا جاوے گا کہ جب اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں میں حق کی طرف آ جاوے اور سچائی سے پیار کرنے لگے۔ اور گناہ اس کو پیارا معلوم نہ ہو بلکہ نہایت کراہت کی نظر سے اس کو دیکھے اور اس دشمن سے مخلصی پانے کے لئے خدا سے مدد چاہے۔ تب خدائے رحمٰن و رحیم اس کی مدد کرتا ہے اور اپنی طرف سے نور نازل کر کے اس کو اس ظلمت سے نجات بخشتا ہے اور یہ دُعا اسی لئے تعلیم کی گئی۔ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ۔ یعنی ہم اس بلا میں تجھ سے اعانت چاہتے ہیں ہمیں اس راہ پر کھڑا کر جہاں تیرے انعام کی کرنیں اُترتی ہیں۔ (الحکم جلد ۸ نمبر ۱۶ مؤرخہ ۱۷ رمئی ۱۹۰۴ء صفحہ ۶)

استعانت کے متعلق یہ بات یاد رکھنا چاہئے۔ کہ اصل استمداد کا حق اللہ تعالیٰ ہی کو حاصل ہے اور اسی پر قرآن کریم نے زور دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ پہلے صفاتِ الٰہی ربّ۔ رحمان۔ رحیم۔ مالک یوم الدین کا اظہار فرمایا۔ پھر سکھایا اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کہ یعنی عبادت بھی تیری کرتے ہیں اور استمداد بھی تجھ ہی سے چاہتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اصل حق استمداد کا اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے۔ کسی انسان۔ حیوان۔ چرند پرند غرضیکہ کسی مخلوق کے لئے نہ آسمان پر نہ زمین پر یہ حق نہیں ہے۔ مگر ہاں دوسرے درجہ پر ظلّی طور سے یہ حق اہل اللہ اور مردانِ خدا کو دیا گیا ہے۔

(الحکم جلد ۶ نمبر ۲۶ مؤرخہ ۲۴ رجولائی ۱۹۰۲ء صفحہ ۵)

اللہ تعالیٰ کے گناہ سے بچنے کے لئے یہ آیت ہے۔ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ جو لوگ اپنے ربّ کے آگے انکسار سے دُعا کرتے رہتے ہیں کہ شاید کوئی عاجزی منظور ہو جاوے تو ان کا اللہ تعالیٰ خود مددگار ہو جاتا ہے۔ (البدر جلد ۲ نمبر ۲۸ مؤرخہ ۳۱ رجولائی ۱۹۰۳ء صفحہ ۲۱۷)

جسے دعا کی توفیق دی جاوے گی۔ ہم یقین رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس پر اپنا فضل کرے گا اور وہ بچ جاوے گا۔ ظاہری تدابیر صفائی وغیرہ کی منع نہیں ہیں۔ بلکہ برتوکل زانوئے اشتر بہ بند۔ پر عمل کرنا چاہیے جیسا کہ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ سے معلوم ہوتا ہے۔

(الحکم جلد ۶ نمبر ۱۲ مؤرخہ ۳۱ مارچ ۱۹۰۲ء صفحہ ۶)

اِعْلَمْ أَنَّ قَوْلَهٗ تَعَالٰى ’’ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ‘‘ يَدُلُّ عَلٰى أَنَّ السَّعَادَةَ كُلَّهَا فِي اقْتِدَآءِ صِفَاتِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ. وَحَقِيْقَةُ الْعِبَادَةِ الْاِنْصِبَاغُ بِصِبْغِ الْمَعْبُوْدِ وَهُوَ عِنْدَ أَهْلِ الْحَقِّ كَمَالُ السَّعُوْدِ فَإِنَّ الْعَبْدَ لَا يَكُوْنُ عَبْدًا فِي الْحَقِيْقَةِ عِنْدَ ذَوِي الْعِرْفَانِ إِلَّا بَعْدَ أَنْ تَصِيْرَ صِفَاتُهٗ أَظْلَالَ صِفَاتِ الرَّحْمٰنِ فَمِنْ أَمَارَاتِ الْعُبُوْدِيَّةِ أَنْ تَتَوَلَّدَ فِيْهِ رُبُوْبِيَّةٌ كَرُبُوْبِيَّةِ حَضْرَةِ الْعِزَّةِ وَ كَذٰلِكَ الرَّحْمَانِيَّةُ وَالرَّحِيْمِيَّةُ وَصِفَةُ الْمَجَازَاتِ أَظْلَالًا لِّصِفَاتِ الْحَضْرَةِ الْأَحَدِيَّةِ. وَهٰذَا هُوَ الصِّرَاطُ الْمُسْتَقِيْمُ الَّذِيْ أُمِرْنَا لِنَطْلُبَهٗ وَالشِّرْعَةُ الَّتِيْ أُوْصِيْنَا لِنَرْقُبَهَا مِنْ كَرِيْمٍ ذِي الْفَضْلِ الْمُبِيْنِ.

ثُمَّ لَمَّا كَانَ الْمَانِعَ مِنْ تَحْصِيْلِ تِلْكَ الدَّرَجَاتِ الرِّيَاءُ الَّذِيْ يَأْكُلُ الْحَسَنَاتِ وَالْكِبْرُ الَّذِيْ هُوَ رَأْسُ السَّيِّئَاتِ وَالضَّلَالُ الَّذِيْ يُبْعِدُ عَنْ طُرُقِ السَّعَادَاتِ أَشَارَ إِلٰى دَوَآءِ هٰذِهِ الْعِلَلِ الْمُهْلِكَاتِ رَحْمَةً مِّنْهُ عَلَى الضُّعَفَآءِ الْمُسْتَعِدِّيْنَ لِلْخَطِيَّاتِ وَتَرَحُّمًا عَلَى

واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ کا کلام اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ اِس بات پر دلالت کرتا ہے کہ تمام کی تمام سعادت خدائے ربّ العالمین کی صفات کی پیروی کرنے میں ہے اور عبادت کی حقیقت معبود کے رنگ میں رنگین ہونا ہے۔ اور راستبازوں کے نزدیک کمال سعادت یہی ہے۔ چنانچہ خداشناس بزرگوں کے نزدیک بندہ درحقیقت اسی وقت عبد کہلا سکتا ہے جب اس کی صفات خدائے رحمان کی صفات کا پَرتَو بن جائیں۔ پس عبودیت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ انسان میں بھی حضرت العزّت کے رنگ کی ربوبیت پیدا ہو جائے اور اسی طرح بطور ظلّیت اس میں رحمانیت، رحیمیت اور مالکیت یوم الدین کی صفاتِ حضرتِ احدیّت پیدا ہو جائیں۔ یہی وہ صراط مستقیم ہے جس کے متعلق ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم اسے طلب کریں اور یہی وہ راستہ ہے جس کے متعلق ہمیں تاکید کی گئی ہے کہ کھلے کھلے فضل والے خدا سے اس (کے ملنے) کی امید رکھیں۔

پھر چونکہ ان درجات کے حصول میں بڑی روک ریاکاری ہے جو نیکیوں کو کھا جاتی ہے اور تکبّر ہے جو بدترین بدی ہے اور گمراہی ہے جو سعادت کی راہوں سے دُور لے جاتی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے (اپنے) کمزور بندوں پر رحم فرماتے ہوئے جو خطا کاریوں پر آمادہ ہو سکتا ہے اور اپنی راہ میں قدم مارنے والوں پر ترس کھا کر ان مہلک بیماریوں کی دواء کی طرف اشارہ فرمایا پس اُس نے حکم

السَّالِكِيْنَ۔ فَأَمَرَ أَنْ يَّقُوْلَ النَّاسُ ’’اِيَّاكَ نَعْبُدُ‘‘ لِيَسْتَخْلِصُوْا مِنْ مَّرَضِ الرِّيَآءِ وَأَمَرَ أَنْ يَّقُوْلُوْا ’’اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ‘‘ لِيَسْتَخْلِصُوْا مِنْ مَّرَضِ الْكِبْرِ وَ الْخُيَلَآءِ وَأَمَرَ أَنْ يَّقُوْلُوْا ’’اِهْدِنَا‘‘ لِيَسْتَخْلِصُوْا مِنَ الضَّلَالَاتِ وَالْأَهْوَآءِ۔ فَقَوْلُهٗ ’’اِيَّاكَ نَعْبُدُ‘‘ حَثٌّ عَلٰى تَحْصِيْلِ الْخُلُوْصِ وَالْعُبُوْدِيَّةِ التَّآمَّةِ وَ قَوْلُهٗ ’’اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ‘‘ إِشَارَةٌ إِلٰى طَلَبِ الْقُوَّةِ وَالثَّبَاتِ وَالْاِسْتِقَامَةِ وَقَوْلُهٗ ’’اِهْدِنَا الصِّرَاطَ‘‘ إِشَارَةٌ إِلٰى طَلَبِ عِلْمٍ مِنْ عِنْدِهٖ وَهِدَايَةٍ مِّنْ لَّدُنْهُ لُطْفًا مِّنْهُ عَلٰى وَجْهِ الْكَرَامَةِ۔ فَحَاصِلُ الْاٰيَاتِ أَنَّ أَمْرَ السُّلُوْكِ لَا يُتَمَّمُ أَبَدًا وَّ لَا يَكُوْنُ وَسِيْلَةً لِّلنَّجَاةِ إِلَّا بَعْدَ كَمَالِ الْإِخْلَاصِ وَ كَمَالِ الْجُهْدِ وَ كَمَالِ فَهْمِ الْهِدَايَاتِ بَلْ كُلُّ خَادِمٍ لَّا يَكُوْنُ صَالِحًا لِّلْخِدَمَاتِ إِلَّا بَعْدَ تَحَقُّقِ هٰذِهِ الصِّفَاتِ۔ مَثَلًا إِنْ كَانَ خَادِمٌ مُّخْلِصًا وَّ مَوْصُوْفًا بِأَوْصَافِ الْأَمَانَةِ وَ الْخُلُوْصِ وَ الْعِفَّةِ وَلٰكِنْ كَانَ مِنَ الْكُسَالٰى وَ الْوَانِيْنَ الْقَاعِدِيْنَ وَ كَالضُّجَعَةِ النُّوَمَةِ لَا مِنْ أَهْلِ السَّعْيِ وَالْجُهْدِ وَ الْجِدِّ وَالْقُوَّةِ فَلَا شَكَّ أَنَّهٗ كَلٌّ عَلٰى مَوْلَاهُ وَ لَا يَسْتَطِيْعُ أَنْ

دیا کہ لوگ اِیَّاکَ نَعۡبُدُ کہا کریں تا وہ ریا کی بیماری سے نجات پائیں اور اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ کہنے کا حکم دیا تا وہ کبر اور غرور سے بچ جائیں پھر اس نے اِھۡدِنَا کہنے کا حکم دیا تا وہ گمراہیوں اور خواہشات نفسانی سے چھٹکارا پائیں۔ پس اس کا قول اِیَّاکَ نَعۡبُدُ خلوص اور عبودیتِ تامّہ کے حصول کی ترغیب ہے۔ اور اس کا کلام اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ قوت، ثابت قدمی، استقامت کے طلب کرنے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اور اس کا کلام اِھۡدِنَا الصِّرَاطَ اشارہ کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے علم اور ہدایت طلب کی جائے جو وہ ازراہِ مہربانی بطور اکرام انسان کو عطا کرتا ہے۔ پس ان آیات کا ماحصل یہ ہے کہ خدا کا راہ سلوک اس وقت تک مکمل نہیں ہوسکتا اور نہ ہی وہ نجات کا وسیلہ بن سکتا ہے جب تک انتہائی اخلاص، انتہائی کوشش اور ہدایات کے سمجھنے کی پوری اہلیت حاصل نہ ہو جائے بلکہ جب تک کسی خادم میں یہ صفات نہ پائی جائیں وہ درحقیقت خدمات کے قابل نہیں ہوتا۔ مثلاً اگر کوئی خادم مخلص بھی ہے اور دیانت، نیک نیتی اور پاک دامنی کی صفات سے متّصف بھی ہے لیکن وہ سُست بے ہمت اور (بیکار) بیٹھ رہنے والوں میں سے ہے یا ہر وقت لیٹے رہنے اور سوئے رہنے والے غافل شخص کی طرح ہے اور وہ خادم جو کوشش، جدو جہد اور ہمت کرنے والوں میں سے نہ ہو تو بلاشبہ وہ اپنے مالک پر ایک بوجھ ہی ہوگا۔ اور اپنے آقا کی ہدایت کی پیروی نہیں کر سکے گا۔ اور اس کے

يَّتَّبِعَ هُدَاهُ وَيَكُوْنَ مِنَ الْمُطَاوِعِيْنَ. وَخَادِمٌ اٰخَرُ مُخْلِصٌ أَمِيْنٌ وَّ مَعَ ذٰلِكَ مُجَاهِدٌ وَّلَيْسَ بِقَاعِدٍ كَالْاٰخَرِيْنَ وَلٰكِنَّهٗ جَهُوْلٌ لَّا يَفْهَمُ هِدَايَاتِ مَخْدُوْمِهٖ وَ يُخْطِئُ ذَاتَ مِرَارٍ كَالضَّآلِّيْنَ. فَمِنْ جَهْلِهٖ رُبَّمَا يَجْتَرِءُ عَلَى الْمَمْنُوْعَاتِ وَ يُوْقِعُ نَفْسَهٗ فِي الْمُخَاطَرَاتِ وَ الْمَحْظُوْرَاتِ وَ يَبْعُدُ عَنْ مَّرْضَاةِ الْمَوْلٰى مِنْ جَهْلٍ جَاذِبٍ مِّنَ الْجَهَلَاتِ وَرُبَّمَا يُضِيْعُ نَفَآئِسَ الْمَوْلٰى وَدُرَرَهٗ وَجَوَاهِرَهٗ مِنْ كَمَالِ جَهْلِهٖ وَحُمْقِهٖ وَسُوْٓءِ فَهْمِهٖ وَ يَضَعُ الْأَشْيَاءَ فِيْ غَيْرِ مَحَلِّهَا مِنْ زَيْغِ وَهْمِهٖ فَهٰذَا الْخَادِمُ أَيْضًا لَّا يَسْتَطِيْعُ أَنْ يَّسْتَحْصِلَ مَرْضَاتِ الْمَخْدُوْمِ وَيُسْقِطُهٗ جَهْلُهٗ كُلَّ مَرَّةٍ عَنْ أَعْيُنِ مَوْلَاهُ فَيَبْكِيْ كَالْمَوْقُوْمِ وَ كَذٰلِكَ يَعِيْشُ دَآئِمًا كَالْمَلْعُوْنِ الْمَلُوْمِ وَلَا يَكُوْنُ مِنَ الْمَمْدُوْحِيْنَ. بَلْ يَرَاهُ الْمَوْلٰى كَالْمَنْحُوْسِ الَّذِيْ لَا يَأْتِيْ بِخَيْرٍ فِيْ سَيْرٍ وَّيُخْرِبُ بُقْعَتَهٗ وَ رِحَالَهٗ وَ أَمْوَالَهٗ فِيْ كُلِّ حِيْنٍ.

وَأَمَّا الْخَادِمُ الْمُبَارَكُ وَالْعَبْدُ الْمُتَبَرَّكُ الَّذِيْ يُرْضِيْ مَوْلَاهُ وَلَا يَتْرُكُ

فرمانبرداروں میں شمار نہ ہو سکے گا۔ایک اور خادم جو نیک نیت اور دیانت دار بھی ہو اور ساتھ ہی محنتی بھی ہو اور دوسروں کی طرح بیٹھ رہنے والا نہ ہولیکن بے وقوف ہو اور آقا کی ہدایت کو نہ سمجھ سکتا ہو اور گمراہوں کی طرح بار بار غلطیاں کرتا ہو، اپنی جہالت کی وجہ سے کئی دفعہ ممنوع کاموں پر جرأت کر بیٹھتا ہو، اپنے آپ کو خطرے کے مقامات اور ممنوع جگہوں میں ڈال دیتا ہو اور انتہائی بے وقوفی کی بناء پر آقا کی خوشنودی حاصل نہ کر سکتا ہو اور بسا اوقات وہ اپنے مالک کی عمدہ عمدہ چیزوں کو، اس کے موتیوں کو اور اس کے جواہرات کو اپنی کمال بے وقوفی، نادانی اور ناسمجھی کی وجہ سے ضائع کر دیتا ہو اور اپنی بدحواسی کی وجہ سے اشیاء کو ان کی اصل جگہ کے علاوہ کہیں اور جگہ رکھ دیتا ہو تو ایسا خادم بھی آقا کی خوشنودی حاصل نہیں کر سکتا۔ اور اس کی نادانی اسے ہر بار اپنے مالک کی نظروں سے گرا دیتی ہے۔ پس وہ ذلیل ومحروم انسان کی طرح روتا رہتا ہے اور اس طرح ہمیشہ ایک قابل ملامت ملعون انسان کی مانند زندگی کے دن پورے کرتا ہے۔ وہ کبھی قابلِ تعریف لوگوں میں شامل نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اس کا مالک اسے (ہمیشہ) منحوس جیسا سمجھتا ہے۔ جو اپنی بھاگ دوڑ سے کبھی بھی کسی بھلائی (کی خبر) نہیں لاتا۔ وہ (خادم) اس کی زمینوں، اس کے مکانات اور اس کے اموال کو ہر وقت برباد کرتا رہتا ہے۔

لیکن مبارک خادم اور متبرّک بندہ وہ ہوتا ہے جو اپنے مالک کو راضی رکھتا ہے اور اس کی ہدایت کے کسی نکتہ کو نظر

نُكْتَةً مِّنْ هُدَاهُ وَيَسْمَعُ مَرْحَبَاهُ فَهُوَ الَّذِي يَجْمَعُ فِي نَفْسِهِ هٰذِهِ الثَّلَاثَ سَوِيًّا وَّلَا يُؤْذِي مَوْلَاهُ بِخِيَانَةٍ وَّحَدْلٍ وَلَا يُطَحْطِحُهُ بِكَسَلٍ أَوْ جَهْلٍ فَيَصِيْرُ عَبْدًا مَّرْضِيًّا. فَهٰذِهِ هِيَ الْأَشْرَاطُ الثَّلَاثَةُ لِلَّذِيْنَ يَسْلُكُوْنَ سُبُلَ رَبِّهِمْ مُسْتَرْشِدِيْنَ. وَفِي ''اِيَّاكَ نَعْبُدُ'' إِشَارَةٌ إِلَى الشَّرْطِ الْأَوَّلِ وَ إِلَى الشَّرْطِ الثَّانِي فِي ''اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ'' وَإِلَى الثَّالِثِ فِي ''اِهْدِنَا الصِّرَاطَ'' فَطُوْبٰى لِلَّذِيْنَ جَمَعُوْا هٰذِهِ الثَّلَاثَ وَرَجَعُوْا إِلٰى رَبِّهِمْ كَامِلِيْنَ وَتَأَدَّبُوْا مَعَ رَبِّهِمْ بِكُلِّ الْأَدَبِ وَسَلَكُوْا بِكُلِّ شَرِيْطَةٍ غَيْرَ قَاصِرِيْنَ. فَأُولٰئِكَ الَّذِيْنَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَدَخَلُوْا حَظِيْرَةَ الْقُدُسِ اٰمِنِيْنَ. وَ لَمَّا كَانَتْ هٰذِهِ الشَّرَآئِطُ أَهَمَّ الْأُمُوْرِ لِلَّذِي قَصَدَ سُبُلَ النُّوْرِ جَعَلَهَا اللّٰهُ الْحَكِيْمُ مِنْ أَجْزَآءِ الدُّعَآءِ لِيَتَدَبَّرَ السَّالِكُ كَالْعُقَلَآءِ وَ لِيَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْخَائِنِيْنَ.

(کرامات الصادقین، روحانی خزائن جلد ۷ صفحہ ۱۴۶ تا ۱۴۸)

اندازنہیں کرتا۔ مالک کی طرف سے خوش آمدید سنتا ہے تو یہی (ایسا شخص) ہے جو اپنی ذات میں ان تین (صفات) کو کامل طور پر جمع کرتا ہے اور اپنے آقا کو اپنی بد دیانتی اور بے انصافی سے دکھ نہیں دیتا اور نہ اُسے کاہلی یا نادانی سے برباد کرتا ہے اور وہ ایک پسندیدہ عبد بن جاتا ہے۔ پس یہی تین شرائط ہیں ان لوگوں کے لئے جو پورے طالب ہدایت ہو کر اپنے ربّ (تک پہنچنے) کے راستوں پر چلتے ہیں۔ اِيَّاكَ نَعْبُدُ میں پہلی شرط کی طرف اشارہ ہے اور دوسری شرط کی طرف اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ میں اور تیسری شرط کی طرف اِهْدِنَا الصِّرَاطَ میں اشارہ ہے۔ پس سعادت انہی لوگوں کے لئے ہے جو ان تینوں (صفات) کو اپنے اندر جمع کرلیں اور کامل ہو کر اپنے ربّ کی طرف لوٹیں۔ وہ اپنے ربّ کے ساتھ پورے ادب کا لحاظ رکھتے ہیں اور منازل سلوک ہر شرط کے مطابق بغیر کسی کوتاہی کے طے کرتے ہیں۔ پس یہی وہ لوگ ہیں جن سے خدا تعالیٰ راضی ہے اور وہ خدا تعالیٰ سے راضی ہیں۔ وہ بارگاہِ قدس میں امن کے ساتھ داخل ہو گئے ہیں۔ پس چونکہ یہ شرائط اس شخص کے لئے اہم امور میں سے تھے جو نور کی راہوں کا قصد کرتا ہے اس لئے حکیم خدا نے ان (شرائط) کو دعا کے حصّے بنا دیا ہے۔ تا ہر سالک عقلمندوں کی طرح غور و فکر کرے اور خیانت کرنے والوں کی راہ بھی پوری طرح واضح ہو جائے۔ (ترجمہ از مرتب)

اِعْلَمْ أَنَّ حَقِيْقَةَ الْعِبَادَةِ الَّتِي

واضح ہو کہ اس عبادت کی حقیقت جسے اللہ تعالیٰ اپنے

يَقْبَلُهَا الْمَوْلٰى بِاِمْتِنَانِهٖ ۔ هِيَ التَّذَلُّلُ التَّآمُّ بِرُؤْيَةِ عَظْمَتِهٖ وَ عُلُوِّ شَاْنِهٖ۔ وَالثَّنَآءُ عَلَيْهِ بِمُشَاهَدَةِ مِنَنِهٖ وَاَنْوَاعِ اِحْسَانِهٖ۔ وَاِيْثَارُهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ بِمَحَبَّةِ حَضْرَتِهٖ وَتَصَوُّرِ مَحَامِدِهٖ وَجَمَالِهٖ وَ لَمَعَانِهٖ۔ وَتَطْهِيْرُ الْجَنَانِ مِنْ وَسَاوِسِ الْجِنَّةِ نَظْرًا اِلٰى جِنَانِهٖ ۔وَ مِنْ اَفْضَلِ الْعِبَادَاتِ اَنْ يَّكُوْنَ الْاِنْسَانُ مُحَافِظًا عَلَى الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ فِيْ اَوَآئِلِ اَوْقَاتِهَا۔ وَاَنْ يَّجْهَدَ لِلْحُضُوْرِ وَ الذَّوْقِ وَالشَّوْقِ وَتَحْصِيْلِ بَرَكَاتِهَا۔ مُوَاظِبًا عَلٰى اَدَآءِ مَفْرُوْضَاتِهَا وَمَسْنُوْنَاتِهَا۔ فَاِنَّ الصَّلَاةَ مَرْكَبٌ يُّوْصِلُ الْعَبْدَ اِلٰى رَبِّ الْعِبَادِ۔فَيَصِلُ بِهَا اِلٰى مَقَامٍ لَّا يَصِلُ اِلَيْهِ عَلٰى صَهَوَاتِ الْجِيَادِ۔ وَصَيْدُهَا لَا يُصَادُ بِالسِّهَامِ۔ وَسِرُّهَا لَا يَظْهَرُ بِالْاَقْلَامِ۔ وَمَنِ الْتَزَمَ هٰذِهِ الطَّرِيْقَةَ۔ فَقَدْ بَلَغَ الْحَقَّ وَ الْحَقِيْقَةَ۔ وَ اَلْفَى الْحِبَّ الَّذِيْ هُوَ فِيْ حُجُبِ الْغَيْبِ۔ وَ نَجَا مِنَ الشَّكِّ وَالرَّيْبِ۔ فَتَرٰى اَيَّامَهٗ غُرَرًا۔ وَّ كَلَامَهٗ دُرَرًا۔ وَّ وَجْهَهٗ بَدْرًا۔ وَّمَقَامَهٗ صَدْرًا۔ وَّ مَنْ ذَلَّ لِلّٰهِ فِيْ صَلَوَاتِهٖ اَذَلَّ اللّٰهُ لَهُ الْمُلُوْكَ۔ وَ يَجْعَلُ

کرم واحسان سے قبول فرماتا ہے (وہ درحقیقت چند امور پر مشتمل ہے) یعنی اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کی بلند و بالا شان کو دیکھ کر مکمل فروتنی اختیار کرنا نیز اس کی مہربانیاں اور قسم قسم کے احسان دیکھ کر اس کی حمد وثنا کرنا، اس کی ذات سے محبت رکھتے ہوئے اور اس کی خوبیوں جمال اور نُور کا تصوّر کرتے ہوئے اسے ہر چیز پر ترجیح دینا اور اس کی جنّت کو مدِّنظر رکھتے ہوئے اپنے دل کو شیطانوں کے وسوسوں سے پاک کرنا ہے۔ اور سب سے افضل عبادت یہ ہے کہ انسان التزام کے ساتھ پانچوں نمازیں ان کے اوّل وقت پر ادا کرنے اور فرض اور سنّتوں کی ادائیگی پر مداومت رکھتا ہو اور حضورِ قلب، ذوق، شوق اور عبادت کی برکات کے حصول میں پوری طرح کوشاں رہے کیونکہ نماز ایک ایسی سواری ہے جو بندہ کو پروردگار عالَم تک پہنچاتی ہے۔ اس کے ذریعہ (انسان) ایسے مقام تک پہنچ جاتا ہے جہاں گھوڑوں کی پیٹھوں پر (بیٹھ کر) نہ پہنچ سکتا۔ اور نماز کا شکار (ثمرات) تیروں سے حاصل نہیں کیا جا سکتا اس کا راز قلموں سے ظاہر نہیں ہوسکتا ہے اور جس شخص نے اس طریق کو لازم پکڑا اس نے حق اور حقیقت کو پالیا اور اس محبوب تک پہنچ گیا جو غیب کے پردوں میں ہے اور شک وشبہ سے نجات حاصل کر لی۔ پس تُو دیکھے گا کہ اس کے دن روشن ہیں اس کی باتیں موتیوں کی مانند ہیں اور اس کا چہرہ چودھویں کا چاند ہے۔ اس کا مقام صدر نشینی ہے جو شخص نماز میں اللہ تعالیٰ کے لئے عاجزی سے جھکتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے بادشاہوں کو جھکا

مَالِكًا هٰذَا الْمَمْلُوْكَ. ثُمَّ اعْلَمْ أَنَّ اللهَ حَمِدَ ذَاتَهٗ أَوَّلًا فِيْ قَوْلِهٖ ’’اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ‘‘. ثُمَّ حَثَّ النَّاسَ عَلَى الْعِبَادَةِ بِقَوْلِهٖ ’’اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ.‘‘ فَفِيْ هٰذِهٖ إِشَارَةٌ إِلٰى أَنَّ الْعَابِدَ فِي الْحَقِيْقَةِ. هُوَ الَّذِيْ يَحْمَدُهٗ حَقَّ الْمَحْمَدَةِ. فَحَاصِلُ هٰذَا الدُّعَآءِ وَالْمَسْأَلَةِ. أَنْ يَّجْعَلَ اللهُ أَحْمَدَ كُلَّ مَنْ تَصَدّٰى لِلْعِبَادَةِ. وَعَلٰى هٰذَا كَانَ مِنَ الْوَاجِبَاتِ. أَنْ يَّكُوْنَ أَحْمَدُ فِيْ اٰخِرِ هٰذِهِ الْأُمَّةِ عَلٰى قَدَمِ أَحْمَدَ الْأَوَّلِ الَّذِيْ هُوَ سَيِّدُ الْكَآئِنَاتِ. لِيُفْهَمَ أَنَّ الدُّعَآءَ اسْتُجِيْبَ مِنْ حَضْرَةِ مُسْتَجِيْبِ الدَّعَوَاتِ. وَلِيَكُوْنَ ظُهُوْرُهٗ لِلْاِسْتِجَابَةِ كَالْعَلَامَاتِ. فَهٰذَا هُوَ الْمَسِيْحُ الَّذِيْ كَانَ وَعْدُ ظُهُوْرِهٖ فِيْ اٰخِرِ الزَّمَانِ. مَكْتُوْبًا فِي الْفَاتِحَةِ وَفِي الْقُرْاٰنِ. ثُمَّ فِيْ هٰذِهِ الْاٰيَةِ إِشَارَةٌ إِلٰى أَنَّ الْعَبْدَ لَا يُمْكِنُهُ الْإِتْيَانُ بِالْعُبُوْدِيَّةِ. إِلَّا بِتَوْفِيْقٍ مِنَ الْحَضْرَةِ الْأَحَدِيَّةِ. وَ مِنْ فُرُوْعِ الْعِبَادَةِ أَنْ تُحِبَّ مَنْ يُّعَادِيْكَ. كَمَا تُحِبُّ نَفْسَكَ وَ بَنِيْكَ. وَأَنْ تَكُوْنَ مُقِيْلًا لِّلْعَثَرَاتِ. مُتَجَاوِزًا عَنِ

دیتا ہے اور اس مملوک بندہ کو مالک بنا دیتا ہے۔ نیز سمجھ لیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے اپنے الفاظ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ میں اپنی حمد بیان فرمائی۔ پھر اپنے کلام اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ میں لوگوں کو عبادت کی ترغیب دی۔ پس اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ درحقیقت عبادت گزار وہی ہے جو خدا تعالیٰ کی حمد اس طور پر کرے جو حمد کے کرنے کا حق ہے۔ پس اس دُعا اور درخواست کا ماحصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اِس شخص کو احمد بنا دیتا ہے جو (اس کی) عبادت میں لگا رہے اس بنا پر ضروری تھا کہ اس اُمّت کے آخر میں بھی کوئی احمد ظاہر ہو اس پہلے احمد کے نقش قدم پر جو سرورِ کائنات (حضرت محمد) صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تا معلوم ہو جائے کہ دُعاؤں کو قبول فرمانے والی بارگاہ سے اس دُعا فاتحہ کو قبولیت کا شرف حاصل ہے اور تا کہ اس (احمد) کا ظہور قبولیتِ دُعا کے لئے بطور نشانات کے ہو۔ یہی وہ مسیح ہے جس کا آخری زمانہ میں ظہور کا وعدہ سورۃ فاتحہ میں بھی اور قرآن کریم میں بھی لکھا ہوا ہے۔ پھر اس آیت میں یہ اشارہ بھی ہے کہ کسی بندہ کے لئے ممکن نہیں کہ اس وحدہٗ لاشریک کی بارگاہ سے توفیق پانے کے بغیر عبادت کا حق ادا کرے اور عبادت کی فروع میں یہ بھی ہے کہ تم اس شخص سے بھی جو تم سے دشمنی رکھتا ہو ایسی ہی محبت کرو جس طرح اپنے آپ سے اور اپنے بیٹوں سے کرتے ہو اور یہ کہ تم دوسروں کی لغزشوں سے درگزر کرنے والے اور ان کی خطاؤں سے چشم پوشی کرنے والے بنو اور نیک دل اور پاک

الْهَفَوَاتِ. وَ تَعِيْشَ تَقِيًّا نَّقِيًّا سَلِيْمَ الْقَلْبِ طَيِّبَ الذَّاتِ. وَوَفِيًّا صَفِيًّا مُّنَزَّهًا عَنْ ذَمَآئِمِ الْعَادَاتِ. وَأَنْ تَكُوْنَ وُجُوْدًا نَّافِعًا لِخَلْقِ اللهِ بِخَآصِّيَّةِ الْفِطْرَةِ كَبَعْضِ النَّبَاتَاتِ. مِنْ غَيْرِ التَّكَلُّفَاتِ وَالتَّصَنُّعَاتِ. وَأَنْ لَّا تُؤْذِيَ أُخَيَّكَ بِكِبْرٍ مِّنْكَ وَلَا تَجْرَحَهٗ بِكَلِمَةٍ مِّنَ الْكَلِمَاتِ. بَلْ عَلَيْكَ أَنْ تُجِيْبَ الْأَخَ الْمُغْضَبَ بِتَوَاضُعٍ وَّلَا تُحَقِّرَهٗ فِي الْمُخَاطَبَاتِ. وَتَمُوْتَ قَبْلَ أَنْ تَمُوْتَ وَتَحْسِبَ نَفْسَكَ مِنَ الْأَمْوَاتِ. وَتُعَظِّمَ كُلَّ مَنْ جَآءَكَ وَلَوْ جَآءَكَ فِي الْأَطْمَارِ لَا فِي الْحُلَلِ وَالْكِسْوَاتِ. وَتُسَلِّمَ عَلٰى مَنْ تَعْرِفُهٗ وَ عَلٰى مَنْ لَّا تَعْرِفُهٗ. وَ تَقُوْمُ مُتَصَدِّيًا لِّلْمُوَاسَاتِ.

(اعجاز المسیح، روحانی خزائن جلد ۱۸ صفحہ ۱۶۵ تا ۱۶۹)

نفس ہو کر پرہیزگاروں والی صاف اور پاکیزہ زندگی گزارو۔ اور تم بُری عادتوں سے پاک ہو کر باوفا اور باصفا زندگی بسر کرو۔ اور یہ کہ خلق اللہ کے لئے بلا تکلّف و تصنّع بعض نباتات کی مانند نفع رساں وجود بن جاؤ۔ اور یہ کہ تم اپنے کبر سے اپنے کسی چھوٹے بھائی کو دکھ نہ دو۔ اور نہ کسی بات سے اس (کے دل) کو زخمی کرو۔ بلکہ تم پر واجب ہے کہ اپنے ناراض بھائی کو خاکساری سے جواب دو اور اسے مخاطب کرنے میں اس کی تحقیر نہ کرو اور مرنے سے پہلے مر جاؤ اور اپنے آپ کو مُردوں میں شمار کرلو اور جو کوئی (ملنے کے لئے) تمہارے پاس آئے اس کی عزت کرو خواہ وہ پرانے بوسیدہ کپڑوں میں ہو نہ کہ نئے جوڑوں اور عمدہ لباس میں۔ اور تم ہر شخص کو السلام علیکم کہو خواہ تم اسے پہچانتے ہو یا نہ پہچانتے ہو۔ اور (لوگوں کی) غم خواری کے لئے ہر دم تیار کھڑے رہو۔

(ترجمہ از مرتب)

فرماتا ہے اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ یعنی یہ دعا کرو کہ ہم تیری پرستش کرتے ہیں اور تجھ سے ان تمام باتوں میں مدد چاہتے ہیں سو یہ تمام اشارے نیستی اور تذلل کی طرف ہیں۔ تا انسان اپنے تئیں کچھ چیز نہ سمجھے۔

(ست بچن، روحانی خزائن جلد ۱۰ صفحہ ۲۱۲)

ہر یک کام دینی ہو یا دنیوی اُس میں استمداد سے پہلے اپنی خدا داد طاقت اور ہمّت کا خرچ کرنا ضروری ہے اور پھر اُس فعل کی تکمیل کے لئے مدد طلب کرنا۔ خدا نے ہم کو ہماری ہر روزہ عبادت میں بھی یہی تعلیم دی ہے اور ارشاد فرمایا ہے کہ ہم اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کہیں نہ یہ کہ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ وَ اِيَّاكَ نَعْبُدُ۔

(براہین احمدیہ چہار حصص، روحانی خزائن جلد ا صفحہ ۱۳۷، ۱۳۸)

انسان کا ظہور ایک خالق کو چاہتا تھا اور ایک قیوم کو، تا خالق اس کو پیدا کرے اور قیوم اس کو بگڑنے سے محفوظ رکھے۔ سو وہ خدا خالق بھی ہے اور قیوم بھی۔ اور جب انسان پیدا ہو گیا تو خالقیت کا کام تو پورا ہو گیا مگر قیومیت کا

کام ہمیشہ کے لئے ہے۔اسی لئے دائمی استغفار کی ضرورت پیش آئی۔غرض خدا کی ہر ایک صفت کے لئے ایک فیض ہے۔پس استغفار صفت قیومیت کا فیض حاصل کرنے کے لئے کرتے رہنے کی طرف اشارہ سورۃ فاتحہ کی اس آیت میں ہے اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ۔یعنی ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے ہی اس بات کی مدد چاہتے ہیں کہ تیری قیومیت اور ربوبیت ہمیں مدد دے اور ہمیں ٹھوکر سے بچاوے تا ایسا نہ ہو کہ کمزوری ظہور میں آوے اور ہم عبادت نہ کر سکیں۔ (عصمت انبیاء علیہم السلام۔روحانی خزائن جلد ۱۸ صفحہ ۶۷۲)

دیکھو اللہ تعالیٰ نے اِیَّاکَ نَعۡبُدُ کی تعلیم دی ہے۔اب ممکن تھا کہ انسان اپنی قوت پر بھروسہ کر لیتا اور خدا سے دور ہو جاتا۔اس لئے ساتھ ہی اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ کی تعلیم دیدی کہ یہ مت سمجھو کہ یہ عبادت جو میں کرتا ہوں اپنی قوت اور طاقت سے کرتا ہوں ہرگز نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی استعانت جب تک نہ ہو اور خود وہ پاک ذات جب تک توفیق اور طاقت نہ دے کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔اور پھر اِیَّاکَ اَعۡبُدُ یا اِیَّاکَ اَسۡتَعِیۡنُ نہیں کہا اس لئے کہ اس میں نفس کے تقدم کی بُو آتی تھی۔اور یہ تقویٰ کے خلاف ہے۔تقویٰ والا کل انسانوں کو لیتا ہے۔
(الحکم جلد ۵ نمبر ۱۱ مؤرخہ ۲۴ ؍مارچ ۱۹۰۱ء صفحہ ۴)

جو شخص دُعا اور کوشش سے مانگتا ہے وہ متقی ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے سورہ فاتحہ میں بھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ یاد رکھو کہ جو شخص پوری فہم اور عقل اور زور سے تلاش نہیں کرتا وہ خدا کے نزدیک ڈھونڈنے والا نہیں قرار پاتا اور اس طرح سے امتحان کرنے والا ہمیشہ محروم رہتا ہے لیکن اگر وہ کوششوں کے ساتھ دُعا بھی کرتا ہے اور پھر اُسے کوئی لغزش ہوتی ہے تو خدا اُسے بچاتا ہے اور جو آسانی تن کے ساتھ دروازہ پر آتا ہے اور امتحان لیتا ہے تو خدا کو اس کی پرواہ نہیں ہے۔
(البدر جلد ۲ نمبر ۲۸ مؤرخہ ۲۴ ؍دسمبر ۱۹۰۳ء صفحہ ۳۸۴)

اس سے بڑھ کر کوئی نعمت انسان کے لئے نہیں ہے کہ اُسے گناہ سے نفرت ہو اور خدا تعالیٰ خود اُسے معاصی سے بچالیوے مگر یہ بات نری تدبیر یا نری دُعا سے حاصل نہیں ہو سکتی بلکہ دونوں سے مل کر حاصل ہو گی جیسے کہ خدا تعالیٰ نے تعلیم دی ہے اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ جس کے یہ معنے ہیں کہ جو کچھ قویٰ خدا تعالیٰ نے انسان کو عطا کئے ہیں اُن سے پورا کام لے کر پھر وہ انجام کو خدا کے سپرد کرتا ہے اور خدا تعالیٰ سے عرض کرتا ہے کہ جہاں تک تُو نے مجھے توفیق عطا کی تھی اُس حد تک تو مَیں نے اس سے کام لے لیا یہ اِیَّاکَ نَعۡبُدُ کے معنے ہیں اور پھر اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ کہہ کر خدا سے امداد چاہتا ہے کہ باقی مرحلوں کے لئے میں تجھ سے استمداد طلب کرتا ہوں۔وہ بہت نادان ہے جو کہ خدا کے عطا کئے ہوئے قویٰ سے تو کام نہیں لیتا اور صرف دعا

سے مدد چاہتا ہے ایسا شخص کامیابی کا منہ کس طرح دیکھے گا۔ (البدر جلد ۳ نمبر ۹ مؤرخہ یکم مارچ ۱۹۰۴ء صفحہ ۳)

مومن ..... تدبیر اور دُعا دونوں سے کام لیتا ہے۔ پوری تدبیر کرتا ہے اور پھر معاملہ خدا پر چھوڑ کر دُعا کرتا ہے اور یہی تعلیم قرآن شریف کی پہلی ہی سورۃ میں دی گئی ہے چنانچہ فرمایا ہے اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ جو شخص اپنے قویٰ سے کام نہیں لیتا ہے وہ نہ صرف اپنے قویٰ کو ضائع کرتا اور ان کی بے حرمتی کرتا ہے بلکہ وہ گناہ کرتا ہے۔ (الحکم جلد ۸ نمبر ۷ مؤرخہ ۱۰؍مارچ ۱۹۰۴ء صفحہ ۷)

قرآن شریف میں جو بڑے بڑے وعدے متقیوں کے ساتھ ہیں وہ ایسے متقیوں کا ذکر ہے جنہوں نے تقویٰ کو وہاں تک نبھایا جہاں تک اُن کی طاقت تھی۔ بشریت کے قویٰ نے جہاں تک اُن کا ساتھ دیا برابر تقویٰ پر قائم رہے حتّٰی کہ اُن کی طاقتیں ہار گئیں اور پھر خدا سے انہوں نے اور طاقت طلب کی جیسے کہ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ سے ظاہر ہے۔ اِیَّاکَ نَعْبُدُ یعنی اپنی طاقت تک تو ہم نے کام کیا اور کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ یعنی آگے چلنے کے لئے اور نئی طاقت تجھ سے طلب کرتے ہیں۔

(الحکم جلد ۸ نمبر ۲۲ مؤرخہ ۱۰؍جولائی ۱۹۰۴ء صفحہ ۱۰)

انسان میں نیکی کا خیال ضرور ہے۔ پس اس خیال کے واسطے اس کو امدادِ الٰہی کی بہت ضرورت ہے۔ اِسی لئے پنج وقتہ نماز میں سورہ فاتحہ کے پڑھنے کا حکم دیا۔ اُس میں اِیَّاکَ نَعْبُدُ فرمایا۔ اور پھر اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ یعنی عبادت بھی تیری ہی کرتے ہیں اور مدد بھی تجھ ہی سے چاہتے ہیں۔ اس میں دو باتوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے یعنی ہر نیک کام میں قویٰ، تدابیر، جدوجہد سے کام لیں یہ اشارہ ہے نَعْبُدُ کی طرف۔ کیونکہ جو شخص نری دُعا کرتا ہے اور جدوجہد نہیں کرتا وہ بہریاب نہیں ہوتا جیسے کسان بیج بوکر اگر جدوجہد نہ کرے تو پھل کا امیدوار کیسے بن سکتا ہے؟ اور یہ سنّت اللہ ہے اگر بیج بوکر صرف دُعا کرتے ہیں تو ضرور محروم رہیں گے۔

(الحکم جلد ۸ نمبر ۳۸، ۳۹ مؤرخہ ۱۰ تا ۱۷؍نومبر ۱۹۰۴ء صفحہ ۶)

جو لوگ اپنی قوتِ بازو پر بھروسہ کرتے ہیں اور خدا تعالیٰ کو چھوڑتے ہیں ان کا انجام اچھا نہیں ہوتا۔ اس کے یہ معنے نہیں ہیں کہ ہاتھ پیر توڑ کر بیٹھ رہنے کا نام خدا پر بھروسہ ہے اسباب سے کام لینا اور خدا تعالیٰ کے عطا کردہ قویٰ کو کام میں لگانا یہ بھی خدا تعالیٰ کی قدر ہے جو لوگ ان قویٰ سے کام نہیں لیتے اور منہ سے کہتے ہیں کہ ہم خدا پر بھروسہ کرتے ہیں وہ بھی جھوٹے ہیں وہ خدا تعالیٰ کی قدر نہیں کرتے خدا تعالیٰ کو آزماتے ہیں۔ اور اس کی عطا کی ہوئی قوتوں اور طاقتوں کو لغو قرار دیتے ہیں اور اس طرح پر اس کے حضور شوخی اور گستاخی

کرتے ہیں۔ اِيَّاكَ نَعْبُدُ کے مفہوم سے دور جا پڑتے ہیں۔اس پر عمل نہیں کرتے اور اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کا ظہور چاہتے ہیں۔ یہ مناسب نہیں جہاں تک ممکن اور طاقت ہو رعایت اسباب کرے لیکن ان اسباب کو اپنا معبود اور مشکل کشا قرار نہ دے بلکہ کام لے کر پھر تفویض الی اللہ کرے اور اس بات پر سجدات شکر بجالائے کہ اسی خدا نے وہ قویٰ اور طاقتیں اس کو عطا فرمائی ہیں۔ (الحکم جلد ۹ نمبر ۱۳ مؤرخہ ۱۷/اپریل ۱۹۰۵ء صفحہ ۵)

اِيَّاكَ نَعْبُدُ کے یہی معنے ہیں کہ ہم تیری عبادت کرتے ہیں اُن ظاہری سامانوں اور اسباب کی رعایت سے جو تُو نے عطا کئے ہیں۔ دیکھو! یہ زبان جو عروق اور اعصاب سے خلق کی ہے اگر ایسی نہ ہوتی تو ہم بول نہ سکتے۔ایسی زبان دُعا کے واسطے عطا کی جو قلب کے خیالات تک کو ظاہر کر سکے اگر ہم دُعا کا کام زبان سے کبھی نہ لیں تو یہ ہماری شوربختی ہے۔ بہت سی بیماریاں ایسی ہیں کہ اگر وہ زبان کو لگ جاویں تو یک دفعہ ہی زبان اپنا کام چھوڑ بیٹھتی ہے یہاں تک کہ انسان گونگا ہو جاتا ہے پس یہ کیسی رحیمیت ہے کہ ہم کو زبان دے رکھی ہے۔ ایسا ہی کانوں کی بناوٹ میں فرق آ جاوے تو خاک بھی سنائی نہ دے۔ ایسا ہی قلب کا حال ہے وہ جو خشوع وخضوع کی حالت رکھی ہے۔ اور سوچنے اور تفکّر کی قوتیں رکھی ہیں۔ اگر بیماری آ جاوے تو وہ سب قریباً بیکار ہو جاتی ہیں۔ مجنونوں کو دیکھو کہ اُن کے قویٰ کیسے بیکار ہو جاتے ہیں تو پس کیا یہ ہم کو لازم نہیں کہ ان خداداد نعمتوں کی قدر کریں؟ اگر ان قویٰ کو جو اللہ تعالیٰ نے اپنے کمال فضل سے ہم کو عطا کئے ہیں بیکار چھوڑ دیں تو لاریب ہم کافر نعمت ہیں۔ پس یاد رکھو کہ اگر اپنی قوتوں اور طاقتوں کو معطّل چھوڑ کر دُعا کرتے ہیں تو یہ دُعا کچھ بھی فائدہ نہیں پہنچا سکتی کیونکہ جب ہم نے پہلے عطیّہ ہی سے کچھ کام نہیں لیا تو دوسرے کو کب اپنے لئے مفید اور کارآمد بنا سکیں گے؟ پس اِيَّاكَ نَعْبُدُ یہ بتلا رہا ہے کہ اے ربّ العالمین! تیرے پہلے عطیّہ کو بھی ہم نے بیکار اور برباد نہیں کیا۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ میں یہ ہدایت فرمائی ہے کہ انسان خدائے تعالیٰ سے سچی بصیرت مانگے کیونکہ اگر اس کا فضل اور کرم دستگیری نہ کرے تو عاجز انسان ایسی تاریکی اور اندھکار میں پھنسا ہوا ہے کہ وہ دُعا ہی نہیں کر سکتا۔ پس جب تک انسان خدا کے اُس فضل کو جو رحمانیت کے فیضان سے اُسے پہنچا ہے کام میں لاکر دُعا نہ مانگے کوئی نتیجہ بہتر نہیں نکال سکتا۔

میں نے عرصہ ہوا انگریزی قانون میں یہ دیکھا تھا کہ تقاوی کے لئے پہلے کچھ سامان دکھانا ضروری ہوتا ہے۔ اسی طرح سے قانونِ قدرت کی طرف دیکھو کہ جو کچھ ہم کو پہلے ملا ہے اُس سے کیا بنایا؟ اگر عقل و ہوش آنکھ کان رکھتے ہوئے نہیں بہکے ہو اور حمق اور دیوانگی کی طرف نہیں گئے تو دُعا کرو۔ اور بھی فیض الٰہی ملے گا ورنہ محرومی اور بدقسمتی کے لچھّن ہیں۔

بسا اوقات ہمارے دوستوں کو عیسائیوں سے واسطہ پڑے گا۔ وہ دیکھیں گے کہ کوئی بھی بات نادانوں میں ایسی نہیں جو حکیم خدا کی طرف منسوب ہو سکے۔ حکمت کے معنے کیا ہیں؟ وَضْعُ الشَّيْءِ فِيْ مَحَلِّهٖ۔ مگر ان میں دیکھو گے کہ کوئی فعل اور حکم بھی اس کا مصداق نظر نہیں آتا۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ پر جب ہم پُرغور نظر کرتے ہیں تو اشارۃ النّص کے طور پر پتہ لگتا ہے کہ بظاہر تو اس سے دُعا کرنے کا حکم معلوم ہوتا ہے کہ صراط المستقیم کی ہدایت مانگنے کی تعلیم ہے۔ لیکن اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ اُس کے سر پر بتلا رہا ہے کہ اُس سے فائدہ اُٹھاویں۔ یعنی راہ راست کے منازل کے لئے قوائے سلیم سے کام لے کر استعانتِ الٰہی کو مانگنا چاہئے۔ (رپورٹ جلسہ سالانہ ۱۸۹۷ء صفحہ ۱۵۰، ۱۵۱)

جب انسان اِيَّاكَ نَعْبُدُ کہہ کر صدق اور وفاداری کے ساتھ قدم اُٹھاتا ہے تو خدا تعالیٰ ایک بڑی نہر صدق کی کھول دیتا ہے جو اس کے قلب پر آ کر گرتی ہے اور اسے صدق سے بھر دیتی ہے وہ اپنی طرف سے بضاعۃ مزجاۃ لاتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ اعلیٰ درجہ کی گراں قدر جنس اس کو عطا کرتا ہے۔ اس سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ اس مقام میں انسان یہاں تک قدم مارے کہ وہ صدق اس کے لئے ایک خارقِ عادت نشان ہو۔ اس پر اس قدر معارف اور حقائق کا دریا کھلتا ہے اور ایسی قوت دی جاتی ہے کہ ہر شخص کی طاقت نہیں ہے کہ اس کا مقابلہ کرے۔ (الحکم جلد ۹ نمبر ۱۷ مؤرخہ ۱۷ رمئی ۱۹۰۵ء صفحہ ۲)

صدیق کے کمال کے حصول کا فلسفہ یہ ہے کہ جب وہ اپنی کمزوری اور ناداری کو دیکھ کر اپنی طاقت اور حیثیت کے موافق اِيَّاكَ نَعْبُدُ کہتا ہے اور صدق اختیار کرتا اور جھوٹ کو ترک کر دیتا ہے اور ہر قسم کے رجس اور پلیدی سے جو جھوٹ کے ساتھ وابستہ ہوتی ہے دور بھاگتا ہے اور عہد کر لیتا ہے کہ کبھی جھوٹ نہ بولوں گا نہ جھوٹی گواہی دوں گا۔ اور جذبہ نفسانی کے رنگ میں کوئی جھوٹی کلام نہ کروں گا۔ نہ لغو طور پر نہ کسب خیر کے لئے نہ دفع شر کے لئے یعنی کسی رنگ اور حالت میں بھی جھوٹ کو اختیار نہیں کروں گا۔ جب اس حد تک وعدہ کرتا ہے تو گویا اِيَّاكَ نَعْبُدُ پر وہ ایک خاص عمل کرتا ہے اور وہ عمل اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے اِيَّاكَ نَعْبُدُ سے آگے اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ہے۔ خواہ یہ اس کے منہ سے نکلے یا نہ نکلے لیکن اللہ تعالیٰ جو مبدء الفیوض اور صدق اور راستی کا چشمہ ہے اس کو ضرور مدد دے گا اور صداقت کے اعلیٰ اصول اور حقائق اس پر کھول دے گا۔
(الحکم جلد ۹ نمبر ۱۳ مؤرخہ ۱۷ راپریل ۱۹۰۵ء صفحہ ۵)

جاننا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے قرآن شریف نے دو نام پیش کئے ہیں اَلْحَیُّ اور اَلْقَیُّوْم۔ اَلْحَیُّ کے معنے ہیں خود زندہ اور دوسروں کو زندگی عطا کرنے والا۔ اَلْقَیُّوْم خود قائم اور دوسروں کے قیام کا اصلی باعث۔ ہر ایک چیز

کا ظاہری باطنی قیام اور زندگی انہیں دونوں صفات کے طفیل سے ہے پس حیّ کا لفظ چاہتا ہے کہ اس کی عبادت کی جائے جیسا کہ اس کا مظہر سورۃ فاتحہ میں اِیَّاكَ نَعْبُدُ ہے اور اَلْقَيُّوْم چاہتا ہے کہ اس سے سہارا طلب کیا جاوے اس کو اِیَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کے لفظ سے ادا کیا گیا ہے۔ (الحکم جلد ۶ نمبر ۱۰ مؤرخہ ۱۷/مارچ ۱۹۰۲ء صفحہ ۵)

اِیَّاكَ نَعْبُدُ سے صاف پایا جاتا ہے کہ کچھ نہیں چاہتے تیری عبادت کرتے ہیں اور اِیَّاكَ نَسْتَعِيْنُ سے دُعا کرتے ہیں گویا اِیَّاكَ نَعْبُدُ اور اِیَّاكَ نَسْتَعِيْنُ میں ادْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ (المؤمن:۶۱) اور لَنَبْلُوَنَّكُمْ (البقرۃ:۱۵۶) کو ملایا ہے نَعْبُدُ تو یہی ہے کہ بھلائی بُرائی کا خیال نہ رہے سلب اُمید و امانی ہو۔ اور اِیَّاكَ نَسْتَعِيْنُ میں دُعا کی تعلیم ہے۔ (الحکم جلد ۶ نمبر ۳۶ مؤرخہ ۱۰/اکتوبر ۱۹۰۲ء صفحہ ۱۴)

اِیَّاكَ نَعْبُدُ میں جہاں الربّ، الرحمٰن، الرحیم، مالک یوم الدین کے حسن و احسان کی طرف سے تحریک ہوتی ہے وہاں انسان کی عاجزی اور بے کسی بھی ساتھ ہی محرک ہوتی ہے اور وہ اِیَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کہہ اُٹھتا ہے۔ (الحکم جلد ۶ نمبر ۳۶ مؤرخہ ۲۶/جولائی ۱۹۰۸ء صفحہ ۳)

اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاكَ نَسْتَعِيْنُ میں تقویٰ ہی کی تعلیم ہے اس سے بڑھ کر کون متقی ہوسکتا ہے جو عبادت کر کے پھر استعانت چاہتا ہے۔ (الحکم جلد ۶ نمبر ۴۴ مؤرخہ ۱۰/دسمبر ۱۹۰۲ء صفحہ ۷)

بعض لوگ کہتے ہیں کہ نماز میں لذّت نہیں آتی مگر مَیں بتلاتا ہوں کہ بار بار پڑھے اور کثرت کے ساتھ پڑھے تقویٰ کے ابتدائی درجہ میں قبض شروع ہو جاتی ہے اس وقت یہ کرنا چاہئے کہ خدا کے پاس اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کا تکرار کیا جائے۔ شیطان کشفی حالت میں چور یا قزاق دکھایا جاتا ہے اس کا استغاثہ جنابِ الٰہی میں کرے کہ یہ قزاق لگا ہوا ہے۔ تیرے ہی دامن کو پنجہ مارتے ہیں جو اس استغاثہ میں لگ جاتے ہیں اور تھکتے ہی نہیں وہ ایک قوت اور طاقت پاتے ہیں جس سے شیطان ہلاک ہو جاتا ہے۔ مگر اس قوت کے حصول اور استغاثہ کے پیش کرنے کے واسطے ایک صدق اور سوز کی ضرورت ہے۔ اور یہ چور کے تصوّر سے پیدا ہوگا جو ساتھ لگا ہوا ہے وہ گویا ننگا کرنا چاہتا ہے اور آدم والا ابتلاء لانا چاہتا ہے۔ اس تصوّر سے روح چلّا کر بول اُٹھے گی۔ اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاكَ نَسْتَعِيْنُ۔ (الحکم جلد ۵ نمبر ۶ مؤرخہ ۱۷/فروری ۱۹۰۱ء صفحہ ۲)

نمازوں میں اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کا تکرار بہت کرو۔ اِیَّاكَ نَسْتَعِيْنُ خدا کے فضل اور گم شدہ متاع کو واپس لاتا ہے۔ (الحکم جلد ۶ نمبر ۴۰ مؤرخہ ۱۰/نومبر ۱۹۰۲ء صفحہ ۱۲)

فقرہ اِیَّاكَ نَعْبُدُ تمام باطل معبودوں کی تردید کرتا ہے اور مشرکین کا ردّ اِس میں موجود ہے۔ کیونکہ پہلے اللہ تعالیٰ کی صفات کاملہ کو بیان فرمایا ہے اُس سے مخاطب کر کے کہا گیا ہے کہ اِیَّاكَ نَعْبُدُ یعنی صفاتِ کاملہ

والے خدا جو ربّ العالمین رحمٰن رحیم مالک یوم الدین ہے تیری ہی عبادت ہم کرتے ہیں۔ یہ ہر چہار صفات جواُمُّ الصِّفات کہلاتی ہیں معبودانِ باطلہ میں کہاں پائی جاتی ہیں جو لوگ پتھروں یا درختوں یا حیوانات اور اَور چیزوں کی پرستش کرتے ہیں ان میں ان صفات کو ثابت نہیں کر سکتے۔ اور اسی طرح اِیَّاكَ نَسْتَعِيْنُ میں ان لوگوں کا ردّ ہے جو دُعا اور اُس کی قبولیّت کے منکر ہیں۔ (الحکم جلد ۷ نمبر ۱۹ مؤرخہ ۲۴ رمئی ۱۹۰۳ء صفحہ ۱، ۲)

انسان کو چاہئے کہ ہر وقت اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کی دُعا پر کاربند رہے اور اُسی سے توفیق طلب کرے۔ ایسا کرنے سے انسان خدا کی تجلّیات کا مظہر بھی بن سکتا ہے۔ چاند جب آفتاب کے مقابل میں ہوتا ہے تو اُسے نور ملتا ہے مگر جُوں جُوں اُس سے کنارہ کشی کرتا ہے تُوں تُوں اندھیرا ہوتا جاتا ہے۔ یہی حال ہے انسان کا جب تک اُس کے دروازہ پر گرا رہے اور اپنے آپ کو اُس کا محتاج خیال کرتا رہے تب تک اللہ تعالیٰ اُسے اُٹھاتا اور نوازتا ہے ورنہ جب وہ اپنی قوتِ بازو پر بھروسا کرتا ہے تو وہ ذلیل کیا جاتا ہے كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ (التوبۃ: ۱۱۹) بھی اسی واسطے فرمایا گیا ہے۔ (الحکم جلد ۷ نمبر ۹ مؤرخہ ۱۰ رمارچ ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۳)

توحید تین قسم کی ہے ایک توحید علمی کہ جو تصحیح عقائد سے حاصل ہوتی ہے۔ دوسری توحید عملی کہ جو قویٰ اخلاقی کو خدا کے راستہ میں کرنے سے یعنی فنا فی اخلاق اللہ سے حاصل ہوتی ہے۔ تیسری توحید حالی جو اپنے ہی نفس کا حال اچھا بنانے سے حاصل ہوتی ہے یعنی نفس کو کمال تزکیہ کے مرتبہ تک پہنچانا اور غیر اللہ سے صحنِ قلب کو بالکل خالی کرنا۔ اور نابود اور بے نمود ہو جانا یہ توحید بوجہ کامل تب میسّر آتی ہے کہ جب جذبہ الٰہی انسان کو پکڑے اور بالکل اپنے نفس سے نابود کر دے اور بجز فضلِ الٰہی کے نہ یہ علم سے حاصل ہو سکتی ہے اور نہ عمل سے۔ اسی کے لئے عابدین مخلصین کی زبان پر نعرہ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ہے۔ (الحکم جلد ۹ نمبر ۳۳ مؤرخہ ۲۴ رستمبر ۱۹۰۵ء صفحہ ۴)

استغفار کے یہ معنے ہیں کہ انسانی قویٰ جو کرتوت کر رہے ہیں ان کا افراط وتفریط یعنی بے محل استعمال نافرمانی ہوتا ہے تو خدا کا لطف وکرم مانگنا کہ تُو رحم کر اور ان کے استعمال کی افراط وتفریط سے محفوظ رکھ یعنی اللہ تعالیٰ سے امداد طلب کرنی ہے۔ مسیح بھی خدا تعالیٰ کی مدد کے محتاج تھے۔ اگر کوئی اس طرح نہیں سمجھتا تو وہ مسلمان نہیں۔ بڑا فنا فی اللہ وہ ہے جو کہ ہر آن خدا کی امداد چاہتا ہے جیسے اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ۔

(البدر جلد ۱ نمبر ۲ مؤرخہ ۷ رنومبر ۱۹۰۲ء صفحہ ۱۳)

انسانی حکومتوں کے احکام گناہوں سے نہیں بچا سکتے۔ حکّام ساتھ ساتھ تو نہیں پھرتے کہ ان کو خوف رہے۔ انسان اپنے آپ کو اکیلا خیال کر کے گناہ کرتا ہے ورنہ وہ کبھی نہ کرے۔ اور جب وہ اپنے آپ کو اکیلا

سمجھتا ہے اس وقت وہ دہریہ ہوتا ہے اور یہ خیال نہیں کرتا کہ میرا خدا میرے ساتھ ہے۔ وہ مجھے دیکھتا ہے۔ ورنہ اگر وہ یہ سمجھتا تو کبھی گناہ نہ کرتا۔ تقویٰ سے سب شئے ہے۔ قرآن نے ابتدا اسی سے کی ہے۔ اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ سے مراد بھی تقویٰ ہے کہ انسان اگر چہ عمل کرتا ہے مگر خوف سے جرأت نہیں کرتا کہ اسے اپنی طرف منسوب کرے اور اسے خدا کی استعانت سے خیال کرتا ہے اور پھر اسی سے آئندہ کے لئے استعانت طلب کرتا ہے۔ (البدر جلد ۱ نمبر ۷ مؤرخہ ۱۳ ر دسمبر ۱۹۰۲ء صفحہ ۵۱)

ان آنکھوں سے وہ نظر نہیں آتا بلکہ دعا کی آنکھوں سے نظر آتا ہے کیونکہ اگر دعا کے قبول کرنے والے کا پتہ نہ لگے تو جیسے لکڑی کو گھن لگ کر وہ نکمّی ہو جاتی ہے ویسے ہی انسان پکار پکار کر تھک کر آخر دہریہ ہو جاتا ہے ایسی دعا چاہیئے کہ اس کے ذریعہ ثابت ہو جاوے کہ اس کی ہستی برحق ہے جب اس کو یہ پتہ لگ جاوے گا تو اس وقت وہ اصل میں صاف ہو گا۔ یہ بات اگر چہ بہت مشکل نظر آتی ہے لیکن اصل میں مشکل بھی نہیں ہے بشرطیکہ تدبیر اور دُعا دونوں سے کام لیوے جیسے اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ کے معنوں میں (ابھی تھوڑے دن ہوئے) بتلایا گیا ہے نماز پوری پڑھو۔ صدقہ اور خیرات دو تو پوری نیت سے دو کہ خدا راضی ہو جاوے اور توفیق طلب کرتے رہو کہ ریا کاری عُجب وغیرہ زہریلے اثر جس سے ثواب اور اجر باطل ہوتا ہے دور ہو جاویں اور دل اخلاص سے بھر جاوے۔ خدا پر بدظنی نہ کرو وہ تمہارے لیے ان کاموں کو آسان کر سکتا ہے وہ رحیم کریم ہے۔ با کریماں کارہا دشوار نیست۔ اگر پیچھے لگے رہو گے تو اسے رحم آ ہی جائے گا۔

(البدر جلد ۳ نمبر ۱۱ مؤرخہ ۱۶ ر مارچ ۱۹۰۴ء صفحہ ۸)

قرآن شریف میں جو بڑے بڑے وعدے متقیوں کے ساتھ ہیں وہ ایسے متقیوں کا ذکر ہے جنہوں نے تقویٰ کو وہاں تک نبھایا جہاں تک ان کی طاقت تھی۔ بشریت کے قویٰ نے جہاں تک ان کا ساتھ دیا برابر تقویٰ پر قائم رہے حتی کہ ان کی طاقتیں ہار گئیں اور پھر خدا تعالیٰ سے انہوں نے اور طاقت طلب کی جیسے کہ اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ سے ظاہر ہے اِیَّاکَ نَعۡبُدُ یعنی اپنی طاقت تک تو ہم نے کام کیا اور کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ یعنی آگے چلنے کے لئے اور نئی طاقت تجھ سے طلب کرتے ہیں جیسے کہ حافظ نے کہا ہے۔

ما بداں منزل عالی نتوانیم رسید ہاں اگر لطف شما پیش نہد گامے چند

(البدر جلد ۳ نمبر ۲۲، ۲۳ مؤرخہ ۸ تا ۱۶ ر جون ۱۹۰۴ء صفحہ ۲)

اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ ۝۶ صِرَاطَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ غَيۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَيۡهِمۡ وَلَا الضَّآلِّيۡنَ ۝۷

أَمَّا الْهِدَايَةُ الَّتِيْ قَدْ أُمِرْنَا لِطَلَبِهَا فِي الْفَاتِحَةِ فَهُوَ اقْتِدَاءُ مَحَامِدِ ذَاتِ اللّٰهِ وَ صِفَاتِهِ الْأَرْبَعَةِ وَإِلٰى هٰذَا يُشِيْرُ اللَّامُ الَّذِي مَوْجُوْدٌ فِيْ ''اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ'' وَ يَعْرِفُهُ مَنْ أَعْطَاهُ اللّٰهُ الْفَهْمَ السَّلِيْمَ. وَلَا شَكَّ أَنَّ هٰذِهِ الصِّفَاتِ أُمَّهَاتُ الصِّفَاتِ وَ هِيَ كَافِيَةٌ لِّتَطْهِيْرِ النَّاسِ مِنَ الْهَنَاتِ وَ أَنْوَاعِ السَّيِّئَاتِ فَلَا يُؤْمِنُ بِهَا عَبْدٌ إِلَّا بَعْدَ أَنْ يَّأْخُذَ مِنْ كُلِّ صِفَةٍ حَظَّهُ وَ يَتَخَلَّقَ بِأَخْلَاقِ رَبِّ الْكَائِنَاتِ. فَمَنِ اسْتَفَاضَ مِنْهَا فَيُفْتَحُ عَلَيْهِ بَابٌ عَظِيْمٌ مِّنْ مَّعْرِفَةِ الرَّبِّ الْمَحْبُوْبِ وَتَتَجَلّٰى لَهُ عَظَمَتُهُ فَتَحْصُلُ الْاَمَانَةُ وَالتَّنَفُّرُ مِنَ الذُّنُوْبِ وَالسَّكِيْنَةُ وَالْإِخْبَاتُ وَ الْاِمْتِثَالُ الْحَقِيْقِيُّ وَالْخَشْيَةُ وَالْأُنْسُ وَالذَّوْقُ وَالشَّوْقُ وَ الْمَوَاجِيْدُ الصَّحِيْحَةُ وَالْمَحَبَّةُ الذَّاتِيَّةُ الْمُفْنِيَةُ الْمُحْرِقَةُ بِإِذْنِ اللّٰهِ مُرَبِّي السَّالِكِيْنَ.

(کرامات الصادقین، روحانی خزائن جلد ۷ صفحہ ۱۴۵)

جس ہدایت کے طلب کرنے کا ہمیں سورۃ فاتحہ میں حکم دیا گیا ہے وہ ذاتِ باری کی خوبیوں اور اس کی چاروں (مذکورہ) صفات کی پیروی کرنا ہے اور اسی کی طرف وہ الف لام اشارہ کر رہا ہے جو اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ میں موجود ہے۔ اِس بات کو وہ شخص سمجھ سکتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے عقلِ سلیم عطا فرمائی ہو اور کچھ شک نہیں کہ یہ چاروں صفات (باقی تمام) صفات کے لئے بطور اصل کے ہیں اور یہ لوگوں کو قابلِ نفرت باتوں اور قسما قسم کی بُرائیوں سے پاک کرنے کے لئے کافی ہیں۔ پس کوئی بندہ اُس وقت تک ان پر ایمان نہیں لاتا جب تک کہ وہ ان میں سے ہر صفت سے اپنا حِصّہ نہ لے لے اور پروردگارِ عالم کے اخلاق کو اختیار نہ کر لے۔ پس جو کوئی بھی ان سے فائدہ اُٹھاتا ہے اُس پر محبوب ربّ کی معرفت کا ایک عظیم دروازہ کھولا جاتا ہے اور اس (ربّ) کی عظمت اس کے لئے جلوہ گر ہو جاتی ہے۔ پس (اسے) اللہ تعالیٰ کے اِذن سے جو سالکین کی تربیت کرنے والا ہے رجوع الی اللہ، گناہوں سے نفرت، سکینت، تواضع، حقیقی اطاعت، خشیت، اُنس، ذوق وشوق۔ صحیح وجدانی کیفیات اور فنا (فی اللہ) کرنے والی اور (گناہوں کو) بھسم کر ڈالنے والی ذاتی محبت حاصل ہو جاتی ہے۔

(ترجمہ از مرتب)

وَ كَذٰلِكَ عَلَّمَ اللّٰهُ عِبَادَهُ دُعَاءَ

اور اِسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اِهۡدِنَا

''اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ صِرَاطَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ ۙ۬ غَيۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَيۡهِمۡ وَ لَا الضَّآلِّيۡنَ'' وَ مَعۡلُوۡمٌ أَنَّ مِنۡ أَنۡوَاعِ الۡهِدَايَةِ كَشۡفٌ وَّ إِلۡهَامٌ وَّرُؤۡيَا صَالِحَةٌ وَّ مُكَالَمَاتٌ وَّمُخَاطَبَاتٌ وَّتَحۡدِيۡثٌ لِّيَنۡكَشِفَ بِهَا غَوَامِضُ الۡقُرۡاٰنِ وَيَزۡدَادَ الۡيَقِيۡنُ، بَلۡ لَّا مَعۡنٰى لِلۡإِنۡعَامِ مِنۡ غَيۡرِ هٰذِهِ الۡفُيُوۡضِ السَّمَاوِيَّةِ، فَإِنَّهَا أَصۡلُ الۡمَقَاصِدِ لِلسَّالِكِيۡنَ الَّذِيۡنَ يُرِيۡدُوۡنَ أَنۡ تَنۡكَشِفَ عَلَيۡهِمۡ دَقَآئِقُ الۡمَعۡرِفَةِ، وَيَعۡرِفُوۡا رَبَّهُمۡ فِيۡ هٰذِهِ الدُّنۡيَا، وَيَزۡدَادُوۡا حُبًّا وَّ إِيۡمَانًا، وَّيَصِلُوۡا مَحۡبُوۡبَهُمۡ مُّتَبَتِّلِيۡنَ. فَلِأَجۡلِ ذٰلِكَ حَثَّ اللّٰهُ عِبَادَهٗ عَلٰى أَنۡ يَّطۡلُبُوۡا هٰذَا الۡإِنۡعَامَ مِنۡ حَضۡرَتِهٖ ، فَإِنَّهٗ كَانَ عَلِيۡمًا بِمَا فِيۡ قُلُوۡبِهِمۡ مِنۡ عَطَشِ الۡوِصَالِ وَ الۡيَقِيۡنِ وَ الۡمَعۡرِفَةِ، فَرَحِمَهُمۡ وَأَعَدَّ كُلَّ مَعۡرِفَةٍ لِّلطَّالِبِيۡنَ، ثُمَّ أَمَرَهُمۡ لِيَطۡلُبُوۡهَا فِي الصَّبَاحِ وَالۡمَسَآءِ وَاللَّيۡلِ وَالنَّهَارِ، وَمَا أَمَرَهُمۡ إِلَّا بَعۡدَمَا رَضِيَ بِإِعۡطَاءِ هٰذِهِ النَّعۡمَآءِ، بَلۡ بَعۡدَمَا قَدَّرَ لَهُمۡ أَنۡ يُّرۡزَقُوۡا مِنۡهَا، وَ بَعۡدَمَا جَعَلَهُمۡ وُرَثَآءَ الۡأَنۡبِيَآءِ الَّذِيۡنَ

الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ۔ صِرَاطَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ غَيۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَيۡهِمۡ وَ لَا الضَّآلِّيۡنَ۔ کی دُعا سکھائی ہے۔ اور یہ بات واضح ہے کہ ہدایت کی اقسام میں کشف، الہام، رویائے صالحہ، مکالمات و مخاطبات اور محدّثیت شامل ہیں تا کہ ان کے ذریعہ قرآن کریم کے اسرار کھلیں اور یقین بڑھے۔ ان آسمانی فیوض کے سوا انعام کے اَور کوئی معنے نہیں۔ کیونکہ یہ چیزیں اُن سالکوں کا اصل مقصد ہیں جو چاہتے ہیں کہ اُن پر معرفتِ الٰہی کے دقائق کھلیں اور وہ اپنے ربّ کو اِسی دنیا میں پہچان لیں۔ محبت اور ایمان میں ترقی کریں اور دنیا سے منہ موڑ کر اپنے محبوب کا وصال حاصل کر لیں۔ اِسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اس بات کی ترغیب دلائی ہے کہ وہ اس کی بارگاہ سے یہ انعام طلب کیا کریں کیونکہ وہ (اللہ) ان کے دلوں میں وصال اور یقین اور معرفت کے حصول کی جو پیاس ہے اُسے خوب جانتا ہے پس اُس نے ان پر رحم کیا اور اپنے طالبوں کے لئے ہر قسم کی معرفت تیار کی۔ پھر ان (طالبوں) کو حکم دیا کہ وہ صبح و شام اور رات اور دن معرفت طلب کرتے رہیں اور اُس نے اُنہیں یہ حکم تبھی دیا جب وہ خود ان نعمتوں کے عطا کرنے پر راضی تھا۔ بلکہ اس بات کا فیصلہ کر لیا تھا کہ انہیں ان (نعمتوں) میں سے (کچھ حِصّہ ضرور) دیا جائے گا اور انہیں ان نبیوں کا وارث بنانا مقدّر کیا جنہیں ان سے پہلے براہِ راست ہدایت کی ہر نعمت دی گئی تھی۔ پس دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر کتنا احسان کیا ہے اور ہمیں اُمّ الکتاب (یعنی سورۃ فاتحہ) میں حکم دیا ہے کہ ہم اس سورۃ میں انبیاء کی تمام

أُوْتُوْا مِنْ قَبْلِهِمْ كُلَّ نِعْمَةِ الْهِدَايَةِ عَلَى طَرِيْقِ الْإِصَالَةِ. فَانْظُرْ كَيْفَ مَنَّ اللهُ عَلَيْنَا. وَ أَمَرَنَا فِي أُمِّ الْكِتَابِ لِنَطْلُبَ فِيْهِ هِدَايَاتِ الْأَنْبِيَاءِ كُلَّهَا. لِيَكْشِفَ عَلَيْنَا كُلَّ مَا كَشَفَ عَلَيْهِمْ، وَ لٰكِنْ بِالْإِتِّبَاعِ وَ الظِّلِّيَّةِ، وَ عَلَى قَدَرِ ظُرُوْفِ الْإِسْتِعْدَادَاتِ وَ الْهِمَمِ. فَكَيْفَ نَرُدُّ نِعْمَةَ اللهِ الَّتِي أُعِدَّتْ لَنَا إِنْ كُنَّا طُلَبَاءَ الْهِدَايَةِ وَ كَيْفَ نُنْكِرُهَا بَعْدَمَا أُخْبِرْنَا عَنْ أَصْدَقِ الصَّادِقِيْنَ.

(حمامۃ البشریٰ، روحانی خزائن جلد ۷ صفحہ ۲۹۹)

ہدایتیں طلب کریں تا کہ ہم پر بھی وہ تمام امور منکشف کر دے جو ان (نبیوں) پر منکشف کئے تھے۔ لیکن یہ سب کچھ متابعت اور ظلّیت کے طور پر اور استعدادوں اور ہمتوں کے اندازہ کے مطابق ہے۔ پس اگر ہم (سچ مچ) ہدایت کے خواہشمند ہیں تو پھر ہم کس طرح اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو ردّ کریں جو ہمارے لئے تیار کی گئی ہے اور ہم اللہ اَصْدَقُ الصَّادِقِيْنَ (خدا) کی طرف سے اطلاع دیئے جانے کے بعد کس طرح اس نعمت کا انکار کریں۔

(ترجمہ از مرتب)

اِنَّ تَعْلِيْمَ كِتَابِ اللهِ الْأَحْكَمِ وَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ مُنْقَسِمًا عَلَى ثَلَاثَةِ أَقْسَامٍ. اَلْأَوَّلُ أَنْ يَّجْعَلَ الْوُحُوْشَ أُنَاسًا، وَّ يُعَلِّمَهُمْ اٰدَابَ الْإِنْسَانِيَّةِ وَيَهَبَ لَهُمْ مَدَارِكَ وَحَوَاسًّا. وَالثَّانِيْ أَنْ يَّجْعَلَهُمْ بَعْدَ الْإِنْسَانِيَّةِ أَكْمَلَ النَّاسِ فِيْ مَحَاسِنِ الْأَخْلَاقِ. وَالثَّالِثُ أَنْ يَّرْفَعَهُمْ مِّنْ مَّقَامِ الْأَخْلَاقِ إِلَى ذُرَى مَرْتَبَةِ حُبِّ الْخَلَّاقِ، وَيُوْصِلَ إِلَى مَنْزِلِ الْقُرْبِ وَالرِّضَاءِ وَالْمَعِيَّةِ وَالْفَنَاءِ وَالذَّوَبَانِ وَالْمَحْوِيَّةِ، أَعْنِيْ إِلَى مَقَامٍ يَّنْعَدِمُ فِيْهِ أَثَرُ الْوُجُوْدِ وَ الْإِخْتِيَارِ، وَ يَبْقَى اللهُ وَحْدَهٗ كَمَا هُوَ يَبْقَى بَعْدَ فَنَاءِ هٰذَا الْعَالَمِ بِذَاتِهِ الْقَهَّارِ.

قرآن شریف کی تعلیم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت تین قسم پر منقسم تھی۔ پہلی یہ کہ وحشیوں کو انسان بنایا جائے اور انسانی آداب اور حواس اُن کو عطا کئے جائیں اور دوسری یہ کہ انسانیت سے ترقی دے کر اخلاقِ کاملہ کے درجے تک اُن کو پہنچایا جائے اور تیسری یہ کہ اخلاق کے مقام سے اُن کو اُٹھا کر محبت الٰہی کے مرتبہ تک پہنچایا جائے اور یہ کہ قرب اور رضا اور معیت اور فنا (اور گدازش) اور محویت کے مقام اُن کو عطا ہوں یعنی وہ مقام جس میں وجود اور اختیار کا نشان باقی نہیں رہتا اور خدا اکیلا باقی رہ جاتا ہے جیسا کہ وہ اس عالم کے فنا کے بعد اپنی ذات قہار کے ساتھ باقی رہے گا۔

فَهٰذِهٖ اٰخِرُ الْمَقَامَاتِ لِلسَّالِكِيْنَ وَ السَّالِكَاتِ، وَ إِلَيْهِ تَنْتَهِيْ مَطَايَا الرِّيَاضَاتِ، وَ فِيْهِ يَخْتَتِمُ سُلُوْكُ الْوَلَايَاتِ. وَهُوَ الْمُرَادُ مِنَ الْاِسْتِقَامَةِ فِيْ دُعَآءِ سُوْرَةِ الْفَاتِحَةِ، وَكُلَّ مَا يَتَضَرَّمُ مِنْ أَهْوَآءِ النَّفْسِ الْأَمَّارَةِ فَتَذُوْبُ فِيْ هٰذَا الْمَقَامِ بِحُكْمِ اللّٰهِ ذِي الْجَبَرُوْتِ وَالْعِزَّةِ، فَتُفْتَحُ الْبَلْدَةُ كُلُّهَا وَلَا تَبْقَى الضَّوْضَاةُ لِعَآمَّةِ الْأَهْوَآءِ. وَيُقَالُ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ. لِلّٰهِ ذِي الْمَجْدِ وَالْكِبْرِيَآءِ.

(نجم الھدیٰ، روحانی خزائن جلد ۱۴ صفحہ ۳۴ تا ۳۶)

پس یہ سالکوں کے لئے کیا مرد اور کیا عورت آخری مقام ہے اور ریاضتوں کے تمام مَرکب اِسی پر جا کر ٹھہر جاتے ہیں اور اِسی میں اولیاء کے ولایتوں کے سلوک ختم ہوتے ہیں۔ اور وہ استقامت جس کا ذکر سورۃ فاتحہ کی دعا میں ہے اس سے مراد یہی مرتبہ سلوک ہے۔ اور نفسِ امّارہ کی جس قدر ہوا و ہوس بھڑکتی ہے وہ اسی مقام میں خدائے ذوالجبروت والعزّت کے حکم سے گداز ہوتی ہے۔ پس تمام شہر فتح ہو جاتا ہے اور ہوا و ہوس کے عوام کا شور باقی نہیں رہتا اور کہا جاتا ہے کہ آج کس کا ملک ہے اور یہ جواب ہوتا ہے کہ خدائے ذوالمجد والکبریا کا۔

(ترجمہ اصل کتاب سے)

خدا تعالیٰ کی طرف سے ہدایت کی راہ یا یوں کہو کہ ہدایت کے اسباب اور وسائل تین ہیں۔ یعنی ایک یہ کہ کوئی گم گشتہ محض خدا کی کتاب کے ذریعہ سے ہدایت یاب ہو جائے اور دوسرے یہ کہ اگر خدا تعالیٰ کی کتاب سے اچھی طرح سمجھ نہ سکے تو عقلی شہادتوں کی روشنی اس کو راہ دکھلاوے۔ اور تیسرے یہ کہ اگر عقلی شہادتوں سے بھی مطمئن نہ ہو سکے تو آسمانی نشان اس کو اطمینان بخشیں۔ یہ تین طریق ہیں جو بندوں کے مطمئن کرنے کے لئے قدیم سے عادۃ اللہ میں داخل ہیں یعنی ایک سلسلہ کتب ایمانیہ جو سماع اور نقل کے رنگ میں عام لوگوں تک پہنچتا ہے جن کی خبروں اور ہدایتوں پر ایمان لانا ہر ایک مومن کا فرض ہے اور ان کا مخزن اتم اور اکمل قرآن شریف ہے۔ دوسرا سلسلہ معقولات کا جس کا منبع اور ماخذ دلائل عقلیہ ہیں۔ تیسرا سلسلہ آسمانی نشانوں کا جس کا سرچشمہ نبیوں کے بعد ہمیشہ امام الزّمان اور مجدّد الوقت ہوتا ہے۔ اصل وارث ان نشانوں کے انبیاء علیہم السلام ہیں۔ پھر جب ان کے معجزات اور نشان مدتِ مدید کے بعد منقول کے رنگ میں ہو کر ضعیف التاثیر ہو جاتے ہیں تو خدا تعالیٰ ان کے قدم پر کسی اور کو پیدا کرتا ہے تا پیچھے آنے والوں کے لئے نبوت کے عجائب کرشمے بطور منقول ہو کر مُردہ اور بے اثر نہ ہو جائیں۔ بلکہ وہ لوگ بھی بذاتِ خود نشانوں کو دیکھ کر اپنے ایمانوں کو تازہ کریں۔

(کتاب البریّہ، روحانی خزائن جلد ۱۳ صفحہ ۴۹)

وَ فِيْ هٰذِهِ السُّوْرَةِ يُعَلِّمُ اللهُ تَعَالٰى عِبَادَهُ الْمُسْلِمِيْنَ فَكَأَنَّهٗ يَقُوْلُ يَا عِبَادِ إِنَّكُمْ رَأَيْتُمُ الْيَهُوْدَ وَ النَّصَارٰى فَاجْتَنِبُوْا شِبْهَ أَعْمَالِهِمْ وَ اعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ الدُّعَآءِ وَ الْاِسْتِعَانَةِ وَلَا تَنْسَوْا نَعْمَآءَ اللهِ كَالْيَهُوْدِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبُهٗ وَلَا تَتْرُكُوا الْعُلُوْمَ الصَّادِقَةَ وَ الدُّعَآءَ وَ لَا تَهِنُوْا مِنْ طَلَبِ الْهِدَايَةِ كَالنَّصَارٰى فَتَكُوْنُوْا مِنَ الضَّآلِّيْنَ. وَحَثَّ عَلٰى طَلَبِ الْهِدَايَةِ إِشَارَةً إِلٰى أَنَّ الثَّبَاتَ عَلَى الْهِدَايَةِ لَا يَكُوْنُ إِلَّا بِدَوَامِ الدُّعَآءِ وَ التَّضَرُّعِ فِيْ حَضْرَةِ اللهِ. وَمَعَ ذٰلِكَ إِشَارَةٌ إِلٰى أَنَّ الْهِدَايَةَ أَمْرٌ مِّنْ لَّدَيْهِ وَ الْعَبْدُ لَا يَهْتَدِيْ أَبَدًا مِّنْ غَيْرِ أَنْ يَّهْدِيَهُ اللهُ وَيُدْخِلَهٗ فِي الْمَهْدِيِّيْنَ.

وَإِشَارَةٌ إِلٰى أَنَّ الْهِدَايَةَ غَيْرُ مُتَنَاهِيَةٍ وَّتَرَقِّي النُّفُوْسِ إِلَيْهَا بِسُلَّمِ الدَّعَوَاتِ وَ مَنْ تَرَكَ الدُّعَآءَ فَأَضَاعَ سُلَّمَهٗ فَإِنَّمَا الْحَرِيُّ بِالْاِهْتِدَآءِ مَنْ كَانَ رَطْبَ اللِّسَانِ بِالدُّعَآءِ وَ ذِكْرِ رَبِّهٖ وَكَانَ عَلَيْهِ مِنَ الْمُدَاوِمِيْنَ. وَ مَنْ تَرَكَ الدُّعَآءَ وَ ادَّعَى الْاِهْتِدَآءَ فَعَسٰى أَنْ يَّتَزَيَّنَ لِلنَّاسِ بِمَا لَيْسَ فِيْهِ وَ يَقَعَ فِيْ هُوَّةِ

اور اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ اپنے مسلمان بندوں کو تعلیم دیتا ہے۔ پس گویا وہ فرماتا ہے اے میرے بندو! تم نے یہود و نصاریٰ کو دیکھ لیا ہے تم اُن جیسے اعمال کرنے سے اجتناب کرو اور دُعا اور استعانت کی رسّی کو مضبوطی سے پکڑو اور یہود کی مانند اللہ کی نعمتوں کو مت بھلاؤ ورنہ اُس کا غضب تم پر نازل ہوگا۔ اور تم سچے علوم اور دُعا کو مت چھوڑو اور نصاریٰ کی طرح طلبِ ہدایت میں سُست نہ ہو جاؤ۔ ورنہ تم گمراہ ہو جاؤ گے۔ اور ہدایت کے طلب کرنے کی ترغیب دی اس (بات کی) طرف اشارہ کرتے ہوئے کہ ہدایت پر ثابت قدمی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دُعا اور گریہ وزاری میں دوام کے بغیر ممکن نہیں۔ مزید برآں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ ہدایت ایک ایسی چیز ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے ہی (ملتی) ہے اور جب تک کہ خدا تعالیٰ خود بندہ کی رہنمائی نہ کرے اور اسے ہدایت یافتہ لوگوں میں داخل نہ کر دے وہ ہرگز ہدایت نہیں پا سکتا۔

پھر اس (امر کی) طرف بھی اشارہ ہے کہ ہدایت کی کوئی انتہاء نہیں اور انسان دعاؤں کی سیڑھی کے ذریعہ ہی اس تک پہنچ سکتے ہیں اور جس شخص نے دعا کو چھوڑ دیا اس نے اپنی سیڑھی کھو دی۔ یقیناً ہدایت پانے کے قابل وہی ہے جس کی زبان ذکرِ الٰہی اور دعا سے تر رہے اور وہ اس پر دوام اختیار کرنے والوں میں سے ہو اور جس کسی نے بھی دعا کو چھوڑ کر ہدایت یافتہ ہونے کا دعویٰ کیا تو قریب ہے کہ وہ لوگوں کی خاطر ایسی چیزوں سے اپنے آپ کو آراستہ ظاہر

الشِّرْكِ وَ الرِّيَآءِ وَيَخْرُجَ مِنْ جَمَاعَةِ الْمُخْلِصِيْنَ. وَ الْمُخْلِصُ يَتَرَقّٰى يَوْمًا فَيَوْمًا حَتّٰى يَصِيْرَ مُخْلَصًا بِفَتْحِ اللَّامِ وَ تَهَبُ لَهُ الْعِنَايَةُ سِرًّا يَّكُوْنُ بَيْنَ اللهِ وَبَيْنَهٗ وَ يَدْخُلُ فِي الْمَحْبُوْبِيْنَ وَ يَتَنَزَّلُ مَنْزِلَةَ الْمَقْبُوْلِيْنَ. وَ الْعَبْدُ لَا يَبْلُغُ حَقِيْقَةَ الْإِيْمَانِ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَّفْهَمَ حَقِيْقَةَ الْإِخْلَاصِ وَيَقُوْمَ عَلَيْهَا وَ لَا يَكُوْنُ مُخْلِصًا وَّعِنْدَهٗ عَلٰى وَجْهِ الْأَرْضِ شَيْءٌ يَّتَّكِأُ عَلَيْهِ اَوْ يَخَافُهٗ أَوْ يَحْسِبُهٗ مِنَ النَّاصِرِيْنَ.

وَ لَا يَنْجُوْ أَحَدٌ مِّنْ غَوَآئِلِ النَّفْسِ وَ شُرُوْرِهَا إِلَّا بَعْدَ أَنْ يَّتَقَبَّلَهُ اللهُ بِإِخْلَاصِهٖ وَ يَعْصِمَهٗ بِفَضْلِهٖ وَ حَوْلِهٖ وَ قُوَّتِهٖ وَ يُذِيْقَهٗ مِنْ شَرَابِ الرُّوْحَانِيِّيْنَ لِأَنَّهَا خَبِيْثَةٌ وَّقَدِ انْتَهَتْ إِلٰى غَايَةِ الْخُبْثِ وَ صَارَتْ مَنْشَأَ الْأَهْوِيَةِ الْمُضِلَّةِ الرَّدِيَّةِ الْمُرْدِيَةِ فَعَلَّمَ اللهُ تَعَالٰى عِبَادَهٗ أَنْ يَّفِرُّوْا إِلَيْهِ بِالدُّعَآءِ عَآئِذًا مِّنْ شُرُوْرِهَا وَ دَوَاهِيْهَا لِيُدْخِلَهُمْ فِيْ زُمَرِ الْمَحْفُوْظِيْنَ. وَ إِنَّ مَثَلَ

کرے جو اس میں نہیں (پائی جاتیں) اور وہ شرک اور ریا کاری کے گڑھے میں گر جائے اور مخلصوں کی جماعت سے نکل جائے اور مخلص بندہ دن بدن ترقی کرتا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ مخلَص (بفتح لام بمعنی برگزیدہ) بن جاتا ہے اور (باری تعالیٰ) کی عنایت اسے ایک ایسا راز عطا کرتی ہے جو صرف خدا اور اس کے درمیان ہی ہوتا ہے اور وہ محبوبوں کے زُمرہ میں داخل ہو جاتا ہے اور مقبول بندوں کا مرتبہ حاصل کر لیتا ہے اور کوئی بندہ ایمان کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ وہ اخلاص کی حقیقت کو سمجھ نہ لے۔ اس پر قائم نہ ہو جائے (اسی طرح وہ) مخلص نہیں بن سکتا جب تک اس کے نزدیک زمین میں ایسی چیز موجود ہو جس پر بھروسہ کرتا ہو یا وہ اس سے ڈرتا ہو یا اسے منجملہ دوسرے مددگاروں کے گمان کرتا ہو۔

کوئی شخص نفس کی ہلاکتوں اور شرارتوں سے نجات حاصل نہیں کر سکتا جب تک اس کے اخلاص کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اسے قبول نہ کر لے اور اپنے فضل، طاقت اور قوت سے اس کی حفاظت نہ کرے اور اسے روحانی لوگوں کی شراب نہ چکھائے کیونکہ وہ (یعنی نفسِ امّارہ) پلید ہے اور وہ اپنی پلیدی میں انتہا کو پہنچا ہوا ہے اور ہلاکت خیز اور گمراہ کُن بُری خواہشات کے نشوونما پانے کا محل ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو یہ تعلیم دی ہے کہ وہ دُعائیں کرتے ہوئے اور اس (نفس) کی بُرائیوں اور آفات سے پناہ مانگتے ہوئے اس (خدا تعالیٰ) کی طرف دوڑے چلے آئیں تا کہ وہ انہیں محفوظ لوگوں کے گروہ میں داخل کر دے۔ یقین جانیں کہ نفس کے جذبات کی مثال تیز بخاروں کی مانند ہے۔ پس

جَذَبَاتِ النَّفْسِ كَمَثَلِ الْحُمَّيَاتِ الْحَادَّةِ فَكَمَا تَجِدُ عِنْدَ تِلْكَ الْحُمَّيَاتِ أَعْرَاضًا هَائِلَةً مُّشْتَدَّةً مِّثْلَ النَّافِضِ وَ الْبَرْدِ وَالْقُشَعْرِيْرَةِ وَ مِثْلَ الْعَرَقِ الْكَثِيْرِ وَالرُّعَافِ الْمُفْرِطِ وَالْقَيْءِ الْعَنِيْفِ وَالْإِسْهَالِ الْمُضْعِفِ وَ الْعَطَشِ الَّذِيْ لَا يُطَاقُ وَمِثْلَ السُّبَاتِ الْكَثِيْرِ وَالْأَرَقِ اللَّازِمِ وَخُشُوْنَةِ اللِّسَانِ وَقَحْلِ الْفَمِ وَ مِثْلَ الْعُطَاسِ الْمُلِحِّ وَ الصُّدَاعِ الصَّعْبِ وَ السُّعَالِ الْمُتَوَاتِرِ وَ سُقُوْطِ الشَّهْوَةِ وَ الْفُوَاقِ وَ غَيْرِهَا مِنْ عَلَامَاتِ الْمَحْمُوْمِيْنَ۔ كَذٰلِكَ لِلنَّفْسِ جَذَبَاتٌ وَّ عَلَامَاتٌ مَّوَآدُّهَا تَفُوْرُ وَأَمْوَاجُهَا تَمُوْرُ وَ إِعْرَاضُهَا تَدُوْرُ وَ بَقَرَاتُهَا تَخُوْرُ وَ أَسِيْرُهَا يَبُوْرُ وَ قَلَّ مَنْ كَانَ مِنَ النَّاجِيْنَ۔ فَطَلَبُ الْهِدَايَةِ كَمِثْلِ الرُّجُوْعِ إِلَى الطَّبِيْبِ الْحَاذِقِ وَ الْاِسْتِطْرَاحِ بَيْنَ يَدَيِ الْمُعَالِجِيْنَ۔ وَ الْإِنْعَامُ الَّذِيْ أَشَارَ اللهُ إِلَيْهِ لِعِبَادِهٖ هُوَ تَبَتُّلُ الْعَبْدِ إِلَى اللهِ وَ إِحْمَاءُ وِدَادِهٖ وَ دَوَامُ إِسْعَادِهٖ وَ رُجُوْعُ اللهِ إِلَيْهِ بِبَرَكَاتِهٖ وَ إِلْهَامَاتِهٖ وَ اسْتِجَابَاتِهٖ وَ جَعْلُهٗ طَوْدًا مِّنْ أَطْوَادِهٖ وَ إِدْخَالُهٗ فِيْ عِبَادِهِ الْمَحْفُوْظِيْنَ وَ قَوْلِهٖ ''يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّ

جس طرح ان بخاروں کے دوران (مختلف قسم کے) خوفناک اور شدید عوارض پائے جاتے ہیں مثلاً تپ لرزہ۔ سردی کپکپاہٹ یا مثلاً بے انتہاء پسینہ، بہت زیادہ نکسیر، سخت قے، کمزور کر دینے والے اسہال، ناقابلِ برداشت پیاس، یا مثلاً زیادہ نیند، لگاتار بے خوابی، زبان کا کھردرا پن، منہ سوکھنا یا مثلاً لگاتار چھینکیں، سخت سر درد، متواتر کھانسی، بھوک کی بندش اور ہچکی وغیرہ جو بخار کے مریضوں کی علامات ہیں اسی طرح نفس کے جذبات اور علامات ہیں جس کے مواد جوش مارتے رہتے ہیں اور اس کی موجیں ٹھاٹھیں مارتی رہتی ہیں اس کے عوارض چکر لگاتے رہتے ہیں اس کی گائیں ڈکارتی رہتی ہیں اس کے قیدی ہلاک ہوتے رہتے ہیں اور بہت ہی کم لوگ ہیں جو (اس نفس سے) بچے رہتے ہیں۔ پس ہدایت کا طلب کرنا کسی حاذق طبیب کی طرف رجوع کرنے اور اپنے آپ کو معالجوں کے سامنے ڈال دینے کی طرح ہے اور اپنے بندوں کے لئے جس انعام کی طرف اللہ تعالیٰ نے اشارہ کیا ہے وہ بندے کا دنیا سے کٹ کر اللہ تعالیٰ کی طرف پوری طرح جھک جانا، محبتِ الٰہی میں سرگرم ہونا اور اس کی طرف سے ہمیشہ سعادت دیا جانا اور اپنی سعادت مندی کو ہمیشہ قائم رکھنا ہے اور اللہ تعالیٰ کا اس کی طرف اپنی برکات، الہامات اور قبولیتِ دعا سے رجوع کرنا اور اسے اپنے جلیل القدر لوگوں میں سے جلیل القدر بنانا اور اسے اپنے زیرِ حفاظت بندوں میں داخل کر لینا ہے۔ اور (اس کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح) يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰٓى إِبْرٰهِيْمَ ☆ کا حکم جاری

☆ (الانبیآء: ۷۰) ترجمہ۔ اے آگ تُو ابراہیم کے لئے ٹھنڈک اور سلامتی کا موجب بن جا۔

سَلٰمًا عَلٰٓی اِبْرٰهِیْمَ" وَ جَعَلَهٗ مِنَ الطَّیِّبِیْنَ الطَّاھِرِیْنَ۔

فَھٰذَا ھُوَ الشِّفَآءُ مِنْ حُمَّی الْمَعَاصِیْ وَ الْعِلَاجُ بِأَوْفَقِ الْأَدْوِیَةِ وَ الْأَغْذِیَةِ وَ التَّدْبِیْرُ اللَّطِیْفُ الَّذِیْ لَا یَعْلَمُهٗ إِلَّا رَبُّ الْعَالَمِیْنَ۔

(کرامات الصادقین، روحانی خزائن جلد ۷ صفحہ ۱۲۴، ۱۲۵)

کرنا اور اسے اپنے پاک اور مقدّس بندوں میں شامل کر لینا ہے۔

پس یہ اُس کے لئے گناہوں کے بخار سے شفاء اور موافق دواؤں اور غذاؤں سے علاج اور ایسی لطیف تدبیر ہے جسے خدا تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔

(ترجمہ از مرتب)

صِرَاط لُغتِ عرب میں ایسی راہ کو کہتے ہیں۔ جو سیدھی ہو یعنی تمام اجزاء اس کے وضع استقامت پر واقع ہوں اور ایک دوسرے کی نسبت عین محاذات پر (ہوں)۔ (الحکم جلد ۹ نمبر ۵ مؤرخہ ۱۰ر فروری ۱۹۰۵ء صفحہ ۴)

وَ قِیْلَ إِنَّ الطَّرِیْقَ لَا یُسَمّٰی صِرَاطًا عِنْدَ قَوْمٍ ذَوِیْ قَلْبٍ وَّنُوْرٍ حَتّٰی یَتَضَمَّنَ خَمْسَةَ أُمُوْرٍ مِّنْ أُمُوْرِ الدِّیْنِ وَھِیَ الْاِسْتِقَامَةُ [1] وَالْإِیْصَالُ [2] إِلَی الْمَقْصُوْدِ بِالْیَقِیْنِ وَقُرْبُ [3] الطَّرِیْقِ وَسَعَتُهٗ [4] لِلْمَآرِّیْنَ وَتَعْیِیْنُهٗ [5] طَرِیْقًا لِلْمَقْصُوْدِ فِیْ أَعْیُنِ السَّالِکِیْنَ۔ وَ ھُوَ تَارَةً یُّضَافُ إِلَی اللّٰهِ إِذْ ھُوَ شَرْعُهٗ وَ ھُوَ سَوِیٌّ سُبُلِهٖ لِلْمَاشِیْنَ۔ وَ تَارَةً یُّضَافُ إِلَی الْعِبَادِ لِکَوْنِھِمْ أَھْلَ السُّلُوْكِ وَ الْمَآرِّیْنَ عَلَیْھَا وَ الْعَابِرِیْنَ۔

(کرامات الصادقین، روحانی خزائن جلد ۷ صفحہ ۱۳۷)

اور کہتے ہیں کہ صاحبِ دل اور روشن ضمیر لوگوں کے نزدیک طریق (راستہ) کو اس وقت تک صِرَاط کا نام نہیں دیا جا سکتا جب تک کہ وہ اُمورِ دین میں سے پانچ اُمور پر مشتمل نہ ہو اور وہ یہ ہیں (۱) استقامت (۲) یقینی طور پر مقصود تک پہنچانا (۳) اُس کا نزدیک ترین (راہ) ہونا (۴) گزرنے والوں کے لئے اس کا وسیع ہونا اور (۵) سالکوں کی نگاہ میں مقصود تک پہنچنے کے لئے اس راستہ کا متعیّن کیا جانا۔ اور صِرَاط کا لفظ کبھی تو خدا تعالیٰ کی طرف مضاف کیا جاتا ہے کیونکہ وہ اُس کی شریعت ہے اور وہ چلنے والوں کے لئے ہموار راستہ ہے۔ اور کبھی اسے بندوں کی طرف مضاف کیا جاتا ہے کیونکہ وہ اس پر چلنے والے اور گزرنے والے اور اسے عبور کرنے والے ہیں۔

(ترجمہ از مرتب)

استقامت سے خدا تعالیٰ کی رضا حاصل ہوتی ہے۔ یہ سچ بات ہے کہ استقامت فوق الکرامت ہے۔ کمال استقامت یہ ہے کہ چاروں طرف بلاؤں کو محیط دیکھیں اور خدا کی راہ میں جان اور عزّت اور آبرو کو

معرضِ خطر میں پاویں اور کوئی تسلّی دینے والی بات موجود نہ ہو یہاں تک کہ خدا تعالیٰ بھی امتحان کے طور پر تسلّی دینے والے کشف یا خواب یا الہام کو بند کردے اور ہولناک خوفوں میں چھوڑ دے۔ اس وقت نامردی نہ دکھلاویں اور بزدلوں کی طرح پیچھے نہ ہٹیں اور وفاداری کی صفت میں کوئی خلل پیدا نہ کریں۔ صدق اور ثبات میں کوئی رخنہ نہ ڈالیں۔ ذلّت پر خوش ہوجائیں۔ موت پر راضی ہوجائیں اور ثابت قدمی کے لئے کسی دوست کا انتظار نہ کریں کہ وہ سہارا دے۔ نہ اس وقت خدا کی بشارتوں کے طالب ہوں کہ وقت نازک ہے اور باوجود سراسر بےکس اور کمزور ہونے کے اور کسی تسلّی کے نہ پانے کے سیدھے کھڑے ہوجائیں اور ہرچہ باداباد کہہ کر گردن کو آگے رکھ دیں اور قضاء وقدر کے آگے دم نہ ماریں اور ہرگز بےقراری اور جزع فزع نہ دکھلاویں جب تک کہ آزمائش کا حق پورا ہوجائے۔ یہی استقامت ہے جس سے خدا ملتا ہے۔ یہی وہ چیز ہے جس کی رسولوں اور نبیوں اور صدیقوں اور شہیدوں کی خاک سے اب تک خوشبو آرہی ہے۔ اسی کی طرف اللہ جَلَّ شانُہٗ اس دُعا میں اشارہ فرماتا ہے۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ یعنی اے ہمارے خدا! ہمیں استقامت کی راہ دکھلا۔ وہی راہ جس پر تیرا انعام و اکرام مترتّب ہوتا ہے اور تو راضی ہوجاتا ہے اور اسی کی طرف اس دوسری آیت میں اشارہ فرمایا رَبَّنَاۤ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّ تَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ (الاعراف:۱۲۷) اے خدا! اس مصیبت میں ہمارے دل پر وہ سکینت نازل کر جس سے صبر آجائے۔ اور ایسا کر کہ ہماری موت اسلام پر ہو۔ جاننا چاہئے کہ دکھوں اور مصیبتوں کے وقت میں خدا تعالیٰ اپنے پیارے بندوں کے دل پر ایک نور اتارتا ہے جس سے وہ قوت پاکر نہایت اطمینان سے مصیبت کا مقابلہ کرتے ہیں اور حلاوتِ ایمانی سے ان زنجیروں کو بوسہ دیتے ہیں جو اس کی راہ میں ان کے پیروں میں پڑیں۔ جب باخدا آدمی پر بلائیں نازل ہوتی ہیں اور موت کے آثار ظاہر ہوجاتے ہیں تو وہ اپنے ربِّ کریم سے خواہ نخواہ کا جھگڑا شروع نہیں کرتا کہ مجھے ان بلاؤں سے بچا۔ کیونکہ اس وقت عافیت کی دعا میں اصرار کرنا خدا تعالیٰ سے لڑائی اور موافقت تامہ کے مخالف ہے بلکہ سچا محبّ بلا کے اترنے سے اَور آگے قدم رکھتا ہے اور ایسے وقت میں جان کو ناچیز سمجھ کر اور جان کی محبت کو الوداع کہہ کر اپنے مولیٰ کی مرضی کا بکلّی تابع ہوجاتا ہے اور اس کی رضا چاہتا ہے۔ اسی کے حق میں اللہ جَلَّ شَانُہٗ فرماتا ہے وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ (البقرۃ:۲۰۸) یعنی خدا کا پیارا بندہ اپنی جان خدا کی راہ میں دیتا ہے اور اس کے عوض میں خدا کی مرضی خرید لیتا ہے۔ وہی لوگ ہیں جو خدا تعالیٰ کی رحمت خاص کے مورد ہیں۔ غرض وہ استقامت

جس سے خدا ملتا ہے اس کی یہی روح ہے جو بیان کی گئی جس کو سمجھنا ہو سمجھ لے۔

(اسلامی اصول کی فلاسفی، روحانی خزائن جلد ۱۰ صفحہ ۴۱۹ تا ۴۲۱)

استقامت ..... وہی ہے جس کو صوفی لوگ اپنی اصطلاح میں فنا کہتے ہیں اور اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کے معنے بھی فنا ہی کے کرتے ہیں۔ یعنی روح، جوش اور ارادے سب کے سب اللہ تعالیٰ کے لئے ہو جائیں اور اپنے جذبات اور نفسانی خواہشیں بالکل مر جائیں۔ بعض انسان جو اللہ تعالیٰ کی خواہش اور ارادے کو اپنے ارادوں اور جوشوں پر مقدم نہیں کرتے وہ اکثر دفعہ دنیا ہی کے جوشوں اور ارادوں کی ناکامیوں میں اس دنیا سے اُٹھ جاتے ہیں..... نماز جو دُعا ہے اور جس میں اللہ کو جو خدائے تعالیٰ کا اسم اعظم ہے مقدم رکھا ہے۔ ایسا ہی انسان کا اسم اعظم استقامت ہے۔ اسمِ اعظم سے مراد یہ ہے کہ جس ذریعہ سے انسانیت کے کمالات حاصل ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ میں اس کی طرف ہی اشارہ فرمایا ہے اور ایک دوسرے مقام پر فرمایا کہ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا (حٰمٓ السّجدۃ: ۳۱) یعنی جو لوگ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کے نیچے آ گئے اور اس کے اسم اعظم استقامت کے نیچے جب بیضۂ بشریت رکھا گیا پھر اس میں اس قسم کی استعداد پیدا ہو جاتی ہے کہ ملائکہ کا نزول اس پر ہوتا ہے اور کسی قسم کا خوف وحزن اُن کو نہیں رہتا۔ میں نے کہا ہے کہ استقامت بڑی چیز ہے۔ استقامت سے کیا مراد ہے؟ ہر ایک چیز جب اپنے عین محل اور مقام پر ہو وہ حکمت اور استقامت سے تعبیر پاتی ہے مثلاً دُوربین کے اجزا کو اگر جُدا جُدا کر کے اُن کو اصل مقامات سے ہٹا کر دوسرے مقام پر رکھ دیں وہ کام نہ دے گی۔ غرض وَضْعُ الشَّيْءِ فِيْ مَحَلِّهٖ کا نام استقامت ہے یا دوسرے الفاظ میں یہ کہو کہ ہیئتِ طبعی کا نام استقامت ہے۔ پس جب تک انسانی بناوٹ کو ٹھیک اسی حالت پر نہ رہنے دیں اور اسے مستقیم حالت میں نہ رکھیں وہ اپنے اندر کمالات پیدا نہیں کر سکتی۔ دُعا کا طریق یہی ہے کہ دونوں اسم اعظم جمع ہوں اور یہ خدا کی طرف جاوے کسی غیر کی طرف رجوع نہ کرے خواہ وہ اس کی ہوا و ہوس ہی کا بُت کیوں نہ ہو؟ جب یہ حالت ہو جائے تو اس وقت اُدْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ (المؤمن: ۶۱) کا مزا آ جاتا ہے۔ (ملفوظات جلد سوم صفحہ ۳۵ تا ۳۷ منقول از ٹریکٹ بعنوان حضرت اقدس کی ایک تقریر اور مسئلہ وحدت الوجود ایک خط مرتبہ حضرت شیخ یعقوب علی عرفانیؓ)

اِعْلَمْ أَنَّ هٰذِهِ الْاٰيَاتِ خَزِيْنَةٌ مَّمْلُوَّةٌ مِّنَ النِّكَاتِ۔ وَحُجَّةٌ بَاهِرَةٌ عَلَى الْمُخَالِفِيْنَ وَ الْمُخَالِفَاتِ۔ وَ

واضح رہے کہ یہ آیات لطیف نکات سے پُر خزانہ ہیں اور مخالف مردوں اور مخالف عورتوں کے خلاف روشن دلیل ہیں۔ ہم عنقریب ان کا تصریحات کے ساتھ ذکر کریں گے اور ہم

سَنَذْكُرُهَا بِالتَّصْرِيْحَاتِ۔ وَ نُرِيْكَ مَا أَرَانَا اللّٰهُ مِنَ الدَّلَآئِلِ وَ الْبَيِّنَاتِ۔ فَاسْمَعْ مِنِّيْ تَفْسِيْرَهَا لَعَلَّ اللّٰهَ يُنْجِيْكَ مِنَ الْخُزَعْبِيْلَاتِ۔ أَمَّا قَوْلُهٗ تَعَالٰى ''اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ۔'' فَمَعْنَاهُ أَرِنَا النَّهْجَ الْقَوِيْمَ۔ وَ ثَبِّتْنَا عَلٰى طَرِيْقٍ يُّوْصِلُ إِلٰى حَضْرَتِكَ۔ وَيُنَجِّيْ مِنْ عُقُوْبَتِكَ۔ ثُمَّ اعْلَمْ أَنَّ لِتَحْصِيْلِ الْهِدَايَةِ طُرُقًا عِنْدَ الصُّوفِيَّةِ مُسْتَخْرَجَةً مِّنَ الْكِتَابِ وَ السُّنَّةِ۔ أَحَدُهَا طَلَبُ الْمَعْرِفَةِ بِالدَّلِيْلِ وَالْحُجَّةِ۔ وَالثَّانِيْ تَصْفِيَةُ الْبَاطِنِ بِأَنْوَاعِ الرِّيَاضَةِ۔ وَالثَّالِثُ الْاِنْقِطَاعُ إِلَى اللّٰهِ وَصَفَآءُ الْمَحَبَّةِ۔ وَ طَلَبُ الْمَدَدِ مِنَ الْحَضْرَةِ بِالْمُوَافَقَةِ التَّآمَّةِ وَ بِنَفْيِ التَّفْرِقَةِ۔ وَ بِالتَّوْبَةِ إِلَى اللّٰهِ وَ الْاِبْتِهَالِ وَ الدُّعَآءِ وَ عَقْدِ الْهِمَّةِ۔

ثُمَّ لَمَّا كَانَ طَرِيْقُ طَلَبِ الْهِدَايَةِ وَ التَّصْفِيَةِ لَا يَكْفِيْ لِلْوُصُوْلِ مِنْ غَيْرِ تَوَسُّلِ الْأَئِمَّةِ وَ الْمَهْدِيِّيْنَ مِنَ الْأُمَّةِ۔ مَا رَضِيَ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ عَلٰى هٰذَا الْقَدَرِ مِنْ تَعْلِيْمِ الدُّعَآءِ ۔ بَلْ حَثَّ بِقَوْلِهٖ ''صِرَاطَ الَّذِيْنَ'' عَلٰى تَحَسُّسِ الْمُرْشِدِيْنَ وَ الْهَادِيْنَ مِنْ أَهْلِ الْاِجْتِهَادِ وَ الْاِصْطِفَآءِ

تمہیں وہ دلائل اور بیّنات دکھائیں گے جو ہمیں خدا تعالیٰ نے دکھائے ہیں۔ پس تم مجھ سے ان آیات کی تفسیر سنو تا اللہ تعالیٰ تمہیں باطل خیالات سے نجات عطا کرے۔ کلامِ الٰہی اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کے معنی یہ ہیں کہ (اے ہمارے پروردگار) ہمیں سیدھا رستہ دکھا اور ہمیں اس راستہ پر قائم رکھ جو تیری جناب تک پہنچاتا ہو اور تیری سزا سے بچاتا ہو۔ پھر واضح ہو کہ صوفیوں کے نزدیک ہدایت کے حصول کے کئی طریق ہیں جو کتاب (الٰہی) اور سنّت (رسول) سے اخذ کئے گئے ہیں ان میں سے پہلا طریق دلیل اور برہان کے ساتھ خدا کی معرفت طلب کرنا ہے۔ دوسرا طریق مختلف قسم کی ریاضتوں کے ذریعہ اپنے باطن کو صاف کرنا ہے اور تیسرا (طریق) ہے سب سے کٹ کر اللہ تعالیٰ کی طرف رُخ کرنا اور اُس سے اپنی محبت کو خالص کرنا اور اس کی صفات سے پوری موافقت پیدا کرکے اور خدا سے علیحدگی ترک کرکے توبہ، زاری، دُعا اور عقدِ ہمّت کے ساتھ بارگاہِ ایزدی سے مدد طلب کرنا ہے۔

پھر چونکہ تلاشِ ہدایت اور تصفیہءِ نفس کا طریق ائمہ اور اُمّت کے ہدایت یافتہ لوگوں کے وسیلہ کے بغیر وصول الی اللہ کے لئے کافی نہیں اس لئے خدا تعالیٰ محض اس قدر (یعنی اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ تک) دعا سکھانے پر راضی نہ ہوا بلکہ اس نے صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کہہ کر ان مرشدوں اور ہادیوں کی تلاش کی ترغیب دلائی جو صاف باطن اور اجتہاد کرنے والے لوگوں میں سے ہادی اور

مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ وَ الْأَنْبِيَآءِ۔ فَإِنَّهُمْ قَوْمٌ اٰثَرُوْا دَارَ الْحَقِّ عَلٰى دَارِ الزُّوْرِ وَ الْغُرُوْرِ۔ وَ جُذِبُوْا بِحِبَالِ الْمَحَبَّةِ إِلَى اللّٰهِ بَحْرِ النُّوْرِ۔ وَ أُخْرِجُوْا بِوَحْيٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ جَذْبٍ مِّنْهُ مِنْ أَرْضِ الْبَاطِلِ۔ وَ كَانُوْا قَبْلَ النُّبُوَّةِ كَالْجَمِيْلَةِ الْعَاطِلِ۔ لَايَنْطِقُوْنَ إِلَّا بِإِنْطَاقِ الْمَوْلٰى۔ وَ لَا يُؤْثِرُوْنَ إِلَّا الَّذِيْ هُوَ عِنْدَهُ الْأَوْلٰى۔ يَسْعَوْنَ كُلَّ السَّعْيِ لِيَجْعَلُوْا النَّاسَ أَهْلًا لِّلشَّرِيْعَةِ الرَّبَّانِيَّةِ۔ وَ يَقُوْمُوْنَ عَلٰى وَلَدِهَا كَالْحَانِيَةِ۔ وَ يُعْطٰى لَهُمْ بَيَانٌ يُّسْمِعُ الصُّمَّ وَ يُنْزِلُ الْعُصْمَ۔ وَ جَنَانٌ يَّجْذِبُ بِعَقْدِ الْهِمَّةِ الْأُمَمَ۔ إِذَا تَكَلَّمُوْا فَلَا يَرْمُوْنَ إِلَّا صَآئِبًا۔ وَّ إِذَا تَوَجَّهُوْا فَيُحْيُوْنَ مَيْتًا خَآئِبًا۔ يَّسْعَوْنَ أَنْ يَّنْقُلُوْا النَّاسَ مِنَ الْخَطِيَّاتِ إِلَى الْحَسَنَاتِ۔ وَ مِنَ الْمَنْهِيَّاتِ إِلَى الصَّالِحَاتِ۔ وَ مِنَ الْجَهَلَاتِ إِلَى الرَّزَانَةِ وَ الْحَصَاتِ۔ وَ مِنَ الْفِسْقِ وَ الْمَعْصِيَةِ إِلَى الْعِفَّةِ وَالتُّقَاتِ۔ وَمَنْ أَنْكَرَهُمْ فَقَدْ ضَيَّعَ نِعْمَةً

راہنما ہیں یعنی رسولوں اور نبیوں کی۔ کیونکہ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے جھوٹ اور فریب یعنی دارِ دنیا پر دارالحق (آخرت) کو ترجیح دی۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف جو نور کا سمندر ہے محبت کی تاروں کے ساتھ کھینچے گئے اور اللہ تعالیٰ کی وحی اور اس کی کشش کے ذریعہ باطل کی سرزمین سے نکالے گئے اور وہ نبوّت سے قبل خوبصورت مگر بے زیور عورت کی طرح تھے اب وہ خدا تعالیٰ کے بلائے بغیر نہیں بولتے اور وہ اُسی (چیز) کو پسند کرتے ہیں جو خدا تعالیٰ کے نزدیک بہترین ہو اور اپنی طرف سے پوری کوشش کرتے ہیں کہ لوگوں کو شریعت ربّانی کے پابند بنادیں اور فرزندانِ شریعت کی نگہداشت کرنے کے لئے اس شفیق ماں کی طرح نگرانی کرتے ہیں جو خاوند کے مرنے کے بعد محض بچوں کی خاطر دوسری شادی نہ کرے اور انہیں ایسی قوتِ بیانیہ دی جاتی ہے جو بہروں کو قوّتِ شنوائی بخشتی اور پہاڑی بکروں کو اُتار لاتی ہے اور ایسا دل عطا کیا جاتا ہے جو اپنے عزم کی پختگی سے قوموں اور جماعتوں کو اپنی طرف کھینچ لاتا ہے۔ جب وہ بات کرتے ہیں تو اُن کا تیر خطا نہیں جاتا اور جب توجہ کرتے ہیں تو نامراد مُردوں کو بھی زندہ کر دیتے ہیں۔ وہ کوشش کرتے ہیں کہ لوگوں کو گناہوں سے نکال کر نیکیوں کی طرف اور ممنوع کاموں سے اچھے کاموں کی طرف اور جہالتوں سے ذہانت اور عقلمندی کی طرف اور فسق و معصیت سے عِفّت اور پرہیزگاری کی طرف لے جائیں۔ جو شخص اُن کا انکار کرے تو وہ ایک ایسی نعمت کو ضائع کر دیتا ہے جو (ذاتِ باری کی طرف سے) اس کے سامنے پیش کی گئی ہے۔ وہ بھلائی کے چشمہ سے اور اپنی دونوں آنکھوں کی

عُرِضَتْ عَلَيْهِ. وَ بَعُدَ مِنْ عَيْنِ الْخَيْرِ وَ عَنْ نُّوْرِ عَيْنَيْهِ. وَإِنَّ هٰذَا الْقَطْعَ أَكْبَرُ مِنْ قَطْعِ الرَّحِمِ وَ الْعَشِيْرَةِ. وَ إِنَّهُمْ ثَمَرَاتُ الْجَنَّةِ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْ تَرَكَهُمْ وَ مَالَ إِلَى الْمِيْرَةِ. وَ إِنَّهُمْ نُوْرُ اللّٰهِ وَ يُعْطٰى بِهِمْ نُوْرٌ لِّلْقُلُوْبِ. وَتِرْيَاقٌ لِّسَمِّ الذُّنُوْبِ. وَ سَكِيْنَةٌ عِنْدَ الْاِحْتِضَارِ وَ الْغَرْغَرَةِ. وَثَبَاتٌ عِنْدَ الرِّحْلَةِ وَتَرْكِ الدُّنْيَا الدَّنِيَّةِ.

بینائی سے دُور ہو گیا اور (انبیاء و مرسلین سے) یہ قطعِ تعلق رشتہ داروں اور قبیلہ سے قطع تعلق کرنے سے بھی بڑا ہے۔ یہ لوگ جنّت کے پھل ہوتے ہیں۔ پس اس شخص پر افسوس ہے جو انہیں چھوڑ کر صرف کھانے پینے والی چیزوں کی طرف مائل ہو جائے۔ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کا ایک نُور ہیں اور ان کے ذریعہ (لوگوں کے) دلوں کو روشنی اور گناہوں کے زہر کے لئے تریاق دیا جاتا ہے اور جان کندنی اور غرغرہ کے وقت سکینت اور رحلت اور اس حقیر دنیا کو ترک کرنے کے وقت ثبات عطا کیا جاتا ہے۔

أَتَظُنُّ أَنْ يَّكُوْنَ الْغَيْرُ كَمِثْلِ هٰذِهِ الْفِئَةِ الْكَرِيْمَةِ. كَلَّا وَالَّذِيْ أَخْرَجَ الْعَذْقَ مِنَ الْجَرِيْمَةِ. وَلِذَالِكَ عَلَّمَ اللّٰهُ هٰذَا الدُّعَآءَ مِنْ غَايَةِ الرَّحْمَةِ. وَأَمَرَ الْمُسْلِمِيْنَ أَنْ يَّطْلُبُوْا صِرَاطَ الَّذِيْنَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّيْنَ وَالْمُرْسَلِيْنَ مِنَ الْحَضْرَةِ. وَقَدْ ظَهَرَ مِنْ هٰذِهِ الْاٰيَةِ. عَلٰى كُلِّ مَنْ لَّهٗ حَظٌّ مِّنَ الدِّرَايَةِ. أَنَّ هٰذِهِ الْأُمَّةَ قَدْ بُعِثَتْ عَلٰى قَدَمِ الْأَنْبِيَآءِ. وَإِنْ مِّنْ نَّبِيٍّ إِلَّا لَهٗ مَثِيْلٌ فِيْ هٰؤُلَآءِ. وَلَوْلَا هٰذِهِ الْمُضَاهَاةُ وَالسَّوَاءُ. لَبَطَلَ طَلَبُ كَمَالِ السَّابِقِيْنَ وَبَطَلَ الدُّعَآءُ. فَاللّٰهُ الَّذِيْ أَمَرَنَا أَجْمَعِيْنَ. أَنْ نَّقُوْلَ اِهْدِنَا

کیا تُو خیال کرتا ہے کہ کوئی اَور بھی اس صاحبِ شرف جماعت جیسا ہوسکتا ہے؟ مجھے اُس ذات کی قسم جس نے گٹھلی سے کھجور کا درخت پیدا کیا (اس جماعت جیسا) ہرگز نہیں (ہوسکتا) اس لئے خدا تعالیٰ نے اپنی انتہائی رحمت سے یہ دُعا سکھائی اور مسلمانوں کو یہ حکم دیا کہ وہ خدا تعالیٰ سے اُن لوگوں کا راستہ طلب کریں جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا ہے یعنی نبیوں اور رسولوں کا راستہ۔ اِس آیت سے ہر اُس شخص پر جسے سمجھ بوجھ کا کچھ حِصّہ ملا ہے واضح ہو جاتا ہے کہ اِس اُمّت کو نبیوں کے قدم پر قائم کیا گیا ہے اور ایسا کوئی نبی نہیں جس کا مثیل اُس اُمّت میں نہ پایا جاتا ہو۔ اگر یہ مشابہت اور مماثلت نہ ہوتی تو پہلوں جیسے کمال کا طلب کرنا بھی عبث ٹھہرتا اور دُعا بھی باطل ہو جاتی۔ پس اللہ تعالیٰ جس نے ہم سب کو نماز پڑھتے وقت اور صبح کے وقت اور شام کے وقت اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کی دعا مانگنے کا حکم دیا ہے اور

الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ مُصَلِّيْنَ وَ مُمْسِيْنَ وَ مُصْبِحِيْنَ. وَأَنْ نَّطْلُبَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ أَنْعَمَ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّيْنَ وَ الْمُرْسَلِيْنَ. أَشَارَ إِلٰى أَنَّهٗ قَدْ قَدَّرَ مِنَ الْاِبْتِدَآءِ. أَنْ يَّبْعَثَ فِيْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ بَعْضَ الصُّلَحَآءِ عَلٰى قَدَمِ الْأَنْبِيَاءِ أَنْ يَّسْتَخْلِفَهُمْ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلُ مِنْ بَنِيْ إِسْرَآئِيْلَ. وَإِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْحَقُّ فَاتْرُكِ الْجَدَلَ الْفُضُوْلَ وَالْأَقَاوِيْلَ. وَكَانَ غَرَضُ اللهِ أَنْ يَّجْمَعَ فِيْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ كَمَالَاتٍ مُّتَفَرِّقَةً وَّ أَخْلَاقًا مُّتَبَدِّدَةً. فَاقْتَضَتْ سُنَّتُهُ الْقَدِيْمَةُ أَنْ يُّعَلِّمَ هٰذَا الدُّعَآءَ. ثُمَّ يَفْعَلُ مَا شَآءَ. وَقَدْ سُمِّيَ هٰذِهِ الْأُمَّةُ خَيْرَ الْأُمَمِ فِي الْقُرْاٰنِ. وَلَا يَحْصُلُ خَيْرٌ إِلَّا بِزِيَادَةِ الْعَمَلِ وَ الْإِيْمَانِ وَالْعِلْمِ وَالْعِرْفَانِ. وَابْتِغَآءِ مَرْضَاتِ اللهِ الرَّحْمٰنِ. وَكَذَالِكَ وَعَدَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ. لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ بِالْفَضْلِ وَالْعِنَايَاتِ. كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ أَهْلِ الصَّلَاحِ وَالتُّقَاةِ. فَثَبَتَ مِنَ الْقُرْاٰنِ أَنَّ الْخُلَفَآءَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ. وَ أَنَّهٗ لَنْ يَّأْتِيَ أَحَدٌ مِّنَ السَّمَآءِ. بَلْ يُبْعَثُوْنَ مِنْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ.

یہ کہ منعم علیہ گروہ یعنی نبیوں اور رسولوں کا راستہ طلب کرتے رہیں۔ اس میں یہ اشارہ ہے کہ اُس نے شروع سے ہی مقدّر کر رکھا ہے کہ بعض نیک لوگوں کو نبیوں کے نقشِ قدم پر اس امّت میں مبعوث کرتا رہے گا اور اُنہیں اُسی طرح خلیفہ بنا دیگا جیسا کہ اُس نے اس سے پہلے بنی اسرائیل سے خلفاء بنائے تھے اور یقیناً یہی (بات) حق ہے۔ پس تُو فضول جھگڑے اور قیل وقال چھوڑ دے اور اللہ تعالیٰ کا منشاء یہ تھا کہ اِس امّت میں مختلف کمالات اور گونا گوں اخلاق جمع کر دے۔ پس اللہ کی اس قدیم سنّت نے تقاضا کیا کہ وہ یہ دُعا سکھائے اور پھر اس کے بعد جو چاہے وہ کر دکھائے۔ قرآن کریم میں اس اُمّت کا نام خیر الامم (یعنی بہترین اُمت) رکھا گیا ہے اور خیر اُسی وقت حاصل ہو سکتی ہے جبکہ عمل، ایمان، علم اور عرفان میں اضافہ ہو اور خدائے رحمان کی خوشنودی طلب کی جائے۔ اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں سے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے یہ وعدہ کیا ہے کہ وہ اُنہیں اپنے فضل اور عنایت سے اسی دنیا میں ضرور خلیفہ بنائے گا جیسا کہ اُس نے ان سے قبل نیکوکاروں اور متقیوں کو خلیفہ بنایا تھا۔ پس قرآن کریم سے ثابت ہو گیا کہ مسلمانوں میں روزِ قیامت تک خلفاء آتے رہیں گے اور یہ کہ آسمان سے کوئی نہیں آئے گا یہ سب لوگ اِس امّت سے مبعوث کئے جائیں گے۔

وَمَا لَكَ لَا تُؤْمِنُ بِبَيَانِ الْفُرْقَانِ. أَتَرَكْتَ كِتَابَ اللّٰهِ أَمْ مَّا بَقِيَ فِيْكَ ذَرَّةٌ مِّنَ الْعِرْفَانِ. وَ قَدْ قَالَ اللّٰهُ ’’مِنْكُمْ‘‘ وَمَا قَالَ ’’مِنْ بَنِيْٓ إِسْرَآئِيْلَ‘‘ وَ كَفَاكَ هٰذَا إِنْ كُنْتَ تَبْغِي الْحَقَّ وَ تَطْلُبَ الدَّلِيْلَ.

أَيُّهَا الْمِسْكِيْنُ اقْرَءِ الْقُرْاٰنَ وَلَا تَمْشِ كَالْمَغْرُوْرِ. وَلَا تَبْعُدْ مِنْ نُّوْرِ الْحَقِّ لِئَلَّا يَشْكُوَ مِنْكَ إِلَى الْحَضْرَةِ سُوْرَةُ الْفَاتِحَةِ وَسُوْرَةُ النُّوْرِ. اِتَّقِ اللّٰهَ ثُمَّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تَكُنْ أَوَّلَ كَافِرٍ بِاٰيَاتِ النُّوْرِ وَالْفَاتِحَةِ. لِكَيْ لَا يَقُوْمَ عَلَيْكَ شَاهِدَانِ فِي الْحَضْرَةِ. وَ أَنْتَ تَقْرَأُ قَوْلَهٗ ’’وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ★‘‘ وَتَقْرَأُ ’’قَوْلَهٗ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ ★★‘‘ فَفَكِّرْ فِيْ قَوْلِهٖ ’’مِنْكُمْ‘‘ فِيْ سُوْرَةِ النُّوْرِ وَاتْرُكِ الظَّالِمِيْنَ وَ ظَنَّهُمْ. أَلَمْ يَأْنِ لَكَ أَنْ تَعْلَمَ عِنْدَ قِرَآءَةِ هٰذِهِ الْاٰيَاتِ أَنَّ اللّٰهَ قَدْ جَعَلَ الْخُلَفَآءَ كُلَّهُمْ مِّنْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ بِالْعِنَايَاتِ. فَكَيْفَ يَأْتِي الْمَسِيْحُ الْمَوْعُوْدُ مِنَ السَّمَاوَاتِ. أَلَيْسَ الْمَسِيْحُ الْمَوْعُوْدُ عِنْدَكَ مِنَ الْخُلَفَآءِ. فَكَيْفَ تَحْسَبُهٗ مِنْ بَنِيْ إِسْرَآئِيْلَ وَ مِنْ

تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ تم قرآن کریم کے بیان پر ایمان نہیں لاتے۔ کیا تم نے خدا کی کتاب کو چھوڑ دیا ہے یا تم میں عرفان کا ذرّہ باقی نہیں رہا۔ اللہ تعالیٰ نے مِنْكُمْ کا لفظ استعمال کیا ہے۔ مِنْ بَنِيْٓ إِسْرَآئِيْلَ نہیں کہا۔ اگر تم حق کے طالب اور دلیل کے خواہش مند ہو تو تمہیں اتنا بیان ہی کافی ہے۔

اے مسکین! انسان قرآن پڑھ اور مغروروں کی طرح اکڑ کر نہ چل اور خدا کے نُور سے دُور مت ہو تا سورۃ فاتحہ اور سورۃ نور بارگاہِ ایزدی میں تیری شکایت نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ سے ڈر۔ مَیں پھر کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ سے ڈر۔ اور سورہ نور اور سورہ فاتحہ کی آیات کا اوّلین منکر نہ بن تا کہ یہ تیرے خلاف بارگاہِ ایزدی میں دو گواہ بن کر کھڑے نہ ہوں۔ اور تو خدا کا قول وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ بھی پڑھتا ہے اور اُس کا قول لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ بھی پڑھتا ہے۔ پس تُو سورہ نُور میں خدا تعالیٰ کے لفظ مِنْكُمْ میں غور کر اور ظالموں اور اُن کے اوہام کو چھوڑ دے۔ کیا تیرے لئے ابھی یہ وقت نہیں آیا کہ تو اِن آیات کو پڑھ کر یہ سمجھ لے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے تمام کے تمام خلفاء کو اِسی اُمت میں سے بنانا مقدر کیا ہے تو پھر مسیح موعود کس طرح آسمانوں سے اُترے گا۔ کیا تمہارے نزدیک مسیح موعود خلفاء میں شامل نہیں۔ پھر تم مسیح موعود کو بنی اسرائیل اور بنی اسرائیل کے

★ (النور: ۵۶) ترجمہ: اللہ نے تم میں سے ایمان لانے والوں سے وعدہ کیا ہے۔

★★ (النور: ۵۶) ترجمہ: انہیں خلیفہ بنائے گا۔

تِلْكَ الْاَنْبِيَآءِ. أَتَتْرُكُ الْقُرْاٰنَ وَ فِي الْقُرْاٰنِ كُلُّ الشِّفَآءِ. أَوْ تَغَلَّبَتْ عَلَيْكَ شِقْوَتُكَ. فَتَتْرُكُ مُتَعَمِّدًا طَرِيْقَ الْاِهْتِدَآءِ. أَلَا تَرٰى قَوْلَهٗ تَعَالٰى ''كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ★'' فِيْ هٰذِهِ السُّوْرَةِ. فَوَجَبَ أَنْ يَّكُوْنَ الْمَسِيْحُ الْاٰتِيْ مِنْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ. لَا مِنْ غَيْرِهِمْ بِالضَّرُوْرَةِ. فَإِنَّ لَفْظَ ''كَمَا'' يَأْتِيْ لِلْمُشَابَهَةِ وَ الْمُمَاثَلَةِ. وَالْمُشَابَهَةُ تَقْتَضِيْ قَلِيْلاً مِّنَ الْمُغَايَرَةِ. وَلَا يَكُوْنُ شَيْءٌ مُّشَابِهَ نَفْسِهٖ كَمَا هُوَ مِنَ الْبَدِيْهِيَّاتِ. فَثَبَتَ بِنَصٍّ قَطْعِيٍّ أَنَّ عِيْسَى الْمُنْتَظَرَ مِنْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ وَ هٰذَا يَقِيْنِيٌّ وَّمُنَزَّهٌ عَنِ الشُّبُهَاتِ. هٰذَا مَا قَالَ الْقُرْاٰنُ وَيَعْلَمُهُ الْعَالِمُوْنَ. فَبِأَيِّ حَدِيْثٍ بَعْدَهٗ تُؤْمِنُوْنَ. وَقَدْ قَالَ الْقُرْاٰنُ إِنَّ عِيْسٰى نَبِيَّ اللهِ قَدْ مَاتَ. فَفَكِّرْ فِيْ قَوْلِهٖ ''فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ'' وَلَا تُحْيِ الْأَمْوَاتَ. وَلَا تَنْصُرِ النَّصَارٰى بِالْأَبَاطِيْلِ وَ الْخُزَعْبِيْلَاتِ. وَفِتَنُهُمْ لَيْسَتْ بِقَلِيْلَةٍ فَلَا تَزِدْهَا بِالْجَهَلَاتِ. وَإِنْ كُنْتَ تُحِبُّ حَيَاةَ نَبِيٍّ فَاٰمِنْ بِحَيَاةِ نَبِيِّنَا خَيْرِ الْكَائِنَاتِ. وَمَا لَكَ أَنَّكَ تَحْسَبُ مَيِّتًا مَّنْ كَانَ رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ. وَ تَعْتَقِدُ

نبیوں میں سے کیوں گمان کرتے ہو۔ کیا تم قرآن کریم کو چھوڑتے ہو حالانکہ ہر قسم کی شفاء قرآن کریم میں ہے۔ کیا تم پر تمہاری بدبختی غالب آ گئی ہے اور تم عمداً ہدایت کا رستہ ترک کر رہے ہو۔ کیا تم اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ کے الفاظ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ کو نہیں دیکھتے۔ پس ضروری ہوا کہ آنے والا مسیح اِسی اُمّت میں سے ہو نہ کہ اُمّت کے باہر سے۔ کیونکہ کَمَا کا لفظ مشابہت اور مماثلت کے لئے آتا ہے اور مشابہت کسی قدر مغائرت کو چاہتی ہے اور یہ ایک بدیہی امر ہے کہ کوئی چیز اپنے آپ کے مشابہ نہیں ہوا کرتی۔ پس قطعی نص سے ثابت ہو گیا کہ جس عیسیٰ کا انتظار کیا جا رہا ہے وہ اِسی اُمت میں سے ہے اور یہ بات یقینی اور شبہات سے پاک ہے یہ قرآن کریم کا فرمودہ ہے اور عالم لوگ اسے خوب جانتے ہیں۔ پس اس کے بعد تم کونسی بات مانو گے؟ اور قرآن کریم نے تو کہہ دیا ہے کہ عیسیٰ اللہ تعالیٰ کے نبی فوت ہو گئے ہیں۔ پس تم خدا تعالیٰ کے قول فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ (المائدہ:۱۱۸) میں غور کرو اور مُردوں کو زندہ قرار نہ دو اور اس طرح فضول باتوں اور بیہودہ کہانیوں سے عیسائیوں کی مدد نہ کرو۔ ان کے فتنے پہلے ہی کچھ کم نہیں ہیں۔ تم اپنی نادانیوں سے ان میں اضافہ نہ کرو۔ اگر تمہیں کسی نبی کا زندہ رہنا پسند ہو تو تم ہمارے نبی سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات پر ایمان لے آؤ اور تمہیں کیا (ہو گیا) ہے کہ تم رحمۃ للعالمین کو تو فوت شدہ

★(النور:۵۶) ترجمہ: جس طرح اس نے ان سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا۔

أَنَّ ابْنَ مَرْيَمَ مِنَ الْأَحْيَآءِ بَلْ مِنَ الْمُحْيِيْنَ۔ اُنْظُرْ إِلَى ''النُّوْرِ'' ثُمَّ انْظُرْ إِلَى ''الْفَاتِحَةِ۔'' ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ لِيَرْجِعَ الْبَصَرُ بِالدَّلَآئِلِ الْقَاطِعَةِ۔ أَلَسْتَ تَقْرَأُ ''صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ'' فِيْ هٰذِهِ السُّوْرَةِ۔ فَأَنّٰى تُؤْفَكُ بَعْدَ هٰذَا أَتَنْسٰى دُعَآءَكَ أَوْ تَقْرَأُ بِالْغَفْلَةِ۔ فَإِنَّكَ سَأَلْتَ عَنْ رَّبِّكَ فِيْ هٰذَا الدُّعَآءِ وَالْمَسْأَلَةِ۔ أَنْ لَّا يُغَادِرَ نَبِيًّا مِّنْ بَنِيْٓ إِسْرَآئِيْلَ إِلَّا وَيَبْعَثَ مَثِيْلَهٗ فِيْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ۔ وَيْحَكَ أَنَسِيْتَ دُعَآءَكَ بِهٰذِهِ السُّرْعَةِ۔ مَعَ أَنَّكَ تَقْرَأُهٗ فِي الْأَوْقَاتِ الْخَمْسَةِ۔ عَجِبْتُ مِنْكَ كُلَّ الْعَجَبِ۔ أَهٰذَا دُعَآؤُكَ۔ وَ تِلْكَ اٰرَآؤُكَ۔ اُنْظُرْ إِلَى الْفَاتِحَةِ وَانْظُرْ إِلٰى سُوْرَةِ النُّوْرِ مِنَ الْفُرْقَانِ۔ وَ أَيُّ شَاهِدٍ يُّقْبَلُ بَعْدَ شَهَادَةِ الْقُرْاٰنِ۔ فَلَا تَكُنْ كَالَّذِيْ سَرٰى إِيْجَاسَ خَوْفِ اللهِ وَاسْتِشْعَارَهٗ۔ وَ تَسَرْبَلَ لِبَاسَ الْوَقَاحَةِ وَشِعَارَهٗ۔ أَتَتْرُكُ كِتَابَ اللهِ لِقَوْمٍ تَرَكُوا الطَّرِيْقَ۔ وَمَا كَمَّلُوا التَّحْقِيْقَ وَ التَّعْمِيْقَ۔ وَ إِنَّ طَرِيْقَهُمْ لَا يُوْصِلُ إِلَى الْمَطْلُوْبِ۔ وَقَدْ خَالَفَ التَّوْحِيْدَ وَسُبُلَ اللهِ الْمَحْبُوْبِ۔ فَلَا تَحْسَبْ وَعْرًا دَمِثًا وَّ إِنْ دَمَّثَهٗ كَثِيْرٌ

خیال کرتے ہو اور ابن مریم کے متعلق تمہارا عقیدہ ہے کہ وہ زندوں بلکہ (دوسروں کو) زندہ کرنے والوں میں سے ہے۔ تم سورۃ نور کو دیکھو اور پھر سورۃ فاتحہ پر غور کرو۔ پھر نظر دوڑاؤ تا وہ دلائل قاطعہ لے کر آئے۔ کیا تم اِس سورت میں صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ (کے الفاظ) نہیں پڑھتے تو پھر اس کے بعد تم کدھر بہک رہے ہو؟ کیا تم اپنی دُعا کو بھول جاتے ہو؟ یا اس کو غفلت کی حالت میں پڑھتے ہو؟ تم نے تو اِس دُعا اور التجاء میں اللہ تعالیٰ سے یہ مانگا تھا کہ بنی اسرائیل کے نبیوں میں سے ایسا کوئی نبی نہ رہنے دے مگر اُس کا مثیل اِس اُمت میں مبعوث فرمائے۔ تم پر افسوس! کیا تم نے اپنی دُعا کو اتنی جلدی بھلا دیا۔ باوجود اس کے کہ تم پانچ وقت یہ دُعا پڑھتے ہو۔ مجھے تو تم پر انتہائی تعجب ہے کہ یہ تمہاری دُعا ہے اور یہ تمہارے خیالات ہیں۔ ذرا (سورۃ) فاتحہ کی طرف دیکھو اور پھر فرقانِ مجید کی سورۃ نور پر بھی غور کرو۔ قرآن کی شہادت کے بعد اور کس گواہ (کی گواہی) قبول کی جائے گی۔ تم اُس شخص کی طرح مت بنو جس نے خدا کے خوف کا ظاہری اور باطنی احساس ترک کر دیا بلکہ بے حیائی کو اپنا لباس اور اپنا شعار بنا لیا ہو۔ کیا تم اُن لوگوں کی خاطر اللہ تعالیٰ کی کتاب کو چھوڑ دو گے جنہوں نے سیدھا راستہ ترک کر دیا اور اپنی تحقیق اور غور وفکر کو مکمل نہ کیا۔ ان کا راستہ مطلوب تک نہیں پہنچاتا بلکہ وہ توحید اور خدائے محبوب کی راہوں کے خلاف ہے۔ پس تُو سخت (راستہ) کو نرم خیال نہ کر۔

مِّنَ الْخُطَا۔ وَ إِنِ اهْتَدَتْ إِلَيْهَا أَبَابِيْلُ مِنَ الْقَطَا۔ فَإِنَّ هُدَى اللهِ هُوَ الْهُدٰى۔ وَإِنَّ الْقُرْاٰنَ شَهِدَ عَلٰى مَوْتِ الْمَسِيْحِ۔ وَ أَدْخَلَهُ فِي الْأَمْوَاتِ بِالْبَيَانِ الصَّرِيْحِ۔ مَا لَكَ مَا تُفَكِّرُ فِيْ قَوْلِهٖ ''فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ [1]'' وَفِيْ قَوْلِهٖ ''قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ [2]'' وَمَا لَكَ لَا تَخْتَارُ سَبِيْلَ الْفُرْقَانِ وَسَرَّكَ السُّبُلُ۔ وَقَدْ قَالَ ''فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَ فِيْهَا تَمُوْتُوْنَ [3]'' فَمَا لَكُمْ لَا تُفَكِّرُوْنَ۔ وَقَالَ لَكُمْ فِيْهَا مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ إِلٰى حِيْنٍ۔ فَكَيْفَ صَارَ مُسْتَقَرُّ عِيْسٰى فِي السَّمَآءِ أَوْ عَرْشَ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔ إِنْ هٰذَا إِلَّا كَذِبٌ مُّبِيْنٌ۔ وَّ قَالَ سُبْحَانَهٗ ''اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ [4]'' فَكَيْفَ تَحْسَبُوْنَ عِيْسٰى مِنَ الْأَحْيَاءِ۔ اَلْحَيَآءَ اَلْحَيَآءَ۔ يَا عِبَادَ الرَّحْمٰنِ۔ اَلْقُرْاٰنَ اَلْقُرْاٰنَ۔ فَاتَّقُوا اللهَ وَلَا تَتْرُكُوا الْفُرْقَانَ۔ إِنَّهٗ كِتَابٌ يُّسْأَلُ عَنْهُ إِنْسٌ وَّجَآنٌّ۔ وَ إِنَّكُمْ تَقْرَءُوْنَ الْفَاتِحَةَ فِي الصَّلَاةِ۔ فَفَكِّرُوْا فِيْهَا يَا ذَوِي الْحَصَاةِ۔

اگرچہ بظاہر قدموں کی کثرت نے اُسے بالکل ہموار کر دیا ہو اور اگرچہ بھٹ تیتر پرندوں کی قطاروں کی قطاریں اُس کی طرف گئی ہوں۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کی ہدایت ہی (اصل) ہدایت ہے اور قرآنِ کریم نے مسیح کی موت پر شہادت دی ہے اور واضح بیان میں اُسے مُردوں میں داخل قرار دیا ہے۔ تمہیں کیا (ہوگیا) ہے کہ تم خدا کے الفاظ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ اور پھر اُس کے قول قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ میں غور نہیں کرتے اور تمہیں کیا (ہوگیا) ہے کہ تم قرآن کریم کے راستہ کو اختیار نہیں کرتے اور دوسرے راستے تمہیں بھلے لگتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَ فِيْهَا تَمُوْتُوْنَ پس تم کیوں نہیں سوچتے؟ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ تمہارے لئے ایک مقررہ وقت تک اسی زمین میں جائے رہائش اور سامانِ معیشت مقدر ہے۔ پھر کیونکر حضرت عیسیٰؑ کا ٹھکانہ آسمان میں یا عرش ربّ العالمین پر ہو گیا۔ یہ تو ایک واضح جھوٹ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ فرمایا ہے پھر حضرت عیسیٰؑ کو کس طرح زندہ خیال کرتے ہو؟ اے بندگانِ خدا! باز آؤ باز آؤ۔ قرآن کو (لازم پکڑو) قرآن کو (لازم پکڑو) اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور قرآن کو مت چھوڑو۔ یہ ایسی کتاب ہے جس کے متعلق انسانوں اور جنّوں (سب سے) باز پُرس ہوگی اور تم نماز میں سورۃ فاتحہ پڑھتے ہو۔ پس اے عقلمندو! اس میں خوب غور کرو۔

[1] (المآئدۃ:۱۱۸) ترجمہ: جب تُو نے میری روح قبض کر لی۔ [2] (اٰلِ عمران:۱۴۵) ترجمہ: اس سے پہلے سب رسول فوت ہو چکے ہیں۔
[3] (الاعراف:۲۶) ترجمہ: اسی میں تم زندہ رہو گے اور اسی میں تم مرو گے۔ [4] (النّحل:۲۲) ترجمہ: وہ سب مُردے ہیں نہ کہ زندہ۔

أَ لَا تَجِدُوْنَ فِيْهَا اٰيَةَ ’’صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ۔‘‘ فَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ فَقَدُوْا نُوْرَ عَيْنَيْهِمْ۔ وَذَهَبَ بِمَا لَدَيْهِمْ۔ وَيْحَكُمْ وَهَلْ بَعْدَ الْفُرْقَانِ دَلِيْلٌ۔ أَوْ بَقِيَ إِلٰى مَفَرٍّ مِّنْ سَبِيْلٍ۔ أَيَقْبَلُ عَقْلُكُمْ أَنْ يُّبَشِّرَ رَبُّنَا فِيْ هٰذَا الدُّعَآءِ۔ بِأَنَّهٗ يَبْعَثُ الْأَئِمَّةَ مِنْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ لِمَنْ يُّرِيْدُ طَرِيْقَ الْاِهْتِدَآءِ ۔ الَّذِيْنَ يَكُوْنُوْنَ كَمِثْلِ أَنْبِيَآءِ بَنِيْ إِسْرَآئِيْلَ فِي الْاِجْتِبَآءِ وَ الْاِصْطِفَآءِ۔ وَيَأْمُرُنَا أَنْ نَّدْعُوَ أَنْ نَّكُوْنَ كَأَنْبِيَآءِ بَنِيْٓ إِسْرَآئِيْلَ۔ وَلَا نَكُوْنَ كَأَشْقِيَآءِ بَنِيْٓ إِسْرَآئِيْلَ۔ ثُمَّ بَعْدَ هٰذَا يَدُعُّنَا وَيُلْقِيْنَا فِيْ وِهَادِ الْحِرْمَانِ۔ وَيُرْسِلُ إِلَيْنَا رَسُوْلًا مِّنْ بَنِيْٓ إِسْرَآئِيْلَ وَيَنْسٰى وَعْدَهٗ كُلَّ النِّسْيَانِ۔ وَهَلْ هٰذَا إِلَّا الْمَكِيْدَةُ الَّتِيْ لَا يُنْسَبُ إِلَى اللّٰهِ الْمَنَّانِ۔ وَإِنَّ اللّٰهَ قَدْ ذَكَرَ فِيْ هٰذِهِ السُّوْرَةِ ثَلَاثَةَ أَحْزَابٍ مِّنَ الَّذِيْنَ أَنْعَمَ عَلَيْهِمْ وَ الْيَهُوْدِ وَ النَّصْرَانِيِّيْنَ۔ وَرَغَّبَنَا فِي الْحِزْبِ الْأَوَّلِ مِنْهَا وَنَهٰى عَنِ الْاٰخَرَيْنِ۔ بَلْ حَثَّنَا عَلَى الدُّعَآءِ وَالتَّضَرُّعِ وَالْاِبْتِهَالِ۔ لِنَكُوْنَ مِنَ الْمُنْعَمِ عَلَيْهِمْ لَا مِنَ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَأَهْلِ الضَّلَالِ۔

کیا تم اس میں آیت صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ نہیں پاتے؟ پس تم اُن لوگوں کی طرح نہ بن جاؤ جو اپنی دونوں آنکھوں کی روشنی کھو بیٹھے ہیں اور اُن کے پاس جو کچھ تھا وہ سب اُن سے جاتا رہا۔ تم پر افسوس! کیا قرآن کریم کے بعد بھی اَور کوئی دلیل ہے؟ یا گریز کا کوئی رستہ باقی رہ جاتا ہے؟ کیا تمہاری عقل قبول کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس دُعا میں بشارت دے کہ وہ اُن لوگوں کے لئے جو ہدایت کی راہ کے طالب ہیں اِسی امت میں سے ایسے ائمہ کو مبعوث کرے گا جو پسندیدہ اور برگزیدہ ہونے کے لحاظ سے بنی اسرائیل کے نبیوں کی طرح ہوں گے اور ہمیں حکم دے کہ ہم یہ دُعا کریں کہ ہم بنی اسرائیل کے نبیوں کی مانند ہو جائیں اور بنی اسرائیل کے بدبختوں کی طرح نہ ہوں اور پھر اس کے بعد ہمیں دھکّے دے کر محرومی کے گڑھے میں پھینک دے۔ وہ ہماری طرف بنی اسرائیل میں سے ایک رسول بھیج دے اور اپنا وعدہ پوری طرح بھول جائے۔ یہ ایسی فریب دہی ہے جو ہرگز خدائے محسن کی طرف منسوب نہیں ہوسکتی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ میں تین گروہوں کا ذکر کیا ہے یعنی منعم علیھم، یہود اور نصاریٰ کا۔ اور ہمیں ان میں سے پہلے گروہ میں شامل ہونے کی ترغیب دی ہے اور باقی دونوں گروہوں میں شامل ہونے سے روکا ہے۔ بلکہ ہمیں دُعا، عاجزی اور انکساری کی ترغیب دی ہے تاکہ ہم منعم علیھم (گروہ میں) سے ہو جائیں نہ کہ مغضوب علیھم اور ضالّین میں سے۔

وَالَّذِیْ أَنْزَلَ الْمَطَرَ مِنَ الْغَمَامِ۔ وَأَخْرَجَ الثَّمَرَ مِنَ الْأَکْمَامِ۔ لَقَدْ ظَهَرَ الْحَقُّ مِنْ هٰذِهِ الْاٰيَةِ۔ وَلَا يَشُكُّ فِيْهِ مَنْ أُعْطِيَ لَهٗ ذَرَّةٌ مِّنَ الدِّرَايَةِ۔ وَإِنَّ اللّٰهَ قَدْ مَنَّ عَلَيْنَا بِالتَّصْرِيْحِ وَالْإِظْهَارِ۔ وَ أَمَاطَ عَنَّا وَعْثَآءَ الْاِفْتِكَارِ۔ فَوَجَبَ عَلَى الَّذِيْنَ يُنَضْنِضُوْنَ نَضْنَضَةَ الصِّلِّ۔ وَيُحَمْلِقُوْنَ حَمْلَقَةَ الْبَازِي الْمُطِلِّ۔ اَنْ لَّا يُعْرِضُوْا عَنْ هٰذَا الْإِنْعَامِ۔ وَلَا يَكُوْنُوْا كَالْأَنْعَامِ۔ وَقَدْ عَلِقَ بِقَلْبِيْ أَنَّ الْفَاتِحَةَ تَأْسُوْ اَجْرَاحَهُمْ۔ وَ تُرِيْشُ جَنَاحَهُمْ۔ وَ مَا مِنْ سُوْرَةٍ فِي الْقُرْاٰنِ إِلَّا هِيَ تُكَذِّبُهُمْ فِيْ هٰذَا الْاِعْتِقَادِ۔ فَاقْرَءْ مِمَّا شِئْتَ مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ يُرِيْكَ طَرِيْقَ الصِّدْقِ وَ السَّدَادِ۔

اور اُس ذات کی قسم جس نے بادلوں سے بارش اُتاری اور شگوفوں سے پھل نکالے۔ اِس آیت سے حق ظاہر ہوگیا ہے اور جس کو ذرّہ بھر بھی سمجھ عطا کی گئی ہے وہ اس بارہ میں کوئی شک نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے پوری وضاحت سے (یہ اُمور) کھول کر ہم پر بہت احسان کیا ہے اور ہم سے غور و فکر کی مشقّت کو دور کر دیا ہے۔ پس جو لوگ سانپ کے زبان ہلانے کی طرح زبان ہلاتے ہیں اور (شکار کو) جھانکنے والے باز کے غصہ سے دیکھنے کی طرح غضبناک ہو کر دیکھتے ہیں اُن پر واجب ہے کہ اِس انعام سے منہ نہ پھیریں اور چوپایوں کی طرح نہ ہو جائیں۔ اور میرے دل میں یہ بات خوب بیٹھ گئی ہے کہ سورت فاتحہ دُعا کرنے والوں کے زخموں کا علاج کرتی ہے اور اُن کے (روحانی) بازوؤں پر پَر لگاتی ہے اور قرآن کی کوئی سورت ایسی نہیں جو اُنہیں اس اعتقاد (حیاتِ مسیح) کے بارے میں جھوٹا قرار نہ دیتی ہو۔ پس اللہ تعالیٰ کی اِس کتاب کو جہاں سے چاہو پڑھ لو۔ وہ تمہیں صدق و سداد کا راستہ ہی دکھائے گی۔

أَلَا تَرٰی أَنَّ سُوْرَةَ ''بَنِيْٓ إِسْرَآئِيْلَ'' يَمْنَعُ الْمَسِيْحَ أَنْ يَّرْقٰى فِي السَّمَآءِ۔ وَأَنَّ ''اٰلَ عِمْرَانَ'' تَعِدُهٗ أَنَّ اللّٰهَ مُتَوَفِّيْهِ وَ نَاقِلُهٗ إِلَى الْأَمْوَاتِ مِنَ الْأَحْيَآءِ۔ ثُمَّ إِنَّ الْمَآئِدَةَ تَبْسُطُ لَهٗ مَآئِدَةَ الْوَفَاةِ۔ فَاقْرَأْ ''فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي'' إِنْ كُنْتَ فِي الشُّبُهَاتِ۔ ثُمَّ إِنَّ ''الزُّمَرَ'' يَجْعَلُهٗ

کیا تم نہیں دیکھتے کہ سورت بنی اسرائیل مسیح کو اِس بات سے روکتی ہے کہ وہ آسمان میں چڑھ جائے اور یہ کہ سورۃ آلِ عمران مسیحؑ سے وعدہ کرتی ہے کہ خدا اُسے وفات دے گا اور اُسے زندوں سے مُردوں کی طرف منتقل کرنے والا ہے۔ پھر یہ کہ سورۃ مائدہ اس کے لئے موت کا دسترخوان بچھاتی ہے۔ اگر تمہیں شبہات ہوں تو فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ (والی آیت) پڑھ لو۔ پھر سورۃ زُمر اسے ایسے گروہ میں شامل کرتی

مِنْ زُمَرٍ لَّا يَعُوْدُوْنَ إِلَى الدُّنْيَا الدَّنِيَّةِ. وَ إِنْ شِئْتَ فَاقْرَأْ ''فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ ☆'' وَاعْلَمْ أَنَّ الرُّجُوْعَ حَرَامٌ بَعْدَ الْمَنِيَّةِ. وَ حَرَامٌ عَلٰى قَرْيَةٍ أَهْلَكَهَا اللّٰهُ أَنْ تُبْعَثَ قَبْلَ يَوْمِ النُّشُوْرِ. وَأَمَّا الْإِحْيَآءُ بِطَرِيْقِ الْمُعْجِزَةِ فَلَيْسَ فِيْهِ الرُّجُوْعُ إِلَى الدُّنْيَا الَّتِيْ هِيَ مَقَامُ الظُّلْمِ وَالزُّوْرِ. ثُمَّ إِذَا ثَبَتَ مَوْتُ الْمَسِيْحِ بِالنَّصِّ الصَّرِيْحِ. فَأَزَالَ اللّٰهُ وَهْمَ نُزُوْلِهٖ مِنَ السَّمَآءِ بِالْبَيَانِ الْفَصِيْحِ. وَأَشَارَ فِيْ سُوْرَةِ النُّوْرِ وَ الْفَاتِحَةِ. أَنَّ هٰذِهِ الْأُمَّةَ يَرِثُ أَنْبِيَآءَ بَنِيْٓ إِسْرَآئِيْلَ عَلَى الطَّرِيْقَةِ الظِّلِّيَّةِ. فَوَجَبَ أَنْ يَّأْتِيَ فِيْ اٰخِرِ الزَّمَانِ مَسِيْحٌ مِّنْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ كَمَا أَتٰى عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ فِيْ اٰخِرِ السِّلْسِلَةِ الْمُوْسَوِيَّةِ. فَإِنَّ مُوْسٰى وَمُحَمَّدًا عَلَيْهِمَا صَلَوَاتُ الرَّحْمٰنِ مُتَمَاثِلَانِ بِنَصِّ الْفُرْقَانِ. وَ إِنَّ سِلْسِلَةَ هٰذِهِ الْخِلَافَةِ تُشَابِهُ سِلْسِلَةَ تِلْكَ الْخِلَافَةِ. كَمَا هِيَ مَذْكُوْرَةٌ فِي الْقُرْاٰنِ. وَفِيْهَا لَا يَخْتَلِفُ اثْنَانِ. وَ قَدِ اخْتَتَمَتْ مِئَاتُ سِلْسِلَةِ خُلَفَآءِ مُوْسٰى عَلٰى عِيْسٰى كَمِثْلِ عِدَّةِ أَيَّامِ الْبَدْرِ. فَكَانَ مِنَ الْوَاجِبِ أَنْ يَّظْهَرَ مَسِيْحُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ فِيْ مُدَّةٍ هِيَ كَمِثْلِ هٰذَا الْقَدْرِ. وَقَدْ أَشَارَ إِلَيْهِ الْقُرْاٰنُ فِيْ

ہے جو اِس حقیر دنیا میں واپس نہیں آئیں گے۔ اگر تم چاہو تو فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ پڑھ لو اور معلوم کرلو کہ موت کے بعد (اس دنیا کی طرف) لوٹنا حرام ہے اور اُس بستی کا جسے اللہ تعالیٰ ہلاک کر دے قیامت سے پہلے زندہ اُٹھایا جانا حرام ہے۔ لیکن معجزہ کے طور پر زندہ ہونے کا مطلب اِس دنیا کی طرف لوٹنا نہیں جو ظلم اور فریب کا گھر ہے۔ پھر جب مسیحؑ کی موت نصِّ صریح سے ثابت ہوگئی اور اللہ تعالیٰ نے فصیح بیان میں اُس کے آسمان سے اُترنے کے وہم کا ازالہ کر دیا۔ اور سورۃ نور اور سورۃ فاتحہ میں اشارہ کیا کہ یہ اُمّت ظلّی طور پر بنی اسرائیل کے انبیاء کی وارث ہوگی تو یہ بات لازم ہوگئی کہ آخری زمانہ میں اِس امت میں بھی مسیحؑ آئے گا جس طرح عیسیٰ بن مریم موسوی سلسلہ کے آخر میں آئے تھے۔ کیونکہ حضرت موسیٰ اور حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہر دو پر خدائے رحمان کا درود اور سلام ہو، قرآنی نصّ کے رُو سے ایک دوسرے کے مثیل ہیں اور اِس خلافت کا سلسلہ اُس سلسلہءِ خلافت سے مشابہت رکھتا ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں اس سلسلہ کا ذکر موجود ہے اور اس بارہ میں کوئی دو آدمی مختلف نہیں اور خلفاء موسیٰؑ کے سلسلہ کی صدیاں چودھویں کے چاند کی گنتی کے مطابق حضرت عیسیٰؑ پر ختم ہوگئیں پس ضروری تھا کہ اس اُمّت کا مسیح اِسی قدر عرصہ میں (رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد) ظاہر ہو اور اس

☆ (الزّمر: ۴۳) ترجمہ: جس کی موت کا حکم جاری کر چکا ہوتا ہے اس کی روح کو روک رکھتا ہے۔

قَوْلِهٖ ’’لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّ اَنْتُمْ اَذِلَّةٌ‘‘★ وَ إِنَّ الْقُرْاٰنَ ذُو الْوُجُوْهِ كَمَا لَا يَخْفٰى عَلَى الْعُلَمَآءِ الْأَجِلَّةِ۔ فَالْمَعْنَى الثَّانِيْ لِهٰذِهِ الْاٰيَةِ فِيْ هٰذَا الْمَقَامِ۔ اَنَّ اللّٰهَ يَنْصُرُ الْمُؤْمِنِيْنَ بِظُهُوْرِ الْمَسِيْحِ إِلٰى مِئِيْنَ تُشَابِهُ عِدَّتُهَا أَيَّامَ الْبَدْرِ التَّآمِّ۔ وَالْمُؤْمِنُوْنَ أَذِلَّةٌ فِيْ تِلْكَ الْأَيَّامِ۔ فَانْظُرْ إِلٰى هٰذِهِ الْاٰيَةِ كَيْفَ تُشِيْرُ إِلٰى ضُعْفِ الْإِسْلَامِ۔ ثُمَّ تُشِيْرُ إِلٰى كَوْنِ هِلَالِهٖ بَدْرًا فِيْ أَجَلٍ مُّسَمًّى مِّنَ اللّٰهِ الْعَلَّامِ۔ كَمَا هُوَ مَفْهُوْمٌ مِّنْ لَّفْظِ الْبَدْرِ۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى هٰذَا الْإِفْضَالِ وَالْإِنْعَامِ۔ وَ حَاصِلُ مَا قُلْنَا فِيْ هٰذَا الْبَابِ۔ أَنَّ الْفَاتِحَةَ تُبَشِّرُ بِكَوْنِ الْمَسِيْحِ مِنْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّ الْأَرْبَابِ۔ فَقَدْ بُشِّرْنَا مِنَ الْفَاتِحَةِ بِأَئِمَّةٍ مِّنَّا هُمْ كَأَنْبِيَآءِ بَنِيْ إِسْرَآئِيْلَ۔ وَمَا بُشِّرْنَا بِنُزُوْلِ نَبِيٍّ مِّنَ السَّمَآءِ فَتَدَبَّرْ هٰذَا الدَّلِيْلَ۔ وَقَدْ سَمِعْتَ مِنْ قَبْلُ أَنَّ سُوْرَةَ النُّوْرِ قَدْ بَشَّرَتْنَا بِسِلْسِلَةِ خُلَفَآءٍ تُشَابِهُ سِلْسِلَةَ خُلَفَآءِ الْكَلِيْمِ۔ وَ كَيْفَ تَتِمُّ الْمُشَابَهَةُ مِنْ دُوْنِ أَنْ يَّظْهَرَ مَسِيْحٌ كَمَسِيْحِ سِلْسِلَةِ

کی طرف قرآن مجید نے آیت کریمہ وَ لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّ اَنْتُمْ اَذِلَّةٌ میں اشارہ کیا ہے اور جیسا کہ جلیل القدر عالموں پر مخفی نہیں قرآن کریم ذوالوجوہ ہے۔ سو اس جگہ اس آیت کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان صدیوں کے اختتام پر جن کی گنتی بدرِ کامل کے دنوں کے مشابہ ہے مسیح موعود کے ظہور سے مومنوں کی مدد فرمائے گا۔ درآنحالیکہ مومن اس زمانہ میں حقیر ہوں گے۔ پس اس آیت کو دیکھو کس طرح ترقی کے بعد اسلام کے ضعیف ہوجانے کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ پھر یہی آیت خدائے علیم وخبیر کی طرف سے مقرر کردہ مدّت میں ہلالِ اسلام کے بدر بن جانے کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ جیسا کہ آیت میں لفظِ بدر سے سمجھا جاتا ہے۔ پس اس فضل اور انعام پر خدا تعالیٰ کے لئے ہی سب تعریفیں ہیں۔ اس بارہ میں ہم نے جو کچھ بیان کیا ہے اس کا ماحصل یہ ہے کہ سورۃ فاتحہ بشارت دیتی ہے کہ مسیح موعود اِسی اُمت میں سے ہوگا اور یہ خداوند تعالیٰ کی طرف سے بطور فضل واحسان ہوگا۔ پس سورت فاتحہ کے ذریعہ ہمیں خوشخبری دی گئی ہے کہ انبیاء بنی اسرائیل کی مانند ہم میں ائمہ تو ہوں گے لیکن آسمان سے کسی نبی کے نازل ہونے کی ہمیں کوئی بشارت نہیں دی گئی۔ پس اس دلیل پر پورا غور کرو۔ اور تم قبل ازیں سُن چکے ہو کہ سورت نُور نے ہمیں حضرت موسیٰ کلیم اللہ کے خلفاء کے سلسلہ کی مانند ایک سلسلہ خلفاء کی بشارت دی ہے۔ پس یہ مشابہت کس طرح پوری ہوگی سوائے اس کے کہ سلسلۂ موسیٰ کلیم اللہ کے مسیح کی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

★ (اٰلِ عمران: ۱۲۴) ترجمہ: اور اس پہلے بدر کی جنگ میں جبکہ تم حقیر تھے اللہ یقیناً تمہیں مدد دے چکا ہے۔

الْكَلِيْمِ فِيْ اٰخِرِ سِلْسِلَةِ النَّبِيِّ الْكَرِيْمِ۔ وَ إِنَّا اٰمَنَّا بِهٰذَا الْوَعْدِ فَإِنَّهٗ مِنْ رَّبِّ الْعِبَادِ۔ وَ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ۔ وَ الْعَجَبُ مِنَ الْقَوْمِ أَنَّهُمْ مَّا نَظَرُوْا إِلٰى وَعْدِ حَضْرَةِ الْكِبْرِيَآءِ ۔ وَ هَلْ يُوَفّٰى وَيُنْجَزُ إِلَّا الْوَعْدُ فَلْيَنْظُرُوْا بِالتَّقْوٰى وَالْحَيَآءِ ۔ وَ هَلْ فِيْ شِرْعَةِ الْإِنْصَافِ۔ أَنْ يُّنَزَّلَ الْمَسِيْحُ مِنَ السَّمَآءِ وَيُخْلَفَ وَعْدُ مُمَاثَلَةِ سِلْسِلَةِ الْاِسْتِخْلَافِ۔ وَإِنَّ تَشَابُهَ السِّلْسِلَتَيْنِ قَدْ وَجَبَ بِحُكْمِ اللّٰهِ الْغَيُّوْرِ۔ ’’كَمَا‘‘ هُوَ مَفْهُوْمٌ مِّنْ لَّفْظِ ’’كَمَا‘‘ فِيْ سُوْرَةِ النُّوْرِ۔

(اعجاز المسیح، روحانی خزائن جلد ۱۸ صفحہ ۱۷۰ تا ۱۸۹)

کے سلسلہ کے آخر میں بھی ایک مسیح ظاہر ہو۔

ہمارا اِس وعدہ پر ایمان ہے کیونکہ یہ وعدہ ربّ عباد کی طرف سے ہے اور اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ اس قوم پر تعجب ہے کہ انہوں نے خدا تعالیٰ کے وعدہ کی طرف دھیان نہیں کیا اور خدائی وعدہ تو اٹل ہوتا ہے اور ضرور پورا ہو جاتا ہے پس چاہئے کہ خوفِ خدا اور حیاء کے ساتھ دیکھیں کہ آیا یہ قانون عدل ہے کہ مسیح آسمان سے نازل کیا جائے اور سلسلہ ہائے خلفاء کی مشابہت کے وعدہ کی خلاف ورزی کی جائے حالانکہ غیّور خدا کے حکم سے ان دونوں سلسلوں کی مشابہت واجب قرار پا چکی ہے جیسا کہ سورۃ نور کی آیت استخلاف کے لفظ کَمَا سے سمجھا جاتا ہے۔ (ترجمہ از مرتب)

وَحَاصِلُ الْكَلَامِ أَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يُبَشِّرُ لِأُمَّةِ نَبِيِّنَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَأَنَّهٗ يَقُوْلُ يَاعِبَادِ إِنَّكُمْ خُلِقْتُمْ عَلٰى طَبَائِعِ الْمُنْعَمِيْنَ السَّابِقِيْنَ وَ فِيْكُمُ اسْتِعْدَادَاتُهُمْ فَلَا تُضَيِّعُوا الْاِسْتِعْدَادَاتِ وَ جَاهِدُوْا لِتَحْصِيْلِ الْكَمَالَاتِ وَ اعْلَمُوْٓا أَنَّ اللّٰهَ جَوَّادٌ كَرِيْمٌ وَّلَيْسَ بِبَخِيْلٍ ضَنِيْنٍ۔ وَمِنْ هٰهُنَا يُفْهَمُ سِرُّ نُزُوْلِ الْمَسِيْحِ الَّذِيْ يَخْتَصِمُ النَّاسُ فِيْهِ۔ فَإِنَّ عَبْدًا مِّنْ عِبَادِ اللّٰهِ إِذَا اقْتَدٰى

حاصل کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمّت کو خوشخبری دیتا ہے گویا وہ یہ کہتا ہے کہ اے میرے بندو! تم پہلے انعام یافتہ لوگوں کی طبیعتوں پر پیدا کئے گئے ہو اور تم میں اُن کی استعدادیں رکھی گئی ہیں پس تم ان استعدادوں کو ضائع نہ کرو اور کمالات حاصل کرنے کے لئے مجاہدات کرو اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ بڑا ہی سخی اور کریم ہے اور وہ بخیل اور کنجوس نہیں اور یہاں سے نزولِ مسیح کا وہ راز سمجھا جا سکتا ہے جس کے بارہ میں لوگ جھگڑتے ہیں کیونکہ جب اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے ایک بندہ ہدایت یافتہ لوگوں کے طریق کی پیروی کرے

هُدَى الْمُهْتَدِيْنَ وَتَبِعَ سُنَنَ الْكَامِلِيْنَ وَ تَأَهَّبَ لِلْاِنْصِبَاغِ بِصِبْغِ الْمَهْدِيِّيْنَ وَعَطَفَ إِلَيْهِمْ بِجَمِيْعِ إِرَادَتِهٖ وَقُوَّتِهٖ وَجَنَانِهٖ وَأَدّٰى شَرْطَ السُّلُوْكِ بِحَسَبِ إِمْكَانِهٖ وَشَفَعَ الْأَقْوَالَ بِالْأَعْمَالِ وَالْمَقَالَ بِالْحَالِ وَدَخَلَ فِي الَّذِيْنَ يَتَعَاطَوْنَ كَأْسَ الْمَحَبَّةِ لِلْقَادِرِ ذِي الْجَلَالِ وَيَقْتَدِحُوْنَ زَنَادَ ذِكْرِ اللهِ بِالتَّضَرُّعِ وَالْاِبْتِهَالِ وَيَبْكُوْنَ مَعَ الْبَاكِيْنَ فَهُنَالِكَ يَفُوْرُ بَحْرُ رَحْمَةِ اللهِ لِيُطَهِّرَهٗ مِنَ الْأَوْسَاخِ وَالْأَدْرَانِ وَلِتُرْوِيَهٗ بِإِفَاضَةِ التَّهْتَانِ ثُمَّ يَأْخُذُ يَدَهٗ وَيُرْقِيْهِ إِلٰى أَعْلٰى مَرَاتِبِ الْاِرْتِقَاءِ وَالْعِرْفَانِ وَيُدْخِلُهٗ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنَ الصُّلَحَاءِ وَالْأَوْلِيَاءِ وَالرُّسُلِ وَالنَّبِيِّيْنَ فَيُعْطٰى كَمَالًا كَمِثْلِ كَمَالِهِمْ وَجَمَالًا كَمِثْلِ جَمَالِهِمْ وَجَلَالًا كَمِثْلِ جَلَالِهِمْ۔

وَ قَدْ يَقْتَضِي الزَّمَانُ وَالْمَصْلَحَةُ أَنْ يُّرْسَلَ هٰذَا الرَّجُلُ عَلٰى قَدَمِ نَبِيٍّ خَاصٍّ فَيُعْطٰى لَهٗ عِلْمًا كَعِلْمِهٖ وَعَقْلًا كَعَقْلِهٖ وَنُوْرًا كَنُوْرِهٖ وَاسْمًا كَاسْمِهٖ وَيَجْعَلُ اللهُ أَرْوَاحَهُمَا كَمَرَايَا مُتَقَابِلَةٍ

اور کامل لوگوں کے طریقوں کا مُتّبع ہو اور ہدایت یافتہ لوگوں کے رنگ سے رنگین ہونے کے لئے تیار ہو اور اپنے تمام ارادوں اور قوّت اور دل سے اُن کی طرف مائل ہو اور حتی الامکان سلوک کے شرائط ادا کرے اور اپنے اقوال کو اعمال سے اور قال کو حال سے مطابق کرے اور ان لوگوں میں داخل ہو جائے جو خدائے قادر ذوالجلال کی طرف سے محبت کا پیالہ لیتے ہیں اور ذکر اللہ کے چقماق سے تضرّع اور عاجزی کے ذریعہ روشنی حاصل کرتے ہیں اور رونے والوں کے ساتھ روتے ہیں تب (بندہ کے اس مقام پر پہنچنے پر) اللہ تعالیٰ کی رحمت کا سمندر جوش مارتا ہے تا اُس شخص کو تمام قسم کی روحانی میل کچیل سے پاک کرے اور تا اُسے موسلا دھار (روحانی) بارش کے فیضان سے سیراب کرے۔ پھر وہ اُس کی دستگیری کرتا ہے اور اُسے اِرتقاء اور عرفان کے اعلیٰ مراتب پر پہنچاتا ہے اور اُس کو اُن لوگوں میں داخل کر دیتا ہے جو صالحین، اولیاء، رسولوں اور نبیوں میں سے اُس سے پہلے گزر چکے ہیں۔ پس اُسے اُن کے کمالات کی طرح کمال اور اُن کے جمال کی طرح جمال اور اُن کے جلال کی طرح جلال عطا کیا جاتا ہے۔

اور کبھی زمانہ اور مصلحت اِس امر کی مقتضی ہوتی ہے کہ ایسا شخص ایک خاص نبی کے قدم پر بھیجا جائے پھر اُسے اُس نبی کا سا علم، اور اُس کی عقل کی سی عقل، اور اس کے نُور کا سا نُور، اور اُس کے نام کا سا نام دیا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اُن دونوں کی روحوں کو اُن آئینوں کی طرح بنا دیتا ہے جو آمنے سامنے

فَيَكُوْنُ النَّبِيُّ كَالْأَصْلِ وَالْوَلِيُّ كَالظِّلِّ مِنْ مَّرْتَبَتِهٖ يَأْخُذُ وَمِنْ رُّوْحَانِيَّتِهٖ يَسْتَفِيْدُ حَتّٰى يَرْتَفِعَ مِنْهُمَا الْاِمْتِيَازُ وَالْغَيْرِيَّةُ وَتَرِدُ أَحْكَامُ الْأَوَّلِ عَلَى الْاٰخِرِ وَيَصِيْرَانِ كَشَيْءٍ وَّاحِدٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ مَلَاءِهِ الْأَعْلٰى وَيَنْزِلُ عَلَى الْاٰخِرِ إِرَادَةُ اللّٰهِ وَ تَصْرِيْفُهٗ إِلٰى جِهَةٍ وَّأَمْرُهٗ وَنَهْيُهٗ بَعْدَ عُبُوْرِهٖ عَلٰى رُوْحِ الْأَوَّلِ وَهٰذَا سِرٌّ مِّنْ أَسْرَارِ اللّٰهِ تَعَالٰى لَا يَفْهَمُهٗ إِلَّا مَنْ كَانَ مِنَ الرُّوْحَانِيِّيْنَ۔

(کرامات الصادقین، روحانی خزائن جلد ۷ صفحہ ۱۲۷)

ہوں۔ پس نبی اصل کی طرح ہوتا ہے اور ولی ظلّ کی طرح۔ وہ اس کے مرتبہ سے (حصّہ) لیتا ہے اور اُس کی روحانیت سے استفادہ کرتا ہے۔ یہاں تک کہ اُن کے درمیان امتیاز اور غیریّت اُٹھ جاتے ہیں اور پہلے (اصل) کے احکام دوسرے (ظلّ) پر وارد ہو جاتے ہیں تب وہ دونوں اللہ اور ملاءِ اعلیٰ کے نزدیک ایک شئی کی طرح ہو جاتے ہیں اور دوسرے پر اللہ تعالیٰ کا ارادہ اور اللہ کا اُسے ایک جہت کی طرف پھرانا اور اس کا امر اور اُس کی نہی پہلے (اصل) کی روح پر عبور کرنے کے بعد اُس دوسرے (ظلّ) پر اُترتے ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کے اسرار میں سے ایسا سرّ ہے جس کو سوائے روحانی لوگوں کے اور کوئی نہیں سمجھتا۔ (ترجمہ از مرتب)

فَالْحَاصِلُ أَنَّ دُعَاءَ ''اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ'' يُنْجِي الْإِنْسَانَ مِنْ كُلِّ أَوَدٍ وَّيُظْهِرُ عَلَيْهِ الدِّيْنَ الْقَوِيْمَ وَ يُخْرِجُهٗ مِنْ بَيْتٍ قَفْرٍ إِلٰى رِيَاضِ الثَّمَرِ وَ الرَّيَاحِيْنِ۔ وَ مَنْ زَادَ فِيْهِ إِلْحَاحًا زَادَهُ اللّٰهُ صَلَاحًا وَّالنَّبِيُّوْنَ اٰنَسُوْا مِنْهُ أُنْسَ الرَّحْمٰنِ فَمَا فَارَقُوا الدُّعَاءَ طَرْفَةَ عَيْنٍ إِلٰى اٰخِرِ الزَّمَانِ وَ مَا كَانَ لِأَحَدٍ أَنْ يَّكُوْنَ غَنِيًّا عَنْ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ وَلَا مُعْرِضًا عَنْ هٰذِهِ الْمَنِيَّةِ نَبِيًّا أَوْ كَانَ مِنَ

پس خلاصہ یہ ہے کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کی دُعا انسان کو ہر کجی سے نجات دیتی ہے اور اُس پر دینِ قویم کو واضح کرتی ہے اور اُس کو ویران گھر سے نکال کر پھلوں اور خوشبوؤں بھرے باغات میں لے جاتی ہے۔ اور جو شخص بھی اس دُعا میں زیادہ آہ وزاری کرتا ہے اللہ تعالیٰ اُس کو خیر و برکت میں بڑھاتا ہے۔ دُعا سے ہی نبیوں نے خدائے رحمان کی محبت حاصل کی اور اپنے آخری وقت تک ایک لحظہ کے لئے بھی دُعا کو نہ چھوڑا اور کسی کے لئے مناسب نہیں کہ وہ اس دُعا سے لاپرواہ ہو، یا اس مقصد سے منہ پھیر لے خواہ وہ نبی ہو یا رسولوں میں سے۔ کیونکہ رُشد اور ہدایت کے مراتب کبھی ختم نہیں ہوتے بلکہ وہ بے انتہاء ہیں اور عقل و دانش کی نگاہیں ان تک نہیں پہنچ

الْمُرْسَلِيْنَ. فَإِنَّ مَرَاتِبَ الرُّشْدِ وَالْهِدَايَةِ لَا تَتِمُّ أَبَدًا بَلْ هِيَ إِلٰى غَيْرِ النِّهَايَةِ وَ لَا تَبْلُغُهَا أَنْظَارُ الدِّرَايَةِ فَلِذٰلِكَ عَلَّمَ اللّٰهُ تَعَالٰى هٰذَا الدُّعَآءَ لِعِبَادِهٖ وَ جَعَلَهٗ مَدَارَ الصَّلٰوةِ لِيَتَمَتَّعُوْا بِرَشَادِهٖ وَلِيَكْمِلَ النَّاسُ بِهِ التَّوْحِيْدَ وَ لِيَذْكُرُوا الْمَوَاعِيْدَ وَ لِيَسْتَخْلِصُوْا مِنْ شِرْكِ الْمُشْرِكِيْنَ وَ مِنْ كَمَالَاتِ هٰذَا الدُّعَآءِ أَنَّهٗ يَعُمُّ كُلَّ مَرَاتِبِ النَّاسِ وَكُلَّ فَرْدٍ مِّنْ أَفْرَادِ الْأُنَاسِ. وَ هُوَ دُعَآءٌ غَيْرُ مَحْدُوْدٍ لَّا حَدَّ لَهٗ وَلَا انْتِهَآءَ وَلَا غَايَ وَلَا أَرْجَآءَ فَطُوْبٰى لِلَّذِيْنَ يُدَاوِمُوْنَ عَلَيْهِ بِقَلْبٍ دَامِي الْقَرْحِ وَبِرُوْحٍ صَابِرَةٍ عَلَى الْجُرْحِ وَ نَفْسٍ مُّطْمَئِنَّةٍ كَعِبَادِ اللّٰهِ الْعَارِفِيْنَ.

وَإِنَّهٗ دُعَآءٌ تَضَمَّنَ كُلَّ خَيْرٍ وَّسَلَامَةٍ وَّسَدَادٍ وَّاسْتِقَامَةٍ وَّفِيْهِ بَشَارَاتٌ مِّنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

سکتیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو یہ دعا سکھائی اور اسے نماز کا مدار ٹھہرایا تا لوگ اس کی ہدایت سے فائدہ اُٹھائیں اور اس کے ذریعہ توحید کو مکمل کریں اور (خدا تعالیٰ کے) وعدوں کو یاد رکھیں اور مشرکوں کے شرک سے نجات پاویں۔ اس دُعا کے کمالات میں سے ایک یہ ہے کہ وہ لوگوں کے تمام مراتب پر حاوی ہے اور ہر فرد پر بھی حاوی ہے۔ وہ ایک غیر محدود دعا ہے جس کی کوئی حد بندی یا انتہاء نہیں اور نہ اس کی کوئی غایت یا کنارہ ہے۔ پس مبارک ہیں وہ لوگ جو خدا کے عارف بندوں کی طرح اِس دُعا پر مداومت اختیار کرتے ہیں زخمی دلوں کے ساتھ جن سے خون بہتا ہے اور ایسی رُوحوں کے ساتھ جو زخموں پر صبر کرنے والی ہوں اور نفوسِ مُطْمَئِنَّہ کے ساتھ۔

یہ وہ دُعا ہے جو ہر خیر، سلامتی، پختگی اور استقامت پر مشتمل ہے اور اس دُعا میں ربّ العالمین کی طرف سے بڑی بشارتیں ہیں۔ (ترجمہ از مرتب)

(کرامات الصادقین، روحانی خزائن جلد ۷ صفحہ ۱۳۶، ۱۳۷)

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ۔ الرَّحْمٰن کے بالمقابل ہے کیونکہ ہدایت پانا کسی کا حق تو نہیں ہے بلکہ محض رحمانیتِ الٰہی سے یہ فیض حاصل ہوسکتا ہے اور صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ۔ اَلرَّحِيْمِ کے بالمقابل ہے کیونکہ اس کا ورد کرنے والا رحیمیت کے چشمہ سے فیض حاصل کرتا ہے اور اس کے یہ معنے ہیں کہ اے رحمِ خاص سے دُعاؤں کے قبول کرنے والے ان رسولوں اور صدیقوں اور شہیدوں اور صالحوں کی راہ ہم کو دکھا جنہوں نے دُعا اور مجاہدات میں مصروف ہو کر تجھ سے انواع واقسام کے معارف اور حقائق اور کشوف اور الہامات کا

انعام پایا اور دائمی دُعا اور تضرّع اور اعمالِ صالحہ سے معرفتِ تامّہ کو پہنچے۔

(الحکم جلد ۵ نمبر ۳۴ مؤرخہ ۱۷؍ستمبر ۱۹۰۱ء صفحہ ۱)

ساتویں صداقت جو سورہ فاتحہ میں درج ہے اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ ہے جس کے معنے یہ ہیں کہ ہم کو وہ راستہ دکھلا اور اُس راہ پر ہم کو ثابت اور قائم کر کہ جو سیدھا ہے جس میں کسی نوع کی کجی نہیں۔ اس صداقت کی تفصیل یہ ہے کہ انسان کی حقیقی دعا یہی ہے کہ وہ خدا تک پہنچنے کا سیدھا راستہ طلب کرے کیونکہ ہر یک مطلوب کے حاصل کرنے کے لئے طبعی قاعدہ یہ ہے کہ ان وسائل کو حاصل کیا جائے جن کے ذریعہ سے وہ مطلب ملتا ہے اور خدا نے ہر یک امر کی تحصیل کے لئے یہی قانون قدرت ٹھہرا رکھا ہے کہ جو اس کے حصول کے وسائل ہیں وہ حاصل کئے جائیں اور جن راہوں پر چلنے سے وہ مطلب مل سکتا ہے وہ راہیں اختیار کی جائیں اور جب انسان صراطِ مستقیم پر ٹھیک ٹھیک قدم مارے اور جو حصول مطلب کی راہیں ہیں ان پر چلنا اختیار کرے تو پھر مطلب خود بخود حاصل ہو جاتا ہے لیکن ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا کہ اُن راہوں کے چھوڑ دینے سے جو کسی مطلب کے حصول کے لئے بطور وسائل کے ہیں یونہی مطلب حاصل ہو جائے بلکہ قدیم سے یہی قانون قدرت بندھا ہوا چلا آتا ہے کہ ہر یک مقصد کے حصول کے لئے ایک مقرری طریقہ ہے جب تک انسان اس طریقہ مقررہ پر قدم نہیں مارتا تب تک وہ امر اس کو حاصل نہیں ہوتا۔ پس وہ شے جس کو محنت اور کوشش اور دُعا اور تضرّع سے حاصل کرنا چاہئے صراطِ مستقیم ہے۔ جو شخص صراطِ مستقیم کی طلب میں کوشش نہیں کرتا اور نہ اس کی کچھ پرواہ رکھتا ہے وہ خدا کے نزدیک ایک کجرو آدمی ہے اور اگر وہ خدا سے بہشت اور عالمِ ثانی کی راحتوں کا طالب ہو تو حکمتِ الٰہی اسے یہی جواب دیتی ہے کہ اے نادان اوّل صراطِ مستقیم کو طلب کر پھر یہ سب کچھ تجھے آسانی سے مل جائے گا۔ سو سب دعاؤں سے مقدم دُعا جس کی طالبِ حق کو اشدّ ضرورت ہے طلبِ صراطِ مستقیم ہے۔ اب ظاہر ہے کہ ہمارے مخالفین اس صداقت پر قدم مارنے سے بھی محروم ہیں۔ عیسائی لوگ تو اپنی ہر دعا میں روٹی ہی مانگا کرتے ہیں۔ اور اگر کھا پی کر اور پیٹ بھر کر بھی گرجا میں آویں پھر بھی جھوٹ موٹ اپنے تئیں بھوکے ظاہر کر کے روٹی مانگتے رہتے ہیں گویا ان کا مطلوبِ اعظم روٹی ہی ہے وبس۔ آریہ سماج والے اور دوسرے ان کے بُت پرست بھائی اپنی دعاؤں میں جنم مرن سے بچنے کے لئے یعنی اواگون سے جو اُن کے زُعمِ باطل میں ٹھیک اور درست ہے طرح طرح کے اشلوک پڑھا کرتے ہیں اور صراطِ مستقیم کو خدا سے نہیں مانگتے۔ علاوہ اس کے اللہ تعالیٰ نے تو اس جگہ جمع کا لفظ بیان کر کے اس بات کی

طرف اشارہ کیا ہے کہ کوئی انسان ہدایت طلب کرنے اور انعام الٰہی پانے سے ممنوع نہیں ہے مگر بموجبِ اصول آریا سماج کے ہدایت طلب کرنا گنہگار کے لئے ناجائز ہے اور خدا اس کو ضرور سزا دے گا اور ہدایت پانا نہ پانا اس کے لئے برابر ہے۔ برہمو سماج والوں کا دعاؤں پر کچھ ایسا اعتقاد ہی نہیں وہ ہر وقت اپنی عقل کے گھمنڈ میں رہتے ہیں اور نیز ان کا یہ بھی مقولہ ہے کہ کسی خاص دعا کو بندگی اور عبادت کے لئے خاص کرنا ضروری نہیں۔ انسان کو اختیار ہے جو چاہے دعا مانگے مگر یہ ان کی سراسر نادانی ہے اور ظاہر ہے کہ اگرچہ جزوی حاجات صدہا انسان کو لگی ہوئی ہیں مگر حاجتِ اعظم جس کا دن رات اور ہر یک دم فکر کرنا چاہئے صرف ایک ہی ہے یعنی یہ کہ انسان ان طرح طرح کے حُجبِ ظلمانیہ سے نجات پا کر معرفت کامل کے درجہ تک پہنچ جائے اور کسی طرح کی نابینائی اور کور باطنی اور بے مہری اور بے وفائی باقی نہ رہے بلکہ خدا کو کامل طور پر شناخت کر کے اور اس کی خالص محبت سے پُر ہو کر مرتبہ وصال الٰہی کا جس میں اس کی سعادتِ تامّہ ہے پالیوے۔ یہی ایک دعا ہے جس کی انسان کو سخت حاجت ہے اور جس پر اس کی ساری سعادت موقوف ہے سو اس کے حصول کا سیدھا راستہ یہی ہے کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کہے کیونکہ انسان کے لئے ہر یک مطلب کے پانے کا یہی ایک طریق ہے کہ جن راہوں پر چلنے سے وہ مطلب حاصل ہوتا ہے ان راہوں پر مضبوطی سے قدم مارے اور وہی راستہ اختیار کرے کہ جو سیدھا منزل مقصود تک پہنچتا ہے اور بے راہیوں کو چھوڑ دے اور یہ بات نہایت بدیہی ہے کہ ہر شے کے حصول کے لئے خدا نے اپنے قانونِ قدرت میں صرف ایک ہی راستہ ایسا رکھا ہے جس کو سیدھا کہنا چاہئے اور جب تک ٹھیک ٹھیک وہی راستہ اختیار نہ کیا جائے ممکن نہیں کہ وہ چیز حاصل ہو سکے جس طرح خدا کے تمام قواعد قدیم سے مقرر اور منضبط ہیں ایسا ہی نجات اور سعادتِ اُخروی کی تحصیل کے لئے ایک خاص طریق مقرر ہے جو مستقیم اور سیدھا ہے۔ سو دعا میں وضع استقامت یہی ہے کہ اسی طریق مستقیم کو خدا سے مانگا جائے۔ (براہین احمدیہ چہار حصص، روحانی خزائن جلد ۱ صفحہ ۵۳۲ تا ۵۴۵ حاشیہ نمبر ۱۱)

حقیقی نیکی پر قدم مارنا صراطِ مستقیم ہے اور اسی کا نام توسط اور اعتدال ہے کیونکہ توحید فعلی جو مقصود بالذّات ہے وہ اسی سے حاصل ہوتی ہے اور جو شخص اس نیکی کے حاصل کرنے میں متساہل رہے وہ درجہ تفریط میں ہے اور جو شخص اس سے آگے بڑھے وہ افراط میں پڑتا ہے ہر جگہ رحم کرنا افراط ہے کیونکہ محل کے ساتھ بے محل کا پیوند کر دینا اصل پر زیادتی ہے اور یہی افراط ہے اور کسی جگہ بھی رحم نہ کرنا یہ تفریط ہے کیونکہ اس میں محل بھی فوت کر دیا اور یہی تفریط ہے وضع شی کا اپنے محل پر کرنا یہ توسط اور اعتدال ہے کہ جو صراطِ مستقیم سے موسوم ہے

جس کی تحصیل کے لئے کوشش کرنا ہر ایک مسلمان پر فرض کیا گیا ہے اور اُس کی دُعا ہر نماز میں بھی مقرر ہوئی ہے جو صراطِ مستقیم کو مانگتا رہے کیونکہ یہ امر اُس کو توحید پر قائم کرنے والا ہے کیونکہ صراطِ مستقیم پر ہونا خدا کی صفت ہے علاوہ اس کے صراطِ مستقیم کی حقیقت حق اور حکمت ہے۔ پس اگر وہ حق اور حکمت خدا کے بندوں کے ساتھ بجالایا جائے تو اُس کا نام حقیقی نیکی ہے اور اگر خدا کے ساتھ بجالایا جائے تو اُس کا نام اخلاص اور احسان ہے اور اگر اپنے نفس کے ساتھ ہو تو اُس کا نام تزکیۂ نفس ہے اور صراط مستقیم ایسا لفظ ہے کہ جس میں حقیقی نیکی اور اخلاص باللہ اور تزکیۂ نفس تینوں شامل ہیں۔

اب اس جگہ یہ بھی سمجھنا چاہئے کہ صراط مستقیم جو حق اور حکمت پر مبنی ہے تین قسم پر ہے۔ علمی اور عملی اور حالی اور پھر یہ تینوں تین قسم پر ہیں۔ علمی میں حق اللہ اور حق العباد اور حق النفس کا شناخت کرنا ہے اور عملی میں اُن حقوق کو بجالانا۔ مثلاً حق علمی یہ ہے کہ اُس کو ایک سمجھنا اور اُس کو مبداء تمام فیوض کا اور جامع تمام خوبیوں کا مرجع اور مآب ہر ایک چیز کا اور منزّہ ہر ایک عیب اور نقصان سے جاننا اور جامع تمام صفات کاملہ ہونا اور قابل عبودیت ہونا اسی میں محصور رکھنا یہ تو حق اللہ میں علمی صراطِ مستقیم ہے۔ اور عملی صراطِ مستقیم یہ ہے جو اُس کی طاعت اخلاص سے بجالانا اور طاعت میں اُس کا کوئی شریک نہ کرنا اور اپنی بہبودی کے لئے اسی سے دُعا مانگنا اور اُسی پر نظر رکھنا اور اُسی کی محبت میں کھوئے جانا یہ عملی صراطِ مستقیم ہے کیونکہ یہی حق ہے۔

اور حق العباد میں علمی صراط مستقیم یہ جو اُن کو اپنا بنی نوع خیال کرنا اور اُن کو بندگان خدا سمجھنا اور بالکل ہیچ اور ناچیز خیال کرنا کیونکہ معرفتِ حقّہ مخلوق کی نسبت یہی ہے جو اُن کا وجود ہیچ اور ناچیز ہے اور سب فانی ہیں یہ توحید علمی ہے کیونکہ اس سے عظمت ایک کی ذات کی نکلتی ہے کہ جس میں کوئی نقصان نہیں اور اپنی ذات میں کامل ہے۔

اور عملی صراط مستقیم یہ ہے (کہ) حقیقی نیکی بجالانا یعنی وہ امر جو حقیقت میں اُن کے حق میں اصلح اور راست ہے بجالانا۔ یہ توحید عملی ہے کیونکہ موحّد کی اس میں یہ غرض ہوتی ہے کہ اس کے اخلاق سراسر خدا کے اخلاق میں فانی ہوں۔

اور حق النفس میں علمی صراط مستقیم یہ ہے کہ جو جو نفس میں آفات پیدا ہوتے ہیں جیسے عُجب اور ریا اور تکبّر اور حقد اور حسد اور غرور اور حرص اور بخل اور غفلت اور ظلم اُن سب سے مطلع ہونا اور جیسے وہ حقیقت میں اخلاقِ رذیلہ ہیں ویسا ہی اُن کو اخلاق رذیلہ جاننا یہ علمی صراط مستقیم ہے اور یہ توحید علمی ہے کیونکہ اس سے عظمت ایک ہی ذات کی نکلتی ہے کہ جس میں کوئی عیب نہیں اور اپنی ذات میں قدوس ہے۔

اورحق النفس میں عملی صراط مستقیم یہ ہے جو نفس سے اُن اخلاق رذیلہ کا قلع قمع کرنا اور صفت تخلّی عن رذائل اور تحلّی بالفضائل سے متّصف ہونا یہ عملی صراط مستقیم ہے یہ توحید حالی ہے کیونکہ موحّد کی اس سے یہ غرض ہوتی ہے کہ تا اپنے دل کو غیر اللہ کے دخل سے خالی کرے اور تا اُس کو فنا فی تقدس اللہ کا درجہ حاصل ہو۔ اور اُس میں اور حق العباد میں جو عملی صراط مستقیم ہے ایک فرق باریک ہے اور وہ یہ ہے جو عملی صراط مستقیم حق النفس کا وہ صرف ایک ملکہ ہے جو بذریعہ ورزش کے انسان حاصل کرتا ہے۔ اور ایک بالمعنٰی شرف ہے خواہ خارج میں کبھی ظہور میں آوے یا نہ آوے۔ لیکن حق العباد جو عملی صراط مستقیم ہے وہ ایک خدمت ہے اور تبھی متحقق ہوتی ہے کہ جب افراد کثیرہ بنی آدم کو خارج میں اس کا اثر پہنچے اور شرط خدمت کی ادا ہو جائے غرض تحقّق عملی صراط مستقیم حق العباد کا ادائے خدمت میں ہے اور عملی صراط مستقیم حق النفس کا صرف تزکیۂ نفس پر مدار ہے کسی خدمت کا ادا ہونا ضروری نہیں یہ تزکیۂ نفس ایک جنگل میں اکیلے رہ کر بھی ادا ہو سکتا ہے لیکن حق العباد بجز بنی آدم کے ادا نہیں ہو سکتا۔ اسی لئے فرمایا گیا جو رہبانیت اسلام میں نہیں۔

اب جاننا چاہیئے جو صراط مستقیم علمی اور عملی سے غرض اصلی توحید علمی اور توحید عملی ہے یعنی وہ توحید جو بذریعہ علم کے حاصل ہو اور وہ توحید جو بذریعہ عمل کے حاصل ہو۔ پس یاد رکھنا چاہیئے جو قرآن شریف میں بجز توحید کے اور کوئی مقصود اصلی قرار نہیں دیا گیا اور باقی سب اُس کے وسائل ہیں۔

(الحکم جلد ۹ نمبر ۳۳ مؤرخہ ۲۴ رستمبر ۱۹۰۵ء صفحہ ۳، ۴)

گناہ سے تو جلالی رنگ اور ہیبت ہی سے بچ سکتا ہے جب یہ علم ہو کہ اللہ تعالیٰ اس گناہ کی سزا میں شدید العذاب ہے اور مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ہے تو انسان پر ایک ہیبت سی طاری ہو جائے گی جو اس کو گناہ سے بچا لے گی اور جمال نیکیوں کی طرف جذب کرتا ہے جب کہ یہ معلوم ہو جائے کہ خدا تعالیٰ ربُّ العالمین ہے رحمٰن ہے رحیم ہے تو بے اختیار ہو کر دل اس کی طرف کھنچا جائے گا اور ایک سرور اور لذّت کے ساتھ نیکیوں کا صدور ہونے لگے گا۔ (الحکم جلد ۵ نمبر ۴۵ مؤرخہ ۱۰ ردسمبر ۱۹۰۱ء صفحہ ۱)

وَفِي الْاٰيَةِ إِشَارَةٌ أُخْرٰى وَهِيَ أَنَّ الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ هُوَ النِّعْمَةُ الْعُظْمٰى وَرَأْسُ كُلِّ نِعْمَةٍ وَّبَابُ كُلِّ مَا يُعْطٰى وَيَنْتَابُ الْعَبْدَ نِعَمُ اللّٰهِ مُذْ أُعْطِيَ لَهٗ هٰذِهِ الدَّوْلَةُ الْكُبْرٰى

اس آیت میں ایک اور اشارہ ہے کہ صراطِ مستقیم نعمتِ عظمٰی ہے اور ہر نعمت کی جڑ ہے اور ہر عطا کا دروازہ ہے اور جب بندہ کو یہ بڑی حکومت اور نہ مٹنے والی بادشاہت عطا کی جاتی ہے تو اُس پر اللہ کی نعمتیں

وَمُلْكٌ لَّا يَبْلٰى.

وَمَنْ تَأَهَّبَ لِهٰذِهِ النِّعْمَةِ وَوُفِّقَ لِلثَّبَاتِ عَلَيْهَا فَقَدْ دُعِيَ إِلٰى كُلِّ أَنْوَاعِ الْهُدٰى وَرَأَى الْعَيْشَ النَّضِيْرَ وَالنُّوْرَ الْمُنِيْرَ بَعْدَ لَيَالِي الدُّجٰى. نَجَّاهُ اللّٰهُ مِنْ كُلِّ الْهَفَوَاتِ قَبْلَ الْفَوَاتِ وَأَدْخَلَهُ فِيْ زُمَرِ التُّقَاةِ بَعْدَ مُقَانَاةِ الْعُصَاةِ وَأَرَاهُ سُبُلَ الَّذِيْنَ أَنْعَمَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ.

وَأَمَّا حَقِيْقَةُ الصِّرَاطِ الْمُسْتَقِيْمِ الَّتِيْ أُرِيْدَتْ فِي الدِّيْنِ الْقَوِيْمِ فَهِيَ أَنَّ الْعَبْدَ إِذَا أَحَبَّ رَبَّهُ الْمَنَّانَ وَكَانَ رَاضِيًا بِمَرْضَاتِهٖ وَفَوَّضَ إِلَيْهِ الرُّوْحَ وَالْجَنَانَ وَأَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ الْإِنْسَانَ وَمَا دَعَا إِلَّا إِيَّاهُ وَصَافَاهُ وَنَاجَاهُ وَسَأَلَهُ الرَّحْمَةَ وَالْحَنَانَ وَتَنَبَّهَ مِنْ غَشْيِهٖ وَاسْتَقَامَ فِيْ مَشْيِهٖ وَخَشِيَ الرَّحْمٰنَ وَشَغَفَهُ اللّٰهُ حُبًّا وَأَعَانَ وَقَوَّى الْيَقِيْنَ وَالْإِيْمَانَ فَمَالَ الْعَبْدُ إِلٰى رَبِّهٖ بِكُلِّ قَلْبِهٖ وَ إِرْبِهٖ وَعَقْلِهٖ وَجَوَارِحِهٖ وَأَرْضِهٖ وَحَقْلِهٖ وَأَعْرَضَ عَمَّا سِوَاهُ وَ مَا بَقِيَ لَهٗ إِلَّا رَبُّهٗ وَ مَا تَبِعَ إِلَّا هَوَاهُ وَجَآءَهٗ بِقَلْبٍ فَارِغٍ عَنْ غَيْرِهٖ وَمَا

پَے در پے نازل ہوتی ہیں۔

اور جو اِس نعمت کو قبول کرنے کے لئے تیار ہو جائے اور اس پر ثابت قدمی کی توفیق پالے تو وہ ہر قسم کی ہدایت کی طرف بلایا گیا۔ اور اندھیری راتوں کے بعد اُس نے خوشگوار زندگی اور روشن کرنے والے نُور کو پالیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اُسے ضیاع سے قبل ہر قسم کی لغزش سے نجات دیتا ہے۔ نافرمانوں کے اختلاط کے باوجود اللہ تعالیٰ اُسے متقیوں کے زُمرہ میں داخل کر دیتا ہے اور اُسے منعم علیہم کی راہیں دکھاتا ہے نہ کہ مغضوب علیہم اور گمراہوں (کے راستے)۔ صراطِ مستقیم کی حقیقت جو دینِ قویم کے مدِّ نظر ہے وہ یہ ہے کہ جب بندہ اپنے فضل و احسان والے خدا سے محبت کرنے لگے۔ اُس کی رضا پر راضی رہے۔ اپنی رُوح اور دل اُس کے سپرد کر دے اور اپنے آپ کو اُس خدا کو سونپ دے جس نے انسان کو پیدا کیا ہے۔ اُس کے علاوہ کسی اور سے دُعا نہ کرے۔ اُسی سے خاص محبت رکھے۔ اُسی سے مناجات کرے اور اُسی سے رحمت و شفقت مانگے۔ اپنی بے ہوشی سے ہوش میں آجائے۔ اپنی چال سیدھی کرے اور خدائے رحمان سے ڈرے۔ محبت الٰہی اُس کے رگ و ریشہ میں سرایت کر جائے۔ اللہ تعالیٰ اُس کی مدد کرے اور اُس کے یقین اور ایمان کو پختہ کرے۔ تب بندہ اپنے پورے دل، اپنی خواہشات، اپنی عقل، اپنے اعضاء اور اپنی زمین اور کھیتی باڑی سب کے ساتھ کلّی طور پر اپنے ربّ کی طرف مائل ہو جاتا ہے اور اس کے سوا سب سے منہ موڑ لیتا ہے۔ اُس کی نگاہ

قَصَدَ إِلَّا اللّٰهَ فِيْ سُبُلِ سَيْرِهٖ وَتَابَ مِنْ كُلِّ إِدْلَالٍ وَّ اغْتِرَارٍ بِمَالٍ وَّ ذِيْ مَالٍ وَّ حَضَرَ حَضْرَةَ الرَّبِّ كَالْمَسَاكِيْنِ وَ وَذَرَ الْعَاجِلَةَ وَ أَلْغَاهَا وَ أَحَبَّ الْاٰخِرَةَ وَ ابْتَغَاهَا وَ تَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ وَ كَانَ لِلّٰهِ وَ فَنِيَ فِي اللّٰهِ وَ سَعٰى إِلَى اللّٰهِ كَالْعَاشِقِيْنَ۔ فَهٰذَا هُوَ الصِّرَاطُ الْمُسْتَقِيْمُ الَّذِيْ هُوَ مُنْتَهٰى سَيْرِ السَّالِكِيْنَ وَ مَقْصَدُ الطَّالِبِيْنَ الْعَابِدِيْنَ۔ وَ هٰذَا هُوَ النُّوْرُ الَّذِيْ لَا يَحِلُّ الرَّحْمَةُ إِلَّا بَعْدَ حُلُوْلِهٖ وَلَا يَحْصُلُ الْفَلَاحُ إِلَّا بَعْدَ حُصُوْلِهٖ وَهٰذَا هُوَ الْمِفْتَاحُ الَّذِيْ يُنَاجِي السَّالِكُ مِنْهُ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ وَ تُفْتَحُ عَلَيْهِ أَبْوَابُ الْفِرَاسَةِ وَ يُجْعَلُ مُحَدَّثًا مِّنَ اللّٰهِ الْغَفُوْرِ۔ وَ مَنْ نَاجٰى رَبَّهٗ ذَاتَ بُكْرَةٍ بِهٰذَا الدُّعَآءِ بِالْإِخْلَاصِ وَ إِمْحَاضِ النِّيَّةِ وَ رِعَايَةِ شَرَآئِطِ الْاِتِّقَآءِ وَالْوَفَآءِ۔ فَلَا شَكَّ أَنَّهٗ يَحُلُّ مَحَلَّ الْأَصْفِيَآءِ وَالْأَحِبَّآءِ وَالْمُقَرَّبِيْنَ۔ وَمَنْ تَأَوَّهَ اٰهَةَ الثَّكْلَانِ فِيْ حَضْرَةِ الرَّبِّ الْمَنَّانِ وَطَلَبَ اسْتِجَابَةَ هٰذَا

میں اپنے ربّ کے سوا اور کچھ بھی باقی نہیں رہ جاتا۔ وہ اپنے محبوب ہی کی پیروی کرتا ہے۔ اپنے دل کو غیروں سے خالی کر کے اُس کے حضور حاضر ہوجاتا ہے اور اپنے راہِ سلوک میں اللہ تعالیٰ کے سوا اس کا کوئی مقصود نہیں ہوتا اور وہ مال اور صاحبِ مال پر کسی قسم کا ناز کرنے یا ان سے دھوکا کھانے سے تائب ہو جاتا ہے۔ اور بارگاہِ ربُّ العزّت میں مسکینوں کی طرح حاضر ہوجاتا ہے۔ وہ دنیا کو ترک کر دیتا ہے اور اس سے الگ ہوجاتا ہے اور آخرت سے محبت کرتا ہے اور اُسے ہی چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ پر توکّل کرتا ہے اور اُسی کا ہی ہو رہتا ہے خدا میں ہی فنا ہوجاتا ہے اور عاشقوں کی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف دوڑتا آتا ہے پس یہی وہ صراطِ مستقیم ہے جو سالکوں کے سلوک کی انتہاء ہے اور طالبوں اور عابدوں کا آخری مقصود ہے اور یہی وہ نور ہے کہ جس کے اُترنے کے بغیر رحمتِ الٰہی نازل نہیں ہوا کرتی اور اس کے حصول کے بغیر کوئی حقیقی کامیابی حاصل نہیں ہوسکتی۔ یہ وہ کلید ہے جس کے ذریعہ سالکِ راہ اپنے سینے کی باتیں ربّ کے حضور مناجات میں ذکر کرتا ہے۔ اور اس پر فراست کے دروازے کھولے جاتے ہیں اور خدائے بخشندہ کی طرف سے اُسے محدّث قرار دیا جاتا ہے۔ اور جو شخص صبح کے وقت اخلاص، خالص نیّت، پرہیزگاری اور وفاداری کی شرائط کی پابندی سے پوشیدہ طور پر خدا تعالیٰ سے یہ دُعا مانگے تو بلاشبہ وہ برگزیدہ لوگوں، خدا کے محبّوں اور مقرّبوں کا مقام حاصل کر لیتا ہے اور جو شخص گم کردہ اولاد والے کی طرح خدائے محسن کی جناب میں آہیں بھرے اور خدائے رحمان سے عاجزی، انکساری کرتے

الدُّعَآءِ مِنَ اللهِ الرَّحْمٰنِ خَاشِعًا مُّبْتَهِلًا وَّ عَيْنَاهُ تَذْرِفَانِ فَيُسْتَجَابُ دُعَآؤُهٗ وَيُكْرَمُ مَثْوَاهُ وَيُعْطٰى لَهٗ هُدَاهُ وَتُقَوّٰى لَهٗ عَقِيْدَتُهٗ بِالدَّلَآئِلِ★ الْمُنِيْرَةِ كَالْيَاقُوْتِ وَ يُقَوّٰى لَهٗ قَلْبُهُ الَّذِيْ كَانَ أَوْهَنَ مِنْ بَيْتِ الْعَنْكَبُوْتِ وَيُوَفَّقُ لِتَوْسِعَةِ الذَّرْعِ وَدَقَآئِقِ الْوَرَعِ فَيُدْعٰى إِلٰى قِرَى الرُّوْحَانِيِّيْنَ وَ مَطَائِبِ الرَّبَّانِيِّيْنَ. وَ يَكُوْنُ فِيْ كُلِّ حَالٍ غَالِبًا عَلٰى هَوًى مَّغْلُوْبٍ وَّيَقُوْدُهٗ بِرِعَايَةِ الشَّرْعِ حَيْثُ يَشَآءُ كَأَشْجَعِ رَاكِبٍ عَلٰى أَطْوَعِ مَرْكُوْبٍ وَّلَا يَبْغِي الدُّنْيَا وَ لَا يَتَعَنّٰى لِأَجْلِهَا وَ لَا يَسْجُدُ لِعِجْلِهَا وَيَتَوَلَّاهُ اللهُ وَ هُوَ يَتَوَلَّى الصَّالِحِيْنَ. وَتَكُوْنُ نَفْسُهٗ مُطْمَئِنَّةً وَّ لَا تَبْقٰى كَالْمُبِيْدِ الْمُضِلِّ. وَ لَا تُحَمْلِقُ حَمْلَقَةَ الْبَازِ الْمُطِلِّ وَيَرٰى مَقَاصِدَ سُلُوْكِهٖ كَالْكِرَامِ وَلَا تَكُوْنُ سُحُبُهٗ كَالْجَهَامِ بَلْ يُشْرِبُ كُلَّ حِيْنٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّعِيْنٍ. وَحَثَّ اللهُ عِبَادَهٗ عَلٰى أَنْ يَّسْأَلُوْهُ إِدَامَةَ ذٰلِكَ الْمَقَامِ وَالتَّثَبُّتَ عَلَيْهِ وَ الْوُصُوْلَ إِلٰى هٰذَا

ہوئے جبکہ اُس کی آنکھیں بہہ رہی ہوں اس دُعا کی قبولیت کی التجا کرے تو اُس کی دُعا قبول کر لی جاتی ہے اور اُسے عزّت والی جگہ ملتی ہے۔ اُس کو اُس کے مناسب حال ہدایت دی جاتی ہے۔ اس کا عقیدہ یاقوت کی مانند روشن دلائل سے پختہ کیا جاتا ہے اُس کا دل جو مکڑی کے جالے سے بھی زیادہ کمزور تھا مضبوط کیا جاتا ہے۔ اُسے وسعتِ اخلاق اور تقویٰ کی باریک راہوں کی توفیق دی جاتی ہے۔ اور وہ روحانی لوگوں کی مہمانی اور ربّانی لوگوں کی عمدہ چیزوں کی طرف بلایا جاتا ہے۔ وہ ہر حال میں مغلوب خواہش پر غالب رہتا ہے اور اپنی خواہشِ نفس کو شریعت کی نگرانی میں جدھر چاہے ہانکتا ہے جیسے ایک بہادر ترین سوار مطیع ترین سواری پر سوار ہو کر اسے ہانکتا ہو۔ وہ دنیا کو نہیں چاہتا۔ نہ اُس کی خاطر اپنے آپ کو مشقّت میں ڈالتا ہے۔ نہ دنیا کے بچھڑے کو سجدہ کرتا ہے۔ خدا تعالیٰ اس کا متولّی ہو جاتا ہے اور وہی صالح بندوں کا متولّی ہوا کرتا ہے۔ اس کا نفس مطمئن ہو جاتا ہے اور وہ (نفس) اُس کے لئے ہلاک کنندہ اور گمراہ کُن کی طرح نہیں رہتا۔ اور اُوپر سے شکار پر جھانکنے والے باز کی طرح آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دنیا کی طرف نہیں دیکھتا۔ ایسا شخص اپنے سلوک کے مقاصد کو سخیوں کی طرح ظاہر دیکھتا ہے۔ اس کی (فیاضی کے) بادل خشک بادلوں کی طرح نہیں ہوتے۔ بلکہ وہ ہر وقت دوسروں کو صاف جاری پانی پلاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ترغیب دلائی ہے کہ وہ اُس سے ان کے اس مقام پر دوام، ثابت قدمی اور اس مقصد تک پہنچنے کے لئے التجا کیا کریں۔ کیونکہ وہ ایک بہت ہی بلند

★ یظہر ان بالدلائل۔ شمس

الْمَرَامِ لِأَنَّهٗ مَقَامٌ رَّفِيْعٌ وَّمَرَامٌ مَّنِيْعٌ لَّا يَحْصُلُ لِأَحَدٍ إِلَّا بِفَضْلِ رَبِّهٖ لَا بِجُهْدِ نَفْسِهٖ فَلَا بُدَّ مِنْ أَنْ يَّضْطَرَّ الْعَبْدُ لِتَحْصِيْلِ هٰذِهِ النِّعْمَةِ إِلٰى حَضْرَةِ الْعِزَّةِ وَيَسْأَلُهٗ إِنْجَاحَ هٰذِهِ الْمُنْيَةِ بِالْقِيَامِ وَ الرُّكُوْعِ وَ السَّجْدَةِ وَ التَّمَرُّغِ عَلٰى تُرْبِ الْمَذَلَّةِ بَاسِطًا ذَيْلَ الرَّاحَةِ وَمُتَعَرِّضًا لِّلْاِسْتِمَاحَةِ كَالسَّآئِلِيْنَ الْمُضْطَرِّيْنَ۔

مقام ہے اور مشکل سے حاصل ہونے والا مقصد ہے جو صرف فضلِ الٰہی سے ہی کسی کو حاصل ہوتا ہے نہ کہ نفس کی کوشش سے۔ پس ضروری ہے کہ بندہ اس نعمت کو حاصل کرنے کے لئے بڑے اضطرار سے بارگاہِ ایزدی کی طرف بڑھے اور اُس سے اِس آرزو میں کامیابی کے لئے قیام، رکوع اور سجدہ کرتے ہوئے سوالیوں اور مجبوروں کی طرح ذلّت کی خاک میں لتھڑ کر ہاتھوں کی ہتھیلیاں پھیلا پھیلا کر بخشش مانگتے ہوئے التجائیں کرتا رہے۔ (ترجمہ از مرتب)

(کرامات الصادقین، روحانی خزائن جلد ۷ صفحہ ۱۳۳ تا ۱۳۵)

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ سے پایا جاتا ہے کہ جب انسانی کوششیں تھک کر رہ جاتی ہیں تو آخر اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔ دعا کامل تب ہوتی ہے کہ ہر قسم کی خیر کی جامع ہو اور ہر شر سے بچاوے پس اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ میں ساری خیر جمع ہیں اور غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّيْنَ میں سب شرّوں حتی کہ دجّالی فتنہ سے بچنے کی دعا ہے۔ مغضوب سے بالاتفاق یہودی اور الضّالین سے نصارٰی مراد ہیں اب اگر اس میں کوئی رمز اور حقیقت نہ تھی تو اس دُعا کی تعلیم سے کیا غرض تھی؟ اور پھر ایسی تاکید کہ اس دُعا کے بدوں نماز ہی نہیں ہوتی اور ہر رکعت میں اس کا پڑھا جانا ضروری قرار دیا بھید اس میں یہی تھا کہ یہ ہمارے زمانہ کی طرف ایما ہے۔ اس وقت صراط مستقیم یہی ہے جو ہماری راہ ہے۔ (الحکم جلد ۵ نمبر ۶ مؤرخہ ۱۷ رفروری ۱۹۰۱ء صفحہ ۷)

صراط مستقیم ۔۔۔ یہ ہے کہ مسلمانوں کے ہاتھ میں اسلامی ہدایتوں پر قائم ہونے کے لئے تین چیزیں ہیں (۱) قرآن شریف جو کتاب اللہ ہے جس سے بڑھ کر ہمارے ہاتھ میں کوئی کلام قطعی اور یقینی نہیں وہ خدا کا کلام ہے وہ شک اور ظن کی آلائشوں سے پاک ہے (۲) دوسری سُنّت اور اس جگہ ہم اہلحدیث کی اصطلاحات سے الگ ہو کر بات کرتے ہیں۔ یعنی ہم حدیث اور سُنّت کو ایک چیز قرار نہیں دیتے جیسا کہ رسمی محدّثین کا طریق ہے بلکہ حدیث الگ چیز ہے اور سنّت الگ چیز۔ سُنّت سے مُراد ہماری صرف آنحضرتؐ کی فعلی روش ہے جو اپنے اندر تواتر رکھتی ہے اور ابتدا سے قرآن شریف کے ساتھ ہی ظاہر ہوئی اور ہمیشہ ساتھ ہی رہے گی یا بہ تبدیل الفاظ یوں کہہ سکتے ہیں کہ قرآن شریف خدا تعالیٰ کا قول ہے اور سُنّت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل اور قدیم

سے عادۃ اللہ یہی ہے کہ جب انبیاء علیہم السلام خدا کا قول لوگوں کی ہدایت کے لئے لاتے ہیں تو اپنے فعل سے یعنی عملی طور پر اس قول کی تفسیر کر دیتے ہیں تا اس قول کا سمجھنا لوگوں پر مشتبہ نہ رہے اور اس قول پر آپ بھی عمل کرتے ہیں اور دوسروں سے بھی عمل کراتے ہیں (۳) تیسرا ذریعہ ہدایت کا حدیث ہے اور حدیث سے مُراد ہمارے وہ آثار ہیں کہ جو قصّوں کے رنگ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قریباً ڈیڑھ سو برس بعد مختلف راویوں کے ذریعوں سے جمع کئے گئے ہیں۔ (ریویو بر مباحثہ بٹالوی وچکڑالوی، روحانی خزائن جلد ۱۹ صفحہ ۲۰۹، ۲۱۰)

قرآن شریف میں اس کا نام استقامت رکھا ہے جیسا کہ وہ یہ دعا سکھلاتا ہے۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۔یعنی ہمیں استقامت کی راہ پر قائم کر ان لوگوں کی راہ جنہوں نے تجھ سے انعام پایا اور جن پر آسمانی دروازے کھلے۔ واضح رہے کہ ہر ایک چیز کی وضع استقامت اس کی علّتِ غائی پر نظر کر کے سمجھی جاتی ہے۔ اور انسان کے وجود کی علّتِ غائی یہ ہے کہ نوع انسان خدا کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ پس انسانی وضع استقامت یہ ہے کہ جیسا کہ وہ اطاعت ابدی کے لئے پیدا کیا گیا ہے ایسا ہی درحقیقت خدا کے لئے ہو جائے۔ اور جب وہ اپنے تمام قویٰ سے خدا کے لئے ہو جائے گا تو بلاشبہ اس پر انعام نازل ہوگا جس کو دوسرے لفظوں میں پاک زندگی کہہ سکتے ہیں۔ جیسا کہ تم دیکھتے ہو کہ جب آفتاب کی طرف کی کھڑکی کھولی جائے تو آفتاب کی شعاعیں ضرور کھڑکی کے اندر آ جاتی ہیں ایسا ہی جب انسان خدا تعالیٰ کی طرف بالکل سیدھا ہو جائے اور اس میں اور خدا تعالیٰ میں کچھ حجاب نہ رہے تب فی الفور ایک نورانی شعلہ اس پر نازل ہوتا ہے اور اُس کو منوّر کر دیتا ہے اور اس کی تمام اندرونی غلاظت دھو دیتا ہے۔ تب وہ ایک نیا انسان ہو جاتا ہے اور ایک بھاری تبدیلی اس کے اندر پیدا ہوتی ہے۔ تب کہا جاتا ہے کہ اس شخص کو پاک زندگی حاصل ہوئی۔ اس پاک زندگی کے پانے کا مقام یہی دنیا ہے۔ اسی کی طرف اللہ جلّ شانہ اس آیت میں اشارہ فرماتا ہے۔ مَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖۤ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَ اَضَلُّ سَبِيْلًا (بنی اسرائیل: ۷۳) یعنی جو شخص اس جہان میں اندھا رہا اور خدا کے دیکھنے کا اس کو نور نہ ملا وہ اس جہان میں بھی اندھا ہی ہوگا۔

(سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب، روحانی خزائن جلد ۱۲ صفحہ ۳۴۴، ۳۴۵)

بیشک الہام صحیح اور سچے کے لئے یہی شرط لازمی ہے کہ اس کے مقاماتِ مجملہ کی تفصیل بھی اسی الہام کے ذریعہ سے کی جائے جیسا کہ قرآن کریم میں یعنی سورہ فاتحہ میں یہ آیت ہے۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ اب اس آیت میں جو اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کا لفظ ہے یہ ایک مجمل لفظ تھا اور تشریح

طلب تھا تو خدا تعالیٰ نے دوسرے مقام میں خود اس کی تشریح کر دی اور فرمایا کہ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِيْنَ (النّسآء:۷۰)

(جنگِ مقدس، روحانی خزائن جلد ۶ صفحہ ۱۱۵)

چار مراتب کمال ہیں جن کو طلب کرنا ہر ایک ایماندار کا فرض ہے اور جو شخص ان سے بکلّی محروم ہے وہ ایمان سے محروم ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ جلّ شانہٗ نے سورہ فاتحہ میں مسلمانوں کے لئے یہی دُعا مقرر کی ہے کہ وہ اِن ہر چہار کمالات کو طلب کرتے رہیں۔ اور وہ دُعا یہ ہے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ اور قرآن شریف کے دوسرے مقام میں اِس آیت کی تشریح کی گئی ہے اور ظاہر فرمایا گیا ہے کہ منعم علیہم سے مراد نبی اور صدیق اور شہید اور صالحین ہیں۔ اور انسان کامل اِن ہر چہار کمالات کا مجموعہ اپنے اندر رکھتا ہے۔ (تریاق القلوب، روحانی خزائن جلد ۱۵ صفحہ ۴۲۳)

انسانی زندگی کا مقصد اور غرض صراطِ مستقیم پر چلنا اور اس کی طلب ہے جس کو اس سورۃ میں ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ یا اللہ ہم کو سیدھی راہ دکھا ان لوگوں کی راہ جن پر تیرا انعام ہوا۔ یہ وہ دعا ہے جو ہر وقت ہر نماز اور ہر رکعت میں مانگی جاتی ہے اس قدر اس کا تکرار ہی اس کی اہمیت کو ظاہر کرتا ہے۔ ہماری جماعت یاد رکھے کہ یہ معمولی سی بات نہیں ہے۔ اور صرف زبان سے طوطے کی طرح ان الفاظ کا رٹ دینا اصل مقصود نہیں ہے بلکہ یہ انسان کو انسانِ کامل بنانے کا ایک کارگر اور خطا نہ کرنے والا نسخہ ہے جسے ہر وقت نصب العین رکھنا چاہئے اور تعویذ کی طرح مدِّ نظر رہے اس آیت میں چار قسم کے کمالات کے حاصل کرنے کی التجا ہے۔ اگر یہ ان چار قسم کے کمالات کو حاصل کرے گا تو گویا دُعا مانگنے اور خلقِ انسانی کے حق کو ادا کرے گا اور ان استعدادوں اور قویٰ کے بھی کام میں لانے کا حق ادا ہو جائے گا جو اس کو دی گئی ہیں۔

اس بات کو کبھی بھولنا نہیں چاہئے کہ قرآن شریف کے بعض حصّہ دوسرے کی تفسیر اور شرح ہیں ایک جگہ ایک امر بطریق اجمال بیان کیا جاتا ہے اور دوسری جگہ وہی امر کھول کر بیان کر دیا گیا ہے گویا دوسرا پہلے کی تفسیر ہے۔ پس اس جگہ جو یہ فرمایا صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۔ تو یہ بطریق اجمال ہے لیکن دوسرے مقام پر منعم علیہم کی خود ہی تفسیر کر دی ہے مِنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِيْنَ۔ منعم علیہ چار قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ نبی۔ صدیق۔ شہدا اور صالح۔ انبیاء علیہم السلام میں چاروں شانیں جمع ہوتی ہیں کیونکہ یہ

اعلیٰ کمال ہے۔ ہر ایک انسان کا یہ فرض ہے کہ وہ ان کمالات کے حاصل کرنے کے لئے جہاں مجاہدہ صحیحہ کی ضرورت ہے اس طریق پر جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے دکھایا ہے کوشش کرے۔

(الحکم جلد ۹ نمبر ۱۱ مؤرخہ ۳۱؍مارچ ۱۹۰۵ء صفحہ ۵، ۶)

غور سے قرآن کریم کو دیکھو تو تمہیں معلوم ہوگا کہ پہلی ہی سورہ میں اللہ تعالیٰ نے دُعا کی تعلیم دی ہے۔ اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ صِرَاطَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ غَيۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَيۡهِمۡ وَلَا الضَّآلِّيۡنَ دُعا تب ہی جامع ہوسکتی ہے کہ وہ تمام منافع اور مفاد کو اپنے اندر رکھتی ہو اور تمام نقصانوں اور مضرتوں سے بچاتی ہو۔ پس اس دُعا میں تمام بہترین منافع جو ہو سکتے ہیں اور ممکن ہیں وہ اس دعا میں مطلوب ہیں اور بڑی سے بڑی نقصان رساں چیز جو انسان کو ہلاک کر دیتی ہے اُس سے بچنے کی دُعا ہے میں بار بار کہہ چکا ہوں کہ منعم علیہ چار قسم کے لوگ ہیں۔ اوّل نبی، دوم صدیق، سوم شہید، چہارم صالحین۔ پس اس دُعا میں گویا ان چاروں گروہوں کے کمالات کی طلب ہے نبیوں کا عظیم الشان کمال یہ ہے کہ وہ خدا سے خبریں پاتے ہیں۔ چنانچہ قرآن شریف میں آیا ہے فَلَا يُظۡهِرُ عَلٰى غَيۡبِهٖۤ اَحَدًا ○ اِلَّا مَنِ ارۡتَضٰى مِنۡ رَّسُوۡلٍ (الجنّ:۲۷، ۲۸) یعنی خدا تعالیٰ کے غیب کی باتیں کسی دوسرے پر ظاہر نہیں ہوتی ہیں ہاں اپنے نبیوں میں سے جس کو وہ پسند کرے۔ جو لوگ نبوت کے کمالات سے حِصّہ لیتے ہیں اللہ تعالیٰ اُن کو قبل از وقت آنے والے واقعات کی اطلاع دیتا ہے۔ اور یہ بہت بڑا عظیم الشان نشان خدا کے ماموراور مرسلوں کا ہوتا ہے اس سے بڑھ کر اور کوئی معجزہ نہیں۔

(الحکم جلد ۵ نمبر ۱۰ مؤرخہ ۱۷؍مارچ ۱۹۰۱ء صفحہ ۳)

حسب منطوق آیت ثُلَّةٌ مِّنَ الۡاَوَّلِيۡنَ وَ ثُلَّةٌ مِّنَ الۡاٰخِرِيۡنَ (الواقعة:۴۰، ۴۱) خالص محمدی گروہ جو ہر ایک پلید ملونی اور آمیزش سے پاک اور توبہ نصوح سے غسل دیئے ہوئے ایمان اور دقائق عرفان اور علم اور عمل اور تقویٰ کے لحاظ سے ایک کثیر التعداد جماعت ہے یہ اسلام میں صرف دو گروہ ہیں یعنی گروہ اوّلین و گروہ آخرین جو صحابہ اور مسیح موعود کی جماعت سے مراد ہے اور چونکہ حکم کثرت مقدار اور کمال صفائی انوار پر ہوتا ہے اس لئے اس سورۃ میں اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ کے فقرہ سے مراد یہی دونوں گروہ ہیں یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم معہٗ اپنی جماعت کے اور مسیح موعود معہٗ اپنی جماعت کے۔ خلاصہ کلام یہ کہ خدا نے ابتدا سے اس اُمت میں دو گروہ ہی تجویز فرمائے ہیں اور انہی کی طرف سورہ فاتحہ کے فقرہ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ میں اشارہ ہے (۱) ایک اوّلین جو جماعتِ نبوی ہے (۲) دوسرے آخرین جو جماعت مسیح موعود ہے۔

(تحفہ گولڑویہ، روحانی خزائن جلد ۱۷ صفحہ ۲۲۵، ۲۲۶)

اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی تھی کہ تم پنج وقت نمازوں میں یہ دُعا پڑھا کرو کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ یعنے اے ہمارے خدا اپنے منعم علیہم بندوں کی ہمیں راہ بتا وہ کون ہیں۔ نبی اور صدیق اور شہید اور صلحاء۔ اس دُعا کا خلاصہ مطلب یہی تھا کہ ان چاروں گروہوں میں سے جس کا زمانہ تم پاؤ اس کے سایہ صحبت میں آ جاؤ اور اس سے فیض حاصل کرو۔ (آئینہ کمالاتِ اسلام، روحانی خزائن جلد ۵ صفحہ ۶۱۲)

قَالَ اللهُ جَلَّ شَأْنُهٗ ”ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ وَ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ“ ★ وَحَثَّ عِبَادَهٗ عَلٰى دُعَآءِ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ فَمَا مَعْنَى الدُّعَآءِ لَوْ كُنَّا مِنَ الْمَحْرُوْمِيْنَ وَأَنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ الَّذِيْنَ أَنْعَمَ اللهُ عَلَيْهِمْ أَوَّلًا هُمُ الْأَنْبِيَآءُ وَالرُّسُلُ وَمَا كَانَ الْإِنْعَامُ مِنْ قِسْمِ دِرْهَمٍ وَّدِيْنَارٍ بَلْ مِنْ قِسْمِ عُلُوْمٍ وَّمَعَارِفَ وَنُزُوْلِ بَرَكَاتٍ وَّأَنْوَارٍ كَمَا تَقَرَّرَ عِنْدَ الْعَارِفِيْنَ۔

اللہ جلّ شانہ نے فرمایا ہے۔ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ وَ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ اور اپنے بندوں کو اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کی دعا کرنے کی ترغیب دی ہے۔ اگر ہم نے محروم ہی رہنا تھا تو دُعا سکھانے کے کیا معنی؟ اور تمہیں معلوم ہے کہ انعام یافتہ لوگوں میں سے سب سے پہلے نبی اور رسول ہی ہیں اور یہ انعام دِرہم و دینار کی قسم کا نہیں بلکہ عُلوم و معارف اور نزولِ برکات و انوار کی قسم کا ہے جیسا کہ عارف لوگوں کے نزدیک یہ بات طے شدہ ہے۔

وَ إِذَا أُمِرْنَا بِهٰذِهِ الدُّعَآءِ فِيْ كُلِّ صَلَاةٍ فَمَا أَمَرَنَا رَبُّنَا إِلَّا لِيُسْتَجَابَ دُعَآؤُنَا وَنُعْطٰى مَا أُعْطِيَ مِنَ الْإِنْعَامَاتِ لِلْمُرْسَلِيْنَ۔ وَ قَدْ بَشَّرَنَا عَزَّ اسْمُهٗ بِعَطَآءِ إِنْعَامَاتٍ أَنْعَمَ عَلَى الْأَنْبِيَآءِ وَالرُّسُلِ مِنْ قَبْلِنَا وَ جَعَلَنَا لَهُمْ وَارِثِيْنَ۔ فَكَيْفَ نَكْفُرُ بِهٰذِهِ الْإِنْعَامَاتِ وَنَكُوْنُ كَقَوْمٍ عَمِيْنَ وَ كَيْفَ يُمْكِنُ أَنْ

اور جب ہمیں ہر نماز میں یہ دُعا کرنے کا حکم دیا گیا ہے تو ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ حکم محض اس لئے دیا ہے کہ ہماری دُعا قبول کی جائے اور ہمیں بھی وہی انعامات دیئے جائیں جو انعامات رسولوں کو عطا کئے گئے تھے اور اللہ عزّ اسمہ نے ہمیں اُن انعامات کے دیئے جانے کی بشارت دی ہے جو اُس نے ہم سے پہلے انبیاء اور رسولوں کو دیئے تھے اور ہمیں ان کا وارث ٹھہرایا ہے۔ پس ہم کس طرح ان انعامات کا انکار کریں اور اندھے لوگوں کی طرح ہو جائیں۔ اور یہ کیسے

★ (الواقعۃ: ۴۰، ۴۱) ترجمہ۔ (اصحاب الیمین) یہ گروہ شروع میں ایمان لانے والے لوگوں میں سے بھی بکثرت ہوگا اور آخر میں ایمان لانے والے لوگوں میں سے بھی بکثرت ہوگا۔

يُّخْلِفَ اللّٰهُ مَوَاعِيْدَهٗ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَيَجْعَلَنَا مِنَ الْمُخَيَّبِيْنَ۔

أَنْتَ تَعْلَمُ يَا أَخِيْ أَنَّ سَرَاةَ الْمُنْعَمِيْنَ عَلَيْهِمْ هُمُ الْأَنْبِيَآءُ وَالرُّسُلُ وَقَدْ بَشَّرَنَا اللّٰهُ بِعَطَآءِ هُدَاهُمْ وَبَصِيْرَتِهِمُ الْكَامِلَةِ الَّتِيْ لَا تَحْصُلُ إِلَّا بَعْدَ مُكَالَمَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى أَوْ رُؤْيَةِ اٰيَاتِهٖ ۔ عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ كَيْفَ زَعَمْتَ أَنَّ أَوْلِيَآءَ اللّٰهِ مَحْرُوْمُوْنَ مِنْ مُّكَالَمَةِ اللّٰهِ وَ مُخَاطَبَاتِهٖ وَ لَيْسُوْا مِنَ الْمُكَلَّمِيْنَ۔

(تحفۃ بغداد، روحانی خزائن جلد ۷ صفحہ ۱۵، ۱۶)

ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ پکّے وعدے کرنے کے بعد ان کی خلاف ورزی کرے اور ہمیں نامُرادوں میں سے کر دے۔

اے بھائی! تمہیں معلوم ہے کہ انعام یافتہ لوگوں کے سرخیل انبیاء اور رسول ہیں اور ہمیں بھی اللہ تعالیٰ نے اُنہیں کی ہدایت اور اُنہیں کی کامل بصیرت دیئے جانے کی بشارت دی ہے جو اللہ تعالیٰ سے مکالمہ ومخاطبہ پانے یا اس کے نشانات کو دیکھنے کے بغیر حاصل نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ تجھے معاف کرے! تُو نے یہ کیسے خیال کر لیا کہ اولیاء اللہ اللہ تعالیٰ کے مکالمہ ومخاطبہ سے محروم ہیں اور اُن لوگوں میں شامل نہیں جن سے اللہ تعالیٰ ہمکلام ہوتا ہے؟

(ترجمہ از مرتب)

ہم نماز میں یہ دعا کرتے ہیں کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ اِس سے یہی مطلب ہے کہ خدا سے ہم اپنے ترقی ایمان اور بنی نوع کی بھلائی کے لئے چار قسم کے نشان چار کمال کے رنگ میں چاہتے ہیں۔ نبیوں کا کمال۔ صدّیقوں کا کمال۔ شہیدوں کا کمال۔ صلحاء کا کمال۔ سو نبی کا خاص کمال یہ ہے کہ خدا سے ایسا علم غیب پاوے جو بطور نشان کے ہو۔ اور صدیق کا کمال یہ ہے کہ صدق کے خزانہ پر ایسے کامل طور پر قبضہ کرے یعنی ایسے اکمل طور پر کتاب اللہ کی سچائیاں اُس کو معلوم ہو جائیں کہ وہ بوجہ خارقِ عادت ہونے کے نشان کی صورت پر ہوں۔ اور اُس صدیق کے صدق پر گواہی دیں اور شہید کا کمال یہ ہے کہ مصیبتوں اور دُکھوں اور ابتلاؤں کے وقت میں ایسی قوتِ ایمانی اور قوتِ اخلاقی اور ثابت قدمی دکھلاوے کہ جو خارقِ عادت ہونے کی وجہ سے بطور نشان کے ہو جائے اور مرد صالح کا کمال یہ ہے کہ ایسا ہر ایک قسم کے فساد سے دُور ہو جائے اور مجسّم صلاح بن جائے کہ وہ کامل صلاحیت اس کی خارقِ عادت ہونے کی وجہ سے بطور نشان مانی جائے۔ سو یہ چاروں قسم کے کمال جو ہم پانچ وقت خدا تعالیٰ سے نماز میں مانگتے ہیں یہ دوسرے لفظوں میں ہم خدا تعالیٰ سے آسمانی نشان طلب کرتے ہیں اور جس میں یہ طلب نہیں اُس میں ایمان بھی نہیں۔ ہماری نماز کی حقیقت یہی طلب ہے جو ہم چار رنگوں میں پنج وقت خدا تعالیٰ سے چار نشان

مانگتے ہیں اور اِس طرح پر زمین پر خدا تعالیٰ کی تقدیس چاہتے ہیں تا ہماری زندگی انکار اور شک اور غفلت کی زندگی ہو کر زمین کو پلید نہ کرے اور ہر ایک شخص خدا تعالیٰ کی تقدیس تبھی کر سکتا ہے کہ جب وہ یہ چاروں قسم کے نشان خدا تعالیٰ سے مانگتا رہے۔ (تریاق القلوب، روحانی خزائن جلد ۱۵ صفحہ ۵۱۵، ۵۱۶)

غرض منعم علیہم لوگوں میں جو کمالات ہیں اور صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ میں جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا ہے ان کو حاصل کرنا ہر انسان کا اصل مقصد ہے اور ہماری جماعت کو خصوصیت سے اس طرف متوجہ ہونا چاہئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ کے قائم کرنے سے یہی چاہا ہے کہ وہ ایسی جماعت تیار کرے جیسی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تیار کی تھی تا کہ اس آخری زمانہ میں یہ جماعت قرآن شریف اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی اور عظمت پر بطور گواہ ٹھہرے۔ ان کمالات میں سے جو منعم علیہم کو دیئے جاتے ہیں پہلا کمال نبوت کا کمال ہے جو بہت ہی اعلیٰ مقام پر واقع ہے ہمیں افسوس ہے کہ وہ الفاظ نہیں ملتے جن میں اس کمال کی حقیقت بیان کر سکیں۔ یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جس قدر کوئی چیز اعلیٰ ہو اس کے بیان کرنے کے واسطے اسی قدر الفاظ کمزور ہوتے ہیں اور نبوت تو ایسا مقام ہے کہ انسان کے لئے اس سے بڑھ کر اور کوئی درجہ اور مرتبہ نہیں ہے تو پھر یہ کیونکر بیان ہو سکے۔ (الحکم جلد ۹ نمبر ۱۱ مؤرخہ ۳۱ر مارچ ۱۹۰۵ء صفحہ ۶)

خدا تعالیٰ کے ساتھ محبت کرنے والا اور اُس کے عشق میں گم شدہ قوم نبیوں کی ان جھوٹے اور فانی عاشقوں کے عشق سے کہیں بڑھ کر اپنے اندر جوش رکھتے ہیں۔ کیونکہ وہ خدا وہ ہے جو جھکنے والوں کی طرف جھکتا ہے یہاں تک کہ اس سے زیادہ توجہ کرتا ہے خدا کی طرف آنے والا اگر معمولی چال سے چلتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف دوڑ کر آتا ہے۔ پس ایسے خدا کی طرف جس کی توجہ ہو جاوے اور وہ اس کی محبت میں کھویا جاوے وہ محبت اور عشقِ الٰہی کی آگ ان امانی اور نفسانی خیالات کو جلا دیتی ہے پھر ان کے اندر روح ناطق ہو جاتی ہے اور پاک نطق جو ادھر سے شروع ہوتا ہے وہ خدا تعالیٰ کا نطق ہوتا ہے دوسرے رنگ میں یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ یہ دُعا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کو جواب دیتا ہے۔ پس یہ ایک کمالِ نبوت ہے اور اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ میں رکھا گیا ہے۔ اس لئے جب انسان اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کی دُعا مانگے تو اس کے ساتھ ہی یہ امر پیشِ نظر رہے کہ اس کمالِ نبوت کو حاصل کرے۔

(الحکم جلد ۹ نمبر ۱۳ مؤرخہ ۱۷ر اپریل ۱۹۰۵ء صفحہ ۵)

دوسرا کمال اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ میں صدّیقوں کا کمال ہے۔ اس کمال کے حاصل ہونے پر قرآن شریف

کے حقائق اور معارف کھلتے ہیں۔لیکن یہ فضل اورفیض بھی الٰہی تائید سے آتا ہے۔ ہمارا تو یہ مذہب ہے کہ خدا تعالیٰ کی تائیداور فضل کے بغیر ایک انگلی کا ہلانا بھی مشکل ہے۔ ہاں یہ انسان کا فرض ہے کہ سعی اور مجاہدہ کرے جہاں تک اس سے ممکن ہے اوراس کی توفیق بھی خدا تعالیٰ ہی سے چاہے۔کبھی اس سے مایوس نہ ہو کیونکہ مومن کبھی مایوس نہیں ہوتا۔جیسا کہ خدا تعالیٰ نے خود بھی فرمایا۔ لَا يَايْـَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ (یوسف:۸۸) اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کافر ناامید ہوتے ہیں۔ نااُمیدی بہت ہی بُری چیز ہے۔ اصل میں ناامید وہ ہوتا ہے جوخدا تعالیٰ پر بدظنی کرتا ہے یہ خوب یادرکھو کہ ساری خرابیاں اور بُرائیاں بدظنی سے پیدا ہوتی ہیں اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس سے بہت منع کیا ہےاورفرمایا اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ۔ (الحجرات:۱۳)

(الحکم جلد ۹ نمبر ۱۴ مؤرخہ ۲۴؍اپریل ۱۹۰۵ء صفحہ ۲)

خدا کا قرب اور نزدیکی بھی اور زندگی بھی انعام (اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ) میں شامل ہے۔مخالفین اس انعام میں مسیح کوتو شامل کرتے ہیں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بے نصیب رکھتے ہیں۔ کیوں ان کو اس عقیدہ سے شرم نہیں آتی اور لمبی زندگی اس طرح انعام میں شمار ہوسکتی ہے کہ قرآن کریم میں آیا ہے کہ وَ اَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ (الرّعد:۱۸) (الحکم جلد ۹ نمبر ۵ مؤرخہ ۱۰؍فروری ۱۹۰۵ء صفحہ ۵)

افسوس ان لوگوں کی عقلوں کو کیا ہوا یہ کیوں نہیں سمجھتے کیا قرآن میں جو اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کہا گیا تھا یہ یونہی ایک بے معنی اور بے مطلب بات تھی اور نرا ایک قِصّہ ہی قِصّہ ہے؟ کیا وہ انعام کچھ نہ تھا خدا نے نرا دھوکا ہی دیا ہے اور وہ اپنے سچے طالبوں اور صادقوں کو بدنصیب ہی رکھنا چاہتا ہے؟ کس قدر ظلم ہے اگر یہ خدا کی نسبت قرار دیا جاوے کہ وہ نری لفاظی ہی سے کام لیتا ہے۔

حقیقت یہ نہیں ہے یہ ان لوگوں کی اپنی خیالی باتیں ہیں قرآن شریف درحقیقت انسان کو اُن مراتب اور اعلیٰ مدارج پر پہنچانا چاہتا ہے جو اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کے مصداق لوگوں کو دیئے گئے تھے اور کوئی زمانہ ایسا نہیں ہوتا جب کہ خدا تعالیٰ کے کلام کے زندہ ثبوت موجود نہ ہوں۔ ہمارا یہ مذہب ہرگز نہیں ہے کہ آریوں کی طرح کوئی خدا کا پریمی اور بھگت کتنی ہی دُعائیں کرے اور رو رو کر اپنی جان کھوئے اور اُس کا کوئی نتیجہ نہ ہو۔ اسلام خشک مذہب نہیں ہے۔اسلام ہمیشہ ایک زندہ مذہب ہے اوراس کے نشانات اس کے ساتھ ہیں پیچھے رہے ہوئے نہیں ہیں۔ (الحکم جلد ۵ نمبر ۳۶ مؤرخہ ۳۰؍ستمبر ۱۹۰۱ء صفحہ ۳)

اگر یہی سچ ہے کہ خدا تعالیٰ تمام برکتوں اور اماموں اور ولایتوں پر مہر لگا چکا ہے اور آئندہ بکلّی وہ راہیں

بند ہیں تو خدا تعالیٰ کے سچے طالبوں کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی دل توڑنے والا واقعہ نہ ہوگا گویا وہ جیتے ہی مر گئے اوران کے ہاتھ میں بجز چند خشک قِصّوں کے اور کوئی مغز اور بات نہیں اور اگر شیعہ لوگ اس عقیدہ کو سچ مانتے ہیں تو پھر کیوں پنجوقت نماز میں یہ دُعا پڑھتے ہیں اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کیونکہ اس دُعا کے تو یہی معنی ہیں کہ اے خدائے قادر! ہم کو وہ راہ اپنے قرب کا عنایت کر جو تُو نے نبیوں اور اماموں اور صدیقوں اور شہیدوں کو عنایت کیا تھا پس یہ آیت صاف بتلاتی ہے کہ کمالات امامت کا راہ ہمیشہ کے لئے کھلا ہے اور ایسا ہی ہونا چاہئے تھا اس عاجز نے اسی راہ کے اظہار ثبوت کے لئے بیس ہزار اشتہار مختلف دیار و امصار میں بھیجا ہے۔ اگر یہ برکت نہیں تو پھر اسلام میں فضیلت ہی کیا ہے۔

(الحکم جلد ۶ نمبر ۹ مؤرخہ ۱۰؍مارچ ۱۹۰۲ء صفحہ ۲)

اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ اس جگہ تمام مفسّر قائل ہیں کہ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کی ہدایت سے غرض تشبّہ بالانبیاء ہے جو اصل حقیقت اتباع ہے..... خدا نے انبیاء علیہم السلام کو اِسی لئے دنیا میں بھیجا ہے کہ تا دنیا میں اُن کے مثیل قائم کرے اگر یہ بات نہیں تو پھر نبوّت لغو ٹھہرتی ہے۔ نبی اس لئے نہیں آتے کہ اُن کی پرستش کی جائے بلکہ اس لئے آتے ہیں کہ لوگ اُن کے نمونے پر چلیں اور اُن سے تشبّہ حاصل کریں اور اُن میں فنا ہو کر گویا وہی بن جائیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (آلِ عمران: ۳۲) پس خدا جس سے محبت کرے گا کون سی نعمت ہے جو اُس سے اٹھا رکھے گا اور اتباع سے مراد بھی مرتبہءِ فنا ہے جو مثیل کے درجے تک پہنچاتا ہے۔ اور یہ مسئلہ سب کا مانا ہوا ہے اور اس سے کوئی انکار نہیں کرے گا مگر وہی جو جاہل سفیہ یا ملحد بے دین ہوگا۔

(ایّام الصّلح، روحانی خزائن جلد ۱۴ صفحہ ۴۱۱، ۴۱۲)

انبیاء من حیث الظلّ باقی رکھے جاتے ہیں اور خدا تعالیٰ ظِلّی طور پر ہر یک ضرورت کے وقت میں کسی اپنے بندہ کو ان کی نظیر اور مثیل پیدا کر دیتا ہے جو انہیں کے رنگ میں ہو کر ان کی دائمی زندگی کا موجب ہوتا ہے اور اسی ظِلّی وجود کے قائم رکھنے کے لئے خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں کو یہ دعا سکھائی ہے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ یعنی اے خدا ہمارے ہمیں وہ سیدھی راہ دکھا جو تیرے ان بندوں کی راہ ہے جن پر تیرا انعام ہے اور ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ کا انعام جو انبیاء پر ہوا تھا جس کے مانگنے کے لئے اس دعا میں حکم ہے وہ درم اور دینار کی قسم میں سے نہیں بلکہ وہ انوار اور برکات اور محبت اور یقین اور خوارق اور

تائید سماوی اور قبولیت اور معرفتِ تامّہ کاملہ اور وحی اور کشف کا انعام ہے اور خدا تعالیٰ نے اس اُمت کو اس انعام کے مانگنے کے لئے تبھی حکم فرمایا کہ اوّل اس انعام کے عطا کرنے کا ارادہ بھی کر لیا۔ پس اس آیت سے بھی کھلے کھلے طور پر یہی ثابت ہوا کہ خدا تعالیٰ اس اُمّت کو ظلّی طور پر تمام انبیاء کا وارث ٹھہراتا ہے تا انبیاء کا وجود ظلّی طور پر ہمیشہ باقی رہے اور دنیا ان کے وجود سے کبھی خالی نہ ہو اور نہ صرف دُعا کے لئے حکم کیا بلکہ ایک آیت میں وعدہ بھی فرمایا ہے اور وہ یہ ہے وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (العنکبوت:۷۰) یعنی جو لوگ ہماری راہ میں جو صراط مستقیم ہے مجاہدہ کریں گے تو ہم ان کو اپنی راہیں بتلا دیں گے اور ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ کی راہیں وہی ہیں جو انبیاء کو دکھلائی گئیں تھیں۔

(شہادت القرآن، روحانی خزائن جلد ۶ صفحہ ۳۵۱، ۳۵۲)

کیا تم کہہ سکتے ہو کہ آفتاب وحی الٰہی اگرچہ پہلے زمانوں میں یقینی رنگ میں طلوع کرتا رہا ہے مگر اب وہ صفائی اس کو نصیب نہیں۔ گویا یقینی معرفت تک پہنچنے کا کوئی سامان آگے نہیں بلکہ پیچھے رہ گیا ہے اور گویا خدا کی سلطنت اور حکومت اور فیض رسانی کچھ تھوڑی مدت تک رہ کر ختم ہو چکی ہے لیکن خدا کا کلام اس کے برخلاف گواہی دیتا ہے کیونکہ وہ یہ دُعا سکھلاتا ہے کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ اس دُعا میں اُس انعام کی اُمید دلائی گئی ہے جو پہلے نبیوں اور رسولوں کو دیا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ اُن تمام انعامات میں سے بزرگ تر انعام وحی یقینی کا انعام ہے کیونکہ گفتارِ الٰہی قائمقام دیدارِ الٰہی ہے کیونکہ اسی سے پتہ لگتا ہے کہ خدا موجود ہے۔ پس اگر کسی کو اِس اُمت میں سے وحی یقینی نصیب ہی نہیں اور وہ اس بات پر جرأت ہی نہیں کر سکتا کہ اپنی وحی کو قطعی طور پر مثل انبیاء علیہم السلام کے یقینی سمجھے اور نہ اس کی ایسی وحی ہو کہ انبیاء کی طرح اس کے ترک متابعت اور ترک عمل پر یقینی طور پر دنیا کا ضرر متصور ہو سکے تو ایسی دعا سکھلانا محض دھوکا ہوگا۔ کیونکہ اگر خدا کو یہ منظور ہی نہیں کہ بموجب دُعا اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ انبیاء علیہم السلام کے انعامات میں اس اُمّت کو بھی شریک کرے تو اس نے کیوں یہ دُعا سکھلائی اور ایک ناشدنی امر کے لئے دُعا کرنے کی ترغیب کیوں دی؟ پس اگر یہ دعا سکھلانا یقین اور معرفت کا انعام دینے کی نیت سے نہیں بلکہ محض لفظوں سے خوش کرنا ہے پس اسی سے فیصلہ ہو گیا کہ یہ اُمّت اپنے نصیبوں میں سب اُمتوں سے گری ہوئی ہے اور خدا تعالیٰ کی مرضی نہیں ہے کہ اس اُمت کو یقینی چشمہ کا پانی پلا کر نجات دے بلکہ وہ ان کو شکوک اور شبہات کے ورطہ میں چھوڑ کر ہلاک کرنا چاہتا ہے لیکن

یاد رہے کہ ضرور ان انعامات میں جو نبیوں کو دیئے گئے اس اُمّت کے لئے حِصّہ رکھا گیا ہے کیونکہ اگر مسلمانوں کے کامل افراد کی فطرتوں میں یہ حِصّہ نہ ہوتا تو ان کے دلوں میں یہ خواہش نہ پائی جاتی کہ وہ خدا شناسی کے درجہ میں حقّ الیقین کے درجہ تک پہنچ جائیں اور ان انعامات سے سب سے بڑھ کر یقینی مخاطبات اور مکالمات کا انعام ہے جس سے انسان اپنی خدا شناسی میں پوری ترقی کرتا ہے گویا ایک طور سے خدا تعالیٰ کو دیکھ لیتا ہے اور اس کی ہستی پر رؤیت کے رنگ میں ایمان لاتا ہے۔

(نزول المسیح، روحانی خزائن جلد ۱۸ صفحہ ۴۸۷، ۴۸۸)

سورہ فاتحہ میں جو قرآن کے شروع میں ہی ہے اللہ تعالیٰ مومن کو ہدایت کرتا ہے کہ وہ دُعا مانگیں۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ یعنی ہمیں وہ راہ سیدھی بتلا اُن لوگوں کی جن پر تیرا انعام وفضل ہے۔ یہ اس لئے سکھائی گئی ہے کہ انسان عالی ہمت ہو کر اس سے خالق کا منشاء سمجھے اور وہ یہ ہے کہ یہ اُمت بہائم کی طرح زندگی بسر نہ کرے بلکہ اس کے تمام پردے کھل جاویں۔ جیسے کہ شیعوں کا عقیدہ ہے کہ ولایت بارہ اماموں کے بعد ختم ہو گئی۔ برخلاف اس کے اس دُعا سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ خدا نے پہلے سے ارادہ کر رکھا ہے کہ جو متقی ہو اور خدا کی منشاء کے مطابق ہے تو وہ اُن مراتب کو حاصل کر سکے جو انبیاء اور اصفیاء کو حاصل ہوتے ہیں۔ اس سے یہ بھی پایا جاتا ہے کہ انسان کو بہت سے قویٰ ملے ہیں جنہوں نے نشوونما پانا ہے اور بہت ترقی کرنا ہے۔ ہاں ایک بکرا چونکہ انسان نہیں اُس کے قویٰ ترقی نہیں کر سکتے۔ عالی ہمت انسان جب رسولوں اور انبیاء کے حالات سنتا ہے تو چاہتا ہے کہ وہ انعامات جو اس پاک جماعت کو حاصل ہوئے۔ اُس پر نہ صرف ایمان ہی ہو بلکہ اُسے بہ تدریج اُن نعماء کا علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین ہو جاوے۔

علم کے تین مدارج ہیں۔ علم الیقین۔ عین الیقین۔ حق الیقین۔ مثلاً ایک جگہ سے دھواں نکلتا دیکھ کر آگ کا یقین کر لینا علم الیقین ہے۔ لیکن خود آنکھ سے آگ کا دیکھنا عین الیقین ہے۔ ان سے بڑھ کر درجہ حق الیقین کا ہے یعنی آگ میں ہاتھ ڈال کر جلن اور حرقت سے یقین کر لینا کہ آگ موجود ہے۔ پس کیسا وہ شخص بدقسمت ہے۔ جس کو تینوں میں سے کوئی درجہ حاصل نہیں۔ اس آیت کے مطابق جس پر اللہ کا فضل نہیں وہ کورانہ تقلید میں پھنسا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (العنکبوت: ۷۰) جو ہمارے راہ میں مجاہدہ کرے گا ہم اُس کو اپنی راہیں دکھلا دیں گے۔ یہ تو وعدہ ہے اور ادھر یہ دُعا ہے کہ

اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ سو انسان کو چاہئے کہ اس کو مدِّ نظر رکھ کر نماز میں بالحاح دُعا کرے اور تمنّا رکھے کہ وہ بھی اُن لوگوں میں سے ہو جاوے جو ترقی اور بصیرت حاصل کر چکے ہیں ایسا نہ ہو کہ اس جہان سے بے بصیرت اور اندھا اُٹھایا جاوے چنانچہ فرمایا۔ مَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى (بنی اسرائیل: ۷۳) کہ جو اس جہان میں اندھا ہے وہ اُس جہان میں بھی اندھا ہے۔ جس کی منشاء یہ ہے کہ اُس جہان کے مشاہدہ کے لئے اسی جہان سے ہم کو آنکھیں لے جانی ہیں۔ آئندہ جہان کو محسوس کرنے کے لئے حواس کی تیاری اسی جہان میں ہوگی۔ پس کیا یہ گمان ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ وعدہ کرے اور پورا نہ کرے؟ اندھے سے مراد وہ ہے جو روحانی معارف اور روحانی لذّات سے خالی ہے۔ ایک شخص کورانہ تقلید سے کہ مسلمانوں کے گھر میں پیدا ہو گیا ہو مسلمان کہلاتا ہے۔ دوسری طرف اسی طرح ایک عیسائی عیسائیوں کے ہاں پیدا ہو کر عیسائی ہو گیا۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے شخص کو خدا رسول اور قرآن کی کوئی عزّت نہیں ہوتی۔ اُس کی دین سے محبت بھی قابل اعتراض ہے۔ خدا اور رسول کی ہتک کرنے والوں میں اُس کا گزر ہوتا ہے اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ایسے شخص کی روحانی آنکھ نہیں۔ اُس میں محبت دین نہیں۔ وَاِلَّا محبت والا اپنے محبوب کے برخلاف کیا کچھ پسند کرتا ہے۔ غرض اللہ تعالیٰ نے سکھلایا ہے کہ میں تو دینے کو تیار ہوں اگر تو لینے کو تیار ہے۔ پس یہ دُعا کرنا ہی اُس ہدایت کو لینے کی تیاری ہے اس دُعا کے بعد سورہ بقرہ کے شروع میں ہی جو هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ کہا گیا۔ تو گویا خدا تعالیٰ نے دینے کی تیاری کی۔ (رپورٹ جلسہ سالانہ ۱۸۹۷ء صفحہ ۳۸، ۳۹)

اگر نبی کے صرف یہ معنے کئے جائیں کہ اللہ جلّ شانہٗ اس سے مکالمہ و مخاطبہ رکھتا ہے اور بعض اسرار غیب کے اُس پر ظاہر کرتا ہے تو اگر ایک امّتی ایسا نبی ہو جائے تو اس میں حرج کیا ہے خصوصاً جب کہ خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں اکثر جگہ یہ اُمید دلائی ہے کہ ایک اُمّتی شرف مکالمہ الٰہیہ سے مشرف ہوسکتا ہے اور خدا تعالیٰ کو اپنے اولیاء سے مکالمات اور مخاطبات ہوتے ہیں بلکہ اسی نعمت کے حاصل کرنے کے لئے سورہ فاتحہ میں جو پنج وقت فریضہ نماز میں پڑھی جاتی ہے یہی دعا سکھلائی گئی ہے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ تو کسی امّتی کو اس نعمت کے حاصل ہونے سے کیوں انکار کیا جاتا ہے۔ کیا سورۃ فاتحہ میں وہ نعمت جو خدا تعالیٰ سے مانگی گئی ہے جو نبیوں کو دی گئی تھی وہ درہم و دینار ہیں۔ ظاہر ہے کہ انبیاء علیہم السّلام کو مکالمہ اور مخاطبہ الٰہیہ کی نعمت ملی تھی جس کے ذریعہ سے اُن کی معرفت حق الیقین کے مرتبہ تک پہنچ گئی تھی

اور گفتار کی تجلّی دیدار کے قائم مقام ہو گئی تھی۔ پس یہ جو دُعا کی جاتی ہے کہ اے خداوند وہ راہ ہمیں دکھا جس سے ہم بھی اُس نعمت کے وارث ہو جائیں اس کے بجز اس کے اور کیا معنے ہیں کہ ہمیں بھی شرفِ مکالمہ اور مخاطبہ بخش۔

بعض جاہل اس جگہ کہتے ہیں کہ اس دُعا کے صرف یہ معنے ہیں کہ ہمارے ایمان قوی کر اور اعمالِ صالحہ کی توفیق عطا فرما اور وہ کام ہم سے کرا جس سے تُو راضی ہو جائے۔ مگر یہ نادان نہیں جانتے کہ ایمان کا قوی ہونا یا اعمالِ صالحہ کا بجالانا اور خدا تعالیٰ کی مرضی کے موافق قدم اٹھانا یہ تمام باتیں معرفتِ کاملہ کا نتیجہ ہیں۔ جس دل کو خدا تعالیٰ کی معرفت میں سے کچھ حِصّہ نہیں ملا وہ دل ایمان قوی اور اعمالِ صالحہ سے بھی بے نصیب ہے۔ معرفت سے ہی خدا تعالیٰ کا خوف دل میں پیدا ہوتا ہے۔ اور معرفت سے ہی خدا تعالیٰ کی محبت دل میں جوش مارتی ہے...... اب چونکہ تمام مدار خوف اور محبت کا معرفت پر ہے اس لئے خدا تعالیٰ کی طرف بھی پورے طور پر اس وقت انسان جُھک سکتا ہے جب کہ اس کی معرفت ہو۔ اوّل اُس کے وجود کا پتہ لگے اور پھر اُس کی خوبیاں اور اُس کی کامل قدرتیں ظاہر ہوں اور اس قسم کی معرفت کب میسّر آ سکتی ہے بجز اس کے کہ کسی کو خدا تعالیٰ کا شرفِ مکالمہ اور مخاطبہ حاصل ہو اور پھر اعلامِ الٰہی سے اس بات پر یقین آ جائے کہ وہ عالم الغیب ہے اور ایسا قادر ہے کہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ سو اصلی نعمت (جس پر قوتِ ایمان اور اعمالِ صالحہ موقوف ہیں) خدا تعالیٰ کا مکالمہ اور مخاطبہ ہے جس کے ذریعہ سے اوّل اُس کا پتہ لگتا ہے اور پھر اُس کی قدرتوں سے اطلاع ملتی ہے اور پھر اس اطلاع کے موافق انسان ان قدرتوں کو بچشمِ خود دیکھ لیتا ہے۔ یہی وہ نعمت ہے جو انبیاء علیہم السّلام کو دی گئی تھی اور پھر اس اُمّت کو حکم ہوا کہ اس نعمت کو تم مجھ سے مانگو کہ مَیں تمہیں بھی دوں گا..... خدا تعالیٰ کا مکالمہ اور مخاطبہ یہی تو ایک جڑ ہے معرفت کی اور تمام برکات کا سرچشمہ ہے اگر اس امّت پر یہ دروازہ بند ہوتا تو سعادت کے تمام دروازے بند ہوتے۔

(براہین احمدیہ حصہ پنجم جلد ۲۱ صفحہ ۳۰۷ تا ۳۰۹)

یہ ضرور یاد رکھو کہ اس اُمت کے لئے وعدہ ہے کہ وہ ہر ایک ایسے انعام پائے گی جو پہلے نبی اور صدیق پا چکے پس منجملہ ان انعامات کے وہ نبوتیں اور پیشگوئیاں ہیں جن کے رو سے انبیاء علیہم السلام نبی کہلاتے رہے۔ لیکن قرآن شریف بجز نبی بلکہ رسول ہونے کے دوسروں پر علومِ غیب کا دروازہ بند کرتا ہے جیسا کہ آیت لَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖۤ اَحَدًا۝ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ (الجنّ: ۲۷، ۲۸) سے ظاہر ہے پس مصفّٰی غیب

پانے کے لئے نبی ہونا ضروری ہوا اور آیت اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ گواہی دیتی ہے کہ اس مصفّٰی غیب سے یہ اُمت محروم نہیں اور مصفّٰی غیب حسب منطوق آیت نبوت اور رسالت کو چاہتا ہے اور وہ طریق براہِ راست بند ہے اس لئے ماننا پڑتا ہے کہ اس موہبت کے لئے محض بروز اور ظلّیت اور فنافی الرّسول کا دروازہ کھلا ہے۔

(ایک غلطی کا ازالہ، روحانی خزائن جلد ۱۸ صفحہ ۲۰۹ حاشیہ)

ثُمَّ انْظُرْ إِلٰى قَوْلِهٖ تَعَالٰى وَدُعَآئِهِ الَّذِيْ عَلَّمَنَا اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ. فَإِنَّا أُمِرْنَا أَنْ نَّقْتَدِيَ الْأَنْبِيَآءَ كُلَّهُمْ وَنَطْلُبَ مِنَ اللّٰهِ كَمَالَاتِهِمْ. وَلَمَّا كَانَتْ كَمَالَاتُ الْأَنْبِيَآءِ كَأَجْزَآءٍ مُّتَفَرِّقَةٍ وَّأُمِرْنَا أَنْ نَّطْلُبَهَا كُلَّهَا وَنَجْمَعَ مَجْمُوْعَةَ تِلْكَ الْأَجْزَآءِ فِيْ أَنْفُسِنَا، فَلَزِمَ أَنْ يَّحْصُلَ لَنَا شَيْءٌ بِالظِّلِّيَّةِ وَمُتَابَعَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا لَمْ يَحْصُلْ لِفَرْدٍ فَرْدٍ مِّنَ الْأَنْبِيَآءِ وَقَدِ اتَّفَقَ عُلَمَآءُ الْإِسْلَامِ أَنَّهٗ قَدْ يُوْجَدُ فَضِيْلَةٌ جُزْئِيَّةٌ فِيْ غَيْرِ نَبِيٍّ لَّا تُوْجَدُ فِيْ نَبِيٍّ۔

(حمامۃ البشریٰ، روحانی خزائن جلد ۷ صفحہ ۲۹۴، ۲۹۵)

پھر اللہ تعالیٰ کے کلام اور اُس کی اُس دعا پر غور کرو جو اُس نے ہمیں سکھلائی ہوئی ہے یعنی اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ۔ اس میں ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم سب نبیوں کی پیروی کریں اور اللہ تعالیٰ سے اُن کے کمالات طلب کریں اور جب نبیوں کے کمالات متفرق اجزا کی مانند ہیں اور ہمیں ان سب کے طلب کرنے اور ان سب اجزاء کا مجموعہ اپنے نفوس میں جمع کرنے کا حکم دیا گیا۔ پس لازم ہوا کہ ہمیں ظلّی طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت میں ایسی چیز بھی مل سکتی ہے جو انبیاء کے افراد میں سے کسی ایک فرد کو بھی حاصل نہیں ہوئی۔ اور علماء اسلام اس بات پر متّفق ہیں کہ کبھی کسی غیر نبی میں وہ جزئی فضیلت بھی پائی جاسکتی ہے جو نبی میں نہیں پائی جاتی۔ (ترجمہ از مرتب)

إِنَّ الْمُعْجِزَاتِ تَقْتَضِي الْكَرَامَاتِ لِيَبْقٰى اٰثَرُهَا إِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ. وَإِنَّ الَّذِيْنَ وَرِثُوْا نَبِيَّهُمْ يُعْطَوْنَ مِنْ نِّعَمِهٖ عَلَى الطَّرِيْقَةِ الظِّلِّيَّةِ. وَلَوْلَا ذٰلِكَ لَبَطَلَتْ فُيُوْضُ النُّبُوَّةِ. فَإِنَّهُمْ كَأَثَرٍ لِّعَيْنٍ

معجزات چاہتے ہیں کرامات کو تا کہ اُن کا نشان قیامت تک باقی رہے اور اپنے نبی علیہ السلام کے وارثوں کو بطور ظلّیت کے آپ کی نعمتیں مرحمت ہوتی ہیں۔ اور اگر یہ قاعدہ جاری نہ رہتا تو نبوت کے فیض بالکل باطل ہو جاتے۔ اس لئے کہ یہ وارث نقش ہوتے ہیں اُس اصل کے جو گزر چکی

انْقَطٰی۔ وَ کَعَکْسٍ لِّصُوْرَۃٍ فِی الْمِرْاٰۃِ یُرٰی۔ وَاِنَّھُمْ اکْتَحَلُوْا بِمِرْوَدِ الْفَنَآءِ۔ وَ ارْتَحَلُوْا مِنْ فِنَاءِ الرِّیَآءِ۔ فَمَا بَقِیَتْ شَیْءٌ مِّنْ أَنْفُسِھِمْ وَظَھَرَتْ صُوْرَۃُ خَاتَمِ الْأَنْبِیَآءِ۔ فَکُلُّ مَا تَرَوْنَ مِنْھُمْ مِنْ أَفْعَالٍ خَارِقَۃٍ لِّلْعَادَۃِ۔ أَوْ أَقْوَالٍ مُّشَابِھَۃٍ بِالصُّحُفِ الْمُطَھَّرَۃِ۔ فَلَیْسَتْ ھِیَ مِنْھُمْ بَلْ مِنْ سَیِّدِنَا خَیْرِ الْبَرِیَّۃِ۔ لٰکِنْ فِی الْحُلَلِ الظِّلِّیَّۃِ۔ وَإِنْ کُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّنْ ھٰذَا الشَّأْنِ۔ لِأَوْلِیَآءِ الرَّحْمَانِ۔ فَاقْرَءُوْا اٰیَۃَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ بِالْإِمْعَانِ۔

ہوتی ہے اور گویا عکس ہوتے ہیں ایک صورت کے جو شیشہ میں نظر آتا ہے۔ان لوگوں نے فنا کی سلائیوں سے سرمہ آنکھ میں ڈالا ہوتا ہے اور ریاکاری کے آنگن سے کوچ کر چکے ہوتے ہیں۔اس طرح پر ان کا اپنا تو کچھ بھی رہا نہیں ہوتا اور خاتم الانبیاء کی صورت ہی نمودار ہوجاتی ہے۔سوان لوگوں سے جو کچھ خارقِ عادت افعال یا اقوال پاک نوشتوں سے مشابہ تم دیکھتے ہو وہ ان کی طرف سے نہیں بلکہ وہ حضرت سیّد المرسلین (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے ہوتے ہیں۔ہاں وہ ظلّیت کے لباسوں میں ہوتے ہیں اور تمہیں اولیاء الرّحمان کی نسبت ایسی بزرگی اور شان میں شک ہے تو پڑھ لو آیت صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ کو غور اور فکر سے۔(ترجمہ اصل کتاب سے)

(الھدیٰ، روحانی خزائن جلد ۱۸ صفحہ ۲۷۴، ۲۷۵)

اگر خدا تعالیٰ نے حق کے طالبوں کو کامل معرفت دینے کا ارادہ فرمایا ہے تو ضرور اس نے اپنے مکالمہ اور مخاطبہ کا طریق کھلا رکھا ہے۔اس بارے میں اللہ جلّ شانہ قرآن شریف میں یہ فرماتا ہے اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ یعنی اے خدا ہمیں وہ استقامت کی راہ بتلا جو راہ اُن لوگوں کی ہے جن پر تیرا انعام ہوا ہے اس جگہ انعام سے مراد الہام اور کشف وغیرہ آسمانی علوم ہیں جو انسان کو براہِ راست ملتے ہیں۔ (اسلامی اصول کی فلاسفی، روحانی خزائن جلد ۱۰ صفحہ ۴۳۶، ۴۳۷)

اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ یعنی اے ہمارے خدا ہمیں رسولوں اور نبیوں کی راہ پر چلا جن پر تیرا انعام اور اکرام ہوا ہے۔اب اِس آیت سے کہ جو پنج وقت نماز میں پڑھی جاتی ہے ظاہر ہے کہ خدا کا روحانی انعام جو معرفت اور محبتِ الٰہی ہے صرف رسولوں اور نبیوں کے ذریعہ سے ہی ملتا ہے نہ کسی اور ذریعہ سے۔ (حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن جلد ۲۲ صفحہ ۱۳۴، ۱۳۵)

چونکہ وہ جانتا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جامع کمالات تمام انبیاء کے ہیں اس لئے اُس نے

ہماری پنج وقتہ نماز میں ہمیں یہ دعا پڑھنے کا حکم دیا کہ اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ صِرَاطَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ یعنی اے ہمارے خدا! ہم سے پہلے جس قدر نبی اور رسول اور صدیق اور شہید گذر چکے ہیں اُن سب کے کمالات ہم میں جمع کر۔ (حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن جلد ۲۲ صفحہ ۱۵۶)

یعنی اے ہمارے خدا! ہمیں وہ سیدھی راہ دکھلا جو اُن لوگوں کی راہ ہے جن پر تیرا فضل اور انعام ہوا۔ اس آیت کے یہ معنے ہیں کہ وہی فضل اور انعام جو تمام نبیوں اور صدّیقوں پر پہلے ہو چکا ہے وہ ہم پر بھی کر اور کسی فضل سے ہمیں محروم نہ رکھ۔ یہ آیت اس اُمت کو اس قدر عظیم الشان اُمید دلاتی ہے جس میں گذشتہ اُمتیں شریک نہیں ہیں۔ کیونکہ تمام انبیاء کے متفرق کمالات تھے اور متفرق طور پر اُن پر فضل اور انعام ہوا۔ اب اس اُمّت کو یہ دُعا سکھلائی گئی کہ اُن تمام متفرق کمالات کو مجھ سے طلب کرو۔ پس ظاہر ہے کہ جب متفرق کمالات ایک جگہ جمع ہو جائیں گے تو وہ مجموعہ متفرق کی نسبت بہت بڑھ جائے گا۔ اِسی بنا پر کہا گیا کہ كُنۡتُمۡ خَيۡرَ اُمَّةٍ اُخۡرِجَتۡ لِلنَّاسِ (آلِ عمران:۱۱۱) یعنی تم اپنے کمالات کے رُو سے سب اُمتوں سے بہتر ہو۔
(چشمہ مسیحی، روحانی خزائن جلد ۲۰ صفحہ ۳۸۰، ۳۸۱)

یاد رکھنا چاہئے کہ اس اُمت کے لئے مخاطبات اور مکالمات کا دروازہ کھلا ہے۔ اور یہ دروازہ گویا قرآن مجید کی سچائی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی پر ہر وقت تازہ شہادت ہے اور اس کے لئے خدا تعالیٰ نے سورہ فاتحہ ہی میں یہ دعا سکھائی ہے اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ صِرَاطَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ کی راہ کے لئے جو دعا سکھائی تو ان میں انبیاء علیہم السلام کے کمالات کے حصول کا اشارہ ہے اور یہ ظاہر ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو جو کمال دیا گیا وہ معرفتِ الٰہی ہی کا کمال تھا اور یہ نعمت ان کو مکالمات اور مخاطبات سے ملی تھی اسی کے تم بھی خواہاں رہو۔ (الحکم جلد ۱۰ نمبر ۳۷ مؤرخہ ۲۴ ر اکتوبر ۱۹۰۶ء صفحہ ۴)

خدا کی کلام کو غور سے پڑھو کہ وہ تم سے کیا چاہتا ہے۔ وہ وہی امر تم سے چاہتا ہے جس کے بارہ میں سورہ فاتحہ میں تمہیں دعا سکھلائی گئی ہے۔ یعنی یہ دُعا کہ اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ صِرَاطَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ پس جب کہ خدا تمہیں یہ تاکید کرتا ہے کہ پنج وقت یہ دعا کرو کہ وہ نعمتیں جو نبیوں اور رسولوں کے پاس ہیں وہ تمہیں بھی ملیں۔ پس تم بغیر نبیوں اور رسولوں کے ذریعہ کے وہ نعمتیں کیونکر پا سکتے ہو؟ لہٰذا ضرور ہوا کہ تمہیں یقین اور محبت کے مرتبہ پر پہنچانے کے لئے خدا کے انبیاء وقتاً بعد وقتٍ آتے رہیں جن سے تم وہ

نعمتیں پاؤ۔ (لیکچر سیالکوٹ، روحانی خزائن جلد ۲۰ صفحہ ۲۲۷)

بجز قرآن کس کتاب نے اپنی ابتدا میں ہی اپنے پڑھنے والوں کو یہ دعا سکھلائی اور یہ امید دی کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ یعنی ہمیں اپنی اُن نعمتوں کی راہ دکھلا جو پہلوں کو دکھلائی گئی۔ جو نبی اور رسول اور صدیق اور شہید اور صالح تھے پس اپنی ہمتیں بلند کرلو اور قرآن کی دعوت کو ردّ مت کرو کہ وہ تمہیں وہ نعمتیں دینا چاہتا ہے جو پہلوں کو دی تھیں۔ کیا اُس نے بنی اسرائیل کا ملک اور بنی اسرائیل کا بیتِ مقدس تمہیں عطا نہیں کیا جو آج تک تمہارے قبضہ میں ہے۔ پس اے سست اعتقادو اور کمزور ہمتو! کیا تمہیں یہ خیال ہے کہ تمہارے خدا نے جسمانی طور پر تو بنی اسرائیل کے تمام املاک کا تمہیں قائم مقام کر دیا مگر روحانی طور پر تمہیں قائم مقام نہ کر سکا بلکہ خدا کا تمہاری نسبت اِن سے زیادہ فیض رسانی کا ارادہ ہے خدا نے اُن کے روحانی جسمانی متاع و مال کا تمہیں وارث بنایا مگر تمہارا وارث کوئی دوسرا نہ ہوگا جب تک کہ قیامت آ جاوے۔ خدا تمہیں نعمت وحی اور الہام اور مکالمات اور مخاطباتِ الٰہیّہ سے ہرگز محروم نہیں رکھے گا وہ تم پر وہ سب نعمتیں پوری کرے گا جو پہلوں کو دی گئیں..... سو تم صدق اور راستی اور تقویٰ اور محبت ذاتیہ الٰہیہ میں ترقی کرو اور اپنا کام یہی سمجھو جب تک زندگی ہے۔ پھر خدا تم میں سے جس کی نسبت چاہے گا اس کو اپنے مکالمہ مخاطبہ سے بھی مشرف کرے گا۔ (کشتی نوح، روحانی خزائن جلد ۱۹ صفحہ ۲۷، ۲۸)

جب تک انسان اِن دونوں صفات سے متّصف نہیں ہوتا یعنی بدیاں چھوڑ کر نیکیاں حاصل نہیں کرتا وہ اس وقت تک مومن نہیں کہلا سکتا مومن کامل ہی کی تعریف میں تو اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ فرمایا گیا ہے۔ اب غور کرو کہ کیا اتنا ہی انعام تھا کہ وہ چوری چکاری رہزنی نہیں کرتے تھے یا اس سے کچھ بڑھ کر مراد ہے؟ نہیں اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ میں تو وہ اعلیٰ درجہ کے انعامات رکھے گئے ہیں جو مخاطبہ اور مکالمہ الٰہیّہ کہلاتے ہیں۔

(الحکم جلد ۹ نمبر ۲ مؤرخہ ۱۷ رجنوری ۱۹۰۵ء صفحہ ۳)

اللہ تعالیٰ کا انتقال نبوت سے یہی منشاء تھا کہ وہ اپنا فضل و کمال دکھانا چاہتا تھا جو اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کیا تھا۔ اسی کی طرف اشارہ ہے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ میں۔ یعنی اے اللہ ہم پر وہ انعام و اکرام کر جو پہلے نبیوں اور صدیقوں، شہیدوں اور صالحین پر تُو نے کئے ہیں ہم پر بھی کر۔ اگر خدا تعالیٰ یہ انعام و اکرام کر ہی نہیں سکتا تھا اور ان کا دروازہ بند ہو چکا تھا تو پھر اس دعا کی تعلیم کی کیا ضرورت تھی؟ اسرائیلیوں پر تو یہ دروازہ بند ہو چکا تھا اگر یہاں بھی بند ہو گیا تو پھر کیا فائدہ ہوا؟ اور کس بات

میں بنی اسرائیل پر اس اُمت کو فخر ہوا۔ جو خود اندھا ہے وہ دوسرے اندھے پر کیا فخر کر سکتا ہے؟

اگر وحی، الہام، خوارق یہودیوں پر بند ہو چکے ہیں تو پھر یہ بتاؤ کہ یہ دروازہ کسی جگہ جا کر کھلا بھی یا نہیں۔ ہمارے مخالف کہتے ہیں کہ نہیں ہم پر بھی یہ دروازہ بند ہے یہ کیسی بدنصیبی ہے پانچ وقت اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کی دُعا کرتے ہیں اور اس پر بھی کچھ نہیں ملتا! تعجب!!

اللہ تعالیٰ کا خود ایسی دُعا تعلیم کرنا تو یہ معنے رکھتا ہے کہ میں تم پر انعام و اکرام کرنے کے لئے تیار ہوں جیسے کسی حاکم کے سامنے پانچ امیدوار ہوں اور وہ ان میں سے ایک کو کہے کہ تم یہاں حاضر رہو تو اس کے یہی معنی ہوتے ہیں کہ اس کو ضرور کام دیا جاویگا۔ اسی طرح پر اللہ تعالیٰ نے یہ دعا تعلیم کی اور پانچ وقت یہ پڑھی جاتی ہے مگر ہمارے مخالف کہتے ہیں کہ اس کا کچھ بھی اثر اور نتیجہ نہیں ہوتا؟ کیا یہ قرآن شریف کی ہتک اور اسلام کی ہتک نہیں؟ میرے اور ان کے درمیان یہی امر دراصل متنازعہ فیہ ہے۔ میں یہ کہتا ہوں کہ اسلام کی برکات اور تاثیرات جیسے پہلے تھیں ویسے ہی اب بھی ہیں وہ خدا اپنے تصرّفات اب بھی دکھاتا ہے اور کلام کرتا ہے مگر یہ اس کے مقابلہ میں کہتے ہیں کہ اب یہ دروازہ بند ہو چکا ہے اور خدا تعالیٰ خاموش ہو گیا وہ کسی سے کلام نہیں کرتا۔ (الحکم جلد ۹ نمبر ۳۸ مؤرخہ ۳۱/اکتوبر ۱۹۰۵ء صفحہ ۵، ۶)

ہر یک مسلمان پانچ وقت اپنی نماز میں یہ دُعا پڑھتا ہے کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ اور خدائے تعالیٰ نے آپ فرمادیا ہے کہ صراطِ مستقیم نبیوں کی راہ، صدیقوں کی راہ، شہیدوں کی راہ ہے پھر ہم سخت نادان ہوں گے اگر ہم ان راہوں کے طلب گار نہ ہوں جن کی طلب کے لئے خدا تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے اور فلسفیوں کے پیچھے بھٹکتے پھریں۔ (آئینہ کمالات اسلام، روحانی خزائن جلد ۵ صفحہ ۲۴۵، ۲۴۶ حاشیہ)

مَیں سچ سچ کہتا ہوں کہ اس نبی کی کامل پیروی سے ایک شخص عیسیٰؑ سے بڑھ کر بھی ہو سکتا ہے۔ اندھے کہتے ہیں یہ کفر ہے۔ مَیں کہتا ہوں کہ تم خود ایمان سے بے نصیب ہو پھر کیا جانتے ہو کہ کفر کیا چیز ہے۔ کفر خود تمہارے اندر ہے۔ اگر تم جانتے کہ اس آیت کے کیا معنے ہیں کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ تو ایسا کفر مُنہ پر نہ لاتے۔ خدا تو تمہیں یہ ترغیب دیتا ہے کہ تم اس رسول کی کامل پیروی کی برکت سے تمام رسولوں کے متفرق کمالات اپنے اندر جمع کر سکتے ہو۔ اور تم صرف ایک نبی کے کمالات حاصل کرنا کفر جانتے ہو۔ (چشمہ مسیحی، روحانی خزائن جلد ۲۰ صفحہ ۳۵۴، ۳۵۵)

ایک بندہ خدا کا عیسیٰؑ نام جس کو عبرانی میں یسوع کہتے ہیں تیس۳۰ برس تک موسیٰؑ رسول اللہ کی شریعت کی پیروی

کر کے خدا کا مقرب بنا اور مرتبہ نبوت پایا۔ اس کے مقابل پر اگر کوئی شخص بجائے تیس[۳] برس کے پچاس[۵] برس بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرے تب بھی وہ مرتبہ نہیں پا سکتا گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کوئی کمال نہیں بخش سکتی اور نہیں خیال کرتے کہ اس صورت میں لازم آتا ہے کہ خدا کا یہ دُعا سکھلانا کہ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ایک دھوکا دینا ہے۔

(چشمہ مسیحی، روحانی خزائن جلد ۲۰ صفحہ ۳۸۱، ۳۸۲ حاشیہ)

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ میں اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کی راہ طلب کی گئی ہے اور مَیں نے کئی مرتبہ یہ بات بیان کی ہے کہ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ میں چار گروہوں کا ذکر ہے نبی، صدیق، شہید، صالح۔ پس جب کہ ایک مومن یہ دعا مانگتا ہے تو اُن کے اخلاق اور عادات اور علوم کی درخواست کرتا ہے۔ اس پر اگر ان چار گروہوں کے اخلاق حاصل نہیں کرتا تو یہ دُعا اُس کے حق میں بے ثمر ہوگی اور وہ بے جان لفظ بولنے والا حیوان ہے یہ چار طبقے ان لوگوں کے ہیں جنہوں نے خدا تعالیٰ سے علومِ عالیہ اور مراتبِ عظیمہ حاصل کئے ہیں۔

(الحکم جلد ۶ نمبر ۲۶ مؤرخہ ۲۴؍ جولائی ۱۹۰۲ء صفحہ ۶)

اللہ تعالیٰ نے جو اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کی دُعا تعلیم کی ہے اور ہر رکعت نماز میں پڑھی جاتی ہے اگر یہ نعمت کسی کو ملنے والی ہی نہ تھی تو اس دعا کی تعلیم کی کیا ضرورت تھی۔

(الحکم جلد ۶ نمبر ۴۲ مؤرخہ ۲۴؍ نومبر ۱۹۰۲ء صفحہ ۵)

مکالمہ الٰہی کا اگر انکار ہو تو پھر اسلام ایک مُردہ مذہب ہوگا۔ اگر یہ دروازہ بھی بند ہے تو اس اُمت پر قہر ہوا خیر الامم نہ ہوئی۔ اور اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ دُعا بے سُود ٹھہری۔ تعجب ہے کہ یہود تو یہ امت بن جاوے اور مسیح دوسروں سے آوے۔ (الحکم جلد ۷ نمبر ۵ مؤرخہ ۷؍ فروری ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۴)

نبوت کی علامت مکالمہ ہے لیکن اب اہل اسلام نے جو یہ اپنا مذہب قرار دیا ہے کہ اب مکالمہ کا دروازہ بند ہے اس سے تو یہ ظاہر ہے کہ خدا کا بڑا قہر اسی اُمّت پر ہے اور اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کی دُعا ایک بڑا دھوکہ ہوگی۔ اور اس کی تعلیم کا کیا فائدہ ہوا گویا یہ عبث تعلیم خدا نے دی۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۶ مؤرخہ ۲۷؍ فروری ۱۹۰۳ء صفحہ ۴۲)

بھلا اگر خدا تعالیٰ نے اس اُمّت کو اس شرف سے محروم ہی رکھنا تھا تو یہ دُعا ہی کیوں سکھائی اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ اس دعا سے تو صاف نکلتا ہے کہ یا الٰہی ہمیں پہلے منعم علیہم لوگوں کی راہ پر چلا اور جو اُن کو الہامات ملے ہمیں بھی وہ انعامات عطا فرما۔ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کون تھے۔ خدا نے خود ہی

فرمادیا ہے کہ نبی، صدیق، شہید، صالح لوگ تھے اور اُن کا برابر انعام یہی الہام اور وحی کا نزول تھا۔ بھلا اگر خدا نے اِس دعا کا سچا نتیجہ جو ہے اُس سے محروم ہی رکھنا تھا تو پھر کیوں ایسی دعا سکھائی۔

(الحکم جلد نمبر ۱۴ مؤرخہ ۱۷؍اپریل ۱۹۰۳ء صفحہ ۵)

نبوت کے معنے مکالمہ کے ہیں جو غیب کی خبر دیوے وہ نبی ہے اگر آئندہ نبوت کو باطل قرار دو گے تو پھر یہ اُمت خیر الامت نہ رہے گی بلکہ کالانعام ہوگی اور سورہ فاتحہ کی تعلیم جس میں اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ہے بے سُود ٹھہرے گی کیونکہ انعام اور اکرام تو خدا کا اب کسی پر ہونا نہیں تو پھر دُعا کا فائدہ کیا ہوا اور نعوذ باللہ یہ ماننا پڑا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں قدسی قوت ہی نہ تھی۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۱۳ مؤرخہ ۱۷؍اپریل ۱۹۰۳ء صفحہ ۹۹)

اگر خدا تعالیٰ نے اپنے فضل کو بند کر دیا ہے اور قفل لگا دیا ہے تو پھر اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کی دعا تعلیم کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ یہ تو وہی بات ہوئی کہ ایک شخص کی مشکیں باندھ دی جاویں اور پھر اس کو ماریں کہ تو اب چل کر کیوں نہیں دکھاتا۔ بھلا وہ کس طرح چل سکتا ہے۔ فیوض اور برکات کے دروازے تو خود بند کر دیئے۔ اور پھر یہ بھی کہہ دیا کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کی دُعا ہر روز ہر نماز میں کئی مرتبہ مانگا کرو۔ اگر قانون قدرت یہ رکھا تھا کہ آپ کے بعد معجزات اور برکات کا سلسلہ ختم کر دیا تھا اور کوئی فیض اور برکت کسی کو ملنا ہی نہیں تھی تو پھر اس دعا سے کیا مطلب؟

اگر اس دعا کا کوئی اور نتیجہ نہیں تو پھر نصاریٰ کی تعلیم کے آثار اور نتائج اور اس تعلیم کے آثار اور نتائج میں کیا فرق ہوا لکھا تو انجیل میں یہی ہے کہ میری پیروی سے تم پہاڑ کو بھی ہلا سکو گے مگر اب وہ جُوتی بھی سیدھی نہیں کر سکتے۔ لکھا ہے کہ میرے جیسے معجزات دکھاؤ گے مگر کوئی کچھ نہیں دکھا سکتا۔ لکھا ہے کہ زہریں کھالو گے تو اثر نہ کریں گی مگر اب سانپ ڈستے اور کتّے کاٹتے ہیں اور وہ ان زہروں سے ہلاک ہوتے ہیں اور کوئی نمونہ وہ دُعا کا نہیں دکھا سکتے۔ ان کا وہ نمونہ دعا کی قبولیت کا نہ دکھا سکنا ایک سخت حربہ اور حجت ہے عیسائی مذہب کے ابطال پر کہ اُس میں زندگی کی روح اور تاثیر نہیں اور یہ ثبوت ہے اس امر کا کہ انہوں نے نبی کا طریق چھوڑ دیا۔

اب اگر ہم بھی یہ اقرار کر لیں کہ اب نشانات اور خوارق نہیں ہوتے اور یہ دعا جو سکھائی گئی ہے اِس کا کوئی اثر اور نتیجہ نہیں تو کیا اُس کے یہ معنے نہیں ہوں گے کہ یہ اعمال معاذ اللہ بے فائدہ ہیں؟ نہیں خدا تعالیٰ جو دانا اور

حکمت والا ہے وہ نبوّت کی تاثیرات کو قائم رکھتا ہے اور اب بھی اس نے اس سلسلہ کو اسی لئے قائم کیا ہے تا وہ اس امر کی سچائی پر گواہ ہو۔ (الحکم جلد ۷ نمبر ۲۰ مؤرخہ ۳۱؍ مئی ۱۹۰۳ء صفحہ ۲، ۳)

خدا تعالیٰ فرماتا ہے اور تعلیم کرتا ہے اِھۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡھِمۡ اور اس کے یہی معنے ہیں کہ یا الٰہی قرب اور محبت اور معرفت کا ہمیں وہ راہ عنایت کر جو تُو نے تمام نبیوں اور مقدسوں اور معصوموں کو عنایت فرمایا ہے پس اس سے تو یہی ثابت ہوا کہ خدا تعالیٰ میں بخل نہیں۔ پس جبکہ انسان ظلّی طور پر نبیوں کے مراتب تک پہنچ جاتا ہے تو اس کو اہل بیت یا امام حسین کے مرتبہ تک پہنچنے سے کونسی بات سدِّ راہ ہے اگر ابواب قرب اور محبت و معرفت کے کھلے نہ ہوتے اور صرف حضرت علی یا امام حسین یا چند دوسرے اہلِ بیت (پر) ہر سہ کمالات ختم ہو کر آئندہ کو محکم قفل اُن پر لگ جاتا تو اس صورت میں اسلام اسلام نہ تھا اور صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡھِمۡ پڑھنا عبث ہو جاتا خدا تعالیٰ اپنے بندوں سے بخل نہیں رکھتا جو ڈھونڈے گا پائے گا۔ (البدر جلد ۲ نمبر ۳۶ مؤرخہ ۲۵؍ ستمبر ۱۹۰۳ء صفحہ ۳۸۳)

خدا اپنی قدرتوں میں کمزور نہیں وہ یقین دلانے کے لئے ایسے خارقِ عادت طریقے اختیار کر لیتا ہے کہ انسان جیسے آفتاب کو دیکھ کر پہچان لیتا ہے کہ یہ آفتاب ہے ایسا ہی خدا کے کلام کو پہچان لیتا ہے کیا ان کا یہ خیال ہے کہ آدم سے لے کر آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم تک خدا تعالیٰ اس بات پر قادر تھا کہ اپنی پاک وحی کے ذریعے سے حق کے طالبوں کو سرچشمۂ یقین تک پہنچا دے مگر پھر بعد اس کے اس فیضان پر قادر نہ رہا یا قادر تو تھا مگر دانستہ اس اُمّت غیر مرحومہ کے ساتھ بخل کیا اور اس دُعا کو بھول گیا جو آپ ہی سکھلائی تھی اِھۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡھِمۡ ۔ (البدر جلد ۳ نمبر ۵ مؤرخہ یکم فروری ۱۹۰۴ء صفحہ ۲)

اللہ تعالیٰ تو سب کو ولی کہتا ہے اور سب کو ولی بنانا چاہتا ہے اسی لئے وہ اِھۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ کی ہدایت کرتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ تم منعم علیہ گروہ کی مانند ہو جاؤ۔ جو کہتا ہے کہ میں ایسا نہیں ہو سکتا وہ اللہ تعالیٰ پر بخل کی تہمت لگاتا ہے اور اس لئے یہ کلمہ کفر ہے۔ (الحکم جلد ۹ نمبر ۳۵ مؤرخہ ۱۰؍ اکتوبر ۱۹۰۵ء صفحہ ۱۱)

یاد رکھو کہ خدا کے فیوض بے انتہا ہیں جو اُن کو محدود کرتا ہے وہ اصل میں خدا کو محدود کرتا ہے اور اس کی کلام کو عبث قرار دیتا ہے وہی بتلاوے کہ اِھۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡھِمۡ میں جب وہ اُنہی کمالات اور انعامات کو طلب کرتا ہے جو کہ سابقین پر ہوئے تو اب اُن کو محدود کیسے مانتا ہے اگر وہ محدود ہیں اور بقول شیعہ بارہ امام تک ہی رہے تو پھر سورہ فاتحہ کو نماز میں کیوں پڑھتا ہے؟ وہ تو اُس کے عقیدہ کے

خلاف تعلیم کر رہی ہے اور خدا کو ملزم گردانتی ہے کہ ایک طرف تو وہ خود ہی کمالات کو بارہ امام تک ختم کرتا ہے اور پھر لوگوں کو قیامت تک اُن کے طلب کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔ دیکھو مایوس ہونا مومن کی شان نہیں ہوتی اور ترقیات اور مراتب قرب کی کوئی حدّ بست نہیں ہے یہ بڑی غلطی ہے کہ کسی فرد خاص پر ایک بات قائم کر دی جاوے۔ (البدر جلد ۳ نمبر ۲۲، ۲۳ مؤرخہ ۸ تا ۱۶/ جون ۱۹۰۴ء صفحہ ۳)

جو شخص سچے دل سے خدا تعالیٰ کے حضور آتا ہے وہ خالی نہیں جاتا۔ پاکیزہ قلب ہونے کی ضرورت ہے ورنہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کی تعلیم اور تاکید بے فائدہ ہو جاتی ہے اگر وہ انعام اکرام اب کسی کو ملنے ہی نہیں ہیں تو پھر پانچ وقت اس دُعا کے مانگنے کی کیا حاجت ہے؟ یہ بڑی غلطی ہے جو مسلمانوں میں پھیل گئی ہے۔ حالانکہ یہی تو اسلام کا حسن اور خوبی تھی کہ اس کے برکات اور فیوض اور اس کی پاک تعلیم کے ثمرات تازہ بتازہ بہت مل سکتے ہیں۔ تمام صوفیوں اور اکابرانِ اُمت کا یہی مذہب ہے بلکہ وہ تو کہتے ہیں کہ کامل متبع ہوتا ہی نہیں جب تک بروزی رنگ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات کو اپنے اندر نہ رکھتا ہو۔ اور حقیقت میں یہ بات صحیح بھی ہے کیونکہ کامل اتباع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے لازم ہے کہ اس کے ثمرات اپنے اندر پیدا کرے جب ایک شخص کامل اطاعت کرتا ہے اور گو اطاعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں محو اور فنا ہو کر گم ہو جاتا ہے اس وقت اس کی حالت ایسی ہوتی ہے جیسے ایک شیشہ سامنے رکھا ہوا ہو۔ اور تمام و کمال عکس اس میں پڑے۔ میں کبھی اللہ تعالیٰ کے فضل اور برکات اور ان تاثیرات کو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کامل اتباع سے ملتی ہیں محدود نہیں کر سکتا بلکہ ایسا خیال کرنا کفر سمجھتا ہوں۔

(الحکم جلد ۹ نمبر ۳۵ مؤرخہ ۱۰/ اکتوبر ۱۹۰۵ء صفحہ ۱۰)

جبکہ بہر صورت ثابت ہے کہ خضر کو خدائے تعالیٰ کی طرف سے علم یقینی اور قطعی دیا گیا تھا۔ تو پھر کیوں کوئی شخص مسلمان کہلا کر اور قرآن شریف پر ایمان لا کر اس بات سے منکر رہے کہ کوئی فرد بشر اُمّتِ محمدیہ میں سے باطنی کمالات میں خضر کی مانند نہیں ہو سکتا۔ بلا شبہ ہو سکتا ہے۔ بلکہ خدائے حیّ قیّوم اس بات پر قادر ہے کہ اُمّتِ مرحومہ محمدیہ کے افراد خاصہ کو اس سے بھی بہتر و زیادہ تر باطنی نعمتیں عطا فرماوے اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (البقرۃ: ۱۰۷) کیا اس خداوند کریم نے آپ ہی اس امت کو یہ دعا تعلیم نہیں فرمائی اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۔

(براہین احمدیہ چہار حصص، روحانی خزائن جلد ۱ صفحہ ۲۹۵ حاشیہ در حاشیہ نمبر ۱)

یہ تعلیم دے کر کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ تمام سچے طالبوں کو خوشخبری دی کہ وہ اپنے رسول مقبول کی تبعیّت سے اس علم ظاہری اور باطنی تک پہنچ سکتے ہیں کہ جو بِالْاِصالت خدا کے نبیوں کو دیا گیا۔ انہیں معنوں کر کے تو علماء وارث الانبیاء کہلاتے ہیں اور اگر باطنی علم کا ورثہ ان کو نہیں مل سکتا تو پھر وہ وارث کیونکر اور کیسے ہوئے۔

(براہین احمدیہ چہار حصص، روحانی خزائن جلد ۱ صفحہ ۲۵۶، حاشیہ در حاشیہ نمبر ۱)

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّيْنَ پس یہ آیت صاف کہہ رہی ہے کہ اس اُمّت کے بعض افراد کو گذشتہ نبیوں کا کمال دیا جائے گا اور نیز یہ کہ گذشتہ کفّار کی عادات بھی بعض منکروں کو دی جائیں گی اور بڑی شدّ و مدّ سے آئندہ نسلوں کی گذشتہ لوگوں سے مشابہتیں ظاہر ہو جائیں گی۔ چنانچہ بعینہٖ یہودیوں کی طرح یہودی پیدا ہو جائیں گے اور ایسا ہی نبیوں کا کامل نمونہ بھی ظاہر ہوگا۔ (نزول المسیح، روحانی خزائن جلد ۱۸ صفحہ ۳۸۲، ۳۸۳ حاشیہ)

اگر یہ کہا جائے کہ اس اُمّت پر قیامت تک دروازہ مکالمہ مخاطبہ اور وحیِ الٰہی کا بند ہے تو پھر اس صورت میں کوئی اُمّتی نبی کیونکر کہلا سکتا ہے کیونکہ نبی کے لئے ضروری ہے کہ خدا اس سے ہمکلام ہو تو اس کا یہ جواب ہے کہ اس اُمت پر یہ دروازہ ہرگز بند نہیں ہے اور اگر اس اُمّت پر یہ دروازہ بند ہوتا تو یہ اُمّت ایک مُردہ اُمّت ہوتی اور خدا تعالیٰ سے دُور اور مہجور ہوتی۔ اور اگر یہ دروازہ اس اُمت پر بند ہوتا تو کیوں قرآن میں یہ دُعا سکھلائی جاتی کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ۔

(براہین احمدیہ حصہ پنجم۔ روحانی خزائن جلد ۲۱ صفحہ ۳۵۳)

یاد رکھنا چاہئے کہ جو مذہب آئندہ کمالات کے دروازے بند کرتا ہے وہ مذہب انسانی ترقی کا دشمن ہے۔ قرآن شریف کی رُو سے انسان کی بھاری دعا یہی ہے کہ وہ روحانی ترقیات کا خواہاں ہو۔ غور سے پڑھنا چاہئے اس آیت کو اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۔

(الحکم جلد ۲ نمبر ۳۸ مؤرخہ ۸ ردسمبر ۱۸۹۸ء صفحہ ۳)

یہ اسلام پر بھی ایک داغ ہے کہ بنی اسرائیل میں تو ایسے یقینی الہام ہوتے تھے جن کی وجہ سے حضرت موسیٰ کی ماں نے اپنے معصوم بچے کو دریا میں ڈال دیا اور اس الہام کی سچائی میں کچھ شک نہ کیا اور ظنّی نہ سمجھا۔ اور خضر نے ایک بچہ کو قتل بھی کر دیا۔ مگر اس اُمت مرحومہ کو وہ مرتبہ بھی نہ ملا جو بنی اسرائیل کی عورتوں کو

مل گیا۔ پھر اس آیت کے کیا معنے ہوئے کہ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ۔ کیا اُنہیں ظنّی الہاموں کا نام انعام ہے جو شیطان اور رحمٰن میں مشترک ہیں۔ جائے شرم!! (تجلیاتِ الٰہیہ، روحانی خزائن جلد ۲۰ صفحہ ۴۱۳)

نبوتِ محمدیہؐ اپنی ذاتی فیض رسانی سے قاصر نہیں بلکہ سب نبوتوں سے زیادہ اِس میں فیض ہے اِس نبوت کی پیروی خدا تک بہت سہل طریق سے پہنچا دیتی ہے اور اس کی پیروی سے خدا تعالیٰ کی محبت اور اُس کے مکالمہ مخاطبہ کا اُس سے بڑھ کر انعام مل سکتا ہے جو پہلے ملتا تھا...... اور جب کہ وہ مکالمہ مخاطبہ اپنی کیفیت اور کمیّت کی رو سے کمال درجہ تک پہنچ جائے اور اس میں کوئی کثافت اور کمی باقی نہ ہو۔ اور کھلے طور پر امور غیبیہ پر مشتمل ہو تو وہی دوسرے لفظوں میں نبوت کے نام سے موسوم ہوتا ہے۔ جس پر تمام نبیوں کا اتفاق ہے پس یہ ممکن نہ تھا کہ وہ قوم جس کے لئے فرمایا گیا کہ کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (آل عمران:۱۱۱) اور جن کے لئے یہ دعا سکھائی گئی کہ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ اُن کے تمام افراد اس مرتبہ عالیہ سے محروم رہتے اور کوئی ایک فرد بھی اس مرتبہ کو نہ پاتا اور ایسی صورت میں صرف یہی خرابی نہیں تھی کہ اُمّتِ محمدیہؐ ناقص اور ناتمام رہتی اور سب کے سب اندھوں کی طرح رہتے بلکہ یہ بھی نقص تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوتِ فیضان پر داغ لگتا تھا اور آپ کی قوت قدسیہ ناقص ٹھہرتی تھی۔ اور ساتھ اس کے وہ دعا جس کا پانچ وقت نماز میں پڑھنا تعلیم کیا گیا تھا اُس کا سکھلانا بھی عبث ٹھہرتا تھا۔

(الوصیت، روحانی خزائن جلد ۲۰ صفحہ ۳۱۱، ۳۱۲)

اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ .... اگر یہ اُمّت پہلے نبیوں کی وارث نہیں اور اس انعام میں سے اِن کو کچھ حِصّہ نہیں تو یہ دعا کیوں سکھلائی گئی۔

(حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن جلد ۲۲ صفحہ ۱۰۴ حاشیہ)

چھٹی آیت اس سورۃ کی اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ہے۔ گویا یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ چھٹے ہزار کی تاریکی آسمانی ہدایت کو چاہے گی اور انسانی سلیم فطرتیں خدا کی جناب سے ایک ہادی کو طلب کریں گی یعنی مسیح موعود کو۔ (تحفہ گولڑویہ، روحانی خزائن جلد ۱۷ صفحہ ۲۸۴ حاشیہ)

اِعْلَمْ اَنَّ فِیْ اٰیَةِ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ تَبْشِیْرٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ۔ وَ اِشَارَةٌ اِلٰی اَنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لَھُمْ کُلَّمَا اَعْطٰی لِلْاَنْبِیَآءِ السَّابِقِیْنَ۔ وَ لِذٰلِكَ

واضح ہو کہ آیت اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ میں مومنوں کے لئے ایک خوشخبری ہے اور اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے وہ سب کچھ تیار کر رکھا ہے جو اس نے

عَلَّمَ هٰذَاالدُّعَآءَ لِيَكُوْنَ بِشَارَةً لِّلطَّالِبِيْنَ۔ فَلَزِمَ مِنْ ذَالِكَ اَنْ يَّخْتَتِمَ سِلْسِلَةُ الْخُلَفَآءِ الْمُحَمَّدِيَّةِ عَلٰى مَثِيْلِ عِيْسٰى۔ لِيَتِمَّ الْمُمَاثَلَةُ بِالسِّلْسِلَةِ الْمُوْسَوِيَّةِ وَالْكَرِيْمُ اِذَا وَعَدَ وَفٰى۔

(اعجاز المسیح، روحانی خزائن جلد ۱۸ صفحہ ۱۷۰ حاشیہ)

گذشتہ نبیوں کو دیا تھا اور اسی لئے اس نے یہ دُعا سکھائی تا طالبوں کے لئے خوش خبری ہو۔ پس اس سے لازم آیا کہ محمدی خلفاء کا سلسلہ مثیلِ عیسٰی پر ختم ہوتا موسوی سلسلہ کے ساتھ (اس کی) مماثلت مکمل ہوجائے اور کریم جب وعدہ کرتا ہے تو اسے پورا کیا کرتا ہے۔ (ترجمہ از مرتب)

وَاللهِ لَيْسَ فِي الْقُرْاٰنِ الَّذِيْ هُوَ اَهْلُ الْفَصْلِ وَالْقَضَآءِ اِلَّا خَبَرُ ظُهُوْرِ خَاتَمِ الْخُلَفَآءِ مِنْ اُمَّةِ خَيْرِ الْوَرٰى فَلَا تَقْفُوْا مَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّ قَدْ اُعْطِيْتُمْ فِيْهِ مِنَ الْهُدٰى وَلَا تُخْرِجُوْا مِنْ اَفْوَاهِكُمْ كَلِمَاتٍ شَتّٰى الَّتِيْ لَيْسَتْ هِيَ اِلَّا كَسَهْمٍ فِي الظُّلُمَاتِ يُرْمٰى۔ وَ اِنَّ هٰذَا الْوَعْدَ وَعْدٌ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمْ مَّا تَسْمَعُوْنَ مِنْ اَهْلِ الْهَوٰى وَقَدْ اُشِيْرَ اِلَيْهِ فِي الْفَاتِحَةِ مَرَّةً اُخْرٰى وَ تَقْرَءُوْنَ فِي الصَّلٰوةِ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ثُمَّ تَسْتَقْرُوْنَ سُبُلَ الْاِنْكَارِ وَتُسِرُّوْنَ النَّجْوٰى مَالَكُمْ تَدُوْسُوْنَ قَوْلَ اللهِ تَحْتَ الْاَقْدَامِ اَلَا تَمُوْتُوْنَ اَوْتُتْرَكُوْنَ سُدًى۔

(خطبہ الہامیہ، روحانی خزائن جلد ۱۶ صفحہ ۱۰۹، ۱۱۰)

اور خدا کی قسم قرآن شریف میں جو تمام اختلافوں کا فیصلہ کرنے والا ہے کہیں ذکر نہیں ہے کہ خاتم الخلفاء سلسلہ محمدیہ کا موسوی سلسلہ سے آئے گا۔ اس کی پیروی مت کرو کہ کوئی دلیل تمہارے پاس نہیں ہے بلکہ برخلاف اس کے تم کو دلیل دی گئی۔ اور کلمات متفرقہ اپنے منہ سے نہ نکالو کہ وہ کلمات اس تیر کی طرح ہیں جو اندھیرے میں چلایا جائے اور یہ وعدہ جو مذکور ہوا سچا وعدہ ہے اور تم کو کوئی دھوکا نہ دے۔ اور سورہ فاتحہ میں دوسری بار اس وعدہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور یہ آیت سورہ فاتحہ یعنی صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ اپنی نمازوں میں پڑھتے ہیں۔ پھر حیلہ وبہانہ اختیار کرتے ہیں اور حجّتِ الٰہی کے رفع دفع کے لئے مشورے کرتے ہیں تمہیں کیا ہوگیا کہ خدا تعالیٰ کے فرمودہ کو اپنے پیروں میں روندتے ہو۔ کیا ایک دن تم نہیں مرو گے یا کوئی تم کو نہیں پوچھے گا۔ (ترجمہ اصل کتاب سے)

اگر بروزی معنوں کے رو سے بھی کوئی شخص نبی اور رسول نہیں ہوسکتا تو پھر اس کے کیا معنی ہیں کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ۔ (ایک غلطی کا ازالہ، روحانی خزائن جلد ۱۸ صفحہ ۲۰۹)

قرآن شریف بھی سلسلہ موسویہ کے بالمقابل ایک سلسلہ قائم کرتا ہے۔ اسی کی طرف علاوہ اور آیات

قرآنی کے اِھۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ بھی اشارہ کرتا ہے۔یعنی جو پہلے نبیوں کو دیا گیا ہے ہم کو بھی عطا کر۔

(الحکم جلد ۷ نمبر ۸ مؤرخہ ۲۸ رفروری ۱۹۰۳ء صفحہ ۴)

نیکوں کے اور بدوں کے بروز ہوتے ہیں نیکوں کے بروز میں جو موعود ہے وہ ایک ہی ہے یعنی مسیح موعود ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ اِھۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ سے نیکوں کا بروز اور ضَآلِّیۡنَ سے عیسائیوں کا بروز اور مغضوب سے یہودیوں کا بروز مراد ہے اور یہ عالم بروزی صفت میں پیدا کیا گیا ہے جیسے پہلے نیک یا بدگزرے ہیں ان کے رنگ اور صفات کے لوگ اب بھی ہیں خدا تعالیٰ ان اخلاق اور صفات کو ضائع نہیں کرتا ان کے رنگ میں اور آجاتے ہیں جب یہ امر ہے تو ہمیں اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ ابرار اور اخیار اپنے اپنے وقت پر ہوتے رہیں گے۔اور یہ سلسلہ قیامت تک چلا جاوے گا جب یہ سلسلہ ختم ہو جاوے گا تو دنیا کا بھی خاتمہ ہے لیکن وہ موعود جس کے سپرد عظیم الشان کام ہے وہ ایک ہی ہے کیونکہ جس کا وہ بروز ہے یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم وہ بھی ایک ہی ہے۔ (الحکم جلد ۶ نمبر ۴۰ مؤرخہ ۱۰ رنومبر ۱۹۰۲ء صفحہ ۱۰)

خدا تعالیٰ نے تمام مسلمانوں کو سورہ فاتحہ میں یہ دُعا سکھلائی ہے کہ وہ اس فریق کی راہ خدا تعالیٰ سے طلب کرتے رہیں جو منعم علیہم کا فریق ہے اور منعم علیہم کے کامل طور پر مصداق باعتبار کثرت کمیّت اور صفائی کیفیت اور نعماءِ حضرت احدیّت از روئے نصّ صریح قرآنی اور احادیث متواترہ حضرت مرسلِ یزدانی دو گروہ ہیں۔ایک گروہ صحابہ اور دوسرا گروہ جماعت مسیح موعود کیونکہ یہ دونوں گروہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کے تربیت یافتہ ہیں کسی اپنے اجتہاد کے محتاج نہیں وجہ یہ کہ پہلے گروہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موجود تھے جو خدا سے براہ راست ہدایت پا کر وہی ہدایت نبوت کی پاک توجہ کے ساتھ صحابہ رضی اللہ عنہم کے دل میں ڈالتے تھے اور ان کے لئے مربّی بے واسطہ تھے۔اور دوسرے گروہ میں مسیح موعود ہے جو خدا سے الہام پاتا اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت سے فیض اٹھاتا ہے لہٰذا اس کی جماعت بھی اجتہاد خشک کی محتاج نہیں ہے۔ (تحفہ گولڑویہ، روحانی خزائن جلد ۱۷ صفحہ ۲۲۴)

منعم علیہم لوگوں میں جو کمالات ہیں اور صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ میں جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا ہے ان کو حاصل کرنا ہر انسان کا اصل مقصد ہے اور ہماری جماعت کو خصوصیت سے اس طرف متوجہ ہونا چاہئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ کے قائم کرنے سے یہی چاہا ہے کہ وہ ایسی جماعت تیار کرے جیسی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تیار کی تھی تا کہ اس آخری زمانہ میں یہ جماعت قرآن شریف اور

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی اور عظمت پر بطور گواہ ٹھہرے۔

(الحکم جلد ۸ نمبر ۳۶ مؤرخہ ۲۴ ؍اکتوبر ۱۹۰۴ء صفحہ ۲)

انسان کا اعلیٰ درجہ وہی نفس مطمئنّہ ہے جس پر مَیں نے گفتگو شروع کی ہے اسی حالت میں اور تمام حالتوں سے ایسے لوازم ہوجاتے ہیں کہ عام تعلّق الٰہی سے بڑھ کر خاص تعلّق ہوجاتا ہے جو زمینی اور سطحی نہیں ہوتا بلکہ علوی اور سماوی تعلّق ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ اطمینان جس کو فلاح اور استقامت بھی کہتے ہیں۔ اور اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ میں بھی اسی کی طرف اشارہ ہے اور اسی راہ کی دعا تعلیم کی گئی ہے اور یہ استقامت کی راہ اُن لوگوں کی راہ ہے جو منعم علیہم ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے افضال و اکرام کے مورد ہیں۔ منعم علیہم کی راہ کو خاص طور پر بیان کرنے سے یہ مطلب تھا کہ استقامت کی راہیں مختلف ہیں۔ مگر وہ استقامت جو کامیابی اور فلاح کی راہوں کا نام ہے وہ انبیاء علیہم السلام کی راہیں ہیں۔ اس میں ایک اور اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ میں وُہ دعا انسان کی زبان، قلب اور فعل سے ہوتی ہے۔ اور جب انسان خدا سے نیک ہونے کی دعا کرے تو اُسے شرم آتی ہے۔ مگر یہی ایک دعا ہے جو ان مشکلات کو دُور کر دیتی ہے۔

(رپورٹ جلسہ سالانہ ۱۸۹۷ء صفحہ ۱۴۴، ۱۴۵)

یہ ضروری امر ہے کہ پہلے قویٰ کو ان کے فطرتی کاموں پر لگاؤ تو اور بھی ملے گا۔ ہمارا اپنا ذاتی تجربہ ہے کہ جہاں تک عملی طاقتوں سے کام لیا جاوے اللہ تعالیٰ اس پر برکت نازل کرتا ہے۔ مطلب یہی ہے کہ اوّل عقائد، اخلاق، اعمال کو درست کرو۔ پھر اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کی دُعا مانگو تو اس کا اثر کامل طور پر ظاہر ہوگا۔ (رپورٹ جلسہ سالانہ ۱۸۹۷ء صفحہ ۱۴۶)

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ میں تمام مسلمانوں کو لازم ہے کہ اِيَّاكَ نَعْبُدُ کا لحاظ رکھیں۔ کیونکہ اِيَّاكَ نَعْبُدُ کو اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ پر مقدم رکھا ہے۔ پس پہلے عملی طور پر شکر یہ کرنا چاہئے اور یہی مطلب اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ میں رکھا ہے۔ یعنی دُعا سے پہلے اسباب ظاہری کی رعایت اور نگہداشت ضروری طور پر کی جاوے۔ اور پھر دُعا کی طرف رجوع ہو۔ اولاً عقائد، اخلاق اور عادات کی اصلاح ہو۔ پھر اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ...... اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کی دُعا تعلیم کرنے میں اللہ تعالیٰ نے چاہا ہے کہ انسان تین پہلو ضرور مدِّنظر رکھے۔ اوّل اخلاقی حالت۔ دوم حالت عقائد۔ سوم اعمال کی حالت۔ مجموعی طور پر یوں کہو کہ انسان خداداد قوتوں کے ذریعے سے اپنے حال کی اصلاح کرے اور پھر اللہ تعالیٰ سے مانگے۔ یہ مطلب نہیں کہ اصلاح کی صورت میں دُعا نہ کرے۔ نہیں۔ اُس وقت بھی مانگتا رہے۔ (رپورٹ جلسہ سالانہ ۱۸۹۷ء صفحہ ۱۴۸)

نماز میں بالخصوص دعا اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ میں دلی آہوں سے، دلی تضرّعات سے، دلی خضوع سے، سچے دلی جوش سے حضرتِ احدیّت کا فیض طلب کرنا چاہئے اور اپنے تئیں ایک مصیبت زدہ اور عاجز اور لاچار سمجھ کر اور حضرتِ احدیّت کو قادر مطلق اور رحیم کریم یقین کر کے رابطہ محبت اور قرب کے لئے دُعا کرنی چاہئے۔ اس جناب میں خشک ہونٹوں کی دُعا قابل پذیرائی نہیں۔ فیضان سماوی کے لئے سخت بیقراری اور جوش وگریہ وزاری شرط ہے۔ اور نیز استعداد قریبہ پیدا کرنے کے لئے اپنے دل کو ماسوا اللہ کے شغل اور فکر سے بکلّی خالی اور پاک کر لینا چاہئے۔ کسی کا حسد اور حقد دل میں نہ رہے۔ بیداری بھی پاک باطنی کے ساتھ ہو اور خواب بھی۔ بے مغز باتیں سب فضول ہیں اور جو عمل روح کی روشنی سے نہیں وہ تاریکی اور ظلمت ہے۔

(الحکم جلد ۲ نمبر ۲۶، ۲۷ مؤرخہ ۶، ۱۳ ستمبر ۱۸۹۸ء صفحہ ۷)

خاکساری اور نیستی کو اسی قادر مطلق سے طلب کرنا چاہئے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ میں جو مانگا گیا ہے وہ بھی خاکساری اور نیستی ہے۔ (مکتوباتِ احمد جلد اوّل صفحہ ۵۸۱)

نجات یافتہ کون ہے؟ وہ جو یقین رکھتا ہے جو خدا سچ ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس میں اور تمام مخلوق میں درمیانی شفیع ہے اور آسمان کے نیچے نہ اس کے ہم مرتبہ کوئی اور رسول ہے اور نہ قرآن کے ہم رتبہ کوئی اور کتاب ہے۔ اور کسی کے لئے خدا نے نہ چاہا کہ وہ ہمیشہ زندہ رہے مگر یہ برگزیدہ نبی ہمیشہ کے لئے زندہ ہے اور اس کے ہمیشہ زندہ رہنے کے لئے خدا نے یہ بنیاد ڈالی ہے کہ اس کے افاضہ تشریعی اور روحانی کو قیامت تک جاری رکھا اور آخر کار اُس کی روحانی فیض رسانی سے اس مسیح موعود کو دنیا میں بھیجا جس کا آنا اسلامی عمارت کی تکمیل کے لئے ضروری تھا کیونکہ ضرور تھا کہ یہ دنیا ختم نہ ہو جب تک کہ محمدی سلسلہ کے لئے ایک مسیح روحانی رنگ کا نہ دیا جاتا جیسا کہ موسوی سلسلہ کے لئے دیا گیا تھا اسی کی طرف یہ آیت اشارہ کرتی ہے کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ۔ (کشتی نوح، روحانی خزائن جلد ۱۹ صفحہ ۱۴)

اصل حقیقت اور اصل سرچشمہ نجات کا محبت ذاتی ہے جو وصالِ الٰہی تک پہنچاتی ہے۔ وجہ یہ کہ کوئی مُحب اپنے محبوب سے جُدا نہیں رہ سکتا۔ اور چونکہ خدا خود نور ہے اس لئے اس کی محبت سے نورِ نجات پیدا ہو جاتا ہے اور وہ محبت جو انسان کی فطرت میں ہے خدا تعالیٰ کی محبت کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ اسی طرح خدا تعالیٰ کی محبت ذاتی انسان کی محبت ذاتی میں ایک خارقِ عادت جوش بخشتی ہے۔ اور ان دونوں محبتوں کے ملنے سے ایک فنا کی صورت پیدا ہو کر بقا باللہ کا نور پیدا ہو جاتا ہے۔ اور یہ بات کہ دونوں محبتوں کا باہم ملنا ضروری طور پر اس

نتیجہ کو پیدا کرتا ہے کہ ایسے انسان کا انجام فنافی اللہ ہو اور خاکستر کی طرح یہ وجود ہو کر (جو حجاب ہے) سراسر عشقِ الٰہی میں روح غرق ہو جائے اس کی مثال وہ حالت ہے کہ جب انسان پر آسمان سے صاعقہ پڑتی ہے تو اس آگ کی کشش سے انسان کے بدن کی اندرونی آگ یکدفعہ باہر آ جاتی ہے تو اس کا نتیجہ جسمانی فنا ہوتا ہے پس دراصل یہ روحانی موت بھی اسی طرح دو قسم کی آگ کو چاہتی ہے۔ایک آسمانی آگ اور ایک اندرونی آگ اور دونوں کے ملنے سے وہ فنا پیدا ہو جاتی ہے جس کے بغیر سلوک تمام نہیں ہو سکتا۔یہی فنا وہ چیز ہے جس پر سالکوں کا سلوک ختم ہو جاتا ہے۔اور جو انسانی مجاہدات کی آخری حدّ ہے۔اِسی فنا کے بعد فضل اور موہبت کے طور پر مرتبہ بقا کا انسان کو حاصل ہوتا ہے۔اسی کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے۔ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ اس آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ جس شخص کو یہ مرتبہ ملا انعام کے طور پر ملا۔یعنی محض فضل سے نہ کسی عمل کا اجر۔اور یہ عشقِ الٰہی کا آخری نتیجہ ہے۔جس سے ہمیشہ کی زندگی حاصل ہوتی ہے اور موت سے نجات ہوتی ہے۔ (چشمہ مسیحی، روحانی خزائن جلد ۲۰ صفحہ ۳۶۴، ۳۶۵)

نجات کے متعلق جو عقیدہ قرآن شریف سے مستنبط ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ نجات نہ تو صوم سے ہے نہ صلوٰۃ سے نہ زکوٰۃ اور صدقات سے بلکہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل پر منحصر ہے جس کو دُعا حاصل کرتی ہے اسی لئے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کی دُعا سب سے اوّل تعلیم فرمائی ہے۔کیونکہ جب یہ دُعا قبول ہو جاتی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے فضل کو جذب کرتی ہے جس سے اعمالِ صالحہ کی توفیق ملتی ہے کیونکہ جب انسان کی دُعا جو سچّے دل اور خلوصِ نیّت سے ہو۔قبول ہوتی ہے تو پھر نیکی اور اُس کے شرائط ساتھ خود ہی مرتب ہو جاتے ہیں۔

(الحکم جلد ۷ نمبر ۳۰ مؤرخہ ۱۷؍اگست ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۰، ۱۱)

قرآن شریف سے جو عقیدہ نجات کے بارے میں استنباط ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ نجات نہ تو صوم سے ہے نہ صلوٰۃ سے نہ زکوٰۃ اور نہ صدقات سے بلکہ محض دُعا اور خدا کے فضل سے ہے اسی لئے خدا تعالیٰ نے دُعا اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ تعلیم فرمائی ہے کہ جب وہ قبول ہو کر خدا تعالیٰ کے فضل کو جذب کرتی ہے اعمال صالحہ اس کے ساتھ شرائط ہیں مگر لوازم میں سے نہیں یعنی جب انسان کی دُعا قبول ہوتی ہے تو اُس کے ساتھ تمام شرائط خود ہی مرتب ہوتی ہیں ورنہ اگر اعمال پر نجات کا مدار رکھا جائے تو یہ باریک شرک ہے اور اس سے ثابت ہوگا کہ انسان خود بخود نجات پا سکتا ہے کیونکہ اعمال تو انسان کے اختیاری امور ہیں اور انسان خود بخود ا سے بجا لاتے ہیں...... دُعا جب تمام شرائط کے ساتھ ہوتی ہے تو وہ فضل کو جذب کرتی ہے اور فضل کے بعد

شرائط خودبخود پورے ہوتے جاتے ہیں اسلامی نجات یہی ہے۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۲۹ مؤرخہ ۷ /اگست ۱۹۰۳ء صفحہ ۲۲۷)

دنیا کے لئے جو دُعا کی جاتی ہے وہ جہنم ہے۔ دُعا صرف خدا کو راضی کرنے اور گناہوں سے بچنے کی ہونی چاہیے باقی جتنی دُعائیں ہیں وہ خود اس کے اندر آ جاتی ہیں۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ بڑی دُعا ہے صراطِ مستقیم گویا خدا کو شناخت کرتا ہے اور اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کل گناہوں سے بچتا ہے اور صالحین میں داخل ہوتا ہے اگر ایک آدمی باخدا ہو تو سات پشت تک خدا تعالیٰ اس کی اولاد کی خبر گیری کرتا ہے..... دُعا ایسی کرنی چاہئے کہ نفسِ امّارہ گداز ہو کر نفسِ مطمئنّہ کی طرف آ جاوے اگر وہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ (جیسے کے معنے مذکور ہوئے) طلب کرتا رہے گا تو دوسری جو اُسے ضرورتیں ہیں جن کے لئے وہ دُعا چاہتا ہے وہ خدا خود پوری کر دے گا۔ (البدر جلد ۳ نمبر ۱۱ مؤرخہ ۱۶/مارچ ۱۹۰۴ء صفحہ ۴،۵)

اصل گناہ شرک ہے اور جو کوئی شرک سے یعنی مال اور رزق اور علم اور عقل اور اعمال اور نفس اور بُت اور شیطان اور دوسرے معبودوں سے بیزار ہو کر صرف خدا ہی کو اپنا خدا جانے اور اُس کے فضل کا منتظر رہے تو وہ بیشک رستگار ہو کر جنّت میں جائے گا۔ لیکن وہ آدمی کہ ان شرکوں میں سے کسی شرک میں گرفتار رہے تو زندان سقر میں محبوس ہوگا اور مکروہ لباس میں رہے گا یہاں تک کہ اس پر فضل ہو۔ اب یہ مقام بڑا نازک اور نہایت دقیق اور لغزش کی جگہ ہے اور تھوڑے ہیں جو رستگار ہوتے ہیں اب سنئے کہ جو جو مقامات واسطہ دفع اس شرک وارد ہیں اوّل سورہ فاتحہ میں اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ہم تیری ہی پرستش کرتے ہیں اور پرستش اور تقرب میں مدد بھی تجھ ہی سے مانگتے ہیں اس اعتقاد سے وہ سب شرک جاتے رہے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ تو آپ ہم کو سیدھا راستہ بتلا صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ اُن کا راستہ جن پر تیرا فضل ہوا غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّيْنَ اور بچا ہم کو اُن کے راستہ سے جن پر تیرا غضب ہے اور اُن سے جو راہِ راست پر قائم نہیں رہے۔ (الحکم جلد ۶ نمبر ۴۶ مؤرخہ ۲۴/دسمبر ۱۹۰۲ء صفحہ ۵)

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ۔ الجزو نمبر ۱۔ یعنی اے باری تعالیٰ ہم پر وہ صراط مستقیم ظاہر کر جو تو نے اُن تمام اہلِ کمال لوگوں پر ظاہر کیا جن پر تیرا فضل اور کرم تھا چونکہ اہلِ کمال لوگوں کا صراط مستقیم یہی ہے کہ وہ علیٰ وجہ البصیرت حقائق کو معلوم کرتے ہیں نہ اندھوں کی طرح۔ پس اس دُعا کا ماحصل تو یہی ہوا کہ خداوندا وہ تمام علومِ حقہ اور معارفِ صحیحہ اور اسرارِ عمیقہ اور حقائق دقیقہ جو دنیا کے تمام اہلِ کمال لوگوں کو متفرق طور پر وقتاً فوقتاً تو عنایت کرتا رہا ہے اب وہ سب ہم میں جمع کر۔ سو دیکھئے کہ اس دُعا

میں بھی علم اور حکمت ہی خدا سے چاہی ہے اور وہ علم مانگا ہے جو تمام دنیا میں متفرق تھا۔
(براہین احمدیہ چہار حصص، روحانی خزائن جلد ۱ صفحہ ۵۰۲ تا ۵۰۵)

قانونِ قدرت میں قبولیتِ دُعا کی نظیریں موجود ہیں اور ہر زمانہ میں خدا تعالیٰ زندہ نمونے بھیجتا ہے اسی لئے اُس نے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کی دُعا تعلیم فرمائی ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کا منشا اور قانون ہے اور کوئی نہیں جو اس کو بدل سکے۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کی دُعا سے پایا جاتا ہے کہ ہمارے اعمال کو اکمل اور اتم کر۔ ان الفاظ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بظاہر تو اشارۃ النّص کے طور پر اس سے دُعا کرنے کا حکم معلوم ہوتا ہے کہ صراط مستقیم کی ہدایت مانگنے کی تعلیم ہے لیکن اس کے سر پر اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ بتا رہا ہے کہ اس سے فائدہ اُٹھائیں یعنی صراط مستقیم کے منازل کے لئے قویٰ سلیم سے کام لے کر استعانتِ الٰہی کو مانگنا چاہئے پس ظاہری اسباب کی رعایت ضروری ہے جو اس کو چھوڑتا ہے وہ کافر نعمت ہے دیکھو! یہ زبان جو خدا تعالیٰ نے پیدا کی ہے اور عروق واعصاب سے اس کو بنایا ہے اگر ایسی نہ ہوتی تو ہم بول نہ سکتے ایسی زبان دُعا کے لئے عطا کی جو قلب کے خیالات اور ارادوں تک کو ظاہر کر سکے اگر ہم دُعا کا کام زبان سے کبھی نہ لیں تو ہماری شور بختی ہے۔ بہت سی بیماریاں ایسی ہیں کہ اگر وہ زبان کو لگ جاویں تو وہ یک دفعہ ہی کام چھوڑ بیٹھتی ہے یہ رحیمیت ہے ایسا ہی قلب میں خشوع وخضوع کی حالت رکھی اور سوچنے اور تفکر کی قوتیں ودیعت کی ہیں پس یاد رکھو اگر ہم ان قوتوں اور طاقتوں کو معطّل چھوڑ کر دُعا کرتے ہیں تو یہ دُعا کچھ بھی مفید اور کارگر نہ ہوگی کیونکہ جب پہلے عطیہ سے کچھ کام نہیں لیا تو دوسرے سے کیا نفع اُٹھائیں گے اس لئے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ سے پہلے اِيَّاكَ نَعْبُدُ بتا رہا ہے کہ ہم نے تیرے پہلے عطیوں اور قوتوں کو بیکار اور برباد نہیں کیا۔ یاد رکھو رحمانیت کا خاصہ یہی ہے کہ وہ رحیمیت سے فیض اُٹھانے کے قابل بنادے۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے جو اُدْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ (المؤمن:۶۱) فرمایا یہ نری لفاظی نہیں ہے بلکہ انسانی شرف اسی کا متقاضی ہے مانگنا انسانی خاصہ ہے اور استجابت اللہ تعالیٰ کا جو نہیں مانتا وہ ظالم ہے ...... اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کی دُعا میں یہ مقصود ہے کہ ہمارے اعمال کو اکمل اور اتم کر اور پھر یہ کہہ کر کہ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ اور بھی صراحت کردی کہ ہم اُس صراط کی ہدایت چاہتے ہیں جو منعم علیہ گروہ کی راہ ہے۔ اور مغضوب گروہ کی راہ سے بچا جن پر بداعمالیوں کی وجہ سے عذابِ الٰہی آ گیا اور الضّالّین کہہ کر یہ دُعا تعلیم کی کہ اس سے بھی محفوظ رکھ کہ تیری حمایت کے بدوں بھٹکتے پھریں۔ (الحکم جلد ۵ نمبر ۳۳ مؤرخہ ۱۰ ر ستمبر ۱۹۰۱ء صفحہ ۱، ۲)

یہ دُعا اس واسطے سکھائی کہ تاتم لوگ صرف اس بات پر ہی نہ بیٹھ رہو کہ ہم ایمان لے آئے ہیں۔ بلکہ اس طرح سے اعمال بجالاؤ کہ ان انعاموں کو حاصل کرسکو جو خدا کے مقرب بندوں پر ہوا کرتے ہیں۔ بعض لوگ مسجدوں میں بھی جاتے ہیں نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور دوسرے ارکانِ اسلام بھی بجالاتے ہیں مگر خدا کی نصرت اور مدد ان کے شامل حال نہیں ہوتی۔ اور ان کے اخلاق اور عادات میں کوئی نمایاں تبدیلی دکھائی نہیں دیتی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی عبادتیں بھی رسمی عبادتیں ہیں حقیقت کچھ بھی نہیں۔ کیونکہ احکامِ الٰہی کا بجا لانا تو ایک بیج کی طرح ہوتا ہے جس کا اثر روح اور وجود دونوں پر پڑتا ہے ایک شخص جو کھیت کی آبپاشی کرتا اور بڑی محنت سے اس میں بیج بوتا ہے اگر ایک دو ماہ تک اس میں انگوری نہ نکلے تو ماننا پڑتا ہے کہ بیج خراب ہے یہی حال عبادات کا ہے اگر ایک شخص خدا کو وحدہٗ لاشریک سمجھتا ہے نمازیں پڑھتا ہے روزے رکھتا ہے اور بظاہر نظر احکام الٰہی کو حتی الوسع بجالاتا ہے لیکن خدا کی طرف سے کوئی خاص مدد اس کے شاملِ حال نہیں ہوتی تو ماننا پڑتا ہے کہ جو بیج وہ بو رہا ہے وہی خراب ہے۔ (الحکم جلد ۱۲ نمبر ۲ مورخہ ۶ ر جنوری ۱۹۰۸ء صفحہ ۳)

ثُمَّ اعْلَمْ أَنَّ فِيْ اٰيَةِ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ اِشَارَةً عَظِيْمَةً إِلٰى تَزْكِيَةِ النُّفُوْسِ مِنْ دَقَآئِقِ الشِّرْكِ وَاسْتِيْصَالِ أَسْبَابِهَا وَ لِأَجْلِ ذٰلِكَ رَغَّبَ اللّٰهُ فِي الْاٰيَةِ فِيْ تَحْصِيْلِ كَمَالَاتِ الْأَنْبِيَآءِ وَ اسْتِفْتَاحِ أَبْوَابِهَا فَإِنَّ أَكْثَرَ الشِّرْكِ قَدْ جَآءَ فِي الدُّنْيَا مِنْ بَابِ إِطْرَآءِ الْأَنْبِيَآءِ وَالْأَوْلِيَآءِ وَ إِنَّ الَّذِيْنَ حَسِبُوْا نَبِيَّهُمْ وَحِيْدًا فَرِيْدًا وَّ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ كَذَاتِ حَضْرَةِ الْكِبْرِيَآءِ فَكَانَ مَآلُ أَمْرِهِمْ أَنَّهُمْ اتَّخَذُوْهُ إِلٰهًا بَعْدَ مُدَّةٍ وَّ هٰكَذَا فَسَدَتْ قُلُوْبُ النَّصَارٰى مِنَ الْإِطْرَآءِ وَالْإِعْتِدَآءِ۔ فَاللّٰهُ

پھر جان لو کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کی آیت میں نفوس کو شرک کی باریک راہوں سے پاک کرنے اور ان راہوں کے اسباب کو مٹانے کی طرف عظیم اشارہ (پایا جاتا) ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے (لوگوں کو) اس آیت میں نبیوں کے کمالات کے حاصل کرنے اور ان (کمالات) کے دروازوں کو کھولے جانے کی استدعا کی ترغیب دی ہے کیونکہ زیادہ تر شرک نبیوں اور ولیوں کے متعلق غلوّ کرنے کی وجہ سے دنیا میں آیا ہے اور جن لوگوں نے اپنے نبی کو ایسا یکتا اور منفرد اور ایسا وحدہٗ لاشریک گمان کیا جیسے ذات ربّ العزّت ہے اُن کا مآل کار یہ ہوا کہ اُنہوں نے کچھ مدّت کے بعد اُسی نبی کو معبود بنالیا۔ اسی طرح (حضرت عیسیٰ کی تعریف میں) مبالغہ آرائی کرنے

يُشِيْرُ فِيْ هٰذِهِ الْاٰيَةِ إِلٰى هٰذِهِ الْمَفْسَدَةِ وَالْغَوَايَةِ وَ يُوْمِيءُ إِلٰى أَنَّ الْمُنْعَمِيْنَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ وَالنَّبِيِّيْنَ وَ الْمُحَدَّثِيْنَ إِنَّمَا يُبْعَثُوْنَ لِيَصْطَبِغَ النَّاسُ بِصِبْغِ تِلْكَ الْكِرَامِ لَا أَنْ يَّعْبُدُوْهُمْ وَ يَتَّخِذُوْهُمْ اٰلِهَةً كَالْأَصْنَامِ فَالْغَرَضُ مِنْ إِرْسَالِ تِلْكَ النُّفُوْسِ الْمُهَذَّبَةِ ذَوِي الصِّفَاتِ الْمُطَهَّرَةِ أَنْ يَّكُوْنَ كُلُّ مُتَّبِعٍ قَرِيْعَ تِلْكَ الصِّفَاتِ لَا قَارِعَ الْجَبْهَةِ عَلٰى هٰذِهِ الصَّفَاةِ. فَأَوْمَى اللّٰهُ فِيْ هٰذِهِ الْاٰيَةِ لِأُوْلِي الْفَهْمِ وَالدِّرَايَةِ إِلٰى أَنَّ كَمَالَاتِ النَّبِيِّيْنَ لَيْسَتْ كَكَمَالَاتِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَأَنَّ اللّٰهَ أَحَدٌ صَمَدٌ وَّحِيْدٌ لَّا شَرِيْكَ لَهٗ فِيْ ذَاتِهٖ وَلَا فِيْ صِفَاتِهٖ وَأَمَّا الْأَنْبِيَآءُ فَلَيْسُوْا كَذٰلِكَ بَلْ جَعَلَ اللّٰهُ لَهُمْ وَارِثِيْنَ مِنَ الْمُتَّبِعِيْنَ الصَّادِقِيْنَ فَأُمَّتُهُمْ وُرَثَآؤُهُمْ يَجِدُوْنَ مَا وَجَدَ أَنْبِيَآؤُهُمْ إِنْ كَانُوْا لَهُمْ مُّتَّبِعِيْنَ. وَإِلٰى هٰذَا أَشَارَ فِيْ قَوْلِهٖ عَزَّ وَ جَلَّ ’’قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ‘‘★ فَانْظُرْ كَيْفَ جَعَلَ الْأُمَّةَ أَحِبَّآءَ

اور حدّ سے بڑھنے کی وجہ سے عیسائیوں کے دل بگڑ گئے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ اِس آیت میں اِسی فساد اور گمراہی کی طرف اشارہ فرماتا ہے اور اس طرف بھی اشارہ فرماتا ہے کہ (اللہ تعالیٰ سے) انعام پانے والے لوگ یعنی رسول، نبی اور محدّث اس لئے مبعوث کئے جاتے ہیں کہ لوگ ان بزرگ ہستیوں کے رنگ میں رنگین ہوں۔ نہ اس لئے کہ وہ اُن کی عبادت کرنے لگیں اور اُنہیں بتوں کی طرح معبود بنالیں۔ پس ان بااخلاق پاکیزہ صفات والی ہستیوں کو دنیا میں بھیجنے کی غرض یہ ہوتی ہے کہ (ان کا) ہر متّبع ان صفات سے متّصف ہو نہ یہ کہ اُنہیں کو پتھر کا بُت بنا کر اُس پر ماتھا رگڑنے والا ہو۔ پس اللہ تعالیٰ نے اِس آیت میں سمجھ بوجھ اور عقل رکھنے والوں کو اشارہ فرمایا ہے کہ نبیوں کے کمالات پروردگار عالم کے کمالات کی طرح نہیں ہوتے۔ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں اکیلا، بے نیاز اور یگانہ ہے۔ اُس کی ذات اور صفات میں اُس کا کوئی شریک نہیں۔ لیکن نبی ایسے نہیں ہوتے بلکہ اللہ تعالیٰ اُن کے سچے متّبعین میں سے اُن کے وارث بناتا ہے۔ پس اُن کی اُمّت اُن کی وارث ہوتی ہے۔ وہ سب کچھ پاتے ہیں جو اُن کے نبیوں کو ملا ہو بشرطیکہ وہ اُن کے پورے پورے متّبع بنیں۔ اور اسی کی طرف اللہ تعالیٰ نے آیت قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ★ میں اشارہ

★ (آلِ عمران: ۳۲) ترجمہ۔ تُو کہہ کہ (اے لوگو) اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو (اس صورت میں) وہ (بھی) تم سے محبت کرے گا۔

اللّٰہِ بِشَرْطِ اتِّبَاعِھِمْ وَاقْتِدَآئِھِمْ بِسَیِّدِ الْمَحْبُوْبِیْنَ۔ وَتَدُلُّ اٰیَۃُ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ أَنَّ تُرَاثَ السَّابِقِیْنَ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ حَقٌّ وَّاجِبٌ غَیْرُ مَجْذُوْذٍ وَّمَفْرُوْضٌ لِّلَّاحِقِیْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ الصَّالِحِیْنَ إِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ۔ وَھُمْ یَرِثُوْنَ الْأَنْبِیَآءَ وَیَجِدُوْنَ مَا وَجَدُوْا مِنْ إِنْعَامَاتِ اللّٰہِ۔ وَھٰذَا ھُوَ الْحَقُّ فَلَا تَکُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِیْنَ۔

وَأَمَّا سِرُّ ذٰلِکَ التَّوَارُثِ وَلِمِّیَّۃِ الْمُوْرَثِ وَالْوَارِثِ فَتَنْکَشِفُ مِنْ تِلْکَ الْاٰیَۃِ الَّتِیْ تُعَلِّمُ التَّوْحِیْدَ وَ تُعَظِّمُ الرَّبَّ الْوَحِیْدَ فَإِنَّ اللّٰہَ الْمُعِیْنَ وَأَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ إِذَا عَلَّمَ دَقَآئِقَ التَّوْحِیْدِ وَبَالَغَ فِي التَّلْقِیْنِ وَقَالَ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ فَأَرَادَ عِنْدَ ھٰذَا التَّعْلِیْمِ وَ التَّفْھِیْمِ أَنْ یَّقْطَعَ عُرُوْقَ الشِّرْکِ کُلَّھَا فَضْلًا مِّنْ لَّدُنْہُ وَ رَحْمَۃً مِّنْہُ عَلٰی أُمَّۃِ خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ لِیُنَجِّیَ ھٰذِہِ الْأُمَّۃَ مِنْ اٰفَاتٍ وَّرَدَتْ عَلَی الْمُتَقَدِّمِیْنَ۔ فَعَلَّمَنَا دُعَآءً مَّبَرَّۃً وَّ عَطَآءً وَّ جَعَلَنَا مِنْہُ مِنَ الْمُسْتَخْلَصِیْنَ۔

فرمایا ہے۔ پس دیکھو کس طرح اللہ تعالیٰ نے افرادِ اُمّت کو اپنے محبوب قرار دیا ہے بشرطیکہ وہ محبوبوں کے سردار (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیروی کریں اور آپ کے نمونہ پر چلیں۔ پھر آیت اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ پہلے مرسلوں اور صدیقوں کی وراثت ایک لازمی اور نہ ختم ہونے والا حق ہے اور بعد میں آنے والے نیکوکار مومنوں کے لئے قیامت تک اِس ورثہ کا ملنا ضروری ہے۔ پس وہ نبیوں کے وارث بنتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے وہ سب انعامات پاتے ہیں جو نبیوں نے پائے اور یہی حق بات ہے۔ پس تُو شک کرنے والوں میں (شامل) نہ ہو۔

اس تَوَارُث کا راز اور مورَث اور وارث بننے کا اصل سبب اِس آیت سے منکشف ہوتا ہے جو توحید سکھاتی اور اُس واحد ولاشریک پروردگار کی عظمت بیان کرتی ہے کیونکہ پوری مدد کرنے والے اور سب سے زیادہ رحم کرنے والے خدا نے جب توحید کی باریک راہیں سکھائیں اور اُن کی خوب تلقین کی اور فرمایا اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ تو اِس تعلیم وتفہیم سے اُس نے یہ ارادہ فرمایا کہ اپنے خاص فضل سے اور خَاتَمَ النَّبِیِّیْن کی اُمت پر اپنی خاص رحمت فرماتے ہوئے شرک کی تمام رگیں کاٹ دے تا اس اُمّت کو اُن آفات سے نجات دے جو پہلوں پر وارد ہوئی تھیں۔ پس اُس نے بطور اپنے کرم اور احسان کے ہمیں ایک دُعا سکھائی اور اس کے ذریعہ ہمیں (اپنے) برگزیدہ بندوں میں شامل کرلیا۔

فَنَحْنُ نَدْعُوْ بِتَعْلِيْمِهٖ وَ نَطْلُبُ مِنْهُ بِتَفْهِيْمِهٖ فَرِحِيْنَ بِرِفْدِهٖ مُفْصِحِيْنَ بِحَمْدِهٖ قَآئِلِيْنَ: ’’ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّيْنَ ‘‘ وَ نَحْنُ نَسْأَلُ اللّٰهَ لَنَا فِيْ هٰذَا الدُّعَآءِ كُلَّ مَا أُعْطِيَ لِلْأَنْبِيَآءِ مِنَ النَّعْمَآءِ وَنَسْأَلُهٗ أَنْ نَّثْبُتَ كَالْأَنْبِيَآءِ عَلَى الصِّرَاطِ وَ نَتَجَافٰى عَنِ الْاِشْتِطَاطِ وَنَدْخُلَ مَعَهُمْ فِيْ مَرْبَعِ حَظِيْرَةِ الْقُدْسِ مُتَطَهِّرِيْنَ مِنْ كُلِّ أَنْوَاعِ الرِّجْسِ وَ مُبَادِرِيْنَ إِلٰى ذَرَى رَبِّ الْعَالَمِيْنَ. فَلَا يَخْفٰى أَنَّ اللّٰهَ جَعَلَنَا فِيْ هٰذَا الدُّعَآءِ كَأَظْلَالِ الْأَنْبِيَآءِ وَ أَوْرَثَنَا وَ أَعْطَانَا الْمَعْلُوْمَ وَ الْمَكْتُوْمَ وَ الْمَعْكُوْمَ وَ الْمَخْتُوْمَ وَ مِنْ كُلِّ الْاٰلَآءِ وَ النَّعْمَآءِ فَاحْتَمَلْنَا مِنْهَا وِقْرَنَا وَ رَجَعْنَا بِمَا يَسُدُّ فَقْرَنَا وَ سَالَتْ أَوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا فَأُحِلْنَا مَحَلَّ الْفَآئِزِيْنَ. وَ هٰذَا هُوَ سِرُّ إِرْسَالِ الْأَنْبِيَآءِ وَ بَعْثِ الْمُرْسَلِيْنَ وَ الْأَصْفِيَآءِ لِنُصْبَغَ بِصِبْغِ الْكِرَامِ وَ نَنْتَظِمَ فِيْ سِلْكِ الْاِلْتِيَامِ وَ نَرِثَ

پس ہم اُس کے سکھانے کے مطابق دُعا مانگتے ہیں اور اس کے سمجھانے کے مطابق اُس سے طلب کرتے ہیں۔ اس حالت میں کہ ہم اُس کے انعام پر بہت خوش ہیں اور اُس کی حمد بیان کرتے ہوئے اِن الفاظ میں دُعا کرتے ہیں اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّيْنَ اور ہم اس دُعا میں اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے وہ تمام نعمتیں مانگتے ہیں جو نبیوں کو دی گئی تھیں اور اُس سے ہم یہ بھی مانگتے ہیں کہ ہم نبیوں کی طرح صراطِ مستقیم پر ثابت قدم رہیں اور اس راہ سے دُور نہ ہوں اور ہر قسم کی ناپاکی اور پلیدی سے پاک ہوکر اور پروردگارِ عالم کی بارگاہ کی طرف جلدی کرتے ہوئے ان (نبیوں) کے ساتھ ہی حظیرۃ القدس کی منزل میں داخل ہو جائیں۔ پس یہ بات مخفی نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اِس دُعا میں ہمیں نبیوں کے اظلال قرار دیا ہے اور ہمیں تمام ظاہر اور مخفی اور بندھی ہوئی اور مہر کی ہوئی غرض ہر قسم کی برکتیں اور نعمتیں عطا کی ہیں جن میں سے ہم نے اپنے مقدور بھر اُٹھالی ہیں اور اُتنی لے آئے ہیں جو ہماری احتیاج کو دُور کرسکیں اور وادیاں (اپنی) اپنی گنجائش کے مطابق بہ نکلیں (یعنی جتنے انعام کسی کے ظرف میں سما سکتے تھے وہ اُسے مل گئے) پس ہم کامیاب و کامران لوگوں کے مقام اور مرتبہ پر اُتارے گئے۔ نبیوں کے بھیجنے اور رسولوں اور برگزیدہ لوگوں کی بعثت کا یہی راز ہے کہ ہم اُن بزرگ لوگوں کے رنگ میں رنگین ہو جائیں اور اُن کے ساتھ اتحاد کی لڑی میں پروئے جائیں اور پہلے انعام یافتہ لوگوں اور

الْأَوَّلِيْنَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ الْمُنْعَمِيْنَ۔

وَمَعَ ذٰلِكَ قَدْ جَرَتْ سُنَّةُ اللهِ أَنَّهٗ إِذَا أَعْطٰى عَبْدًا كَمَالًا وَّطَفِقَ الْجُهَّالُ يَعْبُدُوْنَهٗ ضَلَالًا وَّ يُشْرِكُوْنَهٗ بِالرَّبِّ الْكَرِيْمِ عِزَّةً وَّ جَلَالًا بَلْ يَحْسَبُوْنَهٗ رَبًّا فَعَّالًا فَيَخْلُقُ اللهُ مِثْلَهٗ وَيُسَمِّيْهِ بِتَسْمِيَتِهٖ وَيَضَعُ كَمَالَاتِهٖ فِيْ فِطْرَتِهٖ وَ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ لِغَيْرَتِهٖ لِيُبْطِلَ مَا خَطَرَ فِيْ قُلُوْبِ الْمُشْرِكِيْنَ۔ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ وَلَا يُسْأَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ مِّنَ الْمَسْؤُوْلِيْنَ۔ يَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ كَالدَّرِّ السَّآئِغِ لِلْاِغْتِذَآءِ أَوْ كَالدُّرَّةِ الْبَيْضَآءِ فِي اللَّمَعَانِ وَ الصَّفَآءِ وَيَسُوْقُ إِلَيْهِ شِرْبًا مِّنَ التَّسْنِيْمِ وَيُضَمِّخُهٗ بِالطِّيْبِ الْعَمِيْمِ حَتّٰى يُسْفِرَ عَنْ مَرْأًى وَّسِيْمٍ وَّأَرَجٍ نَّسِيْمٍ لِّلنَّاظِرِيْنَ۔ فَالْحَاصِلُ أَنَّهٗ تَعَالٰى أَشَارَ فِيْ هٰذَا الدُّعَآءِ لِطُلَّابِ الرَّشَادِ إِلٰى رَحْمَتِهِ الْعَآمَّةِ وَالْوَدَادِ فَكَأَنَّهٗ قَالَ إِنِّيْ رَحِيْمٌ وَّسِعَتْ رَحْمَتِيْ كُلَّ شَيْءٍ أَجْعَلُ بَعْضَ الْعِبَادِ وَارِثًا لِبَعْضٍ مِّنَ التَّفَضُّلِ وَ الْعَطَآءِ لِأَسُدَّ بَابَ الشِّرْكِ الَّذِيْ يَشِيْعُ مِنَ

مقرّبان (بارگاہِ اُلوہیّت) کے وارث بن جائیں۔

اور اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کی یہ سنّت رہی ہے کہ جب وہ اپنے کسی بندہ کو کوئی کمال عطا کرتا ہے اور جاہل لوگ اپنی گمراہی کی وجہ سے اس کی عبادت کرنے لگ جاتے ہیں اور اُسے عزّت وجلال میں ربّ کریم کا شریک قرار دے دیتے ہیں بلکہ اُسے ربّ فعّال خیال کرنے لگ جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کا کوئی مثیل پیدا کر دیتا ہے اور اُس کا وہی نام رکھ دیتا ہے اور اُس کے کمالات بھی اُس (مثیل) کی فطرت میں رکھ دیتا ہے اور وہ اپنی غیرت کی بنا پر ایسا کرتا ہے تا مشرکوں کے دلوں میں جو خیالات پیدا ہوئے انہیں غلط ثابت کر دے۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جو وہ کرتا ہے اُس کے متعلق وہ جواب دہ نہیں ہوتا حالانکہ دوسرے لوگ جواب دہ ہوتے ہیں۔ وہ جس کو چاہتا ہے غذا کے لئے خوشگوار دودھ کی مانند بنا دیتا ہے اور جسے چاہے چمک اور صفائی میں روشن موتی کی طرح بنا دیتا ہے اور اُس تک تسنیم کا پانی پہنچا دیتا ہے۔ اُسے عطرِ عمیم کی خوشبو سے ممسوح کر دیتا ہے یہاں تک کہ دیکھنے والوں کے لئے اُس کے خوبصورت چہرہ اور خوشبو سے پردہ اُٹھا دیتا ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اِس دُعا میں طالبانِ ہدایت کے لئے اپنی عام رحمت اور محبت کی طرف اشارہ فرمایا ہے گویا کہ اس نے یوں کہا ہے کہ مَیں رحیم ہوں اور میری رحمت ہر چیز پر چھائی ہوئی ہے۔ میں بعض بندوں کا بعض کو از راہِ فضل وعطا وارث بناتا ہوں تا کہ مَیں اُس شرک کا دروازہ بند کر دوں جو بعض برگزیدوں کے

تَخْصِيْصِ الْكَمَالَاتِ بِبَعْضِ أَفْرَادٍ مِّنَ الْأَصْفِيَآءِ. فَهٰذَا هُوَ سِرُّ هٰذَا الدُّعَآءِ كَأَنَّهٗ يُبَشِّرُ النَّاسَ بِفَيْضٍ عَآمٍّ وَّ عَطَآءٍ شَامِلٍ لِّلْأَنَامِ وَّ يَقُوْلُ إِنِّيْ فَيَّاضٌ وَّ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ وَ لَسْتُ كَبَخِيْلٍ وَّ ضَنِيْنٍ. فَاذْكُرُوْا بَيْتَ فَيْضِيْ وَ مَا ثَمَّ فَإِنَّ فَيْضِيْ قَدْ عَمَّ وَتَمَّ وَإِنَّ صِرَاطِيْ صِرَاطٌ قَدْ سُوِّيَ وَ مُدَّ لِكُلِّ مَنْ نَّهَضَ وَاعْتَدَّ وَاسْتَعَدَّ وَ طَلَبَ كَالْمُجَاهِدِيْنَ. وَهٰذِهٖ نُكْتَةٌ عَظِيْمَةٌ فِيْ اٰيَةِ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ وَ هِيَ إِزَالَةُ الشِّرْكِ وَسَدُّ أَبْوَابِهٖ فَالسَّلَامُ عَلٰى قَوْمٍ اسْتَخْلَصُوْا مِنْ هٰذَا الشِّرْكِ وَعَلٰى مَنْ لَّدَيْهِمْ وَعَلٰى كُلِّ مَنْ تَبِعَهُمْ مِّنَ الطَّالِبِيْنَ الصَّادِقِيْنَ۔

(کرامات الصادقین، روحانی خزائن جلد ۷ صفحہ ۱۳۱ تا ۱۳۳)

ساتھ بعض کمالات کے مخصوص کئے جانے کی وجہ سے پھیل سکتا ہے۔ پس یہ ہے راز اُس دُعا کا۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ایک عام فیض اور ہمہ گیر بخشش کی بشارت دیتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ مَیں فیّاض ہوں اور پروردگارِ عالم ہوں اور مَیں بخیل اور کنجوس نہیں ہوں۔ پس تم میرے فیض کے گھر کو اور جو کچھ وہاں ہے یاد کرو کیونکہ میرا فیض عام بھی ہے اور مفید بھی۔ اور میرا راستہ وہ راستہ ہے جو ہموار اور کشادہ کیا گیا ہے ہر اُس شخص کے لئے جو اُٹھے، توجہ کرے اور تیار ہو جائے اور مجاہدوں کی طرح تلاش کرنے لگے۔ آیت اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ میں یہی عظیم نکتہ ہے یعنی شرک کا ازالہ اور اُس کے دروازوں کو بند کرنا۔ پس سلامتی ہو اُن لوگوں پر جو اِس شرک سے خلاصی پا گئے اور اُن پر بھی جو اُن کے ساتھی ہیں اور اُن پر بھی جو طالبوں اور صادقوں میں سے ان کے متّبع بن گئے ہیں۔ (ترجمہ از مرتب)

سورہ فاتحہ میں .... مسلمانوں کو ترغیب دی گئی ہے کہ وہ دُعا میں مشغول رہیں بلکہ دُعا اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ سکھلائی گئی ہے اور فرض کیا گیا ہے کہ پنج وقت یہ دُعا کریں پھر کس قدر غلطی ہے کہ کوئی شخص دُعا کی رُوحانیت سے انکار کرے۔ قرآن شریف نے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ دُعا اپنے اندر ایک رُوحانیت رکھتی ہے اور دُعا سے ایک فیض نازل ہوتا ہے جو طرح طرح کے پیرایوں میں کامیابی کا ثمرہ بخشتا ہے۔

(ایّام الصّلح، روحانی خزائن جلد ۱۴ صفحہ ۲۵۹)

یہ دُعا نوعِ انسان کی عام ہمدردی کے لئے ہے۔ کیونکہ دُعا کرنے میں تمام نوع انسان کو شامل کر لیا ہے اور سب کے لئے دُعا مانگی ہے کہ خدا دنیا کے دکھوں سے انہیں بچاوے اور آخرت کے ٹوٹے سے محفوظ رکھے

اور سب کو سیدھی راہ پر لاوے۔　　　(ایّام الصّلح، روحانی خزائن جلد ۱۴ صفحہ ۲۵۹ حاشیہ)

انجیل میں ایک اور نقص یہ ہے کہ اس نے یہ تعلیم کسی جگہ نہیں دی کہ عبادت کرنے کے وقت اعلیٰ طریق عبادت یہی ہے کہ اغراضِ نفسانیہ کو درمیان سے اٹھا دیا جاوے بلکہ اگر کچھ سکھلایا تو صرف روٹی مانگنے کے لئے دُعا سکھلائی۔ قرآن شریف نے تو ہمیں یہ دُعا سکھلائی کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۔یعنی ہمیں اس راہ پر قائم کر جو نبیوں اور صدّیقوں کی اور عاشقانِ الٰہی کی راہ ہے۔ مگر انجیل یہ سکھلاتی ہے کہ ہماری روزینہ کی روٹی آج ہمیں بخش۔ ہم نے تمام انجیل پڑھ کر دیکھی اس میں اس اعلیٰ تعلیم کا نام ونشان نہیں ہے۔　　　(نور القرآن، روحانی خزائن جلد ۹ صفحہ ۴۴۳)

یہ بھی یاد رہے کہ سورۃ فاتحہ کے عظیم الشان مقاصد میں سے یہ دُعا ہے کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ اور جس طرح انجیل کی دُعا میں روٹی مانگی گئی ہے اس دُعا میں خدا تعالیٰ سے وہ تمام نعمتیں مانگی گئی ہیں جو پہلے رسولوں اور نبیوں کو دی گئی تھیں۔ یہ مقابلہ بھی قابل نظارہ ہے اور جس طرح حضرت مسیح کی دُعا قبول ہو کر عیسائیوں کو روٹی کا سامان بہت کچھ مل گیا ہے اسی طرح یہ قرآنی دُعا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے قبول ہو کر اخیار وابرار مسلمان بالخصوص ان کے کامل فرد انبیاء بنی اسرائیل کے وارث ٹھہرائے گئے اور دراصل مسیح موعود کا اس اُمت میں سے پیدا ہونا یہ بھی اسی دُعا کی قبولیت کا نتیجہ ہے کیونکہ گو مخفی طور پر بہت سے اخیار وابرار نے انبیاء بنی اسرائیل کی مماثلت کا حِصّہ لیا ہے مگر اس اُمت کا مسیح موعود کھلے کھلے طور پر خدا کے حکم اور اِذن سے اسرائیلی مسیح کے مقابل پر کھڑا کیا گیا ہے تا موسوی اور محمدی سلسلہ کی مماثلت سمجھ آجائے۔　　　(کشتی نوح، روحانی خزائن جلد ۱۹ صفحہ ۵۲، ۵۳)

سورۃ فاتحہ میں اِس قدر حقائق ودقایق ومعارف جمع ہیں کہ اگر اُن سب کو لکھا جائے تو وہ باتیں ایک دفتر میں بھی ختم نہیں ہوسکتیں۔ اسی ایک حکیمانہ دُعا کو دیکھئے کہ جو اس سورہ میں سکھائی گئی ہے یعنی اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ یہ دُعا ایک ایسا مفہوم کلّی اپنے اندر رکھتی ہے جو تمام دین اور دنیا کے مقاصد کی یہی ایک کنجی ہے ہم کسی چیز کی حقیقت پر اطلاع نہیں پا سکتے اور نہ اُس کے فوائد سے منتفع ہو سکتے ہیں جب تک کہ ہمیں اس کے پانے کے لئے ایک مستقیم راہ نہ ملے دنیا کے جس قدر مشکل اور پیچیدہ امور ہیں خواہ وہ سلطنت اور وزارت کے ذمہ واریوں کے متعلق ہوں اور خواہ سپہ گری اور جنگ وجدال سے تعلّق رکھتے ہوں اور خواہ طبعی اور ہیئت کے دقیق مسائل کے متعلق ہوں اور خواہ صناعت طِبّ کے طریق تشخیص اور علاج کے متعلق اور خواہ تجارت

اور زراعت کے متعلق ان تمام اُمور میں کامیابی ہونا مشکل اور غیر ممکن ہے جب تک کہ ان کے بارہ میں ایک مستقیم راہ نہ ملے کہ کس طور سے اس کام کو شروع کرنا چاہئے اور ہر ایک عقلمند انسان مشکلات کے وقت میں یہی اپنا فرض سمجھتا ہے کہ اس مشکل سر بستہ کے بارے میں ایک لمبے وقت تک رات کو اور دن کو سوچتا رہے تا کہ اس مشکل کشائی کے لئے کوئی راہ نکل آوے اور ہر ایک صنعت اور ہر ایک ایجاد اور ہر ایک پیچیدہ اور الجھے ہوئے کام کو چلانا اس بات کو چاہتا ہے کہ اُس کام کے لئے راہ نکل آوے۔ پس دنیا اور دین کی اغراض کے لئے اصل دُعا راہ نکالنے کی دُعا ہے جب سیدھی راہ کسی امر کے متعلق ہاتھ میں آ جائے تو یقیناً وہ امر بھی خدا کے فضل سے حاصل ہو جاتا ہے۔ خدا کی قدرت اور حکمت نے ہر ایک مدّعا کے حصول کے لئے ایک راہ رکھی ہے مثلاً کسی بیمار کا ٹھیک ٹھیک علاج نہیں ہوسکتا جب تک اُس مرض کی حقیقت سمجھنے اور نسخہ کے تجویز کے لئے ایک ایسی راہ نہ نکل آوے کہ دل فتویٰ دے دے کہ اس راہ میں کامیابی ہوگی بلکہ کوئی انتظام دنیا میں ہو ہی نہیں سکتا جب تک اس انتظام کے لئے ایک راہ پیدا نہ ہو۔ پس راہ کا طلب کرنا طالب مقصد کا فرض ہوا اور جیسا کہ دنیا کی کامیابی کا صحیح سلسلہ ہاتھ میں لینے کے لئے پہلے ایک راہ کی ضرورت ہے جس پر قدم رکھا جائے ایسا ہی خدا کا دوست اور مورد محبت اور فضل بننے کے لئے قدیم سے ایک راہ کی ضرورت پائی گئی ہے اسی لئے دوسری سورۃ میں جو سورۃ البقر ہے جو اس سورۃ کے بعد ہے سورۃ کے شروع میں ہی فرمایا گیا ہے هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ (البقرۃ: ۳) یعنی انعام پانے کی یہ راہ ہے جو ہم بیان کرتے ہیں۔ ★ (کشتی نوح، روحانی خزائن جلد ۱۹ صفحہ ۵۸، ۵۹)

یہ دُعا یعنی دُعا اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ایک جامع دُعا ہے کہ جو انسان کو اس بات کی طرف متوجہ کرتی ہے کہ مشکلات دینی اور دنیوی کے وقت میں اوّل جس چیز کی تلاش انسان کا فرض ہے وہ یہی ہے کہ اس امر کے حصول کے لئے وہ صراطِ مستقیم تلاش کرے یعنی کوئی ایسی صاف اور سیدھی راہ ڈھونڈے جس سے بآسانی اس مطلب تک پہنچ سکے۔ اور دل یقین سے بھر جائے شکوک سے نجات ہو لیکن انجیل کی ہدایت کے موافق روٹی مانگنے والا خداجوئی کی راہ اختیار نہ کرے گا اُس کا مقصد تو روٹی ہے جب روٹی مل گئی تو پھر اس کو خدا سے کیا غرض یہی وجہ ہے کہ عیسائی صراطِ مستقیم سے گر گئے اور ایک نہایت قابلِ شرم عقیدہ جو انسان کو خدا بنانا ہے ان کے گلے پڑ گیا۔ (کشتی نوح، روحانی خزائن جلد ۱۹ صفحہ ۵۹، ۶۰)

اسلام وہ مذہب ہے جس کے سچے پیروؤں کو خدا تعالیٰ نے تمام گذشتہ راستبازوں کا وارث ٹھہرایا ہے اور

★ سورۃ فاتحہ میں راہِ راست کے لئے دُعا کی گئی اور دوسری سورۃ میں گویا وہ دعا قبول ہو کر راہِ راست بتلائی گئی ہے۔ منہ

ان کی متفرق نعمتیں اس اُمّتِ مرحومہ کو عطا کر دی ہیں۔ اور اس نے اس دُعا کو قبول کر لیا ہے جو قرآن شریف میں آپ سکھلائی تھی اور وہ یہ ہے اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ صِرَاطَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ غَيۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَيۡهِمۡ وَ لَا الضَّآلِّيۡنَ۔ ہمیں وہ راہ دکھلا جو اُن راستبازوں کی راہ ہے جن پر تُو نے ہر یک انعام اکرام کیا ہے۔ یعنی جنہوں نے تجھ سے ہر ایک قسم کی برکتیں پائی ہیں اور تیرے مکالمہ مخاطبہ سے مشرف ہوئے ہیں۔ اور تجھ سے دُعاؤں کی قبولیتیں حاصل کی ہیں اور تیری نصرت اور مدد اور راہ نمائی اُن کے شاملِ حال ہوئی ہے۔ اور ان لوگوں کی راہوں سے ہمیں بچا جن پر تیرا غضب ہے اور جو تیری راہ کو چھوڑ کر اور اور راہوں کی طرف چلے گئے ہیں۔ یہ وہ دُعا ہے جو نماز میں پانچ وقت پڑھی جاتی ہے اور یہ بتلا رہی ہے کہ اندھا ہونے کی حالت میں دنیا کی زندگی بھی ایک جہنم ہے اور پھر مرنا بھی ایک جہنم ہے اور درحقیقت خدا کا سچا تابع اور واقعی نجات پانے والا وہی ہوسکتا ہے جو خدا کو پہچان لے اور اُس کی ہستی پر کامل ایمان لے آوے اور وہی ہے جو گناہ کو چھوڑ سکتا ہے۔ اور خدا کی محبت میں محو ہوسکتا ہے۔ (لیکچر لاہور، روحانی خزائن جلد ۲۰ صفحہ ۱۶۱، ۱۶۲)

قرآن شریف صاف یہی ہدایت فرماتا ہے اور ہمیں سورۂ فاتحہ اُمّ الکتاب میں مثیل بن جانے کی امید دیتا ہے اور ہمیں تاکید فرماتا ہے کہ پنج وقت تم میرے حضور میں کھڑے ہو کر اپنی نماز میں مجھ سے یہ دعا مانگو کہ اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ صِرَاطَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ یعنی اے میرے خداوند رحمٰن ورحیم! ہمیں ایسی ہدایت بخش کہ ہم آدم صفی اللہ کے مثیل ہو جائیں، شیث نبی اللہ کے مثیل بن جائیں، حضرت نوح آدم ثانی کے مثیل ہو جائیں، ابراہیم خلیل اللہ کے مثیل ہو جائیں، موسیٰ کلیم اللہ کے مثیل ہو جائیں، عیسیٰ روح اللہ کے مثیل ہو جائیں اور جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ حبیب اللہ کے مثیل ہو جائیں اور دنیا کے ہر ایک صدیق وشہید کے مثیل ہو جائیں۔ (ازالہ اوہام حصّہ اوّل۔ روحانی خزائن جلد ۳ صفحہ ۲۲۹)

قرآن شریف اپنے زبردست ثبوتوں کے ساتھ ہمارے دعوے کا مصدّق اور ہمارے مخالفین کے اوہام باطلہ کی بیخ کنی کر رہا ہے اور وہ گزشتہ نبیوں کے واپس دنیا میں آنے کا دروازہ بند کرتا ہے اور بنی اسرائیل کے مثیلوں کے آنے کا دروازہ کھولتا ہے۔ اسی نے یہ دعا تعلیم فرمائی ہے اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ صِرَاطَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ ۔اس دُعا کا ماحصل کیا ہے۔ یہی تو ہے کہ ہمیں اے ہمارے خدا! نبیوں اور رسولوں کا مثیل بنا۔ (ازالہ اوہام حصہ دوم۔ روحانی خزائن جلد ۳ صفحہ ۳۸۹، ۳۹۰)

اللہ تعالیٰ نے جو یہ دُعا سکھائی ہے تو اس طور پر نہیں کہ دُعا تو سکھا دی لیکن سامان کچھ نہیں۔ بلکہ جہاں دُعا سکھائی ہے وہاں سب کچھ موجود ہے چنانچہ اگلی سورت میں اس قبولیت کا اشارہ ہے جہاں فرمایا ذٰلِكَ الۡكِتٰبُ

لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ (البقرۃ:۳) یہ ایسی دعوت ہے کہ دعوت کا سامان پہلے سے تیار ہے۔

(الحکم جلد ۸ نمبر ۳۶ مؤرخہ ۲۴ ؍اکتوبر ۱۹۰۴ء صفحہ ۲)

قرآن شریف کو جہاں سے شروع کیا ہے ان ترقیوں کا وعدہ کرلیا ہے جو بالطبع روح تقاضا کرتی ہے۔ چنانچہ سورۃ فاتحہ میں اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کی تعلیم کی۔ اور فرمایا کہ تم یہ دُعا کرو کہ اے اللہ ہم کو صراط مستقیم کی ہدایت فرما۔ وہ صراط مستقیم جو ان لوگوں کی راہ ہے جن پر تیرے انعام و اکرام ہوئے۔ اس دُعا کے ساتھ ہی سورۃ البقر کی پہلی ہی آیت میں یہ بشارت دے دی ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ گویا روحیں دُعا کرتی ہیں اور ساتھ ہی قبولیت اپنا اثر دکھاتی ہے۔ اور وہ وعدہ دُعا کی قبولیت کا قرآن مجید کے نزول کی صورت میں پورا ہوتا ہے۔ ایک طرف دُعا ہے اور دوسری طرف اس کا نتیجہ موجود ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کا فضل اور کرم ہے جو اس نے فرمایا۔

(الحکم جلد ۱۰ نمبر ۳ مؤرخہ ۲۴ ؍جنوری ۱۹۰۶ء صفحہ ۵)

هٰذَا الدُّعَآءُ رَدٌّ عَلٰى قَوْلِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ إِنَّ الْقَلَمَ قَدْ جَفَّ بِمَا هُوَ كَائِنٌ فَلَا فَائِدَةَ فِي الدُّعَآءِ فَاللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى يُبَشِّرُ عِبَادَهٗ بِقُبُوْلِ الدُّعَآءِ فَكَأَنَّهٗ يَقُوْلُ يَا عِبَادِ ادْعُوْنِيْ أَسْتَجِبْ لَكُمْ. وَ إِنَّ فِي الدُّعَآءِ تَأْثِيْرَاتٍ وَّ تَبْدِيْلَاتٍ وَّ الدُّعَآءُ الْمَقْبُوْلُ يُدْخِلُ الدَّاعِيَ فِي الْمُنْعَمِيْنَ.

یہ دعا اُن لوگوں کے خیال کی تردید ہے جو کہتے ہیں کہ جو کچھ ہونے والا ہے اُس پر قلم خشک ہو چکا ہے۔ پس اب دُعا کا کوئی فائدہ نہیں۔ سو اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے بندوں کو قبولیتِ دُعا کی بشارت دیتا ہے۔ گویا وہ کہتا ہے کہ اے میرے بندو! تم مجھ سے دُعا کرو۔ مَیں تمہاری دُعا قبول کروں گا۔ اور دُعا میں یقیناً تاثیریں اور (قضاء وقدر کو) بدلنے کی طاقتیں ہیں اور مقبول دُعا، دُعا کرنے والے کو انعام یافتہ گروہ میں داخل کر دیتی ہے۔

وَفِي الْاٰيَةِ إِشَارَةٌ إِلٰى عَلَامَاتٍ تُعْرَفُ بِهَا قُبُوْلِيَّةُ الدُّعَآءِ عَلٰى طَرِيْقِ الْاِصْطِفَآءِ وَ إِيْمَآءٌ إِلٰى اٰثَارِ الْمُقَبَّلِيْنَ. لِأَنَّ الْإِنْسَانَ إِذَا أَحَبَّ الرَّحْمٰنَ وَ قَوَّى الْإِيْمَانَ فَذَالِكَ الْإِنْسَانُ وَ إِنْ كَانَ عَلٰى حُسْنِ اعْتِقَادٍ فِيْ أَمْرِ اسْتِجَابَةِ دَعَوَاتِهٖ

اس آیت میں اُن علامتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جن سے اِصطفاء کے طریق پر قبولیتِ دُعا کی شناخت ہوتی ہے اور اس میں مقرّبین کے آثار کی طرف بھی اشارہ ہے کیونکہ جب انسان خدائے رحمان سے محبت کرتا ہے اور اپنے ایمان کو پختہ کر لیتا ہے تو وہی حقیقی انسان ہوتا ہے اور اگرچہ اُسے اپنی دُعاؤں کی قبولیت کے بارہ میں پہلے بھی حسن اعتقاد ہو۔

وَلٰكِنَّ الْاِعْتِقَادَ لَيْسَ كَعَيْنِ الْيَقِيْنِ وَلَيْسَ الْخَبَرُ كَالْمُعَايَنَةِ وَلَا يَسْتَوِيْ حَالُ أُولِى الْأَبْصَارِ وَالْعَمِيْنَ. بَلْ مَنْ يَّدَّرِبُ بِاسْتِجَابَةِ الدَّعَوَاتِ حَقَّ التَّدَرُّبِ وَكَانَ مَعَهُ أَثَرٌ مِّنَ الْمُشَاهَدَاتِ فَلَا يَبْقٰى لَهٗ شَكٌّ وَّ لَارَيْبٌ فِيْ قُبُوْلِيَّةِ الْأَدْعِيَةِ. وَالَّذِيْنَ يَشُكُّوْنَ فِيْهَا فَسَبَبُهٗ حِرْمَانُهُمْ مِّنْ ذٰلِكَ الْحَظِّ ثُمَّ قِلَّةُ الْتِفَاتِهِمْ إِلٰى رَبِّهِمْ وَابْتِلَآئِهِمْ بِسِلْسِلَةِ أَسْبَابٍ تُوْجَدُ فِيْ وَاقِعَاتِ الْفِطْرَةِ وَظُهُوْرَاتِ الْقُدْرَةِ فَمَا تَرَقَّتْ أَعْيُنُهُمْ فَوْقَ الْأَسْبَابِ الْمَادِّيَّةِ الْمَوْجُوْدَةِ أَمَامَ الْأَعْيُنِ فَاسْتَبْعَدُوْا مَا لَمْ تُحِطْ بِهَا اٰرَآؤُهُمْ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ۔

(کرامات الصادقین، روحانی خزائن جلد ۷ صفحہ ۱۲۲)

لیکن صرف اعتقاد عَین الیقین کی طرح نہیں ہو سکتا کیونکہ سُنی سنائی بات مشاہدہ کی طرح نہیں ہوتی اور آنکھیں رکھنے والوں اور اندھوں کی حالت یکساں نہیں ہوتی۔ بلکہ جس شخص کو دُعاؤں کی قبولیّت کا پورا تجربہ ہو اور اس کے ساتھ ہی مشاہدات بھی ہو چکے ہوں ایسے شخص کو دُعاؤں کی قبولیت میں کوئی شک و شبہ نہیں رہ سکتا اور جو لوگ اس بارہ میں شک کرتے ہیں اس کا سبب اُن کی قبولیتِ دُعا کے حِصّہ سے محرومی، اپنے پروردگار کی طرف اُن کی توجہ کی کمی اور اس سلسلۂ اسباب میں اُن کا اُلجھ جانا ہے جو واقعات فطرت اور مظاہرِ قدرت میں پائے جاتے ہیں۔ پس اُن کی نگاہیں ان موجودہ مادّی اسباب سے جو آنکھوں کے سامنے ہوں اُوپر نہیں اُٹھتیں۔ لہٰذا وہ اُن تمام اُمور کو مستبعد خیال کرتے ہیں جن پر اُن کی عقلیں حاوی نہ ہو سکیں اور وہ ہدایت پانے والے نہیں ہوتے۔

(ترجمہ از مرتب)

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ میں آج کل کے مولویوں کا ردّ ہے جو یہ مانتے ہیں کہ سب روحانی فیوض اور برکات ختم ہو گئے ہیں اور کسی کی محنت اور مجاہدہ کوئی مفید نتیجہ پیدا نہیں کر سکتا اور اُن برکات اور ثمرات سے حِصّہ نہیں ملتا جو پہلے منعم علیہ گروہ کو ملتا ہے۔ یہ لوگ قرآن شریف کے فیوض کو اب گویا بے اثر مانتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تاثیرات قدسی کے قائل نہیں کیونکہ اگر اب ایک بھی آدمی اس قسم کا نہیں ہو سکتا جو منعم علیہ گروہ کے رنگ میں رنگین ہو سکے تو پھر اس دُعا کے مانگنے سے فائدہ کیا ہوا؟ مگر نہیں یہ ان لوگوں کی غلطی اور سخت غلطی ہے جو ایسا یقین کر بیٹھے ہیں۔ خدا تعالیٰ کے فیوض اور برکات کا دروازہ اب بھی اُسی طرح کھلا ہے لیکن وہ سارے فیوض اور برکات محض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع سے ملتے ہیں اور اگر کوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کے بغیر یہ دعویٰ کرے کہ وہ روحانی برکات اور سماوی انوار سے حِصّہ پاتا ہے تو ایسا شخص جھوٹا اور کذّاب ہے۔

(الحکم جلد ۷ نمبر ۱۹ مؤرخہ ۲۴ مئی ۱۹۰۳ء صفحہ ۲)

وَفِیْ اٰیَۃِ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ اِشَارَۃٌ وَّحَثٌّ عَلٰی دُعَآءِ صِحَّۃِ الْمَعْرِفَۃِ کَأَنَّہٗ یُعَلِّمُنَا وَ یَقُوْلُ ادْعُوا اللّٰہَ أَنْ یُرِیَکُمْ صِفَاتَہٗ کَمَا ھِیَ وَیَجْعَلَکُمْ مِنَ الشَّاکِرِیْنَ لِأَنَّ الْأُمَمَ الْأُوْلٰی مَا ضَلُّوْا إِلَّا بَعْدَ کَوْنِہِمْ عُمْیًا فِیْ مَعْرِفَۃِ صِفَاتِ اللّٰہِ تَعَالٰی وَ إِنْعَامَاتِہٖ وَمَرْضَاتِہٖ فَکَانُوْا یُفْنُوْنَ الْأَیَّامَ فِیْمَا یَزِیْدُ الْاٰثَامَ فَحَلَّ غَضَبُ اللّٰہِ عَلَیْہِمْ فَضُرِبَتْ عَلَیْہِمُ الذِّلَّۃُ وَکَانُوْا مِنَ الْھَالِکِیْنَ۔ وَإِلَیْہِ أَشَارَ اللّٰہُ تَعَالٰی فِیْ قَوْلِہٖ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْہِمْ۔

اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ کی آیت میں صحیح معرفت (کے حصول) کی دُعا کرنے کی طرف اشارہ اور ترغیب ہے گویا خدا ہمیں یہ سکھاتا ہے اور کہتا ہے (اے بندو!) تم مجھ سے دُعا کرو کہ مَیں تمہیں اپنی حقیقی صفات دکھلاؤں اور تمہیں شاکر بندوں میں شامل کرلوں کیونکہ پہلی اُمّتیں خدا تعالیٰ کی صفات، اُس کے انعامات اور اُس کی خوشنودی کی معرفت سے اندھا ہونے پر ہی گمراہ ہوئی ہیں کیونکہ وہ لوگ اپنی زندگی کے ایّام ایسے کاموں میں گزارتے تھے جو اُن کے گناہوں کو بڑھاتے تھے۔ پس اُن پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہوا اور اُن پر ذلّت ڈال دی گئی اور وہ ہلاک ہونے والوں میں شامل ہوگئے۔ اسی کی طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْہِمْ میں اشارہ کیا ہے۔ (ترجمہ از مرتب)

(کرامات الصادقین، روحانی خزائن جلد ۷ صفحہ ۱۲۳)

اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ کی دُعا دین اور دنیا کی ساری حاجتوں پر حاوی ہے۔ کیونکہ کسی امر میں جب تک صراطِ مستقیم نہ ملے کچھ نہیں بنتا۔ طبیب کو، زراعت کرنے والے کو غرض ہر انسان کو ہر کام میں صراطِ مستقیم کی ضرورت ہے۔ (الحکم جلد ۷ نمبر ۳ مؤرخہ ۲۴؍جنوری ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۲)

بہترین دُعا فاتحہ ہے کیونکہ وہ جامع دُعا ہے۔ جب زمیندار کو زمینداری کا ڈھب آجاوے گا تو وہ زمینداری کے صراطِ مستقیم پر پہنچ جاویگا اور کامیاب ہو جاوے گا۔ اسی طرح تم خدا کے ملنے کی صراط مستقیم تلاش کرو اور دُعا کرو کہ یا الٰہی میں ایک تیرا گنہ گار بندہ ہوں اور افتادہ ہوں۔ میری راہنمائی کر۔ ادنیٰ اور اعلیٰ سب حاجتیں بغیر شرم کے خدا سے مانگو کہ اصل مُعطی وہی ہے۔ بہت نیک وہی ہے جو بہت دُعا کرتا ہے کیونکہ اگر کسی بخیل کے دروازہ پر سوالی ہر روز جا کر سوال کرے گا تو آخر ایک دن اُس کو بھی شرم آجاوے گی۔

(الحکم جلد ۸ نمبر ۳۸، ۳۹ مؤرخہ ۱۰ تا ۱۷؍نومبر ۱۹۰۴ء صفحہ ۶)

تم ان مردوں کی طرف خیال مت کرو جو خود بھی مُردہ اور اسلام کو بھی مُردہ بناتے ہیں یہ تو درحقیقت ایسا

مذہب ہے کہ جس میں انسان ترقی کرتا ہوا فرشتوں سے مصافحہ جا کرتا ہے اور اگر یہ بات نہ تھی تو صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کیوں سکھایا؟ اس میں صرف جسمانی اموال کی طلب نہیں کی گئی بلکہ روحانی انعام کی درخواست ہے۔ پس اگر تم نے ہمیشہ اندھا ہی رہنا ہے تو پھر تم مانگتے کیا ہو۔ یہ دُعا فاتحہ ایسی جامع اور عجیب دُعا ہے کہ پہلے کبھی کسی نبی نے سکھلائی ہی نہیں۔ پس اگر یہ نرے الفاظ ہی الفاظ ہیں اور اس کو خدا نے منظور نہیں کرنا تو ایسے الفاظ خدا نے ہمیں کیوں سکھلائے۔ اگر تمہیں وہ مقام ملنا ہی نہیں تو ہم پانچ وقت کیوں ضائع کرتے ہیں۔ خدا کی ذات میں بخل نہیں۔ اور نہ انبیاء اس لئے آتے ہیں کہ اُن کی پوجا کی جاوے بلکہ اس لئے کہ لوگوں کو تعلیم دیں کہ ہماری راہ اختیار کرنے والے ہمارے ظِلّ کے نیچے آ جاویں گے۔

(الحکم جلد ۸ نمبر ۳۸، ۳۹ مؤرخہ ۱۰ تا ۱۷ ر نومبر ۱۹۰۴ء صفحہ ۷)

دُعا تب ہی جامع ہو سکتی ہے کہ وہ تمام منافع اور مفاد کو اپنے اندر رکھتی ہو اور تمام نقصانوں اور مضرتوں سے بچاتی ہو۔ پس اس دُعا میں تمام بہترین منافع جو ہو سکتے ہیں اور ممکن ہیں وہ اس دُعا میں مطلوب ہیں اور بڑی سے بڑی نقصان رساں چیز جو انسان کو ہلاک کر دیتی ہے اُس سے بچنے کی دُعا ہے۔

(الحکم جلد ۵ نمبر ۱۰ مؤرخہ ۱۷ ر مارچ ۱۹۰۱ء صفحہ ۳)

اور وہ دو گروہ جو ان لوگوں کے مقابل پر بیان فرمائے گئے ہیں وہ مغضوب علیہم اور ضالین ہیں جن سے محفوظ رہنے کے لئے خدا تعالیٰ سے اِسی سورۃ فاتحہ میں دُعا مانگی گئی ہے۔ اور یہ دُعا جس وقت اکٹھی پڑھی جاتی ہے یعنی اس طرح پر کہا جاتا ہے کہ اے خدا ہمیں منعم علیہم میں داخل کر اور مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ اور ضَآلِّيْنَ سے بچا تو اُس وقت صاف سمجھ آتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے علم میں منعم علیہم میں سے ایک وہ فریق ہے جو مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ اور ضَآلِّيْنَ کا ہم عصر ہے اور جبکہ مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ سے مراد اس سورۃ میں بالیقین وہ لوگ ہیں جو مسیح موعود سے انکار کرنے والے اور اس کی تکفیر اور تکذیب اور توہین کرنے والے ہیں تو بلاشبہ اُن کے مقابل پر منعم علیہم سے وہی لوگ اس جگہ مراد رکھے گئے ہیں جو صدقِ دل سے مسیح موعود پر ایمان لانے والے اور اُس کی دل سے تعظیم کرنے والے اور اس کے انصار ہیں اور دُنیا کے سامنے اس کی گواہی دیتے ہیں۔ (تحفہ گولڑویہ، روحانی خزائن جلد ۱۷ صفحہ ۲۲۸، ۲۲۹)

آیت اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّيْنَ۔ یہ تمام آیتیں بتلا رہی ہیں کہ قیامت تک اختلاف رہے گا۔ منعم علیہم بھی رہیں گے۔ مغضوب علیہم

بھی رہیں گے۔ ہاں مللِ باطلہ دلیل کے رو سے ہلاک ہو جائیں گی۔

(تحفہ گولڑویہ، روحانی خزائن جلد ۱۷ صفحہ ۲۰ ۳ حاشیہ در حاشیہ)

قرآن شریف نے جیسا کہ جسمانی تمدّن کے لئے یہ تاکید فرمائی ہے کہ ایک بادشاہ کے زیر حکم ہو کر چلیں یہی تاکید روحانی تمدّن کے لئے بھی ہے۔ اسی کی طرف اشارہ ہے جو اللہ تعالیٰ یہ دُعا سکھلاتا ہے: اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۔ پس سوچنا چاہئے کہ یوں تو کوئی مومن بلکہ کوئی انسان بلکہ کوئی حیوان بھی خدا تعالیٰ کی نعمت سے خالی نہیں مگر نہیں کہہ سکتے کہ ان کی پیروی کے لئے خدا تعالیٰ نے یہ حکم فرمایا ہے۔ لہٰذا اس آیت کے معنے یہ ہیں کہ جن لوگوں پر اکمل اور اتم طور پر نعمتِ روحانی کی بارش ہوئی ہے ان کی راہوں کی ہمیں توفیق بخش کہ تا ہم ان کی پیروی کریں۔ سو اس آیت میں یہی اشارہ ہے کہ تم امام الزّمان کے ساتھ ہو جاؤ۔

یاد رہے کہ امام الزّمان کے لفظ میں نبی، رسول، محدّث، مجدّد سب داخل ہیں۔ مگر جو لوگ ارشاد اور ہدایت خلق اللہ کے لئے مامور نہیں ہوئے اور نہ وہ کمالات ان کو دیئے گئے۔ وہ گو ولی ہوں یا ابدال ہوں امام الزّمان نہیں کہلا سکتے۔ (ضرورۃ الامام، روحانی خزائن جلد ۱۳ صفحہ ۴۹۴، ۴۹۵)

بعض کہتے ہیں کہ انبیاء اس دُعا کو کیوں مانگتے ہیں؟ ان کو معلوم نہیں وہ ترقیات کے لئے مانگتے تھے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ غیر محدود ہے اس کے فیضان و فضل بھی غیر منقطع ہیں اس لئے وہ ان غیر محدود فضلوں کے حاصل کرنے کے لئے اس دُعا کو مانگتے تھے۔ (الحکم جلد ۷ نمبر ۳ مؤرخہ ۲۴ر جنوری ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۲)

قرآن کریم اور حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ مُرشد کے ساتھ مرید کا تعلّق ایسا ہونا چاہئے جیسا عورت کا تعلّق مرد سے ہو۔ مُرشد کے کسی حکم کا انکار نہ کرے اور اس کی دلیل نہ پوچھے یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ فرمایا ہے کہ مُنْعَمْ عَلَيْهِمْ کی راہ کے مقیّد رہیں۔ انسان چونکہ طبعاً آزادی کو چاہتا ہے پس حکم کر دیا کہ اس راہ کو اختیار کرے۔

(الحکم جلد ۴ نمبر ۴۶ مؤرخہ ۲۴ر دسمبر ۱۹۰۰ء صفحہ ۲، ۳)

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ سے پایا جاتا ہے کہ جب انسانی کوششیں تھک کر رہ جاتی ہیں تو آخر اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔ (الحکم جلد ۵ نمبر ۶ مؤرخہ ۱۷ر فروری ۱۹۰۱ء صفحہ ۷)

سورہ فاتحہ سے ایک عزّت کا خطاب مجھے عنایت ہوا۔ وہ کیا ہے؟ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۔

(الحکم جلد ۵ نمبر ۷ مؤرخہ ۲۴ر فروری ۱۹۰۱ء صفحہ ۱۲)

انسان کی بڑی سے بڑی خواہش دنیا میں یہی ہے کہ اس کو سکھ اور آرام ملے اور اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک ہی راہ مقرر کی ہے جو تقویٰ کی راہ کہلاتی اور دوسرے لفظوں میں اس کو قرآن کریم کی راہ کہتے ہیں اور یا اس کا نام صراطِ مستقیم رکھتے ہیں۔ (الحکم جلد ۵ نمبر ۱۱ مؤرخہ ۲۴ ؍ مارچ ۱۹۰۱ء صفحہ ۳)

نماز کا مغز اور رُوح بھی دُعا ہی ہے جو سورۂ فاتحہ میں ہمیں تعلیم دی گئی ہے جب ہم اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کہتے ہیں تو اس دُعا کے ذریعہ سے اس نور کو اپنی طرف کھینچنا چاہتے ہیں جو خدا تعالیٰ سے اُترتا اور دلوں کو یقین اور محبت سے منور کرتا ہے۔ (ایّام الصُّلح، روحانی خزائن جلد ۱۴ صفحہ ۲۴۱)

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ میں منعم علیہ گروہ میں سے شہیدوں کا گروہ بھی ہے اور اس سے یہی مراد ہے کہ استقامت عطا ہو۔ جو جان تک دیدینے میں بھی قدم کو ملنے نہ دے۔

(الحکم جلد ۵ نمبر ۲۵ مؤرخہ ۱۰ ؍ جولائی ۱۹۰۱ء صفحہ ۱)

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ میں تکمیل علمی کی طرف اشارہ ہے اور تکمیل عملی کا بیان صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ میں فرمایا کہ جو نتائج اکمل اور اتم ہیں وہ حاصل ہو جائیں۔ جیسے ایک پودا جو لگایا گیا ہے جب تک پورا نشوونما حاصل نہ کرے اُس کو پھول پھل نہیں لگ سکتے اسی طرح اگر کسی ہدایت کے اعلیٰ اور اکمل نتائج موجود نہیں ہیں وہ ہدایت مُردہ ہدایت ہے جس کے اندر کوئی نشوونما کی قوت اور طاقت نہیں ہے ..... اسی لئے اللہ تعالیٰ نے سورہ فاتحہ میں صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کہہ کر ایک قید لگا دی ہے یعنی یہ راہ کوئی بے ثمر اور حیران اور سرگردان کرنے والی راہ نہیں ہے بلکہ اس پر چل کر انسان بامراد اور کامیاب ہوتا ہے۔

(الحکم جلد ۵ نمبر ۳۱ مورخہ ۲۴ ؍ اگست ۱۹۰۱ء صفحہ ۱)

خدا تعالیٰ کے راست بازوں اور منعم علیہ کی راہ ہی وہ اصل مقصود ہے جو انسان کے لئے خدا تعالیٰ نے رکھا ہے۔ (الحکم جلد ۵ نمبر ۴۵ مؤرخہ ۱۰ ؍ دسمبر ۱۹۰۱ء صفحہ ۲)

جو شخص بیعت میں داخل ہوتا ہے اُس کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان مقاصد کو مدِّ نظر رکھے جو بیعت سے ہیں یہ امور کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہو جاوے اصل منشا اور مدّعا سے دور ہیں ..... خدا تعالیٰ کے نزدیک وہ شخص بڑا ہی بد بخت ہے اور اُس کی کچھ بھی قدر اللہ تعالیٰ کے حضور نہیں جس نے گو سارے انبیاء علیہم السلام کی زیارت کی ہو مگر وہ سچا اخلاص وفاداری اور خدا تعالیٰ پر سچا ایمان، خشیت اللہ اور تقویٰ اُس کے دل میں نہ ہو۔ پس یاد رکھو کہ نری زیارتوں سے کچھ نہیں ہوتا خدا تعالیٰ نے

جو پہلی دُعا سکھلائی ہے اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ صِرَاطَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ ہے اگر خدا تعالیٰ کا اصل مقصود زیارت ہوتا تو وہ اِهۡدِنَا کی جگہ اَرِنَا صُوَرَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ کی دُعا تعلیم فرماتا۔ جو نہیں کیا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی زندگی میں دیکھ لو کہ آپ نے کبھی یہ خواہش نہیں کی کہ مجھے ابراہیم علیہ السلام کی زیارت ہو جاوے۔ گو آپ کو معراج میں سب کی زیارت بھی ہو گئی۔ پس یہ امر مقصود بالذّات ہر گز نہیں ہونا چاہئے اصل مقصد سچی اتباع ہے۔ (الحکم جلد ۶ نمبر ۲۹ مؤرخہ ۱۷/اگست ۱۹۰۲ء صفحہ ۷، ۸)

اپنا مدّعا اور مقصود ہمیشہ یہ ہونا چاہئے کہ خدا تعالیٰ کی مرضی کے موافق تزکیہ نفس حاصل ہو اور اس کی مرضی کے موافق تقویٰ حاصل ہو اور کچھ ایسے اعمالِ حسنہ میسّر آ جاویں کہ وہ راضی ہو جائے۔ پس جس وقت وہ راضی ہوگا تب اُس وقت ایسے شخص کو اپنے مکالمات سے مشرف کرنا اگر اس کی حکمت اور مصلحت تقاضا کرے گی تو وہ خود عطا کر دے گا اصل مقصود اس کو ہر گز نہیں ٹھہرانا چاہئے کہ یہی ہلاکت کی جڑ ہے بلکہ اصل مقصود یہی ہونا چاہئے کہ قرآن شریف کی تعلیم کے موافق احکامِ الٰہی پر پابندی نصیب ہو اور تزکیہ نفس حاصل ہو اور خدا تعالیٰ کی محبت اور عظمت دل میں بیٹھ جائے اور گناہ سے نفرت ہو خدا تعالیٰ نے بھی یہی دُعا سکھائی ہے کہ اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ صِرَاطَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ پس اس جگہ خدا نے یہ نہیں فرمایا کہ تم یہ دُعا کرو کہ ہمیں الہام ہو۔ بلکہ یہ فرمایا ہے کہ تم یہ دُعا کرو کہ راہِ راست ہمیں نصیب ہو۔ ان لوگوں کے راہ جو آخر کار خدا تعالیٰ کے انعام سے مشرّف ہو گئے۔ بندہ کو اس سے کیا مطلب ہے کہ وہ الہام کا خواہش مند ہو اور نہ بندہ کی اس میں کچھ فضیلت ہے۔ بلکہ یہ تو خدا تعالیٰ کا فعل ہے نہ بندہ کا عمل صالح تا اس پر اجر کی توقع ہو۔

(الحکم جلد ۱۱ نمبر ۴۲ مؤرخہ ۲۴/نومبر ۱۹۰۷ء صفحہ ۷)

نماز کا (جو مومن کی معراج ہے) مقصود یہی ہے کہ اس میں دُعا کی جاوے اور اسی لئے اُمّ الادعیہ اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ دُعا مانگی جاتی ہے۔ (الحکم جلد ۶ نمبر ۳۸ مؤرخہ ۲۴/اکتوبر ۱۹۰۲ء صفحہ ۱۱)

ہونا چاہئے اور شئے ہے اور ہے اور شئے ہے۔ اس ہے کا علم سوائے دُعا کے نہیں حاصل ہوتا۔ عقل سے کام لینے والے ہے کے علم کو نہیں پا سکتے اس لئے ہے خدا را بخدا تواں شناخت۔ لَا تُدۡرِكُهُ الۡاَبۡصَارُ (الانعام: ۱۰۴) کے یہی معنی ہیں کہ وہ صرف عقلوں کے ذریعہ سے شناخت نہیں کیا جا سکتا بلکہ خود جو ذریعے (اس نے) بتلائے ہیں ان سے ہی اپنے وجود کو شناخت کرواتا ہے اور اس امر کے لئے اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ صِرَاطَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ جیسی اور کوئی دُعا نہیں ہے۔ (البدر جلد ۳ نمبر ۱۰ مؤرخہ ۸/مارچ ۱۹۰۴ء صفحہ ۷)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (العنکبوت:۷۰) جو ہماری راہ میں مجاہدہ کرے گا ہم اس کو اپنی راہیں دکھلا دیں گے۔ یہ تو وعدہ ہے اور ادھر یہ دُعا ہے کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ سو انسان کو چاہئے کہ اس کو مدِّنظر رکھ کر نماز میں بالحاح دُعا کرے اور تمنّا رکھے کہ وہ بھی اُن لوگوں میں سے ہو جاوے جو ترقی اور بصیرت حاصل کر چکے ہیں ایسا نہ ہو کہ اس جہان سے بے بصیرت اور اندھا اُٹھایا جاوے۔ (رپورٹ جلسہ سالانہ ۱۸۹۷ء صفحہ ۳۸، ۳۹)

خدائے تعالیٰ کا آواز دینا یہی ہے کہ درمیانی حجاب اُٹھ گیا اور بُعد نہیں رہا۔ یہ متقی کا انتہائی درجہ ہوتا ہے جب وہ اطمینان اور راحت پاتا ہے۔ دوسرے مقام پر قرآن شریف نے اس اطمینان کا نام فلاح اور استقامت بھی رکھا ہے اور اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ میں اُسی استقامت یا اطمینان یا فلاح کی طرف لطیف اشارہ ہے اور خود مستقیم کا لفظ بتلا رہا ہے۔ (رپورٹ جلسہ سالانہ ۱۸۹۷ء صفحہ ۱۳۷)

ہر قسم کی دُعائیں طفیلی ہیں۔ اصل دُعائیں اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے واسطے کرنی چاہئیں۔ باقی دُعائیں خود بخود قبول ہو جائیں گی۔ کیونکہ گناہ کے دور ہونے سے برکات آتی ہیں۔ یوں دُعا قبول نہیں ہوتی جو نِری دنیا ہی کے واسطے ہو۔ اس لئے پہلے خدا تعالیٰ کو راضی کرنے کے واسطے دُعائیں کرے اور وہ سب سے بڑھ کر دُعا اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ہے۔ جب یہ دُعا کرتا رہے گا تو وہ منعم علیہم کی جماعت میں داخل ہوگا جنہوں نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی محبت کے دریا میں غرق کر دیا ہے۔ ان لوگوں کے زُمرہ میں جو منقطعین ہیں داخل ہو کر یہ وہ انعاماتِ الٰہی حاصل کرے گا جیسی عادت اللہ ان سے جاری ہے۔ یہ کبھی کسی نے نہیں سنا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اپنے ایک راستباز متقی کو رزق کی مار دے بلکہ وہ تو سات پُشت تک بھی رحم کرتا ہے۔ قرآن شریف میں خضر و موسیٰ کا قصّہ درج ہے کہ انہوں نے ایک خزانہ نکالا اس کی بابت کہا گیا کہ اَبُوْهُمَا صَالِحًا (الکہف: ۸۳) اس آیت میں ان کے والدین کا ذکر تو ہے لیکن یہ ذکر نہیں کہ وہ لڑکے خود کیسے تھے۔ باپ کے طفیل سے اس خزانہ کو محفوظ رکھا تھا اور اس لئے ان پر رحم کیا گیا۔ لڑکوں کا ذکر نہیں کیا بلکہ ستّاری سے کام لیا۔

توریت اور ساری آسمانی کتابوں سے پایا جاتا ہے کہ خدا تعالیٰ متقی کو ضائع نہیں کرتا اس لئے پہلے ایسی دُعائیں کرنی چاہئیں جن سے نفسِ امّارہ نفسِ مطمئنّہ ہو جاوے اور اللہ تعالیٰ راضی ہو جاوے پس اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کی دُعائیں مانگو کیونکہ اس کے قبول ہونے پر جو یہ خود مانگتا ہے خدا تعالیٰ

خود دیتا ہے۔ (الحکم جلد ۸ نمبر ۷ مؤرخہ ۱۰؍مارچ ۱۹۰۴ء صفحہ ۷)

اگر اسی قدر مقصود ہوتا جو بعض لوگ سمجھ لیتے ہیں کہ موٹی موٹی بدیوں سے پرہیز کرنا ہی کمال ہے تو اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ کی دُعا تعلیم نہ ہوتی جس کا انتہائی اور آخری مرتبہ اور مقام خدا تعالیٰ کے ساتھ مکالمہ اور مخاطبہ ہے۔ انبیاء علیہم السلام کا اتنا ہی تو کمال نہ تھا کہ وہ چوری چکاری نہ کیا کرتے تھے بلکہ وہ خدا تعالیٰ کی محبت، صدق، وفا میں اپنا نظیر نہ رکھتے تھے۔ پس اس دُعا کی تعلیم سے یہ سکھایا کہ نیکی اور انعام ایک الگ شیء ہے جب تک انسان اسے حاصل نہیں کرتا اس وقت تک وہ نیک اور صالح نہیں کہلا سکتا اور منعم علیہ کے زُمرہ میں نہیں آتا۔ اس سے آگے فرمایا غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡہِمۡ وَ لَا الضَّآلِّیۡنَ اس مطلب کو قرآن شریف نے دوسرے مقام پر یوں فرمایا ہے کہ مومن کے نفس کی تکمیل دو شربتوں کے پینے سے ہوتی ہے۔ ایک شربت کا نام کافوری ہے اور دوسرے کا نام زنجبیلی ہے۔ کافوری شربت تو یہ ہے کہ اس کے پینے سے نفس بالکل ٹھنڈا ہو جاوے اور بدیوں کے لئے کسی قسم کی حرارت اس میں محسوس نہ ہو۔ جس طرح پر کافور میں یہ خاصہ ہوتا ہے کہ وہ زہریلے مواد کو دبا دیتا ہے اسی لئے اسے کافور کہتے ہیں۔ اسی طرح پر یہ کافوری شربت گناہ اور بدی کی زہر کو دبا دیتا ہے۔ اور وہ مواد ردیّہ جو اُٹھ کر انسان کی روح کو ہلاک کرتے ہیں ان کو اُٹھنے نہیں دیتا بلکہ بے اثر کر دیتا ہے۔ دوسرا شربت شربت زنجبیلی ہے جس کے ذریعہ سے انسان میں نیکیوں کے لئے ایک قوت اور طاقت آتی ہے اور پھر حرارت پیدا ہوتی (ہے) پس اِہۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ تو اصل مقصد اور غرض ہے یہ گویا زنجبیلی شربت اور غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡہِمۡ وَ لَا الضَّآلِّیۡنَ کافوری شربت ہے۔ (الحکم جلد ۹ نمبر ۳ مؤرخہ ۲۴؍جنوری ۱۹۰۵ء صفحہ ۲)

جب تک کسی کے پاس حقیقی نیکیوں کا ذخیرہ نہیں ہے تب تک وہ مومن نہیں ہے اسی لئے خدا تعالیٰ نے سورہ فاتحہ میں اِہۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ کی دُعا تعلیم فرمائی ہے کہ انسان چوری زنا وغیرہ جیسے موٹے موٹے بُرے کاموں کو ترک کرنا ہی نیکی نہ جان لے بلکہ صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ فرما کر بتلا دیا کہ نیکی اور انعام ایک الگ شے ہے جب تک اسے حاصل نہ کرے گا تب تک نیک اور صالح نہیں کہلائے گا۔ دیکھو خدا تعالیٰ نے یہ دُعا نہیں سکھلائی کہ تو مجھے فاسقوں اور فاجروں میں داخل نہ کر اور اسی پر بس نہیں کیا بلکہ یہ سکھلایا کہ انعام والوں میں داخل کر۔ اس کے آگے غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡہِمۡ وَ لَا الضَّآلِّیۡنَ ان آیات سے یہ مطلب ہے کہ مومن کے نفس کی تکمیل اس وقت ہوتی ہے جبکہ وہ دو شربت پیتا ہے ایک شربت کا نام تو کافوری ہے کہ

جس کے پینے سے اس کا نفس بدیوں سے سرد ہو جاتا ہے جیسے کافور میں ایک خاصّہ ہے کہ وہ زہریلی مواد کو جذب کرتا ہے ایسے ہی اس کے اندر جو زہر گناہ اور بدی کی ہوتی ہے وہ اس شربت کافوری سے جذب ہو جاتی ہے اور دوسرا شربت زنجبیلی شربت ہے جس سے انسان کو نیکی کی قوت حاصل ہوتی ہے۔ اس لئے قرآن شریف میں اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّيْنَ کی دُعا تعلیم فرمائی ہے جس میں دونوں شربت اللہ تعالیٰ سے طلب کئے گئے ہیں۔

(البدر جلد ۴ نمبر ۲ مورخہ ۱۰؍جنوری ۱۹۰۵ء صفحہ ۳)

انسانی زندگی کا مقصد اور غرض صراطِ مستقیم پر چلنا اور اس کی طلب ہے۔ جس کو اس سورۃ میں ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ یا اللہ ہم کو سیدھی راہ دکھا ان لوگوں کی جن پر تیرا انعام ہوا۔ یہ وہ دُعا ہے جو ہر وقت ہر نماز اور ہر رکعت میں مانگی جاتی ہے۔ اس قدر اس کا تکرار ہی اس کی اہمیت کو ظاہر کرتا ہے۔ ہماری جماعت یاد رکھے کہ یہ معمولی سی بات نہیں ہے اور صرف زبان سے طوطے کی طرح ان الفاظ کا رٹ دینا اصل مقصود نہیں ہے بلکہ یہ انسان کو انسان کامل بنانے کا ایک کارگر اور خطا نہ کرنے والا نسخہ ہے جسے ہر وقت نصب العین رکھنا چاہئے اور تعویذ کی طرح مدِّ نظر رہے اس آیت میں چار قسم کے کمالات کے حاصل کرنے کی التجا ہے۔ اگر یہ ان چار قسم کے کمالات کو حاصل کرے گا تو گویا دُعا مانگنے اور خلق انسانی کے حق کو ادا کریگا اور ان استعدادوں اور قویٰ کے بھی کام میں لانے کا حق ادا ہو جائے گا جو اس کو دی گئی ہیں..... مَیں یہ بھی تمہیں بتانا چاہتا ہوں کہ بہت سے لوگ ہیں جو اپنے تراشے ہوئے وظائف اور اوراد کے ذریعہ سے ان کمالات کو حاصل کرنا چاہتے ہیں لیکن میں تمہیں کہتا ہوں کہ جو طریق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار نہیں کیا وہ محض فضول ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر منعم علیہ کی راہ کا سچا تجربہ کار اور کون ہوسکتا ہے جن پر نبوت کے بھی سارے کمالات ختم ہو گئے۔ آپ نے جو راہ اختیار کیا ہے وہ بہت ہی صحیح اور اقرب ہے۔ اس راہ کو چھوڑ کر اور ایجاد کرنا خواہ وہ بظاہر کتنا ہی خوش کرنے والا معلوم ہوتا ہو میری رائے میں ہلاکت ہے اور خدا تعالیٰ نے مجھ پر ایسا ہی ظاہر کیا ہے.....

غرض منعم علیہم لوگوں میں جو کمالات ہیں اور صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ میں جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا ہے ان کو حاصل کرنا ہر انسان کا اصل مقصد ہے اور ہماری جماعت کو خصوصیت سے اس طرف متوجہ ہونا چاہئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ کے قائم کرنے سے یہی چاہا ہے کہ وہ ایسی جماعت تیار کرے

جیسی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تیار کی تھی تا کہ اس آخری زمانہ میں یہ جماعت قرآن شریف اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی اور عظمت پر بطور گواہ ٹھہرے۔

(الحکم جلد ۹ نمبر ۱۱ مؤرخہ ۳۱/مارچ ۱۹۰۵ء صفحہ ۵،۶)

جیسا ہمارے علماء کا عقیدہ ہے کہ اب الہام کا دروازہ بند ہو گیا ہے۔ اگر یہ سچ ہوتا تو ایک عارف طالب تو زندہ ہی مر جاتا۔ خدا بخیل نہیں ہے۔ اس نے خود صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کی دُعا سکھائی ہے جس میں ظاہر کیا گیا ہے کہ ان نعمتوں کا دروازہ کھلا ہے۔ (البدر جلد ۱ نمبر ۱۸ مؤرخہ ۳/اگست ۱۹۰۵ء صفحہ ۲)

یقیناً جانو کہ اللہ تعالیٰ اس وقت تک راضی نہیں ہوتا اور نہ کوئی شخص اس تک پہنچ سکتا ہے جب تک صراطِ مستقیم پر نہ چلے۔ وہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب اللہ تعالیٰ کی ذات صفات کو شناخت کرے۔ اور ان راہوں اور ہدایتوں پر عمل درآمد کرے جو اس کی مرضی اور منشاء کے موافق ہیں۔ جب یہ ضروری بات ہے تو انسان کو چاہئے کہ دین کو دنیا پر مقدم کرے۔ (البدر جلد ۱ نمبر ۲۲ مؤرخہ ۳۱/اگست ۱۹۰۵ء صفحہ ۲)

ہر ایک چیز پر خدا کو اختیار کر لینا اور اس کے لئے سچی محبت اور سچے جوش سے دنیا کی تمام تلخیوں کو اختیار کرنا بلکہ اپنے ہاتھ سے تلخیاں پیدا کر لینا یہ وہ مرتبہ ہے کہ بجز صدّیقوں کے کسی کو حاصل نہیں ہو سکتا۔ یہی وہ عبادت ہے جس کے ادا کرنے کے لئے انسان مامور ہے اور جو شخص یہ عبادت بجالاتا ہے تب تو اُس کے اِس فعل پر خدا کی طرف سے بھی ایک فعل مترتّب ہوتا ہے جس کا نام انعام ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے یعنی یہ دُعا سکھلاتا ہے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ یعنی اے ہمارے خدا ہمیں اپنی سیدھی راہ دکھلا اُن لوگوں کی راہ جن پر تُو نے انعام کیا ہے اور اپنی خاص عنایات سے مخصوص فرمایا ہے۔ حضرتِ احدیّت میں یہ قاعدہ ہے کہ جب خدمت مقبول ہو جاتی ہے تو اُس پر ضرور کوئی انعام مترتّب ہوتا ہے چنانچہ خوارق اور نشان جن کی دوسرے لوگ نظیر پیش نہیں کر سکتے یہ بھی خدا تعالیٰ کے انعام ہیں جو خاص بندوں پر ہوتے ہیں۔ (حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن جلد ۲۲ صفحہ ۵۴، ۵۵)

یاد رکھو ایک پہلو پر جانے والے لوگ مشرک ہوتے ہیں۔ آخر خدا کی طرف قدم اٹھانے اور حقیقی طور پر اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ والی دُعا مانگنے کے یہی معنے تو ہیں کہ خدایا وہ راہ دکھا جس سے تُو راضی ہو اور جس پر چل کر نبی کامیاب اور بامراد ہوئے آخر جب نبیوں والی راہ پر چلنے کے لئے دُعا کی جاوے گی تو پھر ابتلاؤں اور آزمائشوں کے لئے بھی تیار رہنا چاہئے اور ثابت قدمی کے واسطے خدا سے مدد طلب کرتے رہنا چاہئے۔ جو

شخص یہ چاہتا ہے کہ صحت و عافیت بھی رہے مال و دولت میں بھی ترقی ہو اور ہر طرح کے عیش و عشرت کے سامان اور مالی اور جانی آرام بھی ہوں کوئی ابتلا بھی نہ آوے اور پھر یہ کہ خدا بھی راضی ہو جاوے وہ ابلہ ہے وہ کبھی کامیابی حاصل نہیں کر سکتا۔ جن لوگوں پر خدا راضی ہوا ہے ان کے ساتھ یہی معاملہ ہوا ہے کہ وہ طرح طرح کے امتحانوں میں ڈالے گئے اور مختلف مصائب اور شدائد سے ان کا سامنا ہوا۔

(الحکم جلد ۱۱ نمبر ۳۸ مؤرخہ ۲۴؍اکتوبر ۱۹۰۷ء صفحہ ۱۱)

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ یعنی اے خدا کہ تو ربّ العالمین، رحمٰن، رحیم اور مالک یوم الدین ہے ہمیں وہ راہ دکھا جو ان لوگوں کی راہ ہے جن پر تیرا بے انتہا فضل ہوا۔ اور تیرے بڑے بڑے انعام اکرام ہوئے۔ مومن کو چاہئے کہ ان چار صفات والے خدا کا صرف زبانی اقرار ہی نہ کرے بلکہ اپنی ایسی حالت بناوے جس سے معلوم ہو کہ وہ صرف خدا کو ہی ربّ جانتا ہے۔ زید عمر کو نہیں جانتا۔ اور اس بات پر یقین رکھے کہ درحقیقت خدا ہی ایسا ہے جو عملوں کی جزا سزا دیتا ہے اور پوشیدہ سے پوشیدہ اور نہاں در نہاں گناہوں کو جانتا ہے۔ یاد رکھو کہ صرف زبانی باتوں سے کچھ نہیں ہوتا جب تک عملی حالت درست نہ ہو۔ جو شخص حقیقی طور پر خدا کو ہی اپنا ربّ اور مالک یوم الدّین سمجھتا ہے۔ ممکن ہی نہیں کہ وہ چوری، بدکاری، قمار بازی یا دیگر افعالِ شنیعہ کا مرتکب ہو سکے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ یہ سب چیزیں ہلاک کر دینے والی ہیں۔ اور ان پر عمل درآمد کرنا خدا تعالیٰ کے حکم کی صریح نافرمانی ہے۔ غرض انسان جب تک عملی طور پر ثابت نہ کر دیوے کہ وہ حقیقت میں خدا پر سچا اور پکا ایمان رکھتا ہے۔ تب تک وہ فیوض اور برکات حاصل نہیں ہو سکتے۔ جو مقرّبوں کو ملا کرتے ہیں۔

(الحکم جلد ۱۲ نمبر ۱ مؤرخہ ۲؍جنوری ۱۹۰۸ء صفحہ ۲۔ و۔ الحکم جلد ۱۲ نمبر ۲ مؤرخہ ۶؍جنوری ۱۹۰۸ء صفحہ ۲)

قرآن شریف پڑھ کر دیکھ لو اس میں کہیں بھی ایسا نہیں ملے گا کہ خدا اس شخص پر بھی راضی ہوتا ہے جو اس کی رضا مندی کی راہوں سے غافل اور لاپرواہی کرنے والا ہو۔ خدا تعالیٰ نے اپنی رضا مندی کی جو راہیں مقرر کر دی ہیں انہی کے اختیار کرنے سے وہ راضی ہوتا ہے۔ صاف طور سے اس نے یہ دُعا سکھا دی ہے کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ دیکھو انسان انسان سے خوش ہو کر اُس کو انعامات عطا کرتا ہے۔ تو کیا خدا اپنی رضا مندی کی راہوں پر چلنے والوں اور اُس کی تلاش کرنے والوں سے محبت نہیں کرے گا۔ مگر استعداد بھی ہو اُس کے فیوض کے لینے کی۔ (الحکم جلد ۱۲ نمبر ۲۴ مؤرخہ ۲؍اپریل ۱۹۰۸ء صفحہ ۲)

غرض دُعا ہی ایک اعلیٰ ہتھیار ہے جو ہر مشکل سے نجات کی راہ ہے جہاں کوئی ہتھیار کارگر نہیں ہوسکتا وہاں دُعا کے ذریعہ کامیابی ممکن اور یقینی ہوتی ہے مگر شرط یہ ہے کہ دُعا کی قبولیت کے تمام شرائط اور لوازم مہیّا ومیسّر ہوں۔ عمدہ دُعا اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ہے۔ جس میں نہ کسی خاص مذہب کا نام ہے۔ اور نہ کوئی خاص پہلو اختیار کیا گیا ہے۔ (الحکم جلد ۱۲ نمبر ۲۴ مؤرخہ ۲؍اپریل ۱۹۰۸ء صفحہ ۴)

یہ کیا دعا ہے کہ منہ سے تو اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کہتے رہے اور دل میں خیال رہا کہ فلاں سودا اس طرح کرنا ہے۔ فلاں چیز رہ گئی ہے۔ یہ کام یوں چاہئے تھا اگر اس طرح ہو جائے تو پھر یوں کریں گے۔ یہ تو صرف عمر کا ضائع کرنا ہے۔ جب تک انسان کتاب اللہ کو مقدّم نہیں کرتا اور اسی کے مطابق عملدرآمد نہیں کرتا تب تک اس کی نمازیں محض وقت کا ضائع کرنا ہے۔ (الحکم جلد ۱۲ نمبر ۳ مؤرخہ ۱۰؍جنوری ۱۹۰۸ صفحہ ۳)

دُعا کے بارے میں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الفاتحہ میں دُعا سکھلائی ہے۔ یعنی اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ یعنی اس میں تین لحاظ رکھنے چاہئیں۔

(۱) ایک یہ کہ تمام بنی نوع کو اس میں شریک رکھے۔ (۲) تمام مسلمانوں کو (۳) تیسرے اُن حاضرین کو جو جماعت نماز میں داخل ہیں۔ پس اس طرح کی نیت سے کل نوع انسان اس میں داخل ہوں گے اور یہی منشاء خدا تعالیٰ کا ہے۔ کیونکہ اس سے پہلے اسی سورت میں اُس نے اپنا نام ربّ العالمین رکھا ہے جو عام ہمدردی کی ترغیب دیتا ہے جس میں حیوانات بھی داخل ہیں۔ پھر اپنا نام رحمان رکھا ہے۔ اور یہ نام نوع انسان کی ہمدردی کی ترغیب دیتا ہے۔ کیونکہ یہ رحمت انسانوں سے خاص ہے۔ اور پھر اپنا نام رحیم رکھا ہے اور یہ نام مومنوں کی ہمدردی کی ترغیب دیتا ہے۔ کیونکہ رحیم کا لفظ مومنوں سے خاص ہے اور پھر اپنا نام مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ رکھا ہے۔ اور یہ نام جماعت موجودہ کی ہمدردی کی ترغیب دیتا ہے۔ کیونکہ یوم الدّین وہ دن ہے جس میں خدا تعالیٰ کے سامنے جماعتیں حاضر ہوں گی۔ سو اسی تفصیل کے لحاظ سے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کی دُعا ہے۔ پس اس قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دُعا میں تمام نوع انسانی کی ہمدردی داخل ہے۔ اور اسلام کا اصول یہی ہے کہ سب کا خیر خواہ ہو۔ (الحکم جلد ۲ نمبر ۳۳ مؤرخہ ۲۹؍اکتوبر ۱۸۹۸ء صفحہ ۴)

عادت اللہ اسی پر جاری ہے کہ جس کام کے لئے مصمم عزم کیا جاوے اُس کے انجام کے لئے طاقت مل جاتی ہے۔ سو مصمم عزم اور عہد واثق سے اعمال کی طرف متوجہ ہونا چاہیے اور نماز میں اس دُعا کو پڑھنے میں کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ الخ بہت خضوع اور خشوع سے زور لگانا چاہئے اور بار بار پڑھنا چاہئے۔

انسان بغیر عبادت کچھ چیز نہیں بلکہ جمیع جانوروں سے بدتر ہے اور شرالبریّہ ہے۔

(الحکم جلد ۴ نمبر ۲۴ مؤرخہ ۳۰ جون ۱۹۰۰ء صفحہ ۴)

آٹھویں اور نویں اور دسویں صداقت جو سورۃ فاتحہ میں درج ہے۔ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّيْنَ ہے جس کے یہ معنی ہیں کہ ہم کو ان سالکین کا راستہ بتلا جنہوں نے ایسی راہیں اختیار کیں کہ جن سے اُن پر تیرا انعام وارد ہوا اور ان لوگوں کی راہوں سے بچا جنہوں نے لا پرواہی سے سیدھی راہ پر قدم مارنے کے لئے کوشش نہ کی اور اس باعث سے تیری تائید سے محروم رہ کر گمراہ رہے۔ یہ تین صداقتیں ہیں جن کی تفصیل یہ ہے کہ بنی آدم اپنے اقوال اور افعال اور اعمال اور نیات کے رو سے تین قسم کے ہوتے ہیں۔ بعض سچے دل سے خدا کے طالب ہوتے ہیں اور صدق اور عاجزی سے خدا کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ پس خدا بھی ان کا طالب ہوجاتا ہے اور رحمت اور انعام کے ساتھ ان پر رجوع کرتا ہے۔ اس حالت کا نام انعام الٰہی ہے۔ اسی کی طرف آیت ممدوحہ میں اشارہ فرمایا اور کہا صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ یعنی وہ لوگ ایسا صفا اور سیدھا راستہ اختیار کرتے ہیں جس سے فیضانِ رحمتِ الٰہی کے مستحق ٹھہر جاتے ہیں اور بباعث اس کے کہ ان میں اور خدا میں کوئی حجاب باقی نہیں رہتا اور بالکل رحمتِ الٰہی کے محاذی آپڑتے ہیں۔ اس جہت سے انوار فیضانِ الٰہی کے ان پر وارد ہوتے ہیں۔ دوسری قسم وہ لوگ ہیں کہ جو دیدہ و دانستہ مخالفت کا طریق اختیار کر لیتے ہیں اور دشمنوں کی طرح خدا سے مونہہ پھیر لیتے ہیں سو خدا بھی ان سے منہ پھیر لیتا ہے اور رحمت کے ساتھ ان پر رجوع نہیں کرتا اس کا باعث یہی ہوتا ہے کہ وہ عداوت اور بیزاری اور غضب اور غیظ اور نارضامندی جو خدا کی نسبت ان کے دلوں میں چھپی ہوئی ہوتی ہے وہی ان میں اور خدا میں حجاب ہوجاتی ہے اس حالت کا نام غضبِ الٰہی ہے۔ اسی کی طرف خدائے تعالیٰ نے اشارہ فرما کر کہا۔ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ تیسری قسم کے وہ لوگ ہیں کہ جو خدا سے لا پرواہ رہتے ہیں اور سعی اور کوشش سے اس کو طلب نہیں کرتے۔ خدا بھی اُن کے ساتھ لاپرواہی کرتا ہے اور ان کو اپنا راستہ نہیں دکھلاتا۔ کیونکہ وہ لوگ راستہ طلب کرنے میں آپ سُستی کرتے ہیں۔ اور اپنے تئیں اس فیض کے لائق نہیں بناتے کہ جو خدا کے قانون قدیم میں محنت اور کوشش کرنے والوں کے لئے مقرر ہے۔ اس حالت کا نام اضلالِ الٰہی ہے۔ جس کے یہ معنے ہیں کہ خدا نے ان کو گمراہ کیا یعنی جبکہ انہوں نے ہدایت پانے کے طریقوں کو بجد و جہد طلب نہ کیا تو خدا نے بہ پابندی اپنے قانون قدیم کے ان کو ہدایت بھی نہ دی اور اپنی تائید سے محروم رکھا۔ اسی کی طرف

اشارہ فرمایا اور کہا وَ لَا الضَّآلِّیْنَ ۔غرض ما حصل اور خلاصہ ان تینوں صداقتوں کا یہ ہے کہ جیسے انسان کی خدا کے ساتھ تین حالتیں ہیں ایسا ہی خدا بھی ہر یک حالت کے موافق ان کے ساتھ جُدا جُدا معاملہ کرتا ہے۔ جو لوگ اُس پر راضی ہوتے ہیں اور دلی محبت اور صدق سے اس کے خواہاں ہوجاتے ہیں خدا بھی ان پر راضی ہوجاتا ہے اور اپنی رضامندی کے انوار ان پر نازل کرتا ہے۔اور جو لوگ اُس سے مونہہ پھیر لیتے ہیں اور عمداً مخالفت اختیار کرتے ہیں۔خدا بھی مخالف کی طرح ان سے معاملہ کرتا ہے اور جو لوگ اس کی طلب میں سُستی اور لاپروائی کرتے ہیں خدا بھی ان سے لاپروائی کرتا ہے اور ان کو گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے غرض جس طرح آئینہ میں انسان کو وہی شکل نظر آتی ہے کہ جو حقیقت میں شکل رکھتا ہے اسی طرح حضرتِ احدیّت کہ جو ہر یک کدورت سے مصفّٰی اور پاک ہے محبت والوں کے ساتھ محبت رکھتا ہے غضب والوں پر غضب ناک ہے، لاپرواہوں کے ساتھ لاپرواہی ،رُکنے والوں سے رک جاتا ہے اور جھکنے والوں کی طرف جھکتا ہے۔ چاہنے والوں کو چاہتا ہے اور نفرت کرنے والوں سے نفرت کرتا ہے اور جس طرح آئینہ کے سامنے جو انداز اپنا بناؤ گے وہی انداز آئینہ میں بھی نظر آئے گا۔ایسا ہی خداوند تعالیٰ کے روبرو جس انداز سے کوئی چلتا ہے وہی انداز خدا کی طرف سے اس کے لئے موجود ہے۔اور جن لباسوں کو بندہ اپنے لئے آپ اختیار کرلیتا ہے وہی تخم بویا ہوا اس کا اس کو دیا جاتا ہے۔ جب انسان ہر یک طرح کے حجابوں اور کدورتوں اور آلائشوں سے اپنے دل کو پاک کرلیتا ہے اور صحن سینہ اس کے کا مواد ردّیہ ماسوائے اللہ سے بالکل خالی ہوجاتا ہے۔تو اس کی ایسی مثال ہوتی ہے جیسے کوئی اپنے مکان کا دروازہ جو آفتاب کی طرف ہے کھول دیتا ہے اور سورج کی کرنیں اس کے گھر کے اندر چلی آتی ہیں ۔لیکن جب بندہ ناراستی اور دروغ اور طرح طرح کی آلائشوں کو آپ اختیار کرلیتا ہے اور خدا کو حقیر چیز کی طرح خیال کرکے چھوڑ دیتا ہے تو اس کی ایسی مثال ہوتی ہے جیسے کوئی روشنی کو ناپسند کرکے اور اس سے بغض رکھ کر اپنے گھر کے تمام دروازے بند کردے تا ایسا نہ ہو کہ کسی طرف سے آفتاب کی شعاعیں اس کے گھر کے اندر آجائیں۔

اور جب انسان بباعث جذباتِ نفسانی یا ننگ و ناموس یا تقلید قوم وغیرہ طرح طرح کی غلطیوں اور آلائشوں میں گرفتار ہو اور سُستی اور تکاسل اور لاپروائی سے ان آلائشوں سے پاک ہونے کے لئے کچھ سعی اور کوشش نہ کرے تو اس کی ایسی مثال ہوتی ہے جیسے کوئی اپنے گھر کے دروازوں کو بند پاوے اور تمام گھر میں اندھیرا بھرا ہوا دیکھے اور پھر اُٹھ کر دروازوں کو نہ کھولے اور ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھا رہے اور دل میں یہ کہے کہ

اب اس وقت کون اُٹھے اور کون اتنی تکلیف اٹھاوے۔ یہ تینوں مثالیں ان تینوں حالتوں کی ہیں جو انسان کے اپنے ہی فعل یا اپنی ہی سُستی سے پیدا ہو جاتی ہیں جن میں سے پہلی حالت کا نام حسب تصریح گذشتہ کے انعام الٰہی اور دوسری حالت کا نام غضبِ الٰہی اور تیسری حالت کا نام اِضلال الٰہی ہے ان تینوں صداقتوں سے بھی ہمارے مخالفین بے خبر ہیں۔ کیونکہ برہمو سماج والوں کو اُس صداقت سے بالکل اطلاع نہیں ہے جس کے رو سے خدائے تعالیٰ سرکش اور غضب ناک بندوں کے ساتھ غضبناک کا معاملہ کرتا ہے۔ چنانچہ برہمو صاحبوں میں سے ایک صاحب نے اس بارہ میں انہیں دنوں میں ایک رسالہ بھی لکھا ہے جس میں صاحب موصوف خدا کی کتابوں پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ ان میں غضب کی صفت خدائے تعالیٰ کی طرف کیونکر منسوب کی گئی ہے کیا خدا ہماری کمزوریوں پر چڑتا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ اگر صاحب راقم کو اس صداقت کی کچھ بھی خبر ہوتی تو کیوں وہ ناحق اپنے اوقات ضائع کر کے ایک ایسا رسالہ چھپواتے جس سے ان کی کم فہمی ہر یک پر کھل گئی ہے اور اُن کو باوجود دعویٰ عقل کے یہ بات سمجھ نہ آئی کہ خدا کا غضب بندہ کی حالت کا ایک عکس ہے جب انسان کسی مخالفانہ شر سے محجوب ہو جائے اور خدا سے دوسری طرف مونہہ پھیر لے تو کیا وہ اس لائق رہ سکتا ہے کہ جو سچے محبّوں اور صادقوں پر فیضانِ رحمت ہوتا ہے اس پر بھی وہی فیضان ہو جائے؟ ہرگز نہیں بلکہ خدا کا قانونِ قدیم جو ابتدا سے چلا آیا ہے جس کو ہمیشہ راست باز اور صادق آدمی تجربہ کرتے رہے ہیں اور اب بھی صحیح تجارب سے اس کی سچائیوں کو مشاہدہ کرتے ہیں وہ یہی قانون ہے کہ جو شخص ظلماتی حجابوں سے نکل کر سیدھا خدائے تعالیٰ کی طرف اپنے روح کا مونہہ پھیر کر اس کے آستانہ پر گر پڑتا ہے اسی پر فیضان رحمتِ خاصہ ایزدی کا ہوتا ہے اور جو شخص اس طریق کے برخلاف کوئی دوسرا طریق اختیار کر لیتا ہے تو بالضرور جو امر رحمت کے برخلاف ہے یعنی غضبِ الٰہی اُس پر وارد ہو جاتا ہے اور غضب کی اصل حقیقت یہی ہے کہ جب ایک شخص اس طریق مستقیم کو چھوڑ دیتا ہے کہ جو قانونِ الٰہی میں افاضۂ رحمتِ الٰہی کا طریق ہے تو فیضانِ رحمت سے محروم رہ جاتا ہے۔ اسی محرومی کی حالت کا نام غضبِ الٰہی ہے اور چونکہ انسان کی زندگی اور آرام اور راحت خدا کے فیض سے ہی ہے۔ اِس جہت سے جو لوگ فیضانِ رحمت کے طریق کو چھوڑ دیتے ہیں وہ خدا کی طرف سے اسی جہان میں یا دوسرے جہان میں طرح طرح کے عذابوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں کیونکہ جس کے شاملِ حال رحمتِ الٰہی نہیں ہے ضرور ہے کہ انواع اقسام کے عذاب روحانی و بدنی اس کی طرف مونہہ کریں اور چونکہ خدا کے قانون میں یہی انتظام مقرر ہے کہ رحمتِ خاصّہ انہیں کے شاملِ حال ہوتی ہے کہ جو

رحمت کے طریق کو یعنی دُعا اور توحید کو اختیار کرتے ہیں۔ اس باعث سے جو لوگ اس طریق کو چھوڑ دیتے ہیں وہ طرح طرح کی آفات میں گرفتار ہو جاتے ہیں اِسی کی طرف اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا ہے۔ قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْ لَا دُعَآؤُكُمْ (الفرقان:۷۸) فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ (آلِ عمران:۹۸) یعنی اِن کو کہہ دے کہ میرا خدا تمہاری پروا کیا رکھتا ہے اگر تم دُعا نہ کرو اور اس کے فیضان کے خواہاں نہ ہو خدا کو تو کسی کی زندگی اور وجود کی حاجت نہیں وہ تو بے نیاز مطلق ہے۔ اور آریہ سماج والے اور عیسائی بھی اِن تینوں صداقتوں میں سے پہلی اور تیسری صداقت سے بے خبر ہیں۔ کوئی اُن میں سے یہ اعتراض کرتا ہے کہ خدائے تعالیٰ سب لوگوں کو کیوں ہدایت نہیں دیتا۔ اور کوئی یہ اعتراض کر رہا ہے کہ خدا میں صفتِ اضلال کیونکر پائی جاتی ہے۔ جو لوگ خدائے تعالیٰ کی ہدایت کی نسبت معترض ہیں وہ یہ نہیں سوچتے کہ ہدایتِ الٰہی اُنہیں کے شامل حال ہوتی ہے کہ جو ہدایت پانے کے لئے کوشش کرتے ہیں اور اُن راہوں پر چلتے ہیں جن راہوں پر چلنا فیضانِ رحمت کے لئے ضروری ہے اور جو لوگ اضلالِ الٰہی کی نسبت معترض ہیں اُن کو یہ خیال نہیں آتا کہ خدائے تعالیٰ اپنے قواعد مقررہ کے ساتھ ہر یک انسان سے مناسبِ حال معاملہ کرتا ہے اور جو شخص سُستی اور تکاسل سے اس کے لئے کوشش کرنا چھوڑ دیتا ہے ایسے لوگوں کے بارہ میں قدیم سے اس کا یہی قاعدہ مقرر ہے کہ وہ اپنی تائید سے ان کو محروم رکھتا ہے اور انہیں کو اپنی راہیں دکھلاتا ہے جو ان راہوں کے لئے بدل و جان سعی کرتے ہیں۔ بھلا یہ کیونکر ہو سکے کہ جو شخص نہایت لا پروائی سے سُستی کر رہا ہے وہ ایسا ہی خدا کے فیض سے مستفیض ہو جائے جیسے وہ شخص کہ جو تمام عقل اور تمام زور اور تمام اخلاص سے اس کو ڈھونڈتا ہے۔ اسی کی طرف ایک دوسرے مقام میں بھی اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا ہے اور وہ یہ ہے۔ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (العنکبوت:۷۰) یعنی جو لوگ ہماری راہ میں کوشش کرتے ہیں ہم ان کو بالضرور اپنی راہیں دکھلا دیا کرتے ہیں۔ اب دیکھنا چاہیئے کہ یہ دس صداقتیں جو سورۂ فاتحہ میں درج ہیں کس قدر عالی اور بے نظیر صداقتیں ہیں جن کے دریافت کرنے سے ہمارے تمام مخالفین قاصر رہے اور پھر دیکھنا چاہئے کہ کس ایجاز اور لطافت سے اقلّ قلیل عبارت میں ان کو خدائے تعالیٰ نے بھر دیا ہے اور پھر اس طرف خیال کرنا چاہئے کہ علاوہ ان سچائیوں کے اور اس کمال ایجاز کے دوسرے کیا کیا لطائف ہیں جو اس سورۂ مبارکہ میں بھرے ہوئے ہیں اگر ہم اس جگہ ان سب لطائف کو بیان کریں تو یہ مضمون ایک دفتر بن جائے گا۔ (براہین احمدیہ چہار حصص، روحانی خزائن جلد ۱ صفحہ ۵۴۵ تا ۵۶۸ حاشیہ نمبر ۱۱)

کیونکہ تذلّل اور انکساری کی زندگی کوئی اختیار نہیں کر سکتا جب تک اللہ تعالیٰ اس کی مدد نہ کرے۔

اپنے آپ کو ٹٹولو اور اگر بچہ کی طرح اپنے آپ کو کمزور پاؤ تو گھبراؤ نہیں۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کی دعا صحابہ کی طرح جاری رکھو۔ راتوں کو اٹھو اور دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ تم کو اپنی راہ دکھلائے۔

(رپورٹ جلسہ سالانہ ۱۸۹۷ء صفحہ ۵۶)

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کی دُعا سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک ظلّی سلسلہ پیغمبروں کا اس اُمت میں قائم کرنا چاہتا ہے۔ مگر جیسا کہ قرآن کریم میں سارے انبیاء کا ذکر نہیں اور حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کا ذکر کثرت سے ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس اُمت میں بھی مثیل موسیٰؑ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مثیل عیسیٰ یعنی امام مہدی سب سے عظیم الشان اور خاص ذکر کے قابل ہیں۔

(الحکم جلد ۵ نمبر ۱۰ مؤرخہ ۱۷؍مارچ ۱۹۰۱ء صفحہ ۸)

سوال ہوا کہ جو لوگ آپ کو نہیں مانتے وہ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کے نیچے ہیں یا کہ نہیں؟

حضرت اقدس مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ

اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ میں تو مَیں اپنی جماعت کو بھی شامل نہیں کرسکتا جب تک کہ خدا کسی کو نہ کرے۔ جو کلمہ گو سچے دل سے قرآن پر عمل کرنے کے لیے تیار ہو بشرطیکہ سمجھایا جاوے وہ اپنا اجر پائے گا۔ جس قدر کوئی مانے گا اسی قدر ثواب پائے گا۔ جتنا انکار کرے گا اتنی ہی تکلیف اُٹھائے گا۔

(الحکم جلد ۵ نمبر ۱۰ مورخہ ۱۷؍مارچ ۱۹۰۱ء صفحہ ۸)

گناہ کی حالت میں انسان پستی اور ذلّت میں ہوتا ہے اور جوں جوں گناہ کرتا جاتا ہے نیچے ہی نیچے چلا جاتا ہے لیکن جب گناہوں پر موت آتی ہے تو وہ اس پستی کے گڑھے میں ہی پڑا ہوا ہوتا ہے جب تک اوپر چڑھنے کے لئے اسے زنجبیلی شربت نہ ملے۔ پس نیکیوں کی توفیق عطا ہونے پر وہ پھر اوپر چڑھنا شروع کرتا ہے کہ اور یہ پہاڑی گھاٹیاں وہی ہیں جو صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ میں بیان ہوئی ہیں۔ خدا تعالیٰ کے راست بازوں اور منعم علیہم کی راہ ہی وہ اصل مقصود ہے جو انسان کے لئے خدا تعالیٰ نے رکھی ہے۔

(الحکم جلد ۵ نمبر ۴۵ مؤرخہ ۱۰؍دسمبر ۱۹۰۱ء صفحہ ۲)

سورۃ فاتحہ میں ایک مخفی پیشگوئی موجود ہے اور وہ یہ کہ جس طرح یہودی لوگ حضرت عیسیٰ کو کافر اور دجّال کہہ کر مغضوب علیہم بن گئے بعض مسلمان بھی ایسے ہی بنیں گے۔ اِسی لئے نیک لوگوں کو یہ دُعا سکھلائی گئی کہ وہ منعم علیہم میں سے حِصّہ لیں اور مغضوب علیہم نہ بنیں۔ سورۃ فاتحہ کا اعلیٰ مقصود مسیح موعود اور اس کی جماعت اور اسلامی یہودی اور اُن کی جماعت اور ضالّین یعنی عیسائیوں کے زمانہ ترقی کی خبر ہے۔ سو کس قدر خوشی کی بات

ہے کہ وہ باتیں آج پوری ہوئیں۔ (نزول المسیح، روحانی خزائن جلد ۱۸ صفحہ ۴۱۴، ۴۱۵)

سورۃ فاتحہ میں خدا نے مسلمانوں کو یہ دُعا سکھلائی اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّيْنَ ۔اس جگہ احادیثِ صحیحہ کے رُو سے بکمال تواتر یہ ثابت ہو چکا ہے کہ اَلْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ سے مُراد بدکار اور فاسق یہودی ہیں جنہوں نے حضرت مسیح کو کافر قرار دیا اور قتل کے درپے رہے اور اُس کی سخت توہین وتحقیر کی اور جن پر حضرت عیسیٰ نے لعنت بھیجی جیسا کہ قرآن شریف میں مذکور ہے اور اَلضَّآلِّيْنَ سے مراد عیسائیوں کا وہ گمراہ فرقہ ہے جنہوں نے حضرت عیسیٰ کو خدا سمجھ لیا اور تثلیث کے قائل ہوئے اور خون مسیح پر نجات کا حصر رکھا اور ان کو زندہ خدا کے عرش پر بٹھا دیا۔اب اس دُعا کا مطلب یہ ہے کہ خدایا ایسا فضل کر کہ ہم نہ تو وہ یہودی بن جائیں جنہوں نے مسیح کو کافر قرار دیا تھا اور ان کے قتل کے درپے ہوئے تھے اور نہ ہم مسیح کو خدا قرار دیں اور تثلیث کے قائل ہوں۔چونکہ خدا تعالیٰ جانتا تھا کہ آخری زمانہ میں اِسی اُمّت میں سے مسیح موعود آئے گا اور بعض یہودی صفت مسلمانوں میں سے اس کو کافر قرار دیں گے اور قتل کے درپے ہوں گے اور اس کی سخت توہین وتحقیر کریں گے اور نیز جانتا تھا کہ اس زمانہ میں تثلیث کا مذہب ترقی پر ہوگا اور بہت سے بدقسمت انسان عیسائی ہو جائیں گے اِس لئے اُس نے مسلمانوں کو یہ دُعا سکھلائی اور اس دُعا میں مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ کا جو لفظ ہے وہ بلند آواز سے کہہ رہا ہے کہ وہ لوگ جو اسلامی مسیح کی مخالفت کریں گے وہ بھی خدا تعالیٰ کی نظر میں مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ ہوں گے جیسا کہ اسرائیلی مسیح کے مخالف مغضوب علیہم تھے۔ (نزول المسیح، روحانی خزائن جلد ۱۸ صفحہ ۴۱۹)

ہم نے تو اس زمانہ میں یہود دیکھ لئے اور ہم ایمان لائے کہ آیت غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ اسی بات کی طرف اشارہ کرتی تھی کہ اس قوم میں بھی مغضوب علیہم یہودی ضرور پیدا ہوں گے سو ہو گئے اور پیشگوئی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری ہوگئی مگر کیا یہ اُمت کچھ ایسی ہی بدقسمت ہے کہ ان کی تقدیر میں یہود بننا ہی لکھا تھا اس فعل کو ہم خدائے کریم کی طرف کبھی منسوب نہیں کر سکتے کہ یہود مردود بننے کے لئے تو یہ اُمت اور مسیح بنی اسرائیل سے آوے ایسی کارروائی سے تو اس اُمت کی ناک کٹتی ہے اور اس خطاب کے لائق نہیں رہتی کہ اس کو اُمت مرحومہ کہا جاوے پس اس اُمت کا یہود بننا جیسا کہ آیت غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ سے سمجھا جاتا ہے اس بات کو چاہتا ہے کہ جو یہود مغضوب علیہم کے مقابل مسیح آیا تھا اس کا مثیل بھی

اس اُمت میں سے آوے اسی کی طرف تو اس آیت کا اشارہ ہے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۔ (اعجاز احمدی ضمیمہ نزول المسیح، روحانی خزائن جلد ۱۹ صفحہ ۱۱۹، ۱۲۰)

خدا فرماتا ہے غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّيْنَ یعنی اے مسلمانوں تم خدا سے دُعا مانگتے رہو کہ یاالٰہی ہمیں ان لوگوں میں سے نہ بنانا جن پر اس دنیا میں ہی تیرا غضب نازل ہوا ہے۔ اور نہ ہی ان لوگوں کا راستہ دکھانا جو کہ راہِ راست سے گمراہ ہوگئے ہیں۔

اور یہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے یہ بطور قصہ یا کتھا کے بیان نہیں کیا۔ بلکہ وہ جانتا تھا کہ جس طرح پہلی قوموں نے بدکاریاں کیں اور نبیوں کی تکذیب اور تفسیق میں حدّ سے بڑھ گئیں۔ اسی طرح مسلمانوں پر بھی ایک وقت آئے گا جب کہ وہ فسق و فجور میں حدّ سے بڑھ جاویں گے اور جن کاموں سے اُن قوموں پر خدا کا غضب بھڑکا تھا۔ ویسے ہی کام مسلمان بھی کریں گے اور خدا کا غضب ان پر نازل ہوگا۔

تفسیروں اور احادیث والوں نے مغضوب سے یہود مراد لئے ہیں۔ کیونکہ یہود نے خدا تعالیٰ کے انبیاء کے ساتھ بہت ہنسی ٹھٹھا کیا تھا۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خاص طور پر دکھ دیا تھا۔ اور نہایت درجہ کی شوخیاں اور بے باکیاں انہوں نے دکھائی تھیں۔ جن کا آخری نتیجہ یہ ہوا تھا کہ اسی دنیا میں ہی خدا کا غضب ان پر نازل ہوا تھا۔ مگر اس جگہ خدا کے غضب سے کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ (معاذ اللہ) خدا چڑ جاتا ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان بہ سبب اپنے گناہوں کے نہایت درجہ کے پاک اور قدوس خدا سے دور ہوجاتا ہے یا مثال کے طور پر یوں سمجھ لو کہ ایک شخص کسی ایسے حجرہ میں بیٹھا ہوا ہو جس کے چار دروازے ہوں۔ اگر وہ ان دروازوں کو کھولے گا تو دھوپ اور آفتاب کی روشنی اندر آتی رہے گی اور اگر وہ سب دروازے بند کردے گا تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ روشنی کا آنا بند ہوجائے گا غرض یہ بات سچی ہے کہ جب انسان کوئی فعل کرتا ہے تو سنّت اللہ اسی طرح سے ہے کہ اس فعل پر ایک فعل خدا کی طرف سے سرزد ہوتا ہے جیسے اس شخص نے اپنی بدقسمتی سے جب چاروں دروازے بند کردیئے تھے تو اس پر خدا کا فعل یہ تھا کہ اس مکان میں اندھیرا ہی اندھیرا ہوگیا۔ غرض اس اندھیرا کرنے کا نام خدا کا غضب ہے۔ یہ مت سمجھو کہ خدا کا غضب بھی اسی طرح کا ہوتا ہے کہ جس طرح سے انسان کا غضب ہوتا ہے کیونکہ خدا خدا ہے اور انسان انسان ہے۔ یہ تو نہیں ہوسکتا کہ جس طرح سے ایک انسان کام کرتا ہے خدا بھی اسی طرح سے ہی کرتا ہے۔ مثلاً خدا سنتا ہے تو کیا اس کو سننے کے لئے انسان کی طرح ہوا کی ضرورت ہے اور کیا اس کا سننا بھی انسان کی طرح سے ہے کہ جس طرف ہوا کا رُخ

زیادہ ہوا اس طرف کی آواز کو زیادہ سن لیا۔ یا مثلاً دیکھتا ہے کہ جب تک سورج چاند چراغ وغیرہ کی روشنی نہ ہو انسان دیکھ نہیں سکتا۔ تو کیا خدا بھی روشنیوں کا محتاج ہے؟ غرض انسان کا دیکھنا اور رنگ کا ہے اور خدا کا اور رنگ کا ہے۔ اس کی حقیقت خدا کے سپرد کرنی چاہئے۔ آریہ وغیرہ جو اعتراض کرتے ہیں کہ قرآن کریم میں خدا تعالیٰ کو غضب ناک کہا گیا ہے۔ یہ ان کی صریح غلطی ہے۔ ان کو چاہئے تھا کہ قرآن مجید کی دوسری جگہوں پر نظر کرتے۔ وہاں تو صاف طور پر لکھا ہے عَذَابِیْٓ اُصِیْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ ۚ وَ رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ (الاعراف:۱۵۷)۔ خدا کی رحمت تو کل چیزوں کے شامل حال ہے۔ مگر ان کو دقّت ہے تو یہ ہے کہ خدا کی رحمت کے تو وہ قائل ہی نہیں۔ ان کے مذہبی اصول کے بموجب اگر کوئی شخص بصد مشکل مکتی حاصل کر بھی لے تو آخر پھر وہاں سے بھی نکلنا ہی پڑے گا۔ غرض خوب یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ کے کلام پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ جیسے خدا ہر ایک عیب سے پاک ہے ویسے ہی اس کا کلام بھی ہر ایک قسم کی غلطی سے پاک ہوتا ہے۔ اور یہ جو فرمایا ہے غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ تو اس سے یہ مراد ہے کہ یہود ایک قوم تھی جو توریت کو مانتی تھی۔ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بہت تکذیب کی تھی اور بڑی شوخی کے ساتھ ان سے پیش آئے تھے۔ یہاں تک کہ کئی بار ان کے قتل کا ارادہ بھی انہوں نے کیا تھا۔ اور یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جب کوئی شخص کسی فن کو کمال تک پہنچا دیتا ہے تو پھر وہ بڑا نامی گرامی اور مشہور ہو جاتا ہے اور جب کبھی اس فن کا ذکر شروع ہوتا ہے تو پھر اسی کا نام ہی لیا جاتا ہے۔ مثلاً دنیا میں ہزاروں پہلوان ہوئے ہیں اور اس وقت بھی موجود ہیں مگر رستم کا ذکر خاص طور پر کیا جاتا ہے۔ بلکہ اگر کسی کو پہلوانی کا خطاب بھی دیا جاتا ہے تو اسے بھی رستم ہند وغیرہ کر کے پکارا جاتا ہے یہی حال یہود کا ہے کوئی نبی نہیں گذرا جس سے انہوں نے شوخی نہیں کی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تو انہوں نے یہاں تک مخالفت کی کہ صلیب پر چڑھانے سے بھی دریغ نہیں کیا اور ان کے مقابلہ پر ہر ایک شرارت سے کام لیا۔ ہاں اگر یہ سوال پیدا ہو کہ یہود نے تو انبیاء کے مقابل پر شوخیاں اور شرارتیں کی تھیں مگر اب تو سلسلہ نبوت ختم ہو چکا ہے۔ اس لئے غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ والی دُعا کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ آخری زمانہ میں مسیح نازل ہوگا۔ اور مسلمان لوگ اس کی تکذیب کر کے یہود خصلت ہو جائیں گے اور طرح طرح کی بدکاریوں اور قسم قسم کی شوخیوں اور شرارتوں میں ترقی کر جاویں گے اس لئے غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ والی دُعا سکھائی ہے کہ اے مسلمانوں پنجگانہ نمازوں کی ہر ایک رکعت میں دُعا مانگتے رہو کہ یا الٰہی ہمیں ان کی راہ سے بچائے رکھیو۔ جن پر تیرا غضب اسی دنیا میں نازل ہوا

تھا۔ اور جن کو تیرے مسیحؑ کی مخالفت کرنے کے سبب سے طرح طرح کی آفات ارضی وسماوی کا ذائقہ چکھنا پڑا تھا سو جاننا چاہیئے کہ یہی وہ زمانہ ہے جس کی طرف آیت غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ اشارہ کرتی ہے۔ اور وہی خدا کا سچا مسیح ہے جو اس وقت تمہارے درمیان بول رہا ہے۔ یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ پچیس برس سے صبر کرتا رہا ہے۔ ان لوگوں نے کوئی دقیقہ میری مخالفت کا اٹھا نہیں رکھا ہر طرح سے شوخیاں کی گئیں طرح طرح کے الزام ہم پر لگائے گئے اور ان شوخیوں اور شرارتوں میں پوری سرگرمی سے کام لیا گیا۔ ہر پہلو سے میرے فنا اور معدوم کرنے کے لئے زور لگائے گئے اور ہمارے لئے طرح طرح کے کفر نامے تیار کئے گئے اور نصاریٰ اور یہود سے بھی بدتر ہمیں سمجھا گیا۔ حالانکہ ہم کلمہ طیبہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پر دل وجان سے یقین رکھتے تھے۔ قرآن شریف کو خدا تعالیٰ کی سچی اور کامل کتاب سمجھتے تھے اور سچے دل سے اسے خاتم الکتب جانتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سچے دل سے خاتم النبیین سمجھتے تھے۔ وہی نمازیں تھیں وہی قبلہ تھا۔ اسی طرح سے ماہ رمضان کے روزے رکھتے تھے۔ حج اور زکوٰۃ میں بھی کوئی فرق نہ تھا۔ پھر معلوم نہیں کہ وہ کون سے وجوہات تھے جن کے سبب سے ہمیں یہود اور نصاریٰ سے بھی بدتر ٹھہرایا گیا اور دن رات ہمیں گالیاں دینا موجب ثواب سمجھا گیا۔ آخر شرافت بھی تو کوئی چیز ہے اس طرح کا طریق تو وہی لوگ اختیار کرتے ہیں جن کے ایمان مسلوب اور دل سیاہ ہو جاتے ہیں۔ غرض چونکہ خدا جانتا تھا کہ ایک وقت آئے گا جب کہ مسلمان یہود سیرت ہو جائیں گے۔ اس لئے غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ والی دُعا سکھا دی۔ اور پھر فرمایا وَلَا الضَّآلِّيْنَ یعنی نہ ہی ان لوگوں کی راہ پر چلانا۔ جنہوں نے تیری سچی اور سیدھی راہ سے منہ موڑ لیا۔ اور یہ عیسائیوں کی طرف اشارہ ہے جن کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انجیل کے ذریعہ سے یہ تعلیم ملی تھی۔ کہ خدا کو ایک اور واحد لاشریک مانو۔ مگر انہوں نے اس تعلیم کو چھوڑ دیا اور ایک عورت کے بیٹے کو خدا بنا لیا۔ کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ تو بڑا سخت لفظ ہے اور ضَآلِّيْنَ نرم لفظ ہے۔ یہ نرم لفظ نہیں۔ بات یہ ہے کہ یہودیوں کا تھوڑا گناہ تھا وہ توریت کے پابند تھے اور اس کے حکموں پر چلتے تھے۔ گو وہ شوخیوں اور شرارتوں میں بہت بڑھ گئے تھے مگر وہ کسی کو خدا یا خدا کا بیٹا بنانے کے سخت دشمن تھے اور سورہ فاتحہ میں ان کا نام جو پہلے آیا ہے تو وہ اس واسطے نہیں کہ ان کے گناہ زیادہ تھے بلکہ اس واسطے کہ اسی دنیا میں ہی ان کو سزا دی گئی تھی اور اس کی مثال اس طرح پر ہے کہ ایک تحصیلدار انہیں کو جرمانہ کرتا ہے جن کا قصور اس کے اختیار سے باہر نہیں ہوتا۔ مثلاً فرض کرو کہ کسی بھاری سے بھاری گناہ پر وہ اپنی طرف سے ۵۰، ۶۰ روپیہ جرمانہ کر سکتا

ہے لیکن اگر قصور وار زیادہ کا حقدار ہو تو پھر تحصیلدار یہ کہہ کر کہ یہ میرے اختیار سے باہر ہے اور کہ تمہاری سزا کا یہاں موقع نہیں کسی اعلیٰ افسر کے سپرد کرتا ہے اسی طرح یہودیوں کی شرارتیں اور شوخیاں اسی حد تک ہیں کہ ان کی سزا اسی دنیا میں دی جاسکتی تھی۔ لیکن ضالّین کی سزا یہ دنیا برداشت نہیں کرسکتی۔ کیونکہ ان کا عقیدہ ایسا نفرتی عقیدہ ہے جس کی نسبت خدا تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے۔ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَ تَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَ تَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ○ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا (مریم: ۹۱، ۹۲) یعنی یہ ایک ایسا بُرا کام ہے جس سے قریب ہے کہ زمین آسمان پھٹ جائیں اور پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہوجائیں۔ غرض یہودیوں کی چونکہ سزا تھوڑی تھی اس لئے ان کو اسی جہان میں دی گئی اور عیسائیوں کی سزا اس قدر سخت ہے کہ یہ جہان اس کی برداشت نہیں کرسکتا اس لئے ان کی سزا کے واسطے دوسرا جہان مقرر ہے۔ اور پھر یہ بات بھی یاد رکھنے والی ہے کہ یہ عیسائی صرف ضالّ ہی نہیں ہیں بلکہ مُضِلّ بھی ہیں۔ ان کا دن رات یہی پیشہ ہے کہ اوروں کو گمراہ کرتے پھریں۔ پچاس پچاس ہزار ساٹھ ساٹھ ہزار بلکہ لاکھوں پرچے ہر روز شائع کرتے ہیں اور اس باطل عقیدہ کی اشاعت کے لئے ہر طرح کے بہانے عمل میں لاتے ہیں۔

(الحکم جلد ۱۲ نمبر ۲ مؤرخہ ۶؍جنوری ۱۹۰۸ء صفحہ ۳، ۴)

ایک شخص نے سوال کیا۔ بعض مخالف کہتے ہیں کہ ہم بھی تو اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کہتے ہیں ہم کو یہودی اور مغضوب کیوں کہا جاتا ہے؟ فرمایا کہ یہودی بھی تو ہدایت اب تک طلب کر رہے ہیں اور اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ مانگ رہے ہیں اور توریت پڑھتے ہیں مگر گمراہ کیوں ہیں؟

(الحکم جلد ۷ نمبر ۳ مؤرخہ ۲۴؍جنوری ۱۹۰۳ء صفحہ ۹)

عرب صاحب نے سوال کیا کہ مسیح موعود کے متعلق قرآن میں کہاں کہاں ذکر ہے۔ فرمایا۔ سورۃ فاتحہ، سورہ نور، سورہ تحریم۔ سورہ فاتحہ میں تو اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ۔ سورہ نور میں وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ (النور: ۵۶) اور سورہ تحریم میں جہاں مومنوں کی مثالیں بیان کی ہیں وہاں مَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا (التحریم: ۱۳)۔ (الحکم جلد ۷ نمبر ۳ مؤرخہ ۲۴؍جنوری ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۰)

نماز کوئی ایسی ویسی شئے نہیں ہے بلکہ یہ وہ شے ہے جس میں اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ الخ جیسی دُعا کی جاتی ہے۔ اس دُعا میں بتلایا گیا ہے کہ جو لوگ بُرے کام کرتے ہیں ان پر دنیا میں خدا تعالیٰ کا غضب آتا ہے۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۱۴ مؤرخہ ۲۴؍اپریل ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۰۹)

اگر نبوت کا دروازہ بالکل بند سمجھا جاوے تو نعوذ باللہ اس سے تو انقطاع فیض لازم آتا ہے اور اس میں تو نحوست

ہے اور نبی کی ہتک شان ہوتی ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے اس امت کو یہ جو کہا کہ کُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ (اٰل عمران:۱۱۱) یہ جھوٹ تھا نعوذ باللہ۔ اگر یہ معنے کئے جاویں کہ آئندہ کے واسطے نبوت کا دروازہ ہر طرح سے بند ہے تو پھر خیر الامۃ کی بجائے شر الامم ہوئی یہ اُمّت جبکہ اس کو اللہ تعالیٰ سے مکالمات اور مخاطبات کا شرف بھی نصیب نہ ہوا۔ تو یہ تو کَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ہوئی اور بہائم سیرت اسے کہنا چاہیئے نہ یہ کہ خیر الامم۔ اور پھر سورۃ فاتحہ کی دعا بھی لغو جاتی ہے۔ اس میں جو لکھا ہے کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ تو سمجھنا چاہیئے کہ ان پہلوؤں کے پلاؤ زردے مانگنے کی دعا سکھائی ہے اور ان کی جسمانی لذّات اور انعامات کے مورث ہونے کی خواہش کی گئی ہے؟ ہرگز نہیں۔ اور اگر یہی معنے ہیں تو باقی رہ ہی کیا گیا جس سے اسلام کا علوّ ثابت ہووے۔ (الحکم جلد ۷ نمبر ۱۴ مؤرخہ ۱۷؍اپریل ۱۹۰۳ء صفحہ ۸)

یہ وجودی سخت قابلِ نفرت اور قابلِ کراہت ہیں۔ افسوس کا مقام ہے کہ جس قدر گدیاں ہیں ان میں سے شاید ایک بھی ایسی نہیں ہوگی جو یہ مذہب نہ رکھتی ہو۔ سب سے زیادہ افسوس یہ ہے کہ سید عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا فرقہ جو قادری کہلاتا ہے وہ بھی وجودی ہو گئے ہیں حالانکہ سید عبد القادر جیلانیؒ وجودی نہ تھے۔ ان کا طرزِ عمل اور ان کی تصنیفات اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کی عملی تصدیق دکھاتی ہیں۔

علماء صرف یہ سمجھتے ہیں کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صرف پڑھنے کے لیے ہے لیکن اس کے اثرات اور نتائج کچھ نہیں مگر وہ عملی طور پر دکھاتے ہیں کہ ان منعم علیہ لوگوں کے نمونے اس اُمّت میں ہوتے ہیں۔

غرض یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ گو ایسے لوگ تھوڑے ہوتے ہیں۔ لیکن ہیں ضرور جو خدا تعالیٰ سے کامل محبت کرتے ہیں اور اسی دنیا میں رہ کر انقطاع اور سفرِ آخرت کی تیاری کرتے ہیں۔ یہ امور ایسے ہی لوگوں کے حصہ میں آئے ہیں۔ جیسے سیّد عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ۔

(الحکم جلد ۹ نمبر ۳۵ مؤرخہ ۱۰؍اکتوبر ۱۹۰۵ء صفحہ ۸)

اگر وحی نہ ہو تو پھر اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کے کیا معنے ہوں گے۔ کیا یہاں انعام سے مراد گوشت پلاؤ وغیرہ ہے یا کہ خلعتِ نبوت اور مکالمہ الٰہی وغیرہ جو کہ انبیاء کو عطا ہوتا رہا ہے۔ غرض کہ معرفت تامّ انبیاء کو سوائے وحی کے حاصل نہیں ہو سکتی۔ جس غرض کے لئے انسان اسلام قبول کرتا ہے اس کا مغز یہی ہے کہ اس کے اتباع سے وحی ملے۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۳۳ مؤرخہ ۴؍ستمبر ۱۹۰۳ء صفحہ ۲۵۸)

آجکل دنیا کی عجیب حالت ہورہی ہے۔تم لوگ اچھی طرح سے نظر ڈال کر دیکھ لو۔شہروں اور بازاروں میں جا کر دیکھ لو۔ لاکھوں اور کروڑوں آدمی اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے ادھر محض دنیا کی خاطر مارے مارے پھرتے ہیں۔ ایسے آدمی تھوڑے نکلیں گے جو دین کی غرض سے پھرتے ہوں۔ حالانکہ خدا تعالیٰ نے تو یہی دعا سکھلائی تھی کہ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کہ یاالٰہی وہ راہ دکھا اور اسی راہ پر چلنے کی توفیق دے جس پر چلنے سے منعم علیہ گروہ میں شامل ہو جاویں۔

(الحکم جلد ۱۱ نمبر ۴۰ مورخہ ۱۰؍ نومبر ۱۹۰۷ء صفحہ ۷)

وَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ الْفَاتِحَةَ اُمُّ الْكِتَابِ وَ اَنَّهَا تَنْطِقُ بِالْحَقِّ وَ فِيْهَا ذِكْرُ اَخْيَارِ اُمَّةٍ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ وَذِكْرُ شَرِّهِمُ الَّذِيْنَ غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا وَذِكْرُ الَّذِيْنَ اخْتُتِمَتْ عَلَيْهِمْ هٰذِهِ السُّوْرَةُ اَعْنِي الضَّآلِّيْنَ۔ وَقَدْ اَقْرَرْتُمْ بِاَنَّهُمُ النَّصَارٰى وَاَخَّرَ اللّٰهُ ذِكْرَهُمْ فِيْ هٰذِهِ السُّوْرَةِ لِيُعْلَمَ اَنَّ فِتْنَتَهُمْ اٰخِرُ الْفِتَنِ فَلَمْ يَبْقَ لِدَجَّالِكُمْ مَوْضِعُ قَدَمٍ يَّآ اُوْلِي النُّهٰى وَاِنَّ هٰذِهٖ فِرَقٌ ثَلٰثٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَكَذَالِكَ مِنْكُمْ ثَلٰثٌ شَابَهَ بَعْضُكُمْ بَعْضَهُمْ وَضَاهَا۔

(خطبہ الہامیہ، روحانی خزائن جلد ۱۶ صفحہ ۱۱۷، ۱۱۸)

تم جانتے ہو کہ سورہ فاتحہ اُمُّ القرآن ہے جو کچھ حق ہے وہی فرماتی ہے اور اس میں ان نیکوں کا ذکر ہے کہ مسلمانوں سے پہلے گذرے ہیں اور ان بدوں کا بھی ذکر ہے جو مسلمانوں سے پہلے ہوئے ہیں اور خدا نے ان پر اسی دنیا میں غضب کیا اور ان کا بھی ذکر ہے کہ جن پر اس سورۃ کو ختم کیا گیا ہے یعنی فرقہ ضالّین اور تم اقرار کرتے ہو کہ وہ فرقہ ضالّین نصاریٰ ہی ہیں اور خدا نے سب سے بعد اس سورۃ کے آخر میں ان کا ذکر کیا ہے تا کہ جان لو کہ نصاریٰ کا فتنہ تمام فتنوں کے پیچھے ہے پس تمہارے دجّال کے لئے قدم رکھنے کی جگہ نہیں رہی۔ اور یہ تین فرقے ہیں اہلِ کتاب کے اور اسی طرح تم میں بھی تین فرقے ہیں کہ بعض بعض کے مشابہ ہو گئے۔

(ترجمہ اصل کتاب سے)

وَقَدْ سَمَّى اللّٰهُ تِلْكَ الْيَهُوْدَ الْمَغْضُوْبَ عَلَيْهِمْ وَحَذَّرَكُمْ فِيْ اُمِّ الْكِتَابِ اَنْ تَكُوْنُوْا كَمِثْلِهِمْ وَ ذَكَّرَكُمْ اَنَّهُمْ اُهْلِكُوْا بِالطَّاعُوْنِ فَمَا لَكُمْ تَنْسَوْنَ وَصَايَا اللّٰهِ وَلَا تَتَّقُوْنَ رَبَّكُمْ وَلَا

خدا نے ان یہودیوں کا نام مغضوب علیہم رکھا اور سورۃ فاتحہ میں تم کو اس بات سے ڈرایا کہ تم ان جیسے ہو جاؤ اور تم کو یاد دلایا کہ وہ طاعون سے ہلاک کئے گئے تمہیں کیا ہو گیا کہ تم خدا کے حکموں کو بھول گئے اور اس سے نہیں ڈرتے خدا تعالیٰ کی کلام میں غور نہیں کرتے کہ

تَحْذَرُوْنَ۔ وَلَا تُفَكِّرُوْنَ فِيْ قَوْلِ اللّٰهِ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَمْ يَقُلْ غَيْرِ الْيَهُوْدِ فَاِنَّهٗ اَوْمٰى فِيْ هٰذِهٖ اِلٰى عَذَابٍ اَصَابَهُمْ وَاِلٰى عَذَابٍ يُّصِيْبُكُمْ اِنْ لَّمْ تَنْتَهُوْا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ۔ وَ اِنَّهٗ نَبَأٌ عَظِيْمٌ وَّقَدْ ظَهَرَتْ اٰثَارُهٗ وَاِنَّ فِيْ هٰذَا لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يُّفَكِّرُوْنَ۔

(خطبہ الہامیہ، روحانی خزائن جلد ۱۶ صفحہ ۱۴۷، ۱۴۸)

غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ فرمایا غیر الیہود نہیں فرمایا کیونکہ اس میں اشارہ اس عذاب کی طرف ہے جو ان کو پہنچا اور جو تمہیں پہنچے گا اگر تم باز نہ آئے۔ پس کیا ممکن ہے کہ تم بچے رہو؟ اور یہ بڑی اطلاع ہے اور اس کے نشان ظاہر ہو گئے اور اس میں ان کے لئے نشان ہے جو فکر کرتے ہیں۔ (ترجمہ اصل کتاب سے)

وَاِنَّ الْفَاتِحَةَ كَفَتْ لِسَعِيْدٍ يَّطْلُبُ الْحَقَّ وَلَا يَمُرُّ عَلَيْنَا كَالَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ۔ فَاِنَّ اللّٰهَ ذَكَرَ فِيْهِ فِرَقًا ثَلَاثًا خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَهُمُ الْمُنْعَمُ عَلَيْهِمْ وَالْمَغْضُوْبُ عَلَيْهِمْ وَ الضَّآلُّوْنَ، ثُمَّ جَعَلَ هٰذِهِ الْأُمَّةَ فِرْقَةً رَّابِعَةً، وَّأَوْمَأَ الْفَاتِحَةُ إِلٰى أَنَّهُمْ وَرِثُوْا تِلْكَ الثَّلَاثَةَ، إِمَّا مِنَ الْمُنْعَمِ عَلَيْهِمْ، أَوْ مِنَ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ، أَوْ مِنَ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ وَ يَتَنَصَّرُوْنَ، وَ أَمَرَ أَنْ يَّسْأَلَ الْمُسْلِمُوْنَ رَبَّهُمْ أَنْ يَّجْعَلَهُمْ مِّنَ الْفِرْقَةِ الْأُوْلٰى وَلَا يَجْعَلَهُمْ مِّنَ الَّذِيْنَ غَضِبَ عَلَيْهِمْ وَ لَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ الَّذِيْنَ يَعْبُدُوْنَ عِيْسٰى وَ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ۔ وَكَانَ فِيْ هٰذَا أَنْبَآءٌ ثَلَاثٌ لِّقَوْمٍ يَّتَفَرَّسُوْنَ۔ فَلَمَّا جَآءَ وَقْتُ هٰذِهِ الْأَنْبَآءِ بَدَأَ اللّٰهُ مِنَ الضَّآلِّيْنَ كَمَا أَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ، فَخَرَجَ النَّصَارٰى مِنْ دَيْرِهِمْ بِقُوَّةٍ لَّا يَدَانِ

اور فاتحہ کی سورۃ اس سعادت مند کے لئے جو حق تلاش کرتا ہے اور ہمارے سامنے سے متکبّر کی طرح نہیں گزرتا کافی ہے کیونکہ خدا نے اس سورۃ میں تین فرقوں کا ذکر کیا ہے جو اگلے زمانہ میں گذرے اور وہ یہ ہیں منعم علیہم اور مغضوب علیہم اور ضالّین۔ پھر اس اُمت کو چوتھا فرقہ قرار دیا اور فاتحہ میں اشارہ کیا کہ وہ ان تین فرقوں میں سے یا تو منعم علیہم کے وارث ہوں گے یا مغضوب علیہم کے وارث ہوں گے یا ضالّین کے وارث ہوں گے اور حکم دیا ہے کہ مسلمان اپنے ربّ سے چاہیں کہ ان کو پہلے فرقہ میں سے بناوے اور مغضوب علیہم اور ضالّین میں سے نہ بناوے جو عیسیٰ کو پوجتے ہیں اور اپنے پروردگار کے برابر بناتے ہیں اور اس میں ان کے لئے جو فراست سے کام لیتے ہیں اس میں تین پیشگوئیاں ہیں پس جب ان پیشگوئیوں کا وقت پہنچ گیا خدا نے ضالّین سے شروع کیا جیسا کہ تم دیکھتے ہو پس نصاریٰ ایسی قوت کے ساتھ اپنے

لَهَا وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ، وَ زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زِلْزَالَهَا وَ أَخْرَجَتْ أَثْقَالَهَا، وَتَنَصَّرَ فَوْجٌ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ كَمَا أَنْتُمْ تُشَاهِدُوْنَ ثُمَّ جَآءَ وَقْتُ النَّبَأُ الثَّانِيْ. أَعْنِيْ وَقْتَ خُرُوْجِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ كَمَا كَانَ الْوَعْدُ الرَّبَّانِيُّ. فَصَارَ طَائِفَةٌ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ عَلٰى سِيْرَةِ الْيَهُوْدِ الَّذِيْنَ غَضِبَ اللهُ عَلَيْهِمْ، وَ صَارَتْ أَهْوَآؤُهُمْ كَأَهْوَآئِهِمْ وَ اٰرَآؤُهُمْ كَاٰرَآئِهِمْ وَرِيَآؤُهُمْ كَرِيَآئِهِمْ وَ شَحْنَآؤُهُمْ كَشَحْنَآئِهِمْ وَإِبَآؤُهُمْ كَإِبَآئِهِمْ يَكْذِبُوْنَ وَ يَفْسُقُوْنَ، وَيَظْلِمُوْنَ وَ يَسْتَكْبِرُوْنَ، وَ يُحِبُّوْنَ أَنْ يَّسْفِكُوا الدِّمَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّمُلِئَتْ نُفُوْسُهُمْ شُحًّا وَّبُخْلًا وَّحَسَدًا، وَّضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ فَهُمْ لَا يُكْرَمُوْنَ فِي السَّمَآءِ وَلَا فِي الْأَرْضِ، وَمِنْ كُلِّ بَابٍ يُّطْرَدُوْنَ. وَ كَذَالِكَ مُلِئَتِ الْأَرْضُ ظُلْمًا وَّجَوْرًا وَقَلَّ الصَّالِحُوْنَ. فَنَظَرَ اللهُ إِلَى الْأَرْضِ فَوَجَدَ أَهْلَهَا فِيْ ظُلُمَاتٍ ثَلَاثٍ ظُلْمَتِ الْجَهْلِ وَ ظُلْمَتِ الْفِسْقِ وَظُلْمَتِ الدَّاعِيْنَ إِلَى التَّثْلِيْثِ وَالْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ، فَتَذَكَّرَ فَضْلًا وَّرَحْمًا وَّعْدَهُ الثَّالِثَ الَّذِيْ يَدْعُوْنَ لَهُ الدَّاعُوْنَ، فَأَنْعَمَ عَلٰى هٰذِهِ الْأُمَّةِ بِإِرْسَالِ مَثِيْلِ عِيْسٰى، وَهَلْ يُنْكِرُ بَعْدَهٗ إِلَّا

گرجاؤں سے نکلے ہیں کہ کوئی ان کی برابری نہیں کر سکتا۔ اور وہ ہر ایک اونچائی پر سے دوڑتے ہیں اور زمین ہلنے لگی اور اپنے سب بوجھ اُگل دیئے اور مسلمانوں میں سے بہت سے نصرانی ہو گئے۔ پھر دوسری خبر کا وقت پہنچا یعنی مغضوب علیہم کے نکلنے کا وقت جیسا کہ خدا نے وعدہ فرمایا تھا پس مسلمانوں کے ایک گروہ نے یہودیوں کی راہ اور نمونہ اختیار کر لیا جو خدا کے غضب کے نیچے تھے اور ان کی خواہشیں اور ریا اور کینہ اور دشمنی اور سرکشی بالکل ان جیسی ہو گئی۔ جھوٹ بولتے ہیں اور تبہ کاری کرتے ہیں اور ظلم اور تکبّر کرتے ہیں اور ناحق خون کرنے کو دوست رکھتے ہیں اور ان کے نفس حرص اور طمع اور بخل اور حسد سے بھر گئے ہیں اور وہ ذلیل ہو گئے ہیں نہ آسمان میں ان کی عزّت ہے اور نہ زمین میں اور ہر ایک طرف سے دھتکارے جاتے ہیں اور اسی طرح زمین ظلم اور جور سے بھر گئی اور نیک لوگ کم ہو گئے ایسے وقت میں خدا نے زمین کو دیکھا اور زمین والوں کو تین طرح کی تاریکی میں پایا ایک جہالت کا اندھیرا دوسرے فسق کا اندھیرا تیسرے ان لوگوں کا اندھیرا جو تثلیث اور شیطان کی طرف لوگوں کو بلاتے ہیں پس فضل اور رحم کر کے تیسرے وعدہ کو یاد کیا جس کے لئے دُعا کرنے والے دُعا کرتے تھے پس مثیل عیسیٰ کو بھیجنے سے اس اُمت پر انعام کیا اور اس پر اندھوں کے سوا اور کوئی

الْعَمُوْنَ۔

(خطبہ الہامیہ، روحانی خزائن جلد ۱۶ صفحہ ۱۶۰ تا ۱۶۵)

فَفَكِّرُوْا فِيْ أُمِّ الْكِتَابِ حَقَّ الْفِكْرِ۔ لِمَ حَذَّرَكُمُ اللّٰهُ أَنْ تَكُوْنُوا الْمَغْضُوْبَ عَلَيْهِمْ، مَّا لَكُمْ لَا تُفَكِّرُوْنَ فَاعْلَمُوْا أَنَّ السِّرَّ فِيْهِ أَنَّ اللّٰهَ كَانَ يَعْلَمُ أَنَّهٗ سَوْفَ يُبْعَثُ فِيْكُمُ الْمَسِيْحُ الثَّانِيْ كَأَنَّهٗ هُوَ۔ وَكَانَ يَعْلَمُ أَنَّ حِزْبًا مِّنْكُمْ يُكَفِّرُوْنَهٗ وَ يُكَذِّبُوْنَهٗ وَيُحَقِّرُوْنَهٗ وَيَشْتُمُوْنَهٗ وَ يُرِيْدُوْنَ أَنْ يَّقْتُلُوْهُ وَيَلْعَنُوْنَهٗ فَعَلَّمَكُمْ هٰذَا الدُّعَآءَ رُحْمًا عَلَيْكُمْ وَإِشَارَةً إِلٰى نَبَأٍ قَدَّرَهٗ فَقَدْ جَآءَكُمْ مَسِيْحُكُمْ فَإِنْ لَّمْ تَنْتَهُوْا فَسَوْفَ تُسْأَلُوْنَ۔ وَثَبَتَ مِنْ هٰذَا الْمَقَامِ أَنَّ الْمُرَادَ مِنَ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ عِنْدَ اللّٰهِ الْعَلَّامِ هُمُ الْيَهُوْدُ الَّذِيْنَ فَرَّطُوْا فِيْ أَمْرِ عِيْسٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ، وَ كَفَّرُوْهُ وَاٰذَوْهُ وَلُعِنُوْا عَلٰى لِسَانِهٖ فِي الْقُرْاٰنِ، وَ كَذَالِكَ مَنْ شَابَهَهُمْ مِّنْكُمْ بِتَكْفِيْرِ مَسِيْحِ اٰخِرِ الزَّمَانِ وَتَكْذِيْبِهٖ وَإِيْذَآئِهٖ بِاللِّسَانِ، وَالتَّمَنِّيْ لِقَتْلِهٖ وَلَوْ بِالْبُهْتَانِ، كَمَآ أَنْتُمْ تَفْعَلُوْنَ۔ وَالْمُرَادُ مِنْ قَوْلِهِ الضَّآلِّيْنَ النَّصَارٰى الَّذِيْنَ أَفْرَطُوْا فِيْ أَمْرِ عِيْسٰى وَأَطْرَءُوْهُ وَقَالُوْا إِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ وَهُوَ

انکار نہیں کرتا۔ (ترجمہ اصل کتاب سے)

چاہیئے کہ اُمّ الکتاب میں خوب غور کرو کہ کیوں تم کو خدا نے اس سے ڈرایا کہ تم مغضوب علیہم ہو جاؤ۔ جان لو کہ اس میں یہ راز تھا کہ خدا جانتا تھا کہ مسیح ثانی تم میں پیدا ہوگا اور گویا وہ وہی ہوگا اور خدا جانتا تھا کہ ایک گروہ تم میں سے اس کو کافر اور جھوٹا کہے گا اسے گالیاں دیں گے اور حقیر جانیں گے اور اس کے قتل کا ارادہ کریں گے اور اس پر لعنت کریں گے۔ پس اس نے رحم کر کے اور اس خبر کی طرف جو مقدّر تھی اشارہ کے لئے یہ دُعا تم کو سکھائی۔ پس تمہارا مسیح تمہارے پاس آ گیا۔ اب اگر تم ظلم سے باز نہ آئے تو ضرور پکڑے جاؤ گے اور اس مقام سے ثابت ہوا کہ خدا کے نزدیک مغضوب علیہم سے وہ یہودی مراد ہیں جنہوں نے عیسیٰ کے معاملہ میں ناانصافی کی اور اس کو کافر کہا اور اس کو ستایا اور قرآن میں اس کی زبان پر لعنت کئے گئے۔ اور اسی طرح تم میں سے وہ جو مسیح آخر الزّمان کی تکفیر اور زبان سے اس کی تکذیب اور ایذاء اور اس کے قتل کی آرزو کی وجہ سے ان یہودیوں سے مشابہ ہو گئے اور ضالّین سے مراد نصاریٰ ہیں جو عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں حد سے گذر گئے اور کہا کہ مسیح ہی خدا ہے اور وہ تین میں سے ایک ہے ایسا کہ دونوں اس کے وجود میں موجود ہیں اور أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ سے وہ انبیاء اور بنی اسرائیل کے

ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ يَعْنِي الثَّالِثَ الَّذِيْ يُوْجَدُ فِيْهِ الثَّلَاثَةُ كَمَا هُمْ يَعْتَقِدُوْنَ. وَ الْمُرَادُ مِنْ قَوْلِهٖ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ هُمُ النَّبِيُّوْنَ وَالْأَخْيَارُ الْاٰخَرُوْنَ مِنْ بَنِيْٓ إِسْرَآئِيْلَ الَّذِيْنَ صَدَّقُوا الْمَسِيْحَ وَمَا فَرَّطُوْا فِيْ أَمْرِهٖ وَمَا أَفْرَطُوْا بِأَقَاوِيْلَ، وَ كَذَالِكَ الْمُرَادُ عِيْسَى الْمَسِيْحُ الَّذِيْ خُتِمَتْ عَلَيْهِ تِلْكَ السِّلْسِلَةُ وَانْتَقَلَتِ النُّبُوَّةُ وَ سُدَّ بِهٖ مَجْرَى الْفَيْضِ كَأَنَّهُ الْعَرِمَةُ، وَ كَأَنَّهُ لِهٰذَا الْاِنْتِقَالِ الْعَلَمُ وَالْعَلَامَةُ أَوِ الْحَشْرُ وَالْقِيَامَةُ، كَمَا أَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ. وَ كَذَالِكَ الْمُرَادُ مِنْ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ فِيْ هٰذِهِ الْاٰيَةِ هُوَ سِلْسِلَةُ أَبْدَالِ هٰذِهِ الْأُمَّةِ الَّذِيْنَ صَدَّقُوْا مَسِيْحَ اٰخِرَ الزَّمَانِ، وَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَقَبِلُوْهُ بِصِدْقِ الطَّوِيَّةِ وَالْجَنَانِ أَعْنِي الْمَسِيْحَ الَّذِيْ خُتِمَتْ عَلَيْهِ هٰذِهِ السِّلْسِلَةُ، وَ هُوَ الْمَقْصُوْدُ الْأَعْظَمُ مِنْ قَوْلِهٖ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ كَمَا تَقْتَضِي الْمُقَابَلَةُ وَلَا يُنْكِرُهُ الْمُتَدَبِّرُوْنَ. فَإِنَّهُ إِذَا عُلِمَ بِالْقَطْعِ وَالْيَقِيْنِ وَالتَّصْرِيْحِ وَالتَّعْيِيْنِ أَنَّ الْمَغْضُوْبَ عَلَيْهِمْ هُمُ الْيَهُوْدُ الَّذِيْنَ كَفَّرُوا الْمَسِيْحَ وَحَسِبُوْهُ مِنَ الْمَلْعُوْنِيْنَ كَمَا يَدُلُّ عَلَيْهِ قَرِيْنَةُ قَوْلِهِ الضَّآلِّيْنَ فَلَا يَسْتَقِيْمُ التَّرْتِيْبُ وَلَا يَحْسُنُ نِظَامُ كَلَامِ الرَّحْمٰنِ إِلَّا بِأَنْ يُّعْنٰى مِنْ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ مَسِيْحُ اٰخِرِ الزَّمَانِ، فَإِنَّ رِعَايَةَ الْمُقَابَلَةِ مِنْ سُنَنِ الْقُرْاٰنِ وَمِنْ أَهَمِّ أُمُوْرِ

آخری برگزیدے مراد ہیں جنہوں نے مسیح کی تصدیق کی اور اس کے بارہ میں کوئی کوتاہی نہیں کی اور باتوں سے اس مسیح کے حق میں زیادتی نہیں کی اور اسی طرح مراد لفظ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ سے عیسیٰ مسیح ہے جس پر وہ سلسلہ ختم ہوا اور اس کے وجود سے فیض کا چشمہ بند ہو گیا گویا کہ اس کا وجود اس انتقال کے لئے ایک نشانی یا حشر اور قیامت تھا اور اسی طرح اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ سے اس اُمت کے ابدالوں کا سلسلہ مراد ہے جنہوں نے مسیح آخر الزّمان کی تصدیق کی اور صدقِ دل سے اس کو قبول کیا یعنی اس مسیح کو جس پر یہ سلسلہ ختم ہوا اور اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ سے وہی مقصودِ اعظم ہے کیونکہ مقابلہ اسی کا مقتضی ہے اور تدبّر کرنے والے اس کا انکار نہیں کر سکتے۔ (اور پھر جب اس بات کا قطعی، یقینی، صراحت اور تعیین کے ساتھ علم ہو گیا کہ) مغضوب علیہم وہی یہودی ہیں جنہوں نے مسیح کو کافر کہا اور اس کو ملعون جانا جیسا کہ اَلضَّآلِّیْنَ کا لفظ اس پر دلالت کرتا ہے۔ اس لئے ترتیب ٹھیک نہیں بیٹھتی اور قرآن کے کلام کا نظام درست نہیں ہوتا سوائے اس کے کہ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ سے آخر زمانہ کا مسیح مراد لیا جائے کیونکہ قرآن شریف کی عادت ہے کہ مقابلہ کی رعایت رکھتا

الْبَلَاغَةِ وَحُسْنِ الْبَيَانِ، وَلَا يُنْكِرُهُ إِلَّا الْجَاهِلُوْنَ. فَظَهَرَ مِنْ هٰذَا الْمَقَامِ بِالظُّهُوْرِ الْبَيِّنِ التَّآمِّ أَنَّهُ مَنْ قَرَأَ هٰذَا الدُّعَآءَ فِيْ صَلَاتِهٖ أَوْ خَارِجَ الصَّلَاةِ فَقَدْ سَأَلَ رَبَّهٗ أَنْ يُّدْخِلَهٗ فِيْ جَمَاعَةِ الْمَسِيْحِ الَّذِيْ يُكَفِّرُهٗ قَوْمُهٗ وَ يُكَذِّبُوْنَهٗ وَ يُفَسِّقُوْنَهٗ وَيَحْسَبُوْنَهٗ شَرَّ الْمَخْلُوْقَاتِ وَيُسَمُّوْنَهٗ دَجَّالًا وَّمُلْحِدًا ضَآلًّا كَمَا سَمَّى عِيْسَى الْيَهُوْدُ الْمَلْعُوْنُ.

(خطبہ الہامیہ، روحانی خزائن جلد ۱۶ صفحہ ۱۹۰ تا ۱۹۸)

ہے اور مقابلہ کی رعایت رکھنا اعلیٰ درجہ کی بلاغت اور حسن بیان میں داخل ہے اور جاہل کے سوا کوئی اس معنے سے انکار نہیں کرتا۔ اس مقام سے اچھی طرح معلوم ہوا کہ جو کوئی نماز میں یا نماز سے باہر اس دعا کو پڑھتا ہے وہ اپنے پروردگار سے سوال کرتا ہے کہ اس کو اُس مسیح کی جماعت میں داخل فرماوے جس کو اس کی قوم کا فر کہے گی اور اس کی تکذیب کرے گی اور اس کو سب مخلوقات سے بدتر سمجھے گی اور اس کا نام دجّال اور ملحد اور گمراہ رکھے گی جیسا کہ یہود ملعون نے عیسیٰ کا نام رکھا تھا۔ (ترجمہ اصل کتاب سے)

فَالَّذِيْنَ سَمَّاهُمُ اللّٰهُ الْمَغْضُوْبَ عَلَيْهِمْ فِي الْفَاتِحَةِ هُمُ الْيَهُوْدُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوا الْمَسِيْحَ وَأَرَادُوْا أَنْ يُّصَلِّبُوْهُ وَيَعْلَمُهُ الْعَالِمُوْنَ وَ إِنَّ لَفْظَ الضَّآلِّيْنَ الَّذِيْ وَقَعَ بَعْدَ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ قَرِيْنَةٌ قَطْعِيَّةٌ عَلٰى هٰذَا الْمَعْنٰى وَلَا يَرْتَابُ فِيْهِ إِلَّا الْجَاهِلُوْنَ. فَإِنَّ الضَّآلِّيْنَ قَوْمٌ أَفْرَطُوْا فِيْ أَمْرِ عِيْسٰى، فَثَبَتَ مِنْ هٰذَا أَنَّ الْمَغْضُوْبَ عَلَيْهِمْ قَوْمٌ فَرَّطُوْا فِيْ أَمْرِهٖ، وَهٰذَانِ اسْمَانِ مُتَقَابِلَانِ أَيُّهَا النَّاظِرُوْنَ. ثُمَّ خَوَّفَكُمُ اللّٰهُ أَنْ تَكُوْنُوْا كَمِثْلِهِمْ فَيَحِلَّ الْغَضَبُ عَلَيْكُمْ كَمَا حَلَّ عَلٰى أَعْدَآءِ الْمَسِيْحِ وَ مَسَّهُمْ لَعْنَتُهُ الْمَذْكُوْرَةُ فِي الْقُرْاٰنِ.

(خطبہ الہامیہ، روحانی خزائن جلد ۱۶ صفحہ ۲۰۲ تا ۲۰۴)

پس وہ لوگ جن کو خدا نے (سورۃ) فاتحہ میں مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ کہا ہے وہی یہودی ہیں جنہوں نے مسیح کی تکذیب کی اور چاہا کہ اسے سُولی دیں۔ اور ضالّین کا لفظ جو مغضوب علیہم کے بعد واقع ہوا ان معنوں پر یقینی قرینہ ہے۔ اس پر جاہل کے سوا کوئی شک نہیں لاتا کیونکہ ضالّین وہ لوگ ہیں جنہوں نے عیسیٰ کے بارہ میں افراط کیا۔ یہاں سے ثابت ہوا کہ مغضوب علیہم وہ لوگ ہیں جنہوں نے اس کی نسبت تفریط کی اور یہ دو نام ایک دوسرے کے مقابل پر واقع ہوئے ہیں۔ پھر خدا نے تم کو اس بات سے ڈرایا کہ تم ان کی طرح ہو جاؤ اور انجام کار ویسا ہی غضب تم پر اُترے جیسا کہ مسیح کے دشمنوں پر نازل ہوا اور وہ لعنت ان کے شاملِ حال ہوئی جس کا قرآن میں ذکر ہے۔

(ترجمہ اصل کتاب سے)

وَ تَفْصِيْلُ الْمَقَامِ أَنَّ اللهَ قَدْ أَخْبَرَ عَنْ بَعْضِ الْيَهُوْدِ فِي السُّوْرَةِ الْفَاتِحَةِ. أَنَّهُمْ كَانُوْا مَحَلَّ غَضَبِ اللهِ فِيْ زَمَنِ عِيْسَى ابْنِ الصِّدِّيْقَةِ، فَإِنَّهُمْ كَفَّرُوْهُ وَاٰذَوْهُ وَأَثَارُوْا لَهٗ كُلَّ نَوْعِ الْفِتْنَةِ، ثُمَّ أَشَارَ إِلٰى أَنَّ طَائِفَةً مِّنْكُمْ كَمِثْلِهِمْ يُكَفِّرُوْنَ مَسِيْحَهُمْ وَيُكَمِّلُوْنَ جَمِيْعَ أَنْحَاءِ الْمُشَابَهَةِ، وَيَفْعَلُوْنَ بِهٖ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ. وَ أَنْتُمْ تَقْرَءُوْنَ اٰيَةَ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ، ثُمَّ لَا تَلْتَفِتُوْنَ. أَعَلَّمَكُمُ اللهُ هٰذِهِ السُّوْرَةَ عَبَثًا كَوَضْعِ الشَّيْءِ فِيْ غَيْرِ مَحَلِّهٖ أَوْ كَتَبَهَا لِتَذْكِيْرِ جَرِيْمَةٍ تَرْتَكِبُوْنَهَا مَا لَكُمْ لَا تُمْعِنُوْنَ وَمَا غَضِبَ اللهُ عَلٰى تِلْكَ الْيَهُوْدِ إِلَّا لِمَا كَفَّرُوْا رَسُوْلَهٗ عِيْسٰى وَ كَذَّبُوْهُ وَ شَتَمُوْهُ وَكَادُوْا أَنْ يَّقْتُلُوْهُ مِنَ الْحَسَدِ وَالْهَوٰى، وَقَدْ كُتِبَ عَلَيْكُمْ قَدَرُ اللهِ أَنَّكُمْ تَفْعَلُوْنَ بِمَسِيْحِكُمْ كَمَا فَعَلَ الْيَهُوْدُ بِمَسِيْحِهِمْ.

(خطبہ الہامیہ، روحانی خزائن جلد ۱۶ صفحہ ۲۱۵، ۲۱۶)

اس مقام کی تفصیل اس طرح پر ہے کہ خدا تعالیٰ سورۃ فاتحہ میں ان بعض یہودیوں کی نسبت اطلاع دیتا ہے جن پر عیسیٰ بن صدیقہ کے زمانہ میں خدا کا غضب ان پر نازل ہوا کیونکہ انہوں نے اس کو کافر کہا اور ستایا اور ہر طرح کا فتنہ اٹھایا پھر خدا تعالیٰ اشارہ فرماتا ہے کہ تم میں سے ایک گروہ یہود کی طرح اپنے مسیح کی تکفیر کرے گا اور ہر طرح کی مشابہت ان سے پیدا کر لیں گے اور ان کے ہاتھوں سے وہ سب کام ہوں گے جو یہود نے کئے اور تم مغضوب علیہم کی آیت پڑھتے ہو پھر اس کی طرف توجہ نہیں کرتے کیا خدا نے یوں ہی یہ سورۃ تم کو سکھلائی جیسا کہ کوئی کسی چیز کو بے ٹھکانے رکھ دے۔ یا اس سورۃ کو اس لئے اتارا کہ تم کو وہ گناہ یاد دلائے جو تمہارے ہاتھ سے ہوگا۔ کیوں غور سے نہیں دیکھتے اور خدا ان یہودیوں پر عیسیٰ کو کافر کہنے کے سبب اور اس کی تکذیب اور اس کو گالیاں دینے کے سبب غضبناک ہوا اور اس لئے بھی کہ وہ ہوا و حسد کے مارے چاہتے تھے کہ اس کو قتل کر دیں۔ خدا تعالیٰ کی تقدیر تمہارے حق میں اسی طرح جاری ہوئی ہے کہ تم اپنے مسیح سے وہی کرو جو یہود نے اپنے مسیح سے کیا۔

(ترجمہ اصل کتاب سے)

إِنَّ لَفْظَ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ قَدْ حَاذٰى لَفْظَ الضَّآلِّيْنَ. اَعْنِيْ وَقَعَ ذَالِكَ بِحِذَآءِ هٰذَا كَمَا لَا يَخْفٰى عَلَى الْمُبْصِرِيْنَ. فَثَبَتَ

لفظ مغضوب علیہم، ضالّین کے لفظ کے مقابل میں ہے یعنی وہ لفظ اس لفظ کے مقابل پڑا ہے۔ جیسا کہ دیکھنے والوں پر پوشیدہ نہیں۔ پس قطع اور یقین سے ثابت

بِالْقَطْعِ وَالْيَقِيْنِ اَنَّ مَغْضُوْبَ عَلَيْهِمْ هُمُ الَّذِيْنَ فَرَّطُوْا فِيْ اَمْرِ عِيْسٰى بِالتَّكْفِيْرِ وَالْاِيْذَآءِ وَالتَّوْهِيْنِ۔ كَمَا اَنَّ الضَّآلِّيْنَ هُمُ الَّذِيْنَ اَفْرَطُوْا فِيْ اَمْرِهٖ بِاتِّخَاذِهٖ رَبَّ الْعَالَمِيْنَ۔

(خطبہ الہامیہ، روحانی خزائن جلد ۱۶ صفحہ ۱۹۲، ۱۹۳ حاشیہ)

ہو گیا کہ مغضوب علیہم وہ لوگ ہیں جنہوں نے حضرت عیسیٰ کے بارے میں تفریط کی اور کافر قرار دیا اور دکھ دیا اور اہانت کی۔ اور ضالّین سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے حضرت عیسیٰ کے بارے میں افراط کیا اور ان کو خدا قرار دے دیا۔ (ترجمہ اصل کتاب سے)

ثُمَّ اعْلَمْ أَنَّ اللّٰهَ فِيْ هٰذِهِ السُّوْرَةِ الْمُبَارَكَةِ يُبَيِّنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ مَا كَانَ اٰخِرُ شَأْنِ أَهْلِ الْكِتَابِ وَ يَقُوْلُ إِنَّ الْيَهُوْدَ عَصَوْا رَبَّهُمْ بَعْدَ مَا نَزَلَتْ عَلَيْهِمُ الْإِنْعَامَاتُ وَتَوَاتَرَتِ التَّفَضُّلَاتُ فَصَارُوْا قَوْمًا مَّغْضُوْبًا عَلَيْهِ وَالنَّصَارٰى نَسُوْا صِفَاتِ رَبِّهِمْ وَأَنْزَلُوْهُ مَنْزِلَ الْعَبْدِ الضَّعِيْفِ الْعَاجِزِ فَصَارُوْا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ۔

وَفِي السُّوْرَةِ إِشَارَةٌ إِلٰى أَنَّ أَمْرَ الْمُسْلِمِيْنَ سَيَؤُوْلُ إِلٰى أَمْرِ أَهْلِ الْكِتَابِ فِيْ اٰخِرِ الزَّمَانِ فَيُشَابِهُوْنَهُمْ فِيْ أَفْعَالِهِمْ وَأَعْمَالِهِمْ فَيُدْرِكُهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى بِفَضْلٍ مِّنْ لَّدُنْهُ وَ إِنْعَامٍ مِّنْ عِنْدِهٖ وَ يَحْفَظُهُمْ مِّنَ الْاِنْحِرَافَاتِ السَّبُعِيَّةِ وَ الْبَهِيْمِيَّةِ وَالْوَهْمِيَّةِ وَيُدْخِلُهُمْ فِيْ عِبَادِهِ الصَّالِحِيْنَ۔

(کرامات الصادقین، روحانی خزائن جلد ۷ صفحہ ۱۲۵)

پھر جان لو کہ اللہ تعالیٰ اس مبارک سورۃ میں مومنوں پر یہ واضح کرتا ہے کہ اہل کتاب کا کیا انجام ہوا اور فرماتا ہے کہ یہودیوں نے اپنے اوپر (اللہ تعالیٰ کے) انعامات نازل ہونے اور (اُس کے) فضلوں کے پےَ در پےَ اُترنے کے بعد اپنے پروردگار کی نافرمانی کی پس وہ ایک مغضوب علیہم قوم بن گئے۔ اور نصاریٰ نے اپنے ربّ کی صفات کو بھلا دیا اور اُسے ایک کمزور اور عاجز بندہ قرار دے دیا پس وہ ایک گمراہ قوم بن گئے۔

اور اِس سورۃ میں اِس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مسلمانوں کا معاملہ بھی آخری زمانہ میں اہلِ کتاب کا سا ہو جائے گا پس وہ اپنے افعال اور اعمال میں ان (اہلِ کتاب) کے مشابہ ہو جائیں گے پھر (دوبارہ) اللہ تعالیٰ اُنہیں اپنے خاص فضل اور اپنے اِنعام سے نوازے گا اور اُنہیں بہیمیّت، درندگی اور توہمّات والی خرابیوں اور لغزشوں سے محفوظ رکھے گا اور اُنہیں اپنے صالح بندوں میں داخل کرلے گا۔ (ترجمہ از مرتب)

جب انسان بدی سے پرہیز کرتا ہے اور نیکیوں کے لئے اس کا دل تڑپتا ہے اور وہ خدا تعالیٰ سے دعائیں کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس کی دستگیری کرتا ہے اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے دارالامان میں پہنچا دیتا ہے اور فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ (الفجر : ۳۰) کی آواز اسے آجاتی ہے یعنی تیری جنگ اب ختم ہو چکی ہے اور میرے ساتھ تیری صلح اور آشتی ہو چکی ہے۔ اب آ میرے بندوں میں داخل ہو جو صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کے مصداق ہیں اور روحانی وراثت سے جن کو حصہ ملتا ہے۔ میری بہشت میں داخل ہو جا۔

(الحکم جلد ۸ نمبر ۲ مؤرخہ ۱۷ رجنوری ۱۹۰۴ء صفحہ ۲)

اسی طرح احادیثِ صحیحہ میں بھی ذکر تھا کہ آخری زمانہ میں اکثر حِصّہ مسلمانوں کا یہودیوں سے مشابہت پیدا کرلے گا اور سورۃ فاتحہ میں بھی اسی کی طرف اشارہ تھا۔ کیونکہ اس میں یہ دعا سکھلائی گئی ہے کہ اے خدا! ہمیں ایسے یہودی بننے سے محفوظ رکھ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وقت میں تھے اور اُن کے مخالف تھے جن پر خدا تعالیٰ کا غضب اِسی دنیا میں نازل ہوا تھا اور یہ عادت اللہ ہے کہ جب خدا تعالیٰ کسی قوم کو کوئی حکم دیتا ہے یا ان کو کوئی دُعا سکھلاتا ہے تو اس کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ بعض لوگ ان میں سے اس گناہ کے مرتکب ہوں گے جس سے ان کو منع کیا گیا ہے۔ پس چونکہ آیت غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ سے مراد وہ یہودی ہیں جو ملّتِ موسوی کے آخری زمانہ میں یعنی حضرت مسیحؑ کے وقت میں بباعث نہ قبول کرنے حضرت مسیحؑ کے موردِ غضبِ الٰہی ہوئے تھے۔ اس لئے اس آیت میں سنّت مذکورہ کے لحاظ سے یہ پیشگوئی ہے کہ اُمت محمدیہ کے آخری زمانہ میں بھی اسی اُمت میں سے مسیح موعود ظاہر ہوگا اور بعض مسلمان اس کی مخالفت کر کے ان یہودیوں سے مشابہت پیدا کرلیں گے جو حضرت مسیح کے وقت میں تھے۔ (لیکچر سیالکوٹ، روحانی خزائن جلد ۲۰ صفحہ ۲۱۴، ۲۱۵)

خدا نے بعض مسلمانوں کو یہود قرار دیدیا ہے اور صاف اشارہ کر دیا ہے کہ جن بدیوں کے یہود مرتکب ہوئے تھے یعنی علماء اُن کے۔ اس اُمّت کے علماء بھی انہیں بدیوں کے مرتکب ہوں گے۔ اور اسی مفہوم کی طرف آیت غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ میں بھی اشارہ ہے کیونکہ اس آیت میں باتفاق کل مفسّرین مغضوب علیھم سے مُراد وہ یہود ہیں جن پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے انکار کی وجہ سے غضب نازل ہوا تھا۔ اور احادیث صحیحہ میں مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ سے مُراد وہ یہود ہیں جو موردِ غضبِ الٰہی دنیا میں ہی ہوئے تھے۔ اور قرآن شریف یہ بھی گواہی دیتا ہے کہ یہود کو مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ ٹھہرانے کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان پر لعنت جاری ہوئی تھی۔ پس یقینی اور قطعی طور پر مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ سے مراد وہ یہود ہیں جنہوں نے

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کوسُولی پر ہلاک کرنا چاہا تھا۔اب خدا تعالیٰ کا یہ دُعا سکھلانا کہ خدایا ایسا کر کہ ہم وہی یہودی نہ بن جائیں جنہوں نے عیسیٰؑ کوقتل کرنا چاہا تھا صاف بتلا رہا ہے کہ اُمّتِ محمدیہؐ میں بھی ایک عیسیٰؑ پیدا ہونے والا ہے۔ورنہ اس دُعا کی کیا ضرورت تھی۔اور نیز جبکہ آیات مذکورہ بالا سے ثابت ہوتا ہے کہ کسی زمانہ میں بعض علماء مسلمان بالکل علماء یہود سے مشابہ ہو جائیں گے اور یہود بن جائیں گے۔ پھر یہ کہنا کہ ان یہودیوں کی اصلاح کے لئے اسرائیلی عیسیٰؑ آسمان سے نازل ہوگا بالکل غیر معقول بات ہے کیونکہ اوّل تو باہر سے ایک نبی کے آنے سے مُہر ختم نبوت ٹوٹتی ہے اور قرآن شریف صریح طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء ٹھہراتا ہے۔ماسوا اس کے قرآن شریف کے رُو سے یہ اُمّت خیر الامم کہلاتی ہے۔پس اس کی اس سے زیادہ بے عزّتی اور کوئی نہیں ہوسکتی کہ یہودی بننے کے لئے تو یہ اُمّت ہو مگر عیسیٰ باہر سے آوے۔اگر یہ سچ ہے کہ کسی زمانہ میں اکثر علماء اس اُمّت کے یہودی بن جائیں گے۔یعنی یہود خصلت ہو جائیں گے۔تو پھر یہ بھی سچ ہے کہ ان یہود کے درست کرنے کے لئے عیسیٰ باہر سے نہیں آئے گا بلکہ جیسا کہ بعض افراد کا نام یہود رکھا گیا ہے۔ایسا ہی اس کے مقابل پر ایک فرد کا نام عیسیٰ بھی رکھا جائے گا۔اس بات کا انکار نہیں ہوسکتا کہ قرآن اور حدیث دونوں نے بعض افراد اس اُمّت کا نام یہود رکھا ہے۔جیسا کہ آیت غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ سے بھی ظاہر ہے۔کیونکہ اگر بعض افراد اس اُمّت کے یہودی بننے والے نہ ہوتے تو دُعا مذکورہ بالا ہرگز نہ سکھلائی جاتی۔ جب سے دنیا میں خدا کی کتابیں آئی ہیں۔خدا تعالیٰ کا ان میں یہی محاورہ ہے کہ جب کسی قوم کو ایک بات سے منع کرتا ہے کہ مثلاً تم زنا نہ کرو، یا چوری نہ کرو، یا یہودی نہ بنو تو اس منع کے اندر یہ پیشگوئی مخفی ہوتی ہے کہ بعض ان میں سے ارتکاب ان جرائم کا کریں گے۔دنیا میں کوئی شخص ایسی نظیر پیش نہیں کر سکتا کہ ایک جماعت یا ایک قوم کو خدا تعالیٰ نے کسی ناکردنی کام سے منع کیا ہو اور پھر وہ سب کے سب اس کام سے باز رہے ہوں بلکہ ضرور بعض اس کام کے مرتکب ہو جاتے ہیں۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے توریت میں یہودیوں کو یہ حکم دیا کہ تم نے توریت کی تحریف نہ کرنا سو اس حکم کا نتیجہ یہ ہوا کہ بعض یہود نے توریت کی تحریف کی۔مگر قرآن شریف میں خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کو کہیں یہ حکم نہیں دیا کہ تم نے قرآن شریف کی تحریف نہ کرنا۔ بلکہ یہ فرمایا کہ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر:۱۰) یعنی ہم نے ہی قرآن شریف کو اُتارا اور ہم ہی اس کی محافظت کریں گے۔اِسی وجہ سے قرآن شریف تحریف سے محفوظ رہا۔غرض یہ قطعی اور یقینی اور مسلّم سنّتِ الٰہی ہے کہ جب خدائے تعالیٰ کسی کتاب میں کسی قوم یا جماعت کو ایک بُرے کام سے

منع کرتا ہے یا نیک کام کے لئے حکم فرماتا ہے تو اُس کے علم قدیم میں یہ ہوتا ہے کہ بعض لوگ اس کے حکم کی مخالفت بھی کریں گے۔ پس خدا تعالیٰ کا سورہ فاتحہ میں یہ فرمانا کہ تم دُعا کیا کرو کہ تم وہ یہودی نہ بن جاؤ جنہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو سُولی دینا چاہا تھا جس سے دنیا میں ہی اُن پر غضبِ الٰہی کی مار پڑی۔ اس سے صاف سمجھا جاتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے علم میں یہ مقدر تھا کہ بعض افراد اس اُمّت کے جو علماء اُمّت کہلائیں گے۔ اپنی شرارتوں اور تکذیب مسیحِ وقت کی وجہ سے یہودیوں کا جامہ پہن لیں گے ورنہ ایک لغو دُعا کے سکھلانے کی کچھ ضرورت نہ تھی۔ یہ تو ظاہر ہے کہ علماء اِس اُمّت کے اس طرح کے یہودی نہیں بن سکتے کہ وہ اسرائیل کے خاندان میں سے بن جائیں اور پھر اس عیسیٰؑ بن مریم کو جو مدت سے اس دنیا سے گزر چکا ہے سُولی دینا چاہیں کیونکہ اب اس زمانہ میں نہ وہ یہودی اس زمین پر موجود ہیں نہ وہ عیسیٰ موجود ہے۔ پس ظاہر ہے کہ اس آیت میں ایک آئندہ واقعہ کی طرف اشارہ ہے اور یہ بتلانا منظور ہے کہ اس اُمّت میں عیسیٰ مسیحؑ کے رنگ میں آخری زمانہ میں ایک شخص مبعوث ہوگا اور اس کے وقت کے بعض علماء اسلام ان یہودی علماء کی طرح اس کو دُکھ دیں گے جو عیسیٰ علیہ السلام کو دُکھ دیتے تھے اور ان کی شان میں بدگوئی کریں گے بلکہ احادیثِ صحیحہ سے یہی سمجھا جاتا ہے کہ یہودی بننے کے یہ معنی ہیں کہ یہودیوں کے بداخلاق اور بدعادات علماء اسلام میں پیدا ہو جائیں گی اور گو بظاہر مسلمان کہلائیں گے مگر اُن کے دل مسخ ہو کر ان یہودیوں کے رنگ سے رنگین ہو جائیں گے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دکھ دے کر موردِ غضبِ الٰہی ہوئے تھے پس جبکہ یہودی یہی لوگ بنیں گے جو مسلمان کہلاتے ہیں تو کیا یہ اس اُمّتِ مرحومہ کی بے عزّتی نہیں کہ یہودی بننے کے لئے تو یہ مقرر کئے جائیں مگر مسیح جو ان یہودیوں کو درست کرے گا وہ باہر سے آوے یہ تو قرآن شریف کے منشاء کے سراسر برخلاف ہے۔ قرآن شریف نے سلسلہ محمدیہ کو ہر ایک نیکی اور بدی میں سلسلہ موسویہ کے مقابل رکھا ہے نہ صرف بدی میں۔ ماسوا اس کے آیت غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ کا صریح یہ منشاء ہے کہ وہ لوگ یہودی اس لئے کہلائیں گے کہ خدا کے مامور کو جو ان کی اصلاح کے لئے آئے گا بنظر تحقیر و انکار دیکھیں گے اور اس کی تکذیب کریں گے اور اس کو قتل کرنا چاہیں گے اور اپنے قویٰ غضبیہ کو اس کی مخالفت میں بھڑکائیں گے۔ اِس لئے وہ آسمان پر مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ کہلائیں گے اُن یہودیوں کی مانند جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مکذّب تھے جس تکذیب کا آخر کار نتیجہ یہ ہوا تھا کہ سخت طاعون یہود میں پڑی تھی اور بعد اس کے طیطوس رومی کے ہاتھ سے وہ نیست و نابود کئے گئے تھے۔ پس آیت غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ سے ظاہر ہے کہ دنیا

میں ہی کوئی غضب اُن پر نازل ہوگا کیونکہ آخرت کے غضب میں تو ہر ایک کافر شریک ہے اور آخرت کے لحاظ سے تمام کافر مَغۡضُوۡبِ عَلَیۡہِمۡ ہیں پھر کیا وجہ کہ خدا تعالیٰ نے اس آیت میں خاص کر کے اُن یہودیوں کا نام مَغۡضُوۡبِ عَلَیۡہِمۡ رکھا جنہوں نے حضرت عیسٰیؑ کو سُولی دینا چاہا تھا بلکہ اپنی دانست میں سُولی دے چکے تھے۔ پس یاد رہے کہ ان یہودیوں کو مَغۡضُوۡبِ عَلَیۡہِمۡ کی خصوصیت اس لئے دی گئی کہ دنیا میں ہی اُن پر غضبِ الٰہی نازل ہوا تھا اور اسی بنا پر سورہ فاتحہ میں اس اُمّت کو یہ دُعا سکھلائی گئی کہ خدایا ایسا کر کہ وہی یہودی ہم نہ بن جائیں۔ یہ ایک پیشگوئی تھی جس کا یہ مطلب تھا کہ جب اس اُمّت کا مسیح مبعوث ہوگا تو اس کے مقابل پر وہ یہود بھی پیدا ہو جائیں گے جن پر اسی دنیا میں خدا کا غضب نازل ہوگا۔ پس اس دُعا کا یہ مطلب تھا کہ یہ مقدّر ہے کہ تم میں سے بھی ایک مسیح پیدا ہوگا اور اس کے مقابل پر یہود پیدا ہوں گے جن پر دنیا میں ہی غضب نازل ہوگا۔ سو تم دُعا کرتے رہو کہ تم ایسے یہود نہ بن جاؤ۔

یہ بات یاد رکھنے کے لائق ہے کہ یوں تو ہر ایک کافر قیامت میں موردِ غضبِ الٰہی ہے لیکن اِس جگہ غضب سے مراد دنیا کا غضب ہے جو مجرموں کے سزا دینے کے لئے دنیا میں ہی نازل ہوتا ہے اور وہ یہودی.... جنہوں نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کو دُکھ دیا تھا اور بموجب نصّ قرآن کریم ان کی زبان پر لعنتی کہلائے تھے۔ وہ وہی لوگ تھے جن پر دنیا میں ہی عذاب کی مار پڑی تھی یعنی اوّل سخت طاعون سے وہ ہلاک کئے گئے تھے اور پھر جو باقی رہ گئے تھے وہ طیطوس رومی کے ہاتھ سے سخت عذاب کے ساتھ ملک سے منتشر کئے گئے تھے۔ پس غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡہِمۡ میں یہی عظیم الشان پیشگوئی مخفی ہے کہ وہ لوگ جو مسلمانوں میں سے یہودی کہلائیں گے وہ بھی ایک مسیح کی تکذیب کریں گے جو اُس پہلے مسیح کے رنگ پر آئے گا یعنی نہ وہ جہاد کرے گا اور نہ تلوار اُٹھائے گا بلکہ پاک تعلیم اور آسمانی نشانوں کے ساتھ دین کو پھیلائے گا اور اس آخری مسیح کی تکذیب کے بعد بھی دنیا میں طاعون پھیلے گی اور وہ سب باتیں پوری ہوں گی جو ابتدا سے سب نبی کہتے چلے آئے ہیں۔ اور یہ وسوسہ کہ آخری زمانہ میں وہی مسیح ابن مریم دوبارہ دنیا میں آ جائے گا۔ یہ تو قرآن شریف کے منشاء کے سراسر برخلاف ہے جو شخص قرآن شریف کو ایک تقویٰ اور ایمان اور انصاف اور تدبّر کی نظر سے دیکھے گا اُس پر روزِ روشن کی طرح کھل جائے گا کہ خداوند قادر کریم نے اس اُمّتِ محمدیہ کو موسوی اُمّت کے بالکل بالمقابل پیدا کیا ہے۔ ان کی اچھی باتوں کے بالمقابل اچھی باتیں دی ہیں اور اُن کی بُری باتوں کے مقابل پر بُری باتیں۔ اِس اُمّت میں بعض ایسے ہیں جو انبیاء بنی اسرائیل سے مشابہت رکھتے ہیں اور بعض

ایسے ہیں جو مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ یہود سے مشابہت رکھتے ہیں۔اس کی ایسی مثال ہے جیسے ایک گھر ہے جس میں عمدہ عمدہ آراستہ کمرے موجود ہیں جو عالیشان اور مہذّب لوگوں کے بیٹھنے کی جگہ ہیں اور جس کے بعض حصّے میں پائخانے بھی ہیں اور بدررو بھی اور گھر کے مالک نے چاہا کہ اس محل کے مقابل پر ایک اور محل بناوے کہ تا جو جو سامان اس پہلے محل میں تھا اس میں بھی موجود ہو۔سو یہ دوسرا محل اسلام کا محل ہے اور پہلا محل موسوی سلسلہ کا محل تھا۔یہ دوسرا محل پہلے محل کا کسی بات میں محتاج نہیں۔قرآن شریف توریت کا محتاج نہیں اور یہ اُمّت کسی اسرائیلی نبی کی محتاج نہیں۔ہر ایک کامل جو اِس اُمّت کے لئے آتا ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض سے پرورش یافتہ ہے اور اس کی وحی محمدی وحی کی ظِلّ ہے۔یہی ایک نکتہ ہے جو سمجھنے کے لائق ہے۔ افسوس! ہمارے مخالف حضرت عیسیٰؑ کو دوبارہ لاتے ہیں۔نہیں سمجھتے کہ مطلب تو یہ ہے کہ اسلام کو فخر مشابہت حاصل ہو نہ یہ ذلّت کہ کوئی اسرائیلی نبی آوے تا اُمّت اصلاح پاوے۔

(تذکرۃ الشہادتین، روحانی خزائن جلد ۲۰ صفحہ ۱۳ تا ۱۷)

باوجود ان تمام شہادتوں اور معجزات اور زبردست نشانوں کے مولوی لوگ میری تکذیب کرتے ہیں اور ضرور تھا کہ ایسا ہی کرتے تا پیشگوئی آیت غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ کی پوری ہو جاتی۔

(تذکرۃ الشہادتین، روحانی خزائن جلد ۲۰ صفحہ ۳۷)

میں ایک فضل کی طرح اہلِ حق کے لئے آیا پر مجھ سے ٹھٹھا کیا گیا۔اور مجھے کافر اور دجّال ٹھہرایا گیا اور بے ایمانوں میں سے مجھے سمجھا گیا۔اور ضرور تھا کہ ایسا ہی ہوتا تا وہ پیشگوئی پوری ہوتی جو آیت غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ کے اندر مخفی ہے۔کیونکہ خدا نے مُنْعَمْ عَلَيْهِمْ کا وعدہ کر کے اس آیت میں بتا دیا ہے کہ اس اُمت میں وہ یہودی بھی ہوں گے جو یہود کے علماء سے مشابہ ہوں گے جنہوں نے حضرت عیسیٰؑ کو سُولی دینا چاہا اور جنہوں نے عیسیٰؑ کو کافر اور دجّال اور ملحد قرار دیا تھا۔اب سوچو کہ یہ کس بات کی طرف اشارہ تھا۔اسی بات کی طرف اشارہ تھا کہ مسیح موعود اس اُمت میں سے آنے والا ہے اس لئے اس کے زمانہ میں یہود کے رنگ کے لوگ بھی پیدا کئے جائیں گے جو اپنے زُعم میں علماء کہلائیں گے۔سو آج تمہارے ملک میں وہ پیشگوئی پوری ہوگئی۔ (تذکرۃ الشہادتین، روحانی خزائن جلد ۲۰ صفحہ ۶۵، ۶۶)

تقدیر الٰہی میں قرار پاچکا تھا کہ ایسے یہودی اس اُمت میں بھی پیدا ہوں گے۔پس اس لئے میرا نام عیسیٰ رکھا گیا جیسا کہ حضرت یحییٰ کا نام الیاس رکھا گیا تھا۔چنانچہ آیت غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ میں اسی کی طرف

اشارہ ہے پس عیسیٰ کی آمد کی پیشگوئی اِس اُمّت کے لئے ایسی ہی تھی جیسا کہ یہودیوں کے لئے حضرت یحییٰ کی آمد کی پیشگوئی۔ غرض یہ نمونہ قائم کرنے کے لئے میرا نام عیسیٰ رکھا گیا اور نہ صرف اس قدر بلکہ اس عیسیٰ کے مکذّب جو اس اُمّت میں ہونے والے تھے ان کا نام یہود رکھا گیا چنانچہ آیت غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ میں انہیں یہودیوں کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی وہ یہودی جو اس اُمّت کے عیسیٰ سے منکر ہیں جو ان یہودیوں کے مشابہ ہیں جنہوں نے حضرت عیسیٰ کو قبول نہیں کیا تھا۔ پس اس طور سے کامل درجہ پر مشابہت ثابت ہوگئی کہ جس طرح وہ یہودی جو الیاس نبی کی دوبارہ آمد کے منتظر تھے حضرت عیسیٰ پر محض اس عذر سے کہ الیاس دوبارہ دنیا میں نہیں آیا ایمان نہ لائے۔ اِسی طرح یہ لوگ اِس اُمّت کے عیسیٰ پر محض اِس عذر سے ایمان نہ لائے کہ وہ اسرائیلی عیسیٰ دوبارہ دنیا میں نہیں آیا۔ پس ان یہودیوں میں جو حضرت عیسیٰ پر ایمان نہیں لائے تھے اس وجہ سے کہ الیاس دوبارہ دنیا میں نہیں آیا اور ان یہودیوں میں جو حضرت عیسیٰ کی دوبارہ آمد کے منتظر ہیں مشابہت ثابت ہوگئی اور یہی خدا تعالیٰ کا مقصد تھا۔ اور جیسا کہ اسرائیلی یہودیوں اور ان یہودیوں میں مشابہت ثابت ہوگئی اسی طرح اسرائیلی عیسیٰ اور اس عیسیٰ میں جو مَیں ہوں مشابہت بدرجۂ کمال پہنچ گئی کیونکہ وہ عیسیٰ اسی وجہ سے یہودیوں کی نظر سے ردّ کیا گیا کہ ایک نبی دوبارہ دنیا میں نہیں آیا اِسی طرح یہ عیسیٰ جو میں ہوں ان یہودیوں کی نگاہ میں ردّ کیا گیا ہے کہ ایک نبی دوبارہ دنیا میں نہیں آیا۔ اور صاف ظاہر ہے کہ جن لوگوں کو احادیث نبویہ اس اُمّت کے یہودی ٹھہراتی ہیں جن کی طرف آیت غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ بھی اشارہ کرتی ہے وہ اصل یہودی نہیں ہیں بلکہ اِسی اُمّت کے لوگ ہیں جن کا نام یہودی رکھا گیا ہے۔ اِسی طرح وہ عیسیٰ بھی اصل عیسیٰ نہیں ہے جو بنی اسرائیل میں سے ایک نبی تھا بلکہ وہ بھی اِسی اُمّت میں سے ہے اور یہ خدا تعالیٰ کی اس رحمت اور فضل سے بعید ہے جو اِس اُمّت کے شاملِ حال رکھتا ہے کہ وہ اِس اُمّت کو یہودی کا خطاب تو دے بلکہ ان یہودیوں کا خطاب دے جنہوں نے الیاس نبی کے دوبارہ آنے کی حجت پیش کر کے حضرت عیسیٰ کو کافر اور کذّاب ٹھہرایا تھا لیکن اِس اُمّت کے کسی فرد کو عیسیٰ کا خطاب نہ دے تو کیا اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا ہے کہ یہ اُمّت خدا تعالیٰ کے نزدیک کچھ ایسی بدبخت اور بدقسمت ہے کہ اس کی نظر میں شریر اور نافرمان یہودیوں کا خطاب تو پاسکتی ہے مگر اس امّت میں ایک فرد بھی ایسا نہیں کہ عیسیٰ کا خطاب پاوے پس یہی حکمت تھی کہ ایک طرف تو خدا تعالیٰ نے اس اُمّت کے بعض افراد کا نام یہودی رکھ دیا اور دوسری طرف ایک فرد کا نام عیسیٰ بھی رکھ دیا۔

(براہین احمدیہ حصّہ پنجم، روحانی خزائن جلد ۲۱ صفحہ ۴۰۷ تا ۴۰۹)

یہ نکتہ یاد رکھنے کے لائق ہے کہ سورۃ فاتحہ میں جو آیا ہے کہ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ وہ اسی معرکہ کی طرف اشارہ ہے یعنی یہود نے خدا کے پاک اور مقدس نبی کو عمداً محض شرارت سے لعنتی ٹھہرا کر خدا تعالیٰ کا غضب اپنے پر نازل کیا اور مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ ٹھہرے حالانکہ اُن کو پتہ بھی لگ گیا تھا کہ حضرت مسیح قبر میں نہیں رہے اور وہ پیشگوئی اُن کی پوری ہوئی کہ یونس کی طرح میرا حال ہوگا یعنی زندہ ہی قبر میں جاؤں گا اور زندہ ہی نکلوں گا۔ اور نصاریٰ گو حضرت مسیح سے محبت کرتے تھے مگر محض اپنی جہالت سے انہوں نے بھی لعنت کا داغ حضرت مسیح کے دل کی نسبت قبول کرلیا اور یہ نہ سمجھا کہ لعنت کا مفہوم دل کی ناپاکی سے تعلق رکھتا ہے اور نبی کا دل کسی حالت میں ناپاک اور خدا کا دشمن اور اس سے بیزار نہیں ہوسکتا۔ پس اس سورۃ میں بطور اشارت مسلمانوں کو یہ سکھلایا گیا ہے کہ یہود کی طرح آنے والے مسیح موعود کی تکذیب میں جلدی نہ کریں اور حیلہ بازی کے فتوے طیار نہ کریں اور اس کا نام لعنتی نہ رکھیں۔ ورنہ وہی لعنت اُلٹ کر اُن پر پڑے گی۔ ایسا ہی عیسائیوں کی طرح نادان دوست نہ بنیں اور ناجائز صفات اپنے پیشوا کی طرف منسوب نہ کریں پس بلا شبہ اس سورۃ میں مخفی طور پر میرا ذکر ہے اور ایک لطیف پیرایہ میں میری نسبت یہ ایک پیشگوئی ہے اور دُعا کے رنگ میں مسلمانوں کو سمجھایا گیا ہے کہ ایسا زمانہ تم پر بھی آئے گا اور تم بھی حیلہ جوئی سے مسیح موعود کو لعنتی ٹھہراؤ گے کیونکہ یہ بھی حدیث ہے کہ اگر یہودی سوسمار کے سوراخ میں داخل ہوئے ہیں تو مسلمان بھی داخل ہوں گے۔ یہ عجیب خدا تعالیٰ کی رحمت ہے کہ قرآن شریف کی پہلی سورۃ میں ہی جس کو پنج وقت مسلمان پڑھتے ہیں میرے آنے کی نسبت پیشگوئی کردی۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى ذٰلِكَ۔

(تحفہ گولڑویہ، روحانی خزائن جلد ۱۷ صفحہ ۱۱۰، ۱۱۱ حاشیہ)

چونکہ یہ اُمّت مرحومہ ہے اور خدا نہیں چاہتا کہ ہلاک ہوں۔ اِس لئے اُس نے یہ دُعا غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ کی سکھلا دی اور اس کو قرآن میں نازل کیا اور قرآن اسی سے شروع ہوا اور یہ دُعا مسلمانوں کی نمازوں میں داخل کردی تا وہ کسی وقت سوچیں اور سمجھیں کہ کیوں ان کو یہود کی اس سیرت سے ڈرایا گیا جس سیرت کو یہود نے نہایت بُرے طور سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ظاہر کیا تھا۔ یہ بات صاف طور پر سمجھ آتی ہے کہ اس دُعا میں جو سورۃ فاتحہ میں مسلمانوں کو سکھائی گئی ہے فرقہ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ سے مسلمانوں کا بظاہر کچھ بھی تعلق نہ تھا کیونکہ جبکہ قرآن شریف اور احادیث اور اتفاق علماءِ اسلام سے ثابت ہوگیا کہ مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ سے یہود مراد ہیں اور یہود بھی وہ جنہوں نے حضرت مسیح کو بہت ستایا اور دُکھ دیا تھا اور ان کا نام کافر اور لعنتی رکھا تھا

اور اُن کے قتل کرنے میں کچھ فرق نہیں کیا تھا اور توہین کو اُن کی مستورات تک پہنچا دیا تھا تو پھر مسلمانوں کو اِس دُعا سے کیا تعلق تھا اور کیوں یہ دُعا ان کو سکھلائی گئی۔ اب معلوم ہوا کہ یہ تعلق تھا کہ اس جگہ بھی پہلے مسیح کی مانند ایک مسیح آنے والا تھا اور مقدر تھا کہ اُس کی بھی ویسی ہی توہین اور تکفیر ہو لہٰذا یہ دُعا سکھلائی گئی جس کے یہ معنے ہیں کہ اے خدا! ہمیں اس گناہ سے محفوظ رکھ کہ ہم تیرے مسیح موعود کو دُکھ دیں اور اُس پر کفر کا فتویٰ لکھیں اور اس کو سزا دلانے کے لئے عدالتوں کی طرف کھینچیں اور اس کی پاکدامن اہلِ بیت کی توہین کریں اور اُس پر طرح طرح کے بہتان لگائیں اور اس کے قتل کے لئے فتوے دیں۔ غرض صاف ظاہر ہے کہ یہ دُعا اِسی لئے سکھلائی گئی کہ تا قوم کو اس یادداشت کے پرچہ کی طرح جس کو ہر وقت اپنی جیب میں رکھتے ہیں یا اپنی نشست گاہ کی دیوار پر لگاتے ہیں اس طرف توجہ دی جائے کہ تم میں بھی ایک مسیح موعود آنے والا ہے اور تم میں بھی وہ مادہ موجود ہے جو یہودیوں میں تھا۔ غرض اس آیت پر ایک محقّقانہ نظر کے ساتھ غور کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ ایک پیشگوئی ہے جو دُعا کے رنگ میں فرمائی گئی چونکہ اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ حسب وعدہ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ (النّور : ۵۶) آخری خلیفہ اس اُمّت کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رنگ میں آئے گا۔ اور ضرور ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح قوم کے ہاتھ سے دُکھ اُٹھائے اور اس پر کفر کا فتویٰ لکھا جاوے اور اس کے قتل کے ارادے کئے جائیں اس لئے ترحّم کے طور پر تمام مسلمانوں کو یہ دُعا سکھلائی کہ تم خدا سے پناہ چاہو کہ تم اُن یہودیوں کی طرح نہ بن جاؤ جنہوں نے موسوی سلسلہ کے مسیح موعود کو کافر ٹھہرایا تھا اور اس کی توہین کرتے تھے اور اُن کو گالیاں دیتے تھے اور اس دُعا میں صاف اشارہ ہے کہ تم پر بھی یہ وقت آنے والا ہے اور تم میں سے بھی بہتوں میں یہ مادہ موجود ہے۔ پس خبردار رہو اور دُعا میں مشغول رہو تا ٹھوکر نہ کھاؤ۔ اور اس آیت کا دوسرا فقرہ جو الضّالّین ہے جس کے یہ معنے ہیں کہ ہمیں اے ہمارے پروردگار اس بات سے بھی بچا کہ ہم عیسائی بن جائیں یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اُس زمانہ میں جب کہ مسیح موعود ظاہر ہوگا عیسائیوں کا بہت زور ہوگا اور عیسائیت کی ضلالت ایک سیلاب کی طرح زمین پر پھیلے گی۔ اور اِس قدر طوفانِ ضلالت جوش مارے گا کہ بجز دُعا کے اور کوئی چارہ نہ ہوگا اور تثلیث کے واعظ اس قدر مکر کا جال پھیلائیں گے کہ قریب ہوگا کہ راستبازوں کو بھی گمراہ کریں لہٰذا اِس دُعا کو بھی پہلی دُعا کے ساتھ شامل کر دیا گیا۔ اور اِسی ضلالت کے زمانہ کی طرف اشارہ ہے جو حدیث میں آیا ہے کہ جب تم دجّال کو دیکھو تو سورہ کہف کی پہلی آیتیں پڑھو۔

(تحفہ گولڑویہ، روحانی خزائن جلد ۱۷ صفحہ ۲۰۱ تا ۲۱۱)

یاد رکھو اور خوب یاد رکھو کہ سورۂ فاتحہ میں صرف دو فتنوں سے بچنے کے لئے دُعا سکھلائی گئی ہے۔

(۱) اوّل یہ فتنہ کہ اسلام کے مسیح موعود کو کافر قرار دینا۔ اُس کی توہین کرنا۔ اُس کی ذاتیات میں نقص نکالنے کی کوشش کرنا۔ اُس کے قتل کا فتویٰ دینا۔ جیسا کہ آیت غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ میں انہی باتوں کی طرف اشارہ ہے (۲) دوسرے نصاریٰ کے فتنے سے بچنے کے لئے دُعا سکھلائی گئی اور سورۃ کو اسی کے ذکر پر ختم کر کے اشارہ کیا گیا ہے کہ فتنۂ نصاریٰ ایک سیلِ عظیم کی طرح ہوگا اس سے بڑھ کر کوئی فتنہ نہیں۔ غرض اس تحقیق سے ظاہر ہے کہ اس عاجز کی نسبت قرآن شریف نے اپنی پہلی سورۃ میں ہی گواہی دے دی ورنہ ثابت کرنا چاہئے کہ کن مغضوب علیھم سے اِس سورۃ میں ڈرایا گیا ہے؟ کیا یہ سچ نہیں کہ حدیث اور قرآن شریف میں آخری زمانہ کے بعض علماء کو یہود سے نسبت دی ہے؟ کیا یہ سچ نہیں کہ مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ سے مراد وہ یہود ہیں جنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جو سلسلہ موسویہ کے آخری خلیفہ اور مسیح موعود تھے کافر ٹھہرایا تھا اور اُن کی سخت توہین کی تھی اور اُن کے پرائیویٹ امور میں افترائی طور پر نقص ظاہر کئے تھے۔ پس جبکہ یہی لفظ مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ کا اُن یہودیوں کے مثیلوں پر بولا گیا جن کا نام بوجہ تکفیر وتوہین حضرت مسیح مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ رکھا گیا تھا۔ پس اس جگہ مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ کے پورے مفہوم کو پیشِ نظر رکھ کر جب سوچا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ آنے والے مسیح موعود کی نسبت صاف اور صریح پیشگوئی ہے کہ وہ مسلمانوں کے ہاتھ سے پہلے مسیح کی طرح ایذا اُٹھائے گا۔ اور یہ دُعا کہ یا الٰہی ہمیں مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ ہونے سے بچا۔ اس کے قطعی، یقینی یہی معنے ہیں کہ ہمیں اس سے بچا کہ ہم تیرے مسیح موعود کو جو پہلے مسیح کا مثیل ہے ایذا نہ دیں اُس کو کافر نہ ٹھہرائیں۔ اِن معنوں کے لئے یہ قرینہ کافی ہے کہ مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ صرف اُن یہودیوں کا نام ہے جنہوں نے حضرت مسیح کو ایذا دی تھی اور حدیثوں میں آخری زمانہ کے علماء کا نام یہود رکھا گیا ہے یعنی وہ جنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تکفیر وتوہین کی تھی۔ اور اس دُعا میں ہے کہ یا الٰہی! ہمیں وہ فرقہ مت بنا جن کا نام مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ ہے۔ پس دُعا کے رنگ میں یہ ایک پیشگوئی ہے جو دو خبر پر مشتمل ہے۔ ایک یہ کہ اس اُمّت میں بھی ایک مسیح موعود پیدا ہوگا۔ اور دوسری یہ پیشگوئی ہے کہ بعض لوگ اس اُمّت میں سے اُس کی بھی تکفیر اور توہین کریں گے اور وہ لوگ موردِ غضبِ الٰہی ہوں گے اور اس وقت کا نشان یہ ہے کہ فتنہ نصاریٰ بھی اُن دنوں میں حدّ سے بڑھا ہوا ہوگا۔ جن کا نام ضالّین ہے اور ضالّین پر بھی یعنی عیسائیوں پر بھی اگرچہ خدا تعالیٰ کا غضب ہے کہ وہ خدا کے حکم کے شنوا نہیں ہوئے مگر اس غضب کے آثار قیامت کو

ظاہر ہوں گے۔ اور اس جگہ مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ سے وہ لوگ مراد ہیں جن پر بوجہ تکفیر و توہین و ایذا و ارادۂ قتل مسیح موعود کے دنیا میں ہی غضب الٰہی نازل ہوگا۔ یہ میرے جانی دشمنوں کے لئے قرآن کی پیشگوئی ہے۔

(تحفہ گولڑویہ، روحانی خزائن جلد ۱۷ صفحہ ۲۱۲، ۲۱۳)

اَلْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ سے وہ علماء یہودی مراد ہیں جنہوں نے شدت عداوت کی وجہ سے حضرت عیسیٰ کی نسبت یہ بھی روا نہ رکھا کہ ان کو مومن قرار دیا جائے بلکہ کافر کہا اور واجب القتل قرار دیا۔ اور مَغْضُوْبِ عَلَيْه وہ شدید الغضب انسان ہوتا ہے جس کے غضب کے غلو پر دوسرے کو غضب آوے۔ اور یہ دونوں لفظ باہم مقابل واقع ہیں۔ یعنی ضالّین وہ ہیں جنہوں نے افراط محبت سے حضرت عیسیٰ کو خدا بنایا اور اَلْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وہ یہودی ہیں جنہوں نے خدا کے مسیح کو افراط عداوت سے کافر قرار دیا۔ اس لئے مسلمانوں کو سورۃ فاتحہ میں ڈرایا گیا اور اشارہ کیا گیا کہ تمہیں یہ دونوں امتحان پیش آئیں گے۔ مسیح موعود آئے گا اور پہلے مسیح کی طرح اُس کی بھی تکفیر کی جائے گی اور ضالّین یعنی عیسائیوں کا غلبہ بھی کمال کو پہنچ جائے گا جو حضرت عیسیٰ کو خدا کہتے ہیں تم ان دونوں فتنوں سے اپنے تئیں بچاؤ اور بچنے کے لئے نمازوں میں دعائیں کرتے رہو۔ (تحفہ گولڑویہ، روحانی خزائن جلد ۱۷ صفحہ ۲۶۹ حاشیہ در حاشیہ)

ضالّین سے مراد صرف گمراہ نہیں بلکہ وہ عیسائی مراد ہیں جو افراطِ محبت کی وجہ سے حضرت عیسیٰ کی شان میں غلو کرتے ہیں۔ کیونکہ ضلالت کے یہ بھی معنے ہیں کہ افراطِ محبت سے ایک شخص کو ایسا اختیار کیا جائے کہ دوسرے کا عزّت کے ساتھ نام سُننے کی بھی برداشت نہ رہے جیسا کہ اس آیت میں بھی یہی معنے مراد ہیں کہ اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ (یوسف:۹۶)۔ (تحفہ گولڑویہ، روحانی خزائن جلد ۱۷ صفحہ ۲۶۹ حاشیہ در حاشیہ)

ضالّین پر اس سورۃ کو ختم کیا ہے۔ یعنی ساتویں آیت پر جو ضالّین کے لفظ پر ختم ہوتی ہے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ضالّین پر قیامت آئے گی۔ یہ سورۃ درحقیقت بڑے دقائق اور حقائق کی جامع ہے جیسا کہ ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں۔ اور اس سورۃ کی یہ دعا کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ یہ صاف اشارہ کر رہی ہے کہ اس اُمّت کے لئے ایک آنے والے گروہ مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ کے ظہور سے اور دوسرے گروہ ضالّین کے غلبہ کے زمانہ میں ایک سخت ابتلا در پیش ہے جس سے بچنے کے لئے پانچ وقت دعا کرنی چاہئے۔ اور یہ دعا سورۃ فاتحہ کی اس طور پر سکھائی گئی کہ پہلے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ سے مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ تک خدا کے محامد اور صفات جمالیہ اور جلالیہ

ظاہر فرمائے گئے تا دل بول اٹھے کہ وہی معبود ہے چنانچہ انسانی فطرت نے ان پاک صفات کا دلدادہ ہو کر اِيَّاكَ نَعْبُدُ کا اقرار کیا اور پھر اپنی کمزوری کو دیکھا تو اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کہنا پڑا۔ اور پھر خدا سے مدد پا کر یہ دعا کی جو جمیع اقسام شر سے بچنے کے لئے اور جمیع اقسام خیر کو جمع کرنے کے لئے کافی ووافی ہے۔ یعنی یہ دعا کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ۔ آمین۔

(تحفہ گولڑویہ۔ روحانی خزائن جلد ۱۷ صفحہ ۲۸۴، ۲۸۵ حاشیہ)

قرآن شریف کے رُو سے کئی انسانوں کا بروزی طور پر آنا مقدّر تھا۔ (۱) اوّل مثیلِ موسیٰ کا یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جیسا کہ آیت اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا ۙ شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا (المزّمل:۱۶) سے ثابت ہے (۲) دوم خلفاء موسیٰ کے مثیلوں کا جن میں مثیلِ مسیح بھی داخل ہے جیسا کہ آیت كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ (النّور:۵۶) سے ثابت ہے (۳) عام صحابہ کے مثیلوں کا جیسا کہ آیت وَّ اٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ (الجمعة:۴) سے ثابت ہے (۴) چہارم اُن یہودیوں کے مثیلوں کا جنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر کفر کا فتویٰ لکھا اور ان کو قتل کرنے کے لئے فتوے دیئے اور اُن کی ایذا اور قتل کے لئے سعی کی جیسا کہ آیت غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ میں جو دُعا سکھائی گئی ہے اس سے صاف مترشح ہو رہا ہے (۵) پنجم یہودیوں کے بادشاہوں کے اُن مثیلوں کا جو اسلام میں پیدا ہوئے جیسا کہ ان دو بالمقابل آیتوں سے جن کے الفاظ باہم ملتے ہیں سمجھا جاتا ہے اور وہ یہ ہیں:-

یہودیوں کے بادشاہوں کی نسبت	اسلام کے بادشاہوں کی نسبت
قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ (الاعراف:۱۳۰)	ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ (یونس:۱۵)

(تحفہ گولڑویہ، روحانی خزائن جلد ۱۷ صفحہ ۳۰۶)

اگر یہ لوگ بھی کفر اور قتل کا فتویٰ نہ دیتے تو غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ کی دعا جو سورہ فاتحہ میں سکھائی گئی ہے جو پیشگوئی کے رنگ میں تھی کیونکر پوری ہوتی کیونکہ سورہ فاتحہ میں جو غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ کا فقرہ ہے اس سے مراد جیسا کہ فتح الباری اور درّ منثور وغیرہ میں لکھا ہے یہودی ہیں۔ اور یہودیوں کا بڑا واقعہ جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے قریب تر زمانہ میں وقوع میں آیا وہ یہی واقعہ تھا جو انہوں نے

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کافر ٹھہرایا اور اس کو ملعون اور واجب القتل قرار دیا اور اس کی نسبت سخت درجہ پر غضب اور غصہ میں بھر گئے اس لئے وہ اپنے ہی غضب کی وجہ سے خدا تعالیٰ کی نظر میں مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ ٹھہرائے گئے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اس واقعہ سے چھ سو برس بعد میں پیدا ہوئے۔ اب ظاہر ہے کہ آپ کی اُمّت کو جو غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ کی دُعا سورہ فاتحہ میں سکھلائی گئی اور تاکید کی گئی کہ پانچ وقت کی نماز اور تہجد اور اشراق اور دونوں عیدوں میں یہی دُعا پڑھا کریں اس میں کیا بھید تھا؟ جس حالت میں ان یہودیوں کا زمانہ اسلام کے زمانہ سے پہلے مدّت سے منقطع ہو چکا تھا تو یہ دُعا مسلمانوں کو کیوں سکھلائی گئی اور کیوں اس دُعا میں یہ تعلیم دی گئی کہ مسلمان لوگ ہمیشہ خدا تعالیٰ سے پنجوقت پناہ مانگتے رہیں جو یہودیوں کا وہ فرقہ نہ بن جائیں جو مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ ہیں؟ پس اِس دُعا سے صاف طور پر سمجھ آتا ہے کہ اس اُمّت میں بھی ایک مسیح موعود پیدا ہونے والا ہے اور ایک فرقہ مسلمانوں کے علماء کا اس کی تکفیر کرے گا اور اُس کے قتل کی نسبت فتویٰ دے گا۔ لہٰذا سورہ فاتحہ میں غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ کی دعا کو تعلیم کر کے سب مسلمانوں کو ڈرایا گیا کہ وہ خدا تعالیٰ سے دُعا کرتے رہیں کہ ان یہودیوں کی مثل نہ بن جائیں جنہوں نے حضرت عیسیٰ بن مریم پر کفر کا فتویٰ لکھا تھا اور اُن پر قتل کا فتویٰ دیا تھا اور نیز ان کے پرائیویٹ اُمور میں دخل دے کر اُن کی ماں پر افترا کیا تھا اور خدا تعالیٰ کی تمام کتابوں میں یہ سنّت اور عادت مستمرّہ ہے کہ جب وہ ایک گروہ کو کسی کام سے منع کرتا ہے یا اس کام سے بچنے کے لئے دعا سکھلاتا ہے تو اس کا اس سے مطلب یہ ہوتا ہے کہ بعض اُن میں سے ضرور اس جرم کا ارتکاب کریں گے۔ لہٰذا اس اصول کے رو سے جو خدا تعالیٰ کی تمام کتابوں میں پایا جاتا ہے صاف سمجھ آتا ہے جو غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ کی دعا سکھلانے سے یہ مطلب تھا کہ ایک فرقہ مسلمانوں میں سے پورے طور پر یہودیوں کی پیروی کرے گا اور خدا کے مسیح کی تکفیر کر کے اور اس کی نسبت قتل کا فتویٰ لکھ کر اللہ تعالیٰ کو غضب میں لائے گا اور یہودیوں کی طرح مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ کا خطاب پائے گا۔ یہ ایسی صاف پیشگوئی ہے کہ جب تک انسان عمداً بے ایمانی پر کمربستہ نہ ہو اس سے انکار نہیں کر سکتا اور صرف قرآن نے ہی ایسے لوگوں کو یہودی نہیں بنایا بلکہ حدیث بھی یہی خطاب اُن کو دے رہی ہے اور صاف بتلا رہی ہے کہ یہودیوں کی طرح اس اُمّت کے علماء بھی مسیح موعود پر کفر کا فتویٰ لگائیں گے اور مسیح موعود کے سخت دشمن اس زمانہ کے مولوی ہوں گے کیونکہ اس سے ان کی عالمانہ عزّتیں جاتی رہیں گی۔ اور لوگوں کے رجوع میں فرق آ جائے گا اور یہ حدیثیں اسلام میں بہت مشہور ہیں یہاں تک کہ فتوحات مکّی میں بھی اس کا ذکر ہے کہ

مسیح موعود جب نازل ہوگا تو اس کی یہی عزّت کی جائے گی کہ اس کو دائرہ اسلام سے خارج کیا جائے گا اور ایک مولوی صاحب اٹھیں گے اور کہیں گے انّ ھٰذا الرجل غیّر دیننا۔ یعنی یہ شخص کیسا مسیح موعود ہے اِس شخص نے تو ہمارے دین کو بگاڑ دیا۔ یعنی یہ ہماری حدیثوں کے اعتقاد کو نہیں مانتا اور ہمارے پُرانے عقیدوں کی مخالفت کرتا ہے۔ اور بعض حدیثوں میں یہ بھی آیا ہے کہ اس اُمّت کے بعض علماء یہودیوں کی سخت پیروی کریں گے یہاں تک کہ اگر کسی یہودی مولوی نے اپنی ماں سے زنا کیا ہے تو وہ بھی اپنی ماں سے زنا کریں گے اور اگر کوئی یہودی فقیہ سوسمار کے سوراخ کے اندر گھسا ہے تو وہ بھی گھسیں گے۔ یہ بات بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ انجیل اور قرآن شریف میں جہاں یہودیوں کا کچھ خراب حال بیان کیا ہے وہاں دنیا داروں اور عوام کا تذکرہ نہیں بلکہ ان کے مولوی اور فقیہ اور سردار کاہن مراد ہیں جن کے ہاتھ میں کفر کے فتوے ہوتے ہیں اور جن کے وعظوں پر عوام افروختہ ہو جاتے ہیں۔ اسی واسطے قرآن شریف میں ایسے یہودیوں کی اس گدھے سے مثال دی ہے جو کتابوں سے لدا ہوا ہو۔ ظاہر ہے کہ عوام کو کتابوں سے کچھ سروکار نہیں۔ کتابیں تو مولوی لوگ رکھا کرتے ہیں۔ لہٰذا یہ بات یاد رکھنے کے لائق ہے کہ جہاں انجیل اور قرآن اور حدیث میں یہودیوں کا ذکر ہے وہاں ان کے مولوی اور علماء مراد ہیں۔ اور اسی طرح غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ کے لفظ سے عام مسلمان مراد نہیں ہیں۔ بلکہ اُن کے مولوی مراد ہیں۔

(تحفہ گولڑویہ، روحانی خزائن جلد ۱۷ صفحہ ۳۲۸ تا ۳۳۰)

قرآن شریف کی پہلی ہی سورت میں جو اللہ تعالیٰ نے تاکید فرمائی ہے کہ مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ اور ضَآلِّيْنَ لوگوں میں سے نہ بننا۔ یعنی اے مسلمانوں تم یہود اور نصاریٰ کے خصائل کو اختیار نہ کرنا۔ اس میں سے بھی ایک پیشگوئی نکلتی ہے کہ بعض مسلمان ایسا کریں گے۔ یعنی ایک زمانہ آوے گا کہ اُن میں سے بعض یہود اور نصاریٰ کے خصائل اختیار کریں گے۔ کیونکہ حکم ہمیشہ ایسے امر کے متعلق دیا جاتا ہے جس کی خلاف ورزی کرنے والے بعض لوگ ہوتے ہیں۔ (الحکم جلد ۵ نمبر ۱۲ مؤرخہ ۳۱ مارچ ۱۹۰۱ء صفحہ ۱۰)

قرآن شریف کو سورۃ فاتحہ سے شروع کر کے غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ پر ختم کیا ہے۔ لیکن جب ہم مسلمانوں کے معتقدات پر نظر کرتے ہیں تو دجّال کا فتنہ ان کے ہاں عظیم الشان فتنہ ہے اور یہ ہم کبھی تسلیم نہیں کر سکتے ہیں کہ خدا تعالیٰ دجّال کا ذکر ہی بھول گیا ہو۔ نہیں بات اصل یہ ہے کہ دجّال کا مفہوم سمجھنے میں لوگوں نے دھوکا کھایا ہے۔ سورۃ فاتحہ میں جو دو فتنوں سے بچنے کی دعا سکھائی ہے۔ اوّل

غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡهِمۡ ۔ غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ سے مراد باتفاق جمیع اہل اسلام یہود ہیں اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایک وقت اُمّت پر آنے والا ہے جب کہ وہ یہود سے تشابہ پیدا کرے گی اور وہ زمانہ مسیح موعود ہی کا ہے جب کہ اس کے انکار اور کفر پر اسی طرح زور دیا جائے۔ جیسا کہ حضرت مسیح ابن مریم کے کفر پر یہودیوں نے دیا تھا۔ غرض اس دعا میں یہ سکھایا گیا کہ یہود کی طرح مسیح موعود کی توہین اور تکفیر سے ہم کو بچا اور دوسرا عظیم الشان فتنہ جس کا ذکر سورۃ فاتحہ میں کیا ہے اور جس پر سورۃ فاتحہ کو ختم کر دیا ہے وہ نصاریٰ کا فتنہ ہے۔ جو وَ لَا الضَّآلِّیۡنَ میں بیان فرمایا ہے۔

اب جب قرآن شریف کے انجام پر نظر کی جاتی ہے تو وہ بھی ان دونوں فتنوں کے متعلق کھلی کھلی شہادت دیتا ہے مثلاً غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ کے مقابل میں سورت تَبَّتۡ یَدَا ہے مجھے بھی فتویٰ کفر سے پہلے یہ الہام ہوا تھا۔ وَ اِذۡ یَمۡکُرُ بِكَ الَّذِیۡ كَفَّرَ ۔ اَوۡقِدۡ لِیۡ یٰهَامٰنُ لَعَلِّیۡۤ اَطَّلِعُ عَلٰۤی اِلٰهِ مُوۡسٰی ۔ وَ اِنِّیۡ لَاَظُنُّهٗ مِنَ الۡكٰذِبِیۡنَ ۔ تَبَّتۡ یَدَاۤ اَبِیۡ لَهَبٍ وَّ تَبَّ ۔ مَا كَانَ لَهٗۤ اَنۡ یَّدۡخُلَ فِیۡهَاۤ اِلَّا خَآئِفًا وَ مَاۤ اَصَابَكَ فَمِنَ اللّٰهِ یعنی وہ زمانہ یاد کر جب کہ مکفّر تجھ پر تکفیر کا فتویٰ لگائے گا۔ اور اپنے کسی حامی کو جس کا لوگوں پر اثر پڑ سکتا ہو کہے گا کہ میرے لئے اس فتنہ کی آگ بھڑکا تا میں دیکھ لوں کہ یہ شخص جو موسیٰ کی طرح کلیم اللہ ہونے کا مدّعی ہے خدا اس کا معاون ہے یا نہیں اور میں تو اُسے جھوٹا خیال کرتا ہوں۔ ابی لہب کے دونوں ہاتھ ہلاک ہو گئے اور آپ بھی ہلاک ہو گیا اس کو نہیں چاہئے تھا کہ اس میں دخل دیتا مگر ڈرڈر کر اور جو رنج تجھے پہنچے گا۔ وہ خدا کی طرف سے ہے۔

غرض سورت تبّت میں غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡهِمۡ کے فتنہ کی طرف اشارہ ہے اور وَ لَا الضَّآلِّیۡنَ کے مقابل قرآن شریف کے آخر میں سورہ اخلاص ہے اور اس کے بعد کی دونوں سورتیں سورۃ الفلق اور سورۃ النّاس ان دونوں کی تفسیر ہیں ان دونوں سورتوں میں اس تیرہ و تار زمانہ سے پناہ مانگی گئی ہے جب کہ مسیح موعود پر کفر کا فتویٰ لگا کر مَغۡضُوۡبِ عَلَیۡهِمۡ کا فتنہ پیدا ہوگا اور عیسائیت کی ضلالت اور ظلمت دنیا پر محیط ہونے لگے گی۔ پس جیسے سورہ فاتحہ میں جو ابتدائے قرآن ہے ان دونوں بلاؤں سے محفوظ رہنے کی دعا سکھائی گئی ہے اسی طرح قرآن شریف کے آخر میں بھی ان فتنوں سے محفوظ رہنے کی دعا تعلیم کی تا کہ یہ بات ثابت ہو جاوے کہ اوّل بآخر نسبتے دارد......

اَلضَّآلِّیۡنَ کے مقابل آخر کی تین سورتیں ہیں۔ اصل تو قُلۡ هُوَ اللّٰهُ ہے اور باقی دونوں سورتیں اس کی

شرح ہیں......

آخر سورۃ میں شیطانی وسوسوں سے محفوظ رہنے کی دعا تعلیم فرمائی ہے جیسے سورۃ فاتحہ کو اَلضَّالّین پر ختم کیا تھا ویسے ہی آخری سورۃ میں خنّاس کے ذکر پر ختم کیا تا کہ خنّاس اور اَلضّالّین کا تعلّق معلوم ہو...... کس طرح پر ایک دائرہ کی طرح خدا نے اس سلسلہ کو رکھا ہوا ہے ولاالضالّین پر سورۃ فاتحہ کو جو قرآن کا آغاز ہے ختم کیا اور پھر قرآن شریف کے آخر میں وہ سورتیں رکھیں جن کا تعلق سورۃ فاتحہ کے انجام سے ہے۔

(الحکم جلد ۶ نمبر ۸ مؤرخہ ۲۸ر فروری ۱۹۰۲ء صفحہ ۴، ۵)

اگر کوئی ہم سے سیکھے تو سارا قرآن ہمارے ذکر سے بھرا ہوا ہے ابتدا ہی میں ہے صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّيْنَ اب ان سے کوئی پوچھے کہ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ کونسا فرقہ تھا تمام فرقے اسلام کے اس بات پر متّفق ہیں کہ وہ یہودی تھے اور ادھر حدیث شریف میں ہے کہ میری اُمّت یہودی ہو جاوے گی تو پھر بتلاؤ کہ اگر مسیح نہ ہوگا تو وہ یہودی کیسے بنیں گے۔

(البدر جلد ۱ نمبر ۹ مورخہ ۲۶ر دسمبر ۱۹۰۲ء صفحہ ۶۸)

سورہ فاتحہ میں صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کہہ کر مسیح موعود کی پیشگوئی فرمائی۔ اور پھر اس سورہ میں مغضوب اور ضالّین دو گروہوں کا ذکر کر کے یہ بھی بتا دیا کہ جب مسیح موعود آئے گا تو اس وقت ایک قوم مخالفت کرنے والی ہوگی جو مغضوب قوم یہودیوں کے نقشِ قدم پر چلے گی اور ضالّین میں یہ اشارہ کیا کہ قتلِ دجّال اور کسرِ صلیب کے لئے آئے گا۔ کیونکہ مغضوب سے یہود اور ضالّین سے نصاریٰ بالاتفاق مراد ہیں۔

(الحکم جلد ۷ نمبر ۱۶ مؤرخہ ۳۰ر اپریل ۱۹۰۳ء صفحہ ۲)

مجھے مسلمانوں کی حالت پر افسوس آتا ہے کہ ان کے سامنے یہودیوں کی ایک نظیر پہلے سے موجود ہے اور پانچ وقت یہ اپنی نمازوں میں غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ کی دعا کرتے ہیں اور یہ بھی بالاتفاق مانتے ہیں کہ اس سے مراد یہود ہیں۔ پھر میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس راہ کو یہ کیوں اختیار کرتے ہیں۔

(الحکم جلد ۹ نمبر ۳۲ مؤرخہ ۱۰ر ستمبر ۱۹۰۵ء صفحہ ۸)

جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں یہود کی حالت تھی وہی حالت مسلمانوں کی موعود مسیح محمدی کے زمانہ ہو جائے گی۔ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّيْنَ میں اسی کی طرف تو اشارہ ہے۔ خود مسلمانوں سے پوچھ لو کہ آخری زمانہ کے مسلمانوں اور علماء کا کیا حال لکھا ہے۔ یہی لکھا ہے کہ ایسے ہو جاویں گے۔

(الحکم جلد ۱۲ نمبر ۱۴ مؤرخہ ۱۴ر جولائی ۱۹۰۸ء صفحہ ۱۲)

سورۃ فاتحہ کا ذکر تھا آپ نے فرمایا کہ

اس میں تین گروہوں کا ذکر ہے اوّل منعم علیہم۔ دوم مغضوب۔ سوم ضالّین۔ مغضوب سے مراد بالاتفاق یہود ہیں اور ضالّین سے نصاریٰ۔ اب تو سیدھی بات ہے کہ کوئی دانشمند باپ بھی اپنی اولاد کو وہ تعلیم نہیں دیتا جو اس کے لئے کام آنے والی نہ ہو پھر خدا تعالیٰ کی نسبت یہ کیونکر روا رکھ سکتے ہیں کہ اس نے ایسی دعا تعلیم کی جو پیش آنے والے امور نہ تھے؟ نہیں بلکہ یہ امور سب واقعہ ہونے والے تھے مغضوب سے مراد یہود ہیں اور دوسری طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اُمّت کے بعض لوگ یہودی صفت ہو جائیں گے یہاں تک کہ ان سے تشبّہ اختیار کریں گے کہ اگر یہودی نے ماں سے زنا کیا ہو تو وہ بھی کریں گے۔ اب وہ یہودی جو خدا تعالیٰ کے عذاب کے نیچے آئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے اُن پر لعنت پڑی تھی۔ اس سے صاف پایا جاتا ہے کہ مسیح موعود کے زمانہ میں یہ سب واقعات پیش آئیں گے۔ وہ وقت اب آ گیا ہے۔ میری مخالفت میں یہ لوگ ان سے ایک قدم بھی پیچھے نہیں رہے۔

(الحکم جلد ۶ نمبر ۲۹ مؤرخہ ۱۷/اگست ۱۹۰۲ء صفحہ ۸)

وہ یہودی جو حضرت مسیح علیہ السلام کے وقت میں موجود تھے۔ خدا نے دُعا غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡہِمۡ سکھلا کر اشارہ فرما دیا کہ وہ بروزی طور پر اس اُمّت میں بھی آنے والے ہیں تا بروزی طور پر وہ بھی اس مسیح موعود کو ایذا دیں جو اِس اُمّت میں بروزی طور پر آنے والا ہے بلکہ یہ فرمایا کہ تم نمازوں میں سورۃ فاتحہ کو ضروری طور پر پڑھو۔ یہ سکھلاتا ہے کہ مسیح موعود کا ضروری طور پر آنا مقدّر ہے۔ ایسا ہی قرآن شریف میں اِس اُمّت کے اشرار کو یہود سے نسبت دی گئی اور صرف اسی قدر نہیں بلکہ ایسے شخص کو جو مریمی صفت سے محض خدا کے نفخ سے عیسوی صفت حاصل کرنے والا تھا اُس کا نام سورۃ تحریم میں ابن مریم رکھ دیا ہے کیونکہ فرمایا ہے کہ جبکہ مثالی مریم نے بھی تقویٰ اختیار کیا تو ہم نے اپنی طرف سے رُوح پھونک دی اِس میں اشارہ تھا کہ مسیح ابن مریم میں کلمۃ اللہ ہونے کی کوئی خصوصیت نہیں بلکہ آخری مسیح بھی کلمۃ اللہ ہے اور رُوح اللہ بھی بلکہ ان دونوں صفات میں وہ پہلے سے زیادہ کامل ہے جیسا کہ سورۃ تحریم اور سورۃ فاتحہ اور سورۃ النّور اور آیت کُنۡتُمۡ خَیۡرَ اُمَّۃٍ اُخۡرِجَتۡ (آل عمران:۱۱۱) سے سمجھا جاتا ہے۔ (تریاق القلوب، روحانی خزائن جلد ۱۵ صفحہ ۴۸۴)

غرض یہ سلسلہ موسوی سلسلہ سے کسی صورت میں کم نہ رہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں تک تو مماثلت اور مطابقت میں فرمایا کہ بدی کا حِصّہ بھی تم کو ویسے ہی ملے گا جیسے یہود کو ملا۔ اور اس سلسلہ کی

نسبت بار بار ذکر ہوا کہ اخیر تک اس کی عظمت قائم رکھے گا سورۃ فاتحہ میں بھی اس کا ذکر ہے جب کہ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّيْنَ فرمایا۔ مغضوب سے مراد یہودی ہیں۔

اب قابل غور یہ امر ہے کہ یہودی کیسے مغضوب ہوئے۔ انہوں نے پیغمبروں کو نہ مانا اور حضرت عیسیٰ کا انکار کیا تو ضرور تھا کہ اس اُمّت میں بھی کوئی زمانہ ایسا ہوتا اور ایک مسیح آتا جس سے یہ لوگ انکار کرتے اور وہ مماثلت پوری ہوتی۔ ورنہ کوئی ہم کو بتائے کہ اگر اسلام پر ایسا زمانہ کوئی آنے والا ہی نہ تھا اور نہ کوئی مسیح آنا تھا پھر اس دُعائے فاتحہ کی تعلیم کا کیا فائدہ تھا۔ (الحکم جلد ۷ نمبر ۳ مؤرخہ ۲۴؍جنوری ۱۹۰۳ء صفحہ ۹)

کتاب اللہ کو کھول کر دیکھ لو وہ فیصلہ کرتی ہے پہلی ہی سورۃ کو پڑھو جو سورہ فاتحہ ہے جس کے بغیر نماز بھی نہیں ہو سکتی دیکھو اس میں کیا تعلیم دی ہے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّيْنَ۔

اب صاف ظاہر ہے کہ اس دعا میں مغضوب اور ضالّین کی راہ سے بچنے کی دعا ہے۔ مغضوب سے بالاتفاق یہودی مراد ہیں اور ضالّین سے عیسائی۔ اگر اس اُمّت میں یہ فتنہ اور فساد پیدا نہ ہونے والا تھا تو پھر اس دُعا کی تعلیم کی کیا غرض تھی؟ سب سے بڑا فتنہ تو اَلدّجّال کا تھا مگر یہ نہیں کہا وَلَا الدّجّال کیا خدا تعالیٰ کو اس فتنہ کی خبر نہ تھی؟ اصل یہ ہے کہ یہ دعا بڑی پیشگوئی اپنے اندر رکھتی ہے ایک وقت اُمّت پر ایسا آنے والا تھا کہ یہودیت کا رنگ اس میں آ جاوے گا اور یہودی وہ قوم تھی جس نے حضرت مسیح کا انکار کیا تھا۔ پس یہاں جو فرمایا کہ یہودیوں سے بچنے کی دعا کرو۔ اس کا یہی مطلب ہے کہ تم بھی یہودی نہ بن جانا یعنی مسیح موعود کا انکار نہ کر بیٹھنا اور ضالّین یعنی نصاریٰ کی راہ سے بچنے کی دعا جو تعلیم کی تو اس سے معلوم ہوا کہ اُس وقت صلیبی فتنہ خطرناک ہوگا۔ اور یہی سب فتنوں کی جڑ اور ماں ہوگا دجّال کا فتنہ اس سے الگ نہ ہوگا۔ ورنہ اگر الگ ہوتا تو ضرور تھا کہ اُس کا بھی نام لیا جاتا۔ (الحکم جلد ۷ نمبر ۷ مؤرخہ ۲۱؍فروری ۱۹۰۳ء صفحہ ۲)

صرف قرآن کا ترجمہ اصل میں مفید نہیں جب تک اس کے ساتھ تفسیر نہ ہو مثلاً غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّيْنَ کی نسبت کسی کو کیا سمجھ آ سکتا ہے کہ اس سے مراد یہود نصاریٰ ہیں جب تک کہ کھول کر نہ بتلایا جاوے اور پھر یہ دعا مسلمانوں کو کیوں سکھلائی گئی؟ اس کا یہی منشا تھا کہ جیسے یہودیوں نے حضرت مسیحؑ کا انکار کر کے خدا کا غضب کمایا۔ ایسے ہی آخری زمانہ میں اس اُمّت نے بھی مسیح موعود کا انکار کر کے خدا کا

غضب کمانا تھا اسی لئے اوّل ہی ان کو بطور پیشگوئی کے اطلاع دی گئی کہ سعید روحیں اس وقت غضب سے بچ سکیں۔ (البدر جلد ۲ نمبر ۴۱، ۴۲ مؤرخہ ۲۹/اکتوبر ۱۹۰۳ء صفحہ ۳۲۲)

اللہ تعالیٰ نے ہم کو سورہ فاتحہ میں یہ دعا سکھائی کہ اے خدا نہ تو ہمیں مغضوب علیہم میں سے بنائیو اور نہ ضالّین میں سے۔ اب سوچنے کا مقام ہے کہ ان ہر دو کا مرجع حضرت عیسیٰ ہی ہیں۔ مغضوب علیہ وہ قوم ہے جس نے حضرت (عیسیٰ) کے ساتھ عداوت کرنے اور اُن کو ہر طرح سے دکھ دینے میں غلوّ کیا اور ضالّین وہ لوگ ہیں جنہوں نے اُن کے ساتھ محبت کرنے میں غلوّ کیا اور خدائی صفات اُن کو دے دیئے۔ صرف ان دونوں کی حالت سے بچنے کے واسطے ہم کو دعا سکھائی گئی ہے اگر دجّال ان کے علاوہ کوئی اور ہوتا تو یہ دعا اِس طرح سے ہوتی کہ غیر المغضوب علیہم ولا الدّجّال۔ یہ ایک پیشگوئی ہے جو کہ اِس زمانہ کے ہر دو قسم کے شر سے آگاہ کرنے کے واسطے مسلمانوں کو پہلے سے خبردار کرتی ہے۔ یہ عیسائیوں کے مشن ہی ہیں جو کہ اِس زمانہ میں ناخنوں تک زور لگا رہے ہیں کہ اسلام کو سطح دنیا سے نابود کر دیں اسلام کے واسطے یہ سخت مضر ہو رہے ہیں۔

(الحکم جلد ۱۰ نمبر ۳۲ مؤرخہ ۱۷/ستمبر ۱۹۰۶ء صفحہ ۴)

لَا شَكَّ أَنَّ سَيِّدَنَا سَيِّدَ الْأَنَامِ وَ صَدْرَ الْإِسْلَامِ، كَانَ مَثِيْلَ مُوْسٰى، فَاقْتَضَتْ رِعَايَةُ الْمُقَابَلَةِ أَنْ يُّبْعَثَ فِيْ اٰخِرِ زَمَنِ الْأُمَّةِ مَثِيْلُ عِيْسٰى. وَإِلَيْهِ أَشَارَ رَبُّنَا فِي الصُّحُفِ الْمُطَهَّرَةِ، فَإِنْ شِئْتُمْ فَفَكِّرُوْا فِيْ سُوْرَةِ النُّوْرِ وَ التَّحْرِيْمِ وَ الْفَاتِحَةِ.

هٰذَا مَا كَتَبَ رَبُّنَا الَّذِيْ لَا يَبْلُغُ عِلْمَهُ الْعَالِمُوْنَ، فَبِأَيِّ حَدِيْثٍ بَعْدَهٗ تُؤْمِنُوْنَ؟

(مواہب الرحمٰن، روحانی خزائن جلد ۱۹ صفحہ ۲۷۸، ۲۷۹)

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے آقا سرورِ کائنات اور بانی اسلام حضرت موسیٰؑ کے مثیل تھے۔ اسی تقابل کی مناسبت نے اِس بات کا تقاضا کیا کہ اس اُمّت کے آخری زمانہ میں حضرت عیسیٰؑ کا ایک مثیل مبعوث ہو۔ اسی کی طرف خدا تعالیٰ نے پاک صحیفوں میں اشارہ فرمایا ہے۔ اگر تم چاہو تو سورہ نور سورہ تحریم اور سورہ فاتحہ میں غور کرو۔

یہ ہمارے ربّ کا نوشتہ ہے جس کو عالم لوگ از خود نہیں جان سکتے۔ پھر تم اِس کے بعد کس بات پر ایمان لاؤ گے۔ (ترجمہ از مرتب)

اس اُمّت کے لئے سلسلہ موسوی کی مماثلت کے لحاظ سے ضروری تھا کہ ایک مسیح آئے اور علاوہ بریں

چونکہ اس اُمّت کے لئے یہ کہا گیا تھا کہ آخری زمانہ میں وہ یہود کے ہمرنگ ہو جائے گی۔ چنانچہ بالاتفاق غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ میں مغضوب سے مراد یہود لی گئی ہے۔ پھر یہ یہودی تو اسی وقت ہوتے جب اُن کے سامنے بھی ایک عیسیٰ پیش ہوتا اور اسی طرح پر یہ بھی انکار کر دیتے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ آنے والا عیسیٰ آ گیا اور انہوں نے انکار کر دیا۔ (الحکم جلد ۹ نمبر ۳۹ مؤرخہ ۱۰ رنومبر ۱۹۰۵ء صفحہ ۴)

یہ جو اللہ تعالیٰ نے سورہ فاتحہ میں فرمایا ہے کہ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّیْنَ۔ اس میں ہم نے غور کیا تو معلوم ہوتا ہے کہ آنے والے شخص میں دو قسم کی صفات کی ضرورت ہے۔ اوّل تو عیسوی صفات اور دوسرے محمدی صفات کی کیونکہ مَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ سے مراد یہود اور الضَّآلِّیْنَ سے مراد نصاریٰ ہیں۔ جب یہود نے شرارت کی تھی تو حضرت عیسیٰؑ ان کے واسطے آئے تھے جب نصاریٰ کی شرارت زیادہ بڑھ گئی تو آنحضرت تشریف آور ہوئے تھے اور یہاں خدا تعالیٰ نے دونوں کا فتنہ جمع کیا اندرونی یہود اور بیرونی نصاریٰ جن کے لئے آنے والا بھی آنحضرت کا کامل بروز اور حضرت عیسیٰ کا پورا نقشہ ہونا چاہئے تھا۔

(الحکم جلد ۷ نمبر ۱۸ مؤرخہ ۱۷ رمئی ۱۹۰۳ء صفحہ ۲)

قرآن شریف سے مستنبط ہوتا ہے کہ اس اُمّت پر دو۲ زمانے بہت خوفناک آئیں گے۔ ایک وہ زمانہ جو ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آیا۔ اور دوسرا وہ زمانہ جو دجّالی فتنہ کا زمانہ ہے جو مسیح کے عہد میں آنے والا تھا جس سے پناہ مانگنے کے لئے اس آیت میں اشارہ ہے۔ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّیْنَ۔ اور اسی زمانہ کے لئے یہ پیشگوئی سورہ نور میں موجود ہے۔ وَ لَیُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا (النور: ۵۶) اس آیت کے معنے پہلی آیت کے ساتھ ملا کر یہ ہیں کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس دین پر آخری زمانہ میں ایک زلزلہ آئے گا اور خوف پیدا ہو جائے گا کہ یہ دین ساری زمین پر سے گم نہ ہو جائے۔ تب خدا تعالیٰ دوبارہ اس دین کو روئے زمین پر متمکن کر دے گا اور خوف کے بعد امن بخش دے گا۔ (لیکچر لاہور، روحانی خزائن جلد ۲۰ صفحہ ۱۸۷)

غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ سے مراد مولوی ہیں کیونکہ ایسی باتوں میں اوّل نشانہ مولوی ہی ہوا کرتے ہیں دنیاداروں کو تو دین سے تعلق ہی کم ہوتا ہے۔ (البدر جلد ۲ نمبر ۱۷ مؤرخہ ۱۵ رمئی ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۳۱)

یہود ایک قوم کا نام ہے جو حضرت موسیٰ کی اُمّت کہلائی ان بدقسمتوں نے شوخیاں کی تھیں۔ سب نبیوں کو دکھ دیا۔ یہ قاعدے کی بات ہے کہ جو کسی بدی میں کمال تک پہنچتا ہے اور نامی ہو جاتا ہے تو پھر اس بدی میں

اسی کا نام لیا جاتا ہے۔ڈاکو تو کئی ہوئے مگر بعض ڈاکو خصوصیّت سے مشہور ہیں۔دیکھو ہزاروں پہلوان گذرے ہیں مگر رستم کا نام ہی مشہور ہے۔یہ یہود چونکہ اوّل درجے کے شرارت کرنے والے تھے اور نبیوں کے سامنے شوخیاں کرتے۔اس لئے ان کا نام مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ ہو گیا یوں تو مغضوب علیہم اور بھی ہیں۔

(البدر جلد ۷ نمبر ۱ مؤرخہ ۹ر جنوری ۱۹۰۸ء صفحہ ۷)

وَ فِيْ اٰيَةِ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ إِشَارَةٌ وَّحَثٌّ عَلٰى دُعَآءِ صِحَّةِ الْمَعْرِفَةِ كَأَنَّهٗ يُعَلِّمُنَا وَ يَقُوْلُ ادْعُوا اللّٰهَ أَنْ يُّرِيَكُمْ صِفَاتَهٗ كَمَا هِيَ وَ يَجْعَلَكُمْ مِنَ الشَّاكِرِيْنَ لِأَنَّ الْأُمَمَ الْأُوْلٰى مَا ضَلُّوْا إِلَّا بَعْدَ كَوْنِهِمْ عُمْيًا فِيْ مَعْرِفَةِ صِفَاتِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَ إِنْعَامَاتِهٖ وَمَرْضَاتِهٖ فَكَانُوْا يُفْنُوْنَ الْأَيَّامَ فِيْمَا يَزِيْدُ الْاٰثَامَ فَحَلَّ غَضَبُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ فَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَكَانُوْا مِنَ الْهَالِكِيْنَ۔ وَ إِلَيْهِ أَشَارَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْ قَوْلِهٖ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَسِيَاقُ كَلَامِهٖ يُعْلِمُ أَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ لَا يَتَوَجَّهُ إِلَّا إِلٰى قَوْمٍ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْ قَبْلِ الْغَضَبِ فَالْمُرَادُ مِنَ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ فِي الْاٰيَةِ قَوْمٌ عَصَوْا فِيْ نَعْمَآءٍ وَّاٰلَاءٍ رَّزَقَهُمُ اللّٰهُ خَآصَّةً وَّاتَّبَعُوا الشَّهَوَاتِ وَنَسُوا الْمُنْعِمَ وَ حَقَّهٗ وَكَانُوْا مِنَ الْكَافِرِيْنَ۔ وَ أَمَّا الضَّآلُّوْنَ

آیت اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ میں اشارہ ہے اور اِس امر پر ترغیب دلائی گئی ہے کہ صحیح معرفت کے لئے دعا کی جاوے گویا کہ اللہ تعالیٰ ہمیں تعلیم دیتے ہوئے فرماتا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ وہ اپنی صفات کی ماہیت تمہیں دکھائے اور تمہیں شکر گزار بندوں میں سے بناوے کیونکہ پہلی قومیں اللہ تعالیٰ کی صفات، اُس کے انعامات اور اس کی خوشنودی کی معرفت سے اندھا ہونے کے بعد ہی گمراہ ہوئی ہیں۔ انہوں نے اپنی زندگی کے دن ایسے اعمال میں ضائع کر دیئے جن اعمال نے اُنہیں گناہوں میں اور بھی آگے بڑھا دیا۔پس اُن پر خدا کا غضب نازل ہوا اور اُن پر خواری مسلّط کر دی گئی اور وہ ہلاک ہونے والوں میں شامل ہو گئے۔اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ میں اسی کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔سیاقِ کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا غضب انہی لوگوں کا رُخ کرتا ہے جن پر اس غضب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے انعام کئے ہوں۔پس اس آیت میں مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے ان نعمتوں اور برکتوں کے بارے میں جو اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر اُنہیں پر نازل فرمائی تھیں اس (کے احکام) کی نافرمانی کی۔ اپنی خواہشات کی پیروی کی اور انعام کرنے

فَهُمْ قَوْمٌ أَرَادُوْا أَنْ يَّسْلُكُوْا مَسْلَكَ الصَّوَابِ وَلٰكِنْ لَّمْ يَكُنْ مَّعَهُمْ مِّنَ الْعُلُوْمِ الصَّادِقَةِ وَ الْمَعَارِفِ الْمُنِيْرَةِ الْحَقَّةِ وَ الْأَدْعِيَةِ الْعَاصِمَةِ الْمُوَفِّقَةِ بَلْ غَلَبَتْ عَلَيْهِمْ خَيَالَاتٌ وَّهْمِيَّةٌ فَرَكَنُوْا إِلَيْهَا وَ جَهِلُوْا طَرِيْقَهُمْ وَ أَخْطَأُوْا مَشْرَبَهُمْ مِّنَ الْحَقِّ فَضَلُّوْا وَمَا سَرَحُوْا أَفْكَارَهُمْ فِيْ مَرَاعِي الْحَقِّ الْمُبِيْنِ. وَ الْعَجَبُ مِنْ أَفْكَارِهِمْ وَ عُقُوْلِهِمْ وَ أَنْظَارِهِمْ أَنَّهُمْ جَوَّزُوْا عَلَى اللهِ وَعَلٰى خَلْقِهٖ مَا يَأْبٰى مِنْهُ الْفِطْرَةُ الصَّحِيْحَةُ وَالْإِشْرَاقَاتُ الْقَلْبِيَّةُ وَلَمْ يَعْلَمُوْا أَنَّ الشَّرَآئِعَ تَخْدِمُ الطَّبَائِعَ وَالطَّبِيْبُ مُعِيْنٌ لِّلطَّبِيْعَةِ لَا مُنَازِعٌ لَّهَا فَيَاحَسْرَةً عَلَيْهِمْ مَا أَلْهَاهُمْ عَنْ صِرَاطِ الصَّادِقِيْنَ.

والے خدا اور اس کے حق کو بھول گئے اور منکروں میں شامل ہوگئے۔اسی طرح ضالّین سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے صحیح رستہ چلنے کا ارادہ تو کیا لیکن صحیح علوم، روشن اور حقیقی معارف اور محفوظ رکھنے والی اور توفیق بخشنے والی دعائیں اُن کے شاملِ حال نہ ہوئیں۔ بلکہ اُن پر توہمات غالب آ گئے اور وہ ان کی طرف جھک گئے۔ (اپنے صحیح) راستوں سے بھٹک گئے اور سچے مشرب کو بھول گئے۔ پس وہ گمراہ ہوگئے اور انہوں نے اپنے افکار کو واضح اور کھلی سچائی کی چراگاہوں میں نہیں چھوڑا۔ اور ان کے افکار، ان کی عقلوں اور نظروں پر تعجب ہے کہ انہوں نے خدا تعالیٰ اور اس کی مخلوق پر وہ کچھ جائز قرار دیدیا جس کو فطرتِ صحیحہ اور قلبی انوار ہرگز قبول نہیں کرتے۔وہ نہیں جانتے کہ شریعتیں (دراصل) طبائع کی (بطورِ علاج) خدمت کرتی ہیں اور طبیب طبیعت کا معاون ہوتا ہے نہ اس کا مخالف۔پس افسوس ہے کہ یہ لوگ صادقوں کی راہ سے کتنے غافل ہیں۔

وَ فِيْ هٰذِهِ السُّوْرَةِ يُعَلِّمُ اللهُ تَعَالٰى عِبَادَهُ الْمُسْلِمِيْنَ فَكَأَنَّهٗ يَقُوْلُ يَا عِبَادِ إِنَّكُمْ رَأَيْتُمُ الْيَهُوْدَ وَ النَّصَارٰى فَاجْتَنِبُوْا شِبْهَ أَعْمَالِهِمْ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ الدُّعَآءِ وَالْإِسْتِعَانَةِ وَلَا تَنْسَوْا نَعْمَآءَ اللهِ كَالْيَهُوْدِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبُهٗ وَلَا تَتْرُكُوا الْعُلُوْمَ الصَّادِقَةَ وَالدُّعَآءَ

اِس سورت میں اللہ تعالیٰ اپنے فرمانبردار بندوں کو تعلیم دیتے ہوئے فرماتا ہے کہ اے میرے بندو! تم نے یہود و نصاریٰ کو دیکھ لیا ہے۔ پس تم ان جیسے اعمال کرنے سے اجتناب کرو اور دعا اور اِستعانت کے طریق کو مضبوطی سے پکڑو اور یہود کی طرح اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو نہ بھولو۔ ورنہ تم پر خدا تعالیٰ کا غضب نازل ہوگا۔ نیز تم سچے علوم اور دُعا کو ترک نہ کرو اور ہدایت کی تلاش میں

وَلَا تَهِنُوْا مِنْ طَلَبِ الْهِدَايَةِ كَالنَّصَارٰى فَتَكُوْنُوْا مِنَ الضَّآلِّيْنَ۔
(کرامات الصادقین، روحانی خزائن جلد ۷ صفحہ ۱۲۳، ۱۲۴)

عیسائیوں کی طرح سستی نہ کرو ورنہ تم بھی گمراہوں میں شامل ہو جاؤ گے۔ (ترجمہ از مرتب)

وَ جُمْلَةُ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ اِشَارَةٌ إِلٰى رِعَايَةِ حُسْنِ الْاٰدَابِ وَالتَّأَدُّبِ مَعَ رَبِّ الْأَرْبَابِ فَإِنَّ لِلدُّعَآءِ اٰدَابًا وَّ لَا يَعْرِفُهَا إِلَّا مَنْ كَانَ تَوَّابًا وَّمَنْ لَّا يُبَالِي الْاٰدَابَ فَيَغْضِبُ اللهُ عَلَيْهِ إِذَا أَصَرَّ عَلَى الْغَفْلَةِ وَمَا تَابَ فَلَا يَرٰى مِنْ دُعَآئِهٖ إِلَّا الْعُقُوْبَةَ وَالْعَذَابَ فَلِأَجْلِ ذٰلِكَ قَلَّ الْفَآئِزُوْنَ فِي الدُّعَآءِ وَ كَثُرَ الْهَالِكُوْنَ لِحُجُبِ الْعُجْبِ وَ الْغَفْلَةِ وَالرِّيَآءِ ۔ وَ إِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَدْعُوْنَ إِلَّا وَ هُمْ مُّشْرِكُوْنَ وَإِلٰى غَيْرِ اللهِ مُتَوَجِّهُوْنَ بَلْ إِلٰى زَيْدٍ وَّبَكْرٍ يَّنْظُرُوْنَ فَاللهُ لَا يَقْبَلُ دُعَآءَ الْمُشْرِكِيْنَ وَ يَتْرُكُهُمْ فِيْ بَيْدَآئِهِمْ تَآئِهِيْنَ وَ إِنَّ حَبْوَةَ اللهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُنْكَسِرِيْنَ۔ وَ لَيْسَ الدَّاعِي الَّذِيْ يَنْظُرُ إِلٰى أَطْرَافٍ وَّ أَنْحَآءٍ وَّيُخْتَلَبُ بِكُلِّ بَرْقٍ وَّضِيَآءٍ وَّيُرِيْدُ أَنْ يُّتْرِعَ كُمَّهٗ وَلَوْ بِوَسَآئِلِ الْأَصْنَامِ وَيَغْلُوْ

غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ کے جملہ میں حُسنِ ادب کی رعایت رکھنے اور خدائے پروردگار کے ساتھ ادب کا طریق اختیار کرنے کی طرف اشارہ ہے کیونکہ دعا کرنے کے بھی کچھ آداب ہیں اور اُنہیں وہی شخص سمجھ سکتا ہے جو (اللہ تعالیٰ کی طرف) جھکنے والا ہو۔ جو شخص ان آداب کی پروا نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اُس سے ناراض ہو جاتا ہے۔ جب وہ (اپنی) غفلت پر اصرار کرتا ہے اور توبہ نہیں کرتا تو اُسے اپنی دعا سے (اپنی بداعمالیوں کی) سزا اور عذاب کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اس لئے دعا میں کامیابی حاصل کرنے والے لوگ بہت کم ہوتے ہیں اور تکبّر، غفلت اور ریاء کے پردوں کی وجہ سے ہلاک ہونے والے زیادہ ہوتے ہیں کیونکہ اکثر لوگ جب دعا کرتے ہیں تو ساتھ ہی شرک کے مرتکب ہوتے ہیں اور غیر اللہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں بلکہ زید و بکر کی طرف نگاہِ امید رکھتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ ایسے مشرکوں کی دعاؤں کو قبول نہیں کیا کرتا اور اُنہیں اپنے بیابانوں میں حیران و پریشان چھوڑے رکھتا ہے۔ البتہ اللہ تعالیٰ کے انعامات منکسر المزاج لوگوں کے بہت قریب ہیں۔ (لیکن) وہ شخص تو دعا کرنے والا نہیں (کہلا سکتا) ہے جو (خدا کے سوا) اِدھر اُدھر دیکھتا رہتا ہے۔ ہر چمک اور روشنی سے دھوکا کھا جاتا ہے اور چاہتا ہے کہ وہ اپنی آستین بھر لے خواہ بُتوں کے وسیلہ سے ہی ہو۔ اور بھیک حاصل کرنے کے شوق میں

كُلَّ رَبْوَةٍ رَّاغِبًا فِيْ حَبْوَةٍ وَّيَبْغِيْ مَعْشُوْقَ الْمَرَامِ وَلَوْ بِتَوَسُّلِ اللِّئَامِ وَالْفَاسِقِيْنَ. بَلِ الدَّاعِي الصَّادِقُ هُوَ الَّذِيْ يَتَبَتَّلُ إِلَى اللهِ تَبْتِيْلًا وَّ لَا يَسْأَلُ غَيْرَهٗ فَتِيْلًا وَّ يَجِيْءُ اللهَ كَالْمُنْقَطِعِيْنَ الْمُسْتَسْلِمِيْنَ وَ يَكُوْنُ إِلَى اللهِ سَيْرُهٗ وَلَا يَعْبَأُ بِمَنْ هُوَ غَيْرُهٗ وَلَوْ كَانَ مِنَ الْمُلُوْكِ وَالسَّلَاطِيْنِ. وَ الَّذِيْ يَكُبُّ عَلٰى غَيْرِهٖ وَلَا يَقْصِدُ الْحَقَّ فِيْ سَيْرِهٖ فَهُوَ لَيْسَ مِنَ الدَّاعِيْنَ الْمُوَحِّدِيْنَ بَلْ كَزَامِلَةِ الشَّيَاطِيْنِ فَلَا يَنْظُرُ اللهُ إِلٰى طَلَاوَةِ كَلِمَاتِهٖ وَيَنْظُرُ إِلٰى خُبْثَةِ نِيَّاتِهٖ وَإِنَّمَا هُوَ عِنْدَ اللهِ مَعَ حَلَاوَةِ لِسَانِهٖ وَحُسْنِ بَيَانِهٖ كَمِثْلِ رَوْثٍ مُّفَضَّضٍ أَوْ كَنِيْفٍ مُّبَيَّضٍ قَدْ اٰمَنَتْ شَفَتَاهُ وَقَلْبُهٗ مِنَ الْكَافِرِيْنَ. فَأُولٰئِكَ الَّذِيْنَ غَضِبَ اللهُ عَلَيْهِمْ وَهُمُ الْمُرَادُوْنَ مِنْ قَوْلِهٖ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ إِنَّهُمْ دُعُوْا إِلٰى سُبُلِ الْحَقِّ فَتَرَكُوْهَا بَعْدَ رُؤْيَتِهَا وَتَخَيَّرُوا الْمَفَاسِدَ بَعْدَ التَّنَبُّهِ عَلٰى خُبْثَتِهَا وَ انْطَلَقُوْا ذَاتَ الشِّمَالِ وَمَا انْطَلَقُوْا ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَ إِنَّهُمْ رَكَنُوْا

اونچی (دشوار گزار) جگہ پر پہنچتا ہے۔ وہ اپنے خیالی معشوق کو ڈھونڈتا ہے خواہ کمینوں اور بدکرداروں کے توسُّل سے ہی ہو۔ لیکن صحیح دعا کرنے والا وہ ہے جو صرف اللہ تعالیٰ کی طرف پوری طرح منقطع ہو جاتا ہے اور اُس کے غیر سے کچھ نہیں مانگتا اور تبتّل اختیار کرنے والوں اور فرماں برداروں کی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف آتا ہے۔ اُس کی دوڑ خدا کی طرف ہی ہوتی ہے اور وہ اُس کے غیر کی پروا نہیں کرتا۔ خواہ وہ کوئی بادشاہ ہو یا سلطان۔ اور جو شخص خدا تعالیٰ کے سوا کسی اور (کی دہلیز) پر جھکتا ہے اور راہِ سلوک میں اللہ تعالیٰ کو مقصود نہیں بناتا وہ خدا کو واحد مان کر دعا کرنے والوں سے نہیں بلکہ شیطان کے ساتھیوں کی طرح ہے۔ پس اللہ تعالیٰ اُس کے الفاظ کی رونق کی پروا نہیں کرتا بلکہ اُس کی نیّتوں کی خباثتوں کو دیکھتا ہے اور ایسا شخص اللہ تعالیٰ کے نزدیک اپنی زبان کی مٹھاس اور طرزِ بیان کی خوبصورتی کے باوجود ایسے گوبر کی طرح ہے جس پر چاندی کا ملمع کیا گیا ہو یا ایسے بیت الخلاء کی طرح ہے جس پر سفیدی کی گئی ہو۔ اُس کے ہونٹ تو مومن ہیں مگر وہ دل سے کافر ہے۔ پس یہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کا غضب بھڑکتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے کلام مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ سے وہی لوگ مراد ہیں۔ ان لوگوں کو حق کے راستوں کی طرف بلایا گیا لیکن اُنہوں نے ان راستوں کو دیکھ لینے کے باوجود انہیں چھوڑ دیا اور بداعمالیوں کے مفاسد کو اُن کی خباثت کو جاننے کے باوجود اختیار کر لیا۔ وہ بائیں طرف چل پڑے اور اُنہوں نے دائیں طرف رُخ نہ کیا۔ وہ جھوٹ کی

إِلَى الْمَيْنِ وَمَا بَقِيَ إِلَّا قِيْلُ رُمْحَيْنِ وَعَلِمُوا الْحَقَّ بَعْدَ مَا كَانُوْا عَارِفِيْنَ. وَأَمَّا الضَّآلُّوْنَ الَّذِيْنَ أُشِيْرَ إِلَيْهِمْ فِيْ قَوْلِهٖ عَزَّ وَجَلَّ الضَّآلِّيْنَ فَهُمُ الَّذِيْنَ وَجَدُوْا طَرِيْقًا طَامِسًا فِيْ لَيْلٍ دَامِسٍ فَزَاغُوْا عَنِ الْمَحَجَّةِ قَبْلَ ظُهُوْرِ الْحُجَّةِ وَقَامُوْا عَلَى الْبَاطِلِ غَافِلِيْنَ. وَمَا كَانَ مِصْبَاحٌ يُّؤَمِّنُهُمُ الْعِثَارَ أَوْ يُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰثَارَ فَسَقَطُوْا فِيْ هُوَّةِ الضَّلَالِ غَيْرَ مُتَعَمِّدِيْنَ. وَلَوْ كَانُوْا مِنَ الدَّاعِيْنَ بِدُعَآءِ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ لَحَفِظَهُمْ رَبُّهُمْ وَلَأَرَاهُمُ الدِّيْنَ الْقَوِيْمَ وَلَنَجَّاهُمْ مِنْ سُبُلِ الضَّلَالَةِ وَلَهَدَاهُمْ إِلٰى طُرُقِ الْحَقِّ وَ الْحِكْمَةِ وَالْعَدَالَةِ لِيَجِدُوا الصِّرَاطَ غَيْرَ مَلُوْمِيْنَ. وَلٰكِنَّهُمْ بَادَرُوْا إِلَى الْأَهْوَآءِ وَمَا دَعَوْا رَبَّهُمْ لِلْاِهْتِدَآءِ وَمَا كَانُوْا خَآئِفِيْنَ بَلْ لَوَّوْا رُؤُوْسَهُمْ مُسْتَكْبِرِيْنَ. وَ سَرَتْ حُمَيَّا الْعُجْبِ فِيْهِمْ فَرَفَضُوا الْحَقَّ لِهَفَوَاتٍ خَرَجَتْ مِنْ فِيْهِمْ وَ لَفَظَتْهُمْ تَعَصُّبَاتُهُمْ إِلٰى بَوَادِي الْهَالِكِيْنَ.

(کرامات الصادقین، روحانی خزائن جلد ۷ صفحہ ۱۳۵، ۱۳۶)

طرف ایسے مائل ہو گئے حتی کہ دو نیزہ بھر فرق بھی باقی نہ رہا۔ اُنہوں نے حق کو جاننے کے باوجود اسے معدوم قرار دیدیا۔ لیکن وہ گمراہ لوگ جن کی طرف اللہ کے کلام اَلضّالّین میں اشارہ ہے وہ لوگ ہیں جنہوں نے اندھیری رات میں مٹے ہوئے راستہ کو پا تو لیا تھا لیکن وہ اس راستہ کے خلاف کسی پختہ دلیل کے ظہور سے قبل ہی اس راستہ سے بھٹک گئے اور غافل (ہوکر) باطل پر قائم ہو گئے۔ اُنہیں ایسا کوئی چراغ (ہدایت) نہ ملا جو انہیں لغزش سے محفوظ رکھتا اور انہیں راہِ حق کے آثار دکھاتا۔ پس وہ نادانستہ گمراہی کے گڑھے میں جا پڑے۔ اگر وہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کی دعا کرنے والے ہوتے تو اُن کا پروردگار انہیں ضرور محفوظ رکھتا اور اُنہیں سچا دین دکھاتا اور انہیں ضلالت کے رستوں سے نجات دیتا اور اُن کی حق وحکمت اور عدل کے راستوں کی طرف راہنمائی کرتا تا وہ (صحیح) راستہ پا لیتے اِس طرح اُن پر کوئی ملامت نہ ہوتی۔ لیکن انہوں نے نفسانی خواہشات کی طرف جلد قدم بڑھایا اور ہدایت کے لئے اپنے پروردگار سے دعا نہ کی اور نہ ہی خدا تعالیٰ سے خائف ہوئے بلکہ انہوں نے تکبّر کرتے ہوئے اپنے سر پھیر لئے اور خود بینی کا جوش اُن میں سرایت کر گیا۔ پس اُنہوں نے ان فضول باتوں کی وجہ سے جو اُن کے منہ سے نکلیں حق کو چھوڑ دیا اور ان کے تعصّبات نے ان کو ہلاک ہونے والے لوگوں کے جنگلوں میں پھینک دیا۔ (ترجمہ از مرتب)

غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّيْنَ۔ مغضوب علیہم سے وہ لوگ مراد ہیں جو خدائے تعالیٰ کے مقابل پر

قوتِ غضبی کو استعمال کر کے قویٰ سبعیہ کی پیروی کرتے ہیں اور ضالّین سے وہ مراد ہیں جو قویٰ بہیمیّہ کی پیروی کرتے ہیں۔ اور میانہ طریق وہ ہے جس کو لفظ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ سے یاد فرمایا ہے۔ غرض اس مبارک اُمّت کے لئے قرآن شریف میں وسط کی ہدایت ہے۔ توریت میں خدائے تعالیٰ نے انتقامی امور پر زور دیا تھا اور انجیل میں عفو اور درگزر پر زور دیا تھا اور اس اُمّت کو موقع شناسی اور وسط کی تعلیم ملی۔

(اسلامی اصول کی فلاسفی، روحانی خزائن جلد ۱۰ صفحہ ۳۷۷)

مغضوب قوتِ سبعی کے نیچے ہے۔ یہود اس قوت کے ماتحت اور مغلوب رہے اور عیسائی قوتِ واہمہ کے نیچے۔ شرک اسی قوتِ واہمہ سے پیدا ہوتا ہے قوتِ سبعی والا تو افراط سے کام لیتا ہے کہ جہاں ڈرنے کا حق ہے وہاں بھی نہیں ڈرتا۔ اور قوتِ واہمہ کا مغلوب رسّی کو سانپ سمجھ کر اس سے بھی ڈر جاتا ہے۔ پس عیسائی تو اس قدر گرے کہ انہوں نے ایک مُردہ انسان کو خدا بنا لیا اور یہودی اتنے بڑھے کہ انہوں نے سرے ہی سے انکار کر دیا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں تین قوموں کا ذکر کیا ہے اور تین ہی قسم کے لوگ رکھے بھی ہیں۔ اوّل وہ جو اعتدال سے کام لینے والے ہیں یہ منعم علیہ گروہ ہوتا ہے ان کی راہ صراطِ مستقیم ہے۔ دوم افراط والی قوم اس کا نام مغضوب ہے۔ سوم تفریط سے کام لینے والے یہ ضالین ہیں۔ مغضوب کا لفظ بتاتا ہے کہ خدا تعالیٰ کسی پر غضب نہیں کرتا بلکہ خود انسان اپنے افعالِ بد سے اس غضب کو کھینچ لیتا ہے۔

(الحکم جلد ۵ نمبر ۵ مؤرخہ ۱۰؍فروری ۱۹۰۱ء صفحہ ۱۲)

قرآن شریف میں وَ لَا الضَّآلِّيْنَ تو کہا اگر دجّال کوئی الگ چیز تھی تو چاہئے تھا وَلَا الدّجّال بھی کہا ہوتا۔ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ اور وَ لَا الضَّآلِّيْنَ کے متعلق تمام مفسّر متفق ہیں کہ ان سے یہودی اور عیسائی مراد ہیں جب پانچ وقت نمازوں میں ان فتنوں سے بچنے کے لئے دعا تعلیم کی گئی ہے کہ الضَّآلِّيْنَ سے نہ کرنا اور نہ مغضوب قوم میں سے بنانا تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ سب سے بڑا اور اہم فتنہ یہی تھا۔ جو اُمُّ الفتن کہنا چاہئے۔

(الحکم جلد ۶ نمبر ۳۹ مؤرخہ ۳۱؍اکتوبر ۱۹۰۲ء صفحہ ۲)

مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ سے مراد یہود ہیں اور ضالّین سے مراد نصاریٰ ہیں یہود نے اتنی ظاہر پرستی کی کہ باطنی احکام کا کچھ لحاظ نہ کیا اور نصاریٰ نے اتنی باطن پرستی کہ ظاہری احکام کا کچھ لحاظ نہ رکھا اور احکامِ الٰہی کو جو چراغ اور حقیقت نما تھے فضول سمجھ کر ترک کر دیا اور ہر ایک کے باطنی معنی کر لئے اور سمجھ لیا کہ مسیح میں وہ سب

پورے ہو گئے اس طرح گمراہ ہو گئے اور افراط تفریط میں پڑ گئے اور کلام مجید ان دونوں کو نقطہ اعتدال پر قائم کرتا ہے۔ (الحکم جلد ۷ نمبر ۳ مؤرخہ ۲۴؍جنوری ۱۹۰۳ء صفحہ ۴)

کلام اللہ میں مَغۡضُوۡبِ عَلَیۡهِمۡ نام یہودیوں کا ہے جنہوں نے صرف ظاہر پرستی شروع کر کے باطن کا انکار کیا اور لَا الضَّآلِّیۡنَ نام نصاریٰ کا ہے جنہوں نے ظاہر کا انکار کیا اور گمراہ ہو گئے کیونکہ ظاہر نمونہ اور چراغ ہے واسطے باطن کے۔ جو کوئی نمونہ چھوڑ دے وہ گمراہ ہو جاتا ہے سو سورہ فاتحہ میں یہی ظاہر ظاہر افراط اور تفریط ان دونوں فرقوں کی طرف اشارہ ہوا ہے جو آیا ہے۔ غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡهِمۡ وَ لَا الضَّآلِّیۡنَ۔

(الحکم جلد ۷ نمبر ۳ مؤرخہ ۲۴؍جنوری ۱۹۰۳ء صفحہ ۴)

سورہ فاتحہ میں بار بار غور کرنے سے معلوم ہوا ہے کہ مفسّرین کا بھی اس پر اتفاق ہے کہ مَغۡضُوۡبِ عَلَیۡهِمۡ سے مراد یہودی مولوی اور ضالّین سے مراد نصاریٰ مولوی ہیں ان دونوں کا اکٹھا ذکر کرنے سے صریح اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ کوئی نہ کوئی شخص بروزی رنگ میں آنے والا ہے غیر المغضوب وہ لوگ تھے جو مسیحؑ سے سرکش ہوئے اور ضالّین وہ جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے سرکش ہوئے پس اس لئے اس آنے والے میں دونوں رنگ ہوئے۔ اُمّتِ محمدیہ کو جو یہ دعا تعلیم کی تو معلوم ہوا کہ ان کے لئے یہ واقعہ پیش آنے والا ہے اور اس لئے یہ مقام جمع کر دیئے کہ وہ دونوں رنگ اپنے اندر رکھے گا۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۱۷ مؤرخہ ۱۵ مئی ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۳۱)

جیسے شیشہ میں انسان کی شکل نظر آتی ہے حالانکہ وہ شکل بذات خود الگ قائم ہوتی ہے اس کا نام بروز ہے۔ اس کا سرّ سورہ فاتحہ میں ہی ہے جیسے کہ لکھا ہے کہ اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡهِمۡ غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡهِمۡ وَ لَا الضَّآلِّیۡنَ تمام مفسروں نے مغضوب سے مراد یہود اور ضالّین سے مراد نصاریٰ لئے ہیں۔ (البدر جلد ۲ نمبر ۳۳ مورخہ ۴؍ستمبر ۱۹۰۳ء صفحہ ۲۵۸)

سورہ فاتحہ میں پہلے حسن و احسان ہی کو دکھایا ہے اور اگر ان سے انسان اس کی طرف رجوع نہیں کرتا تو پھر تیسری صورت غضب کی بھی ہے اس لئے غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡهِمۡ وَ لَا الضَّآلِّیۡنَ کہہ کر ڈرایا ہے لیکن مبارک وہی شخص ہے جو اس کے حسن اور احسان سے فائدہ اُٹھاتا ہے۔ اور اُس کے احکام کی پیروی کرتا ہے اس سے خدا قریب ہو جاتا ہے اور دعاؤں کو سنتا ہے۔ (الحکم جلد ۷ نمبر ۱۲ مؤرخہ ۳۱؍مارچ ۱۹۰۳ء صفحہ ۳)

غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ سے مفسّرین یہود مراد لیتے ہیں مگر اصل بات یہ ہے کہ جو بداعمالی کرے گا پکڑا جائے گا اور خدا کے غضب میں آئے گا۔ اس میں یہود کی تخصیص نہیں۔ (بدر جلد ۷ نمبر ۱ مؤرخہ ۹؍جنوری ۱۹۰۸ء صفحہ ۷)

ابرار اخیار کے بڑے گروہ جن کے ساتھ بد مذاہب کی آمیزش نہیں وہ دو ہی ہیں ایک پہلوں کی جماعت یعنی صحابہ کی جماعت جو زیر تربیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہے دوسری پچھلوں کی جماعت جو بوجہ تربیت رُوحانی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جیسا کہ آیت وَاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ سے سمجھا جاتا ہے صحابہ کے رنگ میں ہیں۔ یہی دو جماعتیں اسلام میں حقیقی طور پر مُنْعَمْ عَلَيْهِمْ ہیں اور خدائے تعالیٰ کا انعام اُن پر یہ ہے کہ اُن کو انواع اقسام کی غلطیوں اور بدعات سے نجات دی ہے اور ہر ایک قسم کے شرک سے ان کو پاک کیا ہے اور خالص اور روشن توحید ان کو عطا فرمائی ہے جس میں نہ دجّال کو خدا بنایا جاتا ہے اور نہ ابن مریم کو خدائی صفات کا شریک ٹھہرایا جاتا ہے اور اپنے نشانوں سے اس جماعت کے ایمان کو قوی کیا ہے اور اپنے ہاتھ سے ان کو ایک پاک گروہ بنایا ہے ان میں سے جو لوگ خدا کا الہام پانے والے اور خدا کے خاص جذبہ سے اس کی طرف کھنچے ہوئے ہیں نبیوں کے رنگ میں ہیں اور جو لوگ اُن میں سے بذریعہ اپنے اعمال کے صدق اور اخلاص دکھلانے والے اور ذاتی محبت سے، بغیر کسی غرض کے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والے ہیں وہ صدیقوں کے رنگ میں ہیں اور جو لوگ اُن میں سے آخری نعمتوں کی امید پر دُکھ اُٹھانے والے اور جزا کے دن کا بچشم دل مشاہدہ کر کے جان کو ہتھیلی پر رکھنے والے ہیں وہ شہیدوں کے رنگ میں ہیں اور جو لوگ اُن میں سے ہر ایک فساد سے باز رہنے والے ہیں وہ صلحاء کے رنگ میں ہیں اور یہی سچے مسلمان کا مقصود بالذّات ہے کہ اِن مقامات کو طلب کرے اور جب تک حاصل نہ ہوں تب تک طلب اور تلاش میں سُست نہ ہو اور وہ دو گروہ جو ان لوگوں کے مقابل پر بیان فرمائے گئے ہیں وہ مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ اور ضالّین ہیں جن سے محفوظ رہنے کے لئے خدا تعالیٰ سے اِسی سورۃ فاتحہ میں دُعا مانگی گئی ہے۔ اور یہ دُعا جس وقت اکٹھی پڑھی جاتی ہے یعنی اس طرح پر کہا جاتا ہے کہ اے خدا ہمیں مُنْعَمْ عَلَيْهِمْ میں داخل کر اور مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ اور ضَالِّيْن سے بچا تو اُس وقت صاف سمجھ آتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے علم میں مُنْعَمْ عَلَيْهِمْ میں سے ایک وہ فریق ہے جو مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ اور ضَالِّيْن کا ہم عصر ہے اور جبکہ مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ سے مراد اس سورۃ میں بالیقین وہ لوگ ہیں جو مسیح موعود سے انکار کرنے والے اور اس کی تکفیر اور تکذیب اور توہین کرنے والے ہیں تو بلاشبہ اُن کے مقابل پر مُنْعَمْ عَلَيْهِمْ سے وہی لوگ اس جگہ مراد رکھے گئے ہیں جو صدقِ دل سے مسیح موعود پر ایمان لانے والے اور اُس کی دل سے تعظیم کرنے والے اور اس کے انصار ہیں اور دُنیا کے سامنے اس کی گواہی دیتے ہیں۔ رہے ضالّین۔ پس جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی

شہادت ☆ اور تمام اکابر اسلام کی شہادت سے ضالّین سے مراد عیسائی ہیں اور ضالّین سے پناہ مانگنے کی دُعا بھی ایک پیشگوئی کے رنگ میں ہے کیونکہ ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عیسائیوں کا کچھ بھی زور نہ تھا بلکہ فارسیوں کی سلطنت بڑی قوت اور شوکت میں تھی۔ اور مذاہب میں سے تعداد کے لحاظ سے بدھ مذہب دنیا میں تمام مذاہب سے زیادہ بڑھا ہوا تھا اور مجوسیوں کا مذہب بھی بہت زور وجوش میں تھا اور ہندو بھی علاوہ قومی اتفاق کے بڑی شوکت اور سلطنت اور جمعیت رکھتے تھے اور چینی بھی اپنی تمام طاقتوں میں بھرے ہوئے تھے تو پھر اس جگہ طبعاً یہ سوال ہوتا ہے کہ یہ تمام قدیم مذاہب جن کی بہت پُرانی اور زبردست سلطنتیں تھیں اور جن کی حالتیں قومی اتفاق اور دولت اور طاقت اور قدامت اور دوسرے اسباب کی رُو سے بہت ترقی پر تھیں اُن کے شر سے بچنے کے لئے کیوں دُعا نہیں سکھلائی؟ اور عیسائی قوم جو اُس وقت نسبتی طور پر ایک کمزور قوم تھی کیوں اُن کے شر سے محفوظ رہنے کے لئے دُعا سکھلائی گئی؟ اس سوال کا یہی جواب ہے جو بخوبی یاد رکھنا چاہئے کہ خدا تعالیٰ کے علم میں یہ مقدّر تھا کہ یہ قوم روز بروز ترقی کرتی جائے گی یہاں تک کہ تمام دنیا میں پھیل جائے گی اور اپنے مذہب میں داخل کرنے کے لئے ہر ایک تدبیر سے زور لگائیں گے اور کیا علمی سِلسلہ کے رنگ میں اور کیا مالی ترغیبوں سے اور کیا اخلاق اور شیرینی کلام دکھلانے سے اور کیا دولت اور شوکت کی چمک سے اور کیا نفسانی شہوات اور اباحت اور بےقیدی کے ذرائع سے اور کیا نکتہ چینیوں اور اعتراضات کے ذریعہ سے اور کیا بیماروں اور ناداروں اور درماندوں اور یتیموں کا متکفّل بننے سے ناخنوں تک یہ کوشش کریں گے کہ کسی بدقسمت نادان یا لالچی یا شہوت پرست یا جاہ طلب یا بیکس یا کسی بچہ بے پدرو مادر کو اپنے قبضہ میں لا کر اپنے مذہب میں داخل کریں سو اسلام کے لئے یہ ایک ایسا فتنہ تھا کہ کبھی اسلام کی آنکھ نے اس کی نظیر نہیں دیکھی اور اسلام کے لئے یہ ایک عظیم الشان ابتلا تھا جس سے لاکھوں

☆ (بیہقی نے شعب الایمان میں ابن عباس سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ سورہ فاتحہ میں المغضوب علیہم سے مراد یہود اور الضالین سے مراد نصاریٰ ہیں۔ دیکھو کتاب درّ منثور صفحہ نمبر ۹ اور عبدالرزاق اور احمد نے اپنی مسند میں اور عبد ابن حمید اور ابن جریر اور بغوی نے معجم الصحابہ میں اور ابن منذر اور ابو الشیخ نے عبداللہ بن شقیق سے روایت کی ہے۔ قَالَ اَخْبَرَنِیْ مَنْ سَمِعَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَھُوَ بِوَادِی الْقُرٰی عَلٰی فَرَسٍ لَّہٗ وَ سَأَلَہٗ رَجُلٌ مِّنْ بَنِی الْعَیْنِ فَقَالَ مَنِ الْمَغْضُوْبُ عَلَیْھِمْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ۔ قَالَ ،اَلْیَھُوْدُ۔ قَالَ فَمَنِ الضَّآلُّوْنَ۔ قَالَ النَّصَارٰی۔ یعنی کہا کہ مجھے اس شخص نے خبر دی ہے جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا تھا جبکہ آپ وادی قریٰ میں گھوڑے پر سوار تھے کہ بنی عین میں سے ایک شخص نے آنحضرت سے سوال کیا کہ سورہ فاتحہ میں مغضوب علیہم سے کون مراد ہے فرمایا کہ یہود۔ پھر سوال کیا کہ ضالّین سے کون مراد ہے فرمایا کہ نصاریٰ۔ دُرِّ منثور صفحہ نمبر ۱۷۔ منہ

انسانوں کے ہلاک ہو جانے کی امید تھی۔ اس لئے خدا نے سورہ فاتحہ میں جس سے قرآن کا افتتاح ہوتا ہے اس مہلک فتنہ سے بچنے کے لئے دُعا سکھلائی اور یاد رہے کہ قرآن شریف میں یہ ایک عظیم الشان پیشگوئی ہے جس کی نظیر اور کوئی پیشگوئی نہیں۔ (تحفہ گولڑویہ، روحانی خزائن جلد ۱۷ صفحہ ۲۲۷ تا ۲۳۰)

اَلْفَاتِحَةُ تَفْتَحُ عَلَيْكُمْ بَابَ الْهُدٰى فَإِنَّ اللّٰهَ بَدَاءَ فِيْهَا مِنَ الْمَبْدَاءِ وَجَعَلَ اٰخِرَ الْاَزْمِنَةِ زَمَنَ الضَّآلِّيْنَ وَاِنَّهُمْ هُمُ النَّصَارٰى كَمَا جَآءَ مِنْ نَّبِيِّنَا الْمُجْتَبٰى فَاَيْنَ فِيْهَا ذِكْرُ دَجَّالِكُمْ فَاَرُوْنَاهُ مِنَ الْقُرْاٰنِ۔
(خطبہ الہامیہ، روحانی خزائن جلد ۱۶ صفحہ ۱۱۵)

سورہ فاتحہ تمہارے لئے ہدایت کی راہ کھولتی ہے چنانچہ خدا تعالیٰ نے اس میں مبدء عالم سے ابتدا کیا ہے اور دنیا کے اس سلسلہ کو ضالّین کے زمانہ پر ختم کیا ہے اور وہ نصاریٰ کا گروہ ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیثِ صحیحہ میں آیا ہے اب بتاؤ تمہارے دجّال کا ذکر سورۃ فاتحہ میں کہاں ہے اگر ہو تو قرآن میں ہمیں دکھلاؤ۔ (ترجمہ اصل کتاب سے)

وَهٰذَا الْمَقَامُ لَيْسَ كَمَقَامٍ تَمُرُّ عَلَيْهِ كَغَافِلِيْنَ۔ بَلْ هُوَ الْمَنْبَعُ لِلْحَقِيْقَةِ الْمَخْفِيَّةِ الَّتِيْ سُمِّيَتِ النَّصَارٰى لَهَا الضَّآلِّيْنَ۔ وَلَقَدْ سَمَّاهُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا الْاِسْمِ فِيْ سُوْرَةِ الْفَاتِحَةِ۔ لِيُشِيْرَ إِلٰى هٰذِهِ الضَّلَالَةِ۔ وَ لِيُشِيْرَ إِلٰى اَنَّ عَقِيْدَةَ حَيَاةِ الْمَسِيْحِ أُمُّ ضَلَالَاتِهِمْ كَمِثْلِ أُمِّ الْكِتَابِ مِنَ الصُّحُفِ الْمُطَهَّرَةِ۔ فَإِنَّهُمْ لَوْ لَمْ يَرْفَعُوْهُ إِلَى السَّمَآءِ بِجِسْمِهِ الْعُنْصُرِيِّ لَمَا جَعَلُوْهُ مِنَ الْاٰلِهَةِ۔ وَمَا كَانَ لَهُمْ أَنْ يَّرْجِعُوْا اِلَى التَّوْحِيْدِ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَّرْجِعُوْا مِنْ هٰذِهِ الْعَقِيْدَةِ۔ فَكَشَفَ اللّٰهُ هٰذِهِ الْعُقْدَةَ رُحْمًا عَلٰى هٰذِهِ الْأُمَّةِ۔ وَ أَثْبَتَ بِثُبُوْتٍ بَيِّنٍ وَّاضِحٍ أَنَّ عِيْسٰى مَا صُلِبَ۔

یہ مقام ایسا نہیں کہ تو اس پر سے غافلوں کی طرح گزر جائے بلکہ یہ اس مخفی حقیقت کا منبع ہے جس کی بناء پر نصاریٰ کا نام الضالّین رکھا گیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے سورۃ فاتحہ میں (عیسائیوں کو) اس (ضالّین کے) نام سے اس لئے موسوم کیا ہے تا وہ اُس گمراہی کی طرف اشارہ کرے (جس میں یہ قوم مبتلا ہے) نیز اس لئے بھی کہ تا وہ اس طرف اشارہ کرے کہ حیاتِ مسیحؑ کا عقیدہ اُن کی تمام گمراہیوں کی جڑ ہے جیسا کہ قرآن پاک میں سے (یہ سورۃ فاتحہ) اس کتاب کی اصل ہے۔ اگر وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جسدِ عنصری کے ساتھ آسمان پر نہ چڑھاتے تو وہ اُسے معبود بھی نہ ٹھہرا سکتے اور ان کے لئے ممکن نہیں کہ اس عقیدہ سے رجوع کئے بغیر توحید کی طرف لوٹ سکیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے اِس اُمّت پر رحم کرتے ہوئے اِس عقدہ کو کھول دیا اور واضح ثبوت کے ساتھ ثابت فرمایا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب پر قتل نہیں کیا گیا تھا

وَمَا رُفِعَ إِلَى السَّمَآءِ ۔ وَ مَا كَانَ رَفْعُهُ أَمْرًا جَدِيْدًا مَّخْصُوْصًا بِهٖ بَلْ كَانَ رَفْعَ الرُّوْحِ فَقَطْ كَمِثْلِ رَفْعِ اِخْوَانِهٖ مِنَ الْأَنْبِيَآءِ۔

(الھدیٰ، روحانی خزائن، جلد ۱۸ صفحہ ۳۶۲)

اور نہ اُنہیں آسمان کی طرف اُٹھایا گیا تھا اور آپ کا رفع کوئی انوکھی بات نہیں تھی جو آپ کے ساتھ ہی مخصوص ہو بلکہ وہ تو آپ کے بھائیوں یعنی دوسرے نبیوں کی طرح صرف روح کا رفع تھا۔ (ترجمہ از مرتب)

(قرآن) سورہ فاتحہ میں مسلمانوں کو یہ تعلیم دیتا ہے کہ وہ عیسائیت کے فتنہ سے خدا کی پناہ مانگیں جیسا کہ وَلَا الضَّآلِّين کے معنی تمام مفسّرین نے یہی کئے ہیں۔ (تتمّہ حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن جلد ۲۲ صفحہ ۴۹۷)

سورہ فاتحہ میں خدا تعالیٰ نے عیسائیوں کا نام الضآلّین رکھا ہے اس میں یہ اشارہ ہے کہ اگرچہ دنیا کے صدہا فرقوں میں ضلالت موجود ہے مگر عیسائیوں کی ضلالت کمال تک پہنچ جائے گی گویا دنیا میں فرقہ ضالّہ وہی ہے۔ (تتمّہ حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن جلد ۲۲ صفحہ ۵۰۰)

اِعْلَمْ أَسْعَدَكَ اللهُ أَنَّ اللهَ قَسَّمَ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى فِيْ هٰذِهِ السُّوْرَةِ عَلٰى ثَلَاثَةِ أَقْسَامٍ۔ فَرَغَّبَنَا فِيْ قِسْمٍ مِّنْهُمْ وَبَشَّرَ بِهٖ بِفَضْلٍ وَّ إِكْرَامٍ۔ وَّعَلَّمَنَا دُعَآءً لِّنَكُوْنَ كَمِثْلِ تِلْكَ الْكِرَامِ۔ مِنَ الْأَنْبِيَآءِ وَالرُّسُلِ الْعِظَامِ۔ وَبَقِيَ الْقِسْمَانِ الْاٰخَرَانِ۔ وَهُمَا الْمَغْضُوْبُ عَلَيْهِمْ مِّنَ الْيَهُوْدِ وَالضَّآلُّوْنَ مِنْ أَهْلِ الصُّلْبَانِ۔ فَأَمَرَنَا أَنْ نَّعُوْذَ بِهٖ مِنْ أَنْ نَلْحَقَ بِهِمْ مِنَ الشَّقَاوَةِ وَ الطُّغْيَانِ۔ فَظَهَرَ مِنْ هٰذِهِ السُّوْرَةِ أَنَّ أَمْرَنَا قَدْ تُرِكَ بَيْنَ خَوْفٍ وَّرَجَآءٍ ۔ وَنَعْمَةٍ وَّ بَلَآءٍ ۔ إِمَّا مُشَابَهَةٌ بِالْأَنْبِيَآءِ۔ وَ إِمَّا شُرْبٌ مِّنْ كَأْسِ الْأَشْقِيَآءِ۔ فَاتَّقُوا اللهَ الَّذِيْ عَظُمَ

جان لو! اللہ تعالیٰ آپ کو سعادت بخشے کہ اللہ تعالیٰ نے اِس سورۃ میں یہود اور نصاریٰ کو تین اقسام پر منقسم کیا ہے اور ہمیں ان میں سے ایک قسم میں شمولیت کی رغبت دلائی ہے اور اپنے فضل اور کرم سے اس (کے حصول) کی بشارت بھی دی ہے۔ نیز ہمیں ایک دُعا سکھائی ہے تا ہم بھی اُن بزرگ نبیوں اور بڑے بڑے رسولوں کی طرح بن جائیں اور باقی جو دوسری دو اقسام رہ گئیں مغضوب علیہم یعنی یہودی اور الضّالّین یعنی اہل صلیب ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم فرمایا ہے کہ ہم اِس بات سے اُس کی پناہ مانگیں کہ ہم بدبختی اور سرکشی میں کہیں اُن کے ساتھ شامل نہ ہو جائیں پس اس سورۃ سے ظاہر ہوا کہ ہمارا معاملہ خوف اور امید اور آسودگی اور آزمائش کے درمیان چھوڑ دیا گیا ہے یعنی یا تو نبیوں کی مانند بن جائیں اور یا بدبختوں کے پیالہ سے پئیں۔ پس تم خدا

وَعِیْدُہٗ۔ وَ جَلَّتْ مَوَاعِیْدُہٗ۔ وَمَنْ لَّمْ یَکُنْ عَلٰی ھُدَی الْأَنْبِیَآءِ مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ الْوَدُوْدِ۔ فَقَدْ خِیْفَ عَلَیْہِ أَنْ یَّکُوْنَ کَالنَّصَارٰی اَوِ الْیَھُوْدِ۔ فَاشْتَدَّتِ الْحَاجَۃُ إِلٰی نُمُوْذَجِ النَّبِیِّیْنَ وَ الْمُرْسَلِیْنَ۔ لِیَدْفَعَ نُوْرُھُمْ ظُلُمَاتِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَشُبُھَاتِ الضَّآلِّیْنَ۔ وَ لِذَالِکَ وَجَبَ ظُھُوْرُ الْمَسِیْحِ الْمَوْعُوْدِ فِیْ ھٰذَا الزَّمَانِ مِنْ ھٰذِہِ الْأُمَّۃِ۔ لِأَنَّ الضَّآلِّیْنَ قَدْ کَثُرُوْا فَاقْتَضَتِ الْمَسِیْحَ ضُرُوْرَۃُ الْمُقَابَلَۃِ۔ وَإِنَّکُمْ تَرَوْنَ أَفْوَاجًا مِّنَ الْقِسِّیْسِیْنَ الَّذِیْنَ ھُمُ الضَّآلُّوْنَ۔ فَأَیْنَ الْمَسِیْحُ الَّذِیْ یَذُبُّھُمْ إِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔

أَمَا ظَھَرَ أَثَرُ الدُّعَآءِ۔ أَوْتُرِکْتُمْ فِی اللَّیْلَۃِ اللَّیْلَآءِ۔ أَمْ عُلِّمْتُمْ دُعَآءَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ۔ لِیَزِیْدَ الْحَسْرَۃُ وَ تَکُوْنُوْا کَالْمَحْرُوْمِیْنَ۔ فَالْحَقُّ وَالْحَقَّ أَقُوْلُ إِنَّ اللّٰہَ مَا قَسَمَ الْفِرَقَ عَلٰی ثَلَاثَۃِ أَقْسَامٍ فِیْ ھٰذِہِ السُّوْرَۃِ۔ إِلَّا بَعْدَ أَنْ أَعَدَّ کُلَّ نُمُوْذَجٍ مِّنْھُمْ فِیْ ھٰذِہِ الْأُمَّۃِ۔ وَإِنَّکُمْ تَرَوْنَ کَثْرَۃَ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَ کَثْرَۃَ الضَّآلِّیْنَ۔ فَأَیْنَ الَّذِیْ جَآءَ عَلٰی نُمُوْذَجِ النَّبِیِّیْنَ وَ الْمُرْسَلِیْنَ مِنَ السَّابِقِیْنَ۔ مَا لَکُمْ لَا

سے ڈرو جس کی وعید بہت بڑی ہے اور جس کے وعدے عظیم الشان ہیں۔ پس جو شخص خدائے ودود کے فضل سے نبیوں کی ہدایت پر قائم نہ ہوگا اُس کے متعلق ڈر ہے کہ وہ نصاریٰ یا یہود کی مانند ہو جائے۔ لہٰذا نبیوں اور رسولوں کے نمونہ کی شدید حاجت ہے تا اُن کا نُور مغضوب علیھم کی تاریکیوں اور ضالّین کے شبہات کو دُور کرے۔ اِسی لئے اِس زمانہ میں اُمّت میں سے مسیح موعود کا ظہور واجب ہوگیا ہے کیونکہ ضالّین کی بڑی کثرت ہوگئی ہے لہٰذا تقابل کے لزوم نے مسیح موعود کے ظہور کا تقاضا کیا۔تم خود فوج در فوج پادریوں کو دیکھ رہے ہو جو الضّالّین (کا گروہ) ہیں۔ پھر اگر تمہیں کچھ سمجھ ہے تو (سوچو کہ) وہ مسیح موعود کہاں ہے جو اُن کا مقابلہ کرے؟

کیا تمہاری دعا کا کوئی اثر ظاہر نہیں ہوا؟ یا (بالفاظ دیگر) تمہیں اندھیری رات میں چھوڑ دیا گیا ہے؟ کیا تمہیں صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ کی دعا اِسی لئے سکھائی گئی تھی کہ تمہاری حسرت میں اضافہ ہو اور تم بے نصیب رہ جاؤ۔حق بات یہ ہے اور حق بات ہی میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اِس سورۃ میں تین گروہوں میں تقسیم اُس وقت بیان فرمائی جبکہ اُس نے ان میں سے ہر ایک کا نمونہ اس اُمّت میں مقدّر کر دیا تھا۔ اب تم مغضوب علیھم کی کثرت اور ضالّین کی کثرت تو دیکھ رہے ہو پھر وہ (بزرگ) کہاں ہے جو سابقہ نبیوں اور رسولوں کے

تُفَكِّرُوْنَ فِيْ هٰذَا وَ تَمُرُّوْنَ غَافِلِيْنَ۔ ثُمَّ اعْلَمْ أَنَّ هٰذِهِ السُّوْرَةَ قَدْ أَخْبَرَتْ عَنِ الْمَبْدَاءِ وَ الْمَعَادِ۔ وَأَشَارَتْ إِلٰى قَوْمٍ هُمْ اٰخِرُ الْأَقْوَامِ وَمُنْتَهَى الْفَسَادِ۔ فَإِنَّهَا اخْتُتِمَتْ عَلَى الضَّآلِّيْنَ۔ وَفِيْهِ إِشَارَةٌ لِّلْمُتَدَبِّرِيْنَ۔ فَإِنَّ اللّٰهَ ذَكَرَ هَاتَيْنِ الْفِرْقَتَيْنِ فِيْ اٰخِرِ السُّوْرَةِ۔ وَمَا ذَكَرَ الدَّجَّالَ الْمَعْهُوْدَ تَصْرِيْحًا وَلَا بِالْإِشَارَةِ۔ مَعَ أَنَّ الْمَقَامَ كَانَ يَقْتَضِيْ ذِكْرَ الدَّجَّالِ۔ فَإِنَّ السُّوْرَةَ أَشَارَتْ فِيْ قَوْلِهَا ’’الضَّآلِّيْنَ ‘‘إِلٰى اٰخِرِ الْفِتَنِ وَأَكْبَرِ الْأَهْوَالِ۔ فَلَوْ كَانَتْ فِتْنَةُ الدَّجَّالِ فِيْ عِلْمِ اللّٰهِ أَكْبَرَ مِنْ هٰذِهِ الْفِتْنَةِ لَخَتَمَ السُّوْرَةَ عَلَيْهَا لَا عَلٰى هٰذِهِ الْفِرْقَةِ۔ فَفَكِّرُوْا فِيْ أَنْفُسِكُمْ۔ أَنَسِيَ أَصْلَ الْأَمْرِ رَبُّنَا ذُوالْجَلَالِ۔ وَ ذَكَرَ الضَّآلِّيْنَ فِيْ مَقَامٍ كَانَ وَاجِبًا فِيْهِ ذِكْرُ الدَّجَّالِ۔ وَإِنْ كَانَ الْأَمْرُ كَمَا هُوَ زَعْمُ الْجُهَّالِ۔ لَقَالَ اللّٰهُ فِيْ هٰذَا الْمَقَامِ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الدَّجَّالِ۔ وَ أَنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ اللّٰهَ أَرَادَ فِيْ هٰذِهِ السُّوْرَةِ أَنْ يَّحُثَّ الْأُمَّةَ عَلٰى طُرُقِ النَّبِيِّيْنَ۔ وَيُحَذِّرَهُمْ مِنْ طُرُقِ الْكَفَرَةِ الْفَجَرَةِ۔ فَذَكَرَ قَوْمًا أَكْمَلَ لَهُمْ عَطَآئَهٗ۔

نمونہ پر آیا ہو۔ تمہیں کیا (ہوگیا) ہے کہ تم اِس بات پر غور نہیں کرتے اور غافل گزر جاتے ہو۔ مزید برآں جان لو کہ اس سورۃ نے مبداء اور معاد (ہردو) کی خبر دی ہے اور اُس قوم کی طرف اشارہ کیا ہے جو قوموں میں سے آخری قوم ہے اور بداعمالی کے لحاظ سے بھی انتہائی (مقام) پر ہے کیونکہ یہ سورۃ لفظ الضّالّین پر ختم ہوئی اور اس میں تدبّر کرنے والوں کے لئے اشارہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں گروہوں کا سورۃ کے آخر میں ذکر کیا ہے۔ لیکن دجّال معہود کا نہ تصریحاً ذکر کیا ہے نہ اشارۃً۔ حالانکہ یہ مقام دجّال کے ذکر کا مقتضی تھا۔ کیونکہ سورۃ فاتحہ نے الضّالّین کے لفظ سے آخری زمانہ کے فتنہ اور انتہائی خطرہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کے علم میں دجّال کا فتنہ الضّالّین کے فتنہ سے بڑا تھا تو وہ اِس سورۃ کو دجّال کے فتنہ کے ذکر پر ختم کرتا نہ کہ اس فرقہ ضالّہ پر۔ پس تم اپنے دلوں میں غور کرو کیا ہمارا ذی شان پروردگار اصل بات کو بھول گیا اور اس نے ایسی جگہ الضّالّین کا ذکر کر دیا جہاں دجّال معہود کا ذکر کرنا ضروری تھا۔ اگر معاملہ ناواقفوں کے خیال کے مطابق ایسا ہی ہوتا تو خدا تعالیٰ اس جگہ غیر المغضوب علیھم ولا الدجّال فرماتا حالانکہ تم جانتے ہو کہ اِس سورۃ سے اللہ تعالیٰ کا منشاء یہ تھا کہ اُمّتِ مسلمہ کو انبیاء کے راستوں پر چلنے کی ترغیب دے اور اُن کو بدکردار کافروں کے راستوں سے ڈرائے تبھی تو اُس نے پہلے ایک ایسی قوم کا ذکر کیا جس پر اس

وَأَتَمَّ نَعْمَآئَهٗ. وَوَعَدَ أَنَّهٗ بَاعِثٌ مِّنْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ مَنْ هُوَ يُشَابِهُ النَّبِيِّيْنَ. وَيُضَاهِي الْمُرْسَلِيْنَ. ثُمَّ ذَكَرَ قَوْمًا اٰخَرَ تُرِكُوْا فِي الظُّلُمَاتِ. وَ جَعَلَ فِتْنَتَهُمْ اٰخِرَ الْفِتَنِ وَ أَعْظَمَ الْاٰفَاتِ. وَأَمَرَ أَنْ يَّعُوْذَ النَّاسُ كُلُّهُمْ بِهٖ مِنْ هٰذِهِ الْفِتَنِ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ. وَ يَتَضَرَّعُوْا لِدَفْعِهَا فِي الصَّلَوَاتِ فِيْ أَوْقَاتِهَا الْخَمْسَةِ. وَمَا أَشَارَ فِيْ هٰذَا إِلَى الدَّجَّالِ وَفِتْنَتِهِ الْعَظِيْمَةِ. فَأَيُّ دَلِيْلٍ أَكْبَرُ مِنْ هٰذَا عَلٰى إِبْطَالِ هٰذِهِ الْعَقِيْدَةِ. ثُمَّ مِنْ مُّؤَيِّدَاتِ هٰذَا الْبُرْهَانِ. أَنَّ اللّٰهَ ذَكَرَ النَّصَارٰى فِيْ اٰخِرِ الْقُرْاٰنِ كَمَا ذَكَرَ فِيْ أَوَّلِ الْفُرْقَانِ. فَفَكِّرْ فِيْ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَفِي الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ. وَمَا هُمْ إِلَّا النَّصَارٰى فَعُذْ مِنْ عُلَمَآئِهِمْ بِرَبِّ النَّاسِ. وَإِنَّ اللّٰهَ كَمَا خَتَمَ الْفَاتِحَةَ عَلَى الضَّآلِّيْنَ. كَذٰلِكَ خَتَمَ الْقُرْاٰنَ عَلَى النَّصْرَانِيِّيْنَ. وَ إِنَّ الضَّآلِّيْنَ هُمُ النَّصْرَانِيُّوْنَ كَمَا رُوِيَ عَنْ نَّبِيِّنَا فِي الدُّرِّ الْمَنْثُوْرِ. وَفِيْ فَتْحِ الْبَارِيْ فَلَا تُعْرِضْ عَنِ الْقَوْلِ الثَّابِتِ الْمَشْهُوْرِ. وَمُسَلَّمِ الْجُمْهُوْرِ.

(اعجاز المسیح، روحانی خزائن جلد ۱۸ صفحہ ۱۹۰ تا ۱۹۵)

نے اپنی بخششوں کو مکمل کیا تھا اور اپنی نعمتوں کو انتہاء تک پہنچایا تھا اور وعدہ کیا تھا کہ وہ اِس اُمّت میں سے ایک شخص کو پیدا کرے گا جو نبیوں کے مشابہ اور رسولوں کی مانند ہوگا۔ پھر اس نے ایک اور گروہ کا ذکر کیا جو تاریکیوں میں چھوڑ دیئے گئے ہیں اور اُن کے فتنہ کو آخری فتنہ اور سب سے بڑی آفت قرار دیا۔ اور اُس نے حکم فرمایا کہ قیامت کے دن تک تمام لوگ ان فتنوں سے اللہ کی پناہ مانگا کریں اور اُن کے دُور ہونے کے لئے پانچوں وقت نمازوں میں آہ وزاری کیا کریں۔ لیکن اُس نے اس سورۃ میں دجّال اور اُس کے فتنہ عظیمہ کی طرف تو کوئی اشارہ نہ فرمایا۔ پس اِس عقیدہ کے باطل ہونے پر اس سے بڑی دلیل اور کونسی ہو سکتی ہے۔ نیز اِس دلیل کی تائیدی اُمور میں سے ایک یہ بات بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے آخر میں بھی ویسے ہی نصاریٰ کا ذکر کیا ہے جیسے اس نے شروع میں ان کا ذکر فرمایا۔ پس لَمْ يَلِدْ وَ لَمْ يُوْلَدْ اور اَلْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ میں غور کرو۔ یہ لوگ نصاریٰ کے سوا اور کوئی نہیں۔ پس ان کے پادریوں سے خدا تعالیٰ کی پناہ مانگو۔ اللہ تعالیٰ نے جیسے سورت فاتحہ کو الضّالّین (کے ذکر) پر ختم کیا ہے اسی طرح اُس نے قرآن کریم کو نصاریٰ (کے ذکر) پر ختم کیا ہے اور الضّالّین نصاریٰ ہی ہیں جیسا کہ دُرِّ منثور اور فتح الباری میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔ پس تم ایسی پختہ بات سے جو زبان زدِ خلائق ہے اور جو جمہور (مسلمانوں) کے نزدیک مسلّم ہے منہ نہ موڑو۔ (ترجمہ از مرتب)

بتاویں تو سہی کہ اس قوم کی جس کا فتنہ دجّال سے بھی زیادہ ہے خبر کہاں دی گئی ہے۔ قرآن شریف نے تو اسی واسطے دجّال کا نام نہیں لیا بلکہ وَ لَا الضَّآلِّيْنَ کہا۔ جس سے مراد یہی قوم نصاریٰ ہے وَلَا الدجّال کیوں نہ کہا۔ اصل امر یہی ہے کہ یہی وہ قوم ہے جس سے تمام انبیاء اپنی اپنی اُمّت کو ڈراتے آئے ہیں۔

(الحکم جلد ۷ نمبر ۱۳ مورخہ ۱۰؍اپریل ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۳)

وہ دجّال جس کا حدیثوں میں ذکر ہے وہ شیطان ہی ہے جو آخر زمانہ میں قتل کیا جائے گا۔ جیسا کہ دانیال نے بھی یہی لکھا ہے اور بعض حدیثیں بھی یہی کہتی ہیں۔ اور چونکہ مظہر اتم شیطان کا نصرانیت ہے اِس لئے سورہ فاتحہ میں دجّال کا تو کہیں ذکر نہیں مگر نصاریٰ کے شر سے خدا تعالیٰ کی پناہ مانگنے کا حکم ہے۔ اگر دجّال کوئی الگ مفسد ہوتا تو قرآن شریف میں بجائے اس کے کہ خدا تعالیٰ یہ فرماتا وَ لَا الضَّآلِّيْنَ۔ یہ فرمانا چاہئے تھا کہ وَ لَا الدَّجّال۔ (حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن جلد ۲۲ صفحہ ۴۱)

اِس شیطان ★ کا نام دوسرے لفظوں میں عیسائیت کا بھوت ہے۔ یہ بھوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عیسائی گرجا میں قید تھا اور صرف جسّاسہ کے ذریعہ سے اسلامی اخبار معلوم کرتا تھا۔ پھر قرونِ ثلاثہ کے بعد بموجب خبر انبیاء علیہم السلام کے اِس بھوت نے رہائی پائی اور ہر روز اس کی طاقت بڑھتی گئی یہاں تک کہ تیرھویں صدی ہجری میں بڑے زور سے اُس نے خروج کیا اِسی بھُوت کا نام دجّال ہے جس نے سمجھنا ہو سمجھ لے اور اسی بھوت سے خدا تعالیٰ نے سُورۃ فاتحہ کے اخیر میں وَ لَا الضَّآلِّيْنَ کی دُعا میں ڈرایا ہے۔

(حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن جلد ۲۲ صفحہ ۴۵ حاشیہ)

وہ دجّال کہاں ہے؟ جس سے تم ڈراتے ہو مگر لَا الضَّآلِّيْنَ والا دجّال دن بدن دنیا میں ترقی کر رہا ہے اور قریب ہے کہ آسمان و زمین اس کے فتنہ سے پھٹ جائیں۔ (حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن جلد ۲۲ صفحہ ۴۹)

خدا تعالیٰ نے سورۃ فاتحہ میں ہمیں یہ تعلیم دی ہے کہ وہ دجّال جس سے ڈرایا گیا ہے وہ آخری زمانہ کے گمراہ پادری ہیں جنہوں نے حضرت عیسیٰ کا طریق چھوڑ دیا ہے۔ کیونکہ اس نے سورۂ ممدوحہ میں یہی دعا سکھلائی ہے کہ ہم خدا سے چاہتے ہیں کہ ایسے یہودی نہ بن جائیں جن پر حضرت عیسیٰ کی نافرمانی اور عداوت سے غضب نازل ہوا تھا اور نہ ایسے عیسائی بن جائیں جنہوں نے حضرت عیسیٰ کی تعلیم کو چھوڑ کر اس کو خدا بنا دیا تھا اور ایک ایسا جھوٹ اختیار کیا جو تمام جھوٹوں سے بڑھ کر ہے اور اس کی تائید میں حد سے زیادہ فریب اور مکر استعمال میں لائے۔ اس لئے آسمان پر ان کا نام دجّال رکھا گیا اگر کوئی اور دجّال ہوتا تو اس آیت میں اس

★ دجّال

سے پناہ مانگنی ضروری تھی یعنی سورۃ فاتحہ میں بجائے وَ لَا الضَّآلِّیۡنَ کے ولا الدّجّال ہونا چاہیے تھا اور یہی معنی واقعات نے ظاہر کئے ہیں کیونکہ جس آخری فتنہ سے ڈرایا گیا تھا زمانہ نے اسی فتنہ کو پیش کیا ہے جو تثلیث پر غلو کرنے کا فتنہ ہے۔ (حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن جلد ۲۲ صفحہ ۳۲۳ حاشیہ)

ان لوگوں نے مسیح کو نصف خدائی کا دعویدار بنا دیا ہے ایسا ہی انہوں نے دجّال کی نسبت مان رکھا ہے کہ وہ مُردوں کو زندہ کرے گا اور یہ کرے گا اور وہ کرے گا افسوس قرآن تو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی تلوار سے تمام اُن باطل معبودوں کو قتل کرتا ہے جن میں خدائی صفات مانی جائیں پھر یہ دجّال کہاں سے نکل آیا ہے۔ سورۃ فاتحہ میں یہودی اور عیسائی بننے سے بچنے کی دعا تو سکھلائی کیا دجّال کا ذکر خدا کو یاد نہ رہا جو اتنا بڑا فتنہ تھا؟

(الحکم جلد ۵ نمبر ۳ مؤرخہ ۲۴؍جنوری ۱۹۰۱ء صفحہ ۵)

یہ جو مَیں نے ضالّین کہا ہے تو اس سے مراد عیسائی اور پادری ہیں۔ انگریز اس سے مراد نہیں کیونکہ انگریز تو اکثر ایسے ہوتے ہیں جنہوں نے ساری عمر میں ایک دفعہ بھی انجیل پڑھی ہوئی نہیں ہوتی۔ ان پادریوں پر اسلام ایک بڑا بھاری صدمہ ہے کیونکہ یہ جانتے ہیں کہ اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس کو وہ مغلوب نہیں کر سکتے......

یہ جو میں نے ضالّین کا ذکر کیا ہے تو اس سے مراد یہی پادری لوگ ہیں جو نہ صرف خود گمراہ ہیں بلکہ اوروں کو گمراہ کرنے میں بھی پوری ہمّت اور کوشش سے کام لیتے ہیں۔ اور یہ جو حدیثوں میں دجّال کا ذکر آیا ہے تو اس سے مراد ضالّین ہی ہیں اور اگر دجّال کے معنے ضالّین کے نہ لئے جاویں تو ماننا پڑے گا کہ خدا تعالیٰ نے ضالّین کا ذکر تو قرآن شریف میں کر دیا بلکہ ان کے فتنہ عظیم سے بچنے کے لئے دعا بھی سکھا دی مگر دجّال کا ذکر تک بھی نہ کیا۔ حالانکہ وہ ایک ایسا عظیم فتنہ تھا جس سے لکھوکھہا لوگ گمراہ ہو جاتے تھے۔ غرض سچی بات یہی ہے کہ دجّال اور ضالّین ایک ہی گروہ کا نام ہے۔ جو لوگوں کو گمراہ کرتے پھرتے ہیں اور اس آخری زمانہ میں اپنے پورے زور پر ہیں اور ہر ایک طرح کے مکر اور فریب سے خلقت کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتے پھرتے ہیں۔ اور چونکہ دجّال کے معنے بھی گمراہ کرنے والے کے ہیں۔ اسی واسطے احادیث میں یہ لفظ ضالّین کی بجائے بولا گیا ہے اور احادیث میں ضالّین کی بجائے دجّال کا لفظ آنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ لوگ اپنی طرف سے ایک دجّال بنا لیں گے اور عجیب عجیب قسم کے خیالات اس کی طرف منسوب کریں گے کہ اس کے ایک ہاتھ میں بہشت ہوگا اور ایک ہاتھ میں دوزخ اور وہ خدائی کا بھی

دعویٰ کرے گا اور نبوت کا بھی۔ اور اس کے ماتھے پر کافر لکھا ہوا ہوگا اور اس کا ایک گدھا ہوگا۔ جس کے کانوں میں اس قدر فاصلہ ہوگا اور اس میں یہ یہ باتیں ہوں گی۔ اس لئے خدا فرماتا ہے کہ وہ دجّالی گروہ ضالّین کا ہی ہے جو طرح طرح کے پیرایوں میں لوگوں کو گمراہ کرتے پھرتے ہیں اور بڑے بڑے وعدے دے دے کر خدا تعالیٰ کی کتابوں میں تحریف تبدیل کرتے ہیں۔ اور لوگوں کو خدا تعالیٰ کے حکموں سے بالکل روگردان کر رہے ہیں یہاں تک کہ سؤر جیسی گندی چیز کو بھی حلال خیال کر رہے ہیں حالانکہ توریت میں سؤر خاص طور پر حرام کیا گیا ہے اور خود مسیح نے بھی کہا ہے کہ سؤروں کے آگے موتی مت ڈالو۔ اور ایسا ہی کفارہ جیسا گندہ مسئلہ ایجاد کر کے انہوں نے گناہوں کے لئے ایک وسیع میدان تیار کر دیا ہے۔ خواہ انسان کیسے ہی کبیرہ گناہوں کا مرتکب ہو مگر یسوع کو خدا یا خدا کا بیٹا سمجھنے سے وہ سب عیب جاتے رہیں گے۔ اور انسان نجات پا جائے گا اب بتلاؤ کیا یہ صاف سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ وہی گمراہ کرنے والا گروہ ہے جس کو احادیث میں دجّال اور قرآن کریم میں ضالّین کر کے پکارا گیا ہے۔ (الحکم جلد ۱۲ نمبر ۳ مؤرخہ ۱۰ر جنوری ۱۹۰۸ء صفحہ ۲)

قرآن نے اپنے اوّل میں بھی مغضوب علیھم اور ضالّین کا ذکر فرمایا ہے اور اپنے آخر میں بھی جیسا کہ آیت لَمۡ یَلِدۡ وَلَمۡ یُوۡلَدۡ بصراحت اس پر دلالت کر رہی ہے اور یہ تمام اہتمام تاکید کے لئے کیا گیا اور نیز اس لئے کہ تا مسیح موعود اور غلبہءِ نصرانیت کی پیشگوئی نظری نہ رہے اور آفتاب کی طرح چمک اُٹھے۔
(تحفہ گولڑویہ، روحانی خزائن جلد ۱۷ صفحہ ۲۲۲)

اگر یہ اعتراض ہے کہ اب تو انبیاء کا سلسلہ بند ہو گیا اب کیوں ہمیں مغضوب علیھم بنایا جاتا ہے جب اس اُمّت کے لئے خاتمہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ اس قوم میں بھی کئی یہودیوں کا رنگ دکھلائیں گے۔ وہ یہودی عیسیٰ کو سُولی دینا چاہتے تھے اسی طرح حدیث صحیح میں ہے کہ آخر یہ بھی یہودی ہوں گے اور خدا کی طرف سے جو آئے گا اس کی تکذیب کریں گے اور اس کے قتل کے منصوبے کرنا داخل ثواب سمجھیں گے۔ خدا کی باتیں بے معنی نہیں۔ یہ عذاب کے دن ہیں یا نہیں؟ پچیس برس سے صبر کیا اِن لوگوں نے تو اپنی طرف سے کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا۔ میں نے ان کے کفر ناموں میں دیکھا کہ لکھتے ہیں اس کا کفر یہود و نصاریٰ کے کفر سے بڑھ کر ہے۔ تعجب کی بات ہے کہ جو لوگ کلمہ پڑھتے ہیں۔ قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام تعظیم سے لیتے ہیں۔ جان تک فدا کرنے کو حاضر ہیں۔ کیا وہ اِن سے بدتر ہیں جو ہر وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتے رہتے ہیں۔ بجز اس کے

جو مسلوبُ الایمان ہو جائے ایسا الزام نہیں دے سکتا اگر ان میں ایمان نہیں تو کیا شرافت بھی جاتی رہی۔ اللہ تعالیٰ تو خوب جانتا تھا کہ ایسا فرقہ ہونے والا ہے۔ جو مسیح کی تکفیر اپنا ایمان سمجھے گا۔ اسی لئے اس دعا میں اس راہ سے بچنے کے لئے دعا سکھلائی۔ (بدر جلد ۷ نمبر ۱ مؤرخہ ۹ر جنوری ۱۹۰۸ء صفحہ ۷)

وَ لَا الضَّآلِّیْنَ ان کی راہ سے بچا جو گمراہ ہوئے یعنی سچی راہ کو چھوڑ دیا۔ اس راہ کو جس کی تعلیم انجیل میں ملی تھی کہ خدا کو واحد جانو۔ یہ تعلیم بالکل چھوڑ دی۔ دیکھو ان کو بتلایا گیا تھا کہ وہ خدا معبود ہے۔ جو حضرت عیسیٰ کا بھی خدا ہے مگر اب یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کہتے ہیں اور یہ کہ وہی جزا سزا کے مالک ہیں۔

(بدر جلد ۷ نمبر ۱ مؤرخہ ۹ر جنوری ۱۹۰۸ء صفحہ ۷)

یہ نہ سمجھو کہ مغضوب علیہم ذرا سخت ہے۔ اور ضالّین نرم۔ یہ بات نہیں بلکہ بات یہ ہے کہ یہودی لوگوں کا ان ضالّین سے تھوڑا گناہ تھا وہ تورات کے پابند تھے۔ ہم نے ایک یہودی سے اس کے مذہب کی نسبت پوچھا تو اس نے کہا۔ ہمارا خدا کی نسبت وہی عقیدہ ہے جو قرآن میں ہے۔ ہم نے اب تک کسی انسان کو خدا نہیں بنایا۔ اس اعتبار سے تو یہ ضالّین سے اچھے ہیں مگر شوخی شرارت میں ضالّین سے بڑھ کر ہیں۔ پس اس لئے کہ انہیں دنیا میں سزا ملی ان کا ذکر پہلے آیا۔ ایک تحصیلدار کے پاس مقدمہ ہو اور اس نے اسے کچھ تھوڑا جرمانہ یا قید کرنا ہو تو سزا دے گا۔ اور اگر اس کی سزا اس کے اختیارات سے باہر ہو تو کسی دوسری عدالت کے سپرد کرتا ہے۔ یہودیوں کے اعمال ایسے تھے۔ کہ ان کی سزا اس دنیا میں بھی ہو سکتی تھی۔ مگر ضالّین کا گناہ ان سے زیادہ ہے کہ مخلوق کو خدا بنا لیا پس یہ آگے چل کر سزا پائیں گے یہ ایسے جرم کا ارتکاب کر رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَ تَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَ تَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا (مریم: ۹۱) یعنی قریب ہے کہ آسمان پھٹ جائے زمین شق ہو اور پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو جاویں۔ یہودیوں کے بارے میں یہ نہ فرمایا۔ معمولی گناہ تھا۔ یہیں سزا دیدی اور ضالّین کی سزا سخت ہے اور سزا میں تفاوت ضرور ہوا کرتا ہے۔ ایک چور معمولی ہو تو اس کی سزا اور ہے اور ایک عادی مجرم چوروں کا استاد ہو تو اس کی اور۔ پادریوں نے اپنے بدعقیدے کو یہاں تک پھیلایا ہے کہ بعض اوقات ایک ایک پرچہ پچاس پچاس ہزار نکلتا ہے ایک ایسے مذہب کی تائید کے لئے جس کی بنا حق کے نہایت خلاف اور ہر طرح سے مضر ہے۔

(بدر جلد ۷ نمبر ۱ مؤرخہ ۹ر جنوری ۱۹۰۸ء صفحہ ۷،۸)

سورہ فاتحہ جس کو ہر نماز کی ہر رکعت میں پڑھتے ہیں اس سورۃ میں تین گذشتہ فرقے پیش کئے ہیں ایک وہ جو اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ کے مصداق ہیں دوسرے مغضوب تیسرے ضالّین۔

مغضوب سے یہ مخصوصاً مراد نہیں کہ قیامت میں ہی غضب ہوگا کیونکہ جو کتاب اللہ کو چھوڑتا اور احکامِ الٰہی کی خلاف ورزی کرتا ہے ان سب پر غضب ہوگا۔ مغضوب سے مراد بالاتفاق یہود ہیں اور الضّالّین سے نصاریٰ اب اس دعا سے معلوم ہوتا ہے کہ منعم علیہ فرقہ میں داخل ہونے اور باقی دو سے بچنے کے لئے دعا ہے۔ اور یہ سنّت اللہ ٹھہری ہوئی ہے جب سے نبوت کی بنیاد ڈالی گئی ہے خدا تعالیٰ نے یہ قانون مقرر کر رکھا ہے کہ جب وہ کسی قوم کو کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا حکم دیتا ہے تو بعض اس کی تعمیل کرنے والے اور بعض خلاف ورزی کرنے والے ضرور ہوتے ہیں پس بعض منعم علیہ بعض مغضوب اور بعض ضالّین ضرور ہوں گے۔

اب زمانہ بآواز بلند کہتا ہے کہ اس سورہ شریف کے موافق ترتیب آخر سے شروع ہوگئی ہے۔ آخری فرقہ نصاریٰ کا رکھا ہے اب دیکھو کہ اس میں کس قدر لوگ داخل ہوگئے ہیں۔ ایک بشپ نے اپنی تقریر میں ذکر کیا ہے کہ ۲۰۰۰۰۰۰ مسلمان مرتد ہو چکے ہیں اور یہ قوم جس زور شور کے ساتھ نکلی ہے اور جو جو طریق اس نے لوگوں کو گمراہ کرنے کے اختیار کئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی عظیم الشان فتنہ نہیں ہے۔ اب دیکھو کہ تین باتوں میں سے ایک تو ظاہر ہوگئی پھر دوسری قوم مغضوب ہے مجھے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا وقت بھی آ گیا اور وہ بھی پورا ہو رہا ہے یہودیوں پر غضب الٰہی اس دنیا میں بھی بھڑکا اور طاعون نے اُن کو تباہ کیا۔ اب اپنی بدکاریوں اور فسق و فجور کی وجہ سے طاعون بکثرت پھیل رہی ہے۔ کتمانِ حق سے وہ لوگ جو عالم کہلاتے ہیں نہیں ڈرتے۔ اب ان دونوں کے پورا ہونے سے تیسرے کا پتہ صاف ملتا ہے انسان کا قاعدہ ہے کہ جب چار میں سے تین معلوم ہوں تو چوتھی شے معلوم کر لیتا ہے اور اُس پر اُس کو اُمید ہو جاتی ہے نصاریٰ میں لاکھوں داخل ہوگئے۔ مغضوب میں داخل ہوتے جاتے ہیں منعم علیہ کا نمونہ بھی اب خدا دکھانا چاہتا ہے جب کہ سورہ فاتحہ میں دعا تھی اور سورہ نور میں وعدہ کیا گیا ہے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ سورہ نور میں دعا قبول ہوگئی ہے۔ غرض اب تیسرا حِصّہ منعم علیہ کا ہے اور ہم اُمید کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ اس کو روشن طور پر ظاہر کر دے گا۔ اور یہ خدا تعالیٰ کا کام ہے جو ہو کر رہے گا مگر اللہ تعالیٰ انسان کو ثواب میں داخل کرنا چاہتا ہے تا کہ وہ استحقاق جنّت کا ثابت کر لیں جیسا پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہوا۔ خدا تعالیٰ اس بات پر قادر تھا کہ وہ صحابہ کے بدوں ہی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر قسم کی فتوحات عطا فرماتا۔ مگر نہیں خدا نے صحابہ کو شامل کر لیا تا کہ وہ مقبول ٹھہریں اس سنّت کے موافق یہ بات ہماری جماعت کو پیش آ گئی ہے کہ بار بار تکلیف دی جاتی ہے اور چندے مانگے جاتے ہیں۔ (الحکم جلد ۵ نمبر ۱۴ مؤرخہ ۱۷/اپریل ۱۹۰۱ء صفحہ ۶، ۷)

سورۃ فاتحہ میں تین دعائیں سکھلائی گئی ہیں (۱) ایک یہ دعا کہ خدا تعالیٰ اُس جماعت میں داخل رکھے جو صحابہ کی جماعت ہے اور پھر اس کے بعد اس جماعت میں داخل رکھے جو مسیح موعود کی جماعت ہے جن کی نسبت قرآن شریف فرماتا ہے وَ اٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ (الجمعة: ۴)۔ غرض اسلام میں یہی دو جماعتیں منعم علیہم کی جماعتیں ہیں اور انہیں کی طرف اشارہ ہے آیت صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ میں کیونکہ تمام قرآن پڑھ کر دیکھو جماعتیں دو ہی ہیں۔ ایک صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت۔ دوسری وَ اٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ کی جماعت جو صحابہ کے رنگ میں ہے اور وہ مسیح موعود کی جماعت ہے۔ پس جب تم نماز میں یا خارج نماز کے یہ دُعا پڑھو کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ تو دل میں یہی ملحوظ رکھو کہ میں صحابہ اور مسیح موعود کی جماعت کی راہ طلب کرتا ہوں یہ تو سورۃ فاتحہ کی پہلی دعا ہے (۲) دوسری دُعا غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّيْنَ ہے جس سے مراد وہ لوگ ہیں جو مسیح موعود کو دُکھ دیں گے اور اس دُعا کے مقابل پر قرآن شریف کے اخیر میں سورۃ تَبَّتْ يَدَاۤ اَبِيْ لَهَبٍ ہے (۳) تیسری دُعا وَ لَا الضَّآلِّيْنَ ہے اور اس کے مقابل پر قرآن شریف کے اخیر میں سورہ اخلاص ہے یعنی قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ۔ اَللّٰهُ الصَّمَدُ۔ لَمْ يَلِدْ ۙ وَ لَمْ يُوْلَدْ۔ وَ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ (الاخلاص: ۲ تا ۵) اور اس کے بعد دو اور سورتیں جو ہیں یعنی سورۃ الفلق اور سورۃ النّاس یہ دونوں سورتیں سورۃ تبّت اور سورۃ اخلاص کے لئے بطور شرح کے ہیں اور ان دونوں سورتوں میں اس تاریک زمانہ سے خدا کی پناہ مانگی گئی ہے جب کہ لوگ خدا کے مسیح کو دکھ دیں گے اور جبکہ عیسائیت کی ضلالت تمام دنیا میں پھیلے گی۔ پس سورہ فاتحہ میں اُن تینوں دعاؤں کی تعلیم بطور براعت الاستہلال ہے یعنی وہ اہم مقصد جو قرآن میں مفصل بیان کیا گیا ہے سورہ فاتحہ میں بطور اجمال اس کا افتتاح کیا ہے اور پھر سورہ تبت اور سورہ اخلاص اور سورہ فلق اور سورہ النّاس میں ختم قرآن کے وقت میں انہی دونوں بلاؤں سے خدا تعالیٰ کی پناہ مانگی گئی ہے پس افتتاح کتاب اللہ بھی انہی دونوں دُعاؤں سے ہوا اور پھر اختتام کتاب اللہ بھی انہی دونوں دعاؤں پر کیا گیا۔

اور یاد رہے کہ ان دونوں فتنوں کا قرآن شریف میں مفصّل بیان ہے اور سورہ فاتحہ اور آخری سورتوں میں اجمالاً ذکر ہے۔ مثلاً سورہ فاتحہ میں دُعا وَ لَا الضَّآلِّيْنَ میں صرف دو لفظ میں سمجھایا گیا ہے کہ عیسائیت کے فتنہ سے بچنے کے لئے دُعا مانگتے رہو جس سے سمجھا جاتا ہے کہ کوئی فتنہ عظیم الشان درپیش ہے جس کے لئے یہ اہتمام کیا گیا ہے کہ نماز کے پنج وقت میں یہ دُعا شامل کر دی گئی اور یہاں تک تاکید کی گئی کہ اس کے بغیر نماز

ہو نہیں سکتی جیسا کہ حدیث لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِالْفَاتِحَۃِ سے ظاہر ہوتا ہے۔ظاہر ہے کہ دنیا میں ہزار ہا مذہب پھیلے ہوئے ہیں جیسا کہ پارسی یعنی مجوسی اور براہمہ یعنی ہندو مذہب اور بُدھ مذہب جو ایک بڑے حِصّہ دنیا پر قبضہ رکھتا ہے اور چینی مذہب جس میں کروڑ ہا لوگ داخل ہیں اور ایسا ہی تمام بُت پرست جو تعداد میں سب مذہبوں سے زیادہ ہیں اور یہ تمام مذہب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بڑے زور و جوش سے پھیلے ہوئے تھے اور عیسائی مذہب ان کے نزدیک ایسا تھا جیسا کہ ایک پہاڑ کے مقابل پر ایک تِنکا۔ پھر کیا وجہ کہ سورۃ فاتحہ میں یہ دُعا نہیں سکھلائی کہ مثلاً خدا چینی مذہب کی ضلالتوں سے پناہ میں رکھے یا مجوسیوں کی ضلالتوں سے پناہ میں رکھے یا بدھ مذہب کی ضلالتوں سے پناہ میں رکھے یا آریہ مذہب کی ضلالتوں سے پناہ میں رکھے یا دوسرے بُت پرستوں کی ضلالتوں سے پناہ میں رکھے بلکہ یہ فرمایا گیا کہ تم دُعا کرتے رہو کہ عیسائی مذہب کی ضلالتوں سے محفوظ رہو۔ اس میں کیا بھید ہے؟ اور عیسائی مذہب میں کونسا عظیم الشان فتنہ آئندہ کسی زمانہ میں پیدا ہونے والا تھا جس سے بچنے کے لئے زمین کے تمام مسلمانوں کو تاکید کی گئی۔ پس سمجھو اور یاد رکھو کہ یہ دُعا خدا کے اُس علم کے مطابق ہے کہ جو اُس کو آخری زمانہ کی نسبت تھا۔ وہ جانتا تھا کہ یہ تمام مذہب بُت پرستوں اور چینیوں اور پارسیوں اور ہندوؤں وغیرہ کے تنزل پر ہیں اور اُن کے لئے کوئی ایسا جوش نہیں دکھلایا جائے گا جو اسلام کو خطرہ میں ڈالے مگر عیسائیت کے لئے وہ زمانہ آتا جاتا ہے کہ اُس کی حمایت میں بڑے بڑے جوش دکھلائے جائیں گے اور کروڑ ہا روپیہ سے اور ہر ایک تدبیر اور ہر ایک مکر اور حیلہ سے اُس کی ترقی کے لئے قدم اٹھایا جائے گا اور یہ تمنّا کی جائے گی کہ تمام دنیا مسیح پرست ہو جائے تب وہ دن اسلام کے لئے سخت دن ہوں گے اور بڑے ابتلا کے دن ہوں گے۔ سو اب یہ وہی فتنہ کا زمانہ ہے جس میں تم آج ہو۔ تیرہ سَو برس کی پیشگوئی جو سورۃ فاتحہ میں تھی آج تم میں اور تمہارے ملک میں پوری ہوئی اور اس فتنہ کی جڑ مشرق ہی نکلا۔ اور جیسا کہ اس فتنہ کا ذکر قرآن کے ابتدا میں فرمایا گیا ایسا ہی قرآن شریف کے انتہا میں بھی ذکر فرما دیا تا یہ امر مؤکّد ہو کر دلوں میں بیٹھ جائے۔ (تحفہ گولڑویہ، روحانی خزائن جلد ۱۷ صفحہ ۲۱۷ تا ۲۲۰)

سورۃ فاتحہ نری تعلیم ہی نہیں بلکہ اس میں ایک بڑی پیشگوئی بھی ہے اور وہ یہ کہ خدا نے اپنی چاروں صفات ربوبیت[۱]، رحمانیت[۲]، رحیمیت[۳]، مالکیت[۴] یوم الدّین یعنی اقتدار جزا وسزا کا ذکر کر کے اور اپنی عام قدرت کا اظہار فرما کر پھر اس کے بعد کی آیتوں میں یہ دعا سکھلائی ہے کہ خدایا ایسا کر کہ گزشتہ راستباز نبیوں رسولوں کے ہم وارث ٹھہرائے جائیں ان کی راہ ہم پر کھولی جائے اُن کی نعمتیں ہم کو دی جائیں خدایا ہمیں اس

سے بچا کہ ہم اس قوم میں سے ہو جائیں جن پر دنیا میں ہی تیرا عذاب نازل ہوا یعنی یہود جو حضرت عیسیٰ مسیح کے وقت میں تھی جو طاعون سے ہلاک کی گئی۔ خدایا ہمیں اس سے بچا کہ ہم اُس قوم میں سے ہو جائیں جن کے شاملِ حال تیری رہنمائی نہ ہوئی اور وہ گمراہ ہوگئی یعنی نصاریٰ۔ اس دعا میں یہ پیشگوئی مخفی ہے کہ بعض مسلمانوں میں سے ایسے ہوں گے کہ وہ اپنے صدق وصفا کی وجہ سے پہلے نبیوں کے وارث ہو جائیں گے اور نبوت اور رسالت کی نعمتیں پائیں گے اور بعض ایسے ہوں گے کہ وہ یہودی صفت ہو جائیں گے جن پر دنیا میں ہی عذاب نازل ہوگا اور بعض ایسے ہوں گے کہ وہ عیسائیت کا جامہ پہن لیں گے۔ کیونکہ خدا کے کلام میں یہ سنّتِ مستمرّہ ہے کہ جب ایک قوم کو ایک کام سے منع کیا جاتا ہے تو ضرور بعض ان میں سے ایسے ہوتے ہیں کہ خدا کے علم میں اُس کام کے مرتکب ہونے والے ہوتے ہیں اور بعض ایسے ہوتے ہیں کہ وہ نیکی اور سعادت کا حِصّہ لیتے ہیں ابتدائے دنیا سے اخیر تک جس قدر خدا نے کتابیں بھیجیں اُن تمام کتابوں میں خدا تعالیٰ کی یہ قدیم سنّت ہے کہ جب وہ ایک قوم کو ایک کام سے منع کرتا ہے یا ایک کام کی رغبت دیتا ہے تو اس کے علم میں یہ مقدّر ہوتا ہے کہ بعض اُس کام کو کریں گے اور بعض نہیں۔ پس یہ سورۃ پیشگوئی کر رہی ہے کہ کوئی فرد اس اُمّت میں سے کامل طور پر نبیوں کے رنگ میں ظاہر ہوگا تا وہ پیشگوئی جو آیت صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ سے مستنبط ہوتی ہے وہ اکمل اور اتم طور پر پوری ہو جائے اور کوئی گروہ ان میں سے ان یہودیوں کے رنگ میں ظاہر ہوگا جن پر حضرت عیسیٰ نے لعنت کی تھی اور وہ عذابِ الٰہی میں مبتلا ہوئے تھے تا وہ پیشگوئی جو آیت غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ سے مستنبط ہوتی ہے ظہور پذیر ہو۔ اور کوئی گروہ ان میں سے عیسائیوں کے رنگ میں ہو جائے گا عیسائی بن جائے گا جو خدا کی رہنمائی سے بوجہ اپنی شراب خواری اور اباحت اور فسق و فجور کے بے نصیب ہو گئے تا وہ پیشگوئی جو آیت وَ لَا الضَّآلِّيْنَ سے مترشح ہو رہی ہے ظاہر ہو جائے۔ اور چونکہ یہ بات مسلمانوں کے عقیدہ میں داخل ہے کہ آخری زمانہ میں ہزارہا مسلمان کہلانے والے یہودی صفت ہو جائیں گے اور قرآن شریف کے کئی ایک مقامات میں بھی یہ پیشگوئی موجود ہے اور صدہا مسلمانوں کا عیسائی ہو جانا یا عیسائیوں کی سی بے قید اور آزاد زندگی اختیار کرنا خود مشہود اور محسوس ہو رہا ہے بلکہ بہت سے لوگ مسلمان کہلانے والے ایسے ہیں کہ وہ عیسائیوں کی طرز معاشرت پسند کرتے ہیں اور مسلمان کہلا کر نماز روزہ اور حلال اور حرام کے احکام کو بڑی نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور یہ دونوں فرقے یہودی صفت اور عیسائی صفت اس ملک میں پھیلے ہوئے نظر آتے ہیں سو یہ دو پیشگوئیاں سورۃ فاتحہ کی تو تم پوری ہوتی دیکھ چکے ہو اور

بچشم خود مشاہدہ کر چکے ہو کہ کس قدر مسلمان یہودی صفت اور کس قدر عیسائیوں کے لباس میں ہیں۔تو اب تیسری پیشگوئی خود ماننے کے لائق ہے کہ جیسا کہ مسلمانوں نے یہودی عیسائی بننے سے یہود نصاریٰ کی بدی کا حِصّہ لیا ایسا ہی اُن کا حق تھا کہ بعض افراد ان کے اُن مقدس لوگوں کے مرتبہ اور مقام سے بھی حِصّہ لیں جو بنی اسرائیل میں گزر چکے ہیں یہ خدائے تعالیٰ پر بدظنی ہے کہ اُس نے مسلمانوں کو یہود و نصاریٰ کی بدی کا تو حِصّہ دار ٹھہرا دیا ہے یہاں تک کہ اُن کا نام یہود بھی رکھ دیا مگر اُن کے رسولوں اور نبیوں کے مراتب میں سے اس اُمّت کو کوئی حِصّہ نہ دیا پھر یہ اُمّت خیر الامم کس وجہ سے ہوئی؟ بلکہ شرّ الامم ہوئی کہ ہر ایک نمونہ شر کا ان کو ملا مگر نیکی کا نمونہ نہ ملا۔کیا ضرور نہیں کہ اِس اُمّت میں بھی کوئی نبیوں اور رسولوں کے رنگ میں نظر آوے جو بنی اسرائیل کے تمام نبیوں کا وارث اور اُن کا ظِلّ ہو؟ کیونکہ خدا تعالیٰ کی رحمت سے بعید ہے کہ وہ اس اُمّت میں اس زمانہ میں ہزارہا یہودی صفت لوگ تو پیدا کرے اور ہزارہا عیسائی مذہب میں داخل کرے مگر ایک شخص بھی ایسا ظاہر نہ کرے جو انبیائے گزشتہ کا وارث اور ان کی نعمت پانے والا ہو تا پیشگوئی جو آیت اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ سے مستنبط ہوتی ہے وہ بھی ایسی ہی پوری ہو جائے جیسا کہ یہودی اور عیسائی ہونے کی پیشگوئی پوری ہوگئی اور جس حالت میں اس اُمّت کو ہزارہا بُرے نام دیئے گئے ہیں اور قرآن شریف اور احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ یہود ہو جانا بھی ان کے نصیب میں ہے تو اس صورت میں خدا کے فضل کا خود یہ مقتضا ہونا چاہئے تھا کہ جیسے گزشتہ نصاریٰ سے اِنہوں نے بُری چیزیں لیں اسی طرح وہ نیک چیز کے بھی وارث ہوں اسی لئے خدا تعالیٰ نے سورۃ فاتحہ میں آیت اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ میں بشارت دی کہ اس اُمّت کے بعض افراد انبیائے گزشتہ کی نعمت بھی پائیں گے نہ یہ کہ نرے یہود ہی بنیں یا عیسائی بنیں اور ان قوموں کی بدی تو لے لیں مگر نیکی نہ لے سکیں۔

(کشتی نوح، روحانی خزائن جلد ۱۹ صفحہ ۴۵ تا ۴۸)

وَمَا قَصَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا الْفِرَقَ الثَّلَاثَ فِي الْفَاتِحَةِ إِلَّا لِيُشِيْرَ إِلٰى أَنَّ هٰذِهِ الْأُمَّةَ وَرِثَتْهُمْ فِيْ كُلِّ قِسْمٍ مِّنَ الْأَقْسَامِ الْمَذْكُوْرَةِ. فَقَدْ ظَهَرَتْ هٰذِهِ الْوَرَاثَةُ فِيْ مُسْلِمِيْ زَمَانِنَا الَّذِيْ هُوَ اٰخِرُ الزَّمَانِ بِظُهُوْرٍ تَآمٍّ. تَعْرِفُهَا كُلُّ نَفْسٍ

اور خدا نے فاتحہ میں تین فرقوں کا اس لئے ذکر کیا ہے کہ تا اس بات کی طرف اشارہ ہو کہ یہ اُمّت مذکورہ قسموں میں سے ہر ایک قسم کی وارث ہوگی۔پس بلاشبہ یہ وراثت ہمارے زمانہ میں جو آخری زمانہ ہے ایسی ظہور تام سے مسلمانوں میں ظاہر ہوگئی ہے کہ ہر یک

مِّنْ غَيْرِ الْحَاجَةِ إِلَى الْإِمْعَانِ كَمَا لَا يَخْفٰى عَلَى الَّذِيْنَ يَنْظُرُوْنَ إِلٰى مُسْلِمِيْ زَمَنِنَا هٰذَا وَإِلٰى مَا يَعْمَلُوْنَ. وَلِكُلٍّ فِرْقَةٍ مِّنْ هٰذِهِ الْوَرَثَآءِ الثَّلَاثِ دَرَجَاتٌ ثَلَاثٌ. أَمَّا الَّذِيْنَ وَرِثُوا الْمُنْعَمَ عَلَيْهِمْ فَمِنْهُمْ رِجَالٌ مَّا وَجَدُوْا حَظَّهُمْ مِّنَ الْإِنْعَامِ إِلَّا قَلِيْلًا مِّنَ الْعَقَآئِدِ أَوِ الْأَحْكَامِ وَهُمْ عَلَيْهِ يَقْنَعُوْنَ، وَ مِنْهُمْ مُقْتَصِدُوْنَ وَإِنَّهُمْ وَقَفُوْا عَلٰى مَرْتَبَةِ الْاِقْتِصَادِ وَمَا يَكْمُلُوْنَ، وَ مِنْهُمْ فَرْدٌ اجْتَبَاهُ رَبُّهٗ وَ كَمَّلَهٗ وَ جَعَلَهٗ سَابِقًا فِي الْخَيْرَاتِ، وَهُوَ يَجْتَبِيْۤ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَخُصُّ بِالدَّرَجَاتِ، فَذَالِكَ الْمَخْصُوْصُ هُوَ الْمَسِيْحُ الْمَوْعُوْدُ الَّذِيْ ظَهَرَ فِي الْقَوْمِ وَ هُمْ لَا يَعْرِفُوْنَ. وَ اَمَّا الَّذِيْنَ وَرِثُوا الْمَغْضُوْبَ عَلَيْهِمْ مِّنَ الْيَهُوْدِ فَمِنْهُمْ رِجَالٌ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ شَابَهُوْهُمْ فِيْ تَرْكِ الْفَرَآئِضِ وَالْحُدُوْدِ، لَا يَصُوْمُوْنَ وَلَا يُصَلُّوْنَ، وَلَا يَذْكُرُوْنَ الْمَوْتَ وَلَا يُبَالُوْنَ، وَمِنْهُمْ قَوْمٌ اتَّخَذُوا الدُّنْيَا مَعْبُوْدَهُمْ وَلَهَا فِيْ لَيْلِهِمْ وَ نَهَارِهِمْ يَعْمَلُوْنَ، وَمِنْهُمْ سَابِقُوْنَ فِي الرَّذَآئِلِ، وَ أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ أَهْلَ الْحَقِّ سُخْرِيًّا وَّ عَلَيْهِمْ يَضْحَكُوْنَ وَيُعَادُوْنَهُمْ وَيُكَفِّرُوْنَهُمْ وَيَشْتُمُوْنَهُمْ، وَيَعْمَلُوْنَ رِيَآءً

نفس بغیر حاجت فکر کے اس کو پہچان رہا ہے۔ چنانچہ یہ بات ان لوگوں پر مخفی نہیں جو ہمارے زمانہ کے مسلمانوں اوران کے کاموں کی طرف نظر کرتے ہیں اوران تینوں قسم کے وارثوں میں سے ہر یک فرقہء وارثہ کے تین درجے ہیں لیکن وہ جو منعم علیھم کے وارث ہوئے ان میں سے بعضوں نے انعام سے حِصّہ نہ پایا مگر تھوڑا سا حِصّہ عقائد اوراحکام میں سے ان کو ملا اور اسی پر انہوں نے قناعت کی اور بعض ان میں سے درمیانی چال والے ہیں اور وہ اسی اپنی چال پر کھڑے ہو گئے اور تکمیل اور کمال کے درجے تک نہیں پہنچے اور ان میں سے ایک فرد ہے کہ خدا نے اس کو چنا اور امام بنایا اور نیکیوں میں کامل کیا اور وہ چن لیتا ہے جس کو چاہتا ہے اور درجوں سے مخصوص کرتا ہے پس وہی مخصوص وہی مسیح موعود ہے جو اس قوم میں ظاہر ہوا اور وہ نہیں پہچانتے اور لیکن جو مغضوب علیھم کے وارث ہوئے ان میں سے وہ مسلمان ہیں جو خدا کے احکام اور فرائض کے ترک کرنے میں یہود سے مشابہ ہو گئے۔ نہ نماز پڑھتے ہیں نہ روزہ رکھتے ہیں اور موت کو یاد نہیں کرتے اور بے خوف ہیں اور ان میں سے ایسے لوگ بھی ہیں جنہوں نے دنیا کو اپنا معبود بنایا اور رات دن اسی کے لئے کام کرتے ہیں۔ اور ان میں سے ایسے لوگ ہیں کہ کمینی اور رذیل خصلتوں میں سب سے بڑھ گئے۔ یہی لوگ ہیں جو اہلِ حق پر ٹھٹھے مارتے ہیں اور ان سے دشمنی کرتے

وَّبَطَرًا وَّلَا يُخْلِصُوْنَ وَيَصُوْلُوْنَ عَلٰى مَسِيْحِ اللّٰهِ وَحِزْبِهٖ، وَيَجُرُّوْنَهُمْ إِلَى الْحُكَّامِ وَفِيْ كُلِّ طَرِيْقٍ يَّقْعُدُوْنَ، وَيَقُوْلُوْنَ اقْتُلُوْهُمْ فَإِنَّهُمْ كَافِرُوْنَ. وَإِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلٰى كَلَامِ اللّٰهِ وَاجْعَلُوْهُ حَكَمًا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ تَرٰى أَعْيُنَهُمْ تَحْمَرُّ مِنَ الْغَيْظِ وَ يَمُرُّوْنَ شَاتِمِيْنَ وَهُمْ مُّشْتَعِلُوْنَ. وَكَأَيِّنْ مِّنْ اٰيِ اللّٰهِ رَأَوْهَا بِأَعْيُنِهِمْ ثُمَّ يَمُرُّوْنَ مُسْتَكْبِرِيْنَ كَأَنَّهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ. وَ نَبَذُوْا كِتَابَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا، وَّقَالُوْا لَا تَسْمَعُوْا دَلَآئِلَهٗ وَالْغَوْا فِيْهَا لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ. وَأَمَّا الَّذِيْنَ وَرِثُوا الضَّآلِّيْنَ فَمِنْهُمْ قَوْمٌ أَحَبُّوْا شِعَارَ النَّصَارٰى وَسِيْرَتَهُمْ وَ إِلَيْهَا يَمِيْلُوْنَ. وَتَجِدُهُمْ يَرْغَبُوْنَ فِيْ حُلَلِهِمْ وَ قُمُصَانِهِمْ وَ قَلَانِسِهِمْ وَ نِعَالِهِمْ وَطَرْزِ مَعِيْشَتِهِمْ وَجَمِيْعِ خِصَالِهِمْ، وَ عَلٰى مَنْ خَالَفَهَا يَضْحَكُوْنَ. وَ يَتَزَوَّجُوْنَ نِسَآءً مِّنْ قَوْمِهِمْ وَ عَلَيْهِنَّ يَعْشَقُوْنَ. وَمِنْهُمْ قَوْمٌ مَّالُوْا إِلَى الْفَلْسَفَةِ الَّتِيْ أَشَاعُوْهَا وَفِيْ أَمْرِ الدِّيْنِ يَتَسَاهَلُوْنَ. وَ كَمْ مِّنْ كَلِمٍ تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ، وَيُحَقِّرُوْنَ دِيْنَ اللّٰهِ وَلَا يُبَالُوْنَ

ہیں اور گالیاں دیتے ہیں اور ریا اور دکھلاوے کے کام کرتے ہیں اور اخلاص نہیں رکھتے اور خدا کے مسیح پر اور اس کے گروہ پر حملہ کرتے ہیں اور ان کو حاکموں کی طرف کھینچتے ہیں اور ہر ایک راستے کے سرے پر ان کے ستانے کے لئے بیٹھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان کو مار ڈالو کیونکہ یہ کافر ہیں اور جس وقت ان کو کہیں کہ خدا کے کلام کی طرف آ ؤ اور اس کو ہمارے اور اپنے درمیان حَکَم بناؤ تو ان کی آنکھیں غصّہ سے لال ہو جاتی ہیں اور گالیاں دیتے گزر جاتے ہیں بہتوں نے خدا کے نشانوں کو آنکھوں سے دیکھا پھر متکبّرانہ گزر جاتے ہیں گویا اندھے ہیں۔ خدا کی کتاب کو پیٹھ پیچھے ڈال دیا ہے اور کہتے ہیں کہ اس کی دلیلوں کو نہ سنو اور اس کے پڑھنے کے وقت شور ڈال دو تا غالب ہو جاؤ لیکن جو ضالّین کے وارث ہوئے ان میں سے بعض نصاریٰ کی خوخصلت اور شعار کو دوست رکھتے ہیں اور اس طرف جھک گئے۔ لباس، کوٹ، پتلون، بوٹ اور طرز زندگی اور ساری عادتوں میں نصاریٰ کی نقل اتارتے ہیں اور ان عادتوں کے مخالفوں پر ہنستے ہیں اور نصاریٰ کی عورتوں کو اپنے نکاح میں لاتے ہیں اور ان سے عشق بازیاں کرتے ہیں۔ اور ان میں سے (کچھ لوگ) نصاریٰ کے فلسفے کی طرف متوجہ ہوئے جس کی ان شہروں میں انہوں نے اشاعت کی ہے اور دین کے کاموں میں غفلت کرتے ہیں۔ بہت ہی نامناسب باتیں بولتے ہیں اور خدا کے دین کی حقارت کرتے ہیں اور خوف نہیں کرتے اور بعض ان میں سے

وَمِنْهُمْ قَوْمٌ أَكْمَلُوْا أَمْرَ الضَّلَالَةِ، وَارْتَدُّوْا مِنَ الْإِسْلَامِ وَعَادَوْهُ مِنَ الْجَهَالَةِ، وَ كَتَبُوْا كُتُبًا فِيْ رَدِّهٖ، وَشَتَمُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَصَالُوْا عَلٰى عِرْضِهٖ، وَتِلْكَ أَفْوَاجٌ فِيْ هٰذَا الْمُلْكِ بَعْدَمَا كَانُوْا يُسْلِمُوْن. فَتَمَّ مَا أُشِيْرَ إِلَيْهِ فِي الْفَاتِحَةِ، فَاِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ۔

(خطبہ الہامیہ، روحانی خزائن جلد ۱۶ صفحہ ۱۶۶ تا ۱۷۳)

پکے گمراہ ہو گئے اور جہالت سے اسلام کے ساتھ دشمنی کرتے ہیں اور اسلام کے ردّ میں کتابیں لکھیں اور خدا کے رسول کو بُرا کہا اور اس کی عزت پر حملہ کیا اور اس قسم کے لوگ اس ملک میں کثرت سے ہیں اور وہ اس سے پہلے مسلمان تھے۔ پس جس بات کا سورۃ فاتحہ میں اشارہ تھا وہ ظاہر ہوگئی۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ۔

(ترجمہ اصل کتاب سے)

سعید فرقہ جو کہ عذاب سے نجات پانے والا ہے وہ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ہے۔ اور جو عذاب میں مبتلا ہونے والا ہے وہ مغضوب علیہم ہے۔ مغضوب علیہم اور ضالّین میں وہی فرق ہے جو کہ ایک مریض محرقہ اور مدقوق میں ہوتا ہے کہ ایک جلدی ہلاک ہوتا ہے اور ایک آہستہ آہستہ ہلاکت تک پہنچتا ہے۔ مگر انجام کار دونوں ہلاک ہوتے ہیں کوئی آگے کوئی پیچھے۔ (البدر جلد ۱ نمبر ۱ مؤرخہ ۳۱؍اکتوبر ۱۹۰۲ء صفحہ ۶)

بہترین دعا وہ ہوتی ہے جو جامع ہو تمام خیروں کی اور مانع ہو تمام مضرّات کی اِس لئے اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کی دعا میں آدم سے لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کل منعم علیہم لوگوں کے انعامات کی حصول کی دعا ہے۔ اور غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّيْنَ میں ہر قسم کی مضرتوں سے بچنے کی دعا ہے۔ چونکہ مغضوب سے مراد یہود اور ضالّین سے مراد نصاریٰ بالاتفاق ہے تو اس دعا کی تعلیم کا منشاء صاف ہے کہ یہودیوں نے جیسے بے جا عداوت کی تھی۔ مسیح موعود کے زمانہ میں مولوی لوگ بھی ویسا ہی کریں گے اور حدیثیں اس کی تائید کرتی ہیں۔ یہاں تک کہ وہ یہودیوں کے قدم بقدم چلیں گے۔

(الحکم جلد ۷ نمبر ۲۰ مؤرخہ ۳۱؍مئی ۱۹۰۳ء صفحہ ۳)

خدا تعالیٰ سے مانگنے کے واسطے ادب کا ہونا ضروری ہے اور عقلمند جب کوئی شے بادشاہ سے طلب کرتے ہیں ہمیشہ آداب کو مدِّنظر رکھتے ہیں اسی لئے سورہ فاتحہ میں خدا تعالیٰ نے سکھایا ہے کہ کس طرح مانگا جاوے اور اس میں دکھایا ہے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ یعنی سب تعریف خدا کو ہی ہے جو ربّ ہے سارے جہان کا۔ الرَّحْمٰنِ یعنی بلا مانگے اور سوال کئے کے دینے والا اور الرَّحِيْمِ یعنی انسان کی سچی محنت پر ثمرات حسنہ مرتب کرنے والا ہے۔ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ۔ جزا سزا اُسی کے ہاتھ میں ہے چاہے رکھے چاہے مارے اور جزا و سزا آخرۃ کی بھی ہے اور اس دنیا کی بھی اُسی کے ہاتھ میں ہے۔ جب اس قدر تعریف انسان کرتا ہے تو

اُسے خیال آتا ہے کہ کتنا بڑا خدا ہے جو کہ ربّ ہے رحمان ہے رحیم ہے اب تک اُسے غائب مانتا چلا آ رہا ہے اور پھر اُسے حاضر ناظر جان کر پکارتا ہے کہ اِیَّاكَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاكَ نَسۡتَعِیۡنُ اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ یعنی ایسی راہ جو کہ بالکل سیدھی ہے اس میں کسی قسم کی کجی نہیں ہے۔ ایک راہ اندھوں کی ہوتی ہے کہ محنتیں کر کر کے تھک جاتے ہیں اور نتیجہ کچھ نہیں نکلتا اور ایک وہ راہ کہ محنت کرنے سے اُس پر نتیجہ مرتّب ہوتا ہے پھر آگے صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡهِمۡ یعنی ان لوگوں کی راہ جن پر تُو نے انعام کیا اور وہ وہی صِرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمِ ہے جس پر چلنے سے انعام مرتّب ہوتے ہیں پھر غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡهِمۡ نہ ان لوگوں کی راہ جن پر تیرا غضب ہوا اور وَلَا الضَّآلِّیۡنَ اور نہ ان کی جو دور جا پڑے ہیں۔

اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ سے کل دنیا اور دین کے کاموں کی راہ مراد ہے مثلاً ایک طبیب جب کسی کا علاج کرتا ہے تو جب تک اُسے ایک صراطِ مستقیم ہاتھ نہ آوے علاج نہیں کر سکتا اسی طرح تمام وکیلوں اور ہر پیشہ اور علم کی ایک صراطِ مستقیم ہے کہ جب وہ ہاتھ آ جاتی ہے تو پھر کام آسانی سے ہو جاتا ہے۔

(اس مقام پر ایک صاحب نے اعتراض کیا کہ انبیاء کو اس دعا کی کیوں ضرورت تھی وہ تو پیشتر ہی سے صراطِ مستقیم پر ہوتے ہیں۔ تلمیذ الرحمان حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ)

وہ یہ دُعا ترقی مراتب اور درجات کے لئے طلب کرتے ہیں بلکہ یہ اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ تو آخرۃ میں مومن بھی مانگیں گے کیونکہ جیسے اللہ تعالیٰ کی کوئی حدّ نہیں ہے اسی طرح اس کے پاس درجات اور مراتب کی ترقی کی بھی کوئی حدّ نہیں ہے۔ (بدر جلد ۲ نمبر ۴ مورخہ ۱۳؍ فروری ۱۹۰۳ء صفحہ ۲۷، ۲۸)

اب جیسا کہ سورۃ فاتحہ میں تین گروہ کا ذکر ہے۔ ان تین کا ہی مزا چکھا دے گا۔ اس میں جو آخر تھے، وہ مقدّم ہو گئے یعنی ضالّین۔ اسلام وہ تھا کہ ایک شخص مرتد ہو جاتا تو قیامت برپا ہو جاتی تھی، مگر اب بیس[2] لاکھ عیسائی ہو چکے ہیں اور خود ناپاک ہو کر پاک وجود کو گالیاں دی جاتی ہیں۔ پھر مغضوب کا نمونہ طاعون سے دکھایا جا رہا ہے۔ اس کے بعد اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡهِمۡ کا گروہ ہوگا۔ (الحکم جلد ۵ نمبر ۶ مؤرخہ ۳۰؍ اپریل ۱۹۰۱ء صفحہ ۵)

انہوں نے (آجکل کے مؤحد کہلانے والے) بجز خشک لفاظی کے اور کوئی فائدہ اسلام کو نہیں پہنچایا۔ اپنے طریقِ عمل سے اسلام کو مُردہ مذہب ثابت کرنا چاہا ہے جبکہ یہ کہہ دیا کہ اب کوئی ایسا مرد نہیں ہے جس کے ساتھ زندہ نشانات اسلام کی تائید میں ہوں۔ افسوس! ان لوگوں کی عقلوں کو کیا ہوا۔ یہ کیوں نہیں سمجھتے؟ کیا قرآن میں جو اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡهِمۡ کہا گیا تھا، یہ یُونہی ایک بے معنی اور بے مطلب بات تھی اور نرا ایک قِصّہ ہی قِصّہ ہے؟ کیا وہ انعام کچھ نہ تھا؟ خدا نے نرا دھوکہ ہی دیا ہے؟ اور وہ

اپنے سچے طالبوں اور صادقوں کو بدنصیب ہی رکھنا چاہتا ہے؟ کس قدر ظلم ہے اگر یہ خدا کی نسبت قرار دیا جاوے کہ وُہ نری لفاظی سے ہی کام لیتا ہے۔

حقیقت یہ نہیں ہے یہ ان لوگوں کی اپنی خیالی باتیں ہیں۔قرآن شریف درحقیقت انسان کو ان مراتب اور اعلیٰ مدارج پر پہنچانا چاہتا ہے جو اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ کے مصداق لوگوں کو دیئے گئے تھے اور کوئی زمانہ ایسا نہیں ہوتا جبکہ خدا تعالیٰ کے کلام کے زندہ ثبوت موجود نہ ہوں۔ ہمارا یہ مذہب ہرگز نہیں ہے کہ آریوں کی طرح کوئی خدا کا پریمی اور بھگت کتنی ہی دعائیں کرے اور رورو کر اپنی جان کھوئے اور اس کا کوئی نتیجہ نہ ہو۔ اسلام خشک مذہب نہیں ہے۔ اسلام ہمیشہ ایک زندہ مذہب ہے اور اس کے نشانات اس کے ساتھ ہیں۔ پیچھے رہے ہوئے نہیں ہیں۔ (الحکم جلد ۵ نمبر ۳۶ مؤرخہ ۳۰ ستمبر ۱۹۰۱ء صفحہ ۳)

دنیا دار دنیا کے ہم وغم میں ایسا غرق ہوتا ہے کہ انجام کار اسے بھولے سے بھی خیال نہیں گزرتا اور جس طرح ایک خارش والا بس نہیں کرتا جب تک کہ خون نہ نکل آوے اسی طرح وہ بھی سیر نہیں ہوتا اور کتے کی طرح اپنا خون آپ پیتا ہے اور جانتا نہیں کہ دنیا کی زندگی چیز ہی کیا ہے۔ اسی واسطے اللہ کریم نے مسلمانوں کو غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡہِمۡ وَ لَا الضَّآلِّیۡنَ والی دعا سکھائی ہے کہ جو لوگ اسی دنیا کے کیڑے ہوتے ہیں اور اسی دنیا کی خاطر رسولوں اور نبیوں کا انکار کر دیتے ہیں اور پھر اسی دنیا میں ہی ان پر عذاب نازل ہوتا ہے ان میں شامل ہونے سے بچا۔ (الحکم جلد ۱۱ نمبر ۴۰ مورخہ ۱۰ نومبر ۱۹۰۷ء صفحہ ۷)

سورۃ فاتحہ کی بعض مختصر تفاسیر

اِعۡلَمۡ أَنَّ اللّٰهَ تَعَالَى افۡتَتَحَ كِتَابَهٗ بِالۡحَمۡدِ لَا بِالشُّكۡرِ وَلَا بِالثَّنَآءِ ۔ لِأَنَّ الۡحَمۡدَ أَتَمُّ وَأَكۡمَلُ مِنۡهُمَا وَ أَحَاطَهُمَا بِالۡاِسۡتِيۡفَآءِ۔ ثُمَّ ذَالِكَ رَدٌّ عَلٰى عَبَدَةِ الۡمَخۡلُوۡقِيۡنَ وَالۡأَوۡثَانِ۔ فَإِنَّهُمۡ يَحۡمَدُوۡنَ طَوَاغِيۡتَهُمۡ وَيَنۡسِبُوۡنَ إِلَيۡهَا صِفَاتِ الرَّحۡمٰنِ۔ وَ فِي الۡحَمۡدِ إِشَارَةٌ أُخۡرٰى۔ وَهِيَ أَنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى يَقُوۡلُ

جان لو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کو شکر اور ثناء سے نہیں بلکہ حمد سے شروع کیا ہے کیونکہ حمد کا لفظ ان دونوں سے زیادہ مکمل اور جامع ہے اور ان دونوں پر پورے طور پر محیط ہے۔ پھر لفظ اَلۡحَمۡد مخلوق کے پرستاروں اور بتوں کے پوجاریوں کی تردید ہے۔ کیونکہ وہ اپنے باطل معبودوں کی حمد کرتے ہیں۔ اور خدائے رحمان کی صفات ان کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اَلۡحَمۡد میں ایک اور اشارہ بھی ہے اور وہ یہ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ

أَيُّهَا الْعِبَادُ اعْرِفُوْنِيْ بِصِفَاتِيْ. وَ اٰمِنُوْا بِيْ لِكَمَالَاتِيْ. وَ انْظُرُوْا إِلَى السَّمَاوَاتِ وَالْأَرَضِيْنَ. هَلْ تَجِدُوْنَ كَمِثْلِيْ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ. وَأَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ. وَمَالِكَ يَوْمِ الدِّيْنَ. وَمَعَ ذَالِكَ إِشَارَةٌ إِلٰى أَنَّ إِلٰهَكُمْ إِلٰهٌ جَمَعَ جَمِيْعَ أَنْوَاعِ الْحَمْدِ فِيْ ذَاتِهٖ. وَتَفَرَّدَ فِيْ سَآئِرِ مَحَاسِنِهٖ وَصِفَاتِهٖ. وَإِشَارَةٌ إِلٰى أَنَّهٗ تَعَالٰى مُنَزَّهٌ شَأْنُهٗ عَنْ كُلِّ نَقْصٍ وَّحُؤُوْلِ حَالَةٍ وَّلُحُوْقِ وَصْمَةٍ كَالْمَخْلُوْقِيْنَ. بَلْ هُوَ الْكَامِلُ الْمَحْمُوْدُ. وَلَا تُحِيْطُهُ الْحُدُوْدُ. وَلَهُ الْحَمْدُ فِي الْأُوْلٰى وَ الْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْأَزَلِ إِلٰى أَبَدِ الْاٰبِدِيْنَ. وَلِذَالِكَ سَمَّى اللّٰهُ نَبِيَّهٗ أَحْمَدَ. وَكَذَالِكَ سَمّٰى بِهِ الْمَسِيْحَ الْمَوْعُوْدَ لِيُشِيْرَ إِلٰى مَا تَعَمَّدَ. وَإِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ الْحَمْدَ عَلٰى رَأْسِ الْفَاتِحَةِ. ثُمَّ أَشَارَ إِلَى الْحَمْدِ فِيْ اٰخِرِ هٰذِهِ السُّوْرَةِ. فَإِنَّ اٰخِرَهَا لَفْظُ الضَّآلِّيْنَ. وَهُمُ النَّصَارٰى الَّذِيْنَ أَعْرَضُوْا عَنْ حَمْدِ اللّٰهِ وَ أَعْطَوْا حَقَّهٗ لِأَحَدٍ مِّنَ الْمَخْلُوْقِيْنَ. فَإِنَّ حَقِيْقَةَ الضَّلَالَةِ هِيَ تَرْكُ الْمَحْمُوْدِ الَّذِيْ يَسْتَحِقُّ الْحَمْدَ وَالثَّنَآءَ. كَمَا فَعَلَ النَّصَارٰى وَ نَحَتُوْا مِنْ عِنْدِهِمْ مَحْمُوْدًا

اے میرے بندو! مجھے میری صفات کے ذریعہ پہچانو اور میرے کمالات کی بناء پر مجھ پر ایمان لاؤ اور آسمانوں اور زمینوں پر غور کرو۔ کیا تم میرے جیسا کسی اور کو ربّ العالمین اور ارحم الراحمین اور مالک یوم الدین پاتے ہو۔ مزید برآں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ تمہارا معبود ایسا معبود ہے جس کی ذات ہر قسم کی حمد کی جامع ہے اور اپنی تمام خوبیوں اور صفتوں میں منفرد اور یگانہ ہے۔ اس طرف بھی اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شان ہر نقص ہر تغیر اور ہر عیب کے لاحق ہونے سے پاک ہے جو مخلوق میں پایا جاتا ہے بلکہ وہ اپنی ذات میں قابل تعریف ہے اور وہ حدّ بندی سے بالا ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی بعثت اور پچھلی بعثت میں بلکہ ازل سے ابدالآباد تک سب تعریف اسی کے لئے ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کا نام احمد رکھا اور اسی طرح مسیح موعود کا بھی یہی نام رکھا تا اس نے جو قصد کیا تھا اس کی طرف اشارہ فرمائے۔ اور اللہ تعالیٰ نے سورۃ فاتحہ کے ابتداء میں الحمد لکھا ہے پھر اس سورت کے آخر میں بھی الحمد کی طرف اشارہ کیا ہے کیونکہ اس کے آخر میں الضّالّین کا لفظ ہے اور وہ نصاریٰ ہیں جنہوں نے خدا تعالیٰ کی حمد کرنے سے منہ موڑ لیا اور اس کا حق مخلوق کے ایک فرد کو دے دیا۔ کیونکہ گمراہی کی حقیقت یہ ہے کہ اس قابلِ تعریف ہستی کو جو حمد وثنا کی مستحق ہے چھوڑ دیا جائے۔ جیسا کہ نصاریٰ نے کیا ہے۔ انہوں نے اپنے پاس سے ایک اور قابلِ تعریف معبود بنالیا اور انہوں نے

اٰخَرَ وَ بَالَغُوْا فِي الْاِطْرَآءِ وَاتَّبَعُوا الْأَهْوَآءَ. وَ بَعُدُوْا مِنْ عَيْنِ الْحَيَاةِ. وَهَلَكُوْا كَمَا يَهْلِكُ الضَّآلُّ فِي الْمَوْمَاةِ.

وَإِنَّ الْيَهُوْدَ هَلَكُوْا فِيْ أَوَّلِ أَمْرِهِمْ وَبَآءُوْا بِغَضَبٍ مِّنَ اللهِ الْقَهَّارِ. وَ النَّصَارٰى سَلَكُوْا قَلِيْلاً ثُمَّ ضَلُّوْا وَفَقَدُوْا الْمَآءَ فَمَاتُوْا فِيْ فَلَاةٍ مِّنَ الْاِضْطِرَارِ. فَحَاصِلُ هٰذَا الْبَيَانِ أَنَّ اللهَ خَلَقَ أَحْمَدَيْنِ فِيْ صَدْرِ الْإِسْلَامِ وَفِيْ اٰخِرِ الزَّمَانِ. وَ أَشَارَ إِلَيْهِمَا بِتَكْرَارِ لَفْظِ الْحَمْدِ فِيْ أَوَّلِ الْفَاتِحَةِ وَفِيْ اٰخِرِهَا لِأَهْلِ الْعِرْفَانِ. وَفَعَلَ كَذَالِكَ لِيَرُدَّ عَلَى النَّصْرَانِيِّيْنَ. وَأَنْزَلَ أَحْمَدَيْنِ مِنَ السَّمَآءِ لِيَكُوْنَا كَالْجِدَارَيْنِ لِحِمَايَةِ الْأَوَّلِيْنَ وَ الْاٰخِرِيْنَ.

(اعجاز المسیح، روحانی خزائن جلد ۱۸ صفحہ ۱۹۵ تا ۱۹۸)

اس کی تعریف میں بڑا مبالغہ کیا ہے۔ انہوں نے اپنی خواہشات کی پیروی کی اور زندگی کے چشمہ سے دور نکل گئے اور اس طرح ہلاک ہو گئے جس طرح ایک راہ گم کردہ شخص بیابان میں ہلاک ہو جاتا ہے۔

اور یہود تو اپنی ابتدا میں ہی ہلاک ہو گئے تھے اور خدائے قہار کے غضب کے مورد بن گئے تھے۔ نصاریٰ چند قدم چلے پھر گمراہ ہو گئے اور روحانی پانی کھو دیا اور آخر کار لاچار ہو کر بیابانوں میں ہی مر گئے۔ پس خلاصہ بیان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دو احمد پیدا کئے (ایک) اسلام کے ابتدائی زمانہ میں اور (ایک) آخری زمانہ میں۔ اور اللہ تعالیٰ نے اہلِ عرفان کے لئے سورۃ فاتحہ کے شروع میں اور اس کے آخر میں الحمد کا لفظاً و معناً تکرار کر کے ان دونوں (احمدوں) کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ اور خدا نے ایسا عیسائیوں کی تردید کے لئے کیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے دو احمد آسمان سے اتارے تا وہ دونوں پہلوں اور پچھلوں کی حمایت کے لئے دو دیواروں کی طرح ہو جائیں۔ (ترجمہ از مرتب)

ہم اس حیّ و قیّوم کو محض اپنی ہی تدبیروں سے ہرگز نہیں پا سکتے۔ بلکہ اس راہ میں صراطِ مستقیم صرف یہ ہے کہ پہلے ہم اپنی زندگی مع اپنی تمام قوتوں کے خدا تعالیٰ کی راہ میں وقف کر کے پھر خدا کے وصال کے لئے دعا میں لگے رہیں تا خدا کو خدا ہی کے ذریعہ سے پاویں۔

ایک پیاری دعا

اور سب سے زیادہ پیاری دُعا جو عین محل اور موقع سوال کا ہمیں سکھاتی ہے اور فطرت کے روحانی جوش کا نقشہ ہمارے سامنے رکھتی ہے وہ دُعا ہے جو خدائے کریم نے اپنی پاک کتاب قرآن شریف میں یعنی سورہ فاتحہ

میں ہمیں سکھائی ہے اور وہ یہ ہے۔ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۔ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ۔تمام پاک تعریفیں جو ہوسکتی ہیں اس اللہ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پیدا کرنے والا اور قائم رکھنے والا ہے۔ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۔وہی خدا جو ہمارے اعمال سے پہلے ہمارے لئے رحمت کا سامان میسّر کرنے والا ہے اور ہمارے اعمال کے بعد رحمت کے ساتھ جزا دینے والا ہے مٰلِکِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ ۔وہ خدا جو جزاء کے دن کا وہی ایک مالک ہے۔کسی اور کو وہ دن نہیں سونپا گیا۔ اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ اے وہ جو ان تعریفوں کا جامع ہے ہم تیری ہی پرستش کرتے ہیں۔اور ہم ہر ایک کام میں توفیق تجھ ہی سے چاہتے ہیں۔اس جگہ ہم کے لفظ سے پرستش کا اقرار کرنا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ہمارے تمام قویٰ تیری پرستش میں لگے ہوئے ہیں اور تیرے آستانہ پر جھکے ہوئے ہیں کیونکہ انسان باعتبار اپنے اندرونی قویٰ کے ایک جماعت اور ایک اُمّت ہے اور اس طرح پر تمام قویٰ کا خدا کو سجدہ کرنا یہی وہ حالت ہے جس کو اسلام کہتے ہیں۔ اِہۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ ہمیں اپنی سیدھی راہ دکھلا اور اس پر ثابت قدم کر کے ان لوگوں کی راہ دکھلا جن پر تیرا انعام و اکرام ہے اور تیرے مورد فضل وکرم ہو گئے ہیں۔غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡہِمۡ وَ لَا الضَّآلِّیۡنَ اور ہمیں ان لوگوں کی راہوں سے بچا جن پر تیرا غضب ہے اور جو تجھ تک نہیں پہنچ سکے اور راہ کو بھول گئے۔آمین۔اے خدا! ایسا ہی کر۔

یہ آیات سمجھا رہی ہیں کہ خدا تعالیٰ کے انعامات جو دوسرے لفظوں میں فیوض کہلاتے ہیں انہی پر نازل ہوتے ہیں جو اپنی زندگی کی خدا کی راہ میں قربانی دے کر اور اپنا تمام وجود اس کی راہ میں وقف کر کے اور اس کی رضا میں محو ہو کر پھر اس وجہ سے دعا میں لگے رہتے ہیں کہ تا جو کچھ انسان کو روحانی نعمتوں اور خدا کے قرب اور وصال اور اس کے مکالمات اور مخاطبات میں سے مل سکتا ہے وہ سب ان کو ملے اور اس دعا کے ساتھ اپنے تمام قویٰ سے عبادت بجالاتے ہیں اور گناہ سے پرہیز کرتے اور آستانہ الٰہی پر پڑے رہتے ہیں اور جہاں تک ان کے لئے ممکن ہے اپنے تئیں بدی سے بچاتے ہیں اور غضبِ الٰہی کی راہوں سے دور رہتے ہیں۔سو چونکہ وہ ایک اعلیٰ ہمّت اور صدق کے ساتھ خدا کو ڈھونڈتے ہیں اس لئے اس کو پالیتے ہیں اور خدا تعالیٰ کی پاک معرفت کے پیالوں سے سیراب کئے جاتے ہیں۔اس آیت میں جو استقامت کا ذکر فرمایا یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ سچا اور کامل فیض جو روحانی عالَم تک پہنچاتا ہے کامل استقامت سے وابستہ ہے اور کامل استقامت سے مراد ایک ایسی حالت صدق و وفا ہے جس کو کوئی امتحان ضرر نہ پہنچا سکے۔یعنی ایسا پیوند ہو جس کو

نہ تلوار کاٹ سکے نہ آگ جلا سکے اور نہ کوئی دوسری آفت نقصان پہنچا سکے۔ عزیزوں کی موتیں اس سے علیحدہ نہ کر سکیں۔ پیاروں کی جدائی اس میں خلل انداز نہ ہو سکے۔ بے آبروئی کا خوف کچھ رُعب نہ ڈال سکے۔ ہولناک دکھوں سے مارا جانا ایک ذرہ دل کو نہ ڈرا سکے۔ سو یہ دروازہ نہایت تنگ ہے۔ اور یہ راہ نہایت دشوار گزار ہے۔ کس قدر مشکل ہے۔ آہ! صد آہ !! (اسلامی اصول کی فلاسفی، روحانی خزائن جلد ۱۰ صفحہ ۳۸۱، ۳۸۲)

اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے اور اس کو مستحکم اور مضبوط کرنے کی تین صورتیں ہیں اور خدا تعالیٰ نے وہ تینوں ہی سورۃ فاتحہ میں بیان کر دی ہیں۔ اوّل۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حُسن کو دکھایا ہے جبکہ جمیع محامد کے ساتھ اپنے آپ کو متّصف کیا ہے یہ قاعدہ کی بات ہے کہ خوبی بجائے خود دل کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے خوبی میں ایک مقناطیسی جذب ہے جو دلوں کو کھینچتی ہے۔ جیسے موتی کی آب، گھوڑے کی خوبصورتی، لباس کی چمک دمک غرض یہ حسن، پھولوں، پتوں، پتھروں، حیوانات، نباتات، جمادات کسی چیز میں ہو۔ اس کا خاصّہ ہے کہ بے اختیار دل کو کھینچتا ہے پس خدا تعالیٰ نے پہلا مرحلہ اپنی خدائی منوانے کا حُسن کا رکھا ہے جب اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ فرمایا کہ جمیع اقسام حمد و ستائش اسی کے لئے سزاوار ہیں۔ پھر دوسرا درجہ احسان کا ہوتا ہے انسان جیسے حُسن پر مائل ہوتا ہے ویسے ہی احسان پر بھی مائل ہوتا ہے اس لئے پھر اللہ تعالیٰ نے رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ۔ الرَّحۡمٰنِ ۔ الرَّحِیۡمِ ۔ مٰلِکِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ صفات کو بیان کر کے اپنے احسان کی طرف توجہ دلائی۔ لیکن اگر انسان کا مادہ ایسا ہی خراب ہو اور وہ حُسن اور احسان سے بھی سمجھ نہ سکے تو پھر تیسرا ذریعہ سورۃ فاتحہ میں غیر المغضوب کہہ کر متنبّہ کیا ہے۔ اعلیٰ درجہ کے لوگ تو حسن سے فائدہ اٹھاتے اور جو ان سے کم درجہ پر ہوں وہ احسان سے فائدہ اُٹھا لیتے ہیں لیکن جو ایسے ہی پلید طبع ہوں ان کو اپنے جلال اور غضب سے متوجہ کیا ہے یہود یوں کو مغضوب کہا ہے۔ اور ان پر طاعون ہی پڑی تھی۔ خدا تعالیٰ نے سورۃ فاتحہ میں یہودیوں کی راہ اختیار کرنے سے منع فرمایا۔ یا یوں کہو کہ طاعون کے عذاب شدید سے ڈرایا ہے۔ شیطان بے باک انسان پر ایسا سوار ہے کہ وہ سن لیتے ہیں مگر عمل نہیں کرتے۔ اصل یہ ہے کہ جب تک جذبات اور شہوات پر ایک موت وارد ہو کر انہیں بالکل سرد نہ کر دے خدا تعالیٰ پر ایمان لانا مشکل ہے۔ (الحکم جلد ۶ نمبر ۹ مؤرخہ ۱۰؍مارچ ۱۹۰۲ء صفحہ ۵، ۶)

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ مٰلِکِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ ۔ الی آخر السورۃ۔ یہ ساری باتیں چاہتی ہیں کہ کوئی ربّ ہے اور کوئی چیز مخلوق بھی ہے۔ پس ہم کو اپنی خدائی کا ثبوت دیں۔ خدا نے انسان کو مخلوق پیدا کیا ہے اور دنیا میں بھی مخلوق بنایا ہے۔ پھر ہم چاند سورج وغیرہ کو کس طرح خدا مان لیں۔

(الحکم جلد ۶ نمبر ۳۸ مؤرخہ ۲۴؍اکتوبر ۱۹۰۲ء صفحہ ۷)

بت پرستی اور عناصر پرستی کا مذہب اس ملک میں اس قدر قدیم ہے کہ محققانہ طور پر اس کا کوئی ابتدا ٹھہرانا مشکل ہے بجز اس کے کہ اس مذہب کو وید کے ساتھ ساتھ تسلیم کیا جائے مگر پھر بھی..... مجھے بعض قرآنی آیتوں پر نظر ڈال کر خیال آتا ہے کہ شاید اصل تعلیم وید کی عناصر پرستی سے پاک ہو اور عناصر کی مہما اور اُستت سے کچھ اور مطلب ہو مگر..... یہ میرا خیال اس وقت یقین کے مرتبہ تک پہنچے گا جبکہ وید کی پچاس[۵۰] یا ساٹھ[۶۰] یا ستّر[۷۰] شرتیوں سے یہ ثابت ہو جائے کہ وہ ان تمام عناصر اور اجرام فلکی کی پوجا سے جن کی مہما اور اُستت رگ وید میں موجود ہے صاف اور صریح لفظوں کے ساتھ منع کرتا ہے۔

وید کی شرتیوں کی وہ تاویل جس کا میں اُوپر ذکر کر آیا ہوں قرآن شریف کی چند آیتوں پر غور کرنے سے میرے دل میں گزرتی ہے۔ پہلی آیت یہ کہ اللہ تعالیٰ قرآن شریف کی سورۃ فاتحہ میں فرماتا ہے۔ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ۔یعنی ہر ایک حمد اور ثنا اس خدا کے لئے مسلّم ہے جس کی تربیت ہر ایک عالَم میں یعنی ہر ایک رنگ میں ہر ایک پیرایہ میں اور ہر ایک فائدہ بخش صنعتِ الٰہی کے ذریعہ سے مشہود اور محسوس ہو رہی ہے یعنی جن جن متفرق وسیلوں پر اس دنیا کے لوگوں کی بقا اور عافیت اور تکمیل موقوف ہے دراصل ان کے پردہ میں ایک ہی پوشیدہ طاقت کام کر رہی ہے جس کا نام اللہ ہے۔ چنانچہ اس دنیا کے کاروبار کی تکمیل کے لئے ایک قسم کی تربیت سورج کر رہا ہے جو ایک حدّ تک انسان کے بدن کو گرمی پہنچا کر دورانِ خون کا سلسلہ جاری رکھتا ہے جس سے انسان مرنے سے بچتا ہے اور اس کی آنکھوں کے نور کی مدد کرتا ہے۔ پس حقیقی سورج جو حقیقی گرمی پہنچانے والا اور حقیقی روشنی عطا کرنے والا ہے وہ خدا ہے کیونکہ اسی کی طاقت کے سہارے سے یہ سورج بھی کام کر رہا ہے اور اس حقیقی سورج کا صرف یہی کام نہیں کہ وہ دورانِ خون کے سلسلہ کو جاری رکھتا ہے جس پر جسمانی زندگی موقوف ہے۔ اس طرح پر کہ اس فعل کا آلہ انسان کے دل کو ٹھہراتا ہے اور آسمانی روشنی سے آنکھوں کے نور کی مدد کرتا ہے بلکہ وہ روحانی زندگی کو نوعِ انسان کے تمام اعضاء تک پہنچانے کے لئے منجملہ انسانوں کے ایک انسان کو اختیار کر لیتا ہے اور انسانی سلسلہ کے مجموعہ کے لئے جو ایک جسم کا حکم رکھتا ہے اس کو بطور دل کے قرار دے دیتا ہے اور اس کو روحانی زندگی کا خون نوعِ انسان کے تمام اعضاء تک پہنچانے کے لئے ایک آلہ مقرر کر دیتا ہے۔ پس وہ طبعاً اس خدمت میں لگا رہتا ہے کہ ایک طرف سے لیتا اور پھر تمام مناسب اطراف میں تقسیم کر دیتا ہے اور جیسا کہ غیر حقیقی اور جسمانی سورج آنکھوں کو کامل روشنی پہنچاتا اور تمام نیک بد چیزیں ان پر کھول دیتا ہے۔ ایسا ہی یہ حقیقی سورج دل کی آنکھ کو معرفت کے بلند مینار

تک پہنچا کر دن چڑھا دیتا ہے اور جیسا کہ وہ جسمانی سورج حقیقی سورج کے سہارے سے پھلوں کو پکاتا ہے اور ان میں شیرینی اور حلاوت ڈالتا اور عفونتوں کو دُور کرتا اور بہار کے موسم میں تمام درختوں کو ایک سبز چادر پہناتا اور خوشگوار پھلوں کی دولت سے ان کے دامن کو پُر کرتا اور پھر خریف میں اس کے برخلاف اثر ظاہر کرتا ہے اور تمام درختوں کے پتے گرا دیتا اور بدشکل بنا دیتا اور پھلوں سے محروم کرتا اور بالکل انہیں ننگے کر دیتا ہے بجز ان ہمیشہ بہار درختوں کے جن پر وہ ایسا اثر نہیں ڈالتا یہی کام اس حقیقی آفتاب کے ہیں جو سرچشمہ تمام روشنیوں اور فیضوں کا ہے وہ اپنی مختلف تجلّیات سے مختلف طور کے اثر دکھاتا ہے ایک قسم کی تجلّی سے وہ بہار پیدا کر دیتا ہے اور پھر دوسری قسم کی تجلّی سے وہ خزاں لاتا ہے اور ایک تجلّی سے وہ عارفوں کے لئے معرفت کی حلاوتیں پیدا کرتا ہے اور پھر ایک تجلّی سے کفر اور فسق کا عفونت ناک مادہ دنیا سے دُور اور دفع کر دیتا ہے۔ پس اگر غور سے دیکھا جائے تو وہ تمام کام جو یہ جسمانی آفتاب کر رہا ہے وہ سب کام اس حقیقی آفتاب کے ظِلّ ہیں اور یہ نہیں کہ وہ صرف روحانی کام کرتا ہے بلکہ جس قدر اس جسمانی سورج کے کام ہیں وہ اس کے اپنے کام نہیں ہیں بلکہ درحقیقت اسی معبودِ حقیقی کی پوشیدہ طاقت اس کے اندر وہ تمام کام کر رہی ہے جیسا کہ اُسی کی طرف اشارہ کرنے کے لئے قرآن شریف میں ایک ملکہ کا قِصّہ لکھا ہے جو آفتاب پرست تھی اور اس کا نام بلقیس تھا اور وہ اپنے ملک کی بادشاہ تھی اور ایسا ہوا کہ اس وقت کے نبی نے اس کو دھمکی دے بھیجی کہ تجھے ہمارے پاس حاضر ہونا چاہئے ورنہ ہمارا لشکر تیرے پر چڑھائی کرے گا اور پھر تیری خیر نہیں ہوگی۔ پس وہ ڈر گئی اور اس نبی کے پاس حاضر ہونے کے لئے اپنے شہر سے روانہ ہوئی اور قبل اس کے کہ وہ حاضر ہو اس کو متنبّہ کرنے کے لئے ایک ایسا محل طیار کیا گیا جس پر نہایت مصفّا شیشہ کا فرش تھا اور اس فرش کے نیچے نہر کی طرح ایک وسیع خندق طیار کی گئی تھی جس میں پانی بہتا تھا اور پانی میں مچھلیاں چلتی تھیں جب وہ ملکہ اس جگہ پہنچی تو اس کو حکم دیا گیا کہ محل کے اندر آ جا تب اس نے نزدیک جا کر دیکھا کہ پانی زور سے بہہ رہا ہے اور اس میں مچھلیاں ہیں۔ اس نظارہ سے اس پر یہ اثر ہوا کہ اُس نے اپنی پنڈلیوں پر سے کپڑا اُٹھالیا کہ ایسا نہ ہو کہ پانی میں تر ہو جائے۔ تب اُس نبی نے اس ملکہ کو جس کا نام بلقیس تھا آواز دی کہ اے بلقیس تو کس غلطی میں گرفتار ہو گئی۔ یہ تو پانی نہیں ہے جس سے ڈر کر تُو نے پاجامہ اُوپر اُٹھالیا۔ یہ تو شیشہ کا فرش ہے اور پانی اس کے نیچے ہے۔ اس مقام میں قرآن شریف میں یہ آیت ہے۔ قَالَ اِنَّهٗ صَرۡحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنۡ قَوَارِيۡرَ (النّمل: ۴۵) یعنی اس نبی نے کہا کہ اے بلقیس تو کیوں دھوکا کھاتی ہے یہ تو شیش محل کے شیشے ہیں جو اُوپر کی سطح پر بطور فرش

کے لگائے گئے ہیں اور پانی جو زور سے بہہ رہا ہے وہ تو ان شیشوں کے نیچے ہے نہ کہ یہ خود پانی ہیں تب وہ سمجھ گئی کہ میری مذہبی غلطی پر مجھے ہوشیار کیا گیا ہے اور مَیں نے فی الحقیقت جہالت کی راہ اختیار کر رکھی تھی جو سورج کی پوجا کرتی تھی۔ تب وہ خدائے واحد لاشریک پر ایمان لائی اور اُس کی آنکھیں کھل گئیں اور اُس نے یقین کرلیا کہ وہ طاقتِ عظمیٰ جس کی پرستش کرنی چاہئے وہ تو اور ہے اور مَیں دھوکہ میں رہی اور سطحی چیز کو معبود ٹھہرایا اور اس نبی کی تقریر کا ماحصل یہ تھا کہ دنیا ایک شیش محل ہے اور سورج اور چاند اور ستارے اور عناصر وغیرہ جو کچھ کام کررہے ہیں۔ یہ دراصل ان کے کام نہیں یہ تو بطور شیشوں کے ہیں بلکہ ان کے نیچے ایک طاقت مخفی ہے جو خدا ہے۔ یہ سب اس کے کام ہیں۔ اس نظارہ کو دیکھ کر بلقیس نے سچے دل سے سورج کی پوجا سے توبہ کی اور سمجھ لیا کہ وہ طاقت ہی اور ہے کہ سورج وغیرہ سے کام کراتی ہے اور یہ تو صرف شیشے ہیں۔

یہ تو ہم نے سورج کا حال بیان کیا ایسا ہی چاند کا حال ہے۔ جن صفات کو چاند کی طرف منسوب کیا جاتا ہے وہ دراصل خدا تعالیٰ کی صفات ہیں۔ وہ راتیں جو خوفناک تاریکی پیدا کرتی ہیں چاند ان کو روشن کرنے والا ہے جب وہ چمکتا ہے تو فی الفور اندھیری رات کی تاریکی اُٹھ جاتی ہے۔ کبھی وہ پہلے وقت سے ہی چمکنا شروع کرتا ہے اور کبھی کچھ تاریکی کے بعد نکلتا ہے۔ یہ عجیب نظارہ ہوتا ہے کہ ایک طرف چاند چڑھا اور ایک طرف تاریکی کا نام ونشان نہ رہا۔ اسی طرح خدا بھی جب نہایت گندہ اور تاریک آدمیوں پر جو اس کی طرف جھکتے ہیں چمکتا ہے تو ان کو اسی طرح روشن کر دیتا ہے جیسا کہ چاند رات کو روشن کرتا ہے۔ اور کوئی انسان اپنی عمر کے پہلے زمانہ میں ہی اس چاند کی روشنی سے حِصّہ لیتا ہے اور کوئی نصف عمر میں اور کوئی آخری حِصّہ میں اور بعض بدبخت سلخ کی راتوں کی طرح ہوتے ہیں یعنی تمام عمر ان پر اندھیرا ہی چھائے رہتا ہے۔ اس حقیقی چاند سے حِصّہ لینا ان کو نصیب نہیں ہوتا۔ غرض کہ یہ سلسلہ چاند کی روشنی کا اس حقیقی چاند کی روشنی سے بہت مناسبت رکھتا ہے۔ ایسا ہی چاند پھلوں کو موٹا کرتا اور اُن میں طراوت ڈالتا ہے اسی طرح وہ لوگ جو عبادت کر کے اپنے درختِ وجود میں پھل تیار کرتے ہیں چاند کی طرح خدا کی رحمت ان کے شاملِ حال ہوجاتی ہے اور اس پھل کو موٹا اور تازہ بتازہ کر دیتی ہے اور یہی معنے رحیم کے لفظ میں مخفی ہیں جو سورۃ فاتحہ میں خدا کی دوسری صفت بیان کی گئی ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ جسمانی طور پر چار قسم کی ربوبیّت ایسی ہو رہی ہے جس سے نظامِ عالَم وابستہ ہے۔ ایک آسمانی ربوبیت یعنی اکاش سے ہے جو جسمانی تربیت کا سرچشمہ ہے جس سے پانی برستا ہے اگر وہ پانی کچھ مدّت نہ برسے تو جیسا کہ علم طبعی میں ثابت کیا گیا ہے۔ کنوؤں کے پانی بھی خشک ہو

جائیں یہ آسمانی ربوبیت یعنی اکاش کا پانی بھی دنیا کو زندہ کرتا ہے اور نابود کو بود کی حالت میں لاتا ہے۔اس طور پر آسمان ایک پہلا ربّ النّوع ہے جس سے پانی برستا ہے۔جس کو وید میں اندر کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔جیسا کہ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ (الطّارق:۱۲) اس جگہ آسمان سے مُراد وہ کرہء زمہریر ہے جس سے پانی برستا ہے اور اس آیت میں اس کرہء زمہریر کی قسم کھائی گئی جو مینہ برساتا ہے اور رجع کے معنی مینہ ہے اور خلاصہ معنی آیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مَیں وحی کا ثبوت دینے کے لئے آسمان کو گواہ لاتا ہوں جس سے پانی برستا ہے یعنی تمہاری روحانی حالت بھی ایک پانی کی محتاج ہے اور وہ آسمان سے ہی آتا ہے جیسا کہ تمہارا جسمانی پانی آسمان سے آتا ہے اگر وہ پانی نہ ہو تو تمہاری عقلوں کے پانی بھی خشک ہو جائیں۔عقل بھی اُسی آسمانی پانی یعنی وحی الٰہی سے تازگی اور روشنی پاتی ہے۔غرض جس خدمت میں آسمان لگا ہوا ہے یعنی پانی برسانے کی خدمت یہ کام آسمان کا خدا تعالیٰ کی پہلی صفت کا ایک ظلّ ہے جیسا کہ خدا فرماتا ہے کہ ابتدا ہر ایک چیز کا پانی سے ہے۔انسان بھی پانی سے ہی پیدا ہوتا ہے اور وید کی رُو سے پانی کا دیوتا اکاش ہے جس کو وید کی اصطلاح میں اِندر کہتے ہیں مگر یہ سمجھنا غلطی ہے کہ یہ اندر کچھ چیز ہے بلکہ وہی پوشیدہ اور نہاں در نہاں طاقت عظمیٰ جس کا نام خدا ہے اس میں کام کر رہی ہے۔اسی کو بیان کرنے کے لئے خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں یعنی سورۃ فاتحہ میں یوں فرمایا ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ یعنی مت خیال کرو کہ بجز خدا کے کوئی اور بھی ربّ ہے جو اپنی ربوبیّت سے دنیا کی پرورش کر رہا ہے بلکہ وہی ایک خدا ہے جو تمہارا ربّ ہے۔اسی کی طاقت ہر ایک جگہ کام کرتی ہے۔اس جگہ اس ترتیب کے لحاظ سے جو اس سورۃ میں ہے اِندر دیوتا کا ردّ ملحوظ ہے کیونکہ پہلی تربیت اسی سے شروع ہوتی ہے۔اسی کو دوسرے لفظوں میں آسمان یا اکاش کہتے ہیں۔اسی وجہ سے دنیا کے لوگ تمام قضاء وقدر کو آسمان کی طرف منسوب کیا کرتے ہیں۔اور بُت پرستوں کے نزدیک بڑا ربّ النّوع وہی ہے جو اِندر کہلاتا ہے۔پس اِس جگہ اسی کا ردّ منظور ہے اور یہ جتلانا مقصود ہے کہ حقیقی اِندر وہی اکیلا خدا ہے۔اسی کی طاقت ہے جو پانی برساتی ہے۔آسمان کو ربّ العالمین کہنا حماقت ہے بلکہ ربّ العالمین وہی ہے جس کا نام اللہ ہے۔

غرض خدا تعالیٰ کی یہ پہلی ربوبیت ہے جس کو نادانوں نے اکاش یعنی اِندر کی طرف منسوب کیا ہے۔بات یہی ہے کہ اندھوں کو اکاش سے پانی برستا نظر آتا ہے مگر برسانے والی ایک اور طاقت ہے اور اس طور پر برسانا یہ جلوہ دکھلانا ہے کہ یہ بھی اس کی ایک صفت ہے۔پس آسمان کی یہ ظاہری ربوبیت اس کی حقیقی ربوبیت

کا ایک ظلّ ہے اور جو سامان رعد اور صاعقہ وغیرہ کا بادل میں ہوتا ہے۔ دراصل یہ سب اس کی صفات کے رنگوں میں سے ایک رنگ ہے۔ پھر دوسری ربوبیت خدا تعالیٰ کی جو زمین پر کام کر رہی ہے رحمانیت ہے۔ اس لفظ رحمان سے بُت پرستوں کے مقابل پر سورج دیوتا کا ردّ ملحوظ ہے کیونکہ بموجب بُت پرستوں کے خیال کے جیسا کہ اکاش یعنی آسمان پانی کے ذریعہ سے چیزوں کو پیدا کرتا ہے۔ ایسا ہی سورج بہار کے ایّام میں تمام درختوں کو لباس پہناتا ہے۔ گویا یہ اس کی وہ رحمت ہے جو کسی عمل پر مترتّب نہیں۔ پس سورج جسمانی طور پر رحمانیت کا مظہر ہے کیونکہ وہ موسم بہار میں ننگے درختوں کو پتوں کی چادر پہناتا ہے اور اس وقت تک درختوں نے اپنے طور پر کوئی عمل نہیں کیا ہوتا یعنی کچھ بنایا نہیں ہوتا۔ تا بنائے ہوئے پر کچھ زیادہ کیا جائے بلکہ وہ خزاں کی غارت گری کے باعث محض ننگے اور برہنہ کھڑے ہوتے ہیں پھر سورج کے پَرتَوہِ عاطفت سے ہر ایک درخت اپنے تئیں آراستہ کرنا شروع کر دیتا ہے آخر سورج کی مدد سے درختوں کا عمل اس حد تک پہنچتا ہے کہ وہ پھل بنا لیتے ہیں۔ پس جبکہ وہ پھل بنا کر اپنے عمل کو پورا کر چکتے ہیں تب چاند ان پر اپنی رحیمیّت کا سایہ ڈالتا ہے اور رحیم اس کو کہتے ہیں کہ عمل کرنے والے کو اس کی تکمیل عمل کے لئے مدد دے تا اس کا عمل ناتمام نہ رہ جاوے۔ پس چاند درختوں کے پھلوں کو یہ مدد دیتا ہے کہ ان کو موٹے کر دیتا ہے اور ان میں اپنی تاثیر سے رطوبت ڈالتا ہے چنانچہ علم طبعی میں یہ مسلّم مسئلہ ہے کہ چاند کی روشنی میں باغبان لوگ اناروں کے پھٹنے کی آواز سُنا کرتے ہیں۔ غرض استعارہ کے طور پر قمر جو نیّر دوم ہے رحیم کے نام سے موسوم ہوا کیونکہ بڑا فعل اس کا یہی ہے جو موجود شدہ پھلوں کی مدد کرتا ہے اور موٹا اور تازہ کر دیتا ہے پھر جب وہ پھل طیار ہو جاتے اور اپنے کمال کو پہنچ جاتے ہیں تو زمین ان کو اپنی مالکانہ حیثیت سے اپنی طرف گراتی ہے تا وہ اپنی جزاء سزا کو پہنچیں۔ پس اگر وہ عمدہ اور نفیس پھل ہیں تو زمین پر ان کی بڑی عزّت ہوتی ہے اور وہ قابلِ قدر جگہوں میں رکھے جاتے ہیں اور اگر وہ ردّی ہیں تو خراب جگہوں میں پھینک دیئے جاتے ہیں اور یہ سزا جزا گویا زمین کے ہاتھ میں ہوتی ہے کہ جو خدا نے اس کی فطرت کو دے رکھی ہے کہ اچھے پھل کا قدر کرتی ہے اور بُرے پھل کو ذلیل جگہ رکھتی ہے۔

غرض وید میں بطور استعارہ کے یہ چار نام ہیں جو چار بڑے بڑے دیوتاؤں کو عطا ہوئے ہیں۔ اوّل اکاش یعنی آسمان جس کو اِندر دیوتا بولتے ہیں وہ پانی کا داتا ہے اور قرآن شریف میں ہے کہ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ (الانبیآء:۳۱) یعنی ہر ایک چیز پانی سے ہی زندہ ہے۔ اس لئے یہ مجازی دیوتا یعنی

اِندر جس کو اکاش کہنا چاہیئے سب مجازی دیوتاؤں سے بڑا ہے جس کی بغلوں میں سورج اور چاند پرورش پاتے ہیں یہ بہ نسبت اوروں کے ربوبیت عامہ کا دیوتا ہے بعد اس کے سورج دیوتا ہے جو رحمانیت کا مظہر ہے اس کی ربوبیّت چاند سے زیادہ اور اکاش یعنی اِندر دیوتا سے کم ہے۔ وہ کام جو اس کے ساتھ خصوصیت رکھتا ہے وہ یہ ہے کہ وہ بغیر موجودگی عمل کے درختوں پر اپنی عنایت اور کرپا ظاہر کرتا ہے کیونکہ درخت ننگ دھڑنگ کھڑے ہوتے ہیں اور خزاں کے مارے ہوئے ایسے ہوتے ہیں کہ گویا مُردے ہیں جو زمین میں گاڑے گئے ہیں اور تہی دست فقیروں کی طرح ایک پاؤں پر کھڑے ہوتے ہیں۔ پس سورج دیوتا بہار کے موسم میں موج میں آ کر ان کو لباس بخشتا ہے اور ان کا دامن پھلوں اور پھولوں سے بھر دیتا ہے اور چند روز میں ان کے سر پر پھولوں کے سہرے باندھتا ہے اور سبز پتوں کی ریشمی قبا ان کو پہناتا ہے اور پھلوں کی دولت سے ان کو مال مال کر دیتا ہے اور اس طرح پر ایک شاندار نوشہ ان کو بنا دیتا ہے پس اس کی رحمانیت میں کیا شک رہا جو بغیر کسی سابق عمل کے ننگے درویشوں پر اس قدر کرپا اور مہربانی کرتا ہے۔ اس قسم کے استعارات وید میں بہت موجود ہیں کہ اوّل شاعرانہ طور پر معلوم ہوتے ہیں اور پھر ذرا غور کریں تو کوئی علمی چمک بھی ان میں دکھائی دیتی ہے۔

پھر سورج کے بعد وید کی رُو سے چاند دیوتا ہے کہ وہ کمزوروں کے عملوں کو دیکھ کر اپنی مدد سے ان کے اعمال انجام تک پہنچاتا ہے یعنی بہار کے موسم میں درخت پھل تو پیدا کر لیتے ہیں لیکن اگر چاند نہ ہوتا تو یہ عمل ان کا ناقص رہ جاتا اور پھلوں میں تازگی اور فربہی اور طراوت ہرگز نہ آتی۔ پس چاند ان کے عمل کا متمم ہے اس لئے اس لائق ہوا کہ مجازی طور پر اس کو رحیم کہا جائے سو وید اس کو رحیم قرار دیتا ہے سو استعارہ کے طور پر کچھ حرج نہیں۔

پھر چاند کے بعد دھرتی دیوتا ہے جس نے مسافروں کو جگہ دینے کے لئے اپنی پشت کو بہت وسیع کر رکھا ہے ہر ایک پھل درخت پر مسافر کی طرح ہوتا ہے آخر کار مستقل سکونت اس کی زمین پر ہوتی ہے اور زمین اپنے مالکانہ اختیارات سے جہاں چاہے اس کو اپنی پشت پر جگہ دیتی ہے اور جیسا کہ خدا نے قرآن شریف میں فرمایا۔ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ (بنی اسرائیل:۷۱) کہ ہم نے انسانوں کو زمین پر اور دریاؤں پر خود اُٹھایا۔ ایسا ہی زمین بھی ہر ایک چیز کو اُٹھاتی ہے اور ہر ایک خاکی چیز کی سکونت مستقل زمین میں ہے۔ وہ جس کو چاہے عزت کے مقام پر بٹھاوے اور جس کو چاہے ذلّت کے مقام میں پھینک دے۔ پس اِس طرح پر زمین کا نام مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ہوا یعنی استعارہ کے طور پر صحیفۂ فطرت کے آئینہ میں یہ چاروں الٰہی

صفات نظر آتی ہیں۔غرض اسی طرح خدا نے چاہا کہ اپنی صفات کو مجازی مظاہر میں بھی ظاہر کرے۔تا طالب حق مثالوں کو پا کر اس کے دقیق در دقیق صفات پر اطمینان پکڑ لے۔

اب اس تمام تحقیق سے معلوم ہوا کہ یہ چار مجازی دیوتے جو وید میں مذکور ہیں۔ چار مجازی صفات اپنے اندر رکھتے ہیں۔ چنانچہ اکاش مجازی طور پر ربوبیّت کُبریٰ کی صفت اپنے اندر رکھتا ہے اور سورج رحمانیت کی صفت سے موصوف ہے اور چاند رحیمیت کی صفت سے حِصّہ دیا گیا ہے اور زمین مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کی صفت سے بہرہ یاب ہے اور یہ چاروں صفات مشہود و محسوس ہیں۔انہی امور کی وجہ سے موٹی عقل والوں نے درحقیقت ان کو دیوتے قرار دیا ہے اور ان کو ربّ النّوع اور قابلِ پرستش سمجھا ہے۔ پس ان لوگوں کے ردّ کے لئے خدا تعالیٰ اپنی پاک کتاب قرآن شریف میں یعنی سورۃ فاتحہ میں فرماتا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۔الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۔مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ۔ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۔صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّيْنَ۔ اٰمین۔

ترجمہ:۔حمد اور اُستت اور مُہما اس بڑے ربّ کے لئے خاص ہے جس کا نام اللہ ہے جو ربّ العالمین ہے۔اور رحمان العالمین ہے اور رحیم العالمین ہے۔اور مالک جمیع عالم یوم الدین ہے یعنی یہ مرتبہ پرستش کا خدا کے لئے مخصوص ہے کہ اس کی ربوبیت[۱] اور رحمانیت[۲] اور رحیمیت[۳] اور جزا سزا[۴] کے لئے مالکیت ایک عالَم اور ایک رنگ میں محدود نہیں بلکہ یہ صفات اس کی بے انتہا رنگوں میں ظاہر ہوتی ہیں کوئی ان کا انتہا نہیں پا سکتا اور آسمان اور سورج وغیرہ کی ربوبیتیں یعنی پرورشیں ایک خاص رنگ اور ایک خاص قسم میں محدود ہیں اور اس اپنے تنگ دائرہ سے آگے نہیں نکلتیں اس لئے ایسی چیزیں پرستش کے لائق نہیں۔علاوہ اس کے ان کے یہ افعال بالا رادہ نہیں بلکہ ان سب کے نیچے الٰہی طاقت کام کر رہی ہے۔ پھر فرمایا کہ اے وہ سب کے ربّ کہ جو بے انتہا رنگوں میں اپنے یہ صفات ظاہر کرتا ہے۔ پرستش کے لائق تو ہی ہے اور سورج چاند وغیرہ پرستش کے لائق نہیں ہیں۔ اسی طرح دوسرے مقام میں فرمایا۔ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَهُنَّ (حٰمٓ السَّجْدَة:۳۸) یعنی نہ سورج کو سجدہ کرو نہ چاند کو بلکہ اُس خدا کو سجدہ کرو جس نے یہ تمام چیزیں سورج، چاند، آسمان، آگ، پانی وغیرہ پیدا کی ہیں۔ چاند اور سورج کا ذکر کر کے پھر بعد اس کے جمع کا صیغہ بیان کرنا اس غرض سے ہے کہ یہ کُل چیزیں جن کی غیر قومیں پرستش کرتی ہیں۔تم ہرگز ان کی

پرستش مت کرو۔ پھر اس سورۃ میں یعنی سورۃ فاتحہ میں اس بات کا جواب ہے کہ جب اکاش اور سورج اور چانداور آگ اور پانی وغیرہ کی پرستش سے منع کیا گیا تو پھر کونسا فائدہ اللہ کی پرستش میں ہے کہ جو ان چیزوں کی پرستش میں نہیں تو دُعا کے پیرایہ میں اس کا جواب دیا گیا کہ وہ خدا ظاہری اور باطنی نعمتیں عطا کرتا ہے اور اپنے تئیں آپ اپنے بندوں پر ظاہر کرتا ہے انسان صرف اپنی عقل سے اس کو شناخت نہیں کرتا بلکہ وہ قادرِ مطلق اپنی خاص تجلّی سے اور اپنی زبردست قدرتوں اور نشانوں سے اپنے تئیں شناخت کرواتا ہے۔ وہی ہے کہ جب غضب اور قہر اس کا دنیا پر بھڑکتا ہے تو اپنے پرستار بندوں کو اس غضب سے بچا لیتا ہے وہی ہے جو انسان کی عقل کو روشن کر کے اور اس کو اپنے پاس سے معرفت عطا کر کے گمراہی سے نجات دیتا ہے اور گمراہ ہونے نہیں دیتا۔ یہ سورہ فاتحہ کا خلاصہ مطلب ہے جس کو پانچ وقت مسلمان نماز میں پڑھتے ہیں بلکہ دراصل اسی دُعا کا نام نماز ہے اور جب تک انسان اس دُعا کو دردِ دل کے ساتھ خدا کے حضور میں کھڑے ہو کر نہ پڑھے اور اس سے وہ عقدہ کشائی نہ چاہے جس عقدہ کشائی کے لئے یہ دُعا سکھلائی گئی ہے تب تک اس نے نماز نہیں پڑھی۔ اور اس نماز میں تین چیزیں سکھلائی گئی ہیں۔

اوّل خدا تعالیٰ کی توحید اور اس کی صفات کی توحید تا انسان چاند سورج اور دوسرے جھوٹے دیوتاؤں سے منہ پھیر کر صرف اسی سچے دیوتا کا ہو جائے اور اس کی رُوح سے یہ آواز نکلے کہ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ یعنی مَیں تیرا ہی پرستار ہوں اور تجھ سے ہی مدد چاہتا ہوں اور دوسرے یہ سکھلایا گیا ہے کہ وہ اپنی دُعاؤں میں اپنے بھائیوں کو شریک کرے اور اس طرح پر بنی نوع کا حق ادا کر دے اس لئے دُعا میں اِهْدِنَا کا لفظ آیا ہے جس کے یہ معنے ہیں کہ اے ہمارے خدا ہم سب لوگوں کو اپنی سیدھی راہ دکھلا۔ یہ معنے نہیں کہ مجھ کو اپنی سیدھی راہ دکھا۔ پس اِس طور کی دُعا سے جو جمع کے صیغہ کے ساتھ ہے بنی نوع کا حق بھی ادا ہو جاتا ہے اور تیسرے اس دُعا میں یہ سکھلانا مقصود ہے کہ ہماری حالت کو صرف خشک ایمان تک محدود نہ رکھ بلکہ وہ ہمیں روحانی نعمتیں عطا کر جو تُو نے پہلے راستبازوں کو دی ہیں اور پھر کہا کہ یہ دُعا بھی کرو کہ ہمیں ان لوگوں کی راہوں سے بچا جن کو روحانی آنکھیں عطا نہیں ہوئیں آخر انہوں نے ایسے کام کئے جن سے اسی دنیا میں غضب ان پر نازل ہوا۔ اور یا اس دنیا میں غضب سے تو بچے مگر گمراہی کی موت سے مرے اور آخرت کے غضب میں گرفتار ہوئے۔ خلاصہ دُعا کا یہ ہے کہ جس کو خدا روحانی نعمتیں عطا نہ کرے اور دیکھنے والی آنکھیں نہ بخشے اور دل کو یقین اور معرفت سے نہ بھرے آخر وہ تباہ ہو جاتا ہے اور پھر اس کی شوخیوں اور شرارتوں کی

وجہ سے اسی دنیا میں اس پر غضب پڑتا ہے کیونکہ وہ پاکوں کے حق میں بدزبانی کرتا ہے اور کتّوں کی طرح زبان نکالتا ہے۔ پس ہلاک کیا جاتا ہے جیسا کہ یہود اپنی شرارتوں اور شوخیوں کی وجہ سے ہلاک کئے گئے اور بارہا طاعون کا عذاب ان پر نازل ہوا جس نے ان کی بیخ کنی کردی اور یا اگر وہ دنیا میں شوخی اور شرارت نہ کرے اور بدزبانی اور شرارت کے منصوبے میں شریک نہ ہو تو اس کے عذاب کی جگہ عالم ثانی ہے جب اس دنیا سے وہ گزر جائے گا۔ (نسیم دعوت، روحانی خزائن جلد ۱۹ صفحہ ۴۰۸ تا ۴۲۰)

(سورۃ فاتحہ کا ترجمہ) تمام تعریفیں اور تمام مدح اور تمام اُستت اور مہما خدا کے لئے مسلّم اور مخصوص ہے جو تمام چیزوں کا پیدا کرنے والا اور پرورش کرنے والا ہے۔ کوئی چیز بھی ایسی نہیں کہ جو اُس کی پیدا کردہ نہیں اور اُس کی پرورش کردہ نہیں۔ وہ رحمٰن ہے یعنی وہ بغیر عوض اعمال کے اپنے تمام بندوں کو خواہ کافر ہیں خواہ مومن اپنی نعمتیں دیتا ہے اور اُن کی آسائش اور آرام کے لئے بے شمار نعمتیں اُن کو عطا کر رکھی ہیں اور وہ رحیم ہے یعنی پہلے تو وہ اپنی رحمانیت سے جس میں انسان کی کوشش کا دخل نہیں ایسے قویٰ اور طاقتیں اپنے بندوں کو عطا کرتا ہے جن سے نیک اعمال بجالا سکیں اور تکمیل اعمال کے لئے ہر ایک قسم کے اسباب مہیا کر دیتا ہے اور پھر جب اُس کی رحمانیت سے انسان اس لائق ہو جاتا ہے کہ اعمال نیک بجالا سکے تو ان اعمال کی جزا کے لئے خدا تعالیٰ کا نام رحیم ہے۔ اور جب انسان خدا تعالیٰ کی رحیمیت سے فیضیاب ہو کر اس لائق ہو جاتا ہے کہ اس کی طرف سے ابدی انعام واکرام پاوے تو اس ابدی انعام واکرام کے دینے کے لئے خدا تعالیٰ کا نام مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ہے پھر بعد اس کے فرمایا کہ اے وہ خدا جو ان صفات کا تو جامع ہے ہم تیری ہی پرستش کرتے ہیں اور پرستش وغیرہ نیک امور میں تیری ہی مدد چاہتے ہیں۔ ہمیں سیدھی راہ دکھا۔ ان لوگوں کی راہ جن پر تیرا انعام اکرام ہے۔ اور اُن لوگوں کی راہ سے بچا جو تیرے غضب کے نیچے ہیں (یعنی ایسی شوخی اور شرارت کے کام کرتے ہیں جو اسی دنیا میں مورد غضب ہو جاتے ہیں) اور ہمیں اُن لوگوں کی راہ سے بچا جو تیری راہ کو بھول گئے ہیں اور وہ راہیں اختیار کرتے ہیں جو تیری مرضی کے موافق نہیں۔ آمین۔

اب دیکھو کہ قرآن شریف کی یہ سورۃ جس کا نام سورۃ فاتحہ ہے کیسی توحید سے پُر ہے جو کسی جگہ انسان کی طرف سے یہ دعویٰ نہیں کہ میں خود بخود ہوں اور خدا کا پیدا کردہ نہیں اور نہ یہ دعویٰ ہے کہ میرے اعمال اپنی قوت اور طاقت سے ہیں اور وید کی طرح اُس میں یہ دُعا نہیں کہ ”اے پرمیشر ہمیں بہت سی گوئیں دے اور بہت سے گھوڑے دے اور بہت سا لوٹ کا مال دے“ بلکہ یہ دُعا ہے کہ ہمیں وہ راہ دکھا جس راہ سے انسان

تجھے پا لیتا ہے اور تیرا رُوحانی انعام و اکرام اسے نصیب ہوتا ہے اور تیرے غضب سے بچتا ہے اور گمراہی کی راہوں سے محفوظ رہتا ہے۔ (چشمۂ معرفت، روحانی خزائن، جلد ۲۳ صفحہ ۲۰۶، ۲۰۷)

وَ فِي السُّوْرَةِ إِشَارَةٌ إِلٰى بَرَكَاتِ الدُّعَآءِ وَ إِلٰى أَنَّهٗ كُلُّ خَيْرٍ يَّنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَ إِلٰى أَنَّهٗ مَنْ عَرَفَ الْحَقَّ وَثَبَّتَ نَفْسَهٗ عَلَى الْهُدٰى وَتَهَذَّبَ وَصَلُحَ فَلَا يُضَيِّعُهُ اللّٰهُ وَيُدْخِلُهٗ فِي عِبَادِهِ الْمُنْعَمِيْنَ۔ وَالَّذِيْ عَصٰى رَبَّهٗ فَيَكُوْنُ مِنَ الْهَالِكِيْنَ۔

اس سورۃ میں دعا کی برکتوں کی طرف اشارہ ہے اور اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ہر بھلائی آسمان سے نازل ہوتی ہے اور پھر اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جس شخص نے حق کو پہچان لیا اور اپنے آپ کو ہدایت پر قائم کرلیا اور مہذّب اور صالح بن گیا تو اُسے اللہ تعالیٰ ضائع نہیں کیا کرتا بلکہ اُسے اپنے انعام یافتہ بندوں میں داخل کر لیتا ہے اور جو شخص اپنے ربّ کی نافرمانی کرتا ہے وہ ہلاک ہونے والوں میں شامل ہوجاتا ہے۔

وَ فِي السُّوْرَةِ إِشَارَةٌ إِلٰى أَنَّ السَّعِيْدَ هُوَ الَّذِيْ كَانَ فِيْهِ جَيْشُ الدُّعَآءِ لَا يَعْبَأُ وَلَا يَلْغَبُ وَ لَا يَعْبِسُ وَ لَا يَيْأَسُ وَ يَثِقُ بِفَضْلِ رَبِّهٖ إِلٰى أَنْ تُدْرِكَهٗ عِنَايَةُ اللّٰهِ فَيَكُوْنَ مِنَ الْفَآئِزِيْنَ۔

پھر اس سورۃ میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ نیک بخت وہ ہے جس کے اندر دعا کے لئے ایک غیر معمولی جوش ہوتا ہے اور وہ کسی چیز کی پرواہ نہیں کرتا نہ تھکتا ہے نہ تیوری چڑھاتا ہے اور نہ وہ مایوس ہوتا ہے بلکہ وہ اپنے ربّ کے فضل پر بھروسہ رکھتا ہے یہاں تک کہ خدا تعالیٰ کی عنایت اس کے شاملِ حال ہو جاتی ہے اور وہ کامیاب ہونے والوں میں شامل ہوجاتا ہے۔

وَفِي السُّوْرَةِ إِشَارَةٌ إِلٰى أَنَّ صِفَاتِ اللّٰهِ تَعَالٰى مُؤَثِّرَةٌ بِقَدَرِ إِيْمَانِ الْعَبْدِ بِهَا وَإِذَا تَوَجَّهَ الْعَارِفُ إِلٰى صِفَةٍ مِّنْ صِفَاتِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَأَبْصَرَهٗ بِبَصَرِ رُوْحِهٖ وَاٰمَنَ ثُمَّ اٰمَنَ ثُمَّ اٰمَنَ حَتّٰى فَنٰى فِيْ إِيْمَانِهٖ فَتَدْخُلُ رُوْحَانِيَّةُ هٰذِهِ الصِّفَةِ فِي قَلْبِهٖ وَتَأْخُذُهٗ مِنْهُ فَيَرَى السَّالِكُ بَالَهٗ فَارِغًا مِّنْ غَيْرِ الرَّحْمٰنِ

پھر اس سورت میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ صفات باری تعالیٰ اسی کے مطابق اثر دکھاتی ہیں جتنا بندہ کو ان پر ایمان ہو اور جب کوئی عارف خدا تعالیٰ کی صفات میں سے کسی صفت کی طرف توجہ کرتا ہے اور خدا تعالیٰ کو اپنی روحانی آنکھ سے دیکھ لیتا ہے اور اس پر ایمان لے آتا ہے پھر ایمان لے آتا ہے۔ پھر ایمان لے آتا ہے یہاں تک کہ وہ اپنے ایمان میں فنا ہوجاتا ہے تو اس صفت کی روحانی تاثیر اس کے دل میں داخل ہو جاتی ہے اور اس پر قبضہ کر لیتی ہے تب سالک مشاہدہ کرتا ہے کہ

وَقَلْبَهٗ مُطْمَئِنًّا بِالْإِيْمَانِ وَعَيْشَهٗ حُلْوًا بِذِكْرِ الْمَنَّانِ وَيَكُوْنُ مِنَ الْمُسْتَبْشِرِيْنَ۔ فَتَتَجَلّٰى تِلْكَ الصِّفَةُ لَهٗ وَ تَسْتَوِىْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَكُوْنَ قَلْبُ هٰذَا الْعَبْدِ عَرْشَ هٰذِهِ الصِّفَةِ وَ يَنْصَبِغَ الْقَلْبُ بِصِبْغِهَا بَعْدَ ذَهَابِ الصِّبْغِ النَّفْسَانِيَّةِ وَبَعْدَ كَوْنِهٖ مِنَ الْفَانِيْنَ۔

اس کا سینہ غیر اللہ کی محبت سے خالی ہے اس کا دل ایمان سے مطمئن ہے اور اس کی زندگی محسن خدا کی یاد کی وجہ سے نہایت خوشگوار بن گئی ہے۔ پس وہ ہر لحاظ سے خوش وخرم ہو جاتا ہے پھر اس پر اس صفت کی مزید تجلّی ہوتی ہے اور وہ اس پر چھا جاتی ہے یہاں تک کہ ایسے بندہ کا دل اس صفت کا عرش بن جاتا ہے اور نفسانیت کا رنگ بالکل دھل جانے اور بندہ کے فانی فی اللہ ہونے کے بعد اس کا دل اس صفت کے رنگ میں خوب رنگین ہو جاتا ہے۔

فَإِنْ قُلْتَ مِنْ أَيْنَ عَلِمْتَ أَنَّ هٰذِهِ الْإِشَارَةَ تُوْجَدُ فِى الْفَاتِحَةِ۔ فَاعْلَمْ أَنَّ لَفْظَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ يَدُلُّ عَلَيْهِ فَإِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى مَا قَالَ "قُلْ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" بَلْ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَكَأَنَّهٗ أَنْطَقَ فِطْرَتَنَا وَأَرَانَا مَا كَانَ مَخْفِيًّا فِىْ فِطْرَتِنَا۔ وَهٰذِهٖ إِشَارَةٌ إِلٰى أَنَّ الْإِنْسَانَ قَدْ خُلِقَ عَلٰى فِطْرَةِ الْإِسْلَامِ وَأُدْخِلَ فِىْ فِطْرَتِهٖ أَنْ يَّحْمَدَ اللّٰهَ وَيَسْتَيْقِنَ أَنَّهٗ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ وَ رَحْمٰنٌ وَّ رَحِيْمٌ وَّمَالِكُ يَوْمِ الدِّيْنِ۔ وَ أَنَّهٗ يُعِيْنُ الْمُسْتَعِيْنَ وَ يَهْدِى الدَّاعِيْنَ۔ فَثَبَتَ مِنْ هٰهُنَا أَنَّ الْعَبْدَ مَجْبُوْلٌ عَلٰى مَعْرِفَةِ رَبِّهٖ وَعِبَادَتِهٖ وَقَدْ أُشْرِبَ فِىْ قَلْبِهٖ مَحَبَّتُهٗ فَتَظْهَرُ هٰذِهِ الْحَالَةُ بَعْدَ رَفْعِ الْحُجُبِ وَ تَجْرِىْ

اگر تم کہو کہ آپ کو کہاں سے معلوم ہوا کہ سورۃ فاتحہ میں یہ اشارہ موجود ہے؟ تو تم جان لو کہ اس اشارہ پر اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کے الفاظ دلالت کرتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے (یہاں) یہ نہیں کہا کہ تم کہو اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ بلکہ صرف اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کہا گویا اس نے ہماری فطرت سے (یہ فقرہ) کہلوایا ہے اور جو چیز ہماری فطرت میں پوشیدہ ہے وہ اس نے دکھا دی ہے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انسان فطرتِ اسلام پر پیدا کیا گیا ہے اور اس کی فطرت میں یہ بات داخل کر دی گئی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حمد کرے اور یقین رکھے کہ وہ ربّ العالمین ہے، رحمان ہے، رحیم ہے اور مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ہے اور یہ کہ وہ مدد مانگنے والے کی مدد کرتا ہے اور دعا کرنے والوں کو ہدایت دیتا ہے۔ پس اس جگہ سے ثابت ہوا کہ خدا تعالیٰ کی معرفت اور اس کی عبادت انسان کی فطرت میں ودیعت کی گئی ہے اور اس کے دل میں اس کی محبت بھر دی گئی ہے پس یہ حالت پردوں کے اُٹھ جانے کے بعد ہی ظاہر ہوتی ہے اور تب خدا تعالیٰ کا ذکر زبان پر بے اختیار اور

ذِکْرُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَی اللِّسَانِ مِنْ غَیْرِ اخْتِیَارٍ وَّتَکَلُّفٍ وَّتَنْبُتُ شَجَرَۃُ الْمَعَارِفِ وَ تُثْمِرُ وَ تُؤْتِیْ أُکُلَہٗ کُلَّ حِیْنٍ۔ وَفِیْ قَوْلِہٖ تَعَالٰی صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْہِمْ اِشَارَۃٌ أُخْرٰی وَ ھُوَ أَنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی خَلَقَ الْاٰخِرِیْنَ مُشَاکِلِیْنَ بِالْأَوَّلِیْنَ۔ فَإِذَا اتَّصَلَتْ أَرْوَاحُھُمْ بِأَرْوَاحِھِمْ بِکَمَالِ الْاِقْتِدَآءِ وَ مُنَاسَبَۃِ الطَّبَآئِعِ فَیَنْزِلُ الْفَیْضُ مِنْ قُلُوْبِھِمْ إِلٰی قُلُوْبِھِمْ۔

ثُمَّ إِذَا تَمَّ إِفْضَآءُ الْمُسْتَفِیْضِ إِلَی الْمُفِیْضِ وَبَلَغَ الْأَمْرُ إِلٰی غَایَۃِ الْوُصْلَۃِ فَیَصِیْرُ وُجُوْدُھُمَا کَشَیْءٍ وَّاحِدٍ وَّیَغِیْبُ أَحَدُھُمَا فِی الْاٰخِرِ وَھٰذِہِ الْحَالَۃُ ھِیَ الْمُعَبَّرُ عَنْھَا بِالْاِتِّحَادِ وَفِیْ ھٰذِہِ الْمَرْتَبَۃِ یُسَمَّی السَّالِکُ فِی السَّمَآءِ تَسْمِیَۃَ الْأَنْبِیَآءِ لِمُشَابَھَتِہٖ إِیَّاھُمْ فِیْ جَوْھَرِھِمْ وَ طَبْعِھِمْ کَمَا لَا یَخْفٰی عَلَی الْعَارِفِیْنَ۔

(کرامات الصادقین، روحانی خزائن جلد ۷ صفحہ ۱۲۵، ۱۲۶)

وَالْاٰنَ نَرٰی أَنْ نُّوَازِنَ ھٰذَا الدُّعَآءَ بِالدُّعَآءِ الَّذِیْ عَلَّمَہُ الْمَسِیْحُ فِی الْإِنْجِیْلِ لِیَتَبَیَّنَ لِکُلِّ مُنْصِفٍ أَیُّھُمَا أَشْفٰی لِلْعَلِیْلِ وَأَدْرَأُ لِلْغَلِیْلِ وَ أَرْفَعُ شَأْنًا وَّأَتَمُّ بُرْھَانًا وَّأَنْفَعُ لِلطَّالِبِیْنَ۔ فَاعْلَمْ أَنَّ فِیْ إِنْجِیْلِ

بلا تکلّف جاری ہو جاتا ہے معارف کا درخت پیدا ہو جاتا ہے اور پھل دینے لگتا ہے اور ہمیشہ تازہ بتازہ اپنا پھل دیتا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے کلام صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْہِمْ میں ایک اور اشارہ ہے اور وہ یہ کہ خدا تعالیٰ نے بعد میں آنے والوں کو پہلے آنے والوں کے مشابہ پیدا کیا ہے پس جب کامل پیروی اور طبائع کی مناسبت کی وجہ سے اِن کی روحیں اُن کی روحوں سے اِتّصال پاتی ہیں تو وہ خاص فیضان اُن کے دلوں سے اِن کے دلوں پر نازل ہو جاتا ہے۔

پھر جب فیض چاہنے والے کی رسائی فیض رساں تک کامل ہو جاتی ہے اور باہمی تعلّق کا معاملہ اپنی انتہاء کو پہنچ جاتا ہے تو ان دونوں کا وجود ایک ہی وجود کی مانند بن جاتا ہے اور وہ ایک دوسرے میں غائب ہو جاتے ہیں۔ یہی وہ حالت ہے جسے اتحاد سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اس مرتبہ میں سالک کو آسمان میں نبیوں کا نام دیا جاتا ہے اس وجہ سے کہ طبیعت اور جوہر میں ان سے مشابہت رکھتا ہے۔ چنانچہ عارفوں پر (یہ امر) مخفی نہیں۔ (ترجمہ از مرتب)

اور اب ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ سورۃ فاتحہ کی دُعا کا اس دُعا سے موازنہ کریں جو حضرت مسیح علیہ السلام نے انجیل میں سکھائی ہے تا ہر منصف پر یہ بات واضح ہو جائے کہ ان دونوں میں سے کونسی (دُعا کسی) بیمار کو زیادہ شفاء دینے والی یا (کسی) پیاسے کی پیاس کو زیادہ بجھانے والی ہے یا

لُوْقَا قَدْ كُتِبَ فِي الْاَصْحَاحِ الْحَادِيْ عَشَرَ أَنَّ الْمَسِيْحَ عَلَّمَ الدُّعَآءَ هٰكَذَا فَقَالَ لَهُمْ يَعْنِيْ لِلْحَوَارِيِّيْنَ مَتٰى صَلَّيْتُمْ فَقُوْلُوْا اَبَانَا الَّذِيْ فِي السَّمَاوَاتِ لِيَتَقَدَّسِ اسْمُكَ لِيَأْتِ مَلَكُوْتُكَ لِتَكُنْ مَّشِيَّتُكَ كَمَا فِي السَّمَاوَاتِ كَذٰلِكَ عَلَى الْأَرْضِيْنَ. خُبْزَنَا كَفَافَنَا أَعْطِنَا كُلَّ يَوْمٍ وَّاغْفِرْ لَنَا خَطَايَانَا لِأَنَّنَا نَحْنُ أَيْضًا نَّغْفِرُ لِكُلِّ مَنْ يُّذْنِبُ إِلَيْنَا (يَعْنِيْ نَغْفِرُ لِلْمُذْنِبِيْنَ). وَلَا تُدْخِلْنَا فِيْ تَجْرِبَةٍ لٰكِنْ نَّجِّنَا مِنَ الشِّرِّيْرِ★.

هٰذَا دُعَآءٌ عُلِّمَ لِلْمَسِيْحِيِّيْنَ.

فَاعْلَمْ أَنَّهٗ دُعَآءٌ يُّفَرِّطُ فِي الصِّفَاتِ الرَّبَّانِيَّةِ وَكَذٰلِكَ مَا يُحِيْطُ عَلٰى مَقَاصِدِ الْفِطْرَةِ الْإِنْسَانِيَّةِ بَلْ يَزِيْدُ سُوْرَةَ الْحَسْرَةِ الرُّوْحَانِيَّةِ وَيُحَرِّكُ الْقُوٰى لِطَلَبِ الْأَهْوَآءِ الْفَانِيَةِ وَالشَّهَوَاتِ الْمُتَفَانِيَةِ مَعَ الذُّهُوْلِ عَنْ سَعَادَاتِ يَوْمِ الدِّيْنِ.

وَمِنْ جُمْلَةِ جُمَلِهٖ فِقْرَةٌ أَعْنِيْ لِيَتَقَدَّسِ اسْمُكَ. فَانْظُرْ فِيْهَا بِعَقْلِكَ وَفَهْمِكَ هَلْ تَجِدُهٗ حَرِيًّا بِشَأْنِ الْأَكْمَلِ الَّذِيْ لَيْسَتْ لَهٗ حَالَةٌ مُّنْتَظَرَةٌ مِّنْ حَالَاتِ الْكَمَالِ وَلَا مَرْتَبَةٌ مُّتَرَقَّبَةٌ مِّنْ مَرَاتِبِ التَّقَدُّسِ وَالْجَلَالِ.

شان میں زیادہ بلند۔ دلیل کے لحاظ سے زیادہ مکمل اور طالبانِ حق کے لیے زیادہ نفع رساں ہے۔ اب جان لو کہ انجیل لُوقا باب ۱۱ میں لکھا ہے کہ مسیح علیہ السلام نے حواریوں کو اس طرح کی دُعا سکھائی اور اُنہیں کہا: جب تم دُعا کرو تو کہو ’’اے ہمارے باپ جو آسمانوں پر ہے تیرے نام کی تقدیس ہو۔ تیری بادشاہت آوے۔ تیری مراد جیسی آسمانوں پر ہے زمینوں پر بھی بَر آوے۔ ہماری روز کی روٹی ہر روز ہمیں دے اور ہمارے گناہوں کو بخش کیونکہ ہم بھی اپنے تمام قصورواروں کا قصور بخشتے ہیں اور ہمیں آزمائش میں نہ ڈال بلکہ ہم کو شریر سے بچا۔‘‘

یہ دُعا ہے جو مسیحیوں کو سکھائی گئی۔

معلوم رہے کہ یہ دُعا ربّانی صفات کو گھٹا کر پیش کرتی ہے۔ نیز یہ دُعا فطرتِ انسانی کے تمام مقاصد پر بھی حاوی نہیں بلکہ روحانی حسرت کی شدّت کو اَور بھی بڑھاتی ہے اور آخرت کی سعادتوں سے غافل کر کے نفسانی قویٰ کو فانی خواہشوں اور مادی آرزوؤں کے حصول پر اُبھارتی ہے۔

اِس دُعا کے تمام جملوں میں ایک فقرہ یہ ہے یعنی ’’تیرا نام پاک مانا جائے۔‘‘ اب اپنی عقل اور فہم سے کام لے کر اس پر غور کیجئے کہ آیا آپ اس دُعا کو اس کامل ترین ذات کی شان کے شایان پاتے ہیں جس کے کمالات کے لئے کوئی حالت منتظرہ باقی نہیں اور نہ اس کے تقدّس اور جلال کے مراتب میں سے کوئی مرتبہ قابل

★ طبعة لندن ۱۸۷۲ میلادیة

فَإِنَّ الْمَحَامِدَ وَ التَّقَدُّسَاتِ كُلَّهَا ثَابِتَةٌ
لِّحَضْرَةِ الْعِزَّةِ وَلَا يُنْتَظَرُ شَيْءٌ مِّنْهَا فِي
الْأَزْمِنَةِ الْاٰتِيَةِ وَهٰذَا هُوَ تَعْلِيْمُ
الْقُرْاٰنِ وَتَلْقِيْنِ كَلَامِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ كَمَا
مَرَّ كَلَامُنَا فِيْ هٰذَا الْبَيَانِ. وَمَنْ أَقْبَلَ
عَلَى الْفُرْقَانِ الْمَجِيْدِ وَفَهِمَهٗ وَ تَدَبَّرَ وَ
نَظَرَهٗ بِالنَّظْرِ السَّدِيْدِ فَيَنْكَشِفُ عَلَيْهِ
أَنَّ الْفُرْقَانَ قَدْ أَكْمَلَ فِيْ هٰذَا الْأَمْرِ
الْبَيَانَ وَصَرَّحَ بِأَنَّ لِلّٰهِ كَمَالًا تَآمًّا.
وَّكُلُّ كَمَالٍ ثَابِتٍ لَّهٗ بِالْفِعْلِ وَلَيْسَ
فِيْهِ كَلَامٌ وَّتَجْوِيْزُ الْحَالَةِ الْمُنْتَظَرَةِ لَهٗ
جَهْلٌ وَّظُلْمٌ وَّاجْتِرَامٌ وَّأَمَّا الْإِنْجِيْلُ
فَيَجْعَلُ الْبَارِيءَ عَزَّ اسْمُهٗ مُحْتَاجًا إِلَى
الْحَالَةِ الْمُنْتَظَرَةِ وَضَاجِرًا لِّكَمَالَاتٍ
مَّفْقُوْدَةٍ غَيْرِ الْمَوْجُوْدَةِ وَلَا يَقْبَلُ
وُجُوْدَ كَمَالِ شَجَرَتِهٖ بَلْ يُظْهِرُ الْأَمَانِيَّ
لِإِيْنَاعِ ثَمَرَتِهٖ وَلَيْسَ قَآئِلُ اسْتِنَارَةِ
بَدْرِهٖ بَلْ يَنْتَظِرُ زَمَانَ عُلُوِّ قَدْرِهٖ. كَأَنَّ
رَبَّ الْإِنْجِيْلِ وَاجِمٌ مِّنْ فَقْدِ الْمُرَادَاتِ
وَ عَاجِزٌ عَنْ إِمْضَآءِ الْإِرَادَاتِ. وَ كَمْ
مِّنْ لَيْلَةٍ بَاتَهَا يَنْتَظِرُ كَمَالَاتٍ
وَّيَتَرَقَّبُ تَغَيُّرَ حَالَاتٍ حَتّٰى يَئِسَ مِنْ
أَيَّامِ رَشَادِهٖ وَ أَقْبَلَ عَلٰى عِبَادِهٖ لِيَتَمَنَّوْا

انتظار ہے۔ یقیناً تمام تعریفیں اور پاکیزگیاں اس بارگاہِ عزّت کے لئے ثابت ہیں۔ ان میں سے کوئی چیز ایسی نہیں جس کا کسی آئندہ زمانہ میں (ملنے کا) انتظار ہو۔ یہ قرآن کریم کی وہ تعلیم ہے اور خدائے رحمان کے کلام کی تلقین ہے جس کے متعلق ہم قبل ازیں وضاحت کر چکے ہیں۔ اور جس شخص نے بھی قرآن مجید کی طرف توجہ کی۔ اُسے سمجھا۔ اس میں تدبّر سے کام لیا اور اس پر صحیح طور سے غور کیا اُس پر یہ بات منکشف ہو جائے گی کہ قرآن کریم نے اس معاملہ کو مکمل طور پر بیان کیا ہے اور اس بات کی تصریح کر دی ہے کہ ہر انتہائی کمال اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے اور اُس کے لئے ہر کمال بالفعل ثابت ہے اور اس میں کوئی کلام نہیں اور اس کے لئے کسی حالتِ منتظرہ کا تجویز کرنا جہالت، ظلم اور گناہ ہے۔ لیکن انجیل خدائے باری تعالیٰ کو حالتِ منتظرہ کا محتاج اور بعض گم شدہ اور غیر موجود کمالات کے لئے بے چین قرار دیتی ہے۔ اور انجیل خدائی درخت کے کامل ہونے کو تسلیم نہیں کرتی بلکہ اُس کے پھل کے پکنے کی صرف آرزو ظاہر کرتی ہے۔ خدا کے بدرِ منوّر ہونے کی قائل نہیں بلکہ وہ اس کی قدر و منزلت کے بڑھنے کے زمانہ کی منتظر ہے گویا انجیل کا خدا مرادوں کے بَر نہ آنے کے رنج کی وجہ سے خاموش ہے اور اپنے ارادوں کو پورا کرنے سے عاجز ہے۔ اُس نے کتنی ہی راتیں اپنے کمالات (کے عروج کو پہنچنے) کا انتظام کرتے ہوئے اور حالات کے پلٹا کھانے کی اُمید میں گزار دیں یہاں تک کہ وہ کامیابی کے ایّام سے مایوس ہو گیا اور اپنے بندوں کی طرف متوجہ ہوا تا وہ اُس کی مراد بَر آنے کی دعائیں کریں اور

لَهٗ حُصُوْلَ مُرَادِهٖ وَ لِيَعْقِدُوا الْهِمَمَ لِزَوَالِ كَمَدِهٖ وَ عِلَاجِ رَمَدِهٖ۔ سُبْحَانَ رَبِّنَا إِنْ هٰذَا إِلَّا بُهْتَانٌ مُّبِيْنٌ۔ إِنَّمَا أَمْرُهٗ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ۔ مَا لِلْبِلْبَالِ وَ رَبِّ ذِي الْجَلَالِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔

تا وہ اُس کے غم کے مٹنے اور اُس کے آشوبِ چشم کے علاج کے لئے اپنی کمرِ ہمّت باندھ لیں۔ پاک ہے ہمارا ربّ۔ یہ (کمزوری) اس پر کھلا کھلا بہتان ہے۔ اس کا تو یہ عالَم ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے کہ وہ ہو جائے اور صرف کہہ دیتا ہے کہ وہ ہو جائے تو وہ ہو جاتی ہے۔ بھلا ربّ ذوالجلال اور ربّ العالمین سے پریشانی کا کیا تعلّق؟

ثُمَّ دُعَآءُ الْمَسِيْحِ دُعَآءٌ لَّا أَثَرَ فِيْهِ مِنْ غَيْرِ التَّنْزِيْهِ كَأَنَّهٗ يَقُوْلُ إِنَّ اللّٰهَ مُنَزَّهٌ عَنِ الْكَذِبِ وَ التَّمْوِيْهِ وَلٰكِنْ لَّا تُوْجَدُ فِيْهِ كَمَالَاتٌ أُخْرٰى وَلَا مِنَ الصِّفَاتِ الثُّبُوْتِيَّةِ أَثَرٌ أَدْنٰى فَإِنَّ التَّنْزِيْهَ وَالتَّقْدِيْسَ مِنَ الصِّفَاتِ السَّلْبِيَّةِ كَمَا لَا يَخْفٰى عَلٰى ذَوِي الْمَعْرِفَةِ وَ الْبَصِيْرَةِ وَ أَمَّا الصِّفَاتُ السَّلْبِيَّةُ فَهِيَ لَا تَقُوْمُ مَقَامَ الْإِثْبَاتِ كَمَا ثَبَتَ عِنْدَ الثِّقَاتِ۔ وَ أَمَّا مَا عَلَّمَنَا الْقُرْاٰنُ مِنَ الدُّعَآءِ فَهُوَ يَشْتَمِلُ عَلٰى جَمِيْعِ صِفَاتٍ كَامِلَةٍ تُوْجَدُ فِيْ حَضْرَةِ الْكِبْرِيَاءِ۔

پھر حضرت مسیحؑ کی دُعا ایک ایسی دُعا ہے جس میں خدا کو عیب سے پاک قرار دینے کے سوا کوئی نتیجہ نہیں۔ گویا یہ دعا یہ کہتی ہے کہ خدا تعالیٰ جھوٹ اور بناوٹ سے تو پاک ہے لیکن نہ اس میں کوئی اور کمالات پائے جاتے ہیں اور نہ (اس میں) مثبت صفات کا کوئی معمولی سا بھی نشان (پایا جاتا) ہے کیونکہ عیوب سے پاک ہونا منفی صفات میں سے ہے جیسا کہ صاحبِ معرفت اور بصیرت لوگوں پر مخفی نہیں اور منفی صفات مُثبت صفات کا مرتبہ نہیں رکھتیں یہ حقیقت پختہ کار لوگوں کے نزدیک ثابت شدہ ہے۔ لیکن قرآن کریم نے جو دعا ہمیں سکھائی ہے وہ ان تمام صفاتِ کاملہ پر مشتمل ہے جو ذاتِ الٰہی میں پائی جاتی ہیں۔

أَلَا تَرٰى إِلٰى قَوْلِهٖ عَزَّ وَجَلَّ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ۔ كَيْفَ أَحَاطَ صِفَاتِ اللّٰهِ جُمُوْعَهَا وَتَأَبَّطَ أُصُوْلَهَا وَ فُرُوْعَهَا وَأَشَارَ فِي الْحَمْدُ لِلّٰهِ أَنَّ اللّٰهَ ذَاتٌ لَّا تُحْصٰى صِفَاتُهٗ

کیا تم خدائے عزّوجلّ کے کلام اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ۔ کو نہیں دیکھتے کہ کس طرح وہ تمام صفاتِ الٰہیّہ پر حاوی ہے اور کس طرح اُس نے ان اصول اور فروع کو اپنے اندر سمیٹ لیا ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ میں یہ اشارہ فرمایا کہ

وَلَا تُعَدُّ كَمَالَاتُهٗ وَ أَشَارَ فِيْ رَبِّ
الْعَالَمِينَ أَنَّ وَبْلَ رُبُوْبِيَّتِهٖ يَعُمُّ
السَّمَاوَاتِ وَ الْأَرَضِيْنَ وَ الْجِسْمَانِيِّيْنَ
وَ الرُّوْحَانِيِّيْنَ۔ وَ أَشَارَ فِي الرَّحْمٰنِ
الرَّحِيْمِ أَنَّ الرَّحْمَةَ بِجَمِيْعِ أَنْوَاعِهَا مِنَ
اللهِ الْقَيُّوْمِ الْقَدِيْمِ وَالْخَلَّاقِ الْكَرِيْمِ
وَأَشَارَ فِيْ قَوْلِهٖ يَوْمِ الدِّيْنِ أَنَّ مَالِكَ
الْمُجَازَاةِ هُوَ اللهُ لَا غَيْرُهٗ مِنَ
الْمَخْلُوْقِيْنَ وَ أَنَّ أَبْحُرَ الْمُجَازَاتِ
جَارِيَةٌ وَّ هِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ كُلَّ حِيْنٍ
وَّكُلُّ مَا يَرَى عَبْدٌ مِّنْ فَضْلِ اللهِ وَ
إِحْسَانَاتِهٖ بَعْدَ أَعْمَالٍ صَالِحَةٍ وَّ صِدْقِهٖ
وَصَدَقَاتِهٖ فَإِنَّمَا هُوَ صَنِيْعَةُ مُجَازَاتِهٖ۔
فَفِيْ هٰذِهِ الْمَحَامِدِ إِشَارَاتٌ رَّفِيْعَةٌ
عَالِيَةٌ وَّ دَلَالَاتٌ لَطِيْفَةٌ مُّتَعَالِيَةٌ عَلٰى
كُلِّ كَمَالٍ لِّحَضْرَةِ اللهِ جَامِعِ كُلِّ جَمَالٍ
وَّجَلَالٍ۔ ثُمَّ مِنَ الْمَعْلُوْمِ أَنَّ اللَّامَ فِيْ
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ لِلْاِسْتِغْرَاقِ فَهُوَ يُشِيْرُ إِلٰى أَنَّ
الْمَحَامِدَ كُلَّهَا لِلّٰهِ بِالْاِسْتِحْقَاقِ۔ وَأَمَّا
دُعَآءُ الْإِنْجِيْلِ أَعْنِيْ ''لِيَتَقَدَّسِ اسْمُكَ''
فَلَا يُشِيْرُ إِلٰى كَمَالٍ بَلْ يُخْبِرُ عَنْ
خَطَرَاتِ زَوَالٍ وَّيُظْهِرُ الْأَمَانِيَّ
لِتَقْدِيْسِ الرَّحْمٰنِ كَأَنَّ التَّقَدُّسَ لَيْسَ

اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جس کی نہ صفات شمار کی جا سکتی ہیں اور نہ اس کے کمالات گنے جا سکتے ہیں۔ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ میں یہ اشارہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کی بارش آسمانوں اور زمینوں پر بلکہ تمام جسمانی و روحانی چیزوں پر عام ہے۔ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ میں یہ اشارہ فرمایا ہے کہ ہر قسم کی رحمت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی (ملتی) ہے جو قیّوم و قدیم اور خلّاق و کریم ہے اُس نے اپنے الفاظ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ میں یہ اشارہ فرمایا ہے کہ جزا و سزا کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے اس کے سوا مخلوق میں سے اَور کوئی مالک نہیں۔ اُس کی جزا کے سمندر جاری ہیں اور وہ ہر وقت بادلوں کی طرح (فیض پہنچانے کے لئے) گزر رہے ہیں اور بندہ اعمالِ صالحہ، صدق اور اپنی قربانیوں کے بعد اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کے احسانات میں سے جو کچھ بھی پاتا ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کی جزا (دینے والی صفت) کا احسان ہوتا ہے۔ (خدا کی) اِن صفاتِ حسنہ میں اس امر پر اعلیٰ و ارفع اشارے اور لطیف اور بلند پایہ دلائل ہیں کہ ہر کمال اللہ تعالیٰ کے لئے سزا وار ہے جو ہر جلال و جمال کا جامع ہے۔ پھر یہ تو ظاہر ہے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ میں جو الف لام ہے وہ استغراق کے لئے ہے اور اِس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ سب صفاتِ حسنہ بطور حق کے اللہ تعالیٰ کے لئے ہی (واجب) ہیں لیکن انجیل کی یہ دعا کہ ''تیرا نام پاک ہو'' کسی کمال کی طرف اشارہ نہیں کرتی بلکہ زوال کا خدشہ پیدا کرتی اور اللہ تعالیٰ کے پاک ہونے کے لئے محض خواہشات کا اظہار کرتی ہے گویا اُسے

لَهٗ بِحَاصِلٍ إِلٰی هٰذَا الْاٰنِ. فَمَا هٰذَا الدُّعَآءُ إِلَّا مِنْ نَّوْعِ الْهِذْيَانِ فَإِنَّكَ تَعْلَمُ أَنَّ اللّٰهَ قُدُّوْسٌ مِّنَ الْأَزَلِ إِلَی الْأَبَدِ كَمَا هُوَ يَلِيْقُ بِالْأَحَدِ الصَّمَدِ فَهُوَ مُنَزَّهٌ وَّمُقَدَّسٌ مِّنْ كُلِّ التَّدَنُّسَاتِ فِيْ جَمِيْعِ الْأَوْقَاتِ إِلٰی أَبَدِ الْاٰبِدِيْنَ وَلَيْسَ مَحْرُوْمًا وَّمِنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ......

ثُمَّ الْإِنْجِيْلُ يَذْكُرُ اللّٰهَ تَعَالٰی بِاسْمِ الْأَبِ وَالْقُرْاٰنِ يَذْكُرُهٗ بِاسْمِ الرَّبِّ وَبَيْنَهُمَا بَوْنٌ بَعِيْدٌ وَّيَعْلَمُهٗ مَنْ هُوَ زَكِيٌّ وَّسَعِيْدٌ وَّ إِنْ لَّمْ يَعْلَمْهُ مَنْ كَانَ مِنَ الْجَاهِلِيْنَ. فَإِنَّ لَفْظَ الْأَبِ لَفْظٌ قَدْ كَثُرَ اسْتِعْمَالُهٗ فِي الْمَخْلُوْقِيْنَ فَنَقْلُهٗ إِلَی الرَّبِّ تَعَالٰی فِعْلٌ فِيْهِ رَائِحَةٌ مِّنَ الْإِشْرَاكِ وَهُوَ أَقْرَبُ لِلْإِهْلَاكِ كَمَا لَا يَخْفٰی عَلَی الْمُتَدَبِّرِيْنَ.

(کرامات الصادقین، روحانی خزائن جلد ۷ صفحہ ۱۳۹ تا ۱۴۰)

ابھی تک تقدّس حاصل نہیں۔ پس یہ دُعا ایک قسم کا بے معنی کلام ہے اَور کچھ نہیں کیونکہ تمہیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ جیسا کہ اُس کی شان اَحدیّت و بے نیازی کے شایاں ہے وہ ازل سے ابد تک ہمیشہ قدّوس ہے اور وہ تمام عیوب سے ہمیشہ ہمیش کے لئے ابدالآباد تک منزّہ اور مقدس ہے۔ وہ نہ کسی خوبی سے محروم ہے اور نہ آئندہ کسی بھلائی کے ملنے کا منتظر ہے......

پھر انجیل خدا تعالیٰ کا ذکر اَبؑ نام سے کرتی اور قرآن اس کا ذکر ربّ کے نام سے کرتا ہے اور ان دونوں (الفاظ) میں بہت بڑا فرق ہے جسے ہر ذہین اور سعادت مند سمجھتا ہے اگرچہ نادان نہ سمجھیں کیونکہ اَبؑ (باپ) کا لفظ اکثر مخلوقات کے متعلق استعمال ہوتا ہے اور اُسے خدا تعالیٰ کے لئے استعمال کرنا ایک ایسا فعل ہے جس میں شرک کی بُو پائی جاتی ہے جو انسان کو ہلاک کرنے کے زیادہ قریب ہے جیسا کہ تدبّر کرنے والوں پر مخفی نہیں۔ (ترجمہ از مرتب)

وَاعْلَمُوْا أَيُّهَا النَّاظِرُوْنَ وَ الْعُلَمَآءُ الْمُسْتَبْصِرُوْنَ أَنَّ عِيْسٰی عَلَيْهِ السَّلَامُ عَلَّمَ تَمْهِيْدًا قَبْلَ الدُّعَآءِ وَالْقُرْاٰنُ عَلَّمَ تَمْهِيْدًا قَبْلَ الدُّعَآءِ وَالْفَرْقُ بَيْنَهُمَا ظَاهِرٌ عَلٰی أَهْلِ الدَّهَآءِ فَإِنَّ تَمْهِيْدَ الْقُرْاٰنِ يُحَرِّكُ الرُّوْحَ إِلٰی عِبَادَةِ الرَّحْمٰنِ

اے دیکھنے والو اور اہلِ بصیرت علماء! جان لو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دعا سے پہلے ایک تمہید سکھائی ہے اور قرآن کریم نے (بھی) دعا سے قبل ایک تمہید سکھائی ہے اور عقل مندوں کے نزدیک ان دونوں تمہیدوں میں فرق ظاہر ہے کیونکہ قرآن کریم کی تمہید روح کو خدائے رحمان کی عبادت کی تحریک کرتی ہے اور بندوں کو ترغیب

وَيُحَرِّكُ الْعِبَادَ إِلٰى أَنْ يَّنْتَجِعُوْا حَضْرَتَهٗ بِإِمْحَاضِ النِّيَّةِ وَ إِخْلَاصِ الْجَنَانِ وَيُظْهِرُ عَلَيْهِمْ أَنَّهٗ عَيْنُ كُلِّ رَحْمَةٍ وَّيَنْبُوْعُ جَمِيْعِ أَنْوَاعِ الْحَنَانِ وَمَخْصُوْصٌ بِاسْمِ الرَّبِّ وَالرَّحْمٰنِ وَالرَّحِيْمِ وَالدَّيَّانِ فَالَّذِيْنَ يَطَّلِعُوْنَ عَلٰى هٰذِهِ الصِّفَاتِ فَلَا يُزَايِلُوْنَ أَهْلَهَا وَلَوْ سَقَطُوْا فِيْ فَلَوَاتِ الْمَمَاتِ بَلْ يَسْعَوْنَ إِلَيْهِ وَيُوَطِّنُوْنَ لَدَيْهِ بِصِدْقِ الْقَلْبِ وَصِحَّةِ النِّيَّاتِ وَيَتَرَاكَضُوْنَ إِلَيْهِ خَيْلَهُمْ وَيَسْعَوْنَ كَالْمَشُوْقِ وَيَضْطَرِمُ فِيْهِمْ هَوَى الْمَعْشُوْقِ فَلَا يُنَاقِشُ أَهْوَآءَ أُخْرٰى عِنْدَ غَلَبَةِ هَوَى رَبِّ الْعَالَمِيْنَ. فَثَبَتَ أَنَّ فِيْ تَمْهِيْدِ هٰذَا الدُّعَآءِ تَحْرِيْكًا عَظِيْمًا لِلْعَابِدِيْنَ......

ثُمَّ بَعْدَ ذٰلِكَ نَنْظُرُ إِلٰى دُعَآءٍ عَلَّمَهٗ عِيْسٰى وَإِلٰى دُعَآءٍ عَلَّمَهٗ رَبُّنَا الْأَعْلٰى لِيَتَبَيَّنَ مَا هُوَ الْفَرْقُ بَيْنَهُمَا لِذِي النُّهٰى وَلِيَنْتَفِعَ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنَ الصَّالِحِيْنَ.

فَاعْلَمْ أَنَّ عِيْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ عَلَّمَ دُعَآءً يَّتَزَرّٰى عَلَيْهِ إِنْصَافُنَا أَعْنِيْ خُبْزَنَا كَفَافَنَا وَأَمَّا الْقُرْاٰنُ فَعَافَ ذِكْرَ

دیتی ہے کہ وہ خلوصِ نیّت اور صفائی قلب سے بارگاہِ ایزدی کی تلاش میں لگ جائیں۔ نیز (یہ تمہید) اُنہیں بتاتی ہے کہ خدا تعالیٰ تمام رحمتوں کا سرچشمہ اور تمام نوازشوں کا منبع ہے اور ربّ، رحمان، رحیم اور دیّان (جزا سزا کا مالک) کے ناموں سے مخصوص ہے۔ جن لوگوں کو ان صفات کا علم ہو جاتا ہے وہ ان کے مالک (اللہ تعالیٰ) سے جُدا نہیں ہوتے خواہ وہ موت کے بیابانوں میں جا گریں بلکہ وہ اُس کی طرف دوڑتے ہیں اور صدقِ قلب اور صحتِ نیّت سے اُسی کے پاس ڈیرے جما لیتے ہیں۔ اس کی طرف اپنے گھوڑے دوڑاتے ہیں۔ اُس کی طرف والہانہ بڑھتے ہیں۔ اُن کے اندر (اپنے) معشوق کی محبت کی آگ بھڑک اُٹھتی ہے۔ ایسا شخص اللہ تعالیٰ کی محبت کے غلبہ کی وجہ سے دوسری خواہشات سے کوئی کش مکش نہیں رکھتا۔ پس ثابت ہوا کہ اِس دعا کی تمہید میں عبادت کرنے والوں کے لئے ایک زبردست تحریک ہے۔.......

پھر اس کے بعد ہم اُس دعا پر غور کرتے ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے سکھائی اور اس دعا پر بھی جو ہمارے خدائے بزرگ و برتر نے سکھائی تا عقلمند پر واضح ہو جائے کہ ان دونوں کے درمیان کیا فرق ہے اور تا جو کوئی بھی نیک لوگوں میں شامل ہے اس فرق سے فائدہ اُٹھائے۔

پس جان لو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جو دعا سکھلائی ہے یعنی یہ کہ ”ہماری روز کی روٹی ہر روز ہمیں دیا کر“ ہمارا انصاف اسے ناقص قرار دیتا ہے۔ اِس کے برخلاف

الْخُبْزِ وَالْمَآءِ فِي الدُّعَآءِ وَعَلَّمَنَا طَرِيْقَ الرُّشْدِ وَ الْاِهْتِدَآءِ وَ حَثَّ عَلٰى أَنْ نَّقُوْلَ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ وَ نَطْلُبَ مِنْهُ الدِّيْنَ الْقَوِيْمَ وَنَعُوْذَ بِهٖ مِنْ طُرُقِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَالضَّآلِّيْنَ وَ أَشَارَ إِلٰى أَنَّ رَاحَةَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ تَابِعَةٌ لِّطَلَبِ الصِّرَاطِ وَإِخْلَاصِ الطَّاعَةِ۔

قرآن کریم نے (اپنی) دعا میں روٹی اور پانی کا ذکر کرنا ناپسند کیا ہے اور ہمیں رُشد و ہدایت کا طریق سکھایا ہے اور اس بات کی طرف ترغیب دی ہے کہ ہم اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کہیں اور اللہ تعالیٰ سے دین قویم طلب کریں اور مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ اور ضَآلِّيْنَ کی راہوں سے اُس کی پناہ مانگیں۔ اِس دُعا میں اِس طرف بھی اشارہ فرمایا ہے کہ دنیا اور آخرت کی راحت صحیح راہ کی تلاش اور مخلصانہ فرمانبرداری پر منحصر ہے۔

فَانْظُرْ إِلٰى دُعَآءِ الْإِنْجِيْلِ وَ دُعَآءِ الْقُرْاٰنِ مِنَ الرَّبِّ الْجَلِيْلِ وَ كُنْ مِّنَ الْمُنْصِفِيْنَ۔

پس انجیل کی دُعا پر بھی نگاہ ڈالو اور قرآن کی دعا پر بھی جو اللہ جَلَّ شَانُهٗ کی طرف سے ہے اور انصاف کرو۔

وَ أَمَّا مَا جَآءَ فِيْ دُعَآءِ عِيْسٰى تَرْغِيْبٌ فِي الْاِسْتِغْفَارِ فَهُوَ تَأْكِيْدٌ لِّدُعَآءِ طَلَبِ الْخُبْزِ كَأَهْلِ الْاِضْطِرَارِ لَعَلَّ اللّٰهَ يَرْحَمُ وَ يُعْطِيْ خُبْزًا كَثِيْرًا عِنْدَ هٰذَا الْإِقْرَارِ فَالْاِسْتِغْفَارُ تَضَرُّعٌ لِّطَلَبِ الرُّغْفَانِ وَأَصْلُ الْأَمْرِ هُوَ طَلَبُ الْخُبْزِ مِنَ اللّٰهِ الْمَنَّانِ۔ وَ يَثْبُتُ مِنْ هٰذَا الدُّعَآءِ أَنَّ أَكْثَرَ أُمَمِ عِيْسٰى كَانُوْا عُشَّاقَ الذَّهَبِ وَ اللُّجَيْنِ وَهَاجِرِي الْحَقِّ لِلْحَجَرَيْنِ وَ بَائِعِي الدِّيْنِ بِبَخْسٍ مِّنَ الدَّرَاهِمِ وَ مُخْتَبِئِيْ خُلَاصَةِ النَّضِّ وَتَارِكِيْ ذَيْلِ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا میں استغفار کے متعلق جو ترغیب آئی ہے وہ بھی (دراصل) بےقراروں کی طرح صرف روٹی مانگنے کی دُعا کرنے کی تاکید ہی ہے تا اللہ تعالیٰ رحم کرے اور اس اقرار (گناہ) کے بدلہ میں بہت سی روٹیاں دیدے۔ پس (ان کا) استغفار بھی صرف روٹیاں مانگنے کی خاطر آہ وزاری ہے۔ اصل مقصد خدائے بخشندہ سے روٹی مانگنا ہی ہے۔ (انجیل کی) اِس دعا سے ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کے اکثر پیروکار ہمیشہ سے سونے چاندی کے ہی عاشق ہیں اور وہ سونے چاندی کی خاطر خدا تعالیٰ کو چھوڑ دیتے ہیں۔ چند سکّوں کی خاطر دین کو بیچ ڈالتے ہیں اور چاندی سونے کے سکّوں کو ہی اپنے کپڑوں میں چھپائے پھرتے ہیں اور رحم کرنے والے ربّ کے دامن کے تارک ہیں اِس حال میں کہ مفسد و نافرمان

الرَّبِّ الرَّاحِمِ وَالْعَاثِيْنَ عَاصِيْنَ۔ وَحُبِّبَ إِلَيْهِمْ أَنْ يَّتَّخِذُوْا الطَّمَعَ شِرْعَةً وَّحُبَّ الدُّنْيَا نُجْعَةً۔ فَاسْتَشْرِفِ الْأَنَاجِيْلَ لِيَظْهَرَ عَلَيْكَ صِدْقُ مَا قِيْلَ وَاتَّقِ الرَّبَّ الْجَلِيْلَ وَدَعِ الْأَقَاوِيْلَ۔

ہیں۔ اُنہیں اِسی بات کا شوق دلایا گیا ہے کہ وہ لالچ کو اپنا طریق قرار دے لیں اور دنیا کی محبت کو اپنا مقصود بنا لیں۔ پس اناجیل کا گہرا مطالعہ کرو تا آپ ہمارے قول کی صداقت ظاہر ہو جائے اور اللہ جلّشانہ سے ڈرو اور دوسری باتوں کو چھوڑ دو۔ (ترجمہ از مرتب)

(کرامات الصادقین، روحانی خزائن، جلد ۷ صفحہ ۱۴۲ تا ۱۴۴)

سورۃ فاتحہ کے لطائف

پھر اس طرف خیال کرنا چاہئے کہ علاوہ ان سچائیوں کے اور اس کمال ایجاز کے دوسرے کیا کیا لطائف ہیں جو اس سورۂ مبارکہ میں بھرے ہوئے ہیں اگر ہم اس جگہ ان سب لطائف کو بیان کریں تو یہ مضمون ایک دفتر بن جائے گا صرف چند لطیفہ بطور نمونہ بیان کئے جاتے ہیں۔ اوّل یہ لطیفہ ہے کہ خدائے تعالیٰ نے اس سورۃ فاتحہ میں دعا کرنے کا ایسا طریقہ حسنہ بتلایا ہے جس سے خوب تر طریقہ پیدا ہونا ممکن نہیں اور جس میں وہ تمام اُمور جمع ہیں جو دُعا میں دلی جوش پیدا کرنے کے لئے نہایت ضروری ہیں۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ قبولیت دعا کے لئے ضرور ہے کہ اُس میں ایک جوش ہو کیونکہ جس دعا میں جوش نہ ہو وہ صرف لفظی بڑبڑ ہے حقیقی دُعا نہیں۔ مگر یہ بھی ظاہر ہے کہ دعا میں جوش پیدا ہونا ہر یک وقت انسان کے اختیار میں نہیں بلکہ انسان کے لئے اشد ضرورت ہے کہ دعا کرنے کے وقت جو امور دلی جوش کے محرّک ہیں وہ اس کے خیال میں حاضر ہوں اور یہ بات ہر یک عاقل پر روشن ہے کہ دلی جوش پیدا کرنے والی صرف دو ہی چیزیں ہیں ایک خدا کو کامل اور قادر اور جامع صفات کاملہ خیال کر کے اس کی رحمتوں اور کرموں کو ابتدا سے انتہا تک اپنے وجود اور بقا کے لئے ضروری دیکھنا اور تمام فیوض کا مبدء اسی کو خیال کرنا۔ دوسرے اپنے تئیں اور اپنے تمام ہم جنسوں کو عاجز اور مفلس اور خدا کی مدد کا محتاج یقین کرنا یہی دو امر ہیں جن سے دُعاؤں میں جوش پیدا ہوتا ہے اور جو جوش دلانے کے لئے کامل ذریعہ ہیں وجہ یہ کہ انسان کی دُعا میں تب ہی جوش پیدا ہوتا ہے کہ جب وہ اپنے تئیں سراسر ضعیف اور ناتوان اور مدد الٰہی کا محتاج دیکھتا ہے اور خدا کی نسبت نہایت قوی اعتقاد سے یہ یقین رکھتا ہے کہ وہ بغایت درجہ کامل القدرت اور ربّ العالمین اور رحمان اور رحیم اور مالک امر مجازات ہے اور جو کچھ انسانی حاجتیں ہیں سب کا پورا کرنا اسی کے ہاتھ میں ہے۔ سو سورۃ فاتحہ کے ابتدا میں جو اللہ تعالیٰ کی نسبت بیان فرمایا گیا ہے کہ وہی ایک ذات ہے کہ جو تمام محامدِ کاملہ سے متّصف اور تمام خوبیوں کی جامع ہے

اور وہی ایک ذات ہے جو تمام عالموں کی ربّ اور تمام رحمتوں کا چشمہ اور سب کو ان کے عملوں کا بدلہ دینے والی ہے۔ پس ان صفات کے بیان کرنے سے اللہ تعالیٰ نے بخوبی ظاہر فرما دیا کہ سب قدرت اسی کے ہاتھ میں ہے اور ہر یک فیض اسی کی طرف سے ہے اور اپنی اس قدر عظمت بیان کی کہ دنیا اور آخرت کے کاموں کا قاضی الحاجات اور ہر یک چیز کا علّت العلل اور ہر یک فیض کا مبدء اپنی ذات کو ٹھہرایا جس میں یہ بھی اشارہ فرما دیا ہے کہ اس کی ذات کے بغیر اور اس کی رحمت کے بدوں کسی زندہ کی زندگی اور آرام اور راحت ممکن نہیں اور پھر بندہ کو تذلّل کی تعلیم دی اور فرمایا اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ۔ اس کے یہ معنے ہیں کہ اے مبدء تمام فیوض ہم تیری ہی پرستش کرتے ہیں اور تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں یعنی ہم عاجز ہیں آپ سے کچھ بھی نہیں کر سکتے جب تک تیری توفیق اور تائید شاملِ حال نہ ہو پس خدائے تعالیٰ نے دعا میں جوش دلانے کے لئے دو محرّک بیان فرمائے ایک اپنی عظمت اور رحمتِ شاملہ دوسرے بندوں کا عاجز اور ذلیل ہونا۔ اب جاننا چاہئے کہ یہی دو محرک ہیں جن کا دُعا کے وقت خیال میں لانا دُعا کرنے والوں کے لئے نہایت ضروری ہے جو لوگ دعا کی کیفیت سے کسی قدر چاشنی حاصل رکھتے ہیں انہیں خوب معلوم ہے کہ بغیر پیش ہونے ان دونوں محرکوں کے دُعا ہو ہی نہیں سکتی اور بجز ان کے آتش شوق الٰہی دعا میں اپنے شعلوں کو بلند نہیں کرتے یہ بات نہایت ظاہر ہے کہ جو شخص خدا کی عظمت اور رحمت اور قدرت کاملہ کو یاد نہیں رکھتا وہ کسی طرح سے خدا کی طرف رجوع نہیں کر سکتا اور جو شخص اپنی عاجزی اور درماندگی اور مسکینی کا اقراری نہیں اس کی روح اس مولیٰ کریم کی طرف ہرگز جھک نہیں سکتی۔

غرض یہ ایسی صداقت ہے جس کے سمجھنے کے لئے کوئی عمیق فلسفہ درکار نہیں بلکہ جب خدا کی عظمت اور اپنی ذلّت اور عاجزی متحقّق طور پر دل میں منتقّش ہو تو وہ حالت خاصہ خود انسان کو سمجھا دیتی ہے کہ خالص دُعا کرنے کا وہی ذریعہ ہے سچے پرستار خوب سمجھتے ہیں کہ حقیقت میں انہیں دو چیزوں کا تصوّر دُعا کے لئے ضروری ہے یعنی اوّل اس بات کا تصوّر کہ خدائے تعالیٰ ہر یک قسم کی ربوبیت اور پرورش اور رحمت اور بدلہ دینے پر قادر ہے اور اس کی یہ صفاتِ کاملہ ہمیشہ اپنے کام میں لگی ہوئی ہیں۔ دوسرے اس بات کا تصوّر کہ انسان بغیر توفیق اور تائید الٰہی کے کسی چیز کو حاصل نہیں کر سکتا۔ اور بلا شبہ یہ دونوں تصوّر ایسے ہیں کہ جب دُعا کرنے کے وقت دل میں جم جاتے ہیں تو یکایک انسان کی حالت کو ایسا تبدیل کر دیتے ہیں کہ ایک متکبّر ان سے متأثر ہو کر روتا ہوا زمین پر گر پڑتا ہے اور ایک گردن کش سخت دل کے آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔ یہی کَل ہے جس سے ایک غافل مُردہ میں جان پڑ جاتی ہے۔ انہیں دو باتوں کے تصوّر سے ہر یک دل دُعا کرنے کی

طرف کھینچا جاتا ہے۔غرض یہی وہ روحانی وسیلہ ہے جس سے انسان کی روح رو بخدا ہوتی ہے اور اپنی کمزوری اور امداد ربّانی پر نظر پڑتی ہے اسی کے ذریعہ سے انسان ایک ایسے عالم بے خودی میں پہنچ جاتا ہے جہاں اپنی مکدّر ہستی کا نشان باقی نہیں رہتا اور صرف ایک ذاتِ عظمیٰ کا جلال چمکتا ہوا نظر آتا ہے اور وہی ذات رحمتِ کُل اور ہر یک ہستی کا ستون اور ہر یک درد کا چارہ اور ہر یک فیض کا مبدء دکھائی دیتی ہے آخر اس سے ایک صورت فنافی اللہ کی ظہور پذیر ہوجاتی ہے جس کے ظہور سے نہ انسان مخلوق کی طرف مائل رہتا ہے نہ اپنے نفس کی طرف نہ اپنے ارادہ کی طرف اور بالکل خدا کی محبت میں کھو یا جاتا ہے اور اُس ہستی حقیقی کی شہود سے اپنی اور دوسری مخلوق چیزوں کی ہستی کالعدم معلوم ہوتی ہے اس حالت کا نام خدا نے صراط مستقیم رکھا ہے جس کی طلب کے لئے بندہ کو تعلیم فرمایا اور کہا اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ یعنی وہ راستہ فنا اور توحید اور محبت الٰہی کا جو آیاتِ مذکورہ بالا سے مفہوم ہو رہا ہے وہ ہمیں عطا فرما اور اپنے غیر سے بکلّی منقطع کر۔ خلاصہ یہ کہ خدائے تعالیٰ نے دُعا میں جوش پیدا کرنے کے لئے وہ اسبابِ حقہ انسان کو عطا فرمائے کہ جو اس قدر دلی جوش پیدا کرتے ہیں کہ دعا کرنے والے کو خودی کے عالم سے بے خودی اور نیستی کے عالم میں پہنچا دیتے ہیں۔

اس جگہ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ یہ بات ہرگز نہیں کہ سورۃ فاتحہ دعا کے کئی طریقوں میں سے ہدایت مانگنے کا ایک طریقہ ہے بلکہ جیسا کہ دلائل مذکورۂ بالا سے ثابت ہو چکا ہے درحقیقت صرف یہی ایک طریقہ ہے جس پر جوشِ دل سے دُعا کا صادر ہونا موقوف ہے اور جس پر طبیعت انسانی بمقتضا اپنے فطرتی تقاضا کے چلنا چاہتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جیسے خدا نے دوسرے امور میں قواعد مقرّرہ ٹھہرا رکھے ہیں ایسا ہی دعا کے لئے بھی ایک قاعدہ خاص ہے اور وہ قاعدہ وہی محرّک ہیں جو سورۃ فاتحہ میں لکھے گئے ہیں اور ممکن نہیں کہ جب تک وہ دونوں محرّک کسی کے خیال میں نہ ہوں تب تک اس کی دعا میں جوش پیدا ہو سکے۔ سو طبعی راستہ دعا مانگنے کا وہی ہے جو سورۃ فاتحہ میں ذکر ہو چکا ہے۔ پس سورہ ممدوحہ کے لطائف میں سے یہ ایک نہایت عمدہ لطیفہ ہے کہ دعا کو معہ محرّکات اس کے کے بیان کیا ہے فتدبّر۔

پھر ایک دوسرا لطیفہ اس سورۃ میں یہ ہے کہ ہدایت کے قبول کرنے کے لئے پورے پورے اسباب ترغیب بیان فرمائے ہیں کیونکہ ترغیب کامل جو معقول طور پر دی جائے ایک زبردست کشش ہے اور حصر عقلی کے رو سے ترغیب کامل اس ترغیب کا نام ہے جس میں تین جُزیں موجود ہوں۔ ایک یہ کہ جس شے کی طرف ترغیب دینا منظور ہو اس کی ذاتی خوبی بیان کی جائے سو اس جز کو اس آیت میں بیان فرمایا ہے۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ یعنی ہم کو وہ راستہ بتلا جو اپنی ذات میں صفتِ استقامت اور راستی سے موصوف ہے جس

میں ذرا کجی نہیں سو اس آیت میں ذاتی خوبی اس راستہ کی بیان فرما کر اس کے حصول کے لئے ترغیب دی۔ دوسری جز ترغیب کی یہ ہے کہ جس شے کی طرف ترغیب دینا منظور ہو اس شے کے فوائد بیان کئے جائیں۔ سو اس جز کو اس آیت میں بیان فرمایا۔ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ یعنی اس راستہ پر ہم کو چلا جس پر چلنے سے پہلے سالکوں پر انعام اور کرم ہو چکا ہے۔ سو اس آیت میں راستہ چلنے والوں کا کامیاب ہونا ذکر فرما کر اس راستہ کا شوق دلایا۔ تیسری جُز ترغیب کی یہ ہے کہ جس شے کی طرف ترغیب دینا منظور ہو اس شے کے چھوڑنے والوں کی خرابی اور بدحالی بیان کی جائے۔ سو اس جز کو اس آیت میں بیان فرمایا غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّيْنَ۔ یعنی ان لوگوں کی راہوں سے بچا جنہوں نے صراطِ مستقیم کو چھوڑا اور دوسری راہیں اختیار کیں اور غضبِ الٰہی میں پڑے اور گمراہ ہوئے سو اس آیت میں اس سیدھا راستہ چھوڑنے پر جو ضرر مترتّب ہوتا ہے اس سے آگاہ کیا۔ غرض سورۃ فاتحہ میں ترغیب کی تینوں جزوں کو لطیف طور پر بیان کیا۔ ذاتی خوبی بھی بیان کی۔ فوائد بھی بیان کئے اور پھر اس راہ کے چھوڑنے والوں کی ناکامی اور بدحالی بھی بیان فرمائی تا ذاتی خوبی کو سن کر طبائع سلیمہ اُس کی طرف میل کریں اور فوائد پر اطلاع پا کر جو لوگ فوائد کے خواہاں ہیں ان کے دلوں میں شوق پیدا ہو اور ترک کرنے کی خرابیاں معلوم کر کے اس وبال سے ڈریں جو کہ ترک کرنے پر عائد حال ہوگا۔ پس یہ بھی ایک کامل لطیفہ ہے جس کا التزام اس صورت میں کیا گیا۔

پھر تیسرا لطیفہ اس سورۃ میں یہ ہے کہ باوجود التزام فصاحت و بلاغت یہ کمال دکھلایا ہے کہ محامد الٰہیہ کے ذکر کرنے کے بعد جو فقرات دُعا وغیرہ کے بارہ میں لکھے ہیں۔ ان کو ایسے عمدہ طور پر بطور لفّ ونشر مرتب کے بیان کیا ہے جس کا صفائی سے بیان کرنا باوجود رعایت تمام مدارج فصاحت و بلاغت کے بہت مشکل ہوتا ہے اور جو لوگ سخن میں صاحبِ مذاق ہیں وہ خوب سمجھتے ہیں کہ اس قسم کے لفّ ونشر کیسا نازک اور دقیق کام ہے۔ اِس کی تفصیل یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ نے اوّل محامدِ الٰہیہ میں فیوض اربعہ کا ذکر فرمایا کہ وہ ربّ العالمین ہے۔ رحمان ہے۔ رحیم ہے۔ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ہے۔ اور پھر بعد اس کے فقرات تعبّد اور استعانت اور دُعا اور طلب جزا کو انہیں کے ذیل میں اس لطافت سے لکھا ہے کہ جس فقرہ کو کسی قسم فیض سے نہایت مناسبت تھی اُسی کے نیچے وہ فقرہ درج کیا۔ چنانچہ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ کے مقابلہ پر اِيَّاكَ نَعْبُدُ لکھا۔ کیونکہ ربوبیت سے استحقاق عبادت شروع ہو جاتا ہے پس اسی کے نیچے اور اسی کے محاذات میں اِيَّاكَ نَعْبُدُ کا لکھنا نہایت موزوں اور مناسب ہے اور رحمان کے مقابلہ پر اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ لکھا۔ کیونکہ بندہ کے لئے اعانتِ الٰہی جو توفیق

عبادت اور ہر یک اس کے مطلوب میں ہوتی ہے جس پر اس کی دنیا اور آخرت کی صلاحیت موقوف ہے یہ اس کے کسی عمل کا پاداش نہیں بلکہ محض صفت رحمانیت کا اثر ہے۔ پس استعانت کو صفت رحمانیت سے بشدّت مناسبت ہے۔ اور رحیم کے مقابلہ پر اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ لکھا کیونکہ دعا ایک مجاہدہ اور کوشش ہے اور کوششوں پر جو ثمرہ مُترتّب ہوتا ہے وہ صفت رحیمیت کا اثر ہے۔ اور مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کے مقابلہ پر صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّيْنَ لکھا۔ کیونکہ امر مجازات مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کے متعلق ہے۔ سو ایسا فقرہ جس میں طلبِ انعام اور عذاب سے بچنے کی درخواست ہے اسی کے نیچے رکھنا موزوں ہے۔

چوتھا لطیفہ یہ ہے کہ سورۃ فاتحہ مجمل طور پر تمام مقاصد قرآن شریف پر مشتمل ہے گویا یہ سورۃ مقاصد قرآنیہ کا ایک ایجاز لطیف ہے۔ اسی کی طرف اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا ہے۔ وَ لَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَ الْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ (الحجر :۸۸) یعنی ہم نے تجھے اے رسول سات آیتیں سورۃ فاتحہ کی عطا کی ہیں جو مجمل طور پر تمام مقاصد قرآنیہ پر مشتمل ہیں اور ان کے مقابلہ پر قرآن عظیم بھی عطا فرمایا ہے جو مفصّل طور پر مقاصد دینیہ کو ظاہر کرتا ہے اور اسی جہت سے اس سورۃ کا نام اُمّ الکتاب اور سورۃ الجامع ہے۔ اُمّ الکتاب اس جہت سے کہ جمیع مقاصد قرآنیہ اُس سے مستخرج ہوتے ہیں اور سورۃ الجامع اس جہت سے کہ علوم قرآنیہ کے جمیع انواع پر بصورت اجمالی مشتمل ہے۔ اسی جہت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا ہے کہ جس نے سورۃ فاتحہ کو پڑھا گویا اس نے سارے قرآن کو پڑھ لیا۔ غرض قرآن شریف اور احادیثِ نبوی سے ثابت ہے کہ سورۃ فاتحہ ممدوحہ ایک آئینہ قرآن نما ہے۔ اس کی تصریح یہ ہے کہ قرآن شریف کے مقاصد میں سے ایک یہ ہے کہ وہ تمام محامد کاملہ باری تعالیٰ کو بیان کرتا ہے اور اُس کی ذات کے لئے جو کمال تام حاصل ہے اس کو بوضاحت بیان فرماتا ہے۔ سو یہ مقصد اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ میں بطور اجمال آ گیا۔ کیونکہ اُس کے یہ معنے ہیں کہ تمام محامد کاملہ اللہ کے لئے ثابت ہیں جو مستجمع جمیع کمالات اور مستحق جمیع عبادات ہے۔ دوسرا مقصد قرآن شریف کا یہ ہے کہ وہ خدا کا صانع کامل ہونا اور خالق العالمین ہونا ظاہر کرتا ہے اور عالَم کے ابتدا کا حال بیان فرماتا ہے اور جو دائرہ عالَم میں داخل ہو چکا اس کو مخلوق ٹھہراتا ہے اور ان امور کے جو لوگ مخالف ہیں ان کا کذب ثابت کرتا ہے۔ سو یہ مقصد رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ میں بطور اجمال آ گیا۔ تیسرا مقصد قرآن شریف کا خدا کا فیضان بلا استحقاق ثابت کرنا اور اُس کی رحمتِ عامہ کا بیان کرنا ہے۔ سو یہ مقصد لفظ رحمان میں بطور اجمال آ گیا۔

چوتھا مقصد قرآن شریف کا خدا کا وہ فیضان ثابت کرنا ہے جو محنت اور کوشش پر مترتّب ہوتا ہے۔ سو یہ مقصد لفظ رَحِیۡمِ میں آ گیا۔ پانچواں مقصد قرآن شریف کا عالَمِ معاد کی حقیقت بیان کرنا ہے۔ سو یہ مقصد مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ میں آ گیا۔ چھٹا مقصد قرآن شریف کا اخلاص اور عبودیت اور تزکیہ نفس عن غیر اللہ اور علاج امراض روحانی اور اصلاح اخلاق ردیہ اور توحید فی العبادت کا بیان کرنا ہے۔ سو یہ مقصد اِيَّاكَ نَعْبُدُ میں بطور اجمال آ گیا۔ ساتواں مقصد قرآن شریف کا ہر یک کام میں فاعل حقیقی خدا کو ٹھہرانا اور تمام توفیق اور لُطف اور نصرت اور ثبات علی الطاعت اور عصمت عن العصیان اور حصول جمیع اسباب خیر اور صلاحیت دنیا و دین اسی کی طرف اسے قرار دینا اور ان تمام امور میں اسی سے مدد چاہنے کے لئے تاکید کرنا سو یہ مقصد اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ میں بطور اجمال آ گیا۔ آٹھواں مقصد قرآن شریف کا صراط مستقیم کے دقائق کو بیان کرنا ہے اور پھر اس کی طلب کے لئے تاکید کرنا کہ دُعا اور تضرّع سے اس کو طلب کریں سو یہ مقصد اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ میں بطور اجمال کے آ گیا۔ نواں مقصد قرآن شریف کا اُن لوگوں کا طریق و خلق بیان کرنا ہے جن پر خدا کا انعام و فضل ہوا تا طالبین حق کے دل جمعیت پکڑیں سو یہ مقصد صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ میں آ گیا۔ دسواں مقصد قرآن شریف کا ان لوگوں کا خلق و طریق بیان کرنا ہے جن پر خدا کا غضب ہوا۔ یا جو راستہ بھول کر انواع اقسام کی بدعتوں میں پڑ گئے۔ تا حق کے طالب ان کی راہوں سے ڈریں۔ سو یہ مقصد غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّيْنَ میں بطور اجمال آ گیا ہے۔ یہ مقاصد عشرہ ہیں جو قرآن شریف میں مندرج ہیں جو تمام صداقتوں کا اصل الاصول ہیں۔ سو یہ تمام مقاصد سورۂ فاتحہ میں بطور اجمال آ گئے۔

پانچواں لطیفہ سورۃ فاتحہ میں یہ ہے کہ وہ اس اتم اور اکمل تعلیم پر مشتمل ہے کہ جو طالبِ حق کے لئے ضروری ہے۔ اور جو ترقیات قربت اور معرفت کے لئے کامل دستور العمل ہے۔ کیونکہ ترقیات قُربت کا شروع اس نقطہ سیر سے ہے کہ جب سالک اپنے نفس پر ایک موت قبول کر کے اور سختی اور آزارکشی کو روا رکھ کر اُن تمام نفسانی خواہشوں سے خالصاً لِلّٰہ دست کش ہو جائے کہ جو اس میں اور اس کے مولیٰ کریم میں جُدائی ڈالتے ہیں اور اس کے مونہہ کو خدا کی طرف سے پھیر کر اپنی نفسانی لذّات اور جذبات اور عادات اور خیالات اور ارادات اور نیز مخلوق کی طرف پھیرتے ہیں اور اُن کے خوفوں اور امیدوں میں گرفتار کرتے ہیں اور ترقیات کا اوسط درجہ وہ ہے کہ جو جو ابتدائی درجہ میں نفس کشی کے لئے تکالیف اٹھائی جاتی ہیں اور حالتِ معتادہ کو چھوڑ کر طرح طرح کے دکھ سہنے پڑتے ہیں وہ سب آلام صورت انعام میں ظاہر ہو جائیں اور بجائے مشقّت کے

لذّت اور بجائے رنج کے راحت اور بجائے تنگی کے انشراح اور بشاشت نمودار ہو۔ اور ترقیات کا اعلیٰ درجہ وہ ہے کہ سالک اس قدر خدا اور اس کے ارادوں اور خواہشوں سے اتحاد اور محبت اور یک جہتی پیدا کر لے کہ اس کا تمام اپنا عین واثر جاتا رہے۔ اور ذات اور صفاتِ الٰہیہ بلا شائبہ ظلمت اور بلا توہم حالیّت و محلیّت اس کے وجود آئینہ صفت میں منعکس ہو جائیں۔ اور فنا اَتم کے آئینہ کے ذریعہ سے جس نے سالک میں اور اس کی نفسانی خواہشوں میں غایت درجہ کا بُعد ڈال دیا ہے انعکاس ربّانی ذات اور صفات کا نہایت صفائی سے دکھائی دے۔ اس تقریر میں کوئی ایسا لفظ نہیں ہے جس میں وجودیوں یا ویدانتیوں کے باطل خیال کی تائید ہو۔ کیونکہ انہوں نے خالق اور مخلوق میں جو ابدی امتیاز ہے شناخت نہیں کیا۔ اور اپنے کشوفِ مشتبہ کے دھوکہ سے کہ جو سلوک ناتمام کی حالت میں اکثر پیش آجاتے ہیں یا جو سوداانگیز ریاضتوں کا ایک نتیجہ ہوتا ہے سخت مغالطات کے پیچ میں پڑ گئے یا کسی نے سکر اور بے خودی کی حالت میں جو ایک قسم کا جنون ہے اس فرق کو نظر سے ساقط کر دیا کہ جو خدا کی روح اور انسان کی روح میں باعتبار طاقتوں اور قوتوں اور کمالات اور تقدسات کے ہے ورنہ ظاہر ہے کہ قادر مطلق کہ جس کے علم قدیم سے ایک ذرّہ مخفی نہیں اور جس کی طرف کوئی نقصان اور خسران عائد نہیں ہوسکتا اور جو ہر یک قسم کے جہل اور آلودگی اور ناتوانی اور غم اور حزن اور درد اور رنج اور گرفتاری سے پاک ہے وہ کیوں کر اس چیز کا عین ہوسکتا ہے کہ جو اُن سب بلاؤں میں مبتلا ہے۔ کیا انسان جس کی روحانی ترقّیات کے لئے اس قدر حالات منتظرہ ہیں جن کا کوئی کنارہ نظر نہیں آتا۔ وہ اُس ذات صاحبِ کمالِ تامّ سے مشابہ یا اس کا عین ہوسکتا ہے جس کے لئے کوئی حالت منتظرہ باقی نہیں؟ کیا جس کی ہستی فانی اور جس کی روح میں صریح مخلوقیت کے نقصان پائے جاتے ہیں۔ وہ باوجود اپنی تمام آلائشوں اور کمزوریوں اور ناپاکیوں اور عیبوں اور نقصانوں کے اس ذاتِ جلیل الصّفات سے برابر ہوسکتا ہے جو اپنی خوبیوں اور پاک صفتوں میں ازلی ابدی طور پر اتم اور اکمل ہے۔ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ (الانعام : ۱۰۱) بلکہ اس تیسرے قسم کی ترقی سے ہمارا مطلب یہ ہے کہ سالک خدا کی محبت میں ایسا فانی اور مستہلک ہو جاتا ہے اور اس قدر ذات بے چون و بے چگون اپنی تمام صفاتِ کاملہ کے ساتھ اُس سے قریب ہو جاتی ہے کہ الوہیت کے تجلّیات اس کے نفسانی جذبات پر ایسے غالب آجاتے ہیں اور ایسے اس کو اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں جو اس کو اپنے نفسانی جذبات سے بلکہ ہر یک سے جو نفسانی جذبات کا تابع ہو مغائرت کُلی اور عداوتِ ذاتی پیدا ہو جاتی ہے اور اس میں اور قسم دویم کی ترقی میں فرق یہ ہے کہ گو قسم دویم میں بھی اپنے ربّ کی مرضی سے موافقتِ تامّہ پیدا ہو جاتی ہے اور اُس کا ایلام

بصورت انعام نظر آتا ہے۔ مگر ہنوز اس میں ایسا تعلق باللہ نہیں ہوتا کہ جو ماسوی اللہ کے ساتھ عداوت ذاتی پیدا ہوجانے کا موجب ہو اور جس سے محبتِ الٰہی صرف دل کا مقصد ہی نہ رہے بلکہ دل کی سرشت بھی ہوجائے۔ غرض قسم دویم کی ترقی میں خدا سے موافقت تامّہ کرنا اور اس کے غیر سے عداوت رکھنا سالک کا مقصد ہوتا ہے اور اُس مقصد کے حصول سے وہ لذّت پاتا ہے لیکن قسم سوم کی ترقی میں خدا سے موافقت تامہ اور اس کے غیر سے عداوت خود سالک کی سرشت ہوجاتی ہے جس سرشت کو وہ کسی حالت میں چھوڑ نہیں سکتا۔ کیونکہ انفکاك الشیء عن نفسہٖ محال ہے برخلاف قسم دوم کے کہ اُس میں اِنفکاک جائز ہے اور جب تک ولایت کسی ولی کی قسم سوم تک نہیں پہنچتی عارضی ہے اور خطرات سے امن میں نہیں۔ وجہ یہ کہ جب تک انسان کی سرشت میں خدا کی محبت اور اس کے غیر کی عداوت داخل نہیں۔ تب تک کچھ رگ وریشہ ظلم کا اس میں باقی ہے کیونکہ اُس نے حق ربوبیت کو جیسا کہ چاہیئے تھا ادا نہیں کیا۔ اور لقاء تام حاصل کرنے سے ہنوز قاصر ہے۔ لیکن جب اس کی سرشت میں محبتِ الٰہی اور موافقت باللہ بخوبی داخل ہوگئی یہاں تک کہ خدا اس کے کان ہوگیا جن سے وہ سنتا ہے۔ اور اس کی آنکھیں ہوگیا جن سے وہ دیکھتا ہے۔ اور اس کا ہاتھ ہوگیا جس سے وہ پکڑتا ہے۔ اور اس کا پاؤں ہوگیا جس سے وہ چلتا ہے تو پھر کوئی ظلم اس میں باقی نہ رہا اور ہر یک خطرہ سے امن میں آ گیا۔ اسی درجہ کی طرف اشارہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ يَلْبِسُوْۤا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓىِٕكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَ هُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۔(الانعام: ۸۳)

اب سمجھنا چاہیئے کہ یہ ترقیات ثلاثہ کہ جو تمام علوم ومعارف کا اصل الاصول بلکہ تمام دین کا لب لباب ہے سورۃ فاتحہ میں بتمام تر خوبی ورعایت ایجاز وخوش اسلوبی بیان کئے گئے ہیں چنانچہ پہلی ترقی کہ جو قربت کے میدانوں میں چلنے کے لئے اوّل قدم ہے اس آیت میں تعلیم کی گئی ہے جو فرمایا ہے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۔ کیونکہ ہر یک قسم کی کجی اور بے راہی سے باز آ کر اور بالکل رو بخدا ہوکر راہِ راست کو اختیار کرنا یہ وہی سخت گھاٹی ہے جس کو دوسرے لفظوں میں فنا سے تعبیر کیا گیا ہے کیونکہ امور مالوفہ اور معتادہ کو یکلخت چھوڑ دینا اور نفسانی خواہشوں کو جو ایک عمر سے عادت ہوچکی ہے یکدفعہ ترک کرنا اور ہر یک ننگ اور ناموس اور عُجب اور ریا سے مونہہ پھیر کر اور تمام ماسوااللہ کو کالعدم سمجھ کر سیدھا خدا کی طرف رخ کر لینا حقیقت میں ایک ایسا کام ہے جو موت کے برابر ہے اور یہ موت روحانی پیدائش کا مدار ہے۔ اور جیسے دانہ جب تک خاک میں نہیں ملتا اور اپنی صورت کو نہیں چھوڑتا تب تک نیا دانہ وجود میں آنا غیر ممکن ہے۔ اسی طرح روحانی پیدائش

کا جسم اس فنا سے طیار ہوتا ہے۔ جوں جوں بندہ کا نفس شکست پکڑتا جاتا ہے اور اس کا فعل اور ارادت اور رو بخلق ہونا فنا ہوتا جاتا ہے توں توں پیدائش روحانی کے اعضاء بنتے جاتے ہیں یہاں تک کہ جب فناء اتم حاصل ہو جاتی ہے تو وجود ثانی کی خلعت عطا کی جاتی ہے اور ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ کا وقت آ جاتا ہے اور چونکہ یہ فناء اتم بغیر نصرت و توفیق و توجہ خاص قادر مطلق کے ممکن نہیں اس لئے یہ دعا تعلیم کی یعنی اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ جس کے یہ معنے ہیں کہ اے خدا ہم کو راہِ راست پر قائم کر اور ہر یک طور کی کجی اور بے راہی سے نجات بخش۔ اور یہ کامل استقامت اور راست روی جس کو طلب کرنے کا حکم ہے نہایت سخت کام ہے اور اوّل دفعہ میں اس کا حملہ سالک پر ایک شیر ببر کی طرح ہے جس کے سامنے موت نظر آتی ہے پس اگر سالک ٹھہر گیا اور اُس موت کو قبول کر لیا تو پھر بعد اس کے کوئی اسے سخت موت نہیں اور خدا اِس سے زیادہ تر کریم ہے کہ پھر اس کو یہ جلتا ہوا دوزخ دکھاوے۔ غرض یہ کامل استقامت وہ فنا ہے کہ جس سے کارخانہ وجود بندہ کو بکلّی شکست پہنچتی ہے اور ہوا اور شہوت اور ارادت اور ہر یک خود روی کے فعل سے بیکبارگی دستکش ہونا پڑتا ہے اور یہ مرتبہ سیر و سلوک کے مراتب میں سے وہ مرتبہ ہے جس میں انسانی کوششوں کا بہت کچھ دخل ہے اور بشری مجاہدات کی بخوبی پیش رفت ہے اور اسی حدّ تک اولیاء اللہ کی کوششیں اور سالکین کی محنتیں ختم ہو جاتی ہیں اور پھر بعد اس کے خاص مواہبِ سماوی ہیں جن میں بشری کوششوں کو کچھ دخل نہیں بلکہ خود خدائے تعالیٰ کی طرف سے عجائبات سماوی کی سیر کرانے کے لئے غیبی سواری اور آسمانی بُرّاق عطا ہوتا ہے۔

اور دوسری ترقی کہ جو قربت کے میدانوں میں چلنے کے لئے دوسرا قدم ہے اِس آیت میں تعلیم کی گئی ہے جو فرمایا ہے صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۔ یعنی ہم کو ان لوگوں کا راہ دکھلا جن پر تیرا انعام اکرام ہے۔ اس جگہ واضح رہے کہ جو لوگ منعم علیھم ہیں اور خدا سے ظاہری و باطنی نعمتیں پاتے ہیں شدائد سے خالی نہیں ہیں بلکہ اس دار الابتلاء میں ایسی ایسی شدّتیں اور صعوبتیں ان کو پہنچتی ہیں کہ اگر وہ کسی دوسرے کو پہنچتیں تو مدد ایمانی اس کی منقطع ہو جاتی۔ لیکن اس جہت سے اُن کا نام منعم علیھم رکھا گیا ہے کہ وہ بباعث غلبہ محبت آلام کو برنگ انعام دیکھتے ہیں اور ہر یک رنج یا راحت جو دوست حقیقی کی طرف سے اُن کو پہنچتی ہے بوجہ مستیٔ عشق اس سے لذت اٹھاتے ہیں پس یہ ترقی فی القرب کی دوسری قسم ہے جس میں اپنے محبوب کے جمیع افعال سے لذّت آتی ہے اور جو کچھ اس کی طرف سے پہنچے انعام ہی انعام نظر آتا ہے اور اصل موجب اس حالت کا ایک محبت کامل اور تعلّق صادق ہوتا ہے جو اپنے محبوب سے ہو جاتا ہے اور یہ ایک موہبت خاص ہوتی ہے جس

میں حیلہ اور تدبیر کو کچھ دخل نہیں بلکہ خدا ہی کی طرف سے آتی ہے اور جب آتی ہے تو پھر سالک ایک دوسرا رنگ پکڑ لیتا ہے اور تمام بوجھ اس کے سر سے اتارے جاتے ہیں اور ہر یک ایلام انعام ہی معلوم ہوتا ہے اور شکوہ اور شکایت کا نشان نہیں ہوتا۔ پس یہ حالت ایسی ہوتی ہے کہ گویا انسان بعد موت کے زندہ کیا گیا ہے کیونکہ ان تلخیوں سے بکلّی نکل آتا ہے جو پہلے درجہ میں تھیں جن سے ہر یک وقت موت کا سامنا معلوم ہوتا تھا مگر اب چاروں طرف سے انعام ہی انعام پاتا ہے اور اسی جہت سے اس کی حالت کے مناسبِ حال یہی تھا کہ اس کا نام منعم علیہ رکھا جاتا اور دوسرے لفظوں میں اس حالت کا نام بقا ہے کیونکہ سالک اس حالت میں اپنے تئیں ایسا پاتا ہے کہ گویا وہ مرا ہوا تھا اور اب زندہ ہو گیا۔ اور اپنے نفس میں بڑی خوشحالی اور انشراح صدر دیکھتا ہے اور بشریت کے انقباض سب دور ہو جاتے ہیں اور الوہیت کے مربیانہ انوار نعمت کی طرح برستے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ اسی مرتبہ میں سالک پر ہر یک نعمت کا دروازہ کھولا جاتا ہے اور عنایاتِ الٰہیہ کامل طور پر متوجہ ہوتی ہیں اور اس مرتبہ کا نام سیر فی اللہ ہے۔ کیونکہ اس مرتبہ میں ربوبیت کے عجائبات سالک پر کھولے جاتے ہیں اور جو ربّانی نعمتیں دوسروں سے مخفی ہیں ان کا اس کو سیر کرایا جاتا ہے کشوفِ صادقہ سے متمتع ہوتا ہے اور مخاطبات حضرتِ احدیّت سے سرفرازی پاتا ہے۔ اور عالَمِ ثانی کے باریک بھیدوں سے مطلع کیا جاتا ہے اور علوم اور معارف سے وافر حِصّہ دیا جاتا ہے۔ غرض ظاہری اور باطنی نعمتوں سے بہت کچھ اس کو عطا کیا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ اس درجہءِ یقین کامل تک پہنچتا ہے کہ گویا مدبّرِ حقیقی کو بچشم خود دیکھتا ہے۔ سو اس طور کی اطلاع کامل جو اسرار سماوی میں اس کو بخشے جاتے ہیں۔ اس کا نام سیر فی اللہ ہے لیکن یہ وہ مرتبہ ہے جس میں محبتِ الٰہی انسان کو دی تو جاتی ہے لیکن بطریق طبعیت اس میں قائم نہیں کی جاتی یعنی اس کی سرشت میں داخل نہیں ہوتی۔ بلکہ اس میں محفوظ ہوتی ہے۔ اور تیسری ترقی جو قربت کے میدانوں میں چلنے کے لئے انتہائی قدم ہے۔ اِس آیت میں تعلیم کی گئی ہے۔ جو فرمایا ہے۔ غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡہِمۡ وَ لَا الضَّآلِّیۡنَ یہ وہ مرتبہ ہے جس میں انسان کو خدا کی محبت اور اس کے غیر کی عداوت سرشت میں داخل ہو جاتی ہے۔ اور بطریق طبعیت اس میں قیام پکڑتی ہے اور صاحب اس مرتبہ کا اخلاقِ الٰہیہ سے ایسا ہی بالطبع پیار کرتا ہے کہ جیسے وہ اخلاق حضرتِ احدیّت میں محبوب ہیں اور محبت ذاتی حضرت خداوند کریم کی اِس قدر اُس کے دل میں آمیزش کر جاتی ہے کہ اُس کے دل سے محبتِ الٰہی کا منفک ہونا مستحیل اور ممتنع ہوتا ہے۔ اور اگر اس کے دل کو اور اس کی جان کو بڑے بڑے امتحانوں اور ابتلاؤں کے سخت صدمات کے پیچ میں دے کر کوفتہ کیا

جائے اور نچوڑا جائے تو بجز محبتِ الٰہیّہ کے اور کچھ اس کے دل اور جان سے نہیں نکلتا۔ اسی کے درد سے لذّت پاتا ہے۔ اور اُسی کو واقعی اور حقیقی طور پر اپنا دل آرام سمجھتا ہے۔ یہ وہ مقام ہے جس میں تمام ترقیات قرب ختم ہو جاتی ہیں اور انسان اپنے اس انتہائی کمال کو پہنچ جاتا ہے کہ جو فطرت بشری کے لئے مقدّر ہے۔ یہ لطائف خمسہ ہیں کہ جو بطور نمونہ مشتے از خروارے ہم نے لکھے ہیں مگر عجائبات معنوی اس صورت میں اور نیز دوسرے حقائق و معارف اس قدر ہیں کہ اگر اُن کا عشرِ عشیر بھی لکھا جائے تو اس کے لکھنے کے لئے ایک بڑی کتاب چاہئے۔ اور جو اس سورہ مبارکہ میں خواص روحانی ہیں وہ بھی ایسے اعلیٰ و حیرت انگیز ہیں جن کو طالبِ حق دیکھ کر اس بات کے اقرار کے لئے مجبور ہوتا ہے کہ بلاشبہ وہ قادر مطلق کا کلام ہے۔

(براہین احمدیہ چہار حصص، روحانی خزائن جلد ۱ صفحہ ۵۶۷ تا ۶۲۶ حاشیہ ۱۱)